حضرت محمد صلى الله علیہ وسلم کی زندگی

Shaykh Pod BOOKS

Shaykh Pod URDU

مثبت خصوصیات کو اپنانا ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی

شیخ پوڈ کتب

شیخ پوڈ کتب، 2024 کے ذریعہ شائع کیا گیا۔

اگرچہ اس کتاب کی تیاری میں تمام احتیاط برتی گئی ہے، ناشر غلطیوں یا کوتاہی یا یہاں موجود معلومات کے استعمال کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات کے لیے کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی

تیسری اشاعت .16 مارچ 2024۔

کاپی رائٹ ©2024 شیخ پوڈ کتب۔

شیخ پوڈ کتب کے ذریعہ تحریر کردہ۔

فہرست کا خانہ

فہرست کا خانہ

اعترافات

مرتب کرنے والے کے نوٹس

تعارف

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی

مکہ میں بابرکت زندگی

یتیموں کی عزت کرنا

حق سے خیانت کرنا

ایک مبارک دن

روحانی تزکیہ

الہی ہدایت یافتہ پرورش

جھوٹ کو رد کرنا

حق کو قبول کرنا

الفضول کا معاہدہ

نوبل مرچنٹ

ایک ایماندار زندگی

خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

خانہ کعبہ کی تعمیر نو - 1

کعبہ کی تعمیر نو - 2

آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توقع

اندھی وفاداری-

اعلیٰ صفات

غار حرا میں تنہائی

تنہائی اور عکاسی - 1

تنہائی اور عکاسی - 2

ختم نبوت کا مشن شروع

اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اخلاص

علم کی اہمیت

فطری خوف اور اضطراب

دوسروں کے لیے اخلاص

نیک کردار عزت کی طرف لے جاتا ہے۔

بیوی کی ایمانداری

مشکلات کا انتباہ

پیغام پھیلانا

منظم نقطہ نظر

پہلے مومنین

سچے صحابہ

دوسروں کو ایمان کی طرف رہنمائی کرنا

خوشی کی کلید

علم کو سننا

علم کے لیے اجتماع

اسلام کی عوامی دعوت

حق پر ثابت قدم

مساوات

حق کو قبول کرنا اور اس پر ثابت قدم رہنا

برائی کے وقت صبر

خواہشات کی عبادت کرنا

سزا میں تاخیر

نماز پر پختہ

سچائی کی تلاش

کاروبار میں انصاف

ایک خالص نیت

احمقانہ گزارشات

الہی قربت

یقین پر ثابت قدم

قرآن پر سمجھوتہ کرنا

قیامت

تحفہ یا دینے والا

کنٹرولر نہیں-

مہلت یا تباہی-

آسانی کے اوقات

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مرضی

ثابت قدمی بہادری-

مکہ میں اہل ایمان پر تشدد

مشکل ٹیسٹ

مراعات دینا

ایمان پہلے آتا ہے-

کمزوروں کی مدد کرنا

برائی کا حکم دینا اور نیکی سے منع کرنا

ٹیسٹ کا اختتام

خواتین کے لیے معیاری

ضد

برے منصوبے بنانا

مثبت طور پر سمجھنا

غیر جانبدار رہو

دوسروں کو گمراہ کرنا

برائی کا حکم دینا

گمراہ کرنے والے دوست

دنیاوی مقابلہ

بردباری

ایک دیرپا چیلنج

اقتدار اور دولت کا لالچ

سچائی سے مخلص

صبر کے ساتھ حالات کا سامنا کرنا

ایتھوپیا کی طرف پہلی ہجرت

ہمدردی کا احساس

ایمان کے لیے قربانی دینا

ایتھوپیا میں مومنین کے لیے مسائل

منفیت

نیکی کی دعوت

غلط عقائد کی اصلاح

خدائی حفاظت

شکر گزاری کا ایک سبق

سیدھا راستہ

حق کا دفاع کرنا

جہالت اور اس کے لوگ

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔

اسلام کی تقویت

حق پر عمل کرنا

ایک مختلف راستے کا انتخاب

اپنی حفاظت کرنا

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ولایت

ایتھوپیا کی طرف ایک اور ہجرت

سچا مسلمان اور مومن

سوشل بائیکاٹ

رشتہ داری کا رشتہ

ظاہر کو رد کرنا

دوستو

دلیل

جھوٹ پر تعاون

اسلام سب کے لیے

مہربان اور نرم تبلیغ

مکہ میں قحط

رحمت کا مشن

تجربات سے سیکھنا

اسلام میں مساوات

بہترین کمپنی

حق کو رد کرنا

ابو طالب کی وفات - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا

مذہب میں زبردستی نہیں-

وفات خدیجہ رضی اللہ عنہا - زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ایک عمدہ ساتھی

پرانے تعلقات کو برقرار رکھنا

سرپرست

پڑوسی

طائف کا دورہ

نجی گفتگو

فرمان الٰہی کو قبول کرنا

مثبتیت

معافی اور نظر انداز

احسانات کی ادائیگی

آسمانی سفر

تمام غالب

یقینی کے لیے کوشش کرنا

اعلیٰ ترین درجہ

کمپنی آف دی گریٹ

زندگی ایک آئینہ ہے-

مزید اہم مسائل کو حل کرنا

فرض نمازیں-

ابوبکر)رضی اللہ عنہ (- حق کے چیمپئن

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اخلاص

مختلف قبائل میں اسلام کی تبلیغ

نرم استقامت

ایک اچھی نیت

گمراہ صحابہ

مدینہ کے مددگاروں نے اسلام قبول کیا۔

ایمان میں ثابت قدم

مددگاروں کا پہلا عہد (رضی اللہ عنہ)

مدینہ میں اسلام پھیلا

اچھا پھیلانا

نرمی سے مشورہ دینا

مقررہ طریقہ پر قائم رہنا

مددگاروں کا دوسرا عہد (رضی اللہ عنہ)

جنت کے لیے عہد کرنا

اللہ کے لیے متحد

آپ کی دیکھ بھال کے تحت

چیلنجز کا سامنا کرنا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدینہ کی طرف ہجرت

لوگوں سے اخلاص

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت

ہجرت کی اجازت

ایک بری اجتماع

حمایتی دعوے۔

ایک راستہ

ٹرسٹ کی ادائیگی

آزادی کے لیے جدوجہد کرنا

حق پر قائم رہنا

سچا پیار

بہترین ساتھی

صحیح طریقے سے بھروسہ کرنا

بہترین مقامات

مدینہ کی بابرکت زندگی

ہجرت کے بعد پہلا سال

مدینہ میں مسجد نبوی کی تعمیر

ایک خوبصورت میراث

مثال کے ذریعے رہنمائی کریں۔

نیکی کا حصول

حسد کے اثرات

کاروبار درست طریقے سے کرنا

عظیم قربانیاں

محبت کی علامت

سچ

آسمانی خصوصیات

مکمل جمع کروانا

دنیا کے لیے محبت

فائن اتحادی

مدینہ منورہ میں جمعہ کا پہلا خطبہ

زمین پر بہترین مقامات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپارٹمنٹس

سادہ رہائش

نماز کی اذان

کامیابی کے لیے کال کریں۔

مہربان علاج

مدد کرنے والوں اور مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ

شکر گزاری کے دو حصے

بے مثال سخاوت

رزق کمانا

سچا علم

مدینہ میں منافقین

دو چہروں والا

تفرقہ پیدا کرنا

الہی سرپرستی

اچھے کاروبار کی اہمیت

لڑنے کی اجازت

ہجرت کے بعد دوسرا سال

نماز کی سمت میں تبدیلی

ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے سامنے

نماز کی ہدایت

اچھی کوشش

نماز قائم کرنا ایمان ہے۔

بنچ کے لوگ

دوسروں کو گمراہ کرنا

روزے کی فرضیت

ایک منفرد عمل

واجب صدقہ

ایک بری نیت

کرپشن کو روکنا

بدر کی جنگ

عظمت عاجزی میں ہے۔

والدین کا احترام کرنا

شرافت تقویٰ میں مضمر ہے۔

وکیل تلاش کرنا

اسٹینڈنگ فرم

شیطانی سازشوں کا خاتمہ

اچھی نصیحت قبول کرنا

قائدین سے اخلاص

تقدیر میں نیکی

الہٰی نعمتیں اور حمایت

سچی امید

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مدد

مخلصانہ مشورہ دینا

وعدوں کی تعظیم

ڈوئل

بہادری

آسمانوں سے مدد

ایک برا ساتھی

آخرت کا ادراک

ایمان میں غیر سمجھوتہ

اللہ کی خاطر دوسروں سے نفرت کرنا

اعمال کے نتائج

آخرت کی تلاش

خدائی فیصلہ

جنگ بدر کے اسیران

ایک مہربان عمل

ایک منصفانہ سزا

نرمی کا مظاہرہ کرنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی میراث

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت

بہترین طرز عمل

خبریں پھیلانا

شاندار کردار

نرم اور مہربان فطرت

کبھی دو بار دھوکہ نہیں دیا۔

کوئی ترجیحی علاج نہیں۔

بہتر حاصل کرنا

تعلیم کی اہمیت

کیسے جیتا جائے

دوسرا چانسز

دو چہرے والا سلوک

سیدھا ہونا

توڑنے والے بانڈز

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کی

ایک دانشمندانہ تجویز

سادہ زندگی

ہجرت کے بعد تیسرا سال

قابل اعتماد ہونا

بدلہ لینا

اسلام میں شرافت

بنو قینقاع

سچی وفاداری۔

بری نصیحت

غداری کی سزا

بات چیت کو نجی رکھنا

جیسی کرنی ویسی بھرنی

جنگ احد

ایک بری گفتگو

لوگوں کا شکر گزار ہونا

بات چیت کی حفاظت کرنا

مشورہ طلب کرنا

امن کے خواہشمند

اسباب کا استعمال اور اللہ پر بھروسہ

موزوں ساتھیوں کا انتخاب

منافقین نے احد میں مسلم فوج کو چھوڑ دیا۔

آل ٹاک نو ایکشن

یقینی ایمان

ایمان پر قائم رہنا

احد میں ایک متاثر کن تقریر

بزدلی سے بچنا

خون سے زیادہ مضبوط

دنیا پر آخرت

ہمیشہ مخلص

تمام حالات میں برکت

مشن کو جاری رکھنا

تمام مشکلات

لوگوں کے لیے تشویش

سب کے لیے رہنمائی کی خواہش

حق کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا

نظر انداز اور اچھی مرضی

اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ثواب حاصل کرنا

مصیبت میں مدد

خواتین کے لیے بینچ مارک

مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا

یہ سب کچھ قربان کرنا

ایمان کی پکار پر لبیک کہنا

تھوڑے سے بہت کچھ

جنگ احد کے بعد

غصے پر حکم

ایک عہد پورا ہوا۔

ٹیسٹ کو چھوٹا بنانا

قرآنی علم

مثبت رویہ

جب دوسرے روانہ ہوتے ہیں۔

غم کے اوقات

تقسیم کا باعث

مشکلات میں اطاعت

جنگ احد کی حکمتیں

رحم کا مظاہرہ کرنا

دو زبانیں۔

تقویٰ کی تلاش

ایمان پر سخت

ہجرت کے بعد چوتھا سال

استقامت کے ساتھ مشکلات کا سامنا کرنا

محبت کا ثبوت

ایک سچا مومن

نظر انداز کرنے والا اور معاف کرنے والا

مشکلات میں پختگی

بنو نضیر

عہد توڑنا

سچا انصاف

بدی کی حمایت

بدلہ لینا چھوڑنا

ایمان میں کوئی جبر نہیں۔

انتہائی سخاوت

اندھی تقلید

شراب کی ممانعت

جوئے کی ممانعت

قرآن پاک سے اخلاص

خوبصورت کردار

اضافہ یا نقصان

مشکل کے ساتھ آسانی

دوسری بدر

پیاروں کو کھونا

ہجرت کے بعد پانچواں سال

قائدین کے لیے نیک خواہشات

جنگ احزاب

ایک سچا لیڈر

کوشش ثواب کی طرف لے جاتی ہے۔

جدوجہد میں کمزوری۔

حقیقی زندگی

صبر کے ساتھ شکر ادا کرنا

ٹیسٹ کے نتائج

دوسروں کے لیے تشویش

ہم میں سے ایک

مضبوط ایمان

کریٹ دل

دوستوں کا انتخاب دانشمندی سے کرنا

ایک بدکار دوست

ٹرسٹ کو پورا کرنا

مشکوک ہونا

تمام حالات میں ثابت قدم

عوام کے لیے تشویش

ثابت قدمی اطاعت

اچھا کاروبار کرنا

شیطانی منصوبے ناکام

ہمت اور استقامت

ایک خیانت کی ذہنیت

مشکلات اور آسانی

ایک ایگزٹ

بنو قریظہ

نتائج کا سامنا کرنا

درست فیصلے کرنا

بہترین لوگ

حق کا انکار کرنا

حق پر قائم رہو

ناقدین سے ڈرنا

ایمان پر سمجھوتہ کرنے سے انکار

غداری

اندھی وفاداری اور تقلید

لوگوں کو خوش کرنے والا

باغ یا گڑھا ۔

غداری کی سزا - 2

شیطانی محرکات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کی

بے بنیاد رواج کو ترک کرنا

دوسروں کا دورہ کرنا

ہجرت کے بعد چھٹا سال

رحم اور مہربانی کا مظاہرہ کرنا

ایمان کا بندھن

تفرقہ پیدا کرنا

آگ کی دو زبانیں۔

حسد اور نفرت

ایمان کو بہترین بنانا

اچھا علاج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت

اپنے آپ کو فائدہ پہنچائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے شادی کی

نیکی پھیلانا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی غیبت - زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ایک صریح بہتان

مثبت سوچنا

حسن اخلاق

دوسروں کو تسلی دینا

گپ شپ پھیلانا

اپنے کام سے کام رکھو

اتحاد کو خراب کرنا

شیئرنگ کے مسائل

غصے پر قابو پانا

صبر ثواب کی طرف لے جاتا ہے۔

چیزوں کو جانے دو

دوسروں کے لیے احساس

معاہدہ حدیبیہ

حقیقی زیارت

خیر میں رکاوٹ ڈالنا

غیر جانبدار رہنا

آگے کو دبانا

نماز کی اہمیت

مشکلات کا سامنا کرنا

اچھی چیزوں کو قبول کرنا

تقویٰ کے لیے آزمایا

ایمان میں متحد

سچا پیار دکھانا

لچکدار ہونا

نیک نیتی

عجلت میں برتاؤ سے گریز کرنا

لیڈروں کے لیے مخلص ہونا

صراط مستقیم پر قائم رہو

رضوان کا عہد

بندگی کا عہد

خبروں کی تصدیق

سچی محبت اور خلوص

جب شک ہو تو ثابت قدم رہنا

نرمی دکھا رہی ہے۔

عظمت مشکلات میں ہے۔

تمام وعدے پورے کریں۔

مشورہ طلب کرنا

ایک واضح فتح

شیطانی سازشیں ناکام

سادہ اور شائستہ تقریر

برائی کے نتائج

ہجرت کے بعد 7 واں سال

خیبر کی جنگ

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی محبت حاصل کرنا

دوسروں کی رہنمائی کرنا

نیت کے اثرات

جیسا کرو گے ویسا بھرو گے

خیانت سے بچنا

انصاف کو پکڑو

خراب عناصر کو ہٹانا

مہربان ہونا

ناجائز کا استعمال

آپ کی میراث

تعلقات کو بہتر بنانا

ہجرت کرنے والے

کوئی صنفی تعصب نہیں۔

چیزوں کی مثبت تشریح کرنا

ایمان پر عمل کرنا

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں

دورہ (عمرہ)

وعدوں کا وفادار

محتاط رہنا

کمزوری کے بغیر عاجزی

مہربانی کو ترجیح دی جاتی ہے۔

نبوی شادیاں

خواتین کی عزت کرنا

ہجرت کے بعد آٹھواں سال

زندگی میں باطل

موتہ کی جنگ

درست ادراک

مندرجہ ذیل بہترین ہے۔

ایمان میں مضبوطی۔

شاندار حکمت عملی

دوسروں کو تسلی دینا

دوسروں کے لیے ماتم کرنا

دونوں جہانوں میں خدائی حفاظت

قائدین کا احترام

رومی شہنشاہ

جھوٹ بولتے ہوئے شرم آتی ہے۔

نبوت کا ثبوت

حق پر سمجھوتہ کرنا

آخر تک وفادار

اچھا یا برا

اتحاد تلاش کریں۔

شک کا فائدہ

فتح مکہ

معاہدوں کو برقرار رکھنے میں ناکامی۔

کے ذریعے چیزیں سوچنا

فرمانبرداری پہلے آتی ہے۔

سب سے پہلے اسلام کے لیے اخلاص

خفیہ گفتگو

رحم کے ساتھ دوسروں کا مشاہدہ

دوسروں پر رحم کرنا

عظمت پیروی میں ہے۔

برتری ظاہری شکل میں نہیں ہے۔

عوام سے اخلاص

پناہ گاہ انتقام نہیں۔

اسلام مخلصانہ اطاعت ہے۔

نافرمانی ناکامی کی طرف لے جاتی ہے۔

آسانی اور کامیابی میں اطاعت

عاجزی کی انتہا

چیزوں کو آسان بنائیں

ہمدردی

معاف کرنا اور آگے بڑھنا

برتری اور کامیابی

کعبہ کی چابیاں

اسلام نرمی ہے۔

اسلامی تعلیمات پر عمل کریں۔

حقیقی شرافت

اسلام میں نسل پرستی نہیں۔

معاف کرنا بلندی کی طرف لے جاتا ہے۔

خواتین کا عہد

ختم نبوت کے دوست

عوام کے لیے اخلاص

انصاف سب کے لیے

کوشش اور نیک نیت

انجام کی نشاندہی کرنا

حنین کی جنگ

کرپشن کا خاتمہ

اسلام کی پاکیزگی کو برقرار رکھیں

اطاعت میں فتح

مشکل میں ثابت قدم رہنا

عادل ہونا

طائف کا محاصرہ

ذلت آمیز غلامی سے آزادی

دو چہرے ہونے کے خطرات

نرمی اور دوسرا امکان

انتہائی مہربانی

حرام سے بچنا

آپ کیا ڈھونڈتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے محبت

آزادی کے لیے جدوجہد کریں۔

برائی کے خلاف اچھا

مسائل کو چھوٹا بنائیں

مستقبل کے باغی

قرآن پاک کو ناکام کرنا

رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک

اچھا کر

ایک کامیاب حج

خطرے کا سامنا

ایک سادہ زندگی

ہجرت کے بعد نواں سال

حلال کی پابندی کرنا

تبوک کی جنگ

آسانی اور مشکل میں اطاعت

برکات کا استعمال

غریب بہانے

دوسروں کو بیوقوف بنانا

غداری کی سزا

مفید دولت

معیار کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

حقیقی اخلاص

ہدایت کا انعام

نیت میں خالص

بہت باتیں چھوٹی ایکشن

پریشانی پیدا کرنے والے

ایمان کا مذاق اڑانا

کمال کی کوئی طلب نہیں۔

اسلام میں فضیلت

ایک اجنبی

حق کے اندھے

صبر اور قناعت

مشاہدہ کرنے والا

سوالات

اللہ کے لیے ناراض ہونا

تبوک میں خطبہ نبوی

ایک جامع مشورہ

ایک مبارک قبر

فتح اطاعت میں ہے۔

منافقین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی کوشش کی

برائی کے خلاف معافی

نقصان پہنچانے کے لیے مسجد

ایک فاؤنڈیشن جو برائی پر بنائی گئی ہے۔

بہترین مقامات

اپنے ذرائع استعمال کریں۔

نرم رویہ بہترین ہے۔

ظاہری رویے کو مثبت طور پر قبول کرنا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ جو جنگ تبوک میں شامل ہونے میں ناکام رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت

کنارے پر اطاعت

سچائی کامیابی کی طرف لے جاتی ہے۔

ذرائع کے مطابق متوازن خرچ

بخشش حاصل کرنا

غمگین

ثقیف قبیلے نے اسلام قبول کیا۔

سمجھوتہ ناکامی کی طرف لے جاتا ہے۔

نمازیں جنت کی طرف لے جاتی ہیں۔

ایک محفوظ گھر اور معاشرہ

سود سے بچنا

بدی کی ماں

سمجھوتہ کے بغیر لچک

سچا اچھا

ایک اچھا لیڈر

چیزوں کو آسان بنائیں

معاف کرو اور بھول جاؤ

رحمت کی امید

چیزوں کو چھوڑنا

منافقوں کے سردار کی موت

استقامت

سب کا شکریہ ادا کریں۔

رحمت کامیابی کی طرف لے جاتی ہے۔

مقدس زیارت کو پاک کرنا

غربت سے مت ڈرو

اخلاص میں سچا ۔

ایک اچھے مہمان بنیں۔

دو بابرکت صفات

مسیلمہ، جھوٹا۔

دنیاوی فائدے کے حصول کے لیے

حقیقی خوبصورتی

عیسائی وفد کا مدینہ منورہ کا دورہ

اعلیٰ ترین درجہ

واضح حقیقت

دنیا کے غلام

امانتدار

برے منصوبے بیک فائر

نیک کردار جنت کی طرف لے جاتا ہے۔

عاجزی میں حقیقی عزت

مسلمانوں کے حقوق

چیزوں کو جانے دینا

قیادت میں اخلاص

آزاد

اللہ اور لوگوں کی محبت

شفاعت

زندگی کے تمام پہلوؤں میں ایمانداری

مخالف مسیح کی کہانی

آزمائشوں سے نمٹنا

اپنے آپ کو پسند کرنا

جہاں عظمت مضمر ہے۔

سچی عقیدت

سچا عقیدہ

امن کا سلام

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا

آخرت پر احسان کرنا

ہجرت کے بعد 10 واں سال

نظر انداز کرنا اور معاف کرنا

دشمنوں پر قابو پانا

گورنروں کو یمن بھیجنا

آپ کے اختیار کے تحت

آسانی اور خوشخبری۔

نیکی میں مدد کریں۔

اندھیرے سے بچیں۔

پیغمبرانہ صحبت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین

اللہ اور لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنا

ایک پرتعیش زندگی

علم کا صحیح استعمال کرنا

ہر چیز سے ثواب حاصل کرنا

انصاف کرو

بہترین بنیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچانا

سچا ہونا

اعتماد دکھا رہا ہے۔

اعمال کا مثبت انداز میں فیصلہ کرنا

الوداعی مقدس زیارت

اعمال میں اخلاص

مقدس کیا ہے

عرفات میں خطبہ

ثقافت پر مذہب

قانون سب پر لاگو ہوتا ہے۔

شادی میں ہم آہنگی۔

اسلام خواتین کی عزت کرتا ہے۔

اسلام میں برتری

کامیابی کو تھامے رکھیں

کوئی نقصان نہیں پہنچانا

ایک شاندار انکشاف

ایمان پر قائم رہو

تقویٰ کیا ہے؟

صحیح طریقہ

فتنوں پر قابو پانا

آسانی کا مذہب

سچی قربانی

محبت اعمال میں ہے۔

درست طریقے سے ترجیح دینا

اپنی توانائی استعمال کریں۔

منیٰ میں خطبہ

صحیح علم پر گزرنا

ضرر سے بچو

سنو اور اطاعت کرو

خاندانی تعلقات

منافقت کی ایک شاخ

اللہ پر بھروسہ

آپس میں لڑنا

بچوں کی حفاظت

پیچھے ہٹیں اور اندازہ لگائیں۔

غلط نہ کرو

ایک جسم

ٹرسٹ کی ادائیگی

خطبہ غدیر خم

اسلام کے دو خزانے۔

حفاظتی تقریر

ہجرت کے بعد گیارہواں سال

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیماری

دوسروں کو یاد کرنا

ایمان سے چمٹے رہو

ابدی کو ترجیح دینا

احد کی زیارت کرنا اور خطبہ دینا

ایک پیغمبری گواہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات

عوام کے لیے خوف

آسانی اور مشکل میں حقوق کو پورا کریں۔

شرافت اطاعت میں ہے۔

قیادت کی خواہش سے بچیں۔

آخری خطبہ

عیوب کو چھپانا۔

ایک عمدہ انتخاب

صالحین میں شامل ہونا

ایک صاف دل

دیوالیہ

ندامت کی اقسام

مولڈنگ زندگی

ایک عملی رول ماڈل

تمام درد

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں سوچنا

سادگی سے رہنا

خوبصورتی

الٰہی محبت

آخری الفاظ - 1

آخری الفاظ - 2

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

اللہ کی عبادت

ایک مثبت رویہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خطاب

فرمانبردار رہنا

ابوبکر رضی اللہ عنہ - پہلے خلیفہ

حق کا ساتھ دینا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین

جنت کا عظیم ترین باغ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا پہلا خطبہ

اسلام کے سفیر

اتحاد

مزید متعلقہ مسائل پر توجہ مرکوز کرنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمدہ بیان

نتیجہ

اچھے کردار پر 400 سے زیادہ مفت ای بکس

دیگر شیخ پوڈ میڈیا

اعترافات

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جو تمام جہانوں کا رب ہے، جس نے ہمیں اس جلد کو مکمل کرنے کی تحریک، موقع اور طاقت بخشی۔ درود و سلام ہو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کا راستہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی نجات کے لیے چنا ہے۔

ہم شیخ پوڈ کے پورے خاندان، خاص طور پر اپنے چھوٹے ستارے یوسف کے لیے اپنی تہہ دل سے تعریف کرنا چاہیں گے، جن کی مسلسل حمایت اور مشورے نے شیخ پوڈ کتب کی ترقی کو متاثر کیا ہے۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم پر اپنا کرم مکمل فرمائے اور اس کتاب کے ہر حرف کو اپنی بارگاہِ عالی میں قبول فرمائے اور اسے روزِ آخرت میں ہماری طرف سے گواہی دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور بے شمار درود و سلام ہو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، آپ کی آل اور صحابہ کرام پر، اللہ ان سب سے راضی ہو۔

مرتب کرنے والے کے نوٹس

ہم نے اس جلد میں انصاف کرنے کی پوری کوشش کی ہے تاہم اگر کوئی شارٹ فال نظر آئے تو مرتب کرنے والا ذاتی طور پر ذمہ دار ہے۔

ہم ایسے مشکل کام کو مکمل کرنے کی کوشش میں غلطیوں اور کوتاہیوں کے امکان کو قبول کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم نے لاشعوری طور پر ٹھوکر کھائی ہو اور غلطیوں کا ارتکاب کیا ہو جس کے لیے ہم اپنے قارئین سے درگزر اور معافی کے لیے دعا گو ہیں اور ہماری توجہ اس طرف مبذول کرائی جائے گی۔ ہم تہہ دل سے تعمیری تجاویز کی دعوت دیتے ہیں جو ShaykhPod.Books@gmail.com - پر دی جا سکتی ہیں

تعارف

دونوں جہانوں میں کامیابی اور نجات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں رکھی گئی ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا‘‘۔

لیکن یہ حصول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں موجود تعلیمات کو سیکھے اور ان پر عمل کیے بغیر ممکن نہیں۔ لہٰذا یہ کتاب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابرکت زندگی میں پائے جانے والے بہت سے واقعات پر بحث کرے گی تاکہ مسلمان آپ کی سیرت کو اپنا سکیں، جو کہ سیرت النبی کا راستہ ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2003 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی ہے کہ قیامت کے ترازو میں سب سے وزنی چیز حسن اخلاق ہوگی۔ یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات میں سے ایک ہے جس کی تعریف اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی سورہ نمبر 68 القلم آیت نمبر 4 میں فرمائی ہے:

’’اور بے شک آپ بڑے اخلاق کے مالک ہیں۔‘‘

لہٰذا تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اعلیٰ کردار کے حصول کے لیے قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو حاصل کریں اور اس پر عمل کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی

مکہ میں بابرکت زندگی

یتیموں کی عزت کرنا

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ آمنہ بنت وہب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاملہ تھیں، آپ کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا۔ چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں پیدا ہونے سے پہلے ہی یتیم تھے۔ اس پر سیرت ابن ہشام صفحہ 20 میں بحث ہوئی ہے۔

یہ حقیقت کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یتیم تھے مسلمانوں کے لیے تمام یتیموں کی ان کی استطاعت کے مطابق عزت اور مدد کے لیے کافی ہونا چاہیے۔

اس دن اور دور میں یتیموں کی مدد کرنا بہت آسان ہے کیونکہ کوئی بھی ان کی قربت کے بغیر خیراتی اداروں کے ذریعے ان کی مالی مدد کر سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 5304 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ یتیم کی کفالت کرنے والا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہوگا۔ آپ پر جنت میں سلامتی ہو صرف یہی حدیث ایک مسلمان کے لیے یتیموں کی مدد کے لیے کوشش کرنے کے لیے کافی ہے کیونکہ اس کی قیمت بہت کم ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر لوگ اپنے ماہانہ فون بل پر زیادہ رقم خرچ کرتے ہیں۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ کم از کم ایک یتیم کی کفالت کرے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دے۔

عام طور پر، اس میں دوسروں کی مدد کرنے کی تمام اقسام شامل ہیں نہ کہ صرف مالی امداد۔ دوسروں کی ہر قسم کی حلال حاجت کو اپنی طاقت کے مطابق پورا کیا جائے اور اگر کسی مسلمان کو معلوم ہو کہ وہ یہ امداد نہیں دے سکتا تو اسے چاہیے کہ اس ضرورت مند کو کسی ایسے شخص کے پاس پہنچا دیں جو ان کی مدد کرے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ انہیں وہی اجر ملے گا جو ضرورت مند کی مدد کرنے والے کو ملتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2671 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ خلوص نیت سے دوسروں کی ایسے طریقوں سے مدد کریں جس سے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ان کو فائدہ پہنچے، لوگوں سے کسی قسم کا بدلہ طلب کیے بغیر، کیونکہ یہ صرف ان کے اجر کو منسوخ کرنے کا باعث بنتا ہے۔ .باب 2 البقرہ، آیت 264:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے صدقات کو نصیحت یا ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو۔"

سیدھے الفاظ میں، اگر کوئی مسلمان اپنی ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ کی مدد کا خواہاں ہے تو اسے ضرورت کے وقت دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4893 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ لیکن جو لوگ دوسروں کی مدد کرنے سے منہ موڑتے ہیں وہ اپنی ضرورت کے وقت پھنسے ہوئے رہ سکتے ہیں۔

اگر مسلمان اللہ تعالیٰ کا سچا شکر ادا کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کو نعمتوں میں اضافہ ہو تو انہیں چاہیے کہ وہ ان نعمتوں کا صحیح استعمال کریں جو ان کے پاس پہلے سے موجود ہیں جیسا کہ اسلام نے تجویز کیا ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

اس کا ایک پہلو ضرورت مندوں کی مدد کرنا ہے جو کسی کے پاس ہے جیسا کہ اچھی نصیحت۔

کسی کو ایک اہم نکتہ سمجھنا چاہئے جو انہیں فخر کرنے سے روکے گا۔ یعنی جو مدد وہ ضرورت مندوں کو دیتے ہیں وہ فطری طور پر ان کی نہیں ہوتی۔ یہ تخلیق کیا گیا ہے اور اس لیے اللہ تعالیٰ کا ہے، اور اس لیے انہیں ضرورت مندوں کی مدد کرکے حقیقی مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا چاہیے۔ درحقیقت ضرورت مند اپنے مددگار کا احسان کرتے ہیں کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملے گا۔ اگر کوئی ضرورت مند نہ ہوتا تو لوگ زیادہ ثواب حاصل کرنے کے اس طریقے سے محروم ہوجاتے۔

حق سے خیانت کرنا

اہل کتاب کے علماء، یہود و نصاریٰ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی آمد سے بخوبی واقف تھے، کیونکہ ان دونوں کا ان کے آسمانی صحیفوں میں بحث کیا گیا ہے۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں“۔

ان میں سے بہت سے لوگ نسل در نسل مدینہ میں مقیم رہے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ یہ وہ شہر ہوگا جس میں آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کریں گے۔

جس رات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی، حسن بن ثابت رضی اللہ عنہ مدینہ میں رہنے والا آٹھ سالہ لڑکا تھا۔ اس رات ایک باشعور یہودی نے چیخ چیخ کر لوگوں کی توجہ دلائی اور ان کے سامنے اعلان کیا کہ اسی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہونے والی ہے۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 1، صفحہ 152 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کریم کو واضح طور پر پہچان لیا تھا، لیکن ان میں سے بہت سے لوگوں نے دنیاوی فائدے جیسے قیادت اور دولت کی محبت میں اسلام سے انکار کر دیا تھا، جو انہوں نے اپنے ایمان کے ذریعے حاصل کیا تھا۔

سنن ابن ماجہ نمبر 253 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ جو شخص علمائے کرام کو دکھانے، دوسروں سے بحث کرنے یا اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے دینی علم حاصل کرتا ہے۔ نرک میں.

حالانکہ دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں تمام بھلائیوں کی بنیاد علم ہے مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ علم ان کو تب ہی فائدہ دے گا جب وہ سب سے پہلے اپنی نیت درست کریں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ باقی تمام وجوہات صرف اس صورت میں ثواب اور سزا کے نقصان کا باعث بنیں گی جب کوئی مسلمان سچے دل سے توبہ کرنے میں ناکام ہو جائے۔

حقیقت میں علم بارش کے پانی کی طرح ہے جو مختلف قسم کے درختوں پر گرتا ہے۔ کچھ درخت اس پانی سے اگتے ہیں تاکہ دوسروں کو فائدہ پہنچے جیسے کہ پھل کا درخت۔ جبکہ اس پانی سے دوسرے درخت اگتے ہیں اور دوسروں کے لیے مصیبت بن جاتے ہیں جیسے کانٹے دار درخت۔ اگرچہ بارش کا پانی دونوں صورتوں میں ایک جیسا ہے لیکن نتیجہ بہت مختلف ہے۔ اسی طرح دینی علم بھی لوگوں کے لیے یکساں ہے لیکن اگر کوئی غلط نیت اختیار کرے تو وہ ان کی تباہی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی صحیح نیت اختیار کرے تو یہ ان کی نجات کا ذریعہ بن جائے گا۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ تمام معاملات میں اپنی نیت درست کریں کیونکہ اس پر ان کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اور انہیں

یاد رکھنا چاہیے کہ جہنم میں داخل ہونے والے پہلے لوگوں میں سے ایک ایسا عالم ہوگا جس نے علم صرف دوسروں کو دکھانے کے لیے حاصل کیا ہو۔ صحیح مسلم نمبر 4923 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

نتیجہ اخذ کرنا، صحیح نیت کے ساتھ مفید علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا ہی حقیقی فائدہ مند علم ہے۔

جس نے بغیر کسی معقول وجہ کے علم کو چھپایا اسے قیامت کے دن آگ کی لگام لگائی جائے گی۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2649 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے مفید علم کو دوسروں تک پہنچائے۔ یہ محض بے وقوفی ہے کیونکہ یہ عمل صالح میں سے ایک ہے جو مسلمان کو مرنے کے بعد بھی فائدہ دے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 241 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ علم کا ذخیرہ کرنے والوں کو تاریخ بھلا دیتی ہے لیکن جو اسے دوسروں تک پہنچاتے ہیں وہ بنی نوع انسان کے عالم اور استاد کہلانے لگے۔

ایک مبارک دن

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر پیر کے دن روزہ رکھتے تھے۔ جب ان سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ دن تھا جس دن وہ پیدا ہوئے تھے اور جس دن ان پر پہلی وحی نازل ہوئی تھی۔ صحیح مسلم نمبر 2750 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا جشن منانا اپنی روایت کے مطابق پیر کا روزہ رکھنا ہے۔

سنن نسائی نمبر 2219 میں موجود الہی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ تمام اعمال صالحہ جو لوگ انجام دیتے ہیں وہ ان کے لیے ہیں سوائے روزے کے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اسے براہ راست انعام دیں.

یہ حدیث روزے کی انفرادیت پر دلالت کرتی ہے۔ اس کے اس انداز میں بیان ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ باقی تمام اعمال صالحہ لوگوں کو نظر آتے ہیں، جیسے نماز، یا وہ لوگوں کے درمیان ہیں، جیسے خفیہ صدقہ۔ جبکہ، روزہ ایک منفرد نیک عمل ہے کیونکہ دوسرے یہ نہیں جان سکتے کہ کوئی شخص صرف روزہ رکھنے سے روزہ رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ، روزہ ایک نیک عمل ہے جو اپنے آپ کے ہر پہلو پر قفل لگاتا ہے۔ یعنی جو شخص صحیح طریقے سے روزہ رکھتا ہے اسے زبانی اور جسمانی گناہوں سے روک دیا جائے گا جیسے کہ حرام چیزوں کو دیکھنا اور سننا۔ یہ بھی نماز کے ذریعے حاصل ہوتا ہے لیکن نماز صرف تھوڑی دیر کے لیے ادا کی جاتی ہے اور دوسروں کو دکھائی دیتی ہے جبکہ روزہ دن بھر ہوتا ہے اور دوسروں کو نظر نہیں آتا۔ باب 29 العنکبوت، آیت 45:

‘‘...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے’’

مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص بغیر کسی جواز کے فرض روزے پورے نہیں کرتا وہ مومن نہیں ہو گا کیونکہ دونوں کا براہ راست تعلق ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 183:

"اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ"

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 723 میں موجود حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر کوئی مسلمان ایک فرض روزہ بغیر کسی شرعی عذر کے پورا نہ کرے تو اس کی قضا نہیں ہو سکتی۔ ثواب اور برکت ضائع ہو جاتی ہے خواہ وہ ساری زندگی روزے رکھے۔

اس کے علاوہ جیسا کہ اس آیت سے اشارہ کیا گیا ہے کہ روزہ صحیح طریقے سے تقویٰ کی طرف لے جاتا ہے۔ یعنی صرف دن کو بھوکا رہنے سے تقویٰ حاصل نہیں ہوتا بلکہ روزے کی حالت میں گناہوں سے بچنے اور اعمال صالحہ کی طرف زیادہ توجہ دینے سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 707 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر کوئی جھوٹ بولنے اور اس پر عمل کرنے سے پرہیز نہ کرے تو روزہ اہم نہیں ہوگا۔ اسی طرح کی ایک حدیث سنن ابن ماجہ نمبر 1690 میں ہے کہ بعض روزہ داروں کو بھوک کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جب کوئی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ ہوشیار اور محتاط ہو جاتا ہے، جب کہ وہ روزے کی حالت میں ہوتے ہیں، یہ عادت بالآخر ان پر اثر انداز ہوتی ہے، اس لیے وہ روزہ نہ رکھتے ہوئے بھی اسی طرح کا برتاؤ کرتے ہیں۔ یہ دراصل حقیقی تقویٰ ہے۔

اس آیت میں جس نیکی کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اس کا تعلق روزے سے ہے کیونکہ روزہ انسان کی بری خواہشات اور شہوتوں کو کم کرتا ہے۔ یہ غرور اور گناہوں کی ترغیب سے روکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ پیٹ کی بھوک اور نفسانی خواہشات کو روکتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں بہت سے گناہوں کو جنم دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان دونوں چیزوں کی خواہش دیگر حرام چیزوں کی خواہش سے زیادہ ہے۔ پس جو شخص روزے کے ذریعے ان پر قابو پالے گا اس کے لیے کمزور خواہشات پر قابو پانا آسان ہو جائے گا۔ یہ حقیقی راستبازی کی طرف جاتا ہے۔

جیسا کہ مختصراً پہلے اشارہ کیا گیا ہے کہ روزے کے مختلف درجات ہیں۔ روزہ کا پہلا اور ادنیٰ درجہ وہ ہے جب کوئی ایسی چیزوں سے پرہیز کرے جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جیسے کہ کھانا۔ اگلا درجہ گناہوں سے پرہیز کرنا ہے جو روزہ کو نقصان پہنچاتے ہیں اور اس کے روزے کے ثواب کو کم کر دیتے ہیں، جیسے جھوٹ بولنا۔ سنن نسائی نمبر 2235 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ روزہ جس میں جسم کے ہر عضو کو شامل کیا جائے اگلا درجہ ہے۔ ،یہ اس وقت ہوتا ہے جب جسم کا ہر عضو گناہوں سے بچتا ہے، مثلاً آنکھ حرام کو دیکھنے سے کان حرام کو سننے سے، وغیرہ۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی روزہ نہ رکھتے ہوئے بھی اس طرح کا برتاؤ کرے۔ آخر میں روزہ کا اعلیٰ درجہ ان تمام چیزوں سے پرہیز کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ سے مربوط نہیں ہیں۔

ایک مسلمان کو باطنی طور پر بھی روزہ رکھنا چاہئے جیسا کہ ان کا جسم گناہ یا لغو خیالات سے پرہیز کرتے ہوئے ظاہری طور پر روزہ رکھتا ہے۔ انہیں اپنی خواہشات کے حوالے سے اپنے منصوبوں پر قائم رہنے سے روزہ رکھنا چاہئے اور اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے پر توجہ دینے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس کے علاوہ، انہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان کو باطنی طور پر چیلنج کرنے سے روزہ رکھنا چاہیے، اور اس کے بجائے تقدیر کے علاوہ اور جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے، وہ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین انتخاب کرتا ہے، چاہے وہ ان انتخاب کے پیچھے کی حکمت کو نہ سمجھیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

آخر میں، ایک مسلمان کو اپنے روزے کو پوشیدہ رکھ کر اور دوسروں کو مطلع نہ کر کے سب سے زیادہ ثواب حاصل کرنا چاہیے اگر یہ گریز کیا جا سکتا ہے کیونکہ غیر ضروری طور پر دوسروں کو بتانے سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ یہ دکھاوے کا ایک پہلو ہے۔

روحانی تزکیہ

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر دو سال تھی اور آپ کی رضاعی والدہ حلیمہ بنت ذویب کی دیکھ بھال میں دو آدمی سفید کپڑے پہنے ہوئے برف سے بھرا ہوا ایک سنہری حوض لے کر آپ کے پاس آئے۔ وہ اسے لے گئے اور اس کا سینہ کھول دیا۔ انہوں نے اس کا دل نکالا، اسے الگ کر دیا اور پھر اس میں سے ایک سیاہ لوتھڑا نکال کر خارج کر دیا۔ پھر انہوں نے اس کے دل اور سینہ کو اس برف سے دھویا یہاں تک کہ وہ انہیں پوری طرح سے پاک کر لیں۔ اس پر سیرت ابن ہشام، صفحہ 23-24 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو اپنے روحانی دل اور ان کے روحانی دل کو صاف کرنے کے لیے اقدامات کرنے چاہئیں جو ان کی دیکھ بھال میں ہیں، جیسے کہ ان کے بچے۔ یہ اسلامی علم سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 52 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اگر کسی کا روحانی دل درست ہو تو سارا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے لیکن اگر اس کا روحانی دل فاسد ہو جائے تو سارا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے۔ کرپٹ

سب سے پہلے تو یہ حدیث اس احمقانہ عقیدے کی تردید کرتی ہے جہاں کوئی شخص اپنے قول و فعل کے خراب ہونے کے باوجود پاکیزہ دل کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو کچھ اندر ہے وہ آخرکار باہر سے ظاہر ہوگا۔

روحانی قلب کی تطہیر اسی وقت ممکن ہے جب انسان اپنے اندر سے برائیوں کو ختم کر دے اور ان کی جگہ اسلامی تعلیمات میں مذکور اچھی خصوصیات کو لے آئے۔ یہ تب ہی ممکن ہے جب کوئی شخص اسلامی تعلیمات کو سیکھے اور اس پر عمل کرے تاکہ وہ خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ

کے احکامات کو بجا لائے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرے۔ اسے اس طرح کا برتاؤ ایک پاک روحانی دل کی طرف لے جائے گا۔ یہ طہارت پھر جسم کے ظاہری اعضاء جیسے کہ کسی کی زبان اور آنکھ میں جھلکتی ہے۔ یعنی وہ اپنے اعضاء کو صرف ان طریقوں سے استعمال کریں گے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں۔ صحیح بخاری نمبر 6502 کی ایک حدیث کے مطابق یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اپنے نیک بندے سے محبت کی علامت ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ یہ تزکیہ تمام دنیاوی مشکلات میں کامیابی کے ساتھ رہنمائی کرے گا تاکہ وہ دنیوی اور دینی دونوں طرح کی کامیابی حاصل کر سکے۔

الہی ہدایت یافتہ پرورش

اپنے بچپن میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ان برائیوں سے بچایا جو زمانہ جاہلیت میں پھیلی ہوئی تھیں :اسلام سے پہلے۔ اس کے والد اس کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو گئے اور اس کی ماں کا انتقال اس وقت ہو گیا جب وہ صرف ایک بچہ تھا، لگ بھگ چھ سال کا تھا۔ اس کے بعد ان کی پرورش ان کے دادا عبدالمطلب نے کی، جن کا انتقال چند سال بعد ہوا، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ سال تھی۔ آخر کار ان کی پرورش ان کے چچا ابو طالب بن عبدالمطلب نے کی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب بلوغت کو پہنچے تو آپ اپنی امت میں سب سے بہترین شخصیت تھے، ان میں سب سے اچھے کردار اور شہرت کے حامل، سب سے اچھے پڑوسی، سب سے زیادہ ہوشیار، بات میں سب سے زیادہ ایماندار اور سب سے زیادہ امانت دار تھے۔ .وہ بے حیائی اور دیگر بری خصلتوں سے بالکل دور ہو گیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ اہل مکہ میں امین یعنی امانت دار کے نام سے مشہور ہوئے۔ امام ابن کثیر کی کتاب حیات النبی جلد 1 صفحہ 168، 173 اور 180 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اس الہٰی حفاظت، نگہداشت اور پرورش میں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مسلمانوں کے لیے ایک سبق ہے کہ وہ اپنے زیر کفالت افراد کے ساتھ صحیح سلوک کریں اور ان کی پرورش کریں۔

صحیح بخاری نمبر 2409 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ ہر شخص اپنی زیر نگرانی چیزوں کا محافظ اور ذمہ دار ہے۔

سب سے بڑی چیز جس کا ایک مسلمان محافظ ہے وہ ان کا ایمان ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کریں۔

اس ولایت میں ہر وہ نعمت بھی شامل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے جس میں ظاہری چیزیں شامل ہیں جیسے مال اور اندرونی چیزیں جیسے کہ جسم۔ ایک مسلمان کو ان چیزوں کو اسلام کے بتائے ہوئے طریقے سے استعمال کرتے ہوئے ان کی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو اپنی آنکھیں صرف حلال چیزوں کو دیکھنے کے لیے اور اپنی زبان کو صرف حلال اور مفید الفاظ کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

یہ سرپرستی کسی کی زندگی میں دوسروں جیسے رشتہ داروں اور دوستوں تک بھی پھیلتی ہے۔ ایک مسلمان کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اس ذمہ داری کو اپنے حقوق کی ادائیگی اور نرمی سے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے جیسے حقوق کو پورا کرتے ہوئے پورا کرنا ،چاہیے۔ کسی کو دوسروں سے خاص طور پر دنیاوی مسائل میں کٹنا نہیں چاہیے۔ اس کے بجائے انہیں اس امید پر ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا جاری رکھنا چاہیے کہ وہ بہتر کے لیے بدل جائیں گے۔ اس سرپرستی میں کسی کے بچے بھی شامل ہیں۔ ایک مسلمان کو مثال کے طور پر رہنمائی کرتے ہوئے ان کی رہنمائی کرنی چاہیے کیونکہ یہ بچوں کی رہنمائی کا سب سے مؤثر طریقہ ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے اور اپنے بچوں کو بھی ایسا ہی کرنا سکھائیں۔

نتیجہ اخذ کرنا کہ اس حدیث کے مطابق ہر ایک پر کوئی نہ کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ علم حاصل کریں اور ان پر عمل کریں تاکہ ان کی تکمیل ہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک حصہ ہے۔

اپنے زیر کفالت افراد کی صحیح پرورش کی اہمیت جامع ترمذی نمبر 1952 میں موجود ایک حدیث میں بھی بیان کی گئی ہے جہاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت کی ہے

کہ والدین اپنے بچے کو سب سے زیادہ نیک تحفہ دے سکتے ہیں۔ انہیں اچھے کردار سکھانے کے لیے

یہ حدیث مسلمانوں کو یاد دلاتی ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں جیسے کہ ان کے بچوں کے ایمان کے بارے میں زیادہ فکر مند رہیں، انہیں دولت اور جائیدادیں حاصل کرنے اور ان کو فراہم کرنے سے زیادہ۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دنیاوی ورثے آتے جاتے ہیں۔ کتنے امیر اور طاقتور لوگوں نے بڑی بڑی سلطنتیں صرف اس لیے بنائی ہیں کہ ان کے مرنے کے فوراً بعد انہیں توڑ دیا جائے اور انہیں بھلا دیا جائے۔ ان میں سے کچھ وراثت سے پیچھے رہ جانے والی چند نشانیاں صرف لوگوں کو ان کے نقش قدم پر نہ چلنے کی تنبیہ کرنے کے لیے پائی جاتی ہیں۔ ایک مثال فرعون کی عظیم سلطنت ہے۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اپنے بچوں کو سلطنت بنانے اور بہت زیادہ دولت اور جائیدادیں حاصل کرنے کا طریقہ سکھانے کے بارے میں اس قدر فکر مند ہیں کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت سکھانے میں کوتاہی کرتے ہیں، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ صبر اس میں اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے ساتھ حسن سلوک شامل ہے۔ ایک مسلمان کو یہ یقین کرنے میں بے وقوف نہیں بنایا جانا چاہئے کہ ان کے پاس اپنے بچوں کو اچھے اخلاق سکھانے کے لئے کافی وقت ہے کیونکہ ان کی موت کا لمحہ نامعلوم ہے اور اکثر غیر متوقع طور پر لوگوں پر حملہ کرتا ہے۔

اس کے علاوہ، جب بچے بڑے ہو جاتے ہیں اور اپنے طریقے پر قائم ہو جاتے ہیں تو انہیں اچھے اخلاق سکھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ آج وہ دن ہے جب ایک مسلمان کو واقعی اس تحفے پر غور کرنا چاہیے جو وہ اپنے بچوں اور رشتہ داروں کو دینا چاہتے ہیں۔ اس طرح ایک مسلمان آخرت کے لیے نیکی بھیجتا ہے لیکن نیک اولاد کی طرح اپنے پیچھے نیکی چھوڑ جاتا ہے جو اپنے فوت شدہ والدین کے لیے دعا کرتا ہے تو اس کے لیے فائدہ ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1376 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ امید ہے کہ اس طرح سے خیر میں گھرنے والے کو اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔

جھوٹ کو رد کرنا

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر 12 سال تھی تو آپ اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ تجارتی سفر پر شام گئے۔ راستے میں بحیرہ نامی ایک راہب سے ان کی ملاقات ہوئی۔ راہب نے ان کی میزبانی کی اور تبصرہ کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانوں کے مولیٰ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری نبی ہونا مقصود ہے۔ اس نے اسے ان کی خصوصیات سے پہچانا جن کا ذکر سابقہ آسمانی صحیفوں میں کیا گیا ہے۔ بحیرہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بحث کی جس سے ان کی تقدیر مزید ثابت ہوئی۔ اس گفتگو کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے ان دو مشہور بتوں کے علاوہ کسی چیز سے نفرت نہیں تھی، جن کو عرب کے غیر مسلم پوجتے تھے، لات اور عزی۔ اس پر ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 1، صفحہ 174-176 میں بحث کی گئی ہے۔

اتنی چھوٹی عمر میں بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کے بنائے ہوئے، بے جان اور بے طاقت بتوں کی پرستش میں اپنی قوم کی اندھی تقلید کو رد کرنے کی ہدایت کی تھی۔

عام طور پر دیکھا جائے تو اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید لوگوں کے سچائی کو مسترد کرنے کی ایک بڑی وجہ ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی عقل کو بروئے کار لاتے ہوئے شہادتوں اور واضح نشانیوں پر مبنی طرز زندگی کا انتخاب کرے اور مویشیوں کی طرح دوسروں کی اندھی تقلید نہ کرے۔ اندھی تقلید اسلام میں بھی ناپسندیدہ ہے۔

سنن ابن ماجہ، نمبر 4049 میں موجود ایک حدیث، اسلام قبول کرنے میں دوسروں کی اندھی تقلید نہ کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ کسی کے اہل خانہ، بغیر اسلامی علم حاصل کیے اور اس پر عمل کیے، تاکہ کوئی شخص اندھی تقلید سے آگے نکل جائے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے۔ اپنے رب اور ان کی اپنی بندگی کو پہچاننا۔ یہ دراصل بنی نوع انسان کا مقصد ہے۔ باب 51 ذریات، آیت 56:

‘‘اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔’’

کوئی ایسے شخص کی عبادت کیسے کر سکتا ہے جسے وہ پہچانتا بھی نہیں؟ اندھی تقلید بچوں کے لیے قابل قبول ہے لیکن بڑوں کو چاہیے کہ وہ علم کے ذریعے اپنی تخلیق کے مقصد کو صحیح معنوں میں سمجھ کر صالح پیشروؤں کے نقش قدم پر چلیں۔ جہالت ہی اس کی وجہ ہے کہ جو مسلمان اپنے فرائض کی ادائیگی کرتے ہیں وہ آج بھی اللہ تعالیٰ سے قطع تعلق محسوس کرتے ہیں۔ یہ پہچان ایک مسلمان کو صرف پانچ وقت کی فرض نمازوں کے دوران نہیں بلکہ پورے دن اللہ کے سچے بندے کے طور پر برتاؤ کرنے میں مدد دیتی ہے۔ صرف اسی کے ذریعے مسلمان اللہ تعالیٰ کی حقیقی بندگی کو پورا کریں گے۔ اور یہی وہ ہتھیار ہے جو مسلمان کو اپنی زندگی کے دوران پیش آنے والی تمام مشکلات پر قابو پاتا ہے۔ اگر ان کے پاس یہ نہیں ہے تو انہیں اجر حاصل کیے بغیر مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ درحقیقت یہ دونوں جہانوں میں مزید مشکلات کا باعث بنے گا۔ اندھی تقلید کے ذریعے فرائض کی ادائیگی سے فرض تو پورا ہو سکتا ہے لیکن یہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کے قرب تک پہنچنے کے لیے ہر مشکل میں محفوظ طریقے سے رہنمائی نہیں کرے گا۔ درحقیقت، زیادہ تر صورتوں میں اندھی تقلید اس بات کا باعث بنتی ہے کہ آخرکار اپنے واجبات کو چھوڑ دے۔ یہ مسلمان صرف مشکل کے وقت اپنے فرائض ادا کرے گا اور آسانی کے وقت ان سے منہ موڑے گا یا اس کے برعکس۔

حق کو قبول کرنا

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر 12 سال تھی تو آپ اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ تجارتی سفر پر شام گئے۔ راستے میں بحیرہ نامی ایک راہب سے ان کی ملاقات ہوئی۔ راہب نے ان کی میزبانی کی اور تبصرہ کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانوں کے مولیٰ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری نبی ہونا مقصود ہے۔ اس نے اسے ان کی خصوصیات سے پہچانا جن کا ذکر سابقہ آسمانی صحیفوں میں کیا گیا ہے۔ اس نے ابو طالب کو مشورہ دیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ واپس بھیج دیں اور آپ کو مزید شام میں نہ لے جائیں کیونکہ یہودی علماء انہیں پہچان لیں گے اور ان کی عزت اور مال کے نقصان کے خوف سے انہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اسلام کی آمد اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 60-61 میں بحث کی گئی ہے۔

بحیرہ وہ شخص تھا جس نے حق کو قبول کیا اور اس پر عمل کیا اور اس لیے اس کو قبول کیا جب اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کو پہچان لیا۔

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی

گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی اکثریت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر خوشامد اٹھانے یا غلط بیانی کے۔ اسلام کی تعلیمات جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتب کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

الفضول کا معاہدہ

یہ معاہدہ ایک معاہدہ تھا کہ مکہ کے اندر کوئی بھی کسی اور خاص طور پر غیر ملکی سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھائے گا۔ یہ معاہدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ میں اعلان نبوت سے 20 سال پہلے ہوا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عظیم معاہدے میں حصہ لیا اور نبوت کا اعلان کرنے کے بعد ایک بار یہ تبصرہ کیا کہ وہ اب بھی اس معاہدے کو برقرار رکھیں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 1، صفحہ 186 میں تفصیل سے بحث ہوئی ہے۔

یہ واقعہ مسلمانوں کو ہمیشہ ایسے کاموں میں حصہ لینے کا درس دیتا ہے جو معاشرے کے لیے صالح پیشروؤں کے گزرنے کے اچھی اور فائدہ مند ہوں، قطع نظر اس کے کہ کوئی بھی ملوث ہو۔ بعد سے مسلم قوم کی طاقت ڈرامائی طور پر کمزور ہوئی ہے۔ یہ منطقی بات ہے کہ جتنے زیادہ لوگوں کی تعداد ایک گروہ میں ہوگی اتنا ہی وہ گروہ مضبوط ہوگا لیکن مسلمانوں نے کسی نہ کسی طرح اس منطق کی نفی کی ہے۔ مسلمانوں کی تعداد بڑھنے کے ساتھ ہی مسلم قوم کی طاقت میں کمی آئی ہے۔ اس کے پیش آنے کی ایک اہم وجہ قرآن کریم کی سورہ 5 المائدہ، آیت 2 سے مربوط ہے:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔ ’’

اللہ تعالیٰ واضح طور پر مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ کسی بھی اچھے معاملے میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور کسی برے معاملے میں ایک دوسرے کا ساتھ نہ دیں ۔ اس پر نیک پیشواؤں نے عمل کیا لیکن بہت سے مسلمان ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہے ہیں۔ بہت سے مسلمان اب اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں اس کا مشاہدہ کرنے کے بجائے کون عمل کر رہا ہے۔ اگر وہ شخص ان سے جڑا ہوا ہے، مثال کے طور پر، کوئی رشتہ دار، تو وہ ان کا ساتھ دیتے ہیں چاہے بات اچھی نہ ہو۔ اسی طرح اگر اس شخص کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے تو وہ ان کی حمایت سے منہ موڑ لیتے ہیں خواہ بات اچھی ہو۔ یہ رویہ صالح پیشواؤں کی روایات کے بالکل خلاف ہے۔ وہ بھلائی میں دوسروں کی حمایت کریں گے قطع نظر اس کے کہ کون کر رہا

ہے۔ درحقیقت وہ قرآن کریم کی اس آیت پر عمل کرتے ہوئے اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ وہ ان کی حمایت بھی کریں گے جب تک کہ یہ اچھی بات نہ ہو۔

اس سے جڑی دوسری چیز یہ ہے کہ بہت سے مسلمان ایک دوسرے کی اچھی مدد کرنے میں ناکام رہتے ہیں کیونکہ انہیں یقین ہے کہ جس شخص کی وہ حمایت کر رہے ہیں وہ ان سے زیادہ اہمیت حاصل کرے گا۔ اس صورتحال نے علماء اور اسلامی تعلیمی اداروں کو بھی متاثر کیا ہے۔ وہ دوسروں کی بھلائی میں مدد نہ کرنے کے لیے لنگڑے بہانے بناتے ہیں کیونکہ ان کا ان کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے اور انہیں ڈر ہے کہ ان کا اپنا ادارہ بھلا دیا جائے گا اور وہ جن کی مدد کریں گے وہ معاشرے میں مزید عزت حاصل کریں گے۔ لیکن یہ سراسر غلط ہے کیونکہ حقیقت کا مشاہدہ کرنے کے لیے صرف تاریخ کے اوراق پلٹنے پڑتے ہیں۔ جب تک کسی کی نیت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہو، دوسروں کی بھلائی میں مدد کرنے سے معاشرے میں اس کی عزت بڑھے گی۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف متوجہ کرے گا خواہ ان کا تعاون کسی اور ادارے، ادارے یا شخص کے لیے ہو۔ مثال کے طور پر جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آسانی سے خلافت کو چیلنج کر سکتے تھے اور ان کے حق میں کافی حمایت حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسلام کے پہلے خلیفہ کے طور پر نامزد کرنا صحیح ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اس بات کی فکر نہیں تھی کہ اگر وہ کسی دوسرے شخص کا ساتھ دیں تو معاشرہ اسے بھول جائے گا۔ اس کے بجائے اس نے پہلے بیان کی گئی آیت میں حکم کی تعمیل کی اور جو صحیح تھا اس کی تائید کی۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 3667 اور 3668 میں موجود احادیث سے ہوتی ہے۔ اس عمل سے معاشرے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی عزت و تکریم میں اضافہ ہی ہوا۔ یہ بات ان لوگوں پر واضح ہے جو اسلامی تاریخ سے واقف ہیں۔

مسلمانوں کو اس پر گہرائی سے غور کرنا چاہیے، اپنی ذہنیت کو بدلنا چاہیے اور دوسروں کی بھلائی میں مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، قطع نظر اس کے کہ یہ کام کون کر رہا ہے اور اس خوف سے پیچھے نہیں ہٹیں گے کہ ان کی حمایت انہیں معاشرے میں بھلا دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا۔ درحقیقت ان کی عزت و تکریم دونوں جہانوں میں ہی بڑھے گی۔

اس کے علاوہ یہ واقعہ مسلمانوں کو اپنے وعدوں کو نبھانے کی اہمیت کا درس دیتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ وعدہ خلافی منافقت کا ایک پہلو ہے۔

ایک مسلمان کا سب سے بڑا وعدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، جو اس کی سچی اطاعت کرنا ہے۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ لوگوں کے ساتھ کیے گئے دیگر تمام وعدوں کو بھی برقرار رکھا جانا چاہیے جب تک کہ کسی کے پاس کوئی معقول عذر نہ ہو، خاص طور پر جو والدین بچوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ وعدوں کی خلاف ورزی بچوں کو صرف برے کردار کی تعلیم دیتی ہے اور انہیں یہ ماننے کی ترغیب دیتی ہے کہ دھوکے باز ہونا ایک قابل قبول خصوصیت ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2227 میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ جو اس کے نام وعدہ کرے اور پھر بغیر پر کسی عذر کے اسے توڑ دے وہ اس کے خلاف ہو گا۔ جس کے خلاف اللہ تعالیٰ ہے وہ قیامت کے دن کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟

آخر میں، یہ تقریب مسلمانوں کو مشکلات کا سامنا کرنے والوں کی مدد کرنے کی اہمیت سکھاتی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص کسی مسلمان کی تکلیف کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ایک مصیبت کو دور کرے گا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہی سلوک ہوتا ہے جس طرح وہ عمل کرتے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر، باب 2 البقرہ، آیت 152:

"...پس مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد رکھوں گا

ایک اور مثال جامع ترمذی نمبر 1924 میں موجود حدیث میں مذکور ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو دوسروں پر رحم کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر رحم کیا جائے گا۔

پریشانی وہ چیز ہے جو کسی کو پریشانی اور مشکل میں ڈال دیتی ہے۔ لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی دوسرے کے لیے ایسی تکلیف کو آسان کرے خواہ دنیوی ہو یا دینی، وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے سختیوں سے محفوظ رہے گا۔ متعدد احادیث میں مختلف طریقوں سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2449 میں موجود حدیث میں یہ نصیحت فرمائی کہ جس نے کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا اس کو قیامت کے دن جنت کے پھل کھلائے جائیں گے۔ اور جو شخص کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو جنت کا پانی پلائے گا۔

چونکہ آخرت کی مشکلات دنیا میں پائی جانے والی مشکلات سے کہیں زیادہ ہیں یہ ثواب ایک مسلمان کے لیے اس وقت تک روک دیا جاتا ہے جب تک کہ وہ آخرت تک نہ پہنچ جائے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک مسلمان کی مدد کرتا رہے گا جب تک وہ دوسروں کی مدد کرتا رہے گا۔ ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ جب وہ کسی کام کے لیے کوشش کرتے ہیں یا کسی خاص کام کو مکمل کرنے کے لیے کسی دوسرے کی مدد کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ کامیاب یا ناکامی پر ختم ہو سکتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی کی مدد کرتا ہے تو اس کا کامیاب نتیجہ یقینی ہوتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے مفاد کے لیے تمام اچھے کاموں میں دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کریں تاکہ انہیں دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہو۔

نوبل مرچنٹ

خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا اسلام کے آنے سے پہلے اور اس کے بعد بھی مکہ میں بڑے قد و قامت کی تاجر تھیں۔ وہ دور دراز ممالک میں اپنی طرف سے اپنے سامان کی تجارت کے لیے مردوں کو ملازمت دیتی۔ اعلان نبوت اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی شادی سے پہلے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی، امانت دار طبیعت اور اعلیٰ کردار کے بارے میں سنا۔ اس نے تجویز پیش کی کہ اسے شام میں اس کی طرف سے اپنے سامان کی تجارت کرنی چاہیے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شام میں نہایت اخلاص اور دیانتداری کے ساتھ اس کے سامان کی خرید و فروخت کی اور اس کاروبار سے اس نے خوب منافع کمایا۔ یہ واقعہ امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 1، صفحہ 189-190 میں نقل ہوا ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اسلام زندگی کے تمام پہلوؤں میں اچھے کردار کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ واقعہ تمام کاروباری لین دین میں ایماندار اور مخلص ہونے کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ درحقیقت سنن ابن ماجہ نمبر 2146 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی طور پر ظاہر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ تاجروں کو قیامت کے دن فاسقوں کے طور پر اٹھایا جائے گا سوائے ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں۔ اور سچ بولو.

اس حدیث کا اطلاق ان تمام لوگوں پر ہوتا ہے جو تجارتی لین دین میں حصہ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، اس کے احکام پر عمل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ کاروباری لین دین کے سلسلے میں ایک مسلمان کو اپنی بات میں ایماندار ہونا چاہیے اور اس لین دین کی تمام تفصیلات جو اس میں شامل ہیں ان کو بتا دیں۔ صحیح بخاری نمبر 2079 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب مسلمان مالی لین دین میں چیزوں کو چھپاتے ہیں، جیسے کہ ان کے سامان میں خرابیاں، تو یہ نعمتوں میں نقصان کا باعث بنتی ہے۔

راستبازی سے کام کرنے میں یہ شامل ہے کہ دوسروں کو سامان کی ضرورت سے زیادہ قیمت ادا کرنے پر مجبور کرنے کی کوشش نہ کریں۔ ایک مسلمان کو صرف دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جیسا کہ وہ ایمانداری اور مکمل انکشاف کے ساتھ معنی خیز سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح ایک مسلمان یہ پسند نہیں کرے گا کہ مالی معاملات میں اس کے ساتھ بدسلوکی کی جائے وہ دوسروں کے ساتھ بدسلوکی نہ کرے۔

کاروبار کرنے والوں کو ہمیشہ جھوٹ بولنے سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ بے حیائی کی طرف لے جاتا ہے اور فانی جہنم میں لے جاتا ہے۔ درحقیقت ایک شخص جھوٹ بولتا اور اس پر عمل کرتا رہے گا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا درج نہ ہو جائے۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

ایک ایماندار زندگی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 2262 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ ہر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے، اپنی مبارک زندگی کے ایک موقع پر چرواہے تھے۔ بھیڑوں کی اور نبوت کا اعلان کرنے سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ کے لوگوں نے چرواہے کے طور پر ملازم رکھا۔

صحیح بخاری نمبر 2072 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ کسی نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر چیز نہیں کھائی۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے لیے سستی کا شکار نہ ہوں۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان ایک حلال پیشے سے منہ موڑ لیتے ہیں، سماجی فوائد حاصل کرتے ہیں اور مساجد میں آباد ہوتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے، ان کے رزق کے لیے۔ یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل بھروسہ نہیں ہے۔ یہ صرف سستی ہے جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہے۔ دولت حاصل کرنے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ پر حقیقی بھروسہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو اس کی جسمانی طاقت جیسے ذرائع کا استعمال کیا تاکہ وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق حلال مال حاصل کر سکیں اور پھر اللہ پر بھروسہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان ذرائع سے انہیں حلال مال مہیا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے بنائے ہوئے ذرائع کو استعمال کرنے سے دستبردار ہو جائے کیونکہ اس سے وہ بے کار ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ فضول چیزوں کو پیدا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کسی کو مشکوک یا ناجائز ذرائع سے مال کمانے سے روکا جائے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے ان کے رزق پر پختہ یقین رکھنا چاہیے جس میں دولت بھی شامل ہے آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے ان کے لیے مختص کی گئی تھی ۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ تقسیم کسی بھی حالت میں نہیں ہو سکتی۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ اسے حلال ذرائع سے حاصل کرنے کی کوشش کرے جو کہ انبیاء علیہم السلام کی روایت ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2072 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کردہ ذرائع کو استعمال کرنا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا ایک پہلو ہے، کیونکہ اس نے انہیں اسی مقصد کے لیے پیدا کیا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ

کرتے ہوئے سستی نہیں کرنی چاہیے جب کہ ان کے پاس اپنی کوششوں سے حلال مال کمانے کے ذرائع ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے فراہم کیے گئے ذرائع ہوں۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

اعلانِ نبوت سے پہلے جب خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسنِ کردار کا مشاہدہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شادی کی پیشکش کی۔ اس نے یہ تجویز قبول کر لی کیونکہ وہ خود ایک فیصلہ کن، عظیم، انتہائی قابل احترام اور ذہین خاتون تھیں۔ یہ امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 1، صفحہ 190 میں نقل ہوا ہے۔

یہ واقعہ واضح کرتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے اچھے کردار کی بنیاد پر شریک حیات کا انتخاب کرنا چاہیے۔ صحیح بخاری نمبر 5090 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ چار وجوہات کی بنا پر شادی کی جاتی ہے :مال، نسب، حسن یا تقویٰ۔ انہوں نے تنبیہ کرتے ہوئے نتیجہ اخذ کیا کہ آدمی کو تقویٰ کی خاطر شادی کرنی چاہیے ورنہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس حدیث میں مذکور پہلی تین چیزیں بہت عارضی اور ناقص ہیں۔ وہ کسی کو عارضی خوشی تو دے سکتے ہیں لیکن آخرکار یہ چیزیں ان کے لیے بوجھ بن جاتی ہیں کیونکہ ان کا تعلق مادی دنیا سے ہے نہ کہ اس چیز سے جو حتمی اور مستقل کامیابی عطا کرتی ہے یعنی ایمان۔ یہ سمجھنے کے لیے کہ دولت خوشی نہیں لاتی، صرف امیر اور مشہور کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت، امیر زمین پر سب سے زیادہ غیر مطمئن اور ناخوش لوگ ہیں۔ اپنے نسب کی خاطر کسی سے شادی کرنا بے وقوفی ہے کیونکہ یہ اس بات کی ضمانت نہیں دیتا کہ وہ شخص ایک اچھا شریک حیات بنائے گا۔ درحقیقت، اگر شادی کامیاب نہیں ہوتی ہے تو یہ خاندانی بندھن کو ختم کر دیتی ہے جو شادی سے پہلے دونوں خاندانوں کے پاس تھے۔ صرف خوبصورتی کے معنی کی خاطر شادی کرنا، محبت عقلمندی نہیں ہے کیونکہ یہ ایک چبھتا ہوا جذبہ ہے جو وقت کے ساتھ اور مزاج کے ساتھ بدل جاتا ہے۔ قیاس محبت میں ڈوب جانے والے کتنے جوڑے ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگے؟

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی ایسا شریک حیات تلاش کرے جو غریب ہو کیونکہ یہ ضروری ہے کہ کسی ایسے شخص سے شادی کی جائے جو خاندان کی مالی مدد کر سکے۔ نہ ہی اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو اپنے شریک حیات کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ ایک صحت مند شادی کا ایک اہم پہلو ہے۔ لیکن اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں کسی کی شادی کی بنیادی یا حتمی وجہ نہیں ہونی چاہئیں۔ ایک مسلمان کو شریک حیات میں جو بنیادی اور حتمی خوبی تلاش کرنی چاہیے وہ تقویٰ ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز رہتا ہے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے۔ سادہ لفظوں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اپنی شریک حیات کے ساتھ خوشی اور مشکل دونوں وقتوں میں اچھا سلوک کرے گا۔ دوسری طرف، جو لوگ بے دین ہیں وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ بدسلوکی کریں گے جب بھی وہ پریشان ہوں گے۔ حالیہ برسوں میں مسلمانوں میں گھریلو تشدد میں اضافے کی یہ ایک اہم وجہ ہے۔

آخر میں، اگر کوئی مسلمان شادی کرنا چاہتا ہے تو اسے سب سے پہلے اس سے متعلق علم حاصل کرنا چاہیے، جیسے کہ اس پر اپنی شریک حیات کے واجب الادا حقوق، جو حقوق اس پر اپنی شریک حیات سے واجب الادا ہیں اور مختلف حالات میں اپنی شریک حیات کے ساتھ صحیح سلوک کرنے کا طریقہ۔ بدقسمتی سے، اس سے لاعلمی بہت سے دلائل اور طلاقوں کا باعث بنتی ہے کیونکہ لوگ ایسی چیزوں کا مطالبہ کرتے ہیں جن کو پورا کرنے کے لیے ان کا شریک حیات پابند نہیں ہوتا۔ علم صحت مند اور کامیاب ازدواجی زندگی کی بنیاد ہے۔

خانہ کعبہ کی تعمیر نو - 1

اعلان نبوت سے قبل خانہ کعبہ کو نقصان پہنچا تھا اس لیے اہل مکہ نے اسے دوبارہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین نے فیصلہ کیا کہ وہ دولت جو اچھے ذرائع سے حاصل کی گئی تھی اسے کعبہ کی تعمیر نو کے لیے استعمال کیا جائے۔ اس پر سیرت ابن ہشام صفحہ 29 میں بحث ہوئی ہے۔

اگر مشرکین صرف اچھی چیز کو استعمال کرنے کی اہمیت کو سمجھتے ہیں، تو مسلمانوں کو اس بات کو یقینی بنانے کے لیے اور بھی زیادہ محتاط ہونا چاہیے کہ وہ صرف حلال کی کمائی اور استعمال کریں۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ایک بڑی رکاوٹ حرام مال کمانا اور استعمال کرنا ہے۔ یہ گناہ کبیرہ ہے اور اس سے ہر صورت بچنا چاہیے۔ قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے عمل کو قبول نہیں کرتا جس کی بنیاد حرام پر ہو۔ مثال کے طور پر جو شخص ناجائز مال کماتا ہے اور پھر اسے حج کے لیے استعمال کرتا ہے اسے معلوم ہوگا کہ اس نے اپنا وقت ضائع کیا اور گناہوں کے علاوہ کچھ حاصل نہیں کیا۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے مکمل طور پر متصادم ہے۔ وہ صرف ان لوگوں سے چیزیں قبول کرتا ہے جو اس سے ڈرتے ہیں۔ باب 5 المائدة، آیت 27:

"بے شک اللہ صرف نیک لوگوں سے ہی قبول کرتا ہے]جو اس سے ڈرتے ہیں[..."

صحیح بخاری نمبر 1410 میں موجود ایک حدیث متنبہ کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف حلال مال کو قبول کرتا ہے جو اس کی رضا کے لیے خرچ کیا جائے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 2346 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ فرمائی ہے کہ حرام مال کمانے اور استعمال کرنے والے کی دعا بھی اللہ تعالیٰ نے رد کردی ہے۔

درحقیقت انسان کو اس دنیا میں زندہ رہنے کے لیے تھوڑی سی ضرورت ہوتی ہے۔ صالح پیشواؤں سے یہ بات واضح ہے کہ حرام یا مشتبہ مال سے مکمل طور پر پرہیز کرنا ایک معتدل زندگی گزارنے سے ممکن ہے جو اسراف سے دور ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ صرف اپنی غیر ضروری خواہشات اور خواہشات کی وجہ سے ناجائز دولت کی طرف جھکاؤ ہے۔

کعبہ کی تعمیر نو - 2

اعلان نبوت سے قبل خانہ کعبہ کو نقصان پہنچا تھا اس لیے اہل مکہ نے اسے دوبارہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب حجر اسود کو اس کی جگہ پر اٹھانے کی ضرورت تھی تو وہ ایک سنگین اور ممکنہ طور پر متشدد تنازعہ میں پڑ گئے کہ اسے کس کو رکھنا چاہیے۔ ان سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ پہلا شخص جو خانہ کعبہ کے گرد واقع مقدس علاقے میں داخل ہوگا، فیصلہ کریں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ شخص تھے اور جیسا کہ سب نے آپ کو قابل اعتماد اور قابل اعتماد تسلیم کیا تھا، وہ آپ کی نصیحت قبول کرنے پر خوش ہوئے۔ اس نے تجویز پیش کی کہ حجر اسود کو ایک کپڑے کے بیچ میں رکھا جائے اور اس نے مقامی قبائل کے رہنماؤں کو حکم دیا کہ ہر ایک کو کپڑے کا ایک کونا پکڑیں۔ پھر انہوں نے حجر اسود کو اوپر اٹھایا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجر اسود کو لے کر اس کی جگہ رکھ دی۔ اس واقعہ پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 1، صفحہ 197-198 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ مسلمانوں کو ایک مثبت رویہ اپنانے کی اہمیت سکھاتا ہے جس کے تحت وہ لوگوں کے درمیان جھگڑوں اور اختلافات کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ درحقیقت اس اہم خصوصیت کا تذکرہ قرآن پاک کی سورۃ النساء آیت نمبر 114 میں کیا گیا ہے:

"ان کی زیادہ تر نجی گفتگو میں کوئی بھلائی نہیں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ...لوگوں کے درمیان صلح کرانے کا حکم دیتے ہیں۔ اور جس نے یہ کام اللہ کی رضامندی کے لیے کیا تو ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔

اس میں تعمیری ذہنیت کے ساتھ دوسروں کے ساتھ بات چیت کرنا شامل ہے جو لوگوں کو تباہ کن ذہنیت رکھنے کی بجائے مثبت انداز میں اکٹھا کرتا ہے جو معاشرے میں تقسیم کا سبب بنتا ہے۔ اگر کوئی شخص محبت بھرے انداز میں لوگوں کو اکٹھا نہیں کر سکتا تو کم از کم وہ کر سکتا ہے کہ ان کے درمیان تفرقہ پیدا نہ ہو۔ یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کیا جائے تو یہ

ایک نیکی کے طور پر درج ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2518 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

درحقیقت سنن ابوداؤد نمبر 4919 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دو مخالف مسلمانوں کے درمیان صلح کرنا نماز اور روزہ سے افضل ہے۔ معاشرے میں پائی جانے والی ہر اچھی چیز اسی پاکیزہ رویے کا نتیجہ تھی جیسے سکول، ہسپتال اور مساجد کی تعمیر۔

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو اس آیت میں مذکور عظیم اجر تبھی ملے گا جب وہ نہ صرف ان کے جسمانی عمل ہر شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نیک اعمال انجام دیں گے۔ کی بنیاد پر ان کی نیت پر انعام دیا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک لوگوں سے اپنا اجر ان مسلمان کو قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ بے ایمان حدیث سے ہوتی ہے۔ حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ 3154

اس کے علاوہ یہ واقعہ لوگوں کے درمیان اتحاد کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کیوں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے قبائل کے قائدین کو ایک دوسرے کے مقابلے میں مزید تفرقہ پیدا کرنے کے بجائے متحد کیا تھا حجر اسود

صحیح مسلم نمبر 6541 میں موجود ایک حدیث میں معاشرے کے اندر اتحاد پیدا کرنے کے بعض پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے حسد نہ کرنے کی تلقین کی۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اس نعمت کو حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہے جس کا کوئی دوسرا معنی رکھتا ہے، وہ اس نعمت سے محروم ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ اور اس میں اس حقیقت کو ناپسند کرنا شامل ہے کہ مالک کو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے یہ نعمت دی تھی۔ کچھ صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے بغیر ان کے عمل یا تقریر کے ذریعہ۔ اگر وہ اپنی سوچ اور احساس کو ناپسند کرتے ہیں تو امید کی جاتی ہے کہ ان کی حسد کی وجہ سے ان کا احتساب نہیں کیا جائے گا۔ بعض اپنے قول و فعل سے کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے سے نعمت چھین لیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ بدترین قسم وہ ہے جب کوئی شخص نعمت کو مالک سے دور کرنے کی کوشش کرے خواہ حسد کرنے والے کو نعمت نہ ملے۔

حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہ کرے، ان کے احساس کو ناپسند کرے اور اگر وہ اس جیسی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کے پاس موجود نعمت کو کھوئے بغیر اس کے مالک کی طرف سے کوئی نعمت حاصل نہ ہو۔ اگر چہ یہ قسم گناہ گار نہیں ہے پھر بھی یہ ناپسندیدہ ہے اگر حسد کسی دنیوی نعمت پر ہو اور صرف اس صورت میں قابل تعریف ہے جب اس میں دینی نعمت شامل ہو۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 میں ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ جب کوئی شخص حلال مال حاصل کرنے اور خرچ کرنے والے سے حسد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی شخص اس شخص سے حسد کرتا ہے جو اپنی حکمت اور علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔

حسد کی بری قسم، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، براہ راست اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ حسد کرنے والا ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے کسی اور کو خاص نعمت دے کر غلطی کی ہو۔ اس لیے یہ کبیرہ گناہ ہے۔ درحقیقت جیسا کہ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ لہٰذا ایک غیرت مند مسلمان کو چاہیے کہ وہ جس شخص سے حسد کرتے ہیں اس کے ساتھ حسن سلوک اور مہربانی

کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کرے، جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہاں تک کہ ان کی حسد ان کے لیے محبت بن جائے۔

ایک اور چیز جو شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں نصیحت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے نفرت نہ کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو صرف اسی صورت میں ناپسند کرنا چاہئے جب اللہ تعالیٰ اسے ناپسند کرے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث میں اسے ایمان کی تکمیل کے پہلو کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو اپنی خواہشات کے مطابق چیزوں یا لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی اپنی خواہشات کے مطابق دوسرے کو ناپسند کرتا ہے تو اسے کبھی بھی اپنے قول و فعل پر اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہیے کیونکہ یہ گناہ ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسرے کے ساتھ اسلام کی تعلیمات کے مطابق احترام اور مہربانی کے ساتھ سلوک کرتے ہوئے احساس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ دوسرے لوگ بالکل اسی طرح کامل نہیں ہیں جس طرح وہ کامل نہیں ہیں۔ اور اگر دوسروں میں کوئی بری خصلت ہے تو وہ بھی بلاشبہ اچھی صفات کے مالک ہوں گے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرے کہ وہ اپنی برائیاں چھوڑ دیں لیکن ان میں جو اچھی صفات ہیں ان سے محبت کرتے رہیں۔

اس موضوع پر ایک اور نکتہ بیان کرنا ضروری ہے۔ ایک مسلمان جو کسی خاص عالم کی پیروی کرتا ہے جو کسی مخصوص عقیدے کی حمایت کرتا ہے اسے متعصب کی طرح کام نہیں کرنا چاہئے اور اپنے عالم کو ہمیشہ صحیح ماننا چاہئے اس لئے ان لوگوں سے نفرت کرنا چاہئے جو ان کے علماء کی رائے کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز/کسی کو ناپسند کرنے والا نہیں ہے۔ جب تک علماء کے درمیان جائز اختلاف موجود ہے ایک مسلمان کو کسی خاص عالم کی پیروی کرنا چاہئے اور اس کا احترام کرنا چاہئے اور دوسرے لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہئے جو اس کے ماننے والے عالم سے مختلف ہوں۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے منہ نہ پھیریں۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں دنیاوی مسائل پر دوسرے مسلمانوں سے تعلقات منقطع نہیں کرنے چاہئیں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کی حمایت سے انکار کر دینا چاہیے۔ صحیح بخاری نمبر 6077 میں موجود حدیث کے مطابق ایک مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین

دن سے زیادہ تعلق منقطع رکھنا ناجائز ہے۔ درحقیقت کسی دنیوی مسئلہ میں ایک سال سے زائد عرصہ تک تعلقات منقطع کرنے والا دوسرے مسلمان کو قتل کرنے والے کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4915 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ دوسروں کے ساتھ تعلقات منقطع کرنا صرف ایمان کے معاملات میں جائز ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کو خلوص دل سے توبہ کرنے کی تلقین کرتے رہنا چاہیے اور صرف اس صورت میں ان کی صحبت سے گریز کرنا چاہیے جب وہ بہتر کے لیے تبدیلی سے انکار کر دیں۔ جب بھی ان سے ایسا کرنے کی درخواست کی جائے تو انہیں حلال چیزوں میں ان کا ساتھ دینا چاہیے کیونکہ یہ احسان مندانہ عمل انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔

زیر بحث مرکزی حدیث میں ایک اور بات کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے جب وہ اس حدیث میں دی گئی سابقہ نصیحت پر عمل کریں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسرے مسلمانوں کے تئیں اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کریں، جیسے کہ بھلائی کے معاملات میں دوسروں کی مدد کرنا اور برائیوں سے خبردار کرنا۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

صحیح بخاری نمبر 1240 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمانوں کے درج ذیل حقوق ادا کرنے چاہئیں :وہ سلام کا جواب دینا، بیماروں کی عیادت کرنا، ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا اور ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا۔ چھینکنے والا جو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو وہ تمام حقوق سیکھنے اور پورے کرنے چاہئیں جو دوسرے لوگوں خصوصاً دوسرے مسلمانوں کے ان پر ہیں۔

زیر بحث اہم حدیث میں ایک اور بات کا ذکر ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرنا چاہیے، اسے ترک نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی اس سے نفرت کرنی چاہیے۔ انسان کے گناہوں سے نفرت ہونی چاہیے لیکن گناہ گار ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کسی بھی وقت صدق دل سے توبہ کر لے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4884 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کو ذلیل کرے گا اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل کرے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کو ذلت سے بچاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے گا۔

شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں مذکور منفی خصوصیات اس وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب کوئی شخص غرور اختیار کر لے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث کے مطابق تکبر اس وقت ہوتا ہے جب انسان دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔ مغرور شخص خود کو کامل دیکھتا ہے جبکہ دوسروں کو نامکمل دیکھتا ہے۔ یہ انہیں دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے روکتا ہے اور دوسروں کو ناپسند کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

ایک اور بات جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ حقیقی تقویٰ انسان کی ظاہری شکل و صورت میں نہیں ہے جیسا کہ خوبصورت لباس پہننا، بلکہ یہ ایک باطنی صفت ہے۔ یہ باطنی خصلت ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اسی لیے صحیح مسلم کی حدیث نمبر 4094 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب روحانی قلب پاک ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے لیکن جب روحانی قلب فاسد ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے۔ کرپٹ ہو جاتا ہے .یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری صورتوں مثلاً مال و دولت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی نیتوں اور اعمال پر غور کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6542 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے باطنی تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرے .تاکہ یہ ظاہری طور پر اس طرح ظاہر ہو جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعامل کرتے ہیں۔ تخلیق

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے بغض رکھنا گناہ ہے۔ اس نفرت کا اطلاق دنیاوی چیزوں پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر دوسروں کو ناپسند نہیں کرنا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور بغض رکھنا ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک

مسلمان کو ہر حال میں دوسروں کا احترام کرنا چاہیے اور اس شخص سے نفرت کیے بغیر صرف ان کے گناہوں کو ناپسند کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ، ان کی ناپسندیدگی انہیں کبھی بھی اسلامی تعلیمات کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہیں کرے گی کیونکہ اس سے یہ ثابت ہو گا کہ ان کی نفرت ان کی اپنی خواہشات پر مبنی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ دنیاوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کو حقیر سمجھنے کی اصل وجہ تکبر ہے۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ایک ایٹم کا فخر کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس کے بعد جو بات اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کی جان، مال اور عزت سب مقدس ہیں۔ ایک مسلمان کو بغیر کسی جواز کے ان حقوق میں سے کسی کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ غیر مسلموں سمیت دیگر لوگوں کو ان کے شر سے محفوظ نہ رکھے۔ نقصان دہ تقریر اور اعمال .اور سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کی برائیوں کو دور رکھے۔ ان حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو قیامت کے دن انصاف قائم ہو گا جس کے تحت مظلوم کو ظالم کی نیکیاں ملیں گی اور ضرورت پڑنے پر مظلوم کے گناہ ظالم کو ملیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ یہ ایک فرد کے لیے بہت زیادہ برکتوں کا باعث بنے گا اور اس کے معاشرے میں اتحاد پیدا ہوگا۔

آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توقع

اعلان نبوت سے قبل یہودیت اور عیسائیت کے علماء جو کہ بنیادی طور پر مدینہ منورہ میں مقیم تھے، سب کے سب آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے منتظر اور منتظر تھے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تفصیل میں بیان کیا ہے۔ آسمانی صحیفے باب 6 الانعام، آیت 20:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں‘‘۔

مثلاً یوشا نامی ایک یہودی عالم مدینہ میں رہتا تھا۔ وہ اکثر اعلان کرتے کہ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل عرب کی طرف مبعوث ہونے کا وقت قریب ہے۔ وہ لوگوں کو اس آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی تاکید کرے گا، اگر وہ اس کے زمانے میں زندہ رہیں اور اس کی دعوت کو دیکھیں۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا تو انہی لوگوں نے حضرت یوشع علیہ السلام کو اس آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ماننے کی تلقین کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبول کر لیا اور مسلمان ہو گئے لیکن حضرت یوشع علیہ السلام نے خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلایا۔ اور اس پر رحمتیں نازل ہوں اور اسلام کو حسد اور برائی سے۔ یہ واقعہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 1 صفحہ 212 میں درج ہے۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ حسد کے کبیرہ گناہ سے بچیں۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4210 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

حسد کرنا ایک سنگین اور کبیرہ گناہ ہے کیونکہ حسد کرنے والے کا مسئلہ کسی دوسرے انسان سے نہیں درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ہے جس نے حسد کرنے والی نعمت عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا انسان کی حسد صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار اور انتخاب سے ناراضگی کو ظاہر کرتی ہے۔ وہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے غلطی کی ہے جب اس نے ان کے بجائے کسی دوسرے شخص کو ایک خاص نعمت مختص کی تھی۔

بعض اپنے قول و فعل سے کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے سے نعمت چھین لیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ بدتر قسم وہ ہے جب حسد کرنے والا مالک سے نعمت کو دور کرنے کی کوشش کرے خواہ حسد کرنے والے کو نعمت نہ ملے۔ حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہ کرے، اپنے جذبات کو ناپسند کرے اور اسی طرح کی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرے بغیر اس کے کہ مالک اس نعمت سے محروم ہو۔ اگرچہ یہ قسم گناہ نہیں ہے اگر حسد کسی دنیوی نعمت پر ہو تو اسے ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے اور اگر دینی نعمت پر ہو تو قابل تعریف ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 کی ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلا شخص جس پر حلال رشک کیا جا سکتا ہے وہ ہے جو حلال مال حاصل کرے اور خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے طریقوں سے۔ دوسرا وہ شخص جس سے حسد کیا جا سکتا ہے وہ ہے جو اپنے علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرے اور دوسروں کو سکھائے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو چاہیے کہ وہ حسد کرنے والے کے ساتھ حسن سلوک اور حسن سلوک سے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کرے جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہاں تک کہ اس کی حسد ان کے لیے محبت بن جائے۔

بہت سے یہودی اور عیسائی علماء نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رد کرنے کی ایک وجہ حسد کی بنا پر تھی۔ وہ اس بات پر رشک کرتے تھے کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے، بجائے اس کے کہ وہ ان کی طرح حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد ہوں۔ گو کہ اسلام کو رد کرنے کی یہ ایک احمقانہ وجہ تھی لیکن درحقیقت وہ اس خیال میں تھے کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بہت زیادہ عزت کریں گے اور اخوت سے وفاداری کی بنا پر انہیں بنی نوع انسان کے لیے رہنما مقرر کریں گے۔ ان کے عقیدے کے مطابق یہ قیادت ان کی سماجی حیثیت اور دولت میں اضافہ کرے گی۔ لیکن جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی ان کی صریح نافرمانی پر تعمیری تنقید کی جو کہ دولت اور سماجی رتبے سے ان کی بے انتہا محبت کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی، تو انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رد کر دیا۔ وہ اور اسلام۔

اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ مال و دولت اور سماجی رتبے کی حد سے زیادہ محبت سے بچیں۔ جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مال و دولت کی خواہش ایمان کے لیے دو بھوکے بھیڑیوں کی ہلاکت سے زیادہ تباہ کن ہے۔ بھیڑوں کا ایک ریوڑ.

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہی کسی مسلمان کا ایمان محفوظ رہے اگر وہ دنیا میں دولت اور شہرت کی تمنا کرے جس طرح شاید ہی کسی بھیڑ کو دو بھوکے بھیڑیوں سے نجات ملے۔ لہٰذا اس عظیم مثال میں دنیا میں زیادہ دولت اور سماجی حیثیت کے بعد حرص کی برائی کے خلاف سخت تنبیہ ہے۔

دولت کی طلب کی پہلی قسم وہ ہے جب کسی کو دولت سے شدید محبت ہو اور وہ اسے حلال ذرائع سے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اس طرح کا برتاؤ عقلمند شخص کی علامت نہیں ہے کیونکہ ایک مسلمان کو پختہ یقین رکھنا چاہئے کہ ان کے رزق کی ضمانت ہے اور یہ تقسیم کبھی نہیں بدل سکتی۔ درحقیقت خلقت کا رزق زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مختص کیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ شخص بلا شبہ اپنے فرائض میں کوتاہی کرے گا کیونکہ وہ دولت کے حصول میں بہت زیادہ مشغول ہے۔ جو جسم دولت کے حصول میں بہت مصروف ہو وہ آخرت کے لیے کبھی بھی مناسب تیاری نہیں کر سکتا۔ درحقیقت یہ شخص دولت کے حصول کے لیے اتنی محنت کرے گا کہ اسے اس سے لطف

اندوز ہونے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ اس کے بجائے، وہ اس دنیا کو چھوڑ دیں گے اور اسے دوسرے لوگوں کے لئے لطف اندوز کرنے کے لئے چھوڑ دیں گے، اگرچہ اس کے لئے انہیں جوابدہ کیا جائے گا .یہ شخص حلال طریقے سے دولت حاصل کر سکتا ہے لیکن پھر بھی اسے ذہنی سکون نہیں ملے گا کیونکہ وہ جتنا بھی حاصل کر لیں وہ صرف اور کی خواہش کرے گا۔ یہ شخص محتاج ہے اور اس لیے حقیقی مفلس ہے خواہ اس کے پاس بہت زیادہ مال ہو۔

ایک ہی خواہش جو فائدہ مند ہے وہ ہے حقیقی دولت جمع کرنے کی خواہش، یعنی اعمال صالحہ تاکہ واپسی کے دن کی تیاری ہو۔

دوسری قسم کی دولت کی طلب پہلی قسم کی طرح ہے لیکن اس کے علاوہ یہ قسم کے لوگ ناجائز ذرائع سے مال حاصل کرتے ہیں اور لوگوں کے حقوق مثلاً صدقہ فطر ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد احادیث میں اس کے خلاف تنبیہ فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر صحیح مسلم نمبر 6576 میں موجود ایک حدیث میں آپ نے تنبیہ کی کہ اس رویے نے پچھلی امتوں کو تباہ کر دیا کیونکہ انہوں نے حرام چیزوں کو حلال کیا، دوسروں کے حقوق کو روکا اور مال کی زیادتی کی خاطر دوسروں کو قتل کیا۔ یہ شخص اس دولت کے لیے کوشش کرتا ہے جس کا وہ حقدار نہیں ہے جس سے بے شمار کبیرہ گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ جب کوئی یہ رویہ اختیار کرتا ہے تو وہ شدید لالچی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ کیا ہے کہ جامع ترمذی نمبر 1961 میں موجود ایک حدیث میں لالچی شخص اللہ تعالیٰ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور اور جہنم کے قریب ہوتا ہے۔ درحقیقت سنن نسائی میں موجود ایک حدیث نمبر 3114 میں خبردار کیا گیا ہے کہ ایک سچے مسلمان کے دل میں شدید لالچ اور سچا ایمان کبھی جمع نہیں ہو سکتا۔

اگر کوئی مسلمان اس قسم کی حرص کو اختیار کرے تو اس کا شدید خطرہ ان پڑھ مسلمان پر بھی واضح ہے۔ یہ ان کے ایمان کو تب تک تباہ کر دے گا جب تک کہ تھوڑی سی چیز کے سوا کچھ باقی نہ رہے جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ کسی کے ایمان کی یہ تباہی دو بھوکے بھیڑیوں کی تباہی سے زیادہ شدید ہے جنہیں بکریوں کے ریوڑ پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ مسلمان اپنی موت کے وقت اپنے پاس موجود تھوڑے سے ایمان کو کھونے کا خطرہ رکھتا ہے، جو کہ سب سے بڑا نقصان ہے۔ ایک شخص کی شہرت اور رتبے کی خواہش اس کے ایمان کے لیے

زیادہ دولت کی خواہش سے زیادہ تباہ کن ہے۔ ایک شخص اکثر اپنی محبوب دولت کو شہرت اور وقار کے حصول پر خرچ کرتا ہے۔

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص مقام و شہرت حاصل کر کے صحیح راستے پر قائم رہے جس کے تحت وہ مادی دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 6723 میں موجود ایک حدیث میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص معاشرے میں قیادت جیسے مقام کی تلاش میں ہے اسے خود اس سے نمٹنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا لیکن اگر کوئی اسے مانگے بغیر حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا۔ اعلیٰ، اس کے فرمانبردار رہنے میں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایسے شخص کا تقرر نہیں کرتے تھے جو کسی منصب پر فائز ہونے کی درخواست کرتا ہو یا اس کی خواہش بھی ظاہر کرتا ہو۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6923 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ صحیح بخاری نمبر 7148 میں موجود ایک اور حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ لوگ مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے خواہش مند ہوں گے لیکن قیامت کے دن ان کے لیے یہ بڑی پشیمانی ہوگی۔ یہ ایک خطرناک خواہش ہے کیونکہ یہ انسان کو اس کو حاصل کرنے کے لیے شدید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے اور پھر اسے برقرار رکھنے کے لیے مزید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے خواہ یہ ظلم اور دیگر گناہوں کی ترغیب دے۔

رتبہ کی خواہش کی بدترین قسم وہ ہے جب کوئی اسے مذہب کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2654 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ شخص جہنم میں جائے گا۔

لہٰذا ایک مسلمان کے لیے زیادہ مال و دولت اور اعلیٰ سماجی رتبے کی خواہش سے بچنا زیادہ محفوظ ہے کیونکہ یہ دو چیزیں ہیں جو آخرت کی تیاری سے غافل ہو کر اس کے ایمان کی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔

اندھی وفاداری۔

یہودیت اور عیسائیت کے بعض علماء اس بات کا کھلے دل سے اعتراف کریں گے کہ ان کے آسمانی صحیفوں میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نشانیاں مذکور ہیں، وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 146:

جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں۔ لیکن” حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے ایک گروہ حق کو چھپاتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں‘‘۔

لیکن بعض نے محض اپنی قوم سے اندھی وفاداری کی بنا پر اس کو اور اسلام کو رد کر دیا جنہوں نے بغض اور دشمنی کی وجہ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سختی سے جھٹلایا۔ مثال کے طور پر، عبداللہ بن سوریہ نامی ایک یہودی عالم ایک بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں بیٹھا اور اقرار کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں۔ اس کی نشانیاں اور خصوصیات ان کے آسمانی صحیفوں میں واضح تھیں۔ جب ان سے سوال کیا گیا کہ جب وہ حقیقت جانتے ہیں تو انہوں نے اسلام قبول کیوں نہیں کیا تو انہوں نے سادگی سے جواب دیا کہ وہ اپنے لوگوں سے اختلاف کرنا پسند نہیں کرتے اور مزید کہا کہ اگر ان کی قوم اسلام قبول کر لیتی تو وہ بھی ایسا ہی کرتے۔ یہ واقعہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 1 صفحہ 234 میں درج ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ لوگوں کی اندھا پیروی نہ کریں خاص طور پر ایسے حالات میں جن میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی شامل ہو۔ درحقیقت ایک مسلمان کو اپنے ساتھیوں کا انتخاب احتیاط سے کرنا چاہیے کیونکہ ان کا ہمیشہ ان پر مثبت یا منفی اثر پڑے گا۔ صحیح بخاری نمبر 5534 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچھے اور برے ساتھی میں فرق بیان فرمایا۔ اچھا ساتھی عطر بیچنے والے کی طرح ہے۔ ان کا ساتھی یا تو کوئی عطر حاصل کرے گا یا کم از کم خوشگوار بو سے متاثر ہوگا۔ جبکہ برا ساتھی لوہار کی طرح ہوتا ہے اگر اس کا ساتھی اپنے کپڑے نہیں جلائے گا تو وہ ضرور دھوئیں سے متاثر ہوگا۔

مسلمانوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ جن لوگوں کے ساتھ جائیں گے ان کا اثر ان پر پڑے گا چاہے یہ اثر مثبت ہو یا منفی، ظاہر ہو یا لطیف۔ کسی کا ساتھ دینا اور اس سے متاثر نہ ہونا ممکن نہیں۔ سنن ابو داؤد نمبر 4833 میں موجود حدیث اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ ایک شخص اپنے ساتھی کے مذہب پر ہے۔ یعنی انسان اپنے ساتھی کی خصوصیات کو اپناتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ صالحین کا ساتھ دیں کیونکہ وہ بلا شبہ ان پر مثبت اثر ڈالیں گے، وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی ترغیب دیں گے۔ جبکہ برے ساتھی یا تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اکسائیں گے یا پھر مسلمان کو آخرت کی تیاری کے بجائے مادی دنیا پر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دیں گے۔ یہ رویہ ان کے لیے قیامت کے دن بڑے ندامت کا باعث بنے گا خواہ وہ چیزیں حلال ہوں لیکن ان کی ضرورت سے زیادہ ہوں۔

آخر میں، جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 3688 میں موجود حدیث کے مطابق ایک شخص آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ ختم ہو جائے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے، ایک مسلمان کو عملی طور پر اس دنیا میں صالحین کے ساتھ محبت کا اظہار کرنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ برے یا غافل لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان سے محبت کرتے ہیں اور آخرت میں ان کی آخری منزل ہے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

’’اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔‘‘

اعلیٰ صفات

یہودیت اور عیسائیت کے بعض علماء اس بات کا کھلے دل سے اعتراف کریں گے کہ ان کے آسمانی صحیفوں میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نشانیاں مذکور ہیں، وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 146:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے ایک گروہ حق کو چھپاتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں“۔

لیکن بعض نے محض اپنی قوم سے اندھی وفاداری کی بنا پر اس کو اور اسلام کو رد کر دیا جنہوں نے بغض اور دشمنی کی وجہ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سختی سے جھٹلایا۔

تورات میں مذکور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض صفات اور اوصاف جن کو اہل کتاب کے علما نے چھپایا ہے، صحیح بخاری نمبر 2125 میں موجود ایک حدیث میں زیر بحث آئی ہے۔ اور اس میں شامل ہے" :اے نبی !ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور ناخواندہ لوگوں کو ڈرانے والا اور نگہبان بنا کر بھیجا ہے۔ آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں..."

یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسان جس بلند ترین مقام پر پہنچ سکتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا مخلص بندہ۔ اگر اس سے بڑا کوئی درجہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع فرماتے۔ اس کی طرف بہت سی احادیث میں اشارہ کیا گیا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 851 میں موجود ہے، جہاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رسالت کا اعلان کرنے سے پہلے اپنے آپ کو اللہ کا بندہ کہا ہے۔ یہ تمام مسلمانوں کے لیے ایک واضح سبق ہے کہ اگر وہ آخری کامیابی اور دونوں جہانوں میں اعلیٰ مقام چاہتے ہیں تو انہیں اللہ تعالیٰ کے سچے بندے بننا چاہیے۔ یہ اللہ کے سب سے بڑے بندے، یعنی حضرت محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ بندگی کا حصول کسی اور طریقے سے ممکن نہیں۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

‘‘...تفصیل جاری ہے’’ :میں نے آپ کا نام ’’المتوکل ‘‘رکھا ہے)اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والا(

جامع ترمذی نمبر 2344 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اگر لوگ واقعی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں تو وہ ان کو اسی طرح رزق دے گا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے۔ وہ اپنے گھونسلے صبح بھوکے چھوڑتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر واقعی بھروسہ وہ چیز ہے جو دل میں محسوس ہوتی ہے لیکن اعضاء سے ثابت ہوتی ہے، یعنی جب کوئی اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتا ہے، اس کے احکام کو بجا لا کر اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 3:

اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہے‘‘۔’’

توکل کا وہ پہلو جو داخلی ہے اس میں پختہ یقین رکھنا شامل ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے اور دنیاوی اور دینی معاملات میں نقصان دہ چیزوں سے بچا سکتا ہے۔ ایک

مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی کو دے سکتا ہے، روک سکتا ہے، نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر صحیح معنوں میں بھروسہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اسباب مہیا کیے ہیں، مثلاً دوا استعمال کرنا چھوڑ دے۔ جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں واضح طور پر ذکر ہے کہ پرندے اپنے گھونسلے چھوڑ کر رزق کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ طاقت اور اسباب کو استعمال کرتا ہے تو وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق بلاشبہ اس کی اطاعت کرتا ہے۔ یہ دراصل اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا ظاہری عنصر ہے۔ یہ بات بہت سی آیات اور احادیث میں واضح ہو چکی ہے۔ باب 4 النساء، آیت 71:

‘‘اے ایمان والو احتیاط کرو۔’’

درحقیقت ظاہری عمل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باطنی کیفیت ہے۔ ظاہری روایت کو نہیں چھوڑنا چاہیے خواہ وہ باطنی اعتبار کا مالک ہو۔

اعمال اور اللہ کی طرف سے فراہم کردہ ذرائع کا استعمال، اس پر بھروسہ کرنے کا ایک پہلو ہے۔ اس سلسلے میں اعمال کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے اطاعت کے وہ اعمال ہیں جن کا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حکم دیتا ہے تاکہ وہ جہنم سے بچ سکیں اور جنت حاصل کر سکیں۔ ان باتوں کو چھوڑ دینا یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے گا، محض خواہش مندانہ سوچ ہے اور اس لیے قابل ملامت ہے۔

دوسری قسم کے اعمال وہ اسباب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں لوگوں کے لیے اس لیے بنائے ہیں کہ وہ اس میں محفوظ رہیں، جیسے کہ بھوک کے وقت کھانا پینا، پیاس لگنے پر پینا اور سرد موسم میں گرم کپڑے پہننا۔ جو شخص ان کو ترک کر کے اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے وہ قابل ملامت ہے۔ البتہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے خاص قوت عطا کی ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو نقصان پہنچائے بغیر ان ذرائع سے بچ سکیں۔ مثال کے طور پر، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر کسی وقفے کے دنوں کے روزے رکھتے تھے لیکن دوسروں کو اس طرح کرنے سے منع کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بغیر خوراک کی ضرورت کے براہ راست مہیا کیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1922 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوتھے سیدنا خلیفہ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے خلاف نہ ہوں۔ ضرورت سے زیادہ سردی یا گرمی محسوس کرنا۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 117 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ان ذرائع سے منہ موڑ لے لیکن اسے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے فرائض میں کوتاہی کے بغیر صبر کرنے کی طاقت دی جائے تو یہ قابل قبول ہے۔ دوسری صورت میں یہ قابل الزام ہے.

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے سلسلے میں تیسری قسم کے اعمال وہ چیزیں ہیں جو ایک رسم کے طور پر مقرر کی گئی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بعض اوقات بعض لوگوں کے لیے توڑ دیتا ہے۔ اس کی مثال وہ لوگ ہیں جو بغیر دوا کے بیماری سے شفا پاتے ہیں۔ یہ خاص طور پر غریب ممالک میں کافی عام ہے جہاں دوائی حاصل کرنا مشکل ہے۔ اس کا تعلق سنن ابن ماجہ نمبر 2144 میں موجود ایک حدیث سے ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ اپنے لیے مختص کیے گئے ہر اونس کو استعمال نہ کر لے جو کہ صحیح مسلم کی ایک اور حدیث نمبر 6748 کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے۔ لہٰذا جو شخص اس حدیث کو صحیح معنوں میں سمجھتا ہے وہ شاید یہ جانتے ہوئے بھی رزق تلاش نہ کرے کہ جو کچھ ان کے لیے بہت پہلے مختص کیا گیا تھا وہ ان سے محروم نہیں ہو سکتا۔ پس اس شخص کے لیے رزق حاصل کرنے کا رواج جیسا کہ نوکری کے ذریعے حاصل کرنا اللہ تعالیٰ نے توڑ دیا ہے۔ یہ ایک اعلیٰ اور نادر درجہ ہے۔ صرف وہی شخص جو اس طرح کا رویہ اختیار کر سکتا ہے بغیر کسی شکایت یا گھبراہٹ کے اور نہ ہی لوگوں سے کسی چیز کی توقع رکھے اگر وہ یہ راستہ اختیار کرتا ہے۔ غور طلب ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 1692 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ گناہ ہے کہ وہ اپنے کفیلوں کی کفالت میں کوتاہی کرے۔ وہ اس اعلیٰ عہدے پر ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ پر حقیقی بھروسہ، تقدیر پر راضی ہونے کا باعث بنتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے جو کچھ بھی منتخب کرتا ہے وہ بغیر شکایت اور تبدیلی کی خواہش کے بغیر قبول کرتا ہے کیونکہ انہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔
باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے بہتر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کی پیروی کی جائے، حلال ذرائع کے استعمال سے کسی کو یہ یقین دلایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، اور باطنی اعتبار سے صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ کیا گیا ہے۔ عالی مقام، فیصلہ کرے گا، جو بلاشبہ ہر فرد کے لیے بہترین انتخاب ہے چاہے وہ اس کا مشاہدہ کرے یا نہ کرے۔

تفصیل جاری ہے ..." :آپ نہ تو بدتمیز، سخت مزاج ہیں اور نہ ہی بازاروں میں شور مچانے والے۔ اور جو لوگ آپ کے ساتھ برائی کرتے ہیں آپ ان کے ساتھ برائی نہیں کرتے بلکہ آپ ان کے ساتھ عفو و درگزر سے پیش آتے ہیں۔

جامع ترمذی نمبر 2016 میں موجود ایک حدیث میں مؤمنین کی والدہ، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض اعلیٰ خصوصیات بیان کی ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اس نے مشورہ دیا کہ وہ نہ تو فحش ہے اور نہ ہی اونچی آواز میں۔ اس نے کبھی برائی کا جواب برائی سے نہیں دیا بلکہ دوسروں کے عیبوں کو معاف اور نظر انداز کیا۔

سب سے پہلے تو تمام مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان پر یہ فرض ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کو اپنائیں ۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

”کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا“۔

اور باب 33 الاحزاب، آیت 21:

”یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے“۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی ادب المفرد نمبر 464 میں موجود حدیث کے مطابق مسلمان کو کبھی بھی فحش حرکت یا بات نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ اور جیسا کہ جامع ترمذی نمبر 2003 میں موجود حدیث کے مطابق قیامت کے ترازو میں حسن اخلاق سب سے بھاری چیز ہو گی، اس لیے قیامت تک پہنچنے والے کے برے انجام کی پیشین گوئی ایک فحش آدمی کی حیثیت سے کی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ جو شخص فحش کلامی کرتا ہے اس کے جہنم میں داخل ہونے کا زیادہ امکان ہوتا ہے کیونکہ قیامت کے دن جہنم میں جانے کے لیے صرف ایک ہی فحش کلام کی ضرورت ہوتی ہے۔ جامع ترمذی نمبر 2314 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ سادہ لفظوں میں سچا ایمان اور فحاشی کبھی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی۔

ایک مسلمان کو اونچی آواز میں نہیں بولنا چاہئے کیونکہ اس سے دوسروں کی عزت میں کمی واقع ہوتی ہے، خاص کر رشتہ دار۔ اونچی آواز والے اکثر جارحانہ انداز میں آتے ہیں اور دوسروں کو آسانی سے خوفزدہ کر سکتے ہیں جو ایک سچے مسلمان کے رویے سے متصادم ہے۔ ایک مسلمان

کو دوسروں کے ساتھ بات چیت کرتے وقت نرم اور مہربان ہونا چاہیے کیونکہ یہ اسلام کی حقیقی اور پرامن فطرت کو ظاہر کرتا ہے۔ باب 31 لقمان، آیت 19:

"اور اپنی آواز کو نیچا کرو۔ بے شک، سب سے زیادہ ناپسندیدہ آواز گدھوں کی آواز ہے۔..."

آخر میں، ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ غلطیاں کرنے کے پابند ہیں۔ جس طرح کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ دوسروں سے درگزر کرے اور معاف کرے۔ سیدھے الفاظ میں، ایک دوسرے کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا۔ دوسروں کو معاف نہ کرنا پھر بھی اللہ تعالیٰ سے معافی کی امید رکھنا حماقت ہے۔ باب 24 النور، آیت 22:

"...اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟''

تفصیل جاری ہے '': اللہ تعالیٰ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس وقت تک نہیں مرنے دے گا جب تک کہ وہ ٹیڑھے لوگوں کو یہ کہہ کر سیدھا نہ کر دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ جو اندھی آنکھیں، بہرے کان اور ڈھکے ہوئے دل کھول دیے جائیں گے۔"

یہ صحیح رہنمائی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کوئی شخص سچے دل سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور پیروی کرتا ہے اور اس کی پیروی کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم لے کر آئے ہیں۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام قرآن مجید اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔

قرآن پاک کے ساتھ اخلاص میں اللہ تعالیٰ کے کلام کے لیے گہرا احترام اور محبت شامل ہے۔ یہ اخلاص اس وقت ثابت ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن کریم کے تین پہلوؤں کو پورا کرتا ہے۔ سب سے پہلے اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا اس کی تعلیمات کو معتبر ذریعہ اور استاد کے ذریعے سمجھنا ہے۔ آخری پہلو یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات پر اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے مقصد سے عمل کیا جائے۔ مخلص مسلمان اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کو اپنی خواہشات پر عمل کرنے پر ترجیح دیتا ہے جو قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ اپنے کردار کو قرآن پاک پر ڈھالنا اللہ کی کتاب کے ساتھ سچے اخلاص کی علامت ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے جس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 1342 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی چیز جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے وہ ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

غار حرا میں تنہائی

تنہائی اور عکاسی - 1

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کا پہلا اشارہ سچے خوابوں کی صورت میں آیا۔ اس نے دیکھا ہر خواب پورا ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر تنہائی کا شوق پیدا کیا۔ وہ مکہ کے قریب غار حرا میں اکیلے وقت گزارتا، جہاں وہ عقیدت کے ذریعے مذہبی تزکیہ حاصل کرتا۔ یہ صحیح مسلم نمبر 403 میں موجود حدیث میں درج ہے۔

بعض علماء کی طرف سے یہ تجویز کیا گیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ پر پہلی وحی نازل ہونے سے پہلے جو مذہبی عقیدت اس وقت کی تھی، وہ ان کی عکاسی تھی۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور اسلام کی تعلیمات پر یہ غور و فکر کسی کے ایمان کی مضبوطی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں بڑی رکاوٹ ایمان کی کو بڑھانے کا ایک طاقتور طریقہ ہے۔ درحقیقت ،کمزوری ہے۔ یہ ایک قابلِ ملامت خصوصیت ہے جو دوسری منفی خصوصیات کو جنم دیتی ہے جیسے اپنے علم پر عمل نہ کرنا، دوسروں سے ڈرنا، لوگوں کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر فوقیت دینا، بغیر کوشش کے معافی کی امید رکھنا اور دیگر ناپسندیدہ خصوصیات۔ خصوصیات ایمان کی کمزوری کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ یہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے جیسے فرائض سے غفلت۔ ایمان کی کمزوری کی اصل وجہ اسلام سے لاعلمی ہے۔

اپنے ایمان کو مضبوط کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ آخرکار ایمان کے اس یقین تک پہنچ جائیں گے جو اس قدر مضبوط ہے کہ یہ انسان کو تمام آزمائشوں اور آزمائشوں سے محفوظ رکھتا ہے اور اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ وہ اپنے دینی اور دنیاوی فرائض کو پورا کرے۔ یہ علم اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرتا ہے۔ خاص طور پر وہ تعلیمات جن میں فرمانبرداروں کے لیے اجر کے وعدوں اور اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کے

لیے عذاب کا ذکر ہے۔ اس سے مسلمان کے دل میں عذاب کا خوف اور ثواب کی امید پیدا ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف کھینچنے اور دھکیلنے کے طریقہ کار کی طرح کام کرتا ہے۔

آسمانوں اور زمین کے اندر کی تخلیقات پر غور و فکر کرکے اپنے ایمان کو مضبوط کر سکتے ہیں۔ جب صحیح طریقے سے کیا جائے تو یہ واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی لامحدود قدرت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53:

”ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ یہ حق ہے“۔

مثال کے طور پر، اگر کوئی مسلمان رات اور دن کے بارے میں غور کرے کہ وہ کس حد تک مطابقت میں ہیں اور ان سے جڑی دوسری چیزوں کو وہ واقعی یقین کر لیں گے کہ یہ کوئی بے ترتیب چیز نہیں ہے، یعنی ایک ایسی طاقت ہے جو اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ ہر چیز گھڑی کی طرح چلتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی لامحدود طاقت ہے۔ اس کے علاوہ، اگر کوئی رات اور دن کے کامل وقت پر غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صرف ایک ہی معبود ہے، یعنی اللہ تعالیٰ۔ اگر ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو ہر خدا کی خواہش ہوتی کہ رات اور دن اپنی خواہش کے مطابق ہوں۔ یہ سراسر افراتفری کا باعث بنے گا کیونکہ ایک خدا سورج کے طلوع ہونے کی خواہش کرسکتا ہے جبکہ دوسرا خدا رات کو جاری رکھنے کی خواہش کرسکتا ہے۔ کائنات کے اندر پایا جانے والا کامل بلاتعطل نظام یہ ثابت کرتا ہے کہ صرف ایک ہی خدا ہے یعنی اللہ تعالیٰ۔ باب 21 الانبیاء، آیت 22:

”اگر ان کے اندر اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو وہ دونوں برباد ہو جاتے۔“

ایک اور چیز جو ایمان کو مضبوط کر سکتی ہے وہ ہے عمل صالح پر قائم رہنا اور تمام گناہوں سے پرہیز کرنا۔ جیسا کہ ایمان ایمان ہے جس کی تائید اعمال سے ہوتی ہے جب گناہ سرزد ہوتے ہیں تو کمزور ہوتے ہیں اور جب اچھے اعمال کیے جاتے ہیں تو تقویت ملتی ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 5662 میں موجود حدیث میں ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی کہ مسلمان شراب پینے سے مومن نہیں ہوتا۔

اس کے علاوہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تنہائی اختیار کی ہے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی غیر ضروری اجتماعیت کو بھی کم کرنا چاہیے تاکہ وہ زیادہ اہم امور پر توجہ مرکوز کر سکیں۔

جامع ترمذی نمبر 2406 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجات حاصل کرنے کا طریقہ بتایا۔ ان چیزوں میں سے ایک یہ ہے کہ انسان بلا ضرورت گھر سے نہ نکلے۔ اس طرز عمل سے وقت ضائع ہوتا ہے اور زبانی اور جسمانی دونوں گناہ ہوتے ہیں۔ اگر کوئی سچے دل سے غور کرے تو وہ سمجھے گا کہ ان کے زیادہ تر گناہوں اور مسائل کا سامنا دوسروں کے ساتھ غیر ضروری طور پر میل جول کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ ہمیشہ دوسروں کی غلطی تھی لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی غیر ضروری طور پر اپنا گھر چھوڑنے سے گریز کرتا ہے تو وہ کم گناہ کرے گا اور کم پریشانیوں اور مشکلات کا سامنا کرے گا۔ اس سے ان کا اسلامی تعلیمات کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کا وقت بھی نکل جائے گا جو کسی کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں فائدہ مند ہے۔

تنہائی اور عکاسی - 2

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کا پہلا اشارہ سچے خوابوں کی صورت میں آیا۔ اس نے دیکھا ہر خواب پورا ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر تنہائی کا شوق پیدا کیا۔ وہ مکہ کے قریب غار حرا میں اکیلے وقت گزارتا، جہاں وہ عقیدت کے ذریعے مذہبی تزکیہ حاصل کرتا۔ یہ صحیح مسلم نمبر 403 میں موجود حدیث میں درج ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنہائی کا طرز زندگی اختیار کیا کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ ان کی قوم جس عظیم گمراہی میں رہ رہی ہے اور ان کے راستے میں شامل ہونے کی خواہش نہیں کی۔ یہ بری صحبت سے بچنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 5534 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچھے اور برے ساتھی میں فرق بیان فرمایا۔ اچھا ساتھی عطر بیچنے والے کی طرح ہے۔ ان کا ساتھی یا تو کوئی عطر حاصل کرے گا یا کم از کم خوشگوار بو سے متاثر ہوگا۔ جبکہ برا ساتھی لوہار کی طرح ہوتا ہے اگر اس کا ساتھی اپنے کپڑے نہیں جلائے گا تو وہ ضرور دھوئیں سے متاثر ہوگا۔

مسلمانوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ جن لوگوں کے ساتھ جائیں گے ان کا اثر ان پر پڑے گا چاہے یہ اثر مثبت ہو یا منفی، ظاہر ہو یا لطیف۔ کسی کا ساتھ دینا اور اس سے متاثر نہ ہونا ممکن نہیں۔ سنن ابو داؤد نمبر 4833 میں موجود حدیث اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ ایک شخص اپنے ساتھی کے مذہب پر ہے ۔ یعنی انسان اپنے ساتھی کی خصوصیات کو اپناتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ صالحین کا ساتھ دیں کیونکہ وہ بلا شبہ ان پر مثبت اثر ڈالیں گے، وہ انھیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی ترغیب دیں گے۔ جبکہ برے ساتھی یا تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اکسائیں گے یا پھر مسلمان کو آخرت کی تیاری کے بجائے مادی دنیا پر توجہ مرکوز

کرنے کی ترغیب دیں گے۔ یہ رویہ ان کے لیے قیامت کے دن بڑے ندامت کا باعث بنے گا خواہ وہ چیزیں حلال ہوں لیکن ان کی ضرورت سے زیادہ ہوں۔

آخر میں، جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 3688 میں موجود حدیث کے مطابق ایک شخص آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ ختم ہو جائے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے، ایک مسلمان کو عملی طور پر اس دنیا میں صالحین کے ساتھ محبت کا اظہار کرنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ برے یا غافل لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان سے محبت کرتے ہیں اور آخرت میں ان کی آخری منزل ہے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

''اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔''

ختم نبوت کا مشن شروع

اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اخلاص

صحیح مسلم کی ایک حدیث نمبر 403 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہونے کا ذکر ہے۔ جب آپ غار حرا میں تھے تو جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور پہلا کلمہ نازل فرمایا یعنی "پڑھو"۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ میں ان پڑھ ہوں۔ جب یہ تبادلہ چند بار ہوا تو جبرائیل علیہ السلام نے پھر آپ کو باب 96 العلق کی پہلی پانچ آیات پڑھ کر سنائیں:

"پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ انسان کو معلق مادہ سے پیدا کیا۔ پڑھو، اور تمہارا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم سے سکھایا۔ انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

قابل غور بات یہ ہے کہ پہلی آیت جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل اور بولنا چاہیے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف سے دیے گئے تمام فرائض کو احکام و ممنوعات کی صورت میں ادا کرنا، صرف اس کی رضا کے لیے۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ سب ان کی نیت سے پرکھیں گے۔ پس اگر کوئی نیک عمل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص نہ ہو تو اسے نہ دنیا میں اجر ملے گا اور نہ آخرت میں۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جن لوگوں نے گستاخیاں کیں ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اجر طلب کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ باب 98 البیینہ، آیت 5۔

"اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لیے خالص ہو کر۔"

اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ اخلاص کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ صدق دل سے توبہ کریں اور ان سب کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر کبھی بھی ایسے فرائض کا بوجھ نہیں ڈالتا جو وہ انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی نبھا سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286۔

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

کے لیے مخلص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی اور دوسروں کی خوشنودی پر اس کی رضا کو پسند کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ ان اعمال کو ترجیح دینی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ دوسروں سے محبت کرے اور اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسند کرے نہ کہ اپنی خواہشات کے لیے۔ جب وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں یا گناہوں میں حصہ لینے سے انکار کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔ جس نے اس ذہنیت کو اپنایا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جو لوگ اللہ کی خوشنودی کے بجائے دکھاوے جیسے کام لوگوں کی خاطر کرتے ہیں۔ ، عالی مقام کو کہا جائے گا کہ قیامت کے دن ان لوگوں سے ان کا اجر حاصل کریں جن کے لئے انہوں نے عمل کیا جو حقیقت میں ممکن نہیں ہے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تمام اعمال کی بنیاد حتیٰ کہ اسلام خود انسان کی نیت ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس پر اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ صحیح بخاری نمبر 1 کی حدیث کے مطابق کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام دینی اور مفید دنیوی اعمال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دے، تاکہ وہ اس سے دونوں جہانوں میں اجر حاصل کرو۔ اس صحیح ذہنیت کی علامت یہ ہے کہ یہ شخص نہ تو یہ توقع رکھتا ہے اور نہ ہی چاہتا ہے کہ لوگ ان کے اعمال کی تعریف کریں یا ان کا شکریہ ادا کریں۔ اگر کوئی یہ چاہتا ہے تو یہ اس کی غلط نیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

اس کے علاوہ، صحیح نیت کے ساتھ عمل کرنا اداسی اور تلخی کو روکتا ہے کیونکہ جو شخص لوگوں کی خاطر کام کرتا ہے وہ آخرکار ناشکرے لوگوں کا سامنا کرے گا جو انہیں ناراض اور تلخ کر دیں گے کیونکہ انہیں لگتا ہے کہ انہوں نے اپنی محنت اور وقت ضائع کیا ہے۔ بدقسمتی سے، والدین اور رشتہ داروں میں یہ دیکھا جاتا ہے کیونکہ وہ اکثر اللہ تعالی کی رضا کے بجائے ان کی خاطر اپنے بچوں اور رشتہ داروں کے بارے میں اپنے فرائض ادا کرتے ہیں۔ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتا ہے، وہ دوسروں کے لیے اپنے تمام فرائض کو پورا کرے گا جیسے کہ ان کے بچے اور جب وہ ان کا شکر ادا کرنے میں ناکام ہوں گے تو وہ کبھی تلخ یا ناراض نہیں ہوں گے۔ یہ رویہ ذہنی سکون اور عمومی خوشی کا باعث بنتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے نیک عمل سے پوری طرح واقف ہے اور انہیں اس کا اجر دے گا۔ تمام مسلمانوں کو یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے ورنہ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ ذرا سی بھی دکھاوا کرنا شرک ہے۔

یہ شرک کی ایک معمولی قسم ہے جس سے کسی کا ایمان ضائع نہیں ہوتا۔ اس کے بجائے یہ ثواب کے نقصان کا باعث بنتا ہے جیسا کہ اس مسلمان نے لوگوں کی خوشنودی کے لیے عمل کیا جب کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے عمل کرنا چاہیے تھا۔ درحقیقت قیامت کے دن ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ وہ اپنے اعمال کا بدلہ ان سے مانگیں جو کہ ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اگر شیطان کسی کو اعمال صالحہ سے نہیں روک سکتا تو وہ ان کی نیت کو خراب کرنے کی کوشش کرے گا جس سے ان کا اجر ضائع ہو جائے گا۔ اگر وہ ان کی نیت کو ظاہری طور پر خراب نہیں کر سکتا تو وہ باریک طریقے سے اسے خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس میں یہ بھی شامل ہے جب لوگ اپنے نیک اعمال کو دوسروں کے سامنے دکھاتے ہیں۔ بعض اوقات یہ اتنا لطیف ہوتا ہے کہ انسان خود بھی اس سے پوری طرح واقف نہیں ہوتا ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ جیسا کہ علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا سب پر فرض ہے، سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جہالت کا دعویٰ کرنا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن قبول نہیں کرے گا۔

باریک بینی کا مظاہرہ اکثر سوشل میڈیا اور کسی کی تقریر کے ذریعے ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان دوسروں کو مطلع کر سکتا ہے کہ وہ روزہ رکھ رہا ہے حالانکہ کسی نے ان سے براہ راست نہیں پوچھا کہ کیا وہ روزہ رکھتے ہیں۔ ایک اور مثال یہ ہے کہ جب کوئی عام طور پر دوسروں کے سامنے قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے اور دوسروں کو دکھاتا ہے کہ انہوں نے قرآن پاک حفظ کر لیا ہے۔ یہاں تک کہ عوامی طور پر خود پر تنقید کرنا بھی دوسروں کے سامنے اپنی عاجزی کا مظاہرہ سمجھا جا سکتا ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، نفاست سے دکھاوا ایک مسلمان کے اجر کو ختم کر دیتا ہے اور اپنے اعمال صالحہ کی حفاظت کے لیے اس سے بچنا چاہیے۔ یہ صرف اسلامی علم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ہی ممکن ہے، جیسے کہ اپنی بات کی حفاظت کیسے کی جائے۔

علم کی اہمیت

صحیح مسلم کی ایک حدیث نمبر 403 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہونے کا ذکر ہے۔ جب آپ غار حرا میں تھے تو جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور پہلا کلمہ نازل فرمایا یعنی "پڑھو"۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ میں ان پڑھ ہوں۔ جب یہ تبادلہ چند بار ہوا تو جبرائیل علیہ السلام نے پھر آپ کو باب 96 العلق کی پہلی پانچ آیات پڑھ کر سنائیں:

"پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ انسان کو معلق مادہ سے پیدا کیا۔ پڑھو، اور تمہارا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم سے سکھایا۔ انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

غور طلب بات یہ ہے کہ پہلی آیات جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں، علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2645 میں موجود حدیث میں نصیحت فرمائی کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو بھلائی دینا چاہتا ہے تو اسے اسلامی علم عطا کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلمان اپنے ایمان کی مضبوطی سے قطع نظر دونوں جہانوں کی بھلائی چاہتا ہے۔ اگرچہ بہت سے مسلمان یہ غلط سمجھتے ہیں کہ یہ خیر جس کی وہ خواہش کرتے ہیں وہ شہرت، دولت، اختیار، صحبت اور اپنے کیریئر میں مضمر ہے، یہ حدیث اس بات کو واضح کرتی ہے کہ اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ہی حقیقی دیرپا بھلائی ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ دینی علم کی ایک شاخ مفید دنیاوی علم ہے جس کے ذریعے انسان اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری کرنے کے لیے حلال رزق کماتا ہے۔ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ کہاں کہاں

بھلائی ہے لیکن یہ شرم کی بات ہے کہ کتنے مسلمان اس کی قدر نہیں کرتے۔ وہ زیادہ تر معاملات میں اپنے واجبات کو پورا کرنے کے لیے صرف اسلامی علم کا کم سے کم حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات جیسی مزید چیزوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس کے بجائے وہ دنیاوی چیزوں پر اپنی کوششیں وقف کرتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ وہاں حقیقی اچھائی پائی جاتی ہے۔ بہت سے مسلمان اس بات کی تعریف کرنے میں ناکام رہتے ہیں کہ نیک پیشروؤں کو صرف ایک آیت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سیکھنے کے لیے ہفتوں تک سفر کرنا پڑا، جب کہ آج کوئی اپنا گھر چھوڑے بغیر اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود، بہت سے لوگ اس نعمت کو استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو جدید دور کے مسلمانوں کو دی گئی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت سے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نہ صرف یہ بتا دیا ہے کہ سچی بھلائی کہاں ہے بلکہ اس نیکی کو انگلی کے اشارے پر بھی رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو بتا دیا ہے کہ ایک ابدی دفن خزانہ کہاں ہے جو دونوں جہانوں میں پیش آنے والے تمام مسائل کو حل کر سکتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کو یہ بھلائی تبھی ملے گی جب وہ اسے حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی جدوجہد کریں گے۔

ایک بڑا خلفشار جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روکتا ہے وہ جہالت ہے۔ یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ یہ ہر گناہ کی اصل ہے کیونکہ جو گناہوں کے نتائج کو صحیح معنوں میں جانتا ہے وہ کبھی بھی گناہ نہیں کرے گا۔ اس سے مراد حقیقی فائدہ مند علم ہے جو وہ علم ہے جس پر عمل کیا جاتا ہے۔ درحقیقت وہ تمام علم جس پر عمل نہ کیا جائے وہ فائدہ مند علم نہیں ہے۔ اس طرزِ عمل کی مثال قرآنِ پاک میں اس گدھے کی طرح بیان کی گئی ہے جو علم کی کتابیں اٹھائے ہوئے ہے جو اسے فائدہ نہیں پہنچاتی۔ باب 62 الجمعہ، آیت 5:

اور پھر اس پر عمل نہیں کیا۔)علم پر عمل نہیں کیا (اس گدھے کی مانند ہے جو کتابوں کی..." کثرتیں اٹھائے ہوئے ہے۔''

جو شخص اپنے علم پر عمل کرتا ہے وہ شاذ و نادر ہی پھسلتا ہے اور جان بوجھ کر گناہ کرتا ہے۔ درحقیقت، جب ایسا ہوتا ہے تو یہ صرف جہالت کے ایک لمحے کی وجہ سے ہوتا ہے جہاں ایک شخص اپنے علم پر عمل کرنا بھول جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ گناہ کرتا ہے۔

نمبر 2322 میں موجود ایک جامع ترمذی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ حدیث میں جاہلیت کی سنگینی پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ مادی دنیا کی ہر چیز ملعون ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے۔ اس ذکر سے جو بھی تعلق ہے، عالم اور طالب علم۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مادی دنیا کی تمام نعمتیں جاہل کے لیے لعنت بن جائیں گی کیونکہ وہ ان کا غلط استعمال کرکے گناہوں کا ارتکاب کریں گے۔

درحقیقت جہالت کو انسان کا بدترین دشمن سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ یہ اسے اپنے آپ کو نقصان سے بچانے اور فائدہ حاصل کرنے سے روکتی ہے یہ سب کچھ صرف علم پر عمل کرنے سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جاہل ان سے بے خبر ہو کر گناہ کرتا ہے۔ کوئی گناہ سے کیسے بچ سکتا ہے اگر وہ نہیں جانتا کہ گناہ کیا ہے؟ جہالت انسان کو اپنے فرائض سے غفلت کا باعث بنتی ہے۔ اگر وہ اپنے فرائض سے ناواقف ہوں تو اپنے فرائض کیسے ادا کر سکتے ہیں؟

لہٰذا تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اتنا علم حاصل کریں کہ وہ اپنے تمام واجبات کو پورا کر میں موجود حدیث سے 224 نمبر سکیں اور گناہوں سے بچ سکیں۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ ہوتی ہے -

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان پڑھ ہونا ضروری تھا کیونکہ اگر وہ علم اور تعلیم دوسرے لفظوں میں یافتہ ہوتے تو ان پر سابقہ آسمانی صحیفوں سے سرقہ کرنے کا الزام لگایا جاتا۔ یہ حقیقت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے تاریخی واقعات اور نفع بخش اسباق پڑھ رہے تھے حالانکہ وہ ان پڑھ تھے اور انہوں نے سابقہ آسمانی صحیفوں کا مطالعہ نہیں کیا تھا، جسے مکہ کے غیر مسلم بخوبی سمجھتے ہیں۔ جانتے تھے، ان کی نبوت کی واضح نشانی تھی۔

فطری خوف اور اضطراب

جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 403 میں موجود ایک حدیث میں مذکور ہے کہ پہلی وحی الٰہی کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر اور بیوی کی طرف واپس تشریف لے گئے جب آپ کا دل دھڑک رہا تھا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ وہ اپنی پریشانی اور خوف کے باعث اسے کمبل سے ڈھانپ لے۔

یہ واقعہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مختلف حالات کا سامنا کرتے وقت حد کے اندر جذباتی ہونا قابل قبول ہے جیسے کہ مشکل وقت میں اداس ہونا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام اور فطری انداز میں ردعمل ظاہر کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر کوئی تنقید نہیں کی گئی کیونکہ جذبات کا اظہار انسان ہونے کا ایک حصہ ہے۔ جب تک جذبات اسلام کی حدود میں ہیں اس کا ظاہر کرنا مکمل طور پر قابل قبول ہے۔ کوئی بھی مسلمان سے مشکل حالات میں روبوٹ کی طرح کام کرنے کی توقع نہیں رکھتا۔ ہر حال میں ایک مسلمان کو ایک توازن برقرار رکھنا چاہیے جس کے تحت وہ اسلام کی حدود سے تجاوز کیے بغیر اپنے جذبات کے ذریعے اپنے تناؤ کو دور کرے۔ اس کی طرف باب 57 الحدید، آیت 23 میں اشارہ کیا گیا ہے:

"تاکہ تم اس چیز پر مایوس نہ ہو جو تم سے چھوٹ گئی ہے اور جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس پر فخر نہیں کرنا۔ اور اللہ تعالیٰ ہر کسی کو خود فریبی اور تکبر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔''

یہ آیت کسی شخص کو غمگین یا خوش ہونے سے منع نہیں کرتی۔ لیکن یہ کسی کو نصیحت کرتا ہے کہ ان دو جذبات میں حد سے زیادہ نہ ہو، یعنی غم اور خوش ہونا دونوں ہی گناہوں کا باعث بن سکتے ہیں۔

ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ جب تک وہ ان حدود میں رہیں گے وہ تمام مشکلات سے کامیابی کے ساتھ نکلیں گے، دونوں جہانوں میں اجر وثواب حاصل کریں گے۔ اس کی طرف اشارہ اس عظیم واقعہ کے آخر میں کیا گیا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اس کی اطاعت کرنے والے کو حفاظت عطا فرمائی۔ یہ حفاظت کسی مسلمان پر مختصر مدت میں ظاہر نہیں ہو سکتی لیکن آخرکار اس دنیا میں یا آخرت میں ان پر ظاہر ہو جائے گی۔

دوسروں کے لیے اخلاص

جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 403 میں موجود ایک حدیث میں مذکور ہے کہ پہلی وحی الٰہی کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر اور بیوی کی طرف واپس تشریف لے گئے جب آپ کا دل دھڑک رہا تھا۔ اس نے پریشانی اور خوف کی وجہ سے اپنی بیوی سے کہا کہ وہ اسے کمبل سے ڈھانپ لے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کو اپنی اہلیہ سے بیان کرنے کے بعد، انہوں نے اپنی پریشانی کے لمحات میں آپ کو تسلی دے کر ان کے ساتھ خلوص کا مظاہرہ کیا۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو اس اخلاص کا اظہار کریں کیونکہ یہ ایمان کا حصہ ہے۔ صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں

ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے‘‘۔’’

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے‘‘۔’’

نیک کردار عزت کی طرف لے جاتا ہے۔

جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 403 میں موجود ایک حدیث میں مذکور ہے کہ پہلی وحی الٰہی کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر اور بیوی کی طرف واپس تشریف لے گئے جب آپ کا دل دھڑک رہا تھا۔ اس نے پریشانی اور خوف کی وجہ سے اپنی بیوی سے کہا کہ وہ اسے کمبل سے ڈھانپ لے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کو اپنی اہلیہ سے بیان کرنے کے بعد، انہوں نے اپنی پریشانی کے لمحات میں آپ کو تسلی دے کر ان کے ساتھ خلوص کا مظاہرہ کیا۔ اس نے سچائی پر قائم رہتے ہوئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض بابرکت خصوصیات بیان کرکے یہ کامیابی حاصل کی تاکہ انہیں یقین دلایا جائے کہ انہیں کسی قسم کا خوف نہیں ہے۔

یہ واقعہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جو شخص اعلیٰ کردار اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ہمیشہ عزت دیتا ہے خواہ اسے آزمائشوں اور آزمائشوں کا سامنا ہو۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جب وہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں تو حقیقت میں اس کا فائدہ خود کو ہوتا ہے نہ کہ دوسروں کو۔ اس لیے کہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور اس اہم فرض کو پورا کرنے سے ایک اجر ملتا ہے۔

اس کے علاوہ، جب کوئی دوسروں کے ساتھ مہربان ہوتا ہے تو وہ زندہ رہتے ہوئے ان کے لیے دعا کرتا ہے جس سے انہیں فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6929 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ کسی شخص کے لیے پوشیدہ طور پر کی گئی دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ لوگ ان کے انتقال کے بعد ان کے لیے دعائیں کریں گے جس کا جواب ضرور ملتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں درج ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 10:

یہ کہتے ہوئے کہ اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ایمان میں ہم سے پہلے تھے...

آخر کار جو شخص دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے وہ قیامت کے دن اپنی شفاعت حاصل کرے گا، جس دن لوگ دوسروں کی شفاعت کے لیے بے چین ہوں گے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 7439 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے باوجود دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں وہ ان فوائد سے محروم رہیں گے جن کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔ اور قیامت کے دن وہ پائیں گے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ نہ کرنے کا انتخاب کریں تو ظالم کی نیکیاں ان کے شکار کو دی جائیں گی اور اگر ضرورت پڑی تو مظلوم کے گناہ ان کے مظلوم کو دے دیے جائیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے اپنے آپ پر رحم کرے، کیونکہ حقیقت میں وہ دنیا اور آخرت میں اپنے آپ کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔ باب 29 العنکبوت آیت 6:

‘‘اور جو کوشش کرتا ہے وہ صرف اپنے لیے ہی کوشش کرتا ہے...’’

بیوی کی ایمانداری

جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 403 میں موجود ایک حدیث میں مذکور ہے کہ پہلی وحی الٰہی کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر اور بیوی کی طرف واپس تشریف لے گئے جب آپ کا دل دھڑک رہا تھا۔ اس نے پریشانی اور خوف کی وجہ سے اپنی بیوی سے کہا کہ وہ اسے کمبل سے ڈھانپ لے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کو اپنی اہلیہ سے بیان کرنے کے بعد، انہوں نے اپنی پریشانی کے لمحات میں آپ کو تسلی دے کر ان کے ساتھ خلوص کا مظاہرہ کیا۔ اس نے سچائی پر قائم رہتے ہوئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض بابرکت خصوصیات بیان کرکے یہ کامیابی حاصل کی تاکہ انہیں یقین دلایا جائے کہ انہیں کسی قسم کا خوف نہیں ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی مبارک خصوصیت جس کا انہوں نے ذکر کیا وہ یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رشتہ داری کو برقرار رکھا۔

رشتہ داری کو برقرار رکھنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے جسے اگر کوئی کامیابی چاہتا ہے تو اسے دونوں جہانوں میں ایمان کی حقیقی نشانی یہ نہیں ہے کہ سارا دن مسجد میں ترک نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی ہے۔ مخلوق کے سب سے اہم حقوق میں سے ایک رشتہ داری کو برقرار رکھنا ہے۔ کوئی کو دھوکہ نہیں دے سکتا لیکن اللہ تعالیٰ شخص اسلامی لباس پہن کر تقویٰ کا دعویٰ کر سکتا ہے تاریخ کے اوراق ہمیشہ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں نے رشتہ ۔ جب کوئی مڑتا ہے۔ داریوں کو نبھایا۔ یہاں تک کہ جب ان کے رشتہ داروں نے ان کے ساتھ بدسلوکی کی تب بھی انہوں نے مہربانی سے جواب دیا۔ باب 41 فصیلات، آیت 34:

"اور اچھے اور برے کام برابر نہیں ہیں۔ برائی کو اس [عمل] سے دفع کرو جو بہتر ہو۔ پھر جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ گویا ایک مخلص دوست ہو گا۔

صحیح مسلم نمبر 6525 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص رشتہ داریوں کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے لیے ہمیشہ اس کی مدد کرتا ہے خواہ اس کے رشتہ دار مشکلات کا شکار ہوں۔.

مومن مخلص اچھائی کا جواب اچھائی سے دینا کوئی خاص بات نہیں جبکہ برائی کا اچھا جواب دینا کوئی زیادہ تر معاملات میں، جب کی نشانی ہے۔ سابقہ رویہ جانوروں میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ میں کسی جانور کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے تو اس کے بدلے میں پیار واپس آتا ہے۔ صحیح بخاری برقرار نمبر 5991 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ رشتہ داری کو صحیح معنوں میں حضور نبی رکھنے والا وہ ہے جو رشتہ داروں سے قطع تعلق کرتے ہوئے بھی رشتہ قائم رکھے۔ اکثر رشتہ داروں کی طرف سے لیکن اپنے اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل دہشت زدہ تھے۔ اس نے ہمیشہ ان کے ساتھ شفقت کا مظاہرہ کیا۔

یہ بات عام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے بغیر کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ لیکن صحیح بخاری کی حدیث نمبر 5987 میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اعلان کیا ہے کہ جو شخص دنیاوی ذہن میں ہمیشہ رشتہ قائم رکھے گا۔ وجوہات کی بناء پر رشتہ داریاں توڑے گا اس کے ساتھ وہ عبادات کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کی جیسی فرض نماز رکھو، یہ قطع نظر سچ ہے ادائیگی کے لیے کتنی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی مسلمان سے رشتہ منقطع کر دے تو وہ اس کا قرب اور ابدی کامیابی کیسے حاصل کر سکتا ہے؟

لوگوں کو موقع دینے اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں اللہ تعالیٰ عذاب میں تاخیر کرتا ہے۔ توبہ کرنا لیکن دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داری کو توڑنے کی سزا بہت کے لیے گناہوں کا جلد ملتی ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 4212 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

بدقسمتی سے آج دنیا میں تعلقات منقطع کرنے کا رواج عام دیکھا جاتا ہے۔ لوگ چھوٹی موٹی دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داریوں کو آسانی سے توڑ دیتے ہیں۔ وہ کسی بھی نقصان کو پہچاننے میں جو مادی دنیا میں ہوتا ہے وہ عارضی ہوتا ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق ناکام رہتے ہیں۔ منقطع ہو جائے تو دونوں جہانوں میں انہیں طویل مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

جب کوئی اپنے پیشے کے ذریعے وجہ جو اسلامی معاشرے میں عام طور پر دیکھی جاتی ہے۔ کی اعلیٰ سماجی مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ انہیں اپنے رشتہ داروں کو ترک کرنے کی ترغیب دیتا جیسا کہ انہیں یقین ہے کہ وہ اب ان کے ساتھ بات چیت کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اپنی دولت ہے۔ حیثیت سے ان کی محبت انہیں بے حیائی کے دروازے پر دھکیل دیتی ہے جو انہیں سماجی اور صرف ان سے ان کی دولت چھیننا چاہتے ہیں۔ یقین دلاتی ہے کہ ان کے رشتہ دار

،قرآن کریم بتاتا ہے کہ ان بندھنوں کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔ باب 4 النساء آیت 1:

اور اس اللہ سے ڈرو جس کے ذریعے تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رحم سے۔ بے شک'' ''اللہ تم پر ہمیشہ دیکھنے والا ہے۔

برقرار رکھے بغیر تقویٰ یہ آیت بھی واضح طور پر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رشتہ داری کو وہ اسے زیادہ عبادت کے ذریعے حاصل کر سکتے تو جو لوگ ایمان لائے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اپنے رویے کو بدلنا چاہیے۔ اور روزے غلط ثابت ہوئے ہیں ہیں۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کی ان معاملات میں مدد کر کے تمام رشتہ داریوں کو برقرار رکھیں جو جب بھی اور جہاں بھی ممکن ہو اچھے ہوں۔ انہیں ایک تعمیری ذہنیت معاشرے کے فائدے کی بجائے رشتہ داروں کو متحد کرتا ہے۔ جو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے سنن ابوداؤد نمبر 4919 میں ایک تباہ کن ذہنیت جو صرف خاندانوں میں تقسیم کا باعث بنتی ہے۔ موجود ایک حدیث کے مطابق لوگوں میں تفرقہ ڈالنا تباہی کا باعث بنتا ہے۔

رشتہ توڑنے والوں پر قرآن پاک میں لعنت کی گئی ہے۔ باب 47 محمد، آیات 22-23:

تو کیا تم اگر منہ موڑو گے تو زمین میں فساد برپا کرو گے اور اپنے تعلقات کو توڑ دو گے؟]ایسا" "کرنے والے [وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے۔

دنیا میں یا آخرت اور اس کی رحمت سے محروم ہوں تو اللہ تعالیٰ کی لعنت میں گھرے ہوئے ہوں میں کوئی اپنی جائز خواہشات کیسے حاصل کرسکتا ہے ؟

حکم نہیں دیتا اور نہ ہی یہ ان اپنے رشتہ داروں کی کفالت میں اپنی وسعت سے تجاوز کرنے کا سے یہ کہتا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے لیے اللہ تعالیٰ کی حدود کو قربان کر دیں کیونکہ اگر خالق کی نافرمانی اس کی تصدیق سنن ابوداؤد اس کا مطلب ہے تو مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔ نمبر 2625 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا کبھی بھی اپنے رشتہ داروں کو برائیوں میں اپنے رشتہ داروں کو نیکی کا ایک مسلمان کو چاہئے ، شامل نہیں کرنا چاہیے۔ اس صورت میں :کا احترام کرتے ہوئے انہیں برائی سے نرمی سے روکیں۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2 حکم دیں اور ان

"اور نیکی اور پرہیزگاری میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔ "

اللہ کی رضا حاصل کیا جاتا ہے۔ کے ذریعہ رشتہ داری کو برقرار رکھنے والے بے شمار فوائد کے لیے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو بندہ جوڑتا ہے اس کے رزق میں اور ان کی زندگی میں اضافی فضل ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 1693 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا رزق خواہ .اور جسم سکون ملے گا۔ ہی کم کیوں نہ ہو ان کے لیے کافی ہو گا اور اس سے انہیں ذہنی کتنا زندگی میں فضل کا مطلب ہے کہ وہ اپنے تمام دینی اور دنیاوی فرائض کو پورا کرنے کے لیے مسلمان اپنی ساری زندگی اور مال حاصل کرنے کی کوشش میں وقت نکالیں گے۔ یہ دو نعمتیں ہیں۔

صرف کرتے ہیں لیکن بہت سے لوگ اس بات کو پہچاننے میں ناکام رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان رشتہ داریوں کو برقرار رکھنے میں دونوں کو رکھا ہے۔

کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں ہے رشتہ داریاں نبھانا اس قدر ضروری رشتہ داروں کے ساتھ بھی اس اہم فرض کو پورا کریں ۔ اس کی تلقین اپنے غیر مسلم کو حکم دیا۔ کرنے والی ایک حدیث صحیح مسلم نمبر 2324 میں موجود ہے۔

شیطان کے پھندے میں سے ایک یہ ہے کہ وہ رشتہ داروں اور معاشرے میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتا اور سماجی تقسیم .اس کا حتمی مقصد اسلام کو بحیثیت قوم ہے جس سے خاندان ٹوٹ جاتے ہیں۔ کمزور کرنا ہے۔ بدقسمتی سے، کچھ لوگ رنجشوں کو پناہ دینے کے لیے بدنام ہو گئے ہیں جو کئی اور نسل در نسل منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ ایک شخص دہائیوں تک کسی تک جاری رہتے ہیں دہائیوں ان سے دوبارہ کبھی وہ رشتہ دار کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا لیکن ایک غلطی اور دلیل کے بعد بات نہیں کرے گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6526 میں ہے کہ ایک مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ تعلقات منقطع رکھنا ناجائز ہے۔ اگر غیر رشتہ داروں سے رشتہ توڑنے کا یہ حکم ہے تو کیا رشتہ داروں سے رشتہ توڑنے کی سنگینی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟ صحیح بخاری نمبر 5984 میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ یہ سوال وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا ہے کہ جو شخص کسی رشتہ دار سے دنیوی وجوہات کی بناء پر تعلق توڑے گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

اس اہم موضوع پر بحث کرنے والی آیات و احادیث پر غور کرنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ اگر اللہ عشرہ کے گناہوں کے بعد بھی اپنے دروازے بند نہیں کرتا اور لوگوں کے ساتھ اپنے سرور کا واسطہ نہیں رکھتا تو لوگ چھوٹی دنیا میں اپنے رشتہ داروں سے اتنی آسانی سے کیوں منہ موڑ لیتے ہیں۔ مسائل؟ اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے ان کے تعلق کو برقرار رکھنا چاہتا ہے تو اسے تبدیل ہونا چاہیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اگلی بابرکت خصوصیت جس کا ذکر خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی پریشانی کے وقت آپ کو تسلی دینے کے لیے کیا ہے، وہ یہ ہے کہ آپ ہمیشہ سچ بولتے تھے۔

جامع ترمذی نمبر 2501 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بے ہودہ یا بری بات سے خاموش رہے اور صرف اچھی بات کہے اللہ تعالیٰ اسے دونوں جہانوں میں محفوظ رکھے گا۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کیونکہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی بنیادی وجہ ان کی تقریر ہے۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 2616 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ درحقیقت یہ صرف ایک ہی برے لفظ کا استعمال کرتا ہے کہ وہ قیامت کے دن جہنم میں ڈوب جائے جس کی تصدیق جامع ترمذی کی ایک حدیث میں ہوئی ہے۔ نمبر 2314

تقریر تین طرح کی ہو سکتی ہے۔ پہلی بری بات ہے جس سے ہر حال میں بچنا چاہیے۔ دوسری فضول گفتگو ہے جس سے صرف وقت ضائع ہوتا ہے جس سے قیامت کے دن بڑی پشیمانی ہوگی۔ مزید برآں، گنہگار تقریر کا پہلا قدم اکثر بیہودہ تقریر ہے۔ لہٰذا اس قسم کی تقریر سے بچنا زیادہ محفوظ ہے۔ آخری قسم اچھی تقریر ہے جسے ہمیشہ اپنانا چاہیے۔ ان پہلوؤں کی بنیاد پر تقریر کا دو تہائی حصہ زندگی سے نکال دینا چاہیے۔

اس کے علاوہ جو زیادہ بولتا ہے وہ صرف اپنے اعمال اور آخرت پر تھوڑا سا غور کرے گا کیونکہ اس کے لیے خاموشی ضروری ہے۔ یہ ان کے اعمال کا اندازہ لگانے سے روک دے گا جو کسی کو مزید نیک اعمال کرنے اور اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس شخص کو پھر بہتر کے لیے تبدیل کرنے سے روکا جائے گا۔

آخر میں، جو لوگ بہت زیادہ بولتے ہیں وہ اکثر دنیاوی چیزوں اور ایسی چیزوں پر بحث کرتے ہیں جو دل لگی اور تفریحی ہیں۔ اس سے وہ ایک ایسی ذہنیت اختیار کریں گے جس کے تحت وہ موت اور آخرت جیسے سنگین مسائل پر بحث کرنا یا سننا پسند نہیں کرتے۔ یہ انہیں آخرت کے لیے مناسب طریقے سے تیاری کرنے سے روک دے گا جس کی وجہ سے وہ ایک بڑے پشیمانی اور ممکنہ عذاب کا باعث بنیں گے۔

ان سب سے بچا جا سکتا ہے اگر کوئی گناہ اور لغو باتوں سے خاموش رہے اور اس کے بجائے صرف اچھی باتیں کہے۔ لہٰذا اس طرح خاموش رہنے والا دنیا میں مصیبت اور آخرت میں عذاب سے بچ جائے گا۔

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی اکثریت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر خوشامد اٹھانے یا غلط بیانی کے۔ اسلام کی تعلیمات جو کسی کی خواہشات

کے مطابق ہوں۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتب کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اگلی بابرکت خصوصیت جس کا ذکر خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ آپ اپنی پریشانی کے لمحات میں آپ کو تسلی دینے کے لیے یہ ہیں کہ آپ نے ہمیشہ ضرورت مندوں اور مشکلات کا سامنا کرنے والوں کی مدد کی۔ .

صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص کسی مسلمان کی تکلیف کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ایک مصیبت کو دور کرے گا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہی سلوک ہوتا ہے جس طرح وہ عمل کرتے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر، باب 2 البقرہ، آیت 152:

"...پس مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد رکھوں گا

ایک اور مثال جامع ترمذی نمبر 1924 میں موجود حدیث میں مذکور ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو دوسروں پر رحم کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر رحم کیا جائے گا۔

پریشانی وہ چیز ہے جو کسی کو پریشانی اور مشکل میں ڈال دیتی ہے۔ لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی دوسرے کے لیے ایسی تکلیف کو آسان کرے خواہ دنیوی ہو یا دینی، وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے سختیوں سے محفوظ رہے گا۔ متعدد احادیث میں مختلف طریقوں سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2449 میں موجود حدیث میں یہ نصیحت فرمائی کہ جس نے کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا اس کو قیامت کے دن جنت کے پھل کھلائے جائیں گے۔ اور جو شخص کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو جنت کا پانی پلائے گا۔

چونکہ آخرت کی مشکلات دنیا میں پائی جانے والی مشکلات سے کہیں زیادہ ہیں یہ ثواب ایک مسلمان کے لیے اس وقت تک روک دیا جاتا ہے جب تک کہ وہ آخرت تک نہ پہنچ جائے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک مسلمان کی مدد کرتا رہے گا جب تک وہ دوسروں کی مدد کرتا رہے گا۔ ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ جب وہ کسی کام کے لیے کوشش کرتے ہیں یا کسی خاص کام کو مکمل کرنے کے لیے کسی دوسرے کی مدد کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ کامیاب یا ناکامی پر ختم ہو سکتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی کی مدد کرتا ہے تو اس کا کامیاب نتیجہ یقینی ہوتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے مفاد کے لیے تمام اچھے کاموں میں دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کریں تاکہ انہیں دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہو۔

سنن ابن ماجہ نمبر 1601 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ غم زدہ کی تسلی کرنے والے کو قیامت کے دن عزت کا لباس پہنایا جائے گا۔

چونکہ مشکلات کا سامنا کرنا ان سب باتوں کی ضمانت ہے یہ ایک عظیم اجر حاصل کرنے کا ایک انتہائی آسان طریقہ ہے جس میں زیادہ وقت، توانائی یا پیسے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس میں اپنے ذرائع کے مطابق مشکل کا سامنا کرنے والے خاندان کی مدد کرنے کی کوشش کرنا شامل ہے، جیسے کہ جذباتی، مالی اور جسمانی مدد۔ ایک مسلمان کو مشکل کا سامنا کرنے والوں کو پوری آزمائش کے دوران صبر کرنے کی ترغیب دینی چاہیے اور انہیں قرآن پاک کی آیات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث یاد دلانی چاہیے، جو صبر کی اہمیت اور اجر عظیم کے بارے میں بتاتی ہیں۔ انہیں یہ یاد دلاتے ہوئے مثبت بات کرنی چاہئے کہ چیزیں صرف اچھی وجہ سے ہوتی ہیں یہاں تک کہ اگر لوگ ان کے پیچھے کی حکمت کو سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں۔ درحقیقت اس نیک عمل کو انجام دینے کے لیے کسی شخص کو عالم نہیں بننا چاہیے کیونکہ اکثر صورتوں میں مدد کے چند مہربان الفاظ کسی مشکل کا سامنا کرنے والے کو بہتر محسوس کرنے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ اور بعض صورتوں میں صرف جسمانی طور پر موجود ہونا ہی انہیں سہارا دینے کے لیے کافی ہوتا ہے چاہے کوئی لفظ نہ بولے۔

،آخر میں، یہ ضروری ہے کہ مسلمان اس نیک عمل کو انجام دیتے وقت اپنی نیت کو درست کریں اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کریں، اور اپنے رشتہ داروں جیسے دوسروں کو دکھانے کے لیے ایسا نہ کریں، اور نہ ہی خوف کی وجہ سے کریں۔ دوسروں کی طرف سے تنقید کا نشانہ بننا اگر وہ ایسا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ دوسروں کی خاطر عمل کرنے والوں کو قیامت کے دن بتایا جائے گا کہ وہ ان کاموں سے اپنا اجر حاصل کریں جس کے لیے وہ عمل نہیں کر سکے گا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

مشکلات کا انتباہ

جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 403 میں موجود ایک حدیث میں مذکور ہے کہ پہلی وحی الٰہی کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر واپس تشریف لائے اور یہ واقعہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے بیان کیا۔ اپنی بیوی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے۔ وہ اسے اپنے کزن ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئی، جو ایک عیسائی تھا جس نے پچھلے آسمانی صحیفوں کا مطالعہ کیا تھا۔ جب اسے اس واقعہ کی اطلاع ملی تو اس نے تصدیق کی کہ یہ فرشتہ جبرائیل علیہ السلام ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا کہ ان کے پاس جو کچھ ہے اس کی وجہ سے آپ کی قوم آپ سے دشمنی کرے گی۔ مفہوم، قرآن پاک اور اسلام کا پیغام دیا جائے گا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ عام طور پر جب کوئی ایسا راستہ چنتا ہے جو دوسروں کے راستے سے مختلف ہو، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست، تو انہیں ان کی طرف سے تنقید اور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ درحقیقت تنقید کی اکثریت کسی شخص کے رشتہ داروں کی طرف سے آتی ہے۔ مثال کے طور پر، جب کوئی مسلمان اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے پر زیادہ توجہ دینے کا فیصلہ کرتا ہے اور اگر یہ ایسی چیز ہے جس پر اس کے خاندان نے خود عمل نہیں کیا ہے تو اسے ان کی طرف سے تنقید کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان پر وہ لوگ بے وقوف اور انتہا پسند قرار دیں گے جن کے بارے میں وہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ ان کے راستے پر ان کا ساتھ دیں گے۔ مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ جس حلال راستے کا انتخاب کرتے ہیں اس پر ثابت قدم رہیں اور اللہ تعالیٰ کی مدد پر بھروسہ رکھیں، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتے ہوئے ان مشکلات سے نکلنے کے لیے۔ .

لوگوں کی طرف سے یہ ایک عام ردعمل ہے کیونکہ جب کوئی شخص زندگی میں دوسروں سے مختلف راستے کا انتخاب کرتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اس کا راستہ برا یا برا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس شخص نے ایک مختلف راستہ چنا ہے۔ اگرچہ وہ شخص اس پر یقین نہیں کرتا ہے لیکن صرف یہ مانتے ہوئے ایک مختلف راستہ چنتا ہے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے لیکن پھر بھی انہیں تنقید کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اپنی قوم کی طرف سے تنقید کا نشانہ بنایا گیا کیونکہ انہوں نے دوسروں کو ایک اور بہتر راستے کی طرف دعوت دی۔

نتیجہ یہ کہ جب تک زندگی میں کسی کا راستہ حلال ہے اسے ثابت قدم رہنا چاہیے اور دوسروں کی تنقید سے باز نہیں آنا چاہیے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنے حالات اور کردار کو بہتر بنانے کی کوشش نہ کریں۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے حلال انتخاب کی پیروی سے باز نہیں آنا چاہیے۔

ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے صحیح طریقے سے رہنمائی کرتے ہیں کیونکہ دوسروں پر ان کی تنقید کی بنیاد قرآن پاک میں موجود تنقید اور نصیحت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ہوتی ہے۔ یہ قسم ہمیشہ تعمیری رہے گی اور دونوں جہانوں میں نعمتوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف رہنمائی کرے گی۔ یہ لوگ دوسروں کی زیادہ یا کم تعریف کرنے سے بھی گریز کریں گے۔ دوسروں کی زیادہ تعریف کرنا انہیں مغرور اور تکبر کا باعث بن سکتا ہے۔ دوسروں کی تعریف کرنے سے وہ کاہل بن سکتے ہیں اور انہیں اچھے کام کرنے سے روک سکتے ہیں۔ یہ ردعمل اکثر بچوں میں دیکھا جاتا ہے .اسلام کی تعلیمات کے مطابق تعریف کرنے سے دوسروں کو دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں زیادہ محنت کرنے کی ترغیب ملے گی اور یہ انہیں تکبر کرنے سے روکے گا۔ اس لیے اس شخص کی تعریف اور تعمیری تنقید کو قبول کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے خواہ کسی اجنبی کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو۔

دوسری قسم کے لوگ اپنی خواہشات کی بنیاد پر تنقید کرتے ہیں۔ یہ تنقید زیادہ تر غیر تعمیری ہے اور صرف کسی کے خراب مزاج اور رویے کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ لوگ اکثر دوسروں کی تعریف کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنی خواہشات کی بنیاد پر کام کرتے ہیں۔ ان دونوں کے منفی اثرات کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا اس شخص کی تنقید اور تعریف کو اکثر صورتوں میں نظر انداز کر دینا چاہیے خواہ وہ کسی عزیز کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ تنقید کے معاملے میں غیر ضروری طور پر اداس اور تعریف کے معاملے میں تکبر کا باعث بنتا ہے۔

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جو شخص دوسروں کی زیادہ تعریف کرتا ہے وہ اکثر ان پر بھی تنقید کرتا ہے۔ جس اصول پر عمل کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ وہ صرف اسلام کی تعلیمات پر مبنی تنقید اور تعریف قبول کریں۔ باقی تمام چیزوں کو نظر انداز کرنا چاہیے اور ذاتی طور پر نہیں لینا چاہیے۔

پیغام پھیلانا

اس کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی الٰہی تھوڑی دیر کے لیے موخر کر دی گئی۔ پھر ایک موقع پر جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں چہل قدمی کر رہے تھے تو آپ نے آسمان کی طرف دیکھا تو جبرائیل علیہ السلام کو آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوفزدہ ہو کر گھر واپس آئے اور اپنے گھر والوں سے کہا کہ وہ آپ کو کمبل میں ڈھانپ لیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن مجید کی درج ذیل آیات نازل فرمائیں :باب 74 المدثیر، آیات 1 تا 5:

"اے اپنے آپ کو]کپڑے سے [ڈھانپنے والے۔ اٹھو اور خبردار کرو۔ اور تیرا رب تسبیح کر۔ اور آپ کے لباس کو پاک کریں۔ اور ناپاکی سے بچو۔"

صحیح بخاری نمبر 3238 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اگرچہ اسلام کے پیغام کو پھیلانے سے پہلے بہت سی خصوصیات ہیں جن کو اپنانا ضروری ہے، لیکن یہ آیات ایک اہم ترین چیز کی طرف اشارہ کرتی ہیں، مثال کے طور پر۔

اسلام کی تبلیغ کرنے والوں کو پہلے اپنے علم پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں اسلامی علم کے اجتماع میں شرکت کے لیے کئی دن سفر کرنا پڑتا تھا لیکن اب لاتعداد لیکچر آن لائن مل سکتے ہیں۔ اس کے باوجود، صالح پیشواؤں کے گزرنے کے بعد سے صحیح راستے سے لاعلمی میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگوں نے قرآن مجید کی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث حفظ کر کے علم حاصل کیا ہے، لیکن ان کا استعمال اپنی سیرت کو سنوارنے کے لیے نہیں کیا۔ یعنی انہوں نے اپنے علم پر عمل نہیں کیا۔ جو لوگ اس طرح کام کرتے ہیں وہ اپنی نصیحت سے دوسروں کے دلوں پر اثر کرنے کی

طاقت کھو دیتے ہیں۔ کچھ لیکچررز نیوز بلیٹن کی طرح ہوتے ہیں جو دوسروں کو کام کرنے کی ترغیب دیے بغیر صرف معلومات فراہم کرتے ہیں اس طرح وہ اپنے خدا کے دیے ہوئے علم کے ذریعے دوسروں کی رہنمائی کرنے کے اپنے فرض میں ناکام رہتے ہیں۔ غیر مسلم بنیادی طور پر ایک کامیاب مسلمان کی عملی مثال دیکھنے کے بجائے اسلام کی اپنی تحقیق کے ذریعے اسلام قبول کر رہے ہیں۔ جو شخص اسلام کو پھیلانا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ علم کے ذریعے اپنے کردار کی تطہیر کو اپنی اولین ترجیح بنائے۔ باب 61 الصف، آیت 3:

‘‘اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔’’

جب کوئی اس طرح سے کام کرتا ہے تو تھوڑا سا درست علم خود پر اور دوسروں پر بہت زیادہ اثر ڈالتا ہے۔ جبکہ اس صحیح رویہ کو رد کرنے والے زیادہ علم کے مالک ہو سکتے ہیں لیکن اس کا کسی پر کوئی مثبت اثر نہیں پڑے گا۔ قرآن پاک میں اس قسم کے شخص کی وضاحت کی گئی ہے۔ باب 62 الجمعہ، آیت 5:

اور پھر اس پر عمل نہیں کیا)اپنے علم پر عمل نہیں کیا(اس گدھے کی طرح ہے جو]کتابوں کی[‘‘جلدیں اٹھائے ہوئے ہے۔

منظم نقطہ نظر

جب سورة الشعراء 26، آیت 214 نازل ہوئی:

"اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کرو۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفا کوہ پر چڑھ کر اپنے رشتہ داروں کو اپنے گرد جمع کیا۔ اس نے سب سے پہلے ان سے پوچھا کہ کیا وہ اس پر یقین کریں گے اگر اس نے انہیں بتایا کہ وادی میں ایک گھڑسوار فوج ہے جو ان پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے، ان کو اپنی قابل اعتماد اور دیانت دار فطرت کی یاد دلائی۔ سب نے مثبت جواب دیا اور اس کی ایمانداری کا اعلان کیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے خبردار کیا اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ اس کے غیر مسلم چچا ابو لہب نے اس پر لعنت بھیجی۔ جواب کے طور پر، اللہ تعالیٰ نے باب 111 المساد، آیات 1-5 نازل فرمایا:

"ابو لہب کے ہاتھ برباد ہو جائیں اور وہ برباد ہو۔ اس کا مال اس کے کام نہ آئے گا اور نہ وہ جو اس نے کمایا۔ وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں جلے گا۔ اور اس کی بیوی]اس کے ساتھ ساتھ [- لکڑیاں اٹھانے والی۔ اس کی گردن کے گرد ریشے کی رسی ہے۔"

یہ واقعہ صحیح بخاری نمبر 4770 میں موجود حدیث میں مذکور ہے۔

اپنے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت فرماتا ہے اعلیٰ نے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو پھیلانے اسلام رشتہ داروں سے اسلام کی تبلیغ شروع کریں۔ یہ ایک اور اہم پہلو ہے۔ کا ایک کو ہمیشہ رشتہ داروں سے شروع کرنا چاہئے اور پھر معاشرے کے دوسرے افراد کی طرف بڑھنا چاہئے۔ کسی شخص کے قریبی رشتوں اور ان کے رشتہ داروں سے واقفیت کی وجہ سے انہیں مشورہ دینے سے اجنبیوں کو مشورہ دینے سے زیادہ اثر پڑے گا۔ درحقیقت، اگر ہر رشتہ داروں کی ضرورت شخص اپنے اپنے رشتہ داروں پر توجہ مرکوز کرے تو مشورہ نہیں دیتا باب 26 اشعرا، آیت 214 صرف چند مواقع پر ہوگی۔:

"اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کر دو۔ "

ان کے مقامی معاشرے میں اسلام کا لفظ اس قدم کے بعد قرآن پاک پھیلنے کی نصیحت کرتا ہے۔
باب 42 شوریٰ، آیت 7:

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف عربی قرآن نازل کیا ہے تاکہ آپ شہروں کی ماں]یعنی مکہ["
"اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو خبردار کر دیں۔

باب 34 سبا، آیت آخری مرحلہ بنی نوع انسان کو قومی سطح پر اسلام کی طرف دعوت دینا ہے۔
28:

"اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ "

کا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس تدریجی عمل کو اختیار کرنے نے اللہ تعالیٰ کرنا چاہیے۔ اس کام کو انجام دیتا ہے اسے بھی اس طریقہ کو اختیار جو مسلمان ہر لہٰذا حکم دیا ہے

یہ واقعہ ثقہ بننے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے، خاص طور پر جب کوئی شخص اسلام کی دعوت کو پھیلانا چاہتا ہے۔

قرآن پاک میں اسلام کو صحیح طریقے سے پھیلانے کے لیے ایک قابل اعتماد ہونا ضروری ہے۔ خاص طور پر اس بات کا ذکر ہے کہ کس طرح انبیاء علیہم السلام نے ان سب کو ثقہ قرار دیا اور صرف دوسروں کے فائدے کے خواہشمند تھے۔ مثال کے طور پر، باب 26 اشعرا، آیات 161-162:

"جب ان کے بھائی لوط نے ان سے کہا کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے، میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔"

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا تو تمام لوگوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ ثقہ ہیں حالانکہ بہت سے لوگ اپنی باتوں سے پھر گئے اور ان کی تکذیب کی۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 10، صفحہ 622 - 623 میں اس کا ذکر ہے۔

پہلے مومنین

سچے صحابہ

یہ بات مشہور ہے کہ ابوبکر بن ابو قحافہ رضی اللہ عنہ پہلے بالغ مرد تھے جنہوں نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام قبول کی، جب کہ باقی تمام مردوں نے ظاہر کیا۔ ہچکچاہٹ کے مختلف درجات .امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق صفحہ 51 میں اس پر بحث ہوئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 3661 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اسلام کی حقانیت کو قبول کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان کی پہلے سے ہی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گہری دوستی تھی۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دعوتِ اسلام سے قبل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے عیب سیرت کو جان کر اسلام کی سچائی کا مشاہدہ کیا۔ حالانکہ مکہ کے غیر مسلموں نے بھی اسی چیز کو دیکھا لیکن انہوں نے ضد کے ساتھ اسلام کا انکار کیا۔

اس کے علاوہ، اس نے سچائی کو آسانی سے قبول کر لیا کیونکہ وہ سچے آدمی تھے۔ یعنی اسلام سے پہلے اس نے سچائی کی خصوصیات کو تلاش کیا، قبول کیا اور اپنایا۔ اس لیے جب اسلام کی حقانیت ان کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے بلا جھجک اسے قبول کر لیا۔

جیسا کہ علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی پرورش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہوئی، آپ نے اپنے تمام معاملات میں سچائی کو اپنایا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بحیثیت پیغمبر مبعوث کیا گیا تو آپ نے علی رضی اللہ عنہ کو اسلام کی دعوت دی۔ علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں اس بارے میں پہلے اپنے والد ابو طالب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن اگلے دن اپنے والد سے بات کیے بغیر وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور

اسلام قبول کر لیا۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً 10 سال تھی۔ اس طرح وہ اسلام قبول کرنے والے پہلے بچے بن گئے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 68-69 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

مزید برآں، خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اپنے شوہر، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو آسانی سے قبول کیا، اور اسلام قبول کرنے والی پہلی خاتون بن گئیں۔

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ خادم تھے۔ اسلام کی آمد کے وقت وہ بچہ تھا اور جب حق ان کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے آسانی سے قبول کر لیا۔ اس طرح وہ اسلام میں داخل ہونے والے پہلے آزاد کردہ غلام بنے۔

ہر ایک نے سچائی کو اپنا راستہ اپناتے ہوئے اسلام قبول کیا۔ مسلمانوں کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں سچائی کو اپناتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تقلید کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے

کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی اکثریت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر خوشامد اٹھانے یا غلط بیانی کے۔ اسلام کی تعلیمات جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتب کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

دوسروں کو ایمان کی طرف رہنمائی کرنا

اسلام قبول کرنے کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ دوسروں کو حق کی دعوت دینے میں مصروف ہو گئے۔ ان کی کوششوں سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ یہ لوگ آگے بڑھ کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ممتاز اور بزرگ صحابی بن گئے۔ ان لوگوں میں شامل ہیں :زبیر بن عوام، عثمان بن عفان، طلحہ ابن عبید اللہ، سعد ابن ابی وقاص، ابو عبیدہ ابن جراح، عبدالرحمٰن بن عوف اور بہت سے، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق صفحہ 55 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

:اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے باب 31 لقمان آیت 15 نازل فرمائی

اور ان لوگوں کا راستہ اختیار کرو جو میری طرف پلٹتے ہیں‘‘۔’’

اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 31:15، صفحہ 126 میں بحث کی گئی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جس طریقے سے اس عظیم کارنامے کو حاصل کیا ان میں سے ایک نمونہ پیش کرنا ہے۔ جب دوسرے لوگوں نے ان کے کردار و عمل میں اسلام کی نشانیاں دیکھی تو ان کی زبان کے بجائے اس نے انہیں حق کو قبول کرنے کی ترغیب دی۔

تمام مسلمانوں خصوصاً والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو جو نصیحت کرتے ہیں اس پر عمل کریں۔ اگر کوئی تاریخ کے اوراق پلٹائے تو ظاہر ہے کہ جنہوں نے اپنی تبلیغ پر عمل

کیا ان کا دوسروں پر ان لوگوں کے مقابلے میں بہت زیادہ مثبت اثر پڑا جنہوں نے مثال کے طور پر رہنمائی نہیں کی۔ بہترین نمونہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے نہ صرف اس پر عمل کیا بلکہ ان تعلیمات پر کسی اور سے زیادہ سختی سے عمل کیا۔ صرف اس رویہ سے مسلمان بالخصوص والدین کا دوسروں پر مثبت اثر پڑے گا۔ مثال کے طور پر، اگر ایک ماں اپنے بچوں کو خبردار کرتی ہے کہ جھوٹ نہ بولیں کیونکہ یہ گناہ ہے لیکن اکثر ان کے سامنے جھوٹ بولتی ہے تو اس کے بچے اس کی نصیحت پر عمل کرنے کا امکان نہیں رکھتے۔ ایک شخص کے اعمال کا ہمیشہ دوسروں پر اس کی تقریر سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسروں کو مشورہ دینے سے پہلے کسی کو کامل ہونا ضروری ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے اپنے مشورے پر عمل کرنے کی مخلصانہ کوشش کریں۔ قرآن کریم نے مندرجہ ذیل آیت میں واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرز عمل کو ناپسند کرتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 3267 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جس شخص نے نیکی کا حکم دیا لیکن خود اس سے روکا اور برائی سے منع کیا اور خود اس پر عمل کیا وہ خود ہی اس پر عمل کرے گا۔ جہنم میں سخت سزا دی گئی۔ باب 61 الصف، آیت 3:

‘‘اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔’’

لہٰذا تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کی نصیحت پر خود عمل کرنے کی کوشش کریں پھر دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کریں۔ مثال کے طور پر رہنمائی کرنا تمام انبیاء علیہم السلام کی روایت ہے اور دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

خوشی کی کلید

،اگرچہ اسلام قبول کرنے والے بہت سے لوگوں کا شمار معاشرے کے نچلے طبقے سے ہوتا تھا جیسے کہ غلام، پھر بھی معاشرے کے بہت سے ممتاز اور قابل احترام افراد نے بھی اسلام کے الٰہی پیغام کو قبول کیا، جیسے :ابوبکر، زبیر ابن عوام، عثمان ابن۔ عفان، طلحہ ابن عبید اللہ، سعد ابن ابی وقاص، ابو عبیدہ ابن جراح، عبدالرحمٰن بن عوف، سعید ابن زید، عبداللہ ابن جحش، علی ابن ابو طالب، جعفر ابن ابو طالب اور بہت سے دوسرے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا :ان سے خوش ہیں .لیکن جب معاشرے کے ان نمایاں افراد نے اسلام قبول کر لیا تو وہ وہ عزت و احترام کھو بیٹھے جو کبھی مکہ کے اندر انہیں حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر اسلامی مورخین کہتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی دور میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا ان کی اکثریت کا شمار معاشرے کے نچلے طبقے سے ہوتا تھا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 161-163 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو یہ لوگوں اور معاشرے کی خوشنودی پر اللہ تعالیٰ کی رضا کی تلاش کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ اگر یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لوگوں کی خوشنودی تلاش کرتے تو کبھی اسلام قبول نہ کرتے۔

بہت سے لوگ اپنی خوشی کے معیارات دوسرے لوگوں کے اصولوں اور خواہشات کے مطابق طے کرتے ہیں۔ اس ذہنیت کا مسئلہ یہ ہے کہ لوگوں کی خواہشات کے مطابق کوئی غمگین یا خوش ہو جائے گا۔ اگر وہ اس رویے پر قائم رہتے ہیں تو وہ اس سطح پر پہنچ جاتے ہیں جہاں وہ لوگوں کی خواہشات کے مطابق محبت، نفرت، دیتے، روکتے اور کام کرتے ہیں۔ یہ رویہ کسی کی زندگی میں مجموعی طور پر اداسی کا باعث بنے گا کیونکہ واقعی دوسروں کو خوش کرنا ناقابل حصول ہے۔ لوگ اللہ سے راضی نہیں ہوتے جب اس نے ان کو بے شمار نعمتیں عطا کیں تو وہ ان لوگوں سے کیسے راضی ہو سکتے ہیں جنہوں نے انہیں فطری طور پر کچھ نہیں دیا۔ لہٰذا ہمیشہ دوسروں کو خوش کرنے کے ارادے کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا نتیجہ صرف اداسی ہی ہوگا۔

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرے جو آسانی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرے گا، نفرت کرے گا، دے گا اور روکے گا، جو کہ ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابو داؤد نمبر 4681 میں موجود ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت سے حاصل ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر پر صبر کرنا شامل ہے۔ یہ دونوں جہانوں میں حقیقی خوشی کا باعث بنے گا اور اس لیے یہ خوشی کی کلید ہے۔

علم کو سننا

وحی الٰہی کے ابتدائی دور میں وحی الٰہی حاصل کرنے کے شوق کی وجہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلاوت کے ذریعے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ مل جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے پھر اسے وحی کو غور سے سننے کا حکم دیا اور اس سے وعدہ کیا کہ وہ اسے اپنے دل میں محفوظ کر لے گا اور اس کے بعد اس کی تلاوت اور اعلان کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے بھی پوری طرح سمجھنے کی توفیق دے گا، وضاحت کرے گا۔ باب 75 القیامۃ، آیات 16-19:

"اپنی زبان کو اس کے ساتھ نہ ہلائیں، اس کے ساتھ جلدی کرنے کے لیے [یعنی قرآن کی تلاوت]۔ بے شک اس کا جمع کرنا اور اس کی تلاوت کرنا ہمارے ذمہ ہے۔ پس جب ہم نے اسے [جبرائیل کے ذریعے [پڑھ لیا تو اس کی تلاوت کی پیروی کرو۔ پھر اس کی وضاحت ہمارے ذمہ ہے۔"

سنن نسائی نمبر 936 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اس واقعہ سے ایک سبق یہ ہے کہ مسلمان کو علم کو نہ صرف غور سے سننا چاہیے بلکہ اس پر عمل کرنے کی کوشش بھی کرنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کے کلام کو صحیح طور پر سننا ہی اس کی تعلیمات پر صحیح طریقے سے عمل پیرا ہو سکتا ہے۔ سننے اور سننے کے درمیان فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔ سننا محض کسی کے دماغ سے آواز کو تسلیم کرنا ہے چاہے وہ شور کا احساس نہ کر سکے۔ مثال کے طور پر، ایک شخص بہت دور سے کسی کو چیختے ہوئے سن سکتا ہے لیکن وہ یہ نہیں سمجھ پائے گا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ جبکہ، سننے میں آواز سننا اور اسے سمجھنا شامل ہے تاکہ کسی کا طرز عمل بدل جائے۔

مثال کے طور پر، ایک شخص دوسرے کو مخصوص زبانی ہدایات دیتا ہے جو ہدایات کو سننے اور سمجھنے کے بعد مناسب جواب دیتا ہے۔

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کا کلام سننے اور اسے سمجھنے کی کوشش کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ ان کے طرز عمل پر مثبت اثر ڈالے۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان قرآن پاک کے حوالے سے اس پر عمل کرنے میں ناکام رہے ہیں کیونکہ وہ قرآن پاک کی تلاوت سننے میں تو اچھے ہیں لیکن اسے صحیح طریقے سے سننے میں ناکام رہتے ہیں جس میں اس کی تعلیمات کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا شامل ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، صرف اللہ تعالیٰ کا کلام سننا، کامیابی حاصل کرنے کے لیے کافی نہیں ہے، اس کے بجائے اسے سننے کی کوشش کرنی چاہیے۔

علم کے لیے اجتماع

جیسے جیسے اسلام کی دعوت مخفی طور پر مختلف گھرانوں تک پہنچ رہی تھی، مکہ کے غیر مسلموں کے سرداروں کی طرف سے خطرہ اور خطرہ تیزی سے بڑھنے لگا۔ لیکن اس خطرناک وقت میں بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسلام کی تعلیم دینے کے لیے جمع ہوتے رہے۔ ارقم کے گھر کو ان کی خفیہ ملاقات کی جگہ کے طور پر چنا گیا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 167-168 میں بحث کی گئی ہے۔

بڑے خطرے کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اسلامی علم کی تلاش اور اس پر عمل جاری رکھا۔ یہ شرم کی بات ہے کہ آج بہت سے مسلمانوں کو اس علم تک آسان اور محفوظ رسائی حاصل ہے لیکن اس پر شاید ہی توجہ دی جائے۔

صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص حصول علم کے راستے پر چلے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دے گا۔

یہ دونوں جسمانی راستے کی طرف اشارہ کرتا ہے جو کوئی علم حاصل کرنے کے لیے اختیار کرتا ہے، جیسے کہ لیکچرز اور کلاسز میں شرکت کرنا، اور وہ راستہ جس کے ذریعے کوئی شخص بغیر جسمانی سفر کے علم حاصل کرتا ہے۔ اس میں علم کی تمام اقسام شامل ہیں، جیسے علم کے بارے میں سننا، پڑھنا، مطالعہ کرنا اور لکھنا۔ جنت کے راستے میں بہت سی رکاوٹیں ہیں جو مسلمان کو اس تک پہنچنے سے روکتی ہیں۔ صرف وہی شخص جنت میں جائے گا جس کے پاس ان کا علم ہو اور ان پر کیسے قابو پایا جائے۔ اس کے علاوہ، یہ آسانی سے سمجھا جاتا ہے کہ کوئی شخص اس دنیا کے کسی شہر تک اس کے محل وقوع اور اس کی طرف جانے والے راستے کے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح جنت ان چیزوں کے بارے میں جانے بغیر حاصل نہیں کی جا سکتی، جیسے اس کی طرف جانے والا راستہ۔

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کا ارادہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہونا چاہیے۔ جو کوئی دنیوی وجہ سے دینی علم حاصل کرتا ہے، جیسے دکھاوے، وہ جہنم میں جائے گا اگر وہ سچے دل سے توبہ کرنے میں ناکام رہے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 253 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو اپنے علم پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ عمل کے بغیر علم کی کوئی قیمت یا فائدہ نہیں ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جس کے پاس حفاظت کے راستے کا علم ہے لیکن اسے اختیار نہیں کرتا اور اس کے بجائے خطرات سے بھرے علاقے میں رہتا ہے۔ اس لیے علم کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا یہ ہے کہ جب کوئی اپنے علم پر عمل کرتا ہے جس سے تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ ہوتا ہے۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی اپنے علم پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس قسم سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، درحقیقت یہ ان کے تکبر میں اضافہ کرے گا کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں، حالانکہ وہ گدھے کی طرح ہیں جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہیں جو اسے فائدہ نہیں پہنچاتی۔ باب 62 الجمعہ، آیت 5:

”اور پھر اس پر عمل نہیں کیا)اپنے علم پر عمل نہیں کیا (اس گدھے کی طرح ہے جو کتابوں کی کتابیں اٹھائے ہوئے ہے“۔

اسلام کی عوامی دعوت

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد 38 کے قریب ہو گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت دینے اور دوسروں کو دعوت دینے کی تاکید کی۔ کھلے عام جب اس پر اتفاق ہوا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خانہ کعبہ کے اردگرد کے مقدس علاقے میں داخل ہوئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھے اور مسجد میں اور اس کے ارد گرد موجود تمام لوگوں سے خطاب کیا جب کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ پہلے آدمی تھے جنہوں نے کھلے عام لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کرنے کی طرف بلایا۔ جب مکہ کے غیر مسلموں نے آپ کی پکار سنی تو سخت غصے میں آگئے اور ان کے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان مسجد میں پرتشدد لڑائی چھڑ گئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہوئے۔ اسے اپنے گھر لے جایا گیا جہاں اسے ہوش آیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال دریافت کیا۔ یہ واقعہ امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 1، صفحہ 319-320 میں درج ہے۔

یہ واقعہ مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے کی اہمیت کی یاد دلاتا ہے جب بھی ان پر ان کے دشمنوں یعنی شیطان، ان کے باطنی شیطان اور ان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دینے والے حملہ آور ہوتے ہیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی ان دشمنوں کے فتنے میں مبتلا ہو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ نہ پھیرے۔ اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ ان جگہوں، چیزوں اور لوگوں سے اجتناب کرنے سے حاصل ہوتا ہے جو انہیں گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے اور فتنہ میں ڈالتے ہیں۔ شیطان کے جال سے بچنا صرف اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح راستے میں پھنسنے سے صرف اسی طرح علم رکھنے سے بچا جاتا ہے۔ شیطان کے جال سے بچنے کے لیے اسلامی علم کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان قرآن پاک کی تلاوت میں زیادہ وقت صرف کر سکتا ہے لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے وہ غیبت جیسے گناہوں کے ذریعے اپنے اعمال صالحہ کو سمجھے بغیر برباد کر سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو ان حملوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ان کے لیے تیاری کریں اور اس کے بدلے میں بے شمار اجر حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس راہ میں جدوجہد کرنے والوں کے لیے صحیح رہنمائی کی ضمانت دی ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 69:

‘‘اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔’’

جبکہ جہالت اور نافرمانی کے ساتھ ان حملوں کا سامنا کرنا دونوں جہانوں میں مشکلات اور رسوائی کا باعث بنے گا۔ اسی طرح ایک سپاہی جس کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں وہ شکست کھا جائے گا۔ ان حملوں کا سامنا کرتے وقت ایک جاہل مسلمان کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں ہوگا جس کے نتیجے میں ان کی شکست ہوگی۔ جبکہ باشعور مسلمان کو وہ طاقتور ترین ہتھیار مہیا کیا جاتا ہے جس پر قابو نہیں پایا جا سکتا اور نہ مارا جا سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت۔ یہ صرف خلوص نیت سے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

حق پر ثابت قدم

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے لیے دن رات، چھپ کر اور کھلے عام بلاتے رہے، بغیر کسی کو روکنے، روکنے یا روکنے کی طاقت نہ تھی۔ وہ ہر جگہ لوگوں کو ان کی تقریبات، جلسوں اور اجتماعات، میلوں اور زیارت گاہوں میں ان کی پیروی کرتا تھا۔ وہ جس سے بھی ملا، آزاد ہو یا غلام، کمزور ہو یا طاقتور، امیر ہو یا غریب، اس نے اسلام کی طرف بلایا۔ جہاں تک اس کا تعلق تھا سب برابر اور یکساں تھے۔ جسمانی اور زبانی تشدد کے باوجود اس نے کمزوری یا ناامیدی کے بغیر اپنا مشن جاری رکھا۔ یہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 1 صفحہ 334 میں درج ہے۔

کئی مواقع پر مکہ کے غیر مسلموں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے مشن کو روکنے کی تاکید کی لیکن آپ نے کبھی نہیں چھوڑا۔ ایک موقع پر انہوں نے اعلان کیا کہ اگر مکہ کے غیر مسلموں کے رہنما سورج کو ان کے دائیں ہاتھ میں اور چاند کو بائیں ہاتھ میں رکھیں تب بھی وہ اسلام کی دعوت کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے، چاہے اس سے ان کی موت ہی کیوں نہ ہو جائے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کوئی دنیاوی اثر و رسوخ اسے اپنے مشن کی تکمیل سے نہیں روک سکے گا۔ اس پر سیرت ابن ہشام صفحہ 44 میں بحث ہوئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر استقامت اختیار کریں۔ صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک

شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو تقدیر کا بھی صبر کے ساتھ سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم وہ ہے جب کوئی اپنے اچھے کام دوسروں کے سامنے دکھاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہٰذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہے، بجائے اس کے کہ ہر وقت اپنے آپ کو یا دوسروں کی اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے نہ اپنی خواہشات کا علم ہونا چاہیے اور نہ ہی لوگ اسے اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہٰذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

"...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو"

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے (معمولی) گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، خواہ وہ اس پر عمل کریں۔ یہ مکمل طور پر کرنے کے قابل نہیں ہے .لہٰذا، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو جو صلاحیت عطا کی گئی ہے اسے پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا، بغیر اپنے دل کی صفائی کے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور اگر لوگوں کے حقوق کا تعلق ہو تو ان سے استغفار کرنا چاہیے۔ باب 46 الاحقاف، آیت 13:

”بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

مساوات

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے لیے دن رات، چھپ کر اور کھلے عام بلاتے رہے، بغیر کسی کو روکنے، روکنے یا روکنے کی طاقت نہ تھی۔ وہ جس سے بھی ملا، آزاد ہو یا غلام، کمزور ہو یا طاقتور، امیر ہو یا غریب، اس نے اسلام کی طرف بلایا۔ جہاں تک اس کا تعلق تھا سب برابر اور یکساں تھے۔ یہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 1 صفحہ 334 میں درج ہے۔

تمام لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ جدوجہد اسلام میں مساوات کی اہمیت کو واضح کرتی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6543 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ ان کے ظاہری شکل وصورت یا مال کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی باطنی نیت کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔ اور ان کے جسمانی اعمال۔

سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی کوئی بھی کام کرتے ہیں تو ہمیشہ اپنی نیت کو درست کرنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اسے صرف اس صورت میں اجر دے گا جب وہ اس کی رضا کے لیے عمل صالح کریں گے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں اور چیزوں کی خاطر اعمال انجام دیتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ حدیث اسلام میں مساوات کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک شخص دنیاوی چیزوں جیسے اس کی نسل یا دولت کے لحاظ سے دوسروں سے برتر نہیں ہے۔ حالانکہ بہت سے مسلمانوں

نے سماجی ذاتوں اور فرقوں جیسی یہ رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں اس طرح بعض کو دوسروں سے بہتر مانتے ہوئے اسلام نے واضح طور پر اس تصور کو رد کر دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اسلام کی نظر میں اس لحاظ سے تمام لوگ برابر ہیں۔ صرف ایک چیز جو ایک مسلمان کو دوسرے پر فضیلت بخشتی ہے وہ ہے ان کی تقویٰ کا مطلب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو کتنا پورا کرتے ہیں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ" پرہیزگار ہے"۔

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے آپ کو مشغول رکھ کر اس کے حقوق اور لوگوں کے حقوق ادا کرے اور اس بات پر یقین نہ کرے کہ جو چیز ان کے پاس ہے یا اس سے تعلق رکھتی ہے وہ کسی طرح انہیں عذاب سے بچا لے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ جس مسلمان میں اعمال صالحہ کی کمی ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ ان کے نسب کی وجہ سے درجہ بندی .حقیقت میں، یہ تمام دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دولت، نسل، جنس یا سماجی بھائی چارے اور ذات پات۔

حق کو قبول کرنا اور اس پر ثابت قدم رہنا

اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کی اکثریت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید مخالفت کی، آپ کے چچا ابو طالب، جنہوں نے کبھی اسلام قبول نہیں کیا، آپ کو ان کی خوبیوں کی وجہ سے تمام مردوں پر فضیلت دی۔ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہایت شفقت اور مہربانی سے پیش آئے اور ان کی حمایت اور حفاظت کی۔ ایسا کرتے ہوئے وہ اپنے ہی لوگوں اور مذہب کے خلاف تھا۔ اگرچہ ابو طالب نے اپنے قبائلی تحفظ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچایا اور آپ سے بہت محبت کرتے تھے لیکن انہوں نے اپنی قوم سے غلط وفاداری کی بنا پر کبھی اسلام قبول نہیں کیا، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ اسلام ہی حق ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 1، صفحہ 337 میں بحث کی گئی ہے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔“

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخرکار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو ایک مسلمان کی دنیا اور آخرت میں تمام مشکلات سے باحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی عارضی چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں اور کسی خاص طریقے اسکارف اتار دیا ایک مسلمان عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا سے لباس پہن لیا تو وہ کام پر زیادہ عزت دار ہو گی اور کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی سے چڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد کسی پب یا کلب میں مدعو کر سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور ذکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں راستوں پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کس کو ترجیح دی جائے اور کس کا انتخاب کیا جائے۔

برائی کے وقت صبر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اسلام کی طرف بلانے کے لیے ہر موقع سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ لیکن جن لوگوں نے اس کی مخالفت کی، جیسے کہ اس کے چچا ابو لہب نے اسلام کے پیغام کو پھیلنے سے روکنے کے لیے اس کے خلاف بھرپور کوشش کی۔ مثال کے طور پر ذی المجاز کے میلے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا۔ اس کا یہ واقعہ امام ابن چچا ابو لہب جہاں بھی جاتا اس کا پیچھا کرتا اور اس پر جھوٹ اور گالیاں بکتا۔ کثیر کی سیرت نبوی جلد 1 صفحہ 335 میں درج ہے۔

جب بھی کوئی نیک کام کرنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ واقعہ صبر و تحمل کی اہمیت کو ظاہر نیکی کا حکم دیتا ہے اور ،دوسروں کو اسلام کی طرف دعوت دیتا ہے کرتا ہے۔ جب بھی کوئی چیلنج کر رہا ہوتا طرز زندگی کو غافل کے بہت سے دوسرے لوگوں برائی سے روکتا ہے تو وہ کہ وہ جس طرح بھی ہو سکے حق کے خلاف ایم کو اس بات کی ترغیب ملتی ہے جس سے ہے کو جھٹلانے کی بڑی وجہ یہی تھی۔ علیہم السلام مزاحمت کریں۔ تمام پچھلی امتوں نے اپنے انبیاء وہ اپنے طرز زندگی اور خصائل کو ترک نہ کر سکے اور ان کے دفاع میں اللہ تعالیٰ کے خلاف ہو اس پر وسلم اور ان کے رسول صلی اللہ علیہ ،عالی مقام ۔ جنگ کرنے کے لیے تیار ہو گئے کی طرف سے پیش جب کوئی یہ اہم فرض ادا کرتا ہے تو اسے اپنے رشتہ داروں سمیت دوسروں سلامتی ، انبیاء علیہم السلام آنے والی بہت سی مشکلات کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ پھر بھی انہیں بے شمار مشکلات ،بلند پایہ ۔ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں ،ان پر ہو ان کی قوموں سے انسان کو صرف قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا کرنا پڑا اس پر اس حقیقت کا مشاہدہ کرنے کے لیے ۔ کی احادیث مبارکہ کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ درود و سلام ہو ۔ کہ نمبر 2472 میں موجود ہے جامع ترمذی ایک حدیث میں بیان ہوا ہے۔ ایک بار ،وسلم پر درود ۔ اُس سے بڑھ کر ۔ کو اللہ کی راہ میں ایذاء نہیں پہنچائی گئی مخلوق میں سے کسی

ردعمل کو پڑھا لکھا، احترام والا ہونا دوسروں کے برے رویے پر معاملات میں اس طرح کے : میں ملتی ہے آیات 46-47 ، باب 19 مریم اس کی ایک مثال اور نرم چاہیے۔

]اس کے والد [نے کہا، "اے ابراہیم، کیا تم میرے معبودوں کی خواہش نہیں رکھتے؟ اگر تم باز نہ" آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا، اس لیے مجھ سے زیادہ دیر تک بچو۔) "ابراہیم نے (کہا تم پر سلامتی ہو، میں اپنے رب سے تمہارے لیے بخشش مانگوں گا، بیشک وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔

اس کے بڑے کے ،اس پر ہے۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مہربان اور احترام والا جواب بحث کی جاتی ہے پر سخت رویے.

اگر ایک شخص ہر کسی کے ساتھ مل کر چلنے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس ، زیادہ تر معاملات میں میں کردار کی خامی ہونی چاہیے۔ معاشرے کے ارکان کے اندر اختلافات کی وجہ سے ایک شخص ان کبھی بھی سب کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمیشہ ایک یا زیادہ ہوں گے جو متفق نہیں ہوں گے۔ کی ذہنیت، طرز زندگی اور مشورے کے ساتھ یہ تنوع تناؤ اور کبھی کبھار مسائل کا باعث بنے اکثر صورتوں میں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تو گا۔ لیکن اگر کسی شخص کو سب پسند کرتے ہیں الصلوٰۃ والسلام اس نے دو رخی ہو کر منافقوں کی ذہنیت اختیار کر رکھی ہے۔ اگر انبیاء کرام علیہم اس حیثیت کو ایک عام آدمی کیسے کر سکتا ہے سب کی طرف سے پیار نہیں کیا گیا تھا ،ان پر ہو پروپیگنڈے پر یقین نہیں کرنا چاہیے کیونکہ جس گروہ کے ساتھ اس کہ حاصل کریں؟ یہی وجہ ہے ان پر ہو اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ السلام تھے۔ طرح سب سے زیادہ ظلم کیا گیا وہ انبیاء علیہم میں موجود حدیث سے ہوتی ہے - نمبر 4023

ایک بار ایک بے شرم عورت نے ناجائز تعلقات علیہ السلام پر مثال کے طور پر حضرت موسیٰ بلند - کا جھوٹا الزام لگایا تھا۔ وہ اللہ کے دشمن کی طرف سے اس پر بہتان لگانے پر آمادہ ہوئی تھی ایک مذہبی اجتماع کے دوران ،اس نے السلام حضرت موسیٰ علیہ قرعون۔ جب اس نے الزام لگایا ، عوامی طور پر اس سے پوچھ گچھ کی۔ جب اس نے اس کا ردعمل دیکھا تو اس نے فوراً اپنا الزام تباہ شدہ قرعون ،بلند و بالا تعالیٰ واپس لے لیا اور سچائی کا اعتراف کیا۔ اس کے نتیجے میں اللہ نے زمین کو حکم دیا کہ اسے اور اس کے عظیم خزانے کو نگل جائے۔ یہ واقعہ امام ذہبی رحمۃ میں درج ہے - باب 28 القصص، آیت 81 اللہ علیہ کے کبیرہ گناہوں صفحہ 166-167:

اور ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا‘‘۔ ’’

کئی مواقع پر تہمتیں لگائی گئیں لیکن وہ اپنے مشن پر ثابت قدم ان پر سلامتی ، انبیاء علیہم السلام کام کو مکمل کسی جب اللہ تعالیٰ سربلند ۔ رہے یہاں تک کہ اللہ کی طرف سے انہیں فتح نصیب ہوئی پھیلاتا ایمان کا سچا کلمہ پوری مخلوق میں اس کی مدد کرنا کرنے کا فیصلہ کرتا ہے جیسے کہ اسے روک نہیں سکتا۔ ہے ۔

مسلمانوں کو یہ مان لینا چاہیے کہ وہ بھی اس بات کو پھیلاتے وقت مشکلات کا سامنا کریں گے۔ ثابت قدم رہنے میں مشکلات ۔ انبیاء کرام کے نقش قدم پر چلیں کہ اسلام کا اس لیے ان کو چاہیے اور نیک پیشرو۔ اگر کوئی ،ان سے راضی رہو کا یہی رویہ تھا ۔ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے ساتھ اگلے جہان میں شامل ہونا چاہتا ہے تو اسے بھی یہ رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ اس واقعہ میں ابو لہب نے جو رویہ ظاہر کیا ہے وہ منافقت کا ایک پہلو ہے جس سے مسلمانوں کو بچنا چاہیے۔

اس قسم کے لوگ معاشرے میں فساد پھیلاتے ہیں۔ یہ منفی خصوصیت خاندانی اکائی سے شروع ہوکر بین الاقوامی سطح پر ختم ہونے والی تمام سماجی سطحوں کو متاثر کرتی ہے۔ اس قسم کے لوگ لوگوں کو اچھائی پر متحد ہوتے دیکھنا ناپسند کرتے ہیں کیونکہ اس سے دوسروں کی دنیاوی حیثیت ان کے اپنے سے بڑھ جاتی ہے۔ یہ انہیں غیبت اور غیبت کی طرف لے جاتا ہے تاکہ لوگ ایک دوسرے کے خلاف ہو جائیں۔ ان کا برا رویہ ان کے اپنے رشتے داروں کو تباہ کر دیتا ہے اور جب وہ دوسرے خاندانوں کو دیکھتے ہیں جو خوش ہوتے ہیں تو یہ انہیں ان کی خوشیوں کو بھی تباہ کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ فالٹ فائنڈر ہیں جو اپنا وقت دوسروں کی غلطیوں کی نقاب کشائی کرنے کے لیے وقف کرتے ہیں تاکہ ان کی سماجی حیثیت کو نیچے لے جا سکیں۔ وہ پہلے لوگ ہیں جنہوں نے دوسروں کے بارے میں گپ شپ شروع کی اور جب بھی اچھی بات کی جائے تو بہرے کام کرتے ہیں۔ امن اور سکون انہیں پریشان کرتا ہے لہذا وہ اپنے آپ کو تفریح کرنے کے لئے مسائل پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ سنن ابن ماجہ نمبر 2546 میں موجود حدیث کو یاد کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ یہ نصیحت کرتی ہے کہ جو شخص دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالے

گا اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا۔ لیکن جو شخص دوسروں کے عیب تلاش کرتا ہے اور ،ان کی پردہ پوشی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو لوگوں پر ظاہر کر دیتا ہے۔ تو درحقیقت اس قسم کے افراد معاشرے کے سامنے صرف اپنے عیبوں کی پردہ پوشی کر رہے ہوتے ہیں حالانکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ دوسروں کے عیبوں کو بے نقاب کر رہے ہیں۔

خواہشات کی عبادت کرنا

مکہ کے غیر مسلموں نے اپنی زندگی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گزاری اور بخوبی جانتے تھے کہ وہ جھوٹے یا دیوانے نہیں ہیں۔ عربی زبان کے ماہر ہونے کی وجہ سے وہ بخوبی جانتے تھے کہ قرآن پاک کسی انسان یا جن کا کلام نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے تاریخی واقعات اور مفید اسباق پڑھ رہے تھے حالانکہ وہ ان پڑھ تھے اور انہوں نے سابقہ آسمانی صحیفوں کا مطالعہ نہیں کیا تھا، جنہیں مکہ کے غیر مسلم بخوبی جانتے تھے۔ اس کی نبوت کی واضح نشانی۔

یہ حقیقت کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پوری زندگی مکہ کے غیر مسلموں کے درمیان گزاری، آپ کی نبوت کے اعلان کے لیے کافی ہے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے غیر مسلموں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو آپ نے اپنے 40 سال ان کے درمیان اس بات کا ثبوت دیا کہ وہ سچ بول رہے ہیں۔ یہ ثبوت غیر مسلموں کی طرف سے بھی ناقابل تردید تھا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری نمبر 4553 میں موجود ایک حدیث میں درج ہے، صرف کچھ لوگوں کے تکبر نے انہیں حق کے آگے سر تسلیم خم کرنے سے روک دیا۔ باب 10 یونس، آیت 16:

"کیونکہ میں اس سے پہلے زندگی بھر تمہارے درمیان رہا تھا۔ تو کیا تم عقل نہیں کرو گے؟..."

اگرچہ مکہ کے غیر مسلم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کریم کی سچائی کے قائل تھے، ان میں سے اکثر نے اسلام سے انکار کیا اور اپنے دین پر ڈٹے رہے۔

سچ تو یہ ہے کہ جھوٹے دیوتاؤں کا ہر پرستار صرف اپنی خواہشات کی پوجا کرتا ہے۔ ان کے دیوتا ان کی خواہشات کا محض ایک جسمانی مظہر ہیں جن کی وہ پوجا کرتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ جو شخص بت کی شکل میں دیوتا کی پوجا کرتا ہے وہ جانتا ہے کہ بے جان بت انہیں اپنی زندگی کسی خاص طریقے سے گزارنے کا حکم نہیں دے سکتا، اس لیے پوجا کرنے والا خود فیصلہ کرتا ہے کہ وہ اپنے بے جان بت کو کس طرح جینا پسند کرے گا۔ اور یہ ضابطہ اخلاق ان کی اپنی خواہشات کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس لیے ان کی خواہشات کی عبادت ہی ان کی عبادت کی جڑ ہے۔ بااثر اور امیر لوگ اس ذہنیت میں زیادہ ڈوبے ہوئے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حق کے معنی اسلام کو قبول کرنا انہیں ایک مخصوص ضابطہ حیات کے مطابق زندگی گزارنے پر مجبور کر دے گا جو انہیں اپنی گمراہ خواہشات پر عمل کرنے سے روک دے گا۔ وہ دوسروں کو ان کی پیروی کرنے کا مشورہ دیتے ہیں کیونکہ وہ اپنا اثر و رسوخ اور اختیار کھونا نہیں چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جیسا کہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کرنے والے تھے۔ اس رویہ کا واضح ثبوت پر مبنی اسلام کے صحیح یا غلط مذہب ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ صرف اپنی خواہشات کی تکمیل کے بارے میں ہے۔

سزا میں تاخیر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر مسلم چچا ابو جہل نے ایک مرتبہ تبصرہ کیا کہ اگر میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ کعبہ، سجدے کی حالت میں گردن کو روندتے تھے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھنے لگے تو ابو جہل اپنے شیطانی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے آپ کے پاس پہنچا لیکن وہ جلدی سے بھاگتا ہوا اس طرح بھاگا جیسے گدھے شیر سے بھاگتا ہے۔ جب ان سے اس کے اعمال کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ میں نے آگ کی ایک کھائی دیکھی ہے جو دہشت اور پروں سے بھری ہوئی ہے جو اس کے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان نمودار ہوئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد میں تبصرہ فرمایا کہ اگر ابو جہل اپنے شیطانی منصوبے پر قائم رہا تو فرشتے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ صحیح مسلم نمبر 7065 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس واقعے کے دوران ابوجہل کو ہلاک کر سکتا تھا لیکن اس نے اپنے عذاب کو روک دیا تاکہ اسے سچے دل سے توبہ کرنے کا موقع مل سکے۔

اللہ تعالیٰ نرمی کی وجہ سے اس کے لیے عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔ اس کے بجائے وہ انہیں خلوص دل سے توبہ کرنے اور اپنے طرز عمل کو درست کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ باب 16 النحل، آیت 61:

" اور اگر اللہ لوگوں پر ان کے ظلم کا الزام لگاتا تو اس پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا، لیکن وہ ان کو ایک خاص مدت کے لیے مہلت دیتا ہے۔ اور جب ان کی میعاد آ جائے گی تو نہ وہ ایک گھڑی پیچھے رہیں گے اور نہ آگے بڑھیں گے۔

جو مسلمان اس بات کو سمجھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی امید نہیں چھوڑے گا، بلکہ حد سے تجاوز نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر خواہش مندانہ سوچ اختیار کرے گا، انہیں کبھی عذاب نہیں دے گا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ سزا میں صرف تاخیر ہوتی ہے جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہیں کرتے۔ پس یہ الہی نام ایک مسلمان میں امید اور خوف پیدا کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو اس تاخیر کو توبہ کرنے اور نیک کاموں کی طرف جلدی کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

ایک مسلمان کو اس الہی نام پر لوگوں کے ساتھ نرمی سے کام لینا چاہیے، خاص طور پر جب وہ برے کردار کا مظاہرہ کریں۔ انہیں دوسروں کے ساتھ نرمی کا مظاہرہ کرنا چاہئے جس طرح وہ اللہ تعالیٰ سے ان کی غفلت کے لمحات میں ان کے ساتھ نرمی برتنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں اپنی بری خصوصیات کے ساتھ نرمی نہیں برتنی چاہئے یہ جانتے ہوئے کہ گناہوں کی سزا میں تاخیر ہوتی ہے جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کر لیں تب تک ہمیشہ کے لئے ترک نہیں کیا جاتا۔ انہیں بھی چاہیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق برائی کا جواب اچھائی سے دیتے ہوئے نرمی پر ثابت قدم رہیں۔ باب 41 فصیلات، آیت 34:

"اور اچھے اور برے کام برابر نہیں ہیں۔ برائی کو اس]عمل [سے دفع کرو جو بہتر ہو۔ پھر جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ گویا ایک مخلص دوست ہو گا۔

نماز پر پختہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر مسلم چچا ابو جہل نے ایک مرتبہ تبصرہ کیا کہ اگر میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ کعبہ، سجدے کی حالت میں گردن کو روندتے تھے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھنے لگے تو ابو جہل اپنے شیطانی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے آپ کے پاس پہنچا لیکن وہ جلدی سے بھاگتا ہوا اس طرح بھاگا جیسے گدھے شیر سے بھاگتا ہے۔ جب ان سے اس کے اعمال کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ میں نے آگ کی ایک کھائی دیکھی ہے جو دہشت اور پروں سے بھری ہوئی ہے جو اس کے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان نمودار ہوئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد میں تبصرہ فرمایا کہ اگر ابو جہل اپنے شیطانی منصوبے پر قائم رہا تو فرشتے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیات نازل کیں، جہاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز جاری رکھنے کا حکم دیا گیا، باب 96 العلق، آیات 6-19:

"بے شک [بے شک انسان حد سے گزرتا ہے۔ کیونکہ وہ خود کو خود کفیل دیکھتا ہے۔ بے شک تیرے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ تم نے منع کرنے والے کو دیکھا ہے؟ بندہ جب نماز پڑھتا ہے؟ تم نے دیکھا کہ کیا وہ ہدایت پر ہے؟ یا نیکی کا حکم دیتا ہے؟ تم نے دیکھا اگر وہ جھٹلائے اور منہ پھیر لے۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے؟ نہیں !اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اسے پیشانی کے بال سے ضرور گھسیٹیں گے۔ ایک جھوٹا، گناہ کرنے والا پیشانی۔ پھر وہ اپنے ساتھیوں کو بلا لے۔ ہم جہنم کے فرشتوں کو بلائیں گے۔ نہیں !اس کی بات نہ مانو۔ لیکن سجدہ کرو اور قرب حاصل کرو۔"

صحیح مسلم نمبر 7065 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اس طرح کے خطرے اور تشدد کے عالم میں بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا

نہیں چھوڑا۔ پانچ وقت کی نمازیں فرض کر دی گئیں۔ لہٰذا اس سے نماز قائم کرنے کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2618 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ فرض نمازوں کو چھوڑنا ایمان اور کفر میں فرق ہے۔

اس دن اور عمر میں یہ بہت عام ہو گیا ہے۔ بہت سے لوگ معمولی وجوہات کی بنا پر اپنی فرض نمازیں ترک کر دیتے ہیں جو کہ بلاشبہ رد ہیں۔ اگر جنگ کرنے والے پر نماز کی فرضیت ختم نہیں ہوئی تو کسی اور سے کیسے ہٹائی جائے گی؟ باب 4 النساء، آیت 102:

"اور جب آپ ان کے درمیان ہوں اور ان کی نماز پڑھائیں تو ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو اور وہ اپنے ہتھیار اٹھائے ہوں۔ اور جب وہ سجدہ کر لیں تو وہ آپ کے پیچھے ہوں اور دوسرے گروہ کو آگے آنے دیں جنہوں نے]ابھی تک [نماز نہیں پڑھی ہے اور وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں، احتیاط کرتے ہوئے اور اپنے ہتھیار اٹھائے ہوئے..."

نہ مسافر اور نہ بیمار اپنی فرض نمازوں سے مستثنیٰ ہیں۔ مسافر کو بعض فرض نمازوں میں چکروں کی مقدار کو کم کرنے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ ان پر بوجھ کم ہو جائے لیکن وہ ان کی ادائیگی سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ باب 4 النساء، آیت 101:

‘‘...اور جب تم پورے ملک میں سفر کرتے ہو تو تم پر نماز قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں’’

بیماروں کو خشک وضو کرنے کی تلقین کی گئی ہے اگر پانی سے رابطہ انہیں نقصان پہنچاتا ہے۔ باب 5 المائدة، آیت 6:

’’لیکن اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے رابطہ کیا ہو اور پانی نہ ملے تو صاف زمین تلاش کرو اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔‘‘

اس کے علاوہ بیمار فرض نماز اس طریقے سے ادا کرسکتے ہیں جو ان کے لیے آسان ہو۔ یعنی اگر کھڑے نہیں ہو سکتے تو بیٹھ سکتے ہیں اور اگر بیٹھ نہیں سکتے تو لیٹ کر فرض نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 372 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن پھر یہ کہ بیمار کو مکمل رعایت نہیں دی جاتی جب تک کہ کوئی ذہنی مریض نہ ہو جو اسے نماز کی فرضیت کو سمجھنے سے روکتا ہو۔

دوسرا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ بعض مسلمان اپنی فرض نمازوں میں تاخیر کرتے ہیں اور صحیح اوقات سے زیادہ پڑھتے ہیں۔ یہ قرآن کریم سے واضح طور پر متصادم ہے کیونکہ مومنین کو اپنی فرض نمازیں وقت پر ادا کرنے والے کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ باب 4 النساء، آیت 103:

’’بے شک نماز مومنوں پر مقررہ اوقات کے لیے فرض کی گئی ہے۔‘‘

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن کریم کی درج ذیل آیت سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی فرض نمازوں میں بلا ضرورت تاخیر کرتے ہیں۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 10، صفحہ 603-604 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ باب 107 المعون، آیات 4-5:

‘‘پس خرابی ہے نمازیوں کے لیے۔]لیکن [جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔"

یہاں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جنہوں نے اس بری صفت کو اختیار کیا ہے۔ اگر کوئی اللہ کی رحمت سے دور ہو جائے تو اس دنیا یا آخرت میں کامیابی کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 512 میں موجود ایک حدیث میں فرمایا کہ فرض نماز میں بلا ضرورت تاخیر کرنا نفاق کی علامت ہے۔ قرآن کریم نے واضح کیا ہے کہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی ایک بڑی وجہ فرض نمازوں کو قائم نہ کرنا ہے۔ باب المدتثیر، آیات 42-43 74:

]اور ان سے پوچھتے ہوئے[، "آپ کو سقر میں کس چیز نے ڈالا؟ "وہ کہیں گے کہ ہم نماز پڑھنے" والوں میں سے نہیں تھے۔

فرض نمازوں کا ترک کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2621 میں موجود حدیث میں اعلان فرمایا کہ جس نے یہ گناہ کیا اس نے اسلام سے کفر کیا۔

اس کے علاوہ کوئی اور نیک عمل کسی مسلمان کو اس وقت تک فائدہ نہیں دے گا جب تک کہ اس کی فرض نمازیں قائم نہ ہوں۔ صحیح بخاری نمبر 553 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر عصر کی فرض نماز چھوٹ جائے تو اس کے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اگر ایک فرض نماز کے ترک کرنے کا یہ حال ہے تو کیا ان سب کو چھوڑنے کی سزا کا تصور کیا جا سکتا ہے؟

صحیح مسلم کی حدیث نمبر 252 میں فرض نمازوں کو ان کے صحیح اوقات میں پڑھنے کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین اعمال میں سے ایک ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ فرض نمازوں کو اپنے وقت سے زیادہ مؤخر کرنا یا ان کو مکمل طور پر غائب کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ کام ہے۔

تمام بزرگوں کے لیے یہ ایک اہم فریضہ ہے کہ وہ اپنے زیر کفالت بچوں کو چھوٹی عمر سے ہی فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دیں تاکہ وہ ان پر شرعی طور پر پابند ہونے سے پہلے ہی اسے قائم کر لیں۔ وہ بالغ جو اس میں تاخیر کرتے ہیں اور بچوں کے بڑے ہونے تک انتظار کرتے ہیں اس انتہائی اہم فریضے میں ناکام رہے ہیں۔ جن بچوں کو صرف فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دی گئی تھی جب یہ ان پر فرض ہو گئی تھی، وہ بہت کم ہی انہیں جلدی قائم کرتے تھے۔ زیادہ تر معاملات میں اس اہم فرض کو صحیح طریقے سے نبھانے میں انہیں برسوں لگ جاتے ہیں۔ اور قصور خاندان کے بزرگوں پر، خاص طور پر والدین پر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 495 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت کی ہے کہ خاندان سب سے زیادہ اپنے بچوں کو جب سات سال کے ہو جائیں تو فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

ایک اور بڑا مسئلہ جس کا بہت سے مسلمانوں کو سامنا ہے وہ یہ ہے کہ وہ فرض نماز تو ادا کر سکتے ہیں لیکن صحیح طریقے سے ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر، بہت سے لوگ نماز کے مراحل کو صحیح طریقے سے مکمل نہیں کر پاتے اور اس کے بجائے اس میں جلدی کرتے ہیں۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 757 میں موجود ایک حدیث واضح طور پر تنبیہ کرتی ہے کہ اس طرح کی نماز پڑھنے والے نے بالکل نماز نہیں پڑھی۔ یعنی ان کا ذکر اس شخص کے طور پر نہیں ہے جس نے اپنی نماز پڑھی اور اس وجہ سے ان کی ذمہ داری پوری نہیں ہوئی۔ جامع ترمذی نمبر 265 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص نماز کے ہر مقام پر قائم نہیں رہتا اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں رکوع اور سجدہ نہ کرنے والے کو بدترین چور قرار دیا۔ موطا مالک، کتاب نمبر 9، حدیث نمبر 75 میں پائی جانے والی ایک حدیث میں اس

بات کی تنبیہ کی گئی ہے۔ بدقسمتی سے بہت سے مسلمان جنہوں نے کئی دہائیوں سے فرض اور اس جیسی بہت سی نفلی نمازیں ادا کی ہیں، ان میں سے کسی نے بھی گنتی نہیں کی ہے اور اس طرح ان کا شمار کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہے جس نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 1313 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

قرآن پاک عام طور پر مسجد میں جماعت کے ساتھ فرض نماز ادا کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 43:

''اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔''

درحقیقت اس آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی بنا پر بعض معتبر علماء نے اس کو مسلمان مردوں پر واجب قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر سنن ابوداؤد نمبر 550 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو مسلمان اپنی فرض نمازیں مسجد میں باجماعت ادا نہیں کریں گے انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے منافق قرار دیا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مردوں کے گھروں کو جلانے کی دھمکی بھی دی تھی جو بغیر کسی عذر کے باجماعت مسجد میں اپنی فرض نمازیں ادا کرنے میں ناکام رہے تھے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 1482 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ جو مسلمان اس اہم عمل کو انجام دینے کی پوزیشن میں ہوں وہ کریں۔ انہیں یہ دعویٰ کرنے میں خود کو بیوقوف نہیں بنانا چاہئے کہ وہ دوسرے نیک کام انجام دے رہے ہیں جیسے کہ گھر کے کاموں میں اپنے خاندان کی مدد کرنا۔ یوں تو صحیح بخاری نمبر 676 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے، لیکن ضروری ہے کہ آپ کی روایات کی اہمیت کو اپنی خواہشات کے مطابق ترتیب نہ دیا جائے۔ جو کوئی ایسا کرتا ہے وہ اس کی روایات کی پیروی نہیں کر رہا ہے وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا ہے خواہ وہ نیک عمل ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔ درحقیقت اسی حدیث کا اختتام اس نصیحت سے ہوتا ہے کہ جب فرض نماز کا وقت ہوتا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد کی طرف روانہ ہوتے۔

سچائی کی تلاش

ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ ایسے شخص تھے جو اسلام قبول کرنے سے پہلے ہی بتوں کی پرستش نہیں کرتے تھے اور ایک خدا پر ایمان رکھتے تھے۔ جب اس نے اسلام کے بارے میں سنا تو وہ مکہ میں داخل ہوا اور چھپ چھپ کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی، کیونکہ وہ مکہ کے غیر مسلموں کی اسلام سے نفرت سے واقف تھا۔ علی بن ابو طالب، ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملے، اور ان کے مقصد کے بارے میں معلوم ہونے کے بعد، انہوں نے اپنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان خفیہ ملاقات کرانے میں مدد کی۔ اس کے نتیجے میں ابوذر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 71-72 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

علی نے ابوذر رضی اللہ عنہ کی مدد اور رہنمائی کے لیے اپنے آپ کو خطرے میں ڈال دیا۔

جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ دوسروں کو نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والے کو ان کی نصیحت پر عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کو گناہوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں ان سے ایسا حساب لیا جائے گا جیسے انہوں نے گناہ کیے ہوں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ دوسروں کو نصیحت اور رہنمائی کرتے وقت احتیاط برتیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نیکی کے کاموں میں صرف اس لیے نصیحت کرے کہ وہ اس سے ثواب حاصل کریں اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نصیحت کرنے سے گریز کریں۔ ایک شخص قیامت کے دن محض یہ دعویٰ کر کے عذاب سے نہیں بچ سکے گا کہ وہ صرف دوسروں کو گناہوں کی طرف دعوت دے رہا ہے چاہے اس نے خود گناہ کیوں نہ کیے ہوں۔ اللہ تعالیٰ رہنما اور پیروکار دونوں کو ان کے اعمال کے لیے جوابدہ ٹھہرائے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کو دوسروں کو صرف وہی کام کرنے کی تلقین کرنی چاہیے جو وہ خود کریں گے۔ اگر وہ اپنے نامہ اعمال میں کسی عمل کو ناپسند کرتے ہیں تو انہیں دوسروں کو اس عمل کی تلقین نہیں کرنی چاہیے۔

اس اسلامی اصول کی وجہ سے مسلمانوں کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے مناسب علم حاصل کریں کیونکہ اگر وہ دوسروں کو غلط نصیحت کرتے ہیں تو وہ آسانی سے اپنے گناہوں کو بڑھا سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ، یہ اصول مسلمانوں کے لیے ان کاموں کا اجر حاصل کرنے کا ایک انتہائی آسان طریقہ ہے جو وہ خود اسباب کی کمی کی وجہ سے انجام نہیں دے سکتے، جیسے کہ دولت۔ مثال کے طور پر، ایک شخص جو مالی طور پر صدقہ دینے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے وہ دوسروں کو ایسا کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ صدقہ کرنے والے کے برابر ثواب حاصل کرے گا۔

کاروبار میں انصاف

ایک شخص مکہ میں کچھ اونٹ لے کر آیا جو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو جہل کو بیچ دیے۔ لیکن ابوجہل نے ان کی ادائیگی میں تاخیر کی اور جب اس شخص نے اہل مکہ سے مدد کی درخواست کی کیونکہ وہ شہر میں ایک اجنبی تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مدد فرمائی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شخص کو ابوجہل کے گھر لے گئے، اس کا دروازہ کھٹکھٹایا، جب اس نے جواب دیا تو آپ نے اسے حکم دیا کہ اس آدمی کا قرض ادا کر دو۔ ابوجہل بڑے خوف کے مارے جلدی سے اپنے گھر میں داخل ہوا اور رقم لے کر واپس آیا اور وہ شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شکریہ ادا کر کے چلا گیا۔ بعد ازاں ابو جہل نے لوگوں کو بتایا کہ واقعہ کے وقت اس کا دل دہشت سے بھرا ہوا تھا اور جب اس نے دروازہ کھولا تو اس نے ایک خطرناک اور غصے والے اونٹ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دیکھا تو وہ مخلوق سے ڈر گیا۔ اسے کہا جائے گا، چنانچہ اس نے اس آدمی کو جو واجب تھا ادا کیا۔ یہ واقعہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 1، صفحہ 340-341 میں درج ہے۔

یہ واقعہ تمام کاروباری معاملات میں ایماندار اور انصاف پسند ہونے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 2146 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ تاجروں کو قیامت کے دن فاسقوں کے طور پر اٹھایا جائے گا سوائے ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، نیک عمل کرتے ہیں اور بولتے ہیں۔ سچائی

اس حدیث کا اطلاق ان تمام لوگوں پر ہوتا ہے جو تجارتی لین دین میں حصہ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، اس کے احکام پر عمل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ کاروباری لین دین کے سلسلے میں ایک مسلمان کو اپنی بات میں ایماندار ہونا چاہیے اور اس لین دین کی تمام تفصیلات جو اس میں شامل ہیں ان کو بتا دیں۔ صحیح بخاری نمبر 2079 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب مسلمان مالی لین دین میں چیزوں کو چھپاتے ہیں، جیسے کہ ان کے سامان میں خرابیاں، تو یہ نعمتوں میں نقصان کا باعث بنتی ہے۔

راستبازی سے کام کرنے میں یہ شامل ہے کہ دوسروں کو سامان کی ضرورت سے زیادہ قیمت ادا کرنے پر مجبور کرنے کی کوشش نہ کریں۔ ایک مسلمان کو صرف دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جیسا کہ وہ ایمانداری اور مکمل انکشاف کے ساتھ معنی خیز سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح ایک مسلمان یہ پسند نہیں کرے گا کہ مالی معاملات میں اس کے ساتھ بدسلوکی کی جائے وہ دوسروں کے ساتھ بدسلوکی نہ کرے۔

کاروبار کرنے والوں کو ہمیشہ جھوٹ بولنے سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ بے حیائی کی طرف لے جاتا ہے اور فانی جہنم میں لے جاتا ہے۔ درحقیقت ایک شخص جھوٹ بولتا اور اس پر عمل کرتا رہے گا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا درج نہ ہو جائے۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ، یہ واقعہ برے طریقوں پر اعتراض کرتے ہوئے مشکلات میں گھرے لوگوں کی مدد کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4340 میں موجود ایک حدیث میں برائیوں پر اعتراض کرنے کی اہمیت بتائی ہے۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تمام مسلمانوں پر ہر قسم کے اعتراض کرنا فرض ہے۔ ان کی طاقت اور ذرائع کے مطابق برائی کا۔ سب سے کم درجہ، جیسا کہ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے، برائی کو دل سے رد کرنا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اندرونی طور پر برے کاموں کی منظوری ان چیزوں میں سے ایک بدترین چیز ہے جو حرام ہیں۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4345 میں موجود حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص برائی کے وقت حاضر ہو اور اس کی مذمت کرے وہ اس شخص کی طرح ہے جو موجود نہیں تھا۔ .لیکن جو غائب تھا اور برائی کو منظور کرتا تھا وہ اس شخص کی طرح ہے جو اس کے ارتکاب کے وقت موجود تھا۔

برائی پر اعتراض کرنے کے پہلے دو پہلو جن کا ذکر مرکزی حدیث میں زیر بحث آیا ہے وہ جسمانی افعال اور گفتگو سے ہیں۔ یہ صرف اس مسلمان پر فرض ہے جس میں ایسا کرنے کی طاقت ہو مثال کے طور پر، انہیں ان کے فعل یا قول سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

نوٹ کرنا ضروری ہے، برائی پر ہاتھ سے اعتراض کرنے کا مطلب لڑائی نہیں ہے۔ اس سے مراد دوسروں کے برے اعمال کو درست کرنا ہے، جیسے کسی کے حقوق کو لوٹانا جس کی غیر قانونی خلاف ورزی کی گئی ہو۔ جو شخص ابھی تک ایسا کرنے کی پوزیشن میں ہو، وہ ایسا کرنے سے باز رہے، سنن ابوداؤد نمبر 4338 میں موجود ایک حدیث میں عذاب کی تنبیہ کی گئی ہے۔

جامع ترمذی کی حدیث نمبر 2191 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ حق بات کہنے میں مخلوق سے نہ ڈریں۔ درحقیقت مخلوق کے خوف کو بری چیزوں پر اعتراض کرنے سے روکنے والے کو وہ شخص قرار دیا گیا ہے جو اپنے آپ سے نفرت کرتا ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس پر تنقید کرے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4008 میں موجود حدیث سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ غور طلب ہے کہ اس سے مراد وہ نہیں ہے جو نقصان کے خوف سے خاموش رہے کیونکہ یہ ایک قابل قبول عذر ہے بلکہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو خاموش رہتا ہے کیونکہ لوگوں کی آنکھوں میں سٹیٹس

،سنن ابوداؤد نمبر 4341 میں موجود حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جب دوسرے ان کی حرص کو مانیں ان کی غلط آراء اور خواہشات کی پیروی کریں اور مادی دنیا کو آخرت پر ترجیح دیں تو انسان اپنے افعال اور گفتگو سے بری چیزوں پر اعتراض کرنا چھوڑ سکتا ہے۔ یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں کہ یہ وقت آ گیا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 105۔

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر تمہاری ہی ذمہ داری ہے۔ جو لوگ گمراہ ہو گئے ہیں وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے جب کہ تم ہدایت پا چکے ہو...

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو اپنے زیر کفالت افراد کے حوالے سے اس اہم فرض کو جاری رکھنا چاہیے کیونکہ سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ ان پر فرض ہے اور ان کے بارے میں جو وہ جسمانی اور زبانی طور پر محسوس کرتے ہیں۔ سے محفوظ، کیونکہ یہ اعلیٰ رویہ ہے۔

جو برائیاں ظاہر ہیں ان پر اعتراض کرنا وہ چیز ہے جو زیر بحث مرکزی حدیث ہے۔ یعنی یہ مسلمانوں کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ دوسروں کی جاسوسی کریں تاکہ اعتراض کرنے کے لیے بری چیزیں تلاش کریں۔ اس سلسلے میں جاسوسی اور اس سے وابستہ کوئی بھی چیز حرام ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

''...اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ...جاسوسی نہ کرو''

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو اپنی خواہشات پر نہیں بلکہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق برائی پر اعتراض کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان یقین کر سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کام کر رہے ہیں، جب کہ وہ نہیں ہیں۔ یہ اس وقت ثابت ہوتا ہے جب وہ برائی پر اس طرح اعتراض کرتے ہیں جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہے۔ درحقیقت جس چیز کو نیکی سمجھا جاتا ہے وہ اس منفی رویہ کی وجہ سے گناہ بھی بن سکتا ہے۔

ایک مسلمان کو قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق نرمی اور منصفانہ طریقے سے برائی پر اعتراض کرنا چاہیے۔ ان خصوصیات کا مخالف صرف لوگوں کو خلوص دل سے توبہ کرنے سے دھکیل دے گا اور غصہ کرنے کے نتیجے میں مزید گناہوں کا باعث بن سکتا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص کسی مسلمان کی تکلیف کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ایک مصیبت کو دور کرے گا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہی سلوک ہوتا ہے جس طرح وہ عمل کرتے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر، باب 2 البقرہ، آیت 152:

"...پس مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد رکھوں گا

ایک اور مثال جامع ترمذی نمبر 1924 میں موجود حدیث میں مذکور ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو دوسروں پر رحم کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر رحم کیا جائے گا۔

پریشانی وہ چیز ہے جو کسی کو پریشانی اور مشکل میں ڈال دیتی ہے۔ لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی دوسرے کے لیے ایسی تکلیف کو آسان کرے خواہ دنیوی ہو یا دینی، وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے سختیوں سے محفوظ رہے گا۔ متعدد احادیث میں مختلف طریقوں سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2449 میں موجود حدیث میں یہ نصیحت فرمائی کہ جس نے کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا اس کو قیامت کے دن جنت کے پھل کھلائے جائیں گے۔ اور جو شخص کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو جنت کا پانی پلائے گا۔

چونکہ آخرت کی مشکلات دنیا میں پائی جانے والی مشکلات سے کہیں زیادہ ہیں یہ ثواب ایک مسلمان کے لیے اس وقت تک روک دیا جاتا ہے جب تک کہ وہ آخرت تک نہ پہنچ جائے۔

اس حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک مسلمان کی اس وقت تک مدد کرتا رہے گا جب تک وہ دوسروں کی مدد کرتا رہے گا۔ ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ جب وہ کسی کام کے لیے کوشش کرتے ہیں یا کسی خاص کام کو مکمل کرنے کے لیے کسی دوسرے کی مدد کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ کامیاب یا ناکامی پر ختم ہو سکتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی کی مدد کرتا ہے تو اس کا کامیاب نتیجہ یقینی ہوتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے مفاد کے لیے تمام اچھے کاموں میں دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کریں تاکہ انہیں دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہو۔

ایک خالص نیت

ایک دفعہ مکہ کے غیر مسلموں کے سرداروں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ تمام دولت پیش کی جو آپ نے چاہی۔ انہوں نے اسے اپنا قبائلی سردار اور یہاں تک کہ اپنا بادشاہ بنانے کی پیشکش بھی کی لیکن اسے صرف اسلام کی تبلیغ کو ترک کرنا پڑا۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اسلام کے پیغام کو پہنچانے میں میرا مقصد مال، عزت یا بادشاہی حاصل کرنا نہیں ہے۔ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے اپنے مشن کو پورا کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کو خوش کیا جا سکے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 1، صفحہ 347-348 میں بحث کی گئی ہے۔

اس واقعہ سے ایک مسلمان اسلام کے علم کو پھیلاتے وقت دنیاوی چیزوں کی خواہش نہ کرنے کی اہمیت سیکھ سکتا ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 253 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ جو شخص علمائے کرام کو دکھانے، دوسروں سے بحث کرنے یا اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے دینی علم حاصل کرتا ہے۔ نرک میں.

حالانکہ دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں تمام بھلائیوں کی بنیاد علم ہے مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ علم ان کو تب ہی فائدہ دے گا جب وہ سب سے پہلے اپنی نیت درست کریں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ باقی تمام وجوہات صرف اس صورت میں ثواب اور سزا کے نقصان کا باعث بنیں گی جب کوئی مسلمان سچے دل سے توبہ کرنے میں ناکام ہو جائے۔

حقیقت میں علم بارش کے پانی کی طرح ہے جو مختلف قسم کے درختوں پر گرتا ہے۔ کچھ درخت اس پانی سے اگتے ہیں تاکہ دوسروں کو فائدہ پہنچے جیسے کہ پھل کا درخت۔ جبکہ اس پانی سے دوسرے درخت اگتے ہیں اور دوسروں کے لیے مصیبت بن جاتے ہیں جیسے کانٹے دار درخت۔ اگرچہ بارش کا پانی دونوں صورتوں میں ایک جیسا ہے لیکن نتیجہ بہت مختلف ہے۔ اسی طرح دینی علم بھی لوگوں کے لیے یکساں ہے لیکن اگر کوئی غلط نیت اختیار کرے تو وہ ان کی تباہی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی صحیح نیت اختیار کرے تو یہ ان کی نجات کا ذریعہ بن جائے گا۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ تمام معاملات میں اپنی نیت درست کریں کیونکہ اس پر ان کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اور انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ جہنم میں داخل ہونے والے پہلے لوگوں میں سے ایک ایسا عالم ہوگا جس نے علم صرف دوسروں کو دکھانے کے لیے حاصل کیا ہو۔ صحیح مسلم نمبر 4923 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

نتیجہ اخذ کرنا، صحیح نیت کے ساتھ مفید علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا ہی حقیقی فائدہ مند علم ہے۔

احمقانہ گزارشات

لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے باز رکھنے کے لیے مکہ کے غیر مسلم احمقانہ درخواستیں لے کر آئے، جن میں سے کچھ قرآن پاک میں درج ہیں، جیسے کہ فرشتہ سے درخواست کی کہ وہ کھلے عام ان کے سامنے حاضر ہو کر تصدیق کرے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے .اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 1، صفحہ 348-349 میں بحث کی گئی ہے۔
باب 15 الحجر، آیت 7:

"اگر تم سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتے؟"

غیب پر یقین ایمان کا بنیادی عنصر ہے اور اس کے بغیر ایمان اپنی اہمیت کھو دیتا ہے۔ اگر غیب کی چیزیں مثلاً فرشتوں کو اس دنیا میں لوگوں پر ظاہر کر دیا جائے تو اس سے ان کے ایمان کا معیار کم ہو جائے گا۔

غیب وہ چیزیں ہیں جن کا اس دنیا میں پانچ حواس کے ذریعے ادراک نہیں کیا جا سکتا مثلاً جہنم۔ انہیں اس علم کو سچا ماننا چاہیے جس کی تصدیق انبیاء علیہم السلام نے کی ہے۔ یہ دوسری طرف اشارہ ہے کہ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کے بغیر صحیح رہنمائی ممکن نہیں، کیونکہ غیب کا علم، جیسے کہ جہنم کا وجود، صرف انبیاء علیہم السلام ہی دے سکتے ہیں۔ ان پر سلامتی ہو۔ غیب اس زندگی میں چھپا رہنا چاہیے۔ اگر وہ ظاہر ہو جائیں تو ایمان کا تصور بے معنی ہو جاتا ہے کیونکہ ایمان میں ایسی چیز پر یقین شامل ہے جو پانچ حواس کے ادراک سے باہر ہے۔

وہ مسلمان جو حقیقی طور پر غیب پر یقین رکھتا ہے، جیسے کہ جنت، اگرچہ اس نے اس کا مشاہدہ ،نہیں کیا ہے، اسے یہ بھی پختہ یقین رکھنا چاہیے کہ ان کی زندگی میں جو کچھ بھی پیش آتا ہے

خواہ وہ ان کے لیے خوش ہو یا نہ ہو، کسی اچھی وجہ سے واقع ہوتا ہے، چاہے اس وجہ سے ہو۔ ان کے لئے غیب ہے .پس جس طرح کوئی شخص ان غیب چیزوں پر پختہ یقین رکھتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کے حکیمانہ انتخاب پر یقین رکھنا چاہیے جو کہ غیب بھی ہیں۔ یہ انہیں صبر کی طرف :ترغیب دے گا اور انہیں بے شمار انعام کی طرف لے جائے گا۔ باب 39 از زمر، آیت 10

مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا]یعنی حد[.

مکہ کے غیر مسلموں کو تو یہ بات بھی عجیب لگی کہ اللہ تعالیٰ فرشتے کی بجائے ایک انسان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنا کر بھیجے گا۔

بحیثیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کے لیے بھیجے گئے ہیں ان کو فرشتوں کی طرح کسی اور چیز کے طور پر بھیجنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہی یہ ہے کہ لوگوں کو اس بات کا عملی نمونہ حاصل ہو جائے کہ انہیں اپنی زندگی کے ہر پہلو میں کیسے برتاؤ کرنا چاہیے۔ فرشتہ اس چیز کا تجربہ نہیں کرتا جو انسان محسوس کرتے ہیں، جیسے تھکاوٹ، لہذا لوگ اپنے فرشتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق نہیں رکھ سکیں گے، اور یہ ان کو اللہ کے سامنے .ایک عذر پیش کرے گا، اس دن .فیصلے کے

اس لیے غیر مسلم کیوں حیران ہوئے کہ ایک انسان دوسرے انسانوں کو خبردار کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ اسی طرح نوع انسانی کی رہنمائی کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کرنے میں کیا کوئی عجیب بات ہے؟ کیونکہ اگر لوگ گمراہی میں ڈوبے ہوئے پائے جائیں اور حق سے غافل ہوں تو پھر کیا عجیب بات ہے کہ ان کا خالق اور رب ان کی رہنمائی کا انتظام کرے یا انہیں گمراہی اور گمراہی میں مبتلا رہنے دے؟ اور اگر الٰہی ہدایت انسانوں کے لیے مہیا کر دی جائے تو کیا یہ معنی نہیں رکھتا کہ جو لوگ اسے قبول کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں، بجائے اس کے کہ جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت کے مستحق ہیں؟ اس پر حیرت کا اظہار کرنے والوں کا طرز عمل درحقیقت حیران کن ہے۔

الہی قربت

جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر دو تین دن تک وحی نازل نہ ہوئی تو ایک غیر مسلم بزرگ نے اعلان کیا کہ آپ کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ جواب کے طور پر۔ اللہ تعالیٰ نے باب 93 اضحیٰ، آیات 1-3 نازل فرمایا:

"صبح کی چمک سے۔ اور رات کی جب اندھیرا چھا جائے۔ آپ کے رب نے آپ سے رخصت نہیں لی اور نہ ہی آپ سے نفرت کی۔

صحیح بخاری نمبر 4950 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح ترک کر سکتا ہے جب کہ وہ مسلسل ان کو یاد کرتے تھے؟

صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود ایک طویل الٰہی حدیث میں اللہ تعالیٰ نے نصیحت کی ہے کہ وہ ہر اس شخص کے ساتھ ہے جو اسے یاد کرتا ہے۔

ذہنی مسائل اور عوارض جیسے کہ ڈپریشن کے بڑھنے کے ساتھ مسلمانوں کے لیے اس اعلان کی اہمیت کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ کسی شخص کے دماغی مسئلے کا سامنا کرنے کا بہت کم امکان ہوتا ہے جب وہ مستقل طور پر کسی ایسے شخص سے گھرا رہتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے جو واقعی ان سے پیار کرتا ہے۔ اگر یہ کسی شخص کے لیے درست ہے تو یہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ

کے لیے زیادہ مناسب ہے، جس نے اپنے ذکر کرنے والے کے ساتھ رہنے کا وعدہ کیا ہے۔ صرف اس اعلان پر عمل کرنے سے تمام ذہنی مسائل جیسے کہ ڈپریشن ختم ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسروں سے الگ تھلگ رہنے یا دوسروں کے درمیان ہونے سے نیک پیشواؤں کی ذہنی حالت پر کوئی فرق نہیں پڑا کیونکہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی صحبت میں رہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی صحبت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ تمام رکاوٹوں اور مشکلات کو کامیابی سے عبور کر لیتا ہے یہاں تک کہ آخرت میں اس کے قرب تک پہنچ جاتا ہے۔

اس کے علاوہ، اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت سے اس اعلان کو کسی بھی طرح محدود نہیں کیا۔ مثال کے طور پر، اس نے یہ اعلان نہیں کیا کہ وہ صرف نیک لوگوں کے ساتھ ہے یا ان لوگوں کے ساتھ ہے جو مخصوص اچھے کام کرتے ہیں۔ اس نے درحقیقت ہر مسلمان کو گھیر لیا، قطع نظر اس کے کہ ان کے ایمان کی مضبوطی کتنی بھی ہو یا کتنے ہی گناہوں کا ارتکاب کیا ہو۔ اس لیے مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن اس حدیث میں جو شرط بیان کی گئی ہے اس پر غور کرنا ضروری ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا۔ یہ نہ صرف اسے زبان سے یاد کرنا ہے بلکہ اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اسے اپنے عمل سے یاد کیا جائے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی یاد ہے۔ ایسا سلوک کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی صحبت اور نصرت نصیب ہوگی۔

سادہ لفظوں میں اللہ تعالیٰ کی جتنی زیادہ اطاعت کرے گا، اتنا ہی زیادہ اس کی صحبت حاصل کرے گا۔ جو دیتا ہے وہی وصول کرے گا۔

یقین پر ثابت قدم

مکہ کے غیر مسلموں کے سرداروں میں سے ایک حارث بن عثمان نے ایک دفعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ وہ)غیر مسلموں کے سردار (جانتے ہیں کہ آپ اسلام کے بارے میں سچے ہیں لیکن وہ انہیں ڈر تھا کہ اسلام قبول کرنے سے باقی غیر مسلم عرب انہیں اپنی سرزمین سے نکال باہر کریں گے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ 28 القصص آیت 57 نازل فرمائی:

اور وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم تمہارے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو ہم اپنی سرزمین سے اکھاڑ پھینکے جائیں گے۔ کیا ہم نے ان کے لیے ایک محفوظ پناہ گاہ نہیں بنائی جس میں ہر چیز کے پھل "ہماری طرف سے رزق کے طور پر لائے جاتے ہیں؟ لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 28:57، صفحہ 123-124 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ کوئی معقول عذر نہیں تھا کیونکہ اس وقت پورا جزیرہ نما عرب مکہ والوں کا بہت زیادہ احترام کرتا تھا کیونکہ وہ خانہ کعبہ کے متولی تھے، ایک ایسی جگہ جو زمانہ جاہلیت میں بھی انتہائی قابل احترام تھی۔ اگر ان کا عذر کسی حد تک سچا بھی تھا تو بھی کم ایمان کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ وہ سختیوں کے باوجود حق پر ثابت قدم رہے، جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرح۔ ان کے ساتھ خوش، کیا .مزید برآں، اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں سلامتی اور رزق عطا کیا جب کہ وہ بت پرستی میں غرق تھے، جب وہ اس کی سچی فرماں برداری کے بعد ان نعمتوں کو کیوں چھین لے گا؟

اللہ تعالیٰ مخلوق کی حفاظت اور حفاظت کرتا ہے اور ان کا خاص خیال رکھتا ہے۔ وہ فرمانبرداروں کو شیطان کی چالوں اور جال سے بچاتا ہے اور نافرمانوں کو اپنے فوری عذاب سے بچاتا ہے تاکہ انہیں سچے دل سے توبہ کرنے کا موقع فراہم کرے۔

ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کردہ ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے اس الٰہی نام پر عمل کرنا چاہیے، لیکن ہر حال میں اس کی الہی نگہداشت اور انتخاب پر بھروسہ رکھنا چاہیے اور اس کے نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے، خواہ وہ کچھ انتخاب کے پیچھے حکمت کا مشاہدہ نہ کرے۔ اس سے صبر اور یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر قناعت کی ترغیب ملتی ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 3:

اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہے"۔"

ایک مسلمان کو یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ وہ گمراہی اور عذاب سے صرف سرپرست یعنی اللہ تعالیٰ ہی محفوظ رہیں گے۔ یہ فخر کے تمام نشانوں کو دور کرتا ہے اور اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ وہ اس کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے اس کی حفاظت تلاش کریں۔ ایک مسلمان کو اس اسم الٰہی پر عمل کرنا چاہیے کہ وہ اپنے پاس موجود ہر امانت کی حفاظت کرے جیسا کہ ان کی برکات کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق استعمال کرتے ہوئے۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنے افعال و کلام کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے محفوظ رکھیں۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید برکات حاصل کریں گے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

قرآن پر سمجھوتہ کرنا

مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین نے ایک بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن مجید کی تدوین کی درخواست کی تاکہ وہ سب اس کی تعلیمات کو قبول کر کے اس پر متحد ہو جائیں۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ یونس آیت نمبر 10 نازل فرمائی:

اور جب ان پر ہماری آیات واضح دلیل کے طور پر پڑھی جاتی ہیں تو جو لوگ ہم سے ملاقات کی" امید نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اس کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ یا اسے بدل دو"۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے یہ اختیار نہیں کہ میں اپنی مرضی سے اس کو بدل دوں، میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف آتی ہے، مجھے ڈر ہے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب سے۔

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 10:15، صفحہ 95 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک مسلمان ایسا سلوک کر سکتا ہے جب وہ جان بوجھ کر قرآن کریم کے بعض ایسے حصوں کو نظر انداز کر دے جو ان کی خواہشات کے خلاف ہوں اور دوسرے حصوں کو قبول کر لیں جو ان کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ اس رویہ سے بچنا چاہیے۔

امام منذری کی بیداری اور اندیشہ نمبر 30 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قرآن کریم قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس پر عمل کرتے ہیں انہیں قیامت کے دن جنت میں لے جایا جائے گا۔ لیکن جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس کو نظرانداز کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ یہ انہیں قیامت کے دن جہنم میں دھکیل دے گا۔

قرآن پاک ہدایت کی کتاب ہے۔ یہ محض تلاوت کی کتاب نہیں ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کے تمام پہلوؤں کو پورا کرنے کی کوشش کریں تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ پہلا پہلو اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا پہلو اسے سمجھنا ہے۔ اور آخری پہلو یہ ہے کہ اس کی تعلیمات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کیا جائے۔ ایسا سلوک کرنے والوں کو دنیا کی ہر مشکل سے راہنمائی اور قیامت کے دن اس کی شفاعت کی بشارت دی جاتی ہے۔ لیکن جیسا کہ اس حدیث سے متنبہ کیا گیا ہے کہ قرآن کریم صرف ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اس کے پہلوؤں پر صحیح طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس کی غلط تشریح کرتے ہیں اور دنیاوی چیزوں مثلاً شہرت حاصل کرنے کے لیے اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرتے ہیں، وہ قیامت کے دن اس صحیح ہدایت اور اس کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔ درحقیقت دونوں جہانوں میں ان کا مکمل نقصان اس وقت تک بڑھے گا جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ’’ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔‘‘

آخر میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ قرآن پاک دنیاوی مسائل کا علاج ہونے کے باوجود مسلمان کو صرف اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی قرآن مجید کو صرف اس لیے نہیں پڑھنا چاہیے کہ وہ اپنے دنیاوی مسائل کے حل کے لیے اس کی تلاوت کریں، قرآن مجید کو ایک آلے کی طرح سمجھیں جو مشکل کے وقت ہٹا کر دوبارہ ٹول باکس میں رکھ دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا بنیادی کام آخرت کی صحیح رہنمائی کرنا ہے۔ اس اہم کام کو نظر انداز کر دینا اور اسے صرف اپنے دنیاوی مسائل کے حل کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان کے طرز عمل کے خلاف ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو ابھی تک بہت سے مختلف لوازمات کے ساتھ کار خریدتا ہے، اس کے پاس کوئی انجن نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص محض بے وقوف ہے۔

قیامت

غیر مسلموں کے سرداروں میں سے ایک ابی بن خلف نے ایک دفعہ اپنے ہاتھ میں بوسیدہ ہڈی پکڑی ہوئی تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہہ کر مذاق اڑایا تھا کہ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو زندہ کرے گا۔ ان کی ہڈیاں گلنے اور مٹی میں تبدیل ہونے کے بعد مردہ ہوگئیں۔
اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ 19 مریم آیت 66 نازل فرمائی۔

"اور انسان کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو کیا میں زندہ کر کے نکالا جاؤں گا؟"

اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 19:66، صفحہ 110 میں بحث کی گئی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو کسی بھی چیز سے پیدا نہیں کیا تو انہیں مٹی اور ہڈیوں سے زندہ کرنا اس کے لیے آسان ہوگا۔

منطقی طور پر دیکھا جائے تو قیامت ایک ایسی چیز ہے جو واقع ہونی چاہیے۔ اگر کوئی کائنات کا مشاہدہ کرے تو اسے توازن کی بہت سی مثالیں نظر آئیں گی۔ مثال کے طور پر، زمین سورج سے ایک کامل اور متوازن فاصلے پر ہے۔ اگر زمین سورج سے قدرے قریب یا اس سے زیادہ دور ہوتی تو یہ رہنے کے قابل نہ ہوتی۔ اسی طرح پانی کا چکر، جس میں سمندر سے پانی کے بخارات بن کر فضا میں شامل ہوتے ہیں جو کہ بارش پیدا کرنے کے لیے گاڑھا ہو جاتا ہے، بالکل متوازن ہے تاکہ مخلوق زمین پر زندہ رہ سکے۔ زمین کو متوازن طریقے سے بنایا گیا تھا تاکہ بیج کی کمزور شاخیں اور ٹہنیاں اس میں گھس سکیں تاکہ تخلیق کے لیے فصلیں مہیا ہو سکیں لیکن وہی زمین اتنی سخت ہے کہ اس کے اوپر بنی ہوئی بھاری عمارتوں کو برداشت کر سکے۔ ایسی بہت سی مثالیں ہیں جو نہ صرف واضح طور پر ایک خالق کی نشاندہی کرتی ہیں بلکہ توازن بھی رکھتی ہیں۔ لیکن اس دنیا میں ایک بڑی چیز ہے جو واضح طور پر غیر متوازن ہے، یعنی بنی نوع انسان

کے اعمال۔ اکثر ظالم اور جابر لوگوں کا مشاہدہ ہوتا ہے جو اس دنیا میں سزا سے بچ جاتے ہیں۔ اس کے برعکس، بے شمار لوگ ہیں جو دوسروں کے ہاتھوں مظلوم ہیں اور دیگر مشکلات کا سامنا کرتے ہیں لیکن ان کے صبر کا پورا پورا اجر نہیں ملتا۔ بہت سے مسلمان جو سچے دل سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں ان کو دنیا میں اکثر بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور انہیں اجر میں تھوڑا سا حصہ ملتا ہے جب کہ جو کھلے عام اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں وہ دنیا کی آسائشوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور صرف کچھ مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں توازن قائم کیا ہے اسی طرح اعمال کی جزا اور سزا بھی متوازن ہونی چاہیے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس دنیا میں ایسا نہیں ہوتا اس لیے اسے کسی اور وقت میں ہونا چاہیے، یعنی یومِ جزا یعنی یومِ جزا میں۔

اللہ تعالیٰ اس دنیا میں پوری طرح جزا اور سزا دے سکتا ہے۔ لیکن اس دنیا میں پوری طرح سزا نہ دینے کے پیچھے ایک حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں موقع کے بعد موقع فراہم کرتا ہے تاکہ وہ سچے دل سے توبہ کریں اور اپنے طرز عمل کو درست کریں۔ وہ اس دنیا میں مسلمانوں کو پوری طرح سے اجر نہیں دیتا کیونکہ یہ دنیا جنت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ غیب پر یقین کرنا یعنی اگلے جہان میں ایک مسلمان کے لیے مکمل اجر کا انتظار کرنا، ایمان کا ایک اہم پہلو ہے۔ درحقیقت غیب پر یقین ہی ایمان کو خاص بناتا ہے۔ کسی ایسی چیز پر ایمان لانا جسے پانچ حواس کے ذریعے محسوس کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ اس دنیا میں پورا اجر ملنا، کوئی خاص بات نہیں۔

سزا کا خوف اور آخرت میں پورا اجر ملنے کی امید انسان کو گناہوں سے بچنے اور نیک اعمال کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔

جزا کے دن کے آغاز کے لیے اس مادی دنیا کا خاتمہ ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سزا اور جزا تب ہی مل سکتی ہے جب ہر ایک کا عمل ختم ہوجائے۔ لہٰذا یومِ جزا اس وقت تک واقع نہیں ہو سکتا جب تک لوگوں کے اعمال مکمل نہ ہو جائیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مادی دنیا کو جلد یا بدیر ختم ہونا چاہیے۔

اس کے علاوہ، جب کوئی آسمانوں اور زمین کا مشاہدہ کرتا ہے اور زندگی اور موت کے ان گنت چکروں کا مشاہدہ کرتا ہے، جیسے کہ دن اور رات کا آنا جانا، موسموں اور فصلوں کو اگانے کے لیے زمینوں کا، تو وہ سمجھے گا کہ انہیں بھی ایک مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ موت اور زندگی کا چکر یعنی قیامت کے دن جی اٹھنا۔

جب کوئی اس بحث پر غور کرے گا تو اس سے قیامت کے دن پر ان کے ایمان کو تقویت ملے گی اور انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ مقدس روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنے کی ترغیب ملے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

تحفہ یا دینے والا

لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے باز رکھنے کے لیے مکہ کے غیر مسلم احمقانہ درخواستیں لے کر آئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ وہ آپ کو باغات، قلعے اور سونے چاندی کے خزانے عطا فرمائے تاکہ آپ کی ضروریات پوری ہوں۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے ایسی دنیاوی چیزوں کی درخواست نہیں کروں گا کیونکہ یہ ان کے مشن کا حصہ نہیں ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 1، صفحہ 348-349 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے اسلام کے ایک کلیدی تصور کو سمجھنا ضروری ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے حلال دنیاوی چیزوں کی خواہش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن ان کو حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت سے پرہیز کرنا ہی بہتر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کے مسلمان اکثر صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور جب وہ دنیاوی چیزوں کی خواہش رکھتے ہیں تو مساجد میں رہتے ہیں۔ لیکن اگر وہ انہیں قبول نہیں کرتے ہیں تو وہ بے صبرے اور تنگ آ جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت چھوڑ دیتے ہیں۔ یا اگر انہیں حاصل ہو جائے تو ان کی خوشی اکثر انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ موڑنے پر مجبور کر دیتی ہے، جیسا کہ ان کا عقیدہ ہے کہ انہوں نے وہ حاصل کر لیا جو انہوں نے چاہا، اس لیے اب اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، یعنی وہ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں، جب یہ ان کی خواہشات کے مطابق ہو۔ اور اس رویہ کی وجہ سے ان کے گمراہ ہونے کا خطرہ ہے۔ باب 22 الحج، آیت 11:

"اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو جاتی ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔''

یہ مسلمان دعویٰ تو کر سکتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ صرف اپنی خواہشات کی عبادت کر رہے ہیں اور انہیں ملنے والے تحفے اور نعمتیں ہیں۔

جنت جیسی مذہبی نعمتوں کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا قابل تعریف ہے جیسا کہ اسلامی تعلیمات نے اس کی سفارش کی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا بہت افضل ہے کیونکہ وہی اس کے لائق ہے اور اس لیے کہ مخلوق اس کے بندے ہیں۔

اگر ایک مسلمان کو تحفے اور نعمتوں کی خواہش کرنا ہی ہے تو بہتر ہے کہ دینی نعمتوں کی نیت کرے کیونکہ دنیاوی نعمتوں کا مقصد انسان کی نیت کو بدل سکتا ہے تاکہ وہ دینے والے کی بجائے تحفے کی عبادت کرنے لگے۔

کنٹرولر نہیں۔

مکہ کے غیر مسلموں کے رہنما اکثر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بحث کرتے تھے تاکہ دوسروں کو اسلام قبول کرنے سے روکا جا سکے۔ ان گفتگو کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لیے حق کو قبول کرنے کے لیے سب سے زیادہ بے چین ہوتے۔ لیکن اکثر وہ اسے صرف الگ کر دیتے اور اس کی توہین کرتے جس پر وہ اسلام قبول کرنے پر آمادہ نہ ہونے پر غمگین اور پشیمان ہو کر گھر لوٹ جاتے۔ ایسا ہی ایک واقعہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 1، صفحہ 348-349 میں مذکور ہے۔

مسلمانوں کے لیے دوسروں کو نصیحت کرنے کے سلسلے میں ایک اہم نکتہ کو سمجھنا ضروری ہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ دوسروں کو نیکی کی تلقین کریں اور برائی سے روکیں لیکن مسلمان کو ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیے جیسے وہ دوسروں پر حاکم بنا ہوا ہو۔ یہ رویہ صرف غصے اور تلخی کا باعث بنتا ہے خاص طور پر جب دوسرے ان کے مشورے پر عمل نہیں کرتے۔ مسلمانوں کے لیے یہ بہتر ہے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کر کے اپنا فرض ادا کریں لیکن انہیں اپنے مشورے کے معنی پر زور دینے سے گریز کرنا چاہیے، چاہے وہ شخص ان کے مشورے پر عمل کرے یا نہ کرے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے سب سے بڑے استاد اور رہنما یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت فرمائی کہ قرآن مجید کے متعدد مقامات پر اس کے نتائج پر زور نہ دیا جائے تو کوئی مسلمان کیسے ایسا دعویٰ کر سکتا ہے یا برتاؤ کر سکتا ہے۔ وہ دوسروں کے ذمہ دار ہیں .باب 88 الغاشیہ، آیات 21-22:

تو یاد دلاؤ،]اے محمد[؛ تم صرف ایک یاد دہانی ہو .آپ ان پر کنٹرولر نہیں ہیں۔"

مسلمان جو کنٹرولر کے طور پر برتاؤ کرتا ہے وہ نہ صرف اس وقت تلخ ہوتا ہے جب لوگ ان کی نصیحت پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں بلکہ اس سے وہ دوسروں کو نصیحت کرنا چھوڑ دیتے ہیں جو ان کی استطاعت کے مطابق تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔

اس کے علاوہ یہ رویہ مسلمانوں کو اپنے اور اپنے فرائض سے بھی غافل کر دے گا کیونکہ وہ دوسروں کے فرائض میں اپنے بارے میں بہت زیادہ مصروف ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے میں ثابت قدم رہیں لیکن ان کی نصیحت کے نتائج کو دیکھنے اور اس کی فکر کرنے سے گریز کریں۔

مہلت یا تباہی۔

مکہ کے غیر مسلموں نے ایک بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ مکہ کے ایک پہاڑ، کوہ صفا کو ان کے لیے سونا بنا دیں اور پہاڑوں کو ہٹا دیں تاکہ وہ فصلیں اگائیں۔ اسے اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ یہ فیصلہ اس پر ہے کہ وہ مہلت دے اور ان کی احمقانہ درخواستوں کو نظر انداز کرے یا اگر وہ چاہے تو اللہ تعالیٰ ان کی حاجتیں پوری کر دے گا۔ لیکن اگر اس کے بعد انہوں نے اسلام سے کفر کیا تو وہ بالکل اسی طرح تباہ ہو جائیں گے جس طرح پچھلی امتیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی کھلی نشانیوں کو جھٹلایا تھا، بالکل تباہ ہو گئیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مہلت دینے اور ان کی احمقانہ درخواستوں کو نظر انداز کرنے کا انتخاب کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ اس کے بعد بھی کفر کریں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک کی سورہ 17 الاسراء آیت 59 نازل فرمائی:

"اور ہمیں نشانیاں بھیجنے سے کسی چیز نے نہیں روکا سوائے اس کے کہ پہلے لوگوں نے ان کا انکار کیا۔ اور ہم نے ثمود کو اونٹنی بطور نشانی دی تو انہوں نے اس پر ظلم کیا۔ اور ہم نشانیاں نہیں بھیجتے مگر تنبیہ کے لیے۔"

اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 17:59، صفحہ 104 میں بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نرمی کی وجہ سے اس کے لیے عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔ اس کے بجائے وہ انہیں خلوص دل سے توبہ کرنے اور اپنے طرز عمل کو درست کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ جو مسلمان اس بات کو سمجھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی امید نہیں چھوڑے گا، بلکہ حد سے تجاوز نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر خواہش مندانہ سوچ اختیار کرے گا، انہیں کبھی عذاب نہیں دے گا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ سزا میں صرف تاخیر ہوتی ہے جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہیں کرتے۔ پس یہ الہی نام ایک مسلمان میں امید اور خوف پیدا کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو اس تاخیر کو توبہ کرنے اور نیک کاموں کی طرف جلدی کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

ایک مسلمان کو اس الٰہی صفت پر لوگوں کے ساتھ نرمی برتتے ہوئے عمل کرنا چاہیے، خاص طور پر جب وہ برے کردار کا مظاہرہ کریں۔ انہیں دوسروں کے ساتھ نرمی کا مظاہرہ کرنا چاہئے ان کی غفلت کے لمحات میں ان کے ساتھ نرمی برتنے کی خواہش جس طرح وہ اللہ تعالیٰ سے رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں اپنی بری خصوصیات کے ساتھ نرمی نہیں برتنی چاہئے یہ جانتے ہوئے کہ گناہوں کی سزا میں تاخیر ہوتی ہے جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کر لیں تب تک ہمیشہ کے لئے ترک نہیں کیا جاتا۔ انہیں بھی چاہیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق برائی کا جواب اچھائی سے دیتے ہوئے نرمی پر ثابت قدم رہیں۔ باب 41 فصیلات، آیت 34:

"اور اچھے اور برے کام برابر نہیں ہیں۔ برائی کو اس]عمل [سے دفع کرو جو بہتر ہو۔ پھر جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ گویا ایک مخلص دوست ہو گا۔

آسانی کے اوقات

جامع ترمذی نمبر 2347 میں موجود حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کی وادی کو میرے لیے سونے میں بدلنے کی پیشکش کی۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ میری خواہش ہے کہ میں ایک دن کھانا کھاؤں تاکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر سکوں اور دوسرے دن بھوکا رہوں تاکہ اللہ تعالیٰ کے حضور صبر اور عاجزی کا مظاہرہ کر سکوں۔ .

مسلمان اکثر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کرتے ہیں، جیسے کہ نماز باجماعت کے لیے مساجد میں جانا یا مشکل کے وقت مزید روحانی مشقیں کرنا۔ لیکن آسانی کے وقت وہ اکثر آرام کرتے ہیں اور سست ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ عام طور پر مشکل کے وقت آسانی کے وقت زیادہ چوکس رہنا اور اطاعت میں اضافہ کرنا زیادہ ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر اوقات مشکل سے زیادہ آسانی کے اوقات میں گناہ زیادہ ہوتے ہیں، جیسے اپنے واجبات کو چھوڑ دینا۔ اگر کوئی تاریخ میں مختلف گمراہ لوگوں مثلاً فرعون اور قرون کا جائزہ لے تو معلوم ہوگا کہ ان کے گناہ صرف آسانی کے وقت ہی بڑھتے ہیں۔ جو شخص کسی مشکل کا سامنا کر رہا ہو جہاں وہ پھنس گیا ہو اور اس کے لیے صبر کے ساتھ راحت کا انتظار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو اس کے گناہ کا امکان کم ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنی مشکل سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جبکہ آرام کے وقت کا تجربہ کرنے والا شخص لطف اندوز ہونے اور دنیاوی چیزوں میں زیادہ مشغول رہنے کے لیے بہتر پوزیشن میں ہو گا جو اکثر گناہوں کا باعث بنتے ہیں۔ مثال کے طور پر، غربت کا سامنا کرنے والے شخص کے گناہ کا امکان کم ہوتا ہے کیونکہ بہت سے گناہوں کے لیے دولت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جبکہ، ایک امیر شخص ان گناہوں کا ارتکاب کرنے کے لیے آسان پوزیشن میں ہوتا ہے، جیسے شراب یا منشیات کی خریداری۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس کا خیال رکھنا چاہیے اور اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ آسانی کے وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو برقرار رکھیں یا اس میں اضافہ کریں تاکہ وہ گناہوں اور نافرمانیوں میں مبتلا نہ ہوں۔

اس کے علاوہ جو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہے، اس کے احکام کو بجا لا کر اور آسانی کے وقت اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے، اسے مشکل کے وقت اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل ہوگی جو ان پر کامیابی کے ساتھ قابو پانے میں ان کی مدد کرے گی۔ .باب 47 محمد، آیت 7:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ کا ساتھ دو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمائے گا۔"

سنن ابن ماجہ نمبر 4118 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔

اسلام مسلمانوں کو اپنی تمام دولت اور جائز خواہشات کو ترک کرنے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ یہ ان کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں جیسے کہ ان کی خوراک، لباس، رہائش اور کاروبار میں سادہ طرز زندگی اپنانے کی تعلیم دیتا ہے تاکہ وہ انہیں فارغ وقت فراہم کریں۔ آخرت کے لیے مناسب طریقے سے تیاری کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ اس سادہ زندگی میں اس دنیا میں کوشش کرنا بھی شامل ہے تاکہ کسی کی ضرورتوں اور ان کے محتاجوں کی ضرورتوں کو بغیر زیادتی، فضول خرچی اور اسراف کے پورا کیا جا سکے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ جتنی سادہ زندگی گزاریں گے، وہ دنیاوی چیزوں پر اتنا ہی کم دباؤ ڈالیں گے اور اسی لیے وہ آخرت کے لیے اتنا ہی زیادہ کوشش کر سکیں گے، جس سے ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل ہو گا۔ لیکن ایک شخص کی زندگی جتنی زیادہ پیچیدہ ہوگی وہ اتنا ہی زیادہ دباؤ ڈالے گا، مشکلات کا سامنا کرے گا اور اپنی آخرت کے لیے کم کوشش کرے گا کیونکہ دنیاوی چیزوں سے ان کی مصروفیات کبھی ختم ہوتی نظر نہیں آئیں گی۔ یہ رویہ انہیں ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔

سادگی دنیا میں آسودگی کی زندگی اور قیامت کے دن سیدھا حساب کتاب کا باعث بنتی ہے۔ جب کہ ایک پیچیدہ اور عیش و عشرت کی زندگی صرف ایک دباؤ والی زندگی اور قیامت کے دن سخت اور مشکل حساب کتاب کا باعث بنے گی۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مرضی

مکہ کے غیر مسلموں کے سرداروں نے اپنے دو آدمیوں کو مدینہ کے یہودی علماء سے ملاقات کے لیے بھیجا تاکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں دریافت کریں کیونکہ یہ وہی لوگ تھے جن کے پاس سابقہ صحیفے موجود تھے۔ اور اس وجہ سے اس مسئلے پر زیادہ علم رکھتے تھے۔ یہودی علماء نے ان سے تین سوال کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کو جانچنے کے لیے آگاہ کیا۔ جیسا کہ مکہ کے لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جانتے تھے، انہوں نے سابقہ صحیفوں کا بالکل مطالعہ نہیں کیا تھا، وہ صرف اسی صورت میں سوالات کے صحیح جواب دے سکیں گے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتے۔ تین سوالات غار کے لوگوں کے بارے میں تھے، بادشاہ جس نے مشرق اور مغرب کا سفر کیا اور اس کا سامنا کیا اور آخر میں انسانی روح کے بارے میں۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سوالات پوچھے گئے تو آپ نے جواب دیا کہ میں اگلے دن ان کا جواب دوں گا لیکن اس جملے کو چھوڑ دیا ’’اگر اللہ تعالیٰ چاہے‘‘۔ ان سوالات کے جوابات پندرہ دن بعد قرآن پاک میں نازل ہوئے۔ یہ واقعہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 1، صفحہ 350-352 میں زیر بحث آیا ہے۔

سب سے پہلے تو یہ جان لینا ضروری ہے کہ ان سوالات کے جوابات میں تاخیر درحقیقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی واضح علامت تھی، کیونکہ جھوٹا شخص فوراً ہی ان سوالات کے جوابات ترتیب سے دے دیتا تھا۔ لوگوں کو بے وقوف بنانے اور ان کی دنیاوی خواہشات کو جلد از جلد حاصل کرنا۔ تاخیر سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو اسلام کی طرف رہنمائی کرنے کے لیے سب سے زیادہ بے چین تھے، لیکن جوابات میں تاخیر کی گئی تاکہ ان کے اس جملے کو ترک کر دیا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے "اور اپنی سچائی کو ثابت کرنا۔

اس کے علاوہ یہ واقعہ اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مخلوق میں کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر واقع نہیں ہوتی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2516 میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ کی لامحدود اور مطلق قدرت و اختیار کی طرف اشارہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے ایسا کرنا نہیں چاہا۔ اسی طرح ساری مخلوق مل کر بھی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتی اگر اللہ تعالیٰ ان کو نہ چاہے۔ اس کا مطلب صرف وہی

ہے جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کائنات میں ہوتا ہے۔ غور طلب ہے کہ یہ نصیحت اس بات کی طرف اشارہ نہیں کرتی ہے کہ کسی کو دوا جیسے اسباب کا استعمال ترک کر دینا چاہیے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی اسباب کو استعمال کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے پیدا کیا ہے، لیکن اسے سمجھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کے نتائج کا فیصلہ کرنے والا ہے۔ مثال کے طور پر، وہ بہت سے بیمار لوگ ہیں جو دوائی لیتے ہیں اور اپنی بیماری سے شفا پاتے ہیں۔ لیکن وہ دوسرے ہیں جو دوائی لیتے ہیں اور ٹھیک نہیں ہوتے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک اور عنصر حتمی نتیجہ کا فیصلہ کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مرضی۔ باب 9 توبہ آیت 51:

کہہ دو کہ ہم پر ہرگز نہیں مارے جائیں گے مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا ہے‘‘۔’’

جو اس بات کو سمجھتا ہے وہ جانتا ہے کہ ان پر اثر انداز ہونے والی ہر چیز سے بچا نہیں جا سکتا تھا۔ اور وہ چیزیں جو ان سے چھوٹ گئیں وہ کبھی حاصل نہیں ہو سکتی تھیں۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ نتیجہ جو بھی نکلے خواہ وہ کسی شخص کی خواہش کے خلاف کیوں نہ ہو انہیں صبر کرنا چاہیے اور یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بہترین انتخاب کیا ہے خواہ وہ نتائج کے پیچھے حکمت کو نہ بھی دیکھیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

جب کوئی اس سچائی کو صحیح معنوں میں سمجھ لیتا ہے تو وہ مخلوق پر انحصار کرنا چھوڑ دیتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ وہ انہیں فطری طور پر نقصان یا فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اس کے بجائے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے خلوص نیت سے اس کی حمایت اور حفاظت چاہتے ہیں۔

یہ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ انسان کو صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی ترغیب دیتا ہے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر مخلوق انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

اس بات کو تسلیم کرنا کہ انسان کی زندگی اور کائنات کے اندر موجود تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھنے کا ایک حصہ ہے۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے اور صرف اس سطحی یقین سے آگے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ جب یہ بات کسی کے دل میں جم جاتی ہے تو وہ صرف اللہ سے امید رکھتے ہیں، یہ جانتے ہوئے کہ وہی ان کی مدد کرنے والا ہے۔ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں گے۔ حقیقت میں، ایک شخص صرف نقصان سے تحفظ یا کچھ فائدہ حاصل کرنے کے لئے دوسرے کی اطاعت کرتا ہے .صرف اللہ تعالیٰ ہی یہ عطا کر سکتا ہے اس لیے صرف وہی اس کی اطاعت اور عبادت کا مستحق ہے۔ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر کسی دوسرے کی اطاعت کو پسند کرتا ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ یہ دوسرا انہیں کسی قسم کا فائدہ یا نقصان سے بچا سکتا ہے۔ یہ ان کے ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ تمام چیزوں کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہے، لہٰذا مسلمانوں کو صرف اسی کی اطاعت کرنی چاہیے۔ باب 35 فاطر، آیت 2:

"اللہ تعالیٰ لوگوں کو جو کچھ بھی رحمت عطا فرمائے اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ اور جس چیز کو وہ روکے، اس کے بعد اسے کوئی نہیں چھوڑ سکتا۔‘‘

یہ جاننا ضروری ہے کہ کسی ایسے شخص کی اطاعت کرنا جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ترغیب دیتا ہے، درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ مثلاً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت۔ باب 4 النساء آیت 80:

‘‘جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔’’

ثابت قدمی بہادری۔

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک بار تبصرہ کیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ مردوں میں سب سے زیادہ بہادر تھے۔ مکہ کے غیر مسلموں نے ایک بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جسمانی حملہ کیا اور یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے ان میں سے ایک کو مار کر، دوسرے کو روک کر اور دوسرے کو نیچے پھینک کر ان کا دفاع کیا۔ .اس پر امام سیوطی تاریخ الخلفاء، صفحہ 13 میں بحث ہوئی ہے۔

وہ انسانوں میں سب سے زیادہ بہادر تھے کیونکہ وہ بغیر کسی کمزوری کے اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت پر ثابت قدم رہے۔

صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو تقدیر کا بھی صبر کے ساتھ سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم وہ ہے جب کوئی اپنے اچھے کام دوسروں کے سامنے دکھاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہٰذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہے، بجائے اس کے کہ ہر وقت اپنے آپ کو یا دوسروں کی اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے نہ اپنی خواہشات کا علم ہونا چاہیے اور نہ ہی لوگ اسے اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہٰذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

’’...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو‘‘

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے)معمولی (گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، خواہ وہ اس پر عمل کریں۔ یہ مکمل طور پر کرنے کے قابل نہیں ہے .لہٰذا، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو جو صلاحیت عطا کی گئی ہے اسے پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا، بغیر اپنے دل کی صفائی کے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ ،کرنی چاہیے اور اگر لوگوں کے حقوق کا تعلق ہو تو ان سے استغفار کرنا چاہیے۔ باب 46 الاحقاف آیت 13:

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی خوف’’
ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔‘‘

مکہ میں اہل ایمان پر تشدد

مشکل ٹیسٹ

جب مکہ کے غیر مسلموں کی جارحیت میں اضافہ ہوا تو انہوں نے بے دفاع اور معاشرتی طور پر کمزور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے انہیں قید کیا، انہیں زبانی اور جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا، انہیں خوراک اور پانی سے محروم کیا اور ان پر انتہائی قسم کے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔ مثال کے طور پر بلال بن رباح رضی اللہ عنہ مکہ کے ایک غیر مسلم امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ امیہ بلال رضی اللہ عنہ کو جلتی ہوئی ریت پر لیٹنے پر مجبور کرے گی اور پھر ان کے سینے پر ایک بہت بڑا پتھر رکھ دے گی تاکہ انہیں اسلام چھوڑنے پر مجبور کرے۔ لیکن بلال رضی اللہ عنہ اسلام پر ثابت قدم رہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 1، صفحہ 356-357 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو شکرگزار ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان سے اس قسم کی ہولناک آزمائشوں کا سامنا کرنے کا تقاضا نہیں کرتا جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کو ہوا تھا۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو آزمائشوں اور مشکلات کا سامنا کرنے والا ہے جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کیا تھا۔ انہوں نے اپنا مال، گھر، خاندان اور جانیں قربان کر دیں۔ اس کے بجائے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو چند فرضی فرائض سونپے ہیں جن کے لیے ان کے وقت، توانائی اور مال کی بہت کم قربانی درکار ہے۔ اگر کوئی جنت کی عظمت پر غور کرے تو اسے احساس ہو جائے گا کہ وہ قربانیاں دینے کی ترغیب دی گئی ہیں جو وعدے کے انعام کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے، تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتے ہوئے اور اس کی عطا کردہ نعمتوں کو اس کی رضا کے لیے استعمال کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کریں۔

مراعات دینا

اسلام قبول کرنے کے بعد عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو ان کے مالک نے ستایا اور اذیت دی۔ اس پر اس قدر وحشیانہ تشدد کیا گیا کہ وہ اس سے بچنے کے لیے کفر کے کلمات کہنے پر مجبور ہوئے۔ جب اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ سے آگاہ کیا تو موصوف نے ان سے آپ کے روحانی قلب کا حال دریافت کیا۔ جب عمار رضی اللہ عنہ نے اس بات کی تصدیق کی کہ ان کے دل کو ایمان پر یقین ہے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اگر اس کا مطلب جان بچانا ہے تو اپنے عمل کو دہراؤ۔ اسی کے سلسلے میں باب 16 النحل آیت 106 نازل ہوئی:

"جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرتا ہے، سوائے اس کے جو مجبور ہو اور اس کا دل ایمان میں محفوظ ہو۔ لیکن جو لوگ اپنے سینوں کو کفر کے لیے کھول دیتے ہیں ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔''

اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 399-401 میں بحث کی گئی ہے۔

اپنی مثال کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کی مشکلات کا سامنا کرنے والے لوگوں کو آسانی اور رعایت دی۔ عام طور پر، یہ اسلام کی آسان فطرت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 39 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ دین سادہ اور سیدھا ہے۔ اور مسلمان کو اپنے اوپر بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے کیونکہ وہ اسے برداشت نہیں کر سکے گا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو ہمیشہ سادہ دینی اور دنیاوی زندگی گزارنی چاہیے۔ اسلام مسلمانوں سے یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ وہ اعمال صالحہ کی ادائیگی میں اپنے اوپر بوجھ ڈالیں۔ لیکن درحقیقت یہ سادگی سکھاتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پیارا دین ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی، ادب المفرد، نمبر 287 میں موجود ایک حدیث کے مطابق، ایک مسلمان کو سب سے پہلے اپنے ان واجبات کو ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جو بلاشبہ اس کی طاقت میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی طرح پورا کرنا کسی مسلمان پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ اس کی تصدیق قرآن مجید کی سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 286 میں ہوتی ہے:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

اس کے بعد انہیں چاہیے کہ وہ اپنے دن میں سے کچھ وقت اسلامی تعلیمات کے مطالعہ کے لیے نکالیں تاکہ وہ اپنی طاقت کے مطابق قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ روایات پر عمل کر سکیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے جس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6502 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

اگر کوئی مسلمان اس طرز عمل پر قائم رہے تو ان پر ایسی رحمت نازل ہو گی کہ وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے تئیں اپنے تمام فرائض کو پورا کریں گے اور اس دنیا کی حلال لذتوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے وقت نکالیں گے، بغیر کسی فضول خرچی اور اسراف کے۔

اس طرح ایک مسلمان اپنے لیے آسانیاں پیدا کرتا ہے۔ اور اگر ان کے پاس زیر کفالت ہیں، جیسے کہ بچے، تو انہیں چاہیے کہ انہیں اس طرح سکھائیں، ان کے لیے بھی آسانیاں پیدا کریں۔ خود پر زیادہ بوجھ ڈالنا چیزوں کو مشکل بنا دیتا ہے اور کسی کو مکمل طور پر چھوڑنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ اور بہت زیادہ آرام کرنا چیزوں کو مشکل بنا دے گا کیونکہ انسان سستی کی وجہ سے دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جائے گا۔

ایمان پہلے آتا ہے۔

جب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو ان کی غیر مسلم والدہ نے نذر مانی کہ وہ اس وقت تک نہ کھائیں گے جب تک کہ وہ اپنا ایمان نہ چھوڑ دیں۔ سعد رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کے ساتھ بہت زیادہ فرض شناس تھے لیکن ان کی محبت اور ان کی دیکھ بھال نے انہیں اپنے ایمان پر سمجھوتہ نہیں کیا۔ کچھ دن گزرنے کے بعد، اس نے اسے خبردار کیا کہ اگر وہ 100 بار مر بھی جائے تو پھر بھی وہ اپنا ایمان نہیں چھوڑے گا۔ جب اس نے اس کے ثابت قدم کردار کو دیکھا تو اس نے اپنی منت توڑ دی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے باب 29 العنکبوت آیت 8 نازل فرمایا:

"اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ نیکی کا حکم دیا ہے۔ لیکن اگر وہ تجھے میرے ساتھ شریک ٹھہرانے کی کوشش کریں جس کا تجھے کوئی علم نہیں تو ان کی بات نہ ماننا۔ میری طرف تمہارا لوٹنا ہے اور میں تمہیں بتاؤں گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو"۔

اس پر امام محمد السلّابی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرتِ نبوی، جلد 1، صفحہ 402 میں بحث کی گئی ہے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135:

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔‘‘

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخرکار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو ایک مسلمان کی دنیا اور آخرت میں تمام مشکلات سے باحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی عارضی چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں اور کسی خاص طریقے اسکارف اتار دیا ایک مسلمان عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا سے لباس پہن لیا تو وہ کام پر زیادہ عزت دار ہو گی اور کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی سے چڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد کسی پب یا کلب میں مدعو کر سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور ذکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں راستوں پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کس کو ترجیح دی جائے اور کس کا انتخاب کیا جائے۔

کمزوروں کی مدد کرنا

جب معاشرتی طور پر کمزور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کے غیر مسلموں کی طرف سے ظلم و ستم کا نشانہ بن رہے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان غلاموں اور غلاموں کو خرید کر آزاد کر کے ان کی مدد کی جنہوں نے قبول کر لیا تھا۔ اسلام جیسا کہ بلال رضی اللہ عنہ۔ صحیح بخاری نمبر 3754 میں موجود ایک حدیث میں اس کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم کی درج ذیل آیات ان کے نیک اعمال کی وجہ سے نازل ہوئیں۔ باب 92 آل لیل، آیات 5-7:

"جو شخص دیتا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے۔ اور بہترین]انعام [پر یقین رکھتا ہے۔ ہم اسے آسانی کی طرف آسان کر دیں گے۔"

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 1، صفحہ 357-358 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص کسی مسلمان کی تکلیف کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ایک مصیبت کو دور کرے گا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہی سلوک ہوتا ہے جس طرح وہ عمل کرتے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر، باب 2 البقرہ، آیت 152:

"...پس مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد رکھوں گا

ایک اور مثال جامع ترمذی نمبر 1924 میں موجود حدیث میں مذکور ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو دوسروں پر رحم کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر رحم کیا جائے گا۔

پریشانی وہ چیز ہے جو کسی کو پریشانی اور مشکل میں ڈال دیتی ہے۔ لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی دوسرے کے لیے ایسی تکلیف کو آسان کرے خواہ دنیوی ہو یا دینی، وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے سختیوں سے محفوظ رہے گا۔ متعدد احادیث میں مختلف طریقوں سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2449 میں موجود حدیث میں یہ نصیحت فرمائی کہ جس نے کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا اس کو قیامت کے دن جنت کے پھل کھلائے جائیں گے۔ اور جو شخص کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو جنت کا پانی پلائے گا۔

چونکہ آخرت کی مشکلات دنیا میں پائی جانے والی مشکلات سے کہیں زیادہ ہیں یہ ثواب ایک مسلمان کے لیے اس وقت تک روک دیا جاتا ہے جب تک کہ وہ آخرت تک نہ پہنچ جائے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک مسلمان کی مدد کرتا رہے گا جب تک وہ دوسروں کی مدد کرتا رہے گا۔ ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ جب وہ کسی کام کے لیے کوشش کرتے ہیں یا کسی خاص کام کو مکمل کرنے کے لیے کسی دوسرے کی مدد کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ کامیاب یا ناکامی پر ختم ہو سکتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی کی مدد کرتا ہے تو اس کا کامیاب نتیجہ یقینی ہوتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے مفاد کے لیے تمام اچھے کاموں میں دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کریں تاکہ انہیں دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہو۔

اس کے علاوہ، یہ سمجھنا ضروری ہے کہ غلامی کی دوسری شکلیں بھی ہیں جن میں مسلمانوں کو ان کی مدد کرنی چاہیے، جیسے قرضوں کے ذریعے مالی غلامی۔ اس میں دوسروں کو دوسرے لوگوں کے قرضوں کی ادائیگی میں مدد کرنا یا کسی مسلمان پر دوسرے کا قرض واجب الادا ہونے پر چیزوں کو آسان بنانا شامل ہے۔ درحقیقت جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے قرض اتارتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے دونوں جہانوں میں معاف کر دیتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 225 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

برائی کا حکم دینا اور نیکی سے منع کرنا

غیر مسلم رہنما ابو جہل وہ تھا جس نے مکہ کے غیر مسلموں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کرنے پر اکسایا تھا۔ جب اس نے کسی ایسے شخص کے بارے میں سنا جس نے اسلام قبول کر لیا تھا تو وہ اس پر تنقید کرتا، اس کی توہین کرتا اور اس پر الزام لگاتا کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے صحیح طریقے سے چل رہے ہیں۔ وہ معاشرے میں ان کی قدر کو کم کرنے کی کوشش کرے گا، ان کی رائے پر تنقید کرے گا اور ان کی ساکھ کو تباہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ اگر صحابی رضی اللہ عنہ تاجر ہوتے تو دوسروں کو ان کے ساتھ تجارت کرنے سے باز رکھنے کی ترغیب دیتے۔ اگر صحابی رضی اللہ عنہ معاشرتی طور پر کمزور ہوتے تو ابوجہل ان پر جسمانی تشدد کرتا اور امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 1 صفحہ 358 میں دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دیتا۔ اس پر بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس بری ذہنیت کو نہ اپنائے۔ یہ درحقیقت منافقت کا ایک پہلو ہے۔ یہ شخص نہ صرف خود برے کام کرتا ہے اور نیک کاموں سے پرہیز کرتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی ان کی طرح اسی کشتی میں سوار ہوں تاکہ انہیں اپنے برے کردار میں کچھ سکون ملے۔ وہ نہ صرف خود ڈوبتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایک شخص ہر دوسرے شخص کے لیے جوابدہ ہوگا جو ان کی دعوت کی وجہ سے گناہ کرتا ہے۔ اس شخص کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے گا جیسے اس نے گناہ کیا ہے اگرچہ اس نے صرف دوسروں کو اس کی طرف دعوت دی۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 203 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ اسی لیے بعض نے کہا ہے کہ مبارک ہے وہ شخص جس کی برائی ان کے ساتھ مر جائے کیونکہ اگر دوسرے ان کی برائی کی نصیحت پر عمل کریں تو اس کے گناہ بڑھ جائیں گے، حالانکہ وہ زیادہ نہیں ہیں۔ زندہ

ٹیسٹ کا اختتام

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کو مکہ کے غیر مسلموں نے ستایا اور اذیتیں دیں۔ مثال کے طور پر، وہ آگ جلائیں گے اور اسے اس پر لیٹنے پر مجبور کریں گے۔ نے ایک مرتبہ حضور نبی خباب رضی اللہ عنہ مشکلات کے باوجود اسلام پر ثابت قدم رہے۔ اس اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان پر شدید جسمانی اذیت کی شکایت کی اور آپ سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا کریں۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچھلی امتوں کے مومنین کو درپیش مشکلات کا ذکر کر کے صبر کی ترغیب دی۔ مثال کے طور پر سابقہ مومنین کو اس طرح اذیتیں دی گئیں کہ ان کی جلد پر ایک دھاتی کنگھی ڈالی جائے گی تاکہ اسے ان کی ہڈیوں سے اکھاڑ پھینکا جائے پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ چھوڑیں۔ دوسرے کے سر پر آری رکھی جائے گی اور اس سے ان کے جسم کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے لیکن وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں چھوڑیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ضرور فتح عطا فرمائے گا۔ اس کا ذکر صحیح بخاری نمبر 3852 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔

اگرچہ آزمائشوں اور آزمائشوں نے مومنین کو ازل سے ہی متاثر کیا ہے خاص طور پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، لیکن ایسا لگتا ہے کہ جدید دور کے امتحانات مسلمانوں کے لیے مزید مشکلات اور ذلت کا باعث بنتے ہیں۔ جبکہ نیک پیشواؤں کو جن آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا وہ دونوں جہانوں میں عزت کا باعث بنے۔ امتحانات کے نتائج اور نتائج میں اس فرق کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جب صالح پیش رووں کو درحقیقت دورِ حاضر کے مسلمانوں سے بڑے امتحانات کا سامنا کرنا پڑا، جس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 4023 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے، تو انہوں نے ان امتحانات کا سامنا کیا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات کو پورا کرنے اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر پر صبر کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتے ہوئے آزمائشیں اور مشکلات۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بحفاظت امتحان پاس کر گئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دونوں جہانوں میں بڑی عزت و عنایت حاصل کی۔ جبکہ اس دور میں بہت سے مسلمان آزمائشوں کا سامنا کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہتے۔ وہ یہ سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں کہ امتحان میں کامیابی اور عزت صرف انہی کو ملتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہتے ہیں جبکہ نافرمانی صرف رسوائی کا باعث بنتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کنارے پر نہ کریں جہاں وہ آسانی کے وقت صرف اس کے فرمانبردار ہوں اور مشکل کے وقت غصے اور نافرمانی سے اس سے منہ موڑ لیں۔ یہ حقیقی بندگی یا اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہے۔ سیدھے الفاظ میں، کوئی بھی عمل طویل مدت میں مسلمانوں کی مدد نہیں کرے گا اگر وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مبنی نہ ہو۔ نافرمانی صرف ایک

مشکل سے دوسری مشکل کی طرف لے جائے گی، ایک سے دوسری رسوائی۔ باب 4 النساء، آیت 147:

‘‘اللہ تمہارے عذاب کا کیا کرے گا اگر تم شکر گزار ہو اور ایمان لاؤ؟’’

خواتین کے لیے معیاری

اسلام کی پہلی شہید درحقیقت ایک خاتون سمیہ بنت ثابت رضی اللہ عنہا تھیں۔ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کی طرف سے ان پر بہت زیادہ تشدد کیا گیا لیکن اس نے اسلام کو ترک کرنے سے انکار کر دیا اور اس کے نتیجے میں وہ شہید ہو گئیں۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 1 صفحہ 358 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

قرآن کریم نے واضح کیا ہے کہ سب سے زیادہ عزت والا اور اعلیٰ ترین شخص وہ ہے جس کے پاس سب سے زیادہ تقویٰ ہو۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

’’بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز رہتا ہے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے۔ بدقسمتی سے، شیطان نے بہت سی خواتین کو مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی حیثیت پر بحث کرنے کے لیے دھوکہ دیا ہے۔ حالانکہ اسلام نے عورتوں کو ایسی عزت دی ہے جو کسی اور ادارے یا ایمان نے کبھی نہیں دی ہے جیسا کہ جنت جو کہ آخری نعمت ہے، عورت کے قدموں کے نیچے یعنی ماں کے نیچے رکھ دی ہے۔ جامع نسائی نمبر 3106 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اس کی تصدیق سنن ترمذی نمبر 3895 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ بہترین آدمی وہ ہے جو اپنے ساتھ حسن سلوک کرے۔ بیوی بہترین .اور بھی بے شمار مثالیں ہیں۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ عورتوں کو اپنے آپ کو مردوں سے تشبیہ دینے کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ خواہش نہیں ہے۔ اس کے بجائے عورتوں کو تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اگر وہ اسے حاصل کر لیں تو وہ ہر اس مرد یا عورت سے افضل ہوں گی جو ان سے کم تقویٰ کا مالک ہو۔ یہ وہ معیار ہے جو الگ کرتا ہے کہ کون کس سے برتر ہے۔ اور اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ یہ صرف مردوں تک محدود نہیں ہے۔

تاریخ کے اوراق پلٹیں تو وہ عظیم خواتین مسلمان نظر آئیں گی جنہوں نے مرد و زن کے فرق پر بحث و مباحثہ کے بجائے اس اہم کام پر توجہ مرکوز کی اور نتیجہ یہ نکلا کہ وہ مردوں اور عورتوں کی اکثریت سے بہتر ہوئیں۔ یہاں تک کہ اگر مسلمان خواتین کو وہ تمام حقوق مل جائیں جن کا وہ خواب دیکھتی تھیں تب بھی یہ انہیں دوسروں پر اس وقت تک فوقیت نہیں دے سکتی جب تک کہ وہ تقویٰ اختیار نہ کریں۔ یہ اس وقت بالکل واضح ہوتا ہے جب کوئی خبر کو دیکھتا ہے اور جو اپنی مرضی کے مطابق برتاؤ کرتا ہے اور یہ اگلے جہان میں بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی مسلمان دوسروں پر برتری حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے بحث و مباحثہ میں نہیں بلکہ تقویٰ سے تلاش کرنا چاہیے۔

ضد

اگرچہ بہت سے غیر مسلموں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کو سمجھا اور اس پر ایمان لایا، لیکن انہوں نے سراسر ضد اور حسد کی بنا پر آپ کی سختی سے انکار اور مخالفت کی۔ مثال کے طور پر مکہ کے ایک غیر مسلم رہنما ولید بن مغیرہ نے ایک بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن پاک سنا اور اس سے بظاہر متاثر ہوئے۔ چونکہ وہ عربی شاعری میں ماہر تھے، اس لیے وہ جانتے تھے کہ قرآن پاک شاعری نہیں ہے اور اس کے بجائے یہ مانتے تھے کہ یہ خاص اور منفرد ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اعتراف کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتہائی مکرم تھے اور کسی اور سے زیادہ علمی اور اخلاقی بلندیوں پر فائز تھے۔ اس کا اعتراف اس نے مکہ کے ایک اور غیر مسلم رہنما ابو جہل کے سامنے نجی طور پر کیا۔ ابو جہل نے اصرار کیا کہ ولید بن مغیرہ نے کھلے عام اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت کی۔ سچائی کو تسلیم کرنے کے بجائے اس کی ضد اور حسد نے اسے کھلم کھلا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا الزام لگانے کی ترغیب دی۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 1 صفحہ 361 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے باب 74 المدثر آیات 11 تا 24 نازل فرمایا۔

"مجھے اس کے ساتھ چھوڑ دو جس کو میں نے اکیلا بنایا ہے۔ اور جس کو میں نے وسیع دولت عطا کی۔ اور بچے]اس کے ساتھ [موجود ہیں۔ اور اس کے سامنے]سب کچھ [پھیلا دو،]اس کی زندگی کو [آسان کر دو۔ پھر وہ چاہتا ہے کہ میں مزید اضافہ کروں۔ نہیں !بے شک وہ ہماری آیات کی طرف ضد کرنے والا ہے۔ میں اسے سخت عذاب سے ڈھانپوں گا۔ درحقیقت، اس نے سوچا اور سوچا۔ تو وہ تباہ ہو جائے]اس لیے [کہ جس طرح اس نے ارادہ کیا۔ پھر وہ تباہ ہو جائے]کیونکہ[اس نے ارادہ کیا۔ پھر اس نے]دوبارہ [غور کیا۔ پھر اس نے جھنجھوڑ کر کہا۔ پھر واپس پلٹا اور تکبر کرنے لگا۔ اور کہا کہ یہ تو نہیں مگر جادو ہے]دوسروں سے[۔

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 74:11-24، صفحہ 160-161 میں بحث کی گئی ہے۔

بعض دنیوی معاملات میں ہٹ دھرمی اختیار کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے کردار میں بہتری نہیں لاتے۔ اس کے بجائے، وہ اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ یہ کسی نہ کسی طرح ان کی عظیم طاقت اور دانشمندی کی علامت ہے۔ ایمان کے معاملات میں ثابت قدمی ایک قابل تعریف رویہ ہے لیکن اکثر دنیاوی معاملات میں اسے صرف ضد کہا جاتا ہے جو کہ قابل ملامت ہے۔

بدقسمتی سے، کچھ کا خیال ہے کہ اگر وہ اپنا رویہ بدلتے ہیں تو یہ کمزوری کو ظاہر کرتا ہے یا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کر رہے ہیں اور اس وجہ سے وہ ضد کے ساتھ بہتر کے لیے تبدیل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ بالغ لوگ یہ مان کر نادان بچوں کی طرح برتاؤ کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنا رویہ بدل لیتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ہار گئے ہیں جبکہ دوسرے جو اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں وہ جیت گئے ہیں۔ یہ محض بچگانہ ہے۔

درحقیقت ایک ذہین آدمی ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہے گا لیکن دنیاوی معاملات میں جب تک گناہ نہ ہو اپنی زندگی کو آسان بنانے کے لیے اپنا رویہ بدلے گا۔ لہٰذا اپنی زندگی کو سنوارنے کے لیے بدلنا کمزوری کی علامت نہیں بلکہ دراصل ذہانت کی علامت ہے۔

بہت سے معاملات میں، ایک شخص اپنا رویہ تبدیل کرنے سے انکار کرتا ہے اور اپنی زندگی میں دوسروں سے توقع کرتا ہے کہ وہ اپنا رویہ بدلیں، جیسے کہ ان کے رشتہ دار۔ لیکن جو اکثر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ضد کی وجہ سے سب ایک ہی حالت میں رہتے ہیں جس سے باقاعدہ اختلاف اور جھگڑے ہی ہوتے ہیں۔ ایک عقلمند شخص یہ سمجھتا ہے کہ اگر اس کے ارد گرد کے لوگ اس سے بہتر نہیں ہوتے جو ان کی ضرورت سے بہتر ہوتی ہے۔ یہ تبدیلی ان کی زندگی کے معیار اور دوسروں کے ساتھ ان کے تعلقات کو بہتر بنائے گی جو لوگوں کے ساتھ سرکلر بحث کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ یہ مثبت رویہ بالآخر دوسروں کو ان کا احترام کرنے کا سبب بنے گا کیونکہ کسی کے کردار کو بہتر بنانے کے لیے حقیقی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔

جو لوگ ضدی رہتے ہیں وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ ناراض پاتے ہیں جس سے ان کی زندگی سے سکون ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں مزید مشکلات پیدا ہوں گی، جیسے کہ ان کی ذہنی صحت۔ لیکن جو لوگ بہتر کے لیے اپناتے اور بدلتے ہیں وہ ہمیشہ امن کے ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے ہیں۔ اگر کوئی یہ امن حاصل کر لیتا ہے تو کیا اس سے واقعی کوئی فرق پڑتا ہے اگر دوسرے یہ مانتے ہیں کہ وہ صرف اس لیے بدل گئے کہ وہ غلط تھے؟

آخر میں قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ثابت قدم رہنا قابل تعریف ہے۔ لیکن دنیاوی معاملات میں اور ایسے معاملات میں جہاں کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو انسان کو اپنا رویہ بدلنا سیکھنا چاہیے تاکہ وہ اس دنیا میں سکون حاصل کر سکے۔

سنن ابن ماجہ اس کے علاوہ یہ واقعہ حسد کے بڑے گناہ سے بچنے کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ نمبر 4210 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

حسد کرنا ایک سنگین اور کبیرہ گناہ ہے کیونکہ حسد کرنے والے کا مسئلہ کسی دوسرے انسان سے نہیں درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ہے جس نے حسد کرنے والی نعمت عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا انسان کی حسد صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار اور انتخاب سے ناراضگی کو ظاہر کرتی ہے۔ وہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے غلطی کی ہے جب اس نے ان کے بجائے کسی دوسرے شخص کو ایک خاص نعمت مختص کی تھی۔

بعض اپنے قول و فعل سے کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے سے نعمت چھین لیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ بدتر قسم وہ ہے جب حسد کرنے والا مالک سے نعمت کو دور کرنے کی کوشش کرے خواہ حسد کرنے والے کو نعمت نہ ملے۔ حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہ کرے، اپنے جذبات کو ناپسند کرے اور اسی طرح کی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرے بغیر اس کے کہ مالک اس نعمت سے محروم ہو۔ اگرچہ یہ قسم گناہ نہیں ہے اگر حسد کسی دنیوی نعمت

پر ہو تو اسے ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے اور اگر دینی نعمت پر ہو تو قابل تعریف ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 کی ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلا شخص جس پر حلال رشک کیا جا سکتا ہے وہ ہے جو حلال مال حاصل کرے اور خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے طریقوں سے۔ دوسرا وہ شخص جس سے حسد کیا جا سکتا ہے وہ ہے جو اپنے علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرے اور دوسروں کو سکھائے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو چاہیے کہ وہ حسد کرنے والے کے ساتھ حسن سلوک اور حسن سلوک سے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کرے جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہاں تک کہ اس کی حسد ان کے لیے محبت بن جائے۔

برے منصوبے بنانا

مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں میں سے ایک ولید بن مغیرہ نے ایک بار حج کے دوران دوسرے غیر مسلم رہنماؤں سے ملاقات کی۔ زیارت اسلام سے پہلے موجود تھی لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیح طریقے بالکل بدل چکے تھے۔ انہوں نے دیگر قائدین کو نصیحت کی کہ عنقریب بہت سے لوگ حج کی وجہ سے مکہ میں داخل ہوں گے اور وہ اسلام کے پیغام کو پہنچیں گے اس لیے انہیں متفقہ طور پر اس بات پر متفق ہونے کی ضرورت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کیا کہا جائے۔ تاکہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکا جا سکے۔ کسی نے مشورہ دیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کاہن کا لیبل لگا دیں۔ لیکن ولید نے جواب دیا کہ ظاہر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاہن نہیں تھے کیونکہ ان میں کوئی دیوانہ صفت نہیں تھی اس لیے لوگ اسے قبول نہیں کریں گے۔ ایک اور نے مشورہ دیا کہ وہ لوگوں کو بتائیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیوانے تھے اور بد روحوں میں مبتلا تھے۔ لیکن ولید نے جواب دیا کہ ظاہر ہے کہ یہ درست نہیں ہے کیونکہ یہ علامات اس میں ظاہر نہیں تھیں۔ آخر میں کسی نے مشورہ دیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاعر کا لیبل لگا دیں تاکہ لوگ ان کی باتوں پر توجہ نہ دیں۔ لیکن ولید نے پھر جواب دیا کہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید یا اس کی تقریر شاعری نہیں تھی کیونکہ عرب شاعری کے ماہر تھے۔ ولید نے سب کو نصیحت کی کہ وہ یہ دعویٰ کریں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک جادوگر تھے جن کا مقصد لوگوں اور ان کے مذہب کے درمیان تفرقہ ڈالنا اور خاندانوں میں تفرقہ ڈالنا تھا۔ اس منصوبے پر راضی ہونے کے بعد وہ منتشر ہو گئے اور حج کے لیے مکہ میں لوگوں کے سیلاب آنے کا انتظار کرنے لگے اور انہیں متنبہ کیا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ نہ کریں، اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 1، صفحہ جیسا کہ ان کا دعویٰ تھا کہ وہ جادوگر ہیں۔ 362 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو کبھی بھی کسی برے کام کی سازش نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ ہمیشہ، کسی نہ کسی طرح، ان پر الٹا فائر ہی رہے گا۔ یہاں تک کہ اگر یہ نتائج اگلے جہان تک موخر کر دیے جائیں تو آخرکار ان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو نقصان پہنچانا چاہا جیسا کہ وہ اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت، احترام اور پیار چاہتے تھے۔ لیکن یہ واضح ہے کہ ان کی تدبیریں انہیں اپنی خواہش سے دور کر دیتی ہیں۔ باب یوسف، آیت 18 12:

اور وہ اس کی قمیض پر جھوٹا خون لے آئے۔]یعقوب [نے کہا، "بلکہ تمہاری روحوں نے تمہیں "کسی چیز پر آمادہ کیا ہے، اس لیے صبر سب سے زیادہ مناسب ہے۔

جتنی زیادہ برائی کی تدبیریں کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مقصد سے دور کر دے گا۔ خواہ وہ ظاہری طور پر اپنی خواہش پوری کر لیں، اللہ تعالیٰ جس چیز کی خواہش کی تھی وہ دونوں جہانوں :میں ان کے لیے لعنت بن جائے گا الا یہ کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں۔ باب 35 فاطر، آیت 43

لیکن شیطانی سازش اپنے لوگوں کے علاوہ کسی کو نہیں گھیرتی۔ پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے..." ‘‘راستے]یعنی تقدیر [کے سوا انتظار کرتے ہیں؟

اس کے علاوہ یہ واقعہ دوسروں کے ساتھ ہمیشہ نیکی کی خاطر جمع ہونے کی اہمیت کو ظاہر کرتا :یہ باب 4 النساء، آیت 114 سے مربوط ہے ہے نہ کہ برائی کے لیے۔

ان کی زیادہ تر نجی گفتگو میں کوئی بھلائی نہیں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو صدقہ کرنے کا" حکم دیتے ہیں یا جو حق ہے یا لوگوں کے درمیان صلح کرواتے ہیں۔ اور جس نے یہ کام اللہ کی رضامندی کے لیے کیا تو ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی ہے کہ لوگوں کو دوسروں کے ساتھ گفتگو کرتے وقت اپنے آپ کو کیسا برتاؤ کرنا چاہیے تاکہ وہ اپنے اور دوسروں کے لیے فائدہ اٹھا سکیں۔ پہلا یہ کہ جب مسلمان جمع ہوں تو وہ اس بات پر بحث کریں کہ دوسروں کو کس طرح فائدہ پہنچانا ہے جس میں مال اور جسمانی امداد کی شکل میں صدقہ شامل ہے۔ اگر کوئی مسلمان کسی ضرورت مند کی مدد کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے تو یہ ان کی مدد کرنے کے برابر ثواب حاصل کرنے کا ایک بہترین طریقہ ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6800 میں ایک حدیث ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کو نیکی کی طرف ترغیب دیتا ہے اسے اس طرح اجر ملے گا جیسے اس نے خود اچھا عمل کیا۔ اگر

کوئی مشکل میں کسی کی مدد نہیں کر سکتا یا دوسرے کو اس کام کو پورا کرنے کی ترغیب نہیں دے سکتا تو وہ کم از کم دوسروں کو ضرورت مند کے لیے دعا کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔ غائب شخص کے لیے دعا کرنے سے فرشتے دعا کرنے والے کے لیے دعا کرتے ہیں۔ سنن ابوداؤد نمبر 1534 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ یہ ذہنیت گروہ کو ضرورت مندوں سے ملنے کی ترغیب دے سکتی ہے جو انہیں جذباتی مدد فراہم کرتا ہے۔ اس کا ایک طاقتور نفسیاتی اثر پڑتا ہے اور ان کی مشکلات سے نمٹنے کے دوران انہیں طاقت کا ایک نیا انداز فراہم کرتا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جب کوئی کسی ضرورت مند کی حالت کا تذکرہ کرتا ہے تو اس کا مقصد اس کی ضرورت کے وقت ان کی مدد کرنا ہوتا ہے۔ وقت گزرنے اور انہیں طنز کا نشانہ بنانے کی خاطر ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

برکت حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی کسی حلال کے بارے میں بات کرتا ہے جو اس دنیا یا آخرت میں کسی کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ اس پہلو میں اپنی زندگی کے ہر پہلو میں دوسروں کو نیکی کرنے اور برائی سے باز رہنے کی تلقین کرنا شامل ہے۔

تیسرا پہلو جس کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے وہ تعمیری ذہنیت کے ساتھ دوسروں کے ساتھ بات چیت کرنا ہے جو لوگوں کو تباہ کن ذہنیت رکھنے کی بجائے مثبت انداز میں اکٹھا کرتا ہے جو معاشرے میں تفرقہ کا باعث بنتا ہے۔ اگر کوئی شخص محبت بھرے انداز میں لوگوں کو اکٹھا نہیں کر سکتا تو کم از کم وہ کر سکتا ہے کہ ان کے درمیان تفرقہ پیدا نہ ہو۔ یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کیا جائے تو یہ ایک نیکی کے طور پر درج ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2518 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

درحقیقت سنن ابوداؤد نمبر 4919 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دو مخالف مسلمانوں کے درمیان صلح کرنا نماز اور روزہ سے افضل ہے۔ معاشرے میں پائی جانے والی ہر اچھی چیز اسی پاکیزہ رویے کا نتیجہ تھی جیسے سکول، ہسپتال اور مساجد کی تعمیر۔

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو اس آیت میں مذکور عظیم اجر تبھی ملے گا جب وہ نہ صرف ان کے جسمانی عمل ہر شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نیک اعمال انجام دیں گے۔ کی بنیاد پر ان کی نیت پر انعام دیا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک لوگوں سے اپنا اجر ان مسلمان کو قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ بے ایمان حدیث سے ہوتی ہے۔ حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

مثبت طور پر سمجھنا

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے فوت ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف بیٹیوں کے ساتھ رہ گئے تو مکہ کے غیر مسلموں کے سرداروں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ توہین کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب منقطع ہو گیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوگا۔ اس کی موت کے بعد بھول گیا .اس کے نتیجے میں، اللہ تعالیٰ نے سورہ 108 الکوثر، آیات 1-3 نازل کی:

"بے شک ہم نے تمہیں بہت سی خوبیاں عطا کی ہیں۔ پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ درحقیقت تمہارا دشمن ہی کٹا ہوا ہے۔"

اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 108:1-3، صفحہ 166 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ آیات مسلمانوں کو حالات کو ہمیشہ مثبت انداز میں دیکھنے کا درس دیتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے بیٹوں کے نقصان پر صبر کا مظاہرہ کرنے کی ہدایت نہیں کی۔ اس کے بجائے، اس نے اسے ہدایت کی کہ وہ ان بے شمار نعمتوں کا شکر ادا کرے جو اس نے اسے عطا کی تھیں۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ مثبت سوچ اپنائیں کیونکہ یہ مشکلات سے نمٹنے کے لیے ان کی مدد کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہیں۔ جب بھی کسی شخص کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے ہمیشہ ایک سچائی کو سمجھنا چاہیے کہ مشکل اس سے کہیں زیادہ خراب ہو سکتی تھی۔ اگر یہ دنیاوی مسئلہ تھا تو انہیں شکر گزار ہونا چاہئے کہ یہ ان کے ایمان کو متاثر کرنے والی مصیبت نہیں تھی۔ مشکل کے ساتھ آنے والے فوری غم پر غور کرنے کے بجائے انہیں انجام اور اس انعام پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جو اللہ تعالیٰ

کی رضا کے لیے صبر کا مظاہرہ کرنے والوں کے لیے منتظر ہے۔ جب کوئی شخص چند نعمتوں سے محروم ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ ان گنت نعمتوں کا ذکر کرے جو اس کے پاس موجود ہیں۔ ہر مشکل میں ایک مسلمان کو قرآن کریم کی آیت یاد رکھنی چاہیے جو مسلمانوں کو یاد دلاتی ہے کہ مشکلات اور آزمائشوں میں بہت سی پوشیدہ حکمتیں ہیں جن کا اس نے مشاہدہ نہیں کیا۔ لہٰذا وہ جس صورتحال کا سامنا کر رہے ہیں وہ اس صورتحال سے بہتر ہے جس کی ان کی خواہش تھی۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

آخر میں، ایک مسلمان کو ان حقائق اور دیگر چیزوں پر غور کرنا چاہیے تاکہ وہ ایک مثبت سوچ اپنائے جو مشکلات سے اس طرح نمٹنے کے لیے کلیدی عنصر ہے جو دونوں جہانوں میں بے شمار نعمتوں کا باعث ہے۔ یاد رکھیں، کپ آدھا خالی نہیں ہے بلکہ آدھا بھرا ہوا ہے۔

غیر جانبدار رہو

مکہ کے غیر مسلموں کے ایک رئیس عتبہ بن ربیعہ نے ایک بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے مشن پر سمجھوتہ کرنے کے بارے میں بات کی۔ جواب کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں قرآن مجید کی چند آیات سنائیں۔ اس کے بعد عتبہ مکہ کے غیر مسلموں کے رہنماؤں کے پاس واپس آیا اور جو کچھ اس نے سنا اس سے بظاہر متاثر ہوا۔ انہوں نے انہیں بتایا کہ قرآن پاک منفرد ہے، یہ شاعری یا جادوگری نہیں ہے۔ اس کے بعد اس نے انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے کاروبار سے دور رہنے کا مشورہ دیا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ قرآن پاک پورے عرب کو متاثر کرے گا۔ انہوں نے مزید کہا کہ اگر عرب کے دوسرے غیر مسلم اسلام کو ختم کر دیں تو اس سے ان کا مسئلہ حل ہو جائے گا لیکن اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ حاصل ہو گیا تو وہ اس میں شریک ہوں گے کیونکہ وہ ان کے رشتہ دار تھے جنہوں نے پرہیز کیا۔ اسے اور اس کے مشن کو نقصان پہنچانے سے۔ لیکن مکہ ،کے غیر مسلموں کے قائدین نے ان کے مشورے کو رد کر دیا۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 1، صفحہ 365-366 میں بحث کی گئی ہے۔

عتبہ کا مشورہ دوسروں کی طرف غیر جانبدار رہنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے، خاص طور پر اگر کوئی ان کے مقصد میں دوسروں کی مدد کرنے کی خواہش نہیں رکھتا ہے۔

عام طور پر، مسلمان اکثر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ چونکہ وہ اپنی دنیاوی سرگرمیوں میں بہت مصروف ہیں، انہیں رضاکارانہ طور پر نیک اعمال کرنے میں مشکل پیش آتی ہے، خاص طور پر وہ کام جو لوگوں سے متعلق ہوتے ہیں، جیسے کسی کی جسمانی مدد کرنا۔ اگرچہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ رضاکارانہ عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جس سے ان کو دونوں جہانوں میں فائدہ پہنچے گا جبکہ ان کی دنیاوی سرگرمیاں انہیں اس دنیا میں ہی فائدہ پہنچائیں گی، کم از کم ان مسلمانوں کو غیر جانبدارانہ ذہنیت اختیار کرنی چاہئے۔ دوسرے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان دوسروں کی مدد نہیں کرسکتا تو اسے ان کے حلال اور اچھے کاموں میں رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہیے۔ اگر وہ دوسروں کو خوش نہیں کر سکتے تو انہیں غمگین نہ کریں۔ اگر وہ دوسروں کو نہیں ہنسا سکتے تو انہیں رونا نہیں چاہیے۔ اس کا اطلاق بے شمار منظرناموں پر کیا جا سکتا ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ بہت سے مسلمان دوسروں کے ساتھ بھلائی کر سکتے ہیں، جیسے کہ انہیں جذباتی مدد فراہم کرتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ لوگوں کی طرف منفی رویہ اختیار

کر کے اپنے اچھے اعمال کو تباہ کر دیتے ہیں۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اگر کوئی مسلمان دوسروں کے بارے میں حد سے زیادہ منفی رویہ اختیار کرتا ہے تو یہ اسے قیامت کے دن جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ غیر جانبدارانہ ذہنیت کا ہونا دراصل ایک نیک عمل ہے جب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا جائے۔ صحیح مسلم نمبر 250 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا بہتر ہے جو کہ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث کے مطابق ایک سچے مومن کی علامت ہے۔ غیر جانبدار طریقہ .جیسا کہ دوسروں کے ساتھ منفی سلوک کرنا کسی کی تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔

دوسروں کو گمراہ کرنا

مکہ کے غیر مسلموں میں سے ایک رئیس، نادر بن حارث، ایسی خواتین گلوکاروں کو خریدتا تھا جو اپنے سحر اور گانوں کے ذریعے لوگوں کو اسلام کی دعوت سننے اور قبول کرنے سے دور کر دیتی تھیں۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے باب 31 لقمان آیت 6 نازل فرمایا۔

اور لوگوں میں سے کوئی ایسا ہے جو بغیر علم کے اللہ کی راہ سے]دوسروں کو [گمراہ کرنے" کے لیے لذت کا سامان خریدتا ہے اور اس کا مذاق اڑانے والا ہے۔ ان کے لیے ذلت آمیز عذاب ہو گا۔''

اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب مہر بند نیکٹر صفحہ 91 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ دوسروں کو نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والے کو ان کی نصیحت پر عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کو گناہوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں ان سے ایسا حساب لیا جائے گا جیسے انہوں نے گناہ کیے ہوں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ دوسروں کو نصیحت اور رہنمائی کرتے وقت احتیاط برتیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نیکی کے کاموں میں صرف اس لیے نصیحت کرے کہ وہ اس سے ثواب حاصل کریں اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نصیحت کرنے سے گریز کریں۔ ایک شخص قیامت کے دن محض یہ دعویٰ کر کے عذاب سے نہیں بچ سکے گا کہ وہ صرف دوسروں کو گناہوں کی طرف دعوت دے رہا ہے چاہے اس نے خود گناہ کیوں نہ کیے ہوں۔ اللہ تعالیٰ رہنما اور پیروکار دونوں کو ان کے اعمال کے لیے جوابدہ ٹھہرائے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کو

دوسروں کو صرف وہی کام کرنے کی تلقین کرنی چاہیے جو وہ خود کریں گے۔ اگر وہ اپنے نامہ اعمال میں کسی عمل کو ناپسند کرتے ہیں تو انہیں دوسروں کو اس عمل کی تلقین نہیں کرنی چاہیے۔

اس اسلامی اصول کی وجہ سے مسلمانوں کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے مناسب علم حاصل کریں کیونکہ اگر وہ دوسروں کو غلط نصیحت کرتے ہیں تو وہ آسانی سے اپنے گناہوں کو بڑھا سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ، یہ اصول مسلمانوں کے لیے ان کاموں کا اجر حاصل کرنے کا ایک انتہائی آسان طریقہ ہے جو وہ خود اسباب کی کمی کی وجہ سے انجام نہیں دے سکتے، جیسے کہ دولت۔ مثال کے طور پر، ایک شخص جو مالی طور پر صدقہ دینے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے وہ دوسروں کو ایسا کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ صدقہ کرنے والے کے برابر ثواب حاصل کرے گا۔

برائی کا حکم دینا

مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے بہت کوششیں کیں۔ ابو لہب جو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غیر مسلم چچا تھا، خاص طور پر شریر تھا۔ اس نے ایک مرتبہ اپنے دونوں بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیویوں رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دیں جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں تھیں۔ ابو لہب نے اپنے دونوں بیٹوں کی شادیوں میں خلل ڈالا اور صرف اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچایا۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 93 میں بحث کی گئی ہے۔

منافقت کا ایک حصہ یہ ہے کہ انسان نہ صرف خود برے کام کرتا ہے اور عمل صالح سے باز رہتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی ان کی طرح اسی کشتی میں سوار ہوں تاکہ انہیں اپنے برے کردار میں کچھ سکون ملے۔ وہ نہ صرف خود ڈوبتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایک شخص ہر دوسرے شخص کے لیے جوابدہ ہوگا جو ان کی دعوت کی وجہ سے گناہ کرتا ہے۔ اس شخص کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے گا جیسے اس نے گناہ کیا ہے اگرچہ اس نے صرف دوسروں کو اس کی طرف دعوت دی۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 203 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ اسی لیے بعض نے کہا ہے کہ مبارک ہے وہ شخص جس کی برائی ان کے ساتھ مر جائے، کیونکہ اگر دوسرے ان کی برائی کی نصیحت پر عمل کریں تو اس کے گناہ بڑھ جائیں گے حالانکہ وہ زیادہ نہیں ہیں۔ زندہ

گمراہ کرنے والے دوست

ایک مرتبہ مکہ کے غیر مسلموں میں سے تین بزرگ ابوجہل، ابو سفیان اور اخنس بن شریک نے رات چھپ کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنتے اور قرآن پاک کی تلاوت کی۔ یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے سے چھپے ہوئے تھے اور صرف اس بات کا احساس کرتے تھے کہ جب وہ صبح کے وقت اپنے گھروں کی طرف روانہ ہوئے تو دوسروں نے کیا کیا تھا۔ انہوں نے ایک دوسرے کی سرزنش کی اور ایک دوسرے کو حکم دیا کہ وہ اپنی حرکتیں نہ دہرائیں کیونکہ اس سے صرف یہ تاثر ملے گا کہ اسلام ہی حق ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی اپنی نصیحت پر قائم نہیں رہا اور اگلی رات اور اس کے بعد کی رات بھی یہی بات دہرائی۔ تیسری رات، انہوں نے ایک بار پھر ایک دوسرے پر تنقید کی اور ایک دوسرے پر زور دیا کہ وہ اپنے رویے کو نہ دہرانے کا وعدہ کریں۔ یہ امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 1، صفحہ 366-367 میں درج ہے۔

اگر وہ ایک دوسرے کے اتنے برے ساتھی نہ ہوتے تو شاید وہ حق کو قبول کر لیتے۔ لہٰذا، یہ بری صحبت سے بچنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ سچی محبت کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتا ہے، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ اس لیے کہ اطاعت دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی اور سلامتی کا باعث بنتی ہے۔ جو شخص کسی شخص کے لیے حفاظت اور کامیابی کا خواہاں نہیں ہے وہ کبھی بھی ان سے حقیقی محبت نہیں کر سکتا چاہے وہ کیا دعویٰ کرے یا دوسرے شخص کے ساتھ کیسا سلوک کرے۔ جس طرح بندہ اس وقت خوش ہوتا ہے جب اس کے محبوب کو دنیاوی کامیابی ملتی ہے، جیسے نوکری کی، وہ بھی اپنے محبوب سے آخرت کی کامیابی کی تمنا کرے گا۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی حفاظت اور کامیابی کی پرواہ نہیں کرتا ہے خاص طور پر اگلے جہان میں تو وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔

ایک سچا عاشق اپنے محبوب کو دنیا یا آخرت میں مشکلات اور عذاب کا سامنا کرتے ہوئے جاننا اور دیکھنا برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتے۔ اگر کوئی شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کے بجائے کسی دوسرے کو اپنے ذاتی مفاد یا دوسروں کے مفاد کی طرف لے جائے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں رکھتے۔ یہ تمام رشتوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دوستی اور رشتہ دار۔

لہٰذا ایک مسلمان کو یہ اندازہ لگانا چاہیے کہ آیا اس کی زندگی میں وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو یہ ان کے لیے ان کی محبت کی واضح علامت ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں کرتے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

’’اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔‘‘

دنیاوی مقابلہ

مکہ کے غیر مسلم رہنما اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو جہل سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کریم کے بارے میں آپ کی دیانت دارانہ رائے کیا ہے؟ .اس نے جواب دیا کہ وہ جانتے ہیں کہ اسلام حق ہے لیکن اس نے تبصرہ کیا کہ ان کا قبیلہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ سماجی حیثیت کے لیے ہمیشہ سے حریف رہا ہے۔ وہ غریبوں کو کھانا کھلانے، لوگوں کی مدد کرنے، خیرات دینے اور دیگر سماجی کاموں میں مقابلہ کرتے۔ لیکن جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا تو ان کا قبیلہ اس کا مقابلہ نہ کر سکا۔ چنانچہ اس دنیاوی مقابلے کی وجہ سے اس نے قسم کھائی کہ وہ کبھی بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو قبول نہیں کریں گے، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ وہ سچ کہہ رہے ہیں۔ یہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 1 صفحہ 367 میں درج ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام آیت نمبر 33 نازل فرمائی۔

ہم جانتے ہیں کہ آپ ان کی باتوں سے دکھی ہیں۔ اور درحقیقت وہ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے بلکہ" یہ اللہ کی آیات ہیں جنہیں ظالم جھٹلاتے ہیں۔

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 6:33، صفحہ 75-76 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 4297 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متنبہ کیا ہے کہ عنقریب ایک ایسا دن آنے والا ہے جب دوسری قومیں امت مسلمہ پر حملہ آور ہوں گی اور اگرچہ وہ کثیر تعداد میں ہوں گی۔ دنیا کی طرف سے غیر معمولی سمجھا جائے .اللہ تعالیٰ دوسری قوموں کے دلوں سے مسلمانوں کا خوف نکال دے گا۔ یہ مسلم قوم کی مادی دنیا سے محبت اور موت سے نفرت کی وجہ سے ہوگا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ابھی تعداد میں کم تھے، پوری قوموں پر غالب آگئے جبکہ مسلمان آج تعداد میں زیادہ ہیں، دنیا میں ان کا کوئی سماجی یا سیاسی اثر و رسوخ نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی زندگی اسلام کی تعلیمات کے مطابق بسر کی اور دنیا کی حلال لذتوں سے لطف اندوز ہونے کے بجائے آخرت کی تیاری کی۔ جبکہ آج اکثر مسلمانوں نے اس کے برعکس ذہنیت اختیار کر لی ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تمام گناہوں کی جڑ مادی دنیا کی محبت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو بھی گناہ کیا جاتا ہے وہ اس کی محبت اور خواہش سے کیا جاتا ہے۔ مادی دنیا کو چار پہلوؤں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :شہرت، قسمت، اختیار اور کسی کی سماجی زندگی، جیسے ان کے رشتہ دار اور دوست۔ یہ ان چیزوں کے زیادہ حصول میں ہے جو گناہوں کی طرف لے جاتے ہیں، جیسے کہ قسمت کی محبت میں ناجائز دولت کمانا۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ دولت اور اختیار کی محبت ایمان کے لیے اس تباہی سے زیادہ تباہ کن ہے کہ اگر دو بھوکے بھیڑیوں کو بکریوں کے ریوڑ پر چھوڑ دیا جائے۔ جب بھی لوگ مادی دنیا کے ان پہلوؤں کی زیادتی کے خواہاں ہوتے ہیں تو یہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا باعث بنتا ہے۔ جب ایسا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ختم ہو جاتی ہے جو مصیبت کے سوا کچھ نہیں دیتی۔

حالانکہ بعض مسلمانوں کا خیال ہے کہ مادی دنیا کی ضرورت سے زیادہ چیزوں کا تعاقب کرنا نقصان دہ ہے یہ وہ چیز ہے جس کے خلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی احادیث میں تنبیہ کی ہے جیسے کہ صحیح بخاری نمبر 3158 میں موجود ہے۔ کہ وہ مسلمانوں کی غربت سے نہیں ڈرتا تھا۔ اسے جس چیز کا اندیشہ تھا وہ یہ تھا کہ مسلمان اس مادی دنیا کی زیادتی کے پیچھے لگ جائیں گے، جیسے کہ دولت کی زیادتی، اور اس کی وجہ سے وہ اس پر ایک دوسرے سے مقابلہ کریں گے اور یہ ان کی تباہی کا باعث بنے گا۔ جیسا کہ اس حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ یہ گزشتہ امتوں کا طرز عمل تھا۔

چونکہ مادی دنیا محدود ہے یہ ظاہر ہے کہ اگر لوگ اپنی ضروریات سے زیادہ چاہیں تو اس میں مقابلہ کرنا پڑے گا۔ یہ مقابلہ انہیں ان خصوصیات کو اپنانے پر مجبور کرے گا جو ایک سچے مسلمان کے کردار سے متصادم ہوں، جیسے کہ دوسروں کے لیے حسد اور دشمنی۔ وہ ایک دوسرے کی دیکھ بھال کرنا چھوڑ دیں گے کیونکہ وہ مادی دنیا کو جمع کرنے اور جمع کرنے میں مقابلہ کرنے میں بہت مصروف ہیں۔ اور وہ صحیح بخاری نمبر 6011 میں موجود ایک حدیث میں دی گئی نصیحت کے خلاف ہوں گے، جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ جب جسم کا کوئی حصہ

کسی بیماری میں مبتلا ہو جائے تو باقی جسم کو درد میں شریک ہو کر مسلمانوں کو ایک جسم کی طرح عمل کرنا چاہیے۔ یہ مقابلہ ایک مسلمان کو دوسروں کے لیے وہی پسند کرنا چھوڑ دے گا جو وہ اپنے لیے پسند کرتے ہیں جو کہ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث کے مطابق ایک سچے مومن کی خصوصیت ہے کیونکہ وہ دنیاوی چیزوں میں اپنے ساتھی مسلمانوں پر سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔ اس مقابلے پر قائم رہنا ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے بجائے مادی دنیا کی خاطر محبت، نفرت، دینے اور سب کچھ روکنے کا سبب بنے گا، جو کہ سنن میں موجود ایک حدیث کے مطابق ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔ ابوداؤد، نمبر 4681۔ یہ مقابلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آج کے بہت سے مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہے۔

اگر مسلمان دوبارہ طاقت حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اسلام پر اثر انداز ہونا چاہتے ہیں تو انہیں اس مادی دنیا کو حاصل کرنے اور جمع کرنے کی کوشش پر آخرت کی تیاری کو ترجیح دینی چاہیے۔ یہ انفرادی سطح سے ہونا چاہیے جب تک کہ اس کا اثر پوری قوم پر نہ پڑے۔

بردباری

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غیر مسلم چچا ابو جہل نے ایک بار کھلے عام اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ اگر اسلام اس کی طرف سے حق ہے تو ان پر پتھر برسائے یا ان پر برسائے۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہے .اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ 8 انفال، آیات 32-33 نازل فرمائی:

اور یاد کرو جب انہوں نے کہا اے اللہ اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر'' برسا یا ہم پر دردناک عذاب لے آ''۔ لیکن اللہ ان کو عذاب نہیں دے گا جب تک کہ آپ)صلی اللہ علیہ وسلم (ان میں سے ہوں گے اور اللہ ان کو عذاب نہیں دے گا جب تک کہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔

صحیح بخاری نمبر 4649 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

عام طور پر، اسلام میں ایک اصول کو سمجھنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہمیشہ لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتا جیسا کہ آسمان سے پتھروں کا برسنا۔ اکثر سزا اتنی باریک ہوتی ہے کہ غلط کرنے والے کو یہ سمجھنے میں بھی مشکل پیش آتی ہے کہ انہیں ان کی مسلسل نافرمانی کی سزا دی جا رہی ہے۔ اس کی ایک مثال ذہنی اور جذباتی مسائل جیسے تناؤ، بے چینی اور ڈپریشن کا سامنا ہے۔

اس کے علاوہ ایک ضدی اور بدکار قوم کو مکمل طور پر تباہ کر دینا قبل اس کے کہ پیغام پوری طرح پہنچ جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم سے نکل جانے کا حکم دیا جائے، یہ اللہ تعالیٰ کی سنت کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ نرمی کی وجہ سے اس کے لیے عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔ اس کے بجائے وہ انہیں خلوص دل سے توبہ کرنے اور اپنے طرز عمل کو درست کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ جو مسلمان اس بات کو سمجھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی امید نہیں چھوڑے گا، بلکہ حد سے تجاوز نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر خواہش مندانہ سوچ اختیار کرے گا، انہیں کبھی عذاب نہیں دے گا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ سزا میں صرف تاخیر ہوتی ہے جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہیں کرتے۔ پس یہ الہی نام ایک مسلمان میں امید اور خوف پیدا کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو اس تاخیر کو توبہ کرنے اور نیک کاموں کی طرف جلدی کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

ایک مسلمان کو اس الہی نام پر لوگوں کے ساتھ نرمی سے کام لینا چاہیے، خاص طور پر جب وہ برے کردار کا مظاہرہ کریں۔ انہیں دوسروں کے ساتھ نرمی کا مظاہرہ کرنا چاہئے جس طرح وہ اللہ تعالیٰ سے ان کی غفلت کے لمحات میں ان کے ساتھ نرمی برتنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں اپنی بری خصوصیات کے ساتھ نرمی نہیں برتنی چاہئے یہ جانتے ہوئے کہ گناہوں کی سزا میں تاخیر ہوتی ہے جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کر لیں تب تک ہمیشہ کے لئے ترک نہیں کیا جاتا۔ انہیں بھی چاہیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق برائی کا جواب اچھائی سے دیتے ہوئے نرمی پر ثابت قدم رہیں۔ باب 41 فصیلات، آیت 34:

"اور اچھے اور برے کام برابر نہیں ہیں۔ برائی کو اس]عمل [سے دفع کرو جو بہتر ہو۔ پھر جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ گویا ایک مخلص دوست ہو گا۔

ایک دیرپا چیلنج

مکہ کے غیر مسلموں نے اپنی زندگی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گزاری اور بخوبی جانتے تھے کہ وہ جھوٹے یا دیوانے نہیں ہیں۔ عربی زبان کے ماہر ہونے کی وجہ سے وہ بخوبی جانتے تھے کہ قرآن پاک کسی انسان یا جن کا کلام نہیں ہے۔ لیکن وہ کھل کر اس حقیقت کا اعلان نہ کر سکے اور اس کے بجائے یہ دعویٰ کیا کہ مصنف یا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں یا کوئی اور۔ اللہ تعالیٰ نے ایک سے زیادہ موقعوں پر ان کے سامنے قرآن مجید سے ملتی جلتی کوئی چیز پیش کرنے کا چیلنج دیا۔ انہوں نے جتنی کوشش کی وہ کبھی نہیں کر سکے اور نہ ہی کوئی اور کر سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 23:

"اور اگر تمھیں اس چیز میں شک ہے جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل کی ہے تو اس جیسا ایک باب لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔"

قرآن پاک میں ایسی بے شمار صفات ہیں جو اسے کسی بھی دنیوی کتاب سے ممتاز کرتی ہیں۔ قرآن کریم کا یہ پہلو اتنا شدید ہے کہ اس کی بے شمار زندگیوں میں وضاحت یا بحث بھی نہیں کی جا سکتی، لیکن ان میں سے چند ایک خوبیوں کا یہاں ذکر کیا جائے گا۔ سب سے پہلے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات (صرف انسانوں کو نہیں) کو ایک کھلا چیلنج دیا ہے اور نہ صرف ان لوگوں کے لیے جو اس الٰہی وحی کے نازل ہونے کے وقت موجود تھے بلکہ تمام مخلوقات کے لیے وقت کے اختتام تک ایک چیلنج دیا ہے۔ چیلنج یہ ہے کہ اگر لوگ یہ مانتے ہیں کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ وحی نہیں ہے تو انہیں چاہیے کہ وہ ایک ایسا باب تیار کریں جو قرآن پاک کے کسی باب کا مقابلہ کر سکے۔ باب 2 البقرہ، آیت 23:

"اور اگر تمھیں اس چیز میں شک ہے جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل کی ہے تو اس جیسا ایک باب لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔"

پوری کرہ ارض پر کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جو اس قسم کا کھلا چیلنج دے سکتی ہو۔ لیکن 1400 سال پہلے قرآن کریم نے پوری کائنات کو یہ چیلنج دیا تھا اور آج تک یہ چیلنج نہ غیر مسلم جیتے ہیں اور نہ ہی انشاء اللہ کبھی مل سکے گا۔

قرآن کریم کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ اس نے مستقبل کے واقعات کے نتائج کو بیان کیا ہے۔ لیکن ان بیانات کے بارے میں زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس کے نتائج اس وقت ناممکن نظر آتے تھے۔ مثال کے طور پر باب 48 الفتح، آیت 28:

”وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے۔ دین حق کو تمام مذاہب پر غالب کر دے اور اللہ گواہ کافی ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو مکہ کا پورا شہر اسلام تھا چنانچہ جب اہل مکہ نے یہ آیت سنی تو بدقسمتی سے ان کے لیے یہ مان لیا کہ اسلام بہت کمزور ہے اس لیے زیادہ دیر زندہ نہیں رہے گا اور یقینی طور پر مکہ کی سرحدوں سے باہر نہیں پھیل سکے گا۔ پوری دنیا اکیلے .لیکن چند ہی سالوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا کر دیا۔

اس کی ایک اور مثال کس طرح قرآن پاک نے مستقبل کے واقعہ کی پیشین گوئی کی جو اس وقت ناقابل تصور تھا باب 30 اروم، آیات 2-5 میں پایا جاتا ہے:

"رومیوں کو مغلوب کیا گیا ہے۔ آس پاس کی زمین میں اور ان کے زیر تسلط ہونے کے بعد وہ عنقریب غالب آجائیں گے۔ چند سالوں میں. حکم صرف اللہ کا ہے پہلے اور بعد میں۔ اور اس دن مومن خوش ہوں گے۔ اللہ کی مدد سے وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے۔ اور وہ غالب اور رحم کرنے والا ہے۔“

قرآن پاک کی یہ آیات ایسے وقت میں نازل ہوئیں جب رومی)عیسائی (فارسیوں)آگ پرستوں (کے ساتھ جنگ میں تھے۔ اس جنگ کی تصدیق کئی مستند تاریخی کتب سے ہوئی ہے۔ اس خاص وقت میں فارسی جنگ جیتنے کے راستے پر تھے۔ ایک موقع پر روم خود فارسیوں سے گھرا ہوا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رومی بالآخر فتح یاب ہو کر حکومت کریں گے۔ مکہ کے غیر مسلم جو خود بت پرست تھے انہوں نے فارسیوں کی حمایت کی اور اکثریت سے اتفاق کیا کہ رومیوں کا جیتنا ناممکن ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کی طرح ان آیات کو درست ثابت کیا اور رومیوں کو فتح کی اجازت دی۔

:ایک آخری مثال جو دنیا کے سائنسدانوں کو دلکش ہے، باب 21 الانبیاء، آیت 33 میں نظر آتی ہے

اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا۔ ہر ایک ایک دائرے میں تیر" "رہا ہے۔

صدیوں سے سائنس دان ان نظریات پر لڑتے رہے ہیں کہ نظام شمسی کو کس طرح ترتیب دیا گیا ہے جیسے کہ آیا سورج ساکن رہتا ہے اور زمین گرد گھومتی ہے یا اس کے برعکس۔ صرف نسبتاً حال ہی میں تمام مختلف عقائد اور پس منظر سے تعلق رکھنے والے سائنسدانوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ ہر اعتراض؛ سورج، چاند اور زمین سب اپنے اپنے محور پر گھومتے ہیں اور ایک مقررہ مدار میں ایک دوسرے کے گرد گھومتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے 1400 سال پہلے اس کا اعلان کر دیا تھا۔ قرآن پاک کی سائنس سے متعلق تمام آیات کو آج سائنسدان آہستہ آہستہ ثابت کر رہے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا ثبوت ہے جو اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ قرآن پاک ایک اور واحد سچے خدا، اللہ تعالٰی کے الفاظ ہیں، جس نے اس کائنات اور اس میں موجود ہر چیز کو پیدا کیا ہے، کیونکہ صرف ایک خالق ہی اپنی تخلیقات کی صحیح معنوں میں وضاحت کر سکتا ہے۔

اگرچہ قرآن کریم کے بہت سے احکام لوگوں کو سمجھ نہیں آتے اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ غلط ہیں۔ قرآن کریم کی بعض آیات جن کی حکمت انسان پر مخفی تھی وہ اس وقت ظاہر ہوئیں جب معاشرہ ترقی کی ایک خاص منزل پر پہنچ گیا۔ چونکہ پورا قرآن حکیم اور ہدایت کی کتاب ہے اس کو قبول کرنا چاہیے خواہ کوئی اس کے احکام کو سمجھے یا نہ سمجھے۔ یہ صورت حال بالکل ایسے بچے جیسی ہے جو نزلہ زکام میں مبتلا ہو اور آئس کریم کا خواہش مند ہو لیکن اس کے والدین اسے نہیں دیتے۔ بچہ پیچھے کی حکمت کو سمجھے بغیر روتا رہے گا لیکن جو علم رکھتے ہیں وہ والدین کی بات سے اتفاق کریں گے اگرچہ ظاہری طور پر ایسا لگتا ہے جیسے والدین کا فیصلہ بچے پر ظلم کر رہا ہے۔

جب قرآن پاک کا مطالعہ کیا جائے گا تو یہ احساس ہوگا کہ اس میں واضح اور لطیف معانی دونوں کے ذریعے برتری کے مختلف درجات موجود ہیں جن پر یہ بحث کرتا ہے۔ باب 11 ہود، آیت 1:

"یہ [ایک کتاب ہے جس کی آیات کو مکمل کیا گیا ہے اور پھر اس کی طرف سے تفصیل کے... ساتھ پیش کیا گیا ہے جو حکمت اور باخبر ہے۔"

اس میں تاثرات بے مثال ہیں اور اس کے معنی سیدھے سادے انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس کی آیات انتہائی فصیح ہیں اور کوئی دوسرا متن اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ قرآن کریم نے پچھلی امتوں کے قصے بھی تفصیل سے بیان کیے ہیں حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاریخ میں تعلیم یافتہ نہیں تھے۔ اس نے ہر قسم کی بھلائی کا حکم دیا اور ہر قسم کی برائی سے منع کیا، وہ جو ایک فرد کو متاثر کرتی ہیں اور جو پورے معاشرے کو متاثر کرتی ہیں تاکہ گھروں اور معاشرے میں امن و سلامتی پھیل جائے۔ قرآن مجید نظموں اور کہانیوں کے برعکس مبالغہ آرائی، جھوٹ یا جھوٹ سے پاک ہے۔ قرآن پاک کی تمام آیات خواہ چھوٹی ہوں یا لمبی، فائدہ مند ہیں۔ یہاں تک کہ جب قرآن پاک میں ایک ہی کہانی کو دہرایا جائے تو اس سے مختلف اہم اسباق سیکھے جا سکتے ہیں۔ دوسری تمام کتابوں کے برعکس قرآن پاک بار بار پڑھنے سے بور نہیں ہوتا اور حق کا متلاشی اس کے مطالعہ سے کبھی تنگ نہیں ہوتا۔ قرآن پاک نہ صرف تنبیہات اور وعدے فراہم کرتا ہے بلکہ ان کی تائید غیر متزلزل اور واضح دلائل سے کرتا ہے۔ جب قرآن پاک کسی بھی چیز پر بحث کرتا ہے جو تجریدی معلوم ہو، جیسے صبر کو اپنانا، تو یہ ہمیشہ اس پر عمل کرنے کا ایک آسان اور عملی طریقہ فراہم کرتا ہے۔ یہ ایک سادہ لیکن گہرے طریقے سے اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کرنے اور ابدی آخرت کے لیے تیاری کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ دونوں جہانوں

میں حقیقی کامیابی کے خواہشمند کے لیے سیدھا راستہ واضح اور دلکش بنا دیتا ہے۔ اس کے اندر موجود علم لازوال ہے اور اس کا اطلاق ہر معاشرے اور دور میں کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہر جذباتی، معاشی اور جسمانی مشکل کے لیے شفا ہے جب اسے صحیح طریقے سے سمجھا جائے اور اس کا اطلاق کیا جائے۔ یہ ہر ایک فرد یا پورے معاشرے کو درپیش ہر مسئلے کا علاج ہے۔ صرف تاریخ کے اوراق پلٹنے کی ضرورت ہے تاکہ ان معاشروں کا مشاہدہ کیا جا سکے جنہوں نے قرآن کریم کی تعلیمات کو صحیح طریقے سے نافذ کیا تاکہ اس کے تمام محیط فوائد کو سمجھ سکے۔ صدیاں گزر گئیں ابھی تک قرآن پاک میں ایک حرف بھی ایسا نہیں آیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا۔ تاریخ کی کوئی اور کتاب اس معیار کی حامل نہیں ہے۔ باب 15 الحجر، آیت 9:

”بے شک ہم نے ہی اس پیغام کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں“۔

بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا اور لازوال معجزہ ہے جو اس کے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا ہے۔ لیکن اس سے صرف وہی فائدہ اٹھائے گا جو حق کی تلاش کرتا ہے، جبکہ اپنی خواہشات کے متلاشیوں کو صرف سننا اور پیروی کرنا مشکل ہوتا ہے۔ باب 17 الاسراء آیت 82:

”اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا“۔

اقتدار اور دولت کا لالچ

مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین کی طرف سے قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رد کرنے کی ایک بڑی وجہ ان کی حقانیت کے قائل ہونے کے باوجود ان کا اختیار اور دولت کا لالچ تھا۔ قائدین جزیرہ نمائے عرب میں معروف تھے جس کی وجہ سے کاروبار کے مواقع اور دولت حاصل کرنے کے دوسرے طریقے تھے۔ انہیں خدشہ تھا کہ اگر انہوں نے اسلام قبول کرلیا تو وہ ان دونوں کو کھو دیں گے۔ باب 28 القصص، آیت 57:

اور وہ)قریش (کہتے ہیں کہ اگر ہم تمہارے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں گے تو ہم اپنی سرزمین" سے اکھڑ جائیں گے۔ "کیا ہم نے ان کے لیے ایک محفوظ پناہ گاہ نہیں بنائی جس میں ہر چیز کے "پھل ہماری طرف سے رزق کے طور پر لائے جاتے ہیں؟ لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مال و دولت کی خواہش ایمان کے لیے دو بھوکے بھیڑیوں کی ہلاکت سے زیادہ تباہ کن ہے۔ بھیڑوں کا ایک ریوڑ.

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہی کسی مسلمان کا ایمان محفوظ رہے اگر وہ دنیا میں دولت اور شہرت کی تمنا کرے جس طرح شاید ہی کسی بھیڑ کو دو بھوکے بھیڑیوں سے نجات ملے۔ لہٰذا اس عظیم مثال میں دنیا میں زیادہ دولت اور سماجی حیثیت کے بعد حرص کی برائی کے خلاف سخت تنبیہ ہے۔

دولت کی طلب کی پہلی قسم وہ ہے جب کسی کو دولت سے شدید محبت ہو اور وہ اسے حلال ذرائع سے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اس طرح کا برتاؤ عقلمند شخص کی علامت نہیں ہے کیونکہ ایک مسلمان کو پختہ یقین رکھنا چاہئے کہ ان کے رزق کی ضمانت ہے اور یہ تقسیم کبھی نہیں بدل

سکتی۔ درحقیقت خلقت کا رزق زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مختص کیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ شخص بلا شبہ اپنے فرائض میں کوتاہی کرے گا کیونکہ وہ دولت کے حصول میں بہت زیادہ مشغول ہے۔ جو جسم دولت کے حصول میں بہت مصروف ہو وہ آخرت کے لیے کبھی بھی مناسب تیاری نہیں کر سکتا۔ درحقیقت یہ شخص دولت کے حصول کے لیے اتنی محنت کرے گا کہ اسے اس سے لطف اندوز ہونے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ اس کے بجائے، وہ اس دنیا کو چھوڑ دیں گے اور اسے دوسرے لوگوں کے لئے لطف اندوز کرنے کے لئے چھوڑ دیں گے، اگرچہ اس کے لئے انہیں جوابدہ کیا جائے گا .یہ شخص حلال طریقے سے دولت حاصل کر سکتا ہے لیکن پھر بھی اسے ذہنی سکون نہیں ملے گا کیونکہ وہ جتنا بھی حاصل کر لیں وہ صرف اور کی خواہش کرے گا۔ یہ شخص محتاج ہے اور اس لیے حقیقی مفلس ہے خواہ اس کے پاس بہت زیادہ مال ہو۔

ایک ہی خواہش جو فائدہ مند ہے وہ ہے حقیقی دولت جمع کرنے کی خواہش، یعنی اعمال صالحہ تاکہ واپسی کے دن کی تیاری ہو۔

دوسری قسم کی دولت کی طلب پہلی قسم کی طرح ہے لیکن اس کے علاوہ یہ قسم کے لوگ ناجائز ذرائع سے مال حاصل کرتے ہیں اور لوگوں کے حقوق مثلاً صدقہ فطر ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد احادیث میں اس کے خلاف تنبیہ فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر صحیح مسلم نمبر 6576 میں موجود ایک حدیث میں آپ نے تنبیہ کی کہ اس رویے نے پچھلی امتوں کو تباہ کر دیا کیونکہ انہوں نے حرام چیزوں کو حلال کیا، دوسروں کے حقوق کو روکا اور مال کی زیادتی کی خاطر دوسروں کو قتل کیا۔ یہ شخص اس دولت کے لیے کوشش کرتا ہے جس کا وہ حقدار نہیں ہے جس سے بے شمار کبیرہ گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ جب کوئی یہ رویہ اختیار کرتا ہے تو وہ شدید لالچی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ کیا ہے کہ جامع ترمذی نمبر 1961 میں موجود ایک حدیث میں لالچی شخص اللہ تعالیٰ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور اور جہنم کے قریب ہوتا ہے۔ درحقیقت سنن نسائی میں موجود ایک حدیث نمبر 3114 میں خبردار کیا گیا ہے کہ ایک سچے مسلمان کے دل میں شدید لالچ اور سچا ایمان کبھی جمع نہیں ہو سکتا۔

اگر کوئی مسلمان اس قسم کی حرص کو اختیار کرے تو اس کا شدید خطرہ ان پڑھ مسلمان پر بھی واضح ہے۔ یہ ان کے ایمان کو تب تک تباہ کر دے گا جب تک کہ تھوڑی سی چیز کے سوا کچھ

باقی نہ رہے جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ کسی کے ایمان کی یہ تباہی دو بھوکے بھیڑیوں کی تباہی سے زیادہ شدید ہے جنہیں بکریوں کے ریوڑ پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ مسلمان اپنی موت کے وقت اپنے پاس موجود تھوڑے سے ایمان کو کھونے کا خطرہ رکھتا ہے، جو کہ سب سے بڑا نقصان ہے۔

ایک شخص کی شہرت اور رتبے کی خواہش اس کے ایمان کے لیے زیادہ دولت کی خواہش سے زیادہ تباہ کن ہے۔ ایک شخص اکثر اپنی محبوب دولت کو شہرت اور وقار کے حصول پر خرچ کرتا ہے۔

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص مقام و شہرت حاصل کر کے صحیح راستے پر قائم رہے جس کے تحت وہ مادی دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 6723 میں موجود ایک حدیث میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص معاشرے میں قیادت جیسے مقام کی تلاش میں ہے اسے خود اس سے نمٹنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا لیکن اگر کوئی اسے مانگے بغیر حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا۔ اعلیٰ، اس کے فرمانبردار رہنے میں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایسے شخص کا تقرر نہیں کرتے تھے جو کسی منصب پر فائز ہونے کی درخواست کرتا ہو یا اس کی خواہش بھی ظاہر کرتا ہو۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6923 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ صحیح بخاری نمبر 7148 میں موجود ایک اور حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ لوگ مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے خواہش مند ہوں گے لیکن قیامت کے دن ان کے لیے یہ بڑی پشیمانی ہوگی۔ یہ ایک خطرناک خواہش ہے کیونکہ یہ انسان کو اس کو حاصل کرنے کے لیے شدید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے اور پھر اسے برقرار رکھنے کے لیے مزید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے خواہ یہ ظلم اور دیگر گناہوں کی ترغیب دے۔

رتبہ کی خواہش کی بدترین قسم وہ ہے جب کوئی اسے مذہب کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2654 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ شخص جہنم میں جائے گا۔

لہٰذا ایک مسلمان کے لیے زیادہ مال و دولت اور اعلیٰ سماجی رتبے کی خواہش سے بچنا زیادہ محفوظ ہے کیونکہ یہ دو چیزیں ہیں جو آخرت کی تیاری سے غافل ہو کر اس کے ایمان کی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔

سچائی سے مخلص

اسلام قبول کرنے سے پہلے، دمد رحمہ اللہ کو ایک ڈائن ڈاکٹر سمجھا جاتا تھا جو کالے جادو سے متاثر ہونے والے لوگوں کو ٹھیک کر سکتا تھا۔ جب اس نے مکہ کے غیر مسلموں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کالے جادو سے متاثر ہونے کا الزام لگاتے ہوئے سنا تو آپ نے ان کے علاج کا فیصلہ کیا۔ جب اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پایا اور آپ کی خدمات پیش کیں تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :حمد اللہ کے لیے ہے، ہم اس کی حمد کرتے ہیں، اس سے مدد مانگتے ہیں۔ اور جس کو اللہ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے گمراہ کیا جائے اس کی رہنمائی کرنے والا کوئی نہیں اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ اور یہ کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ دمد رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا کہ آپ اپنا قول دہرائیں اور تین بار ایسا کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ یہ کسی کاہن، جادوگر یا شاعر کا کلام نہیں ہے۔ اس کے بعد اس نے اسلام قبول کیا۔ صحیح مسلم نمبر 2008 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

دمد رضی اللہ عنہ نے ان پیچیدہ یا گہرے روحانی مسائل کے بارے میں سوال نہیں کیا جس سے وہ حیران ہوں اور نہ ہی انہیں اسلام کی حقانیت پر قائل کرنے کے لیے کوئی معجزہ دکھایا گیا، پھر بھی وہ حق کے سامنے سر تسلیم خم کر گئے اور اپنے عقیدے، طرز عمل اور طرز عمل کو بالکل بدل دیا۔ طرز زندگی .اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سچائی کو قبول کرنے والا شخص تھا۔ جب کوئی یہ اعلان کر کے اخلاص اختیار کرے گا کہ وہ سچائی کو قبول کریں گے اور اپنی استطاعت کے مطابق اس پر عمل کریں گے، خواہ وہ اس کی خواہشات کے خلاف ہو، تو پھر سادہ ترین سچائی، دوسروں کی نظروں سے اوجھل ہونے والی سچائیاں بھی ان کو بالکل بدل دیتی ہیں۔ جبکہ جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خوش مزاجی کے ساتھ آتا ہے اور صرف ان چیزوں کو قبول کرتا ہے اور ان کی پیروی کرتا ہے جو ان کو خوش کرتی ہیں اور ان چیزوں کو نظر انداز کر دیتی ہیں جو ان کی خواہشات کو چیلنج کرتی ہیں وہ کبھی حق کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرے گا، چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ اسی اخلاص کی وجہ سے تاریخ میں بہت سے لوگوں نے گہرے روحانی تجربات سے نہیں بلکہ آسان ترین چیزوں کا سامنا کرنے کے بعد اسلام قبول کیا۔ اسی اخلاص کو مسلمانوں کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ اسلام کی صحیح پیروی اس کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

صبر کے ساتھ حالات کا سامنا کرنا

جب مکہ کے غیر مسلموں کی جارحیت میں اضافہ ہوا تو انہوں نے بے دفاع اور معاشرتی طور پر کمزور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔ اگرچہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنگ کی ترغیب دی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں لڑائی سے باز رہنے اور ظالموں کو معاف کرنے کا حکم دیا۔ اس پر امام محمد السلّابی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرتِ نبوی، جلد 1، صفحہ 416 میں بحث کی گئی ہے۔

مکہ کے غیر مسلموں کے خلاف پرامن موقف اختیار کرنے کے پیچھے ایک حکمت یہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تربیت دی جائے، لوگوں اور مشکلات سے نمٹنے میں صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا جائے۔ ان کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو قبول کرنے کی تربیت دی جا رہی تھی، خواہ یہ ان کے نقطہ نظر کے خلاف ہو۔

مکہ کے غیر مسلموں سے لڑنے سے انہیں مسلمانوں کے خلاف مہلک طاقت استعمال کرنے کی ایک بڑی وجہ مل جاتی، حتیٰ کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف بھی، جو قبائل کی حفاظت میں تھے۔ اس سے اسلام کے مشن کو تبلیغ سے جنگ کی طرف موڑ دیا جاتا۔

مکہ کے اندر لڑائی کے نتیجے میں ایسے بے گناہ لوگ مارے جاتے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ظاہر کی گئی جارحیت میں براہ راست ملوث نہیں تھے۔

مکہ کے غیر مسلموں سے لڑنے اور قتل کرنے سے ان کا انجام جہنم میں بھی مہر ہو چکا ہو گا۔ ،صبر نے ان متشدد غیر مسلموں میں سے بہت سے لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی اجازت دی جیسے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ۔

مکہ کے غیر مسلموں سے لڑنے اور قتل کرنے سے ان کے رشتہ داروں کو مشتعل کیا جائے گا جو اسلام قبول کرنے کی طرف مائل ہوں گے۔ انتقام کے احساس نے اسلام کی طرف ان کے جھکاؤ پر قابو پا لیا ہو گا جس کی وجہ سے وہ اسے قبول کرنے سے روک رہے ہیں۔

جارحیت کے سامنے صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے کچھ طاقتور غیر مسلموں کو قبائلی وفاداری سے ہٹ کر اپنے مسلمان رشتہ داروں کو تحفظ فراہم کرنے کی ترغیب دی۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کے غیر مسلموں کے خلاف لڑنا شروع کر دیتے تو یہ ختم ہو جاتا۔

لڑائی صرف مسلمانوں کی تعداد کو ختم کر دیتی، جو جزیرہ نما عرب میں اسلام کے پیغام کو پھیلانے کے لیے درکار تھی۔

غیر مسلموں کے خلاف جنگ کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کے طور پر استعمال کیا جاتا کیونکہ آپ پر زمین میں اقتدار کے سوا کچھ نہیں مانگنے کا الزام لگایا جاتا۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سے لوگ جو صرف اقتدار کے خواہاں تھے وہ جلد ہی تشدد کی طرف مائل ہو گئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صبر کی اس گھڑی میں ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کی تربیت دی جا رہی تھی، جس سے ان کے اتحاد کو تقویت ملتی تھی۔

اس کے پیچھے اور بھی بہت سی وجوہات اور حکمتیں ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں اپنی زندگی کے دوران جنگ نہ کرنے کا حکم دیا۔

ایتھوپیا کی طرف پہلی ہجرت

جیسے جیسے سماجی طور پر کمزور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مکہ کے غیر مسلموں کا تشدد بڑھتا گیا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے بعض کو ایتھوپیا کی طرف ہجرت کرنے کا مشورہ دیا۔ اس نے انہیں نصیحت کی کہ ان کا بادشاہ ایک عادل آدمی ہے اور انہیں وہاں ظلم و ستم کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اپنے گھر والوں، کاروبار اور گھر بار سب کچھ اللہ کی رضا کے لیے چھوڑ کر چلے گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 1-2 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے ان مشکلات پر قابو پانے کا مطالبہ نہیں کرتا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے برداشت کیں۔ مثال کے طور پر یہ واقعہ جس میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایتھوپیا کی طرف ہجرت کا ذکر ہے۔

اس کے مقابلے میں مسلمانوں کو اس وقت جن مشکلات کا سامنا ہے وہ اتنا مشکل نہیں جتنا کہ صالح پیشروؤں کو درپیش تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کو شکر گزار ہونا چاہیے کہ ان سے صرف چند چھوٹی قربانیاں کرنے کی ضرورت ہے، جیسے فرض فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے کچھ نیند کی قربانی اور فرض صدقہ کرنے کے لیے کچھ مال۔ اللہ تعالیٰ ان کو یہ حکم نہیں دے رہا ہے کہ وہ اپنے گھر اور اہل و عیال کو اس کی خاطر چھوڑ دیں۔ اس شکر کو عملی طور پر ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے ظاہر کیا جانا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ، جب کسی مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے ان مشکلات کو یاد رکھنا چاہیے جو نیک پیشروؤں کو پیش آئیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی سے ان پر کیسے قابو پایا، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ علم ایک مسلمان کو اپنی مشکلات پر قابو پانے کی طاقت فراہم کر سکتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ صالح پیش رو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب تھے، پھر

بھی انہوں نے صبر کے ساتھ زیادہ سخت مشکلات کو برداشت کیا۔ درحقیقت سنن ابن ماجہ نمبر 4023 میں موجود ایک حدیث اس بات کی نصیحت کرتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے سخت ترین امتحانات کو برداشت کیا اور وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

اگر کوئی مسلمان نیک پیشروؤں کی ثابت قدمی کی پیروی کرتا ہے تو امید ہے کہ وہ آخرت میں ان کے ساتھ ہو گا۔

ہمدردی کا احساس

جیسے جیسے سماجی طور پر کمزور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مکہ کے غیر مسلموں کا تشدد بڑھتا گیا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے بعض کو ایتھوپیا کی طرف ہجرت کرنے کا مشورہ دیا۔ اس نے انہیں نصیحت کی کہ ان کا بادشاہ ایک عادل آدمی ہے اور انہیں وہاں ظلم و ستم کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے پیچھے اپنے گھر والوں، کاروبار اور گھر سب کچھ اللہ کی رضا کے لیے چھوڑ کر چلے گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 1-2 میں بحث کی گئی ہے۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت مکہ سے نکل رہی تھی تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت غیر مسلم تھے، ان کی سرگرمیوں پر سوال کیا۔ انہوں نے اسے بتایا کہ وہ مکہ چھوڑ رہے ہیں کیونکہ وہ اس سے اور دوسرے غیر مسلموں سے تنگ آچکے ہیں جو ان پر مسلسل ظلم کررہے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی مخصوص سختی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے کچھ ایسے مہربان کلمات کہے جس سے یہ تاثر پیدا ہوا کہ وہ ان کی کمی محسوس کریں گے۔ اس پر امام محمد السلّابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 49-50 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ عمر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ سخت تھے لیکن ان کی سختی کی جڑ برائی میں نہیں تھی بلکہ اس کی جڑ مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ غلط وفاداری اور ان کے گمراہ طریقوں میں تھی۔ ایسا لگتا ہے، اس نے صرف وہی سلوک کیا جیسا کہ اس نے اپنے لوگوں کو متحد کرنے کی خواہش کی، جیسا کہ وہ اسلام کے آنے سے پہلے تھے۔

عام طور پر، دوسروں کے لیے اس قسم کی ہمدردی رکھنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔ غالباً یہ پہلا جذبہ تھا جس نے عمر رضی اللہ عنہ کو اسلام کے بارے میں اپنے رویے پر نظر ثانی کرنے کی ترغیب دی، کیونکہ ان کا طرز عمل ان کے اپنے لوگوں کو ان کے گھروں سے دور کر رہا تھا۔ جبکہ مکہ کے بہت سے دوسرے غیر مسلموں کو صرف دولت اور اختیار کے لالچ میں اپنے طرز

زندگی کی حفاظت کی فکر تھی اس لیے وہ رخصت ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر خوشی مناتے تھے۔

صحیح مسلم نمبر 6586 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کے کسی حصے میں درد ہو تو باقی جسم اس کے درد میں شریک ہوتا ہے۔

یہ حدیث، بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، اپنی زندگی میں اس قدر خودغرض نہ ہونے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اس طرح برتاؤ کرتی ہے کہ گویا کائنات ان کے اور ان کے مسائل کے گرد گھوم رہی ہے۔ شیطان ایک مسلمان کو اپنی زندگی اور اپنے مسائل پر اس قدر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ بڑی تصویر پر توجہ دینے سے محروم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ بے صبری کا باعث بنتا ہے اور وہ دوسروں سے غافل ہو جاتا ہے اور اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کرنے میں اپنا فرض ادا نہیں کرتا۔ ایک مسلمان کو یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے اور دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جہاں تک وہ کر سکتے ہیں۔ یہ مالی مدد سے آگے تک پھیلا ہوا ہے اور اس میں تمام زبانی اور جسمانی مدد شامل ہے جیسے کہ اچھا اور مخلصانہ مشورہ۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ خبروں کا باقاعدگی سے مشاہدہ کریں اور جو پوری دنیا میں مشکل حالات میں ہیں۔ یہ انہیں خودغرض بننے سے بچنے اور دوسروں کی مدد کرنے کی ترغیب دے گا۔ درحقیقت جس کو صرف اپنی فکر ہوتی ہے وہ جانور سے بھی کم تر ہے جیسا کہ وہ اپنی اولاد کا خیال رکھتا ہے۔ درحقیقت ایک مسلمان کو عملاً اپنے خاندان سے بڑھ کر دوسروں کا خیال رکھتے ہوئے جانوروں سے بہتر ہونا چاہیے۔

اگرچہ ایک مسلمان دنیا کے تمام مسائل کو دور نہیں کر سکتا لیکن وہ اپنا کردار ادا کر سکتا ہے اور اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور توقع یہی ہے۔

ایمان کے لیے قربانی دینا

اسلام قبول کرنے سے پہلے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا تعلق ایک متمول گھرانے سے تھا اس لیے وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے خاندان نے انہیں گرفتار کر لیا اور قید کر دیا یہاں تک کہ وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور بعض دوسرے صحابہ کے ساتھ ہجرت کر کے ایتھوپیا چلے گئے، اللہ ان سے راضی ہو گیا۔ بعد میں وہ مکہ واپس آئے اور اپنے پختہ ایمان کی وجہ سے ساری زندگی غربت کی زندگی گزاری۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 312 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو تقدیر کا بھی صبر کے ساتھ سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم وہ ہے جب کوئی اپنے اچھے کام دوسروں کے سامنے دکھاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہٰذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہے، بجائے اس کے کہ ہر وقت اپنے آپ کو یا دوسروں کی اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے نہ اپنی خواہشات کا علم ہونا چاہیے اور نہ ہی لوگ اسے اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہٰذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

"...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو"

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے)معمولی (گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، خواہ وہ اس پر عمل کریں۔ یہ مکمل طور پر کرنے کے قابل نہیں ہے .لہٰذا، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو جو صلاحیت عطا کی گئی ہے اسے پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا، بغیر اپنے دل کی صفائی کے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور اگر لوگوں کے حقوق کا تعلق ہو تو ان سے استغفار کرنا چاہیے۔ باب 46 الاحقاف، آیت 13:

’’بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔‘‘

ایتھوپیا میں مومنین کے لیے مسائل

منفیت

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایتھوپیا کی طرف ہجرت کرنے کے بعد مکہ کے غیر مسلموں کے سرداروں نے اپنے دو آدمیوں کو حبشہ کے بادشاہ کے پاس روانہ کیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان مسائل پیدا ہو جائیں۔ ان سے خوش ہیں .انہوں نے جھوٹ کے ذریعے بادشاہ کے دل کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے دشمنی اور ناپسندیدگی سے بھرنے کی کوشش کی۔ جیسا کہ ایتھوپیا کا بادشاہ عیسائی تھا، انہوں نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ اسلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم رضی اللہ عنہا کی بے عزتی کر رہا ہے۔ لیکن جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوال کیا گیا تو انہوں نے سچ کہا اور بادشاہ کو قرآن پاک پڑھ کر سنایا جس کو سن کر آپ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی سرزمین میں امن سے رہنے کی ،اجازت دی اور ان کے ساتھ احترام اور مہربانی سے پیش آئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 2، صفحہ 5-6 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابو داؤد نمبر 4860 میں موجود حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو دوسروں کے بارے میں منفی بات کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ اس سے لوگوں کے دلوں میں ان کے بارے میں برے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ خاندان خاص طور پر ایشیائی کمیونٹی سے، وقت کے ساتھ ٹوٹ جاتے ہیں۔ یہ ایک سب سے بڑی شکایات ہے جو خاندان کے ممبران، جیسے والدین کو اکثر ہوتی ہے۔ وہ حیران ہیں کہ ان کے بچے کیوں الگ ہو گئے ہیں حالانکہ وہ کبھی مضبوطی سے ایک ساتھ تھے۔

رشتہ داروں کے درمیان تعلقات کے ٹوٹنے کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ کسی نے ان کے رشتہ دار کے بارے میں منفی بات کی ہے۔ یہ اکثر خاندان کے کسی فرد کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک ماں اپنے دوسرے بچے سے اپنے بیٹے کے بارے میں منفی بات کرے گی۔ یہ دونوں رشتہ داروں کے درمیان دشمنی کا باعث بنتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ دونوں کے درمیان دراڑ پیدا کر دیتا ہے۔ جو کبھی ایک شخص کی طرح تھے وہ ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن جاتے ہیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ بہت کم لوگوں کے علاوہ، جب کسی شخص سے کسی دوسرے کے بارے میں کوئی منفی بات کہی جائے تو وہ اس سے متاثر ہو جائیں گے، خواہ وہ یہ نہ چاہتے ہوں۔ یہ دشمنی تب بھی ہوتی ہے جب کہ ابتدائی شخص جس نے کسی کے رشتہ دار کے بارے میں منفی بات کی ہو وہ رشتہ داروں کے درمیان پھڑ پیدا کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ کچھ اکثر عادت سے ہٹ کر اس طرح کام کرتے ہیں اور تعلقات کو خراب کرنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، والدین اکثر یہ عادت اپناتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے بچوں کے رشتے ٹوٹنے یا ٹوٹنے کی خواہش نہیں رکھتے۔

یہ رویہ لوگوں کی ذہنیت پر اتنا گہرا اثر ڈالتا ہے کہ اس سے ان رشتہ داروں پر بھی اثر پڑتا ہے جو ایک دوسرے کو بہت کم دیکھتے یا بات کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک شخص کسی شخص کے رشتہ دار کے بارے میں منفی باتوں کا ذکر کرے گا حالانکہ اس کا رشتہ دار بھی ان جیسے ملک میں نہیں رہتا۔ یہ رویہ ان کے دل میں دشمنی کو پیوست کر دیتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ یہ محسوس کریں گے کہ وہ اپنے دور کے رشتہ دار کو ناپسند کرتے ہیں حالانکہ وہ انہیں بمشکل جانتے ہیں۔

یہ مسئلہ اکثر اس وقت ہوتا ہے جب دو افراد دوسرے لوگوں کے سامنے دوسروں کے بارے میں منفی باتوں پر بحث کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، والدین اپنے بچوں کے سامنے اپنے رشتہ داروں کے بارے میں منفی باتیں کر سکتے ہیں۔ اگرچہ، وہ اپنے بچوں کو براہ راست کچھ نہیں بتا رہے ہیں، یہ اب بھی ان کے دلوں پر اثر انداز ہوتا ہے .اگر کوئی ایک لمحے کے لیے واقعی غور کرے تو وہ سمجھ جائے گا کہ دوسروں کے تئیں ان کے بیمار جذبات کی اکثریت اس شخص کے کیے یا ان سے براہ راست کہنے کی وجہ سے نہیں تھی۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ کسی تیسرے فریق کی وجہ سے ہوا ہے جس نے ان سے اس شخص کے بارے میں کسی منفی بات کا ذکر کیا۔

ایسی صورتوں میں جہاں کوئی دوسرے کو کسی خطرے سے خبردار کرنے کی کوشش کر رہا ہو تو کسی دوسرے شخص کا منفی انداز میں ذکر کرنا بالکل قابل قبول ہے۔ اگر کوئی دوسرے کو سبق سکھانے کی کوشش کر رہا ہے مثلاً اگر کوئی ماں اپنے بچوں میں سے کسی کو یہ سکھانا چاہتی ہے کہ وہ اپنے بہن بھائیوں کی طرح برتاؤ نہ کرے تو اسے چاہیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں۔ شخص کا نام لیے بغیر منفی بات کا ذکر کریں۔ اس خوبصورت ذہنیت کی ایک مثال صحیح بخاری نمبر 6979 میں موجود حدیث میں موجود ہے۔ کسی شخص کا نام لیے بغیر کسی منفی بات کا ذکر کرنا کسی کو سبق سکھانے کے لیے کافی ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، مسلمانوں کو اپنے رشتہ داروں یا دوسروں کے بارے میں، نجی یا عوامی طور پر منفی بات کرنے سے پہلے گہرائی سے غور کرنا چاہیے۔ بصورت دیگر، وہ اچھی طرح محسوس کر سکتے ہیں جیسے جیسے وقت گزرتا ہے ان کا خاندان الگ ہو جاتا ہے اور جذباتی طور پر ایک دوسرے سے دور ہو جاتا ہے۔

نیکی کی دعوت

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایتھوپیا کی طرف ہجرت کرنے کے بعد مکہ کے غیر مسلموں کے سرداروں نے اپنے دو آدمیوں کو حبشہ کے بادشاہ کے پاس روانہ کیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان مسائل پیدا ہو جائیں۔ ان سے خوش ہیں .انہوں نے جھوٹ کے ذریعے بادشاہ کے دل کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے دشمنی اور ناپسندیدگی سے بھرنے کی کوشش کی۔ جیسا کہ ایتھوپیا کا بادشاہ عیسائی تھا، انہوں نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ اسلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم رضی اللہ عنہا کی بے عزتی کر رہا ہے۔ لیکن جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوال کیا گیا تو انہوں نے سچ کہا اور بادشاہ کو قرآن پاک پڑھ کر سنایا جس کو سن کر آپ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی سرزمین میں امن سے رہنے کی اجازت دی اور ان کے ساتھ احترام اور مہربانی سے پیش آئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 5-6 میں بحث کی گئی ہے۔

جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے ایتھوپیا کے بادشاہ سے اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں درج ذیل الفاظ کہے۔ یہ سیرت ابن ہشام صفحہ 58-59 میں درج ہے۔

اس نے کہا :اے بادشاہ !ہم جہالت کی اتھاہ گہرائیوں میں دھنسے ہوئے تھے اور ہم مشرک تھے۔ ہم لاشیں کھاتے تھے، گھناؤنے کام کرتے تھے، خون کے شدید رشتے کرتے تھے، مہمان نوازی اور ہمسائیگی کے فرائض میں کوتاہی کرتے تھے اور صرف طاقتور کا قانون استعمال کرتے تھے۔ یہ ہماری زندگی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان ایک ایسے شخص کو پیدا کیا جس کے نسب، سچائی، دیانت اور پاکیزگی کو ہم بخوبی جانتے تھے۔''

جامع ترمذی نمبر 2016 میں موجود ایک حدیث میں مؤمنین کی والدہ، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض اعلیٰ خصوصیات بیان کی ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اس نے مشورہ دیا کہ وہ

نہ تو فحش ہے اور نہ ہی اونچی آواز میں۔ اس نے کبھی برائی کا جواب برائی سے نہیں دیا بلکہ دوسروں کے عیبوں کو معاف اور نظر انداز کیا۔

سب سے پہلے تو تمام مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان پر یہ فرض ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کو اپنائیں ۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

”کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔“

اور باب 33 الاحزاب، آیت 21:

”یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔“

امام بخاری رحمہ اللہ کی ادب المفرد نمبر 464 میں موجود حدیث کے مطابق مسلمان کو کبھی بھی فحش حرکت یا بات نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ اور جیسا کہ جامع ترمذی نمبر 2003 میں موجود حدیث کے مطابق قیامت کے ترازو میں حسن اخلاق سب سے بھاری چیز ہو گی، اس لیے قیامت تک پہنچنے والے کے برے انجام کی پیشین گوئی ایک فحش آدمی کی حیثیت سے کی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ جو شخص فحش کلامی کرتا ہے اس کے جہنم میں داخل ہونے کا زیادہ امکان ہوتا ہے کیونکہ قیامت کے دن جہنم میں جانے کے لیے صرف ایک ہی فحش کلام کی ضرورت ہوتی ہے۔ جامع ترمذی نمبر 2314 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ سادہ لفظوں میں سچا ایمان اور فحاشی کبھی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی۔

ایک مسلمان کو اونچی آواز میں نہیں بولنا چاہئے کیونکہ اس سے دوسروں کی عزت میں کمی واقع ہوتی ہے، خاص کر رشتہ دار۔ اونچی آواز والے اکثر جارحانہ انداز میں آتے ہیں اور دوسروں کو آسانی سے خوفزدہ کر سکتے ہیں جو ایک سچے مسلمان کے رویے سے متصادم ہے۔ ایک مسلمان کو دوسروں کے ساتھ بات چیت کرتے وقت نرم اور مہربان ہونا چاہیے کیونکہ یہ اسلام کی حقیقی اور پرامن فطرت کو ظاہر کرتا ہے۔ باب 31 لقمان، آیت 19:

"اور اپنی آواز کو نیچا کرو۔ بے شک، سب سے زیادہ ناپسندیدہ آواز گدھوں کی آواز ہے۔..."

آخر میں، ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ غلطیاں کرنے کے پابند ہیں۔ جس طرح کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ دوسروں سے درگزر کرے اور معاف کرے۔ سیدھے الفاظ میں، ایک دوسرے کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا۔ دوسروں کو معاف نہ کرنا پھر بھی اللہ تعالیٰ سے معافی کی امید رکھنا حماقت ہے۔ باب 24 النور، آیت 22:

"...اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟‘‘

جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا ..." :آپ)صلی اللہ علیہ وسلم (نے ہمیں اللہ کی وحدانیت کی طرف بلایا، اور ہمیں اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنے کی تعلیم دی۔ اس نے ہمیں بتوں کی پرستش سے منع کیا..."

اس کا خلاصہ اللہ تعالیٰ سے اخلاص ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف سے دیے گئے تمام فرائض کو احکام و ممنوعات کی صورت میں ادا کرنا، صرف اس کی رضا کے لیے۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ سب ان کی نیت سے پرکھیں گے۔ پس اگر کوئی نیک عمل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص نہ ہو تو اسے نہ دنیا میں اجر ملے گا اور نہ آخرت میں۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جن لوگوں نے گستاخیاں کیں ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اجر طلب کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ باب 98 البینہ، آیت 5۔

"اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لیے خالص ہو کر۔"

اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ اخلاص کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ صدق دل سے توبہ کریں اور ان سب کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر کبھی بھی ایسے فرائض کا بوجھ نہیں ڈالتا جو وہ انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی نبھا سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286۔

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

کے لیے مخلص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی اور دوسروں کی خوشنودی پر اس کی رضا کو پسند کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ ان اعمال کو ترجیح دینی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ دوسروں سے محبت کرے اور اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسند کرے نہ کہ اپنی خواہشات کے لیے۔ جب وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں یا گناہوں میں حصہ لینے سے انکار کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔ جس نے اس ذہنیت کو اپنایا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا ..." :آپ)صلی اللہ علیہ وسلم (نے ہمیں سچ بولنے کی تاکید کی ہے..."

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی اکثریت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے

حاصل ہوتا ہے، بغیر خوشامد اٹھانے یا غلط بیانی کے۔ اسلام کی تعلیمات جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتب کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا ..." :آپ)صلی اللہ علیہ وسلم (نے ہمیں اپنی امانتوں "کے ساتھ وفادار رہنے کی وصیت کی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ امانتوں میں خیانت منافقت کا ایک پہلو ہے۔

اس میں وہ تمام امانتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی طرف سے ہیں۔ ہر نعمت اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے۔ ان امانتوں کو پورا کرنے کا واحد طریقہ نعمتوں کو اس طریقے سے استعمال کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ مزید برکات حاصل کریں گے کیونکہ یہ سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ" "کروں گا۔

لوگوں کے درمیان اعتماد کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ جسے کسی دوسرے کے سپرد کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ اس کا غلط استعمال نہ کرے اور مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ لوگوں کے درمیان سب سے بڑا اعتماد بات چیت کو خفیہ رکھنا ہے جب تک کہ دوسروں کو مطلع کرنے میں کوئی واضح فائدہ نہ ہو۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں اس کو اکثر نظر انداز کیا جاتا ہے۔

جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا ..." :آپ)صلی اللہ علیہ وسلم (نے ہمیں رحم کرنے کی وصیت کی ہے..."

صحیح بخاری نمبر 7376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرے گا جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا۔

اسلام بہت سادہ مذہب ہے۔ اس کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک اس قدر سادہ ہے کہ ان پڑھ لوگ بھی ان کو سمجھ سکتے ہیں اور اس پر عمل کر سکتے ہیں، یعنی لوگ دوسروں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا۔ مثال کے طور پر جو لوگ دوسروں کی غلطیوں کو درگزر کرنا اور معاف کرنا سیکھتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ باب النور، آیت 22 24:

اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر..." دے؟‘‘

جو لوگ فائدہ مند دنیاوی اور دینی معاملات میں دوسروں کی مدد کرتے ہیں جیسے کہ جذباتی یا مالی امداد اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کی مدد کرے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4893 میں موجود

ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ یہی حدیث نصیحت کرتی ہے کہ جو دوسروں کے عیب چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیب چھپاتا ہے۔

سیدھے الفاظ میں، اگر کوئی اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک اور احترام کا سلوک کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں ان کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ ایسا ہی سلوک کرے گا، خواہ وہ فرض نمازوں جیسے واجبات کو پورا کرتے ہوں۔ یہ اس لیے ہے کہ ایک مسلمان کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے دونوں فرائض کو پورا کرنا چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے لیے فرائض۔

آخر میں، یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ صرف اللہ کی طرف سے حسن سلوک کیا جائے گا، اگر وہ اس کی خاطر دوسروں سے حسن سلوک سے پیش آئے۔ اگر وہ اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے ایسا کرتے ہیں تو بلاشبہ ان تعلیمات میں مذکور اجر کو ضائع کر دیں گے۔ تمام عبادات اور اسلام کی بنیاد خود انسان کی نیت ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا ..." :آپ)صلی اللہ علیہ وسلم (نے ہمیں پڑوسیوں "کے حقوق کا خیال رکھنے کی تاکید کی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6014 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی اس حد تک ترغیب دی گئی کہ آپ کے خیال میں پڑوسی ہر مسلمان کا وارث بن جائے گا۔

بدقسمتی سے، اس فرض کو اکثر نظرانداز کر دیا جاتا ہے حالانکہ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔ سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اسلام میں کسی

شخص کے پڑوسی میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو مسلمان کے گھر کی طرف ہر سمت چالیس گھروں کے اندر رہتے ہیں۔ اس کی تصدیق امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 109 میں ہوتی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 174 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ، بزرگی اور یوم آخرت پر ایمان کو پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک سے جوڑ دیا ہے۔ پڑوسیوں سے حسن سلوک کرنا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ادب المفرد نمبر 119 میں موجود ایک حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ جس عورت نے اپنے فرض کو پورا کیا اور بہت زیادہ نفلی عبادت کی وہ جہنم میں جائے گی کیونکہ اس نے اپنی تقریر کے ذریعے اپنے پڑوسیوں سے برا سلوک کیا۔ اگر اپنے پڑوسی کو الفاظ کے ذریعے نقصان پہنچانے والے کا یہ حال ہے تو کیا کوئی اپنے پڑوسی کو جسمانی طور پر نقصان پہنچانے کی سنگینی کا اندازہ لگا سکتا ہے؟

مسلمان کو اپنے پڑوسی کی طرف سے بدسلوکی پر صبر کرنا چاہیے۔ درحقیقت ایک مسلمان کو ایسے معاملات میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے۔ نیکی کا بدلہ اچھائی سے مشکل نہیں ہے۔ اچھا پڑوسی وہ ہے جو نقصان کا بدلہ بھلائی سے دیتا ہے۔ ایک مسلمان کو اپنے پڑوسی کی جائیداد کی نجی جگہ کا احترام کرنا چاہئے لیکن ساتھ ہی انہیں سلام کرنا چاہئے اور زیادہ دخل اندازی کئے بغیر انہیں مدد کی پیشکش کرنی چاہئے۔ کسی شخص کے لیے جو بھی ذریعہ دستیاب ہو، جیسے کہ مالی یا جذباتی مدد سے ان کی مدد کی جانی چاہیے۔

مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کے عیبوں کو ہمیشہ چھپائے۔ جو دوسروں کے عیب چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو چھپاتا ہے۔ اور جو دوسروں کے عیبوں کو ظاہر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو ظاہر کرے گا اور انہیں کھلم کھلا رسوا کرے گا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4880 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا ..." :آپ)صلی اللہ علیہ وسلم (نے ہمیں رشتہ داروں کے حقوق کا خیال کرنے کی وصیت کی ہے۔"

رشتہ داری کو برقرار رکھنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے جسے اگر کوئی کامیابی چاہتا ہے تو اسے دونوں جہانوں میں ایمان کی حقیقی نشانی یہ نہیں ہے کہ سارا دن مسجد میں ترک نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی ہے۔ مخلوق کے سب سے اہم حقوق میں سے ایک رشتہ داری کو برقرار رکھنا ہے۔ کوئی کو دھوکہ نہیں دے سکتا لیکن اللہ تعالیٰ شخص اسلامی لباس پہن کر تقویٰ کا دعویٰ کر سکتا ہے تاریخ کے اوراق ہمیشہ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں نے رشتہ ۔ جب کوئی مڑتا ہے۔ داریوں کو نبھایا۔ یہاں تک کہ جب ان کے رشتہ داروں نے ان کے ساتھ بدسلوکی کی تب بھی انہوں :نے مہربانی سے جواب دیا۔ باب 41 فصیلات، آیت 34

اور اچھے اور برے کام برابر نہیں ہیں۔ برائی کو اس]عمل [سے دفع کرو جو بہتر ہو۔ پھر جس" کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ گویا ایک مخلص دوست ہو گا۔

صحیح مسلم نمبر 6525 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص رشتہ داریوں کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ .ان کے لیے ہمیشہ اس کی مدد کرتا ہے خواہ اس کے رشتہ دار مشکلات کا شکار ہوں۔

مومن مخلص اچھائی کا جواب اچھائی سے دینا کوئی خاص بات نہیں جبکہ برائی کا اچھا جواب دینا کوئی زیادہ تر معاملات میں، جب کی نشانی ہے۔ سابقہ رویہ جانوروں میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ میں کسی جانور کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے تو اس کے بدلے میں پیار واپس آتا ہے۔ صحیح بخاری برقرار نمبر 5991 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ رشتہ داری کو صحیح معنوں میں حضور نبی رکھنے والا وہ ہے جو رشتہ داروں سے قطع تعلق کرتے ہوئے بھی رشتہ قائم رکھے۔ اکثر رشتہ داروں کی طرف سے لیکن اپنے اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل دہشت زدہ تھے۔ اس نے ہمیشہ ان کے ساتھ شفقت کا مظاہرہ کیا۔

یہ بات عام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے بغیر کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا ۔ لیکن صحیح بخاری نمبر 5987 میں موجود ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اعلان کیا ہے کہ جو شخص دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داریاں توڑے گا اس سے وہ رشتہ توڑ دے گا۔ ذہن میں عبادات کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کی جیسی فرض نماز رکھو، یہ قطع نظر سچ ہے ادائیگی کے لیے کتنی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی مسلمان سے رشتہ منقطع کر دے تو وہ اس کا قرب اور ابدی کامیابی کیسے حاصل کر سکتا ہے؟

لوگوں کو موقع دینے اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں اللہ تعالیٰ عذاب میں تاخیر کرتا ہے۔ توبہ کرنا لیکن دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داری کو توڑنے کی سزا بہت کے لیے گناہوں کا جلد ملتی ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 4212 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

بدقسمتی سے آج دنیا میں تعلقات منقطع کرنے کا رواج عام دیکھا جاتا ہے۔ لوگ چھوٹی موٹی دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داریوں کو آسانی سے توڑ دیتے ہیں۔ وہ کسی بھی نقصان کو پہچاننے میں جو مادی دنیا میں ہوتا ہے وہ عارضی ہوتا ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق ناکام رہتے ہیں۔ منقطع ہو جائے تو دونوں جہانوں میں انہیں طویل مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

جب کوئی اپنے پیشے کے ذریعے وجہ جو اسلامی معاشرے میں عام طور پر دیکھی جاتی ہے۔ کی اعلیٰ سماجی مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ انہیں اپنے رشتہ داروں کو ترک کرنے کی ترغیب دیتا جیسا کہ انہیں یقین ہے کہ وہ اب ان کے ساتھ بات چیت کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اپنی دولت ہے۔ حیثیت سے ان کی محبت انہیں بے حیائی کے دروازے پر دھکیل دیتی ہے جو انہیں سماجی اور صرف ان سے ان کی دولت چھیننا چاہتے ہیں۔ یقین دلاتی ہے کہ ان کے رشتہ دار

قرآن کریم بتاتا ہے کہ ان بندھنوں کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔ باب 4 النساء، آیت 1:

اور اس اللہ سے ڈرو جس کے ذریعے تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رحم سے۔ بے شک"
"اللہ تم پر ہمیشہ دیکھنے والا ہے۔

برقرار رکھے بغیر تقویٰ یہ آیت بھی واضح طور پر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رشتہ داری کو وہ اسے زیادہ عبادت کے ذریعے حاصل کر سکتے تو جو لوگ ایمان لائے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اپنے رویے کو بدلنا چاہیے۔ اور روزے غلط ثابت ہوئے ہیں ہیں۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کی ان معاملات میں مدد کر کے تمام رشتہ داریوں کو برقرار رکھیں جو جب بھی اور جہاں بھی ممکن ہو اچھے ہوں۔ انہیں ایک تعمیری ذہنیت معاشرے کے فائدے کی بجائے رشتہ داروں کو متحد کرتا ہے۔ جو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے سنن ابوداؤد نمبر 4919 میں ایک تباہ کن ذہنیت جو صرف خاندانوں میں تقسیم کا باعث بنتی ہے۔ موجود ایک حدیث کے مطابق لوگوں میں تفرقہ ڈالنا تباہی کا باعث بنتا ہے۔

:رشتہ توڑنے والوں پر قرآن پاک میں لعنت کی گئی ہے۔ باب 47 محمد، آیات 22-23

تو کیا تم اگر منہ موڑو گے تو زمین میں فساد برپا کرو گے اور اپنے تعلقات کو توڑ دو گے؟]ایسا"
"کرنے والے [وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے۔

دنیا میں یا آخرت اور اس کی رحمت سے محروم ہوں تو اللہ تعالیٰ کی لعنت میں گھرے ہوئے ہوں میں کوئی اپنی جائز خواہشات کیسے حاصل کرسکتا ہے ؟

حکم نہیں دیتا اور نہ ہی یہ ان اپنے رشتہ داروں کی کفالت میں اپنی وسعت سے تجاوز کرنے کا سے یہ کہتا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے لیے اللہ تعالیٰ کی حدود کو قربان کر دیں کیونکہ اگر خالق کی نافرمانی اس کی تصدیق سنن ابوداؤد اس کا مطلب ہے تو مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔ نمبر 2625 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا کبھی بھی اپنے رشتہ داروں کو برائیوں میں اپنے رشتہ داروں کو نیکی کا ایک مسلمان کو چاہئے ، شامل نہیں کرنا چاہیے۔ اس صورت میں کا احترام کرتے ہوئے انہیں برائی سے نرمی سے روکیں۔ باب 5 المائدة، آیت 2 حکم دیں اور ان:

‘‘اور نیکی اور پرہیزگاری میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔ ’’

اللہ کی رضا حاصل کیا جاتا ہے۔ کے ذریعہ رشتہ داری کو برقرار رکھنے والے بے شمار فوائد کے لیے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو بندہ جوڑتا ہے اس کے رزق میں اور ان کی زندگی میں اضافی فضل ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 1693 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا رزق خواہ .اور جسم سکون ملے گا۔ ہی کم کیوں نہ ہو ان کے لیے کافی ہو گا اور اس سے انہیں ذہنی کتنا زندگی میں فضل کا مطلب ہے کہ وہ اپنے تمام دینی اور دنیاوی فرائض کو پورا کرنے کے لیے مسلمان اپنی ساری زندگی اور مال حاصل کرنے کی کوشش میں وقت نکالیں گے۔ یہ دو نعمتیں ہیں۔ صرف کرتے ہیں لیکن بہت سے لوگ اس بات کو پہچاننے میں ناکام رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان رشتہ داریوں کو برقرار رکھنے میں دونوں کو رکھا ہے۔

کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں ہے رشتہ داریاں نبھانا اس قدر ضروری رشتہ داروں کے ساتھ بھی اس اہم فرض کو پورا کریں ۔ اس کی تلقین اپنے غیر مسلم کو حکم دیا۔ کرنے والی ایک حدیث صحیح مسلم نمبر 2324 میں موجود ہے۔

شیطان کے پھندے میں سے ایک یہ ہے کہ وہ رشتہ داروں اور معاشرے میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتا اور سماجی تقسیم .اس کا حتمی مقصد اسلام کو بحیثیت قوم ہے جس سے خاندان ٹوٹ جاتے ہیں۔ کمزور کرنا ہے۔ بدقسمتی سے، کچھ لوگ رنجشوں کو پناہ دینے کے لیے بدنام ہو گئے ہیں جو کئی اور نسل در نسل منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ ایک شخص دہائیوں تک کسی تک جاری رہتے ہیں دہائیوں

ان سے دوبارہ کبھی وہ رشتہ دار کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا لیکن ایک غلطی اور دلیل کے بعد بات نہیں کرے گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6526 میں ہے کہ ایک مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ تعلقات منقطع رکھنا ناجائز ہے۔ اگر غیر رشتہ داروں سے رشتہ توڑنے کا یہ حکم ہے تو کیا رشتہ داروں سے رشتہ توڑنے کی سنگینی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟ صحیح بخاری نمبر 5984 میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ یہ سوال وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا ہے کہ جو شخص کسی رشتہ دار سے دنیوی وجوہات کی بناء پر تعلق توڑے گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

اس اہم موضوع پر بحث کرنے والی آیات و احادیث پر غور کرنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ اگر اللہ عشرہ کے گناہوں کے بعد بھی اپنے دروازے بند نہیں کرتا اور لوگوں کے ساتھ اپنے سرور کا واسطہ نہیں رکھتا تو لوگ چھوٹی دنیا میں اپنے رشتہ داروں سے اتنی آسانی سے کیوں منہ موڑ لیتے ہیں۔ مسائل؟ اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے ان کے تعلق کو برقرار رکھنا چاہتا ہے تو اسے تبدیل ہونا چاہیے۔

جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا ..." :آپ)صلی اللہ علیہ وسلم (نے ہمیں جرائم اور خونریزی سے باز رہنے کی تاکید کی ہے۔"

سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچے مسلمان اور سچے مومن کی نشانیاں بتائی ہیں۔ ایک سچا مسلمان وہ ہے جو دوسروں کی زبانی اور جسمانی اذیت کو دور رکھے۔ اس میں درحقیقت تمام لوگ شامل ہیں خواہ ان کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس میں ہر قسم کے زبانی اور جسمانی گناہ شامل ہیں جو کسی دوسرے کو نقصان یا تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔ اس میں دوسروں کو بہترین نصیحت نہ کرنا بھی شامل ہے کیونکہ یہ دوسروں کے ساتھ اخلاص کے خلاف ہے جس کا حکم سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اس میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تلقین کرنا اور گناہوں کی طرف دعوت دینا بھی شامل ہے۔ .ایک مسلمان کو اس رویے سے بچنا چاہیے کیونکہ ہر اس شخص سے حساب لیا جائے گا جو ان کی بری نصیحت پر عمل کرے گا۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

جسمانی نقصان میں دوسرے لوگوں کی روزی روٹی کے لیے مسائل پیدا کرنا، دھوکہ دہی کا ارتکاب کرنا، دوسروں کو دھوکہ دینا اور جسمانی زیادتی شامل ہے۔ یہ تمام خصوصیات اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں اور ان سے بچنا چاہیے۔

زیر بحث اصل حدیث کے مطابق سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کے نقصان کو دور رکھے۔ ایک بار پھر، یہ تمام لوگوں پر لاگو ہوتا ہے قطع نظر ان کے عقیدے کے۔ اس میں چوری کرنا، غلط استعمال کرنا یا دوسروں کی املاک اور سامان کو نقصان پہنچانا شامل ہے۔ جب بھی کسی کو کسی دوسرے کی جائیداد سونپ دی جائے تو اسے یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اسے صرف مالک کی اجازت سے اور اس طریقے سے استعمال کریں جو مالک کو خوش اور راضی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 5421 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص جھوٹی قسم کے ذریعے کسی دوسرے کا مال ناجائز طور پر لے، چاہے وہ ایک ٹہنی کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ درخت جہنم میں جائے گا۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے زبانی اعلان کو عمل سے سپورٹ کرے کیونکہ یہ کسی کے عقیدے کا جسمانی ثبوت ہیں جو قیامت کے دن کامیابی حاصل کرنے کے لیے درکار ہوں گے۔ اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے بارے میں سچے عقیدے کی خصوصیات کو پورا کرنا چاہیے۔ لوگوں کے ساتھ اس کو حاصل کرنے کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں، جو کہ احترام اور امن کے ساتھ ہے۔

جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا ..." :آپ)صلی اللہ علیہ وسلم (نے ہمیں نماز پڑھنے کا حکم دیا..."

جامع ترمذی نمبر 2618 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ فرض نمازوں کو چھوڑنا ایمان اور کفر میں فرق ہے۔

اس دن اور عمر میں یہ بہت عام ہو گیا ہے۔ بہت سے لوگ معمولی وجوہات کی بنا پر اپنی فرض نمازیں ترک کر دیتے ہیں جو کہ بلاشبہ رد ہیں۔ اگر جنگ کرنے والے پر نماز کی فرضیت ختم نہیں ہوئی تو کسی اور سے کیسے ہٹائی جائے گی؟ باب 4 النساء، آیت 102:

"اور جب آپ ان کے درمیان ہوں اور ان کی نماز پڑھائیں تو ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو اور وہ اپنے ہتھیار اٹھائے ہوں۔ اور جب وہ سجدہ کر لیں تو وہ آپ کے پیچھے ہوں اور دوسرے گروہ کو آگے آنے دیں جنہوں نے [ابھی تک [نماز نہیں پڑھی ہے اور وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں، احتیاط کرتے ہوئے اور اپنے ہتھیار اٹھائے ہوئے..."

نہ مسافر اور نہ بیمار اپنی فرض نمازوں سے مستثنیٰ ہیں۔ مسافر کو بعض فرض نمازوں میں چکروں کی مقدار کو کم کرنے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ ان پر بوجھ کم ہو جائے لیکن وہ ان کی ادائیگی سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ باب 4 النساء، آیت 101:

‘‘...اور جب تم پورے ملک میں سفر کرتے ہو تو تم پر نماز قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں’’

بیماروں کو خشک وضو کرنے کی تلقین کی گئی ہے اگر پانی سے رابطہ انہیں نقصان پہنچاتا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 6:

’’لیکن اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے رابطہ کیا ہو اور پانی نہ ملے تو صاف زمین تلاش کرو اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔‘‘

اس کے علاوہ بیمار فرض نماز اس طریقے سے ادا کرسکتے ہیں جو ان کے لیے آسان ہو۔ یعنی اگر کھڑے نہیں ہو سکتے تو بیٹھ سکتے ہیں اور اگر بیٹھ نہیں سکتے تو لیٹ کر فرض نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 372 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن پھر یہ کہ بیمار کو مکمل رعایت نہیں دی جاتی جب تک کہ کوئی ذہنی مریض نہ ہو جو اسے نماز کی فرضیت کو سمجھنے سے روکتا ہو۔

دوسرا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ بعض مسلمان اپنی فرض نمازوں میں تاخیر کرتے ہیں اور صحیح اوقات سے زیادہ پڑھتے ہیں۔ یہ قرآن کریم سے واضح طور پر متصادم ہے کیونکہ مومنین کو اپنی فرض نمازیں وقت پر ادا کرنے والے کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ باب 4 النساء، آیت 103:

‘‘بے شک نماز مومنوں پر مقررہ اوقات کے لیے فرض کی گئی ہے۔’’

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن کریم کی درج ذیل آیت سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی فرض نمازوں میں بلا ضرورت تاخیر کرتے ہیں۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 10، صفحہ 603-604 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ باب 107 المعون، آیات 4-5:

‘‘پس خرابی ہے نمازیوں کے لیے۔]لیکن [جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔"

یہاں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جنہوں نے اس بری صفت کو اختیار کیا ہے۔ اگر کوئی اللہ کی رحمت سے دور ہو جائے تو اس دنیا یا آخرت میں کامیابی کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 512 میں موجود ایک حدیث میں فرمایا کہ فرض نماز میں بلا ضرورت تاخیر کرنا نفاق کی علامت ہے۔ قرآن کریم نے واضح کیا ہے کہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی ایک بڑی وجہ فرض نمازوں کو قائم نہ کرنا ہے۔ باب المدثر، آیات 42-43 74:

]اور ان سے پوچھتے ہوئے[، "آپ کو سقر میں کس چیز نے ڈالا؟ "وہ کہیں گے کہ ہم نماز پڑھنے" والوں میں سے نہیں تھے۔

فرض نمازوں کا ترک کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2621 میں موجود حدیث میں اعلان فرمایا کہ جس نے یہ گناہ کیا اس نے اسلام سے کفر کیا۔

اس کے علاوہ کوئی اور نیک عمل کسی مسلمان کو اس وقت تک فائدہ نہیں دے گا جب تک کہ اس کی فرض نمازیں قائم نہ ہوں۔ صحیح بخاری نمبر 553 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر عصر کی فرض نماز چھوٹ جائے تو اس کے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اگر ایک فرض نماز کے ترک کرنے کا یہ حال ہے تو کیا ان سب کو چھوڑنے کی سزا کا تصور کیا جا سکتا ہے؟

صحیح مسلم کی حدیث نمبر 252 میں فرض نمازوں کو ان کے صحیح اوقات میں پڑھنے کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین اعمال میں سے ایک ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ فرض نمازوں کو اپنے وقت سے زیادہ مؤخر کرنا یا ان کو مکمل طور پر غائب کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ کام ہے۔

تمام بزرگوں کے لیے یہ ایک اہم فریضہ ہے کہ وہ اپنے زیر کفالت بچوں کو چھوٹی عمر سے ہی فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دیں تاکہ وہ ان پر شرعی طور پر پابند ہونے سے پہلے ہی اسے قائم کر لیں۔ وہ بالغ جو اس میں تاخیر کرتے ہیں اور بچوں کے بڑے ہونے تک انتظار کرتے ہیں اس انتہائی اہم فریضے میں ناکام رہے ہیں۔ جن بچوں کو صرف فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دی گئی تھی جب یہ ان پر فرض ہو گئی تھی، وہ بہت کم ہی انہیں جلدی قائم کرتے تھے۔ زیادہ تر معاملات میں اس اہم فرض کو صحیح طریقے سے نبھانے میں انہیں برسوں لگ جاتے ہیں۔ اور قصور خاندان کے بزرگوں پر، خاص طور پر والدین پر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 495 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت کی ہے کہ خاندان سب سے زیادہ اپنے بچوں کو جب سات سال کے ہو جائیں تو فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

ایک اور بڑا مسئلہ جس کا بہت سے مسلمانوں کو سامنا ہے وہ یہ ہے کہ وہ فرض نماز تو ادا کر سکتے ہیں لیکن صحیح طریقے سے ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر، بہت سے لوگ نماز کے مراحل کو صحیح طریقے سے مکمل نہیں کر پاتے اور اس کے بجائے اس میں جلدی کرتے ہیں۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 757 میں موجود ایک حدیث واضح طور پر تنبیہ کرتی ہے کہ اس طرح کی نماز پڑھنے والے نے بالکل نماز نہیں پڑھی۔ یعنی ان کا ذکر اس شخص کے طور پر نہیں ہے جس نے اپنی نماز پڑھی اور اس وجہ سے ان کی ذمہ داری پوری نہیں ہوئی۔ جامع ترمذی نمبر 265 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص نماز کے ہر مقام پر قائم نہیں رہتا اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں رکوع اور سجدہ نہ کرنے والے کو بدترین چور قرار دیا۔ موطا مالک، کتاب نمبر 9، حدیث نمبر 75 میں پائی جانے والی ایک حدیث میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے۔ بدقسمتی سے بہت سے مسلمان جنہوں نے کئی دہائیوں سے فرض اور اس جیسی بہت سی نفلی نمازیں ادا کی ہیں، ان میں سے کسی نے بھی گنتی نہیں کی ہے اور اس طرح ان کا شمار کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہے جس نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 1313 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

قرآن پاک عام طور پر مسجد میں جماعت کے ساتھ فرض نماز ادا کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 43:

‘‘اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔’’

درحقیقت اس آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی بنا پر بعض معتبر علماء نے اس کو مسلمان مردوں پر واجب قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر سنن ابوداؤد نمبر 550 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو مسلمان اپنی فرض نمازیں مسجد میں باجماعت ادا نہیں کریں گے انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے منافق قرار دیا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مردوں کے گھروں کو جلانے کی دھمکی بھی دی تھی جو بغیر کسی عذر کے باجماعت مسجد میں اپنی فرض نمازیں ادا کرنے میں ناکام رہے تھے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 1482 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ جو مسلمان اس اہم عمل کو انجام دینے کی پوزیشن میں ہوں وہ کریں۔ انہیں یہ دعویٰ کرنے میں خود کو بیوقوف نہیں بنانا چاہئے کہ وہ دوسرے نیک کام انجام دے رہے ہیں جیسے کہ گھر کے کاموں میں اپنے خاندان کی مدد کرنا۔ یوں تو صحیح بخاری نمبر 676 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے، لیکن ضروری ہے کہ آپ کی روایات کی اہمیت کو اپنی خواہشات کے مطابق ترتیب نہ دیا جائے۔ جو کوئی ایسا کرتا ہے وہ اس کی روایات کی پیروی نہیں کر رہا ہے وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا ہے خواہ وہ نیک عمل ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔ درحقیقت اسی حدیث کا اختتام اس نصیحت سے ہوتا ہے کہ جب فرض نماز کا وقت ہوتا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد کی طرف روانہ ہوتے۔

جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا ..." :آپ)صلی اللہ علیہ وسلم (نے ہمیں صدقہ دینے کا حکم دیا ہے۔"

صدقہ فطر نہ دینے پر قرآن پاک اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سخت تنبیہ کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 1403 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص اپنے واجب صدقات کو صدقہ نہ کرے اسے ایک بڑے زہریلے سانپ کا سامنا ہو گا جو قیامت کے دن اسے مسلسل ڈستا رہے گا۔ باب 3 علی عمران، آیت 180:

"اور جو لوگ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو جو کچھ دیا ہے اسے روکے رکھنے والے ہرگز یہ نہ سوچیں کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ بلکہ ان کے لیے بدتر ہے۔ ان کی گردنوں میں قیامت کے دن وہ گھیر لیا جائے گا جو انہوں نے روک رکھا تھا..."

سنن ابن ماجہ نمبر 4019 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جب معاشرے کے افراد واجب صدقہ کو روکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بارش کو روک دیتا ہے اور اگر یہ جانور نہ ہوتے تو وہ بارش کو ہر گز نہ ہونے دیتا۔ اس لیے یہ بڑا گناہ کچھ قوموں کو درپیش طویل خشک سالی کی ایک ممکنہ وجہ ہے۔

واجب صدقہ نہ دینا انتہائی لالچ کی علامت ہے کیونکہ یہ کسی کے مال کا صرف ایک انتہائی چھوٹا حصہ ہے یعنی 2.5%۔ واضح ہے کہ کنجوس اللہ تعالیٰ سے دور اور جہنم کے قریب ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1961 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

مسلمانوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ فرض صدقہ کرنا نہ صرف انہیں عذاب سے بچاتا ہے بلکہ یہ کسی کی زندگی میں برکتوں کا باعث بنتا ہے جو ان کے عطیہ کردہ مال سے کہیں زیادہ ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6592 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ صدقہ کرنے سے مال میں کمی نہیں آتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی عطیہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی تلافی کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، وہ انہیں کاروبار کے مواقع فراہم کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے عطیہ سے زیادہ دولت حاصل کرتے ہیں۔ قرآن مجید کے متعدد مقامات پر اس ادائیگی کی تصدیق کی گئی ہے، مثلاً باب 57 الحدید، آیت 11:

’’کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے تو وہ اس کو اس کے لیے کئی گنا بڑھا دے اور اس کے لیے اجر عظیم ہے۔‘‘

اس کے علاوہ یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ کر سکتی ہے کہ چونکہ ہر شخص کا رزق پہلے سے لکھا ہوا ہے جو مال اس پر خرچ کرنا ہے وہ کبھی نہیں بدلے گا چاہے کوئی کتنا ہی مال عطیہ کرے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے مال کا بہت کم حصہ فرض صدقہ کی صورت میں دے کر اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچتا ہے اور اس امید پر کہ دنیا اور آخرت دونوں میں اس سے کہیں زیادہ ہے۔

جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا ..." :آپ)صلی اللہ علیہ وسلم (نے ہمیں روزے "رکھنے کا حکم دیا ہے۔

سنن نسائی نمبر 2219 میں موجود الہی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ تمام اعمال صالحہ جو لوگ انجام دیتے ہیں وہ ان کے لیے ہیں سوائے روزے .کے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اسے براہ راست انعام دیں

یہ حدیث روزے کی انفرادیت پر دلالت کرتی ہے۔ اس کے اس انداز میں بیان ہونے کی ایک وجہ یہ ،ہے کہ باقی تمام اعمال صالحہ لوگوں کو نظر آتے ہیں، جیسے نماز، یا وہ لوگوں کے درمیان ہیں جیسے خفیہ صدقہ۔ جبکہ، روزہ ایک منفرد نیک عمل ہے کیونکہ دوسرے یہ نہیں جان سکتے کہ کوئی شخص صرف روزہ رکھنے سے روزہ رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ، روزہ ایک نیک عمل ہے جو اپنے آپ کے ہر پہلو پر قفل لگاتا ہے۔ یعنی جو شخص صحیح طریقے سے روزہ رکھتا ہے اسے زبانی اور جسمانی گناہوں سے روک دیا جائے گا جیسے کہ حرام چیزوں کو دیکھنا اور سننا۔ یہ بھی نماز کے ذریعے حاصل ہوتا ہے لیکن نماز صرف

تھوڑی دیر کے لیے ادا کی جاتی ہے اور دوسروں کو دکھائی دیتی ہے جبکہ روزہ دن بھر ہوتا ہے اور دوسروں کو نظر نہیں آتا۔ باب 29 العنکبوت، آیت 45:

‘‘...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے’’

مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص بغیر کسی جواز کے فرض روزے پورے نہیں کرتا وہ مومن نہیں ہو گا کیونکہ دونوں کا براہ راست تعلق ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 183:

"اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ"

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 723 میں موجود حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر کوئی مسلمان ایک فرض روزہ بغیر کسی شرعی عذر کے پورا نہ کرے تو اس کی قضا نہیں ہو سکتی۔ ثواب اور برکت ضائع ہو جاتی ہے خواہ وہ ساری زندگی روزے رکھے۔

اس کے علاوہ جیسا کہ اس آیت سے اشارہ کیا گیا ہے کہ روزہ صحیح طریقے سے تقویٰ کی طرف لے جاتا ہے۔ یعنی صرف دن کو بھوکا رہنے سے تقویٰ حاصل نہیں ہوتا بلکہ روزے کی حالت میں گناہوں سے بچنے اور اعمال صالحہ کی طرف زیادہ توجہ دینے سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 707 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر کوئی جھوٹ بولنے اور اس پر عمل کرنے سے پرہیز نہ کرے تو روزہ اہم نہیں ہوگا۔ اسی طرح کی ایک حدیث سنن ابن ماجہ نمبر 1690 میں ہے کہ بعض روزہ داروں کو بھوک کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جب کوئی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ ہوشیار اور محتاط ہو جاتا ہے، جب کہ وہ روزے

کی حالت میں ہوتے ہیں، یہ عادت بالآخر ان پر اثر انداز ہوتی ہے، اس لیے وہ روزہ نہ رکھتے ہوئے بھی اسی طرح کا برتاؤ کرتے ہیں۔ یہ دراصل حقیقی تقویٰ ہے۔

اس آیت میں جس نیکی کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اس کا تعلق روزے سے ہے کیونکہ روزہ انسان کی بری خواہشات اور شہوتوں کو کم کرتا ہے۔ یہ غرور اور گناہوں کی ترغیب سے روکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ پیٹ کی بھوک اور نفسانی خواہشات کو روکتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں بہت سے گناہوں کو جنم دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان دونوں چیزوں کی خواہش دیگر حرام چیزوں کی خواہش سے زیادہ ہے۔ پس جو شخص روزے کے ذریعے ان پر قابو پالے گا اس کے لیے کمزور خواہشات پر قابو پانا آسان ہو جائے گا۔ یہ حقیقی راستبازی کی طرف جاتا ہے۔

جیسا کہ مختصراً پہلے اشارہ کیا گیا ہے کہ روزے کے مختلف درجات ہیں۔ روزہ کا پہلا اور ادنیٰ درجہ وہ ہے جب کوئی ایسی چیزوں سے پرہیز کرے جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جیسے کہ کھانا۔ اگلا درجہ گناہوں سے پرہیز کرنا ہے جو روزہ کو نقصان پہنچاتے ہیں اور اس کے روزے کے ثواب کو کم کر دیتے ہیں، جیسے جھوٹ بولنا۔ سنن نسائی نمبر 2235 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ روزہ جس میں جسم کے ہر عضو کو شامل کیا جائے اگلا درجہ ہے۔ ،یہ اس وقت ہوتا ہے جب جسم کا ہر عضو گناہوں سے بچتا ہے، مثلاً آنکھ حرام کو دیکھنے سے کان حرام کو سننے سے، وغیرہ۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی روزہ نہ رکھتے ہوئے بھی اس طرح کا برتاؤ کرے۔ آخر میں روزہ کا اعلیٰ درجہ ان تمام چیزوں سے پرہیز کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ سے مربوط نہیں ہیں۔

ایک مسلمان کو باطنی طور پر بھی روزہ رکھنا چاہئے جیسا کہ ان کا جسم گناہ یا لغو خیالات سے پرہیز کرتے ہوئے ظاہری طور پر روزہ رکھتا ہے۔ انہیں اپنی خواہشات کے حوالے سے اپنے منصوبوں پر قائم رہنے سے روزہ رکھنا چاہئے اور اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے پر توجہ دینے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس کے علاوہ، انہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان کو باطنی طور پر چیلنج کرنے سے روزہ رکھنا چاہیے، اور اس کے بجائے تقدیر کے علاوہ اور جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے، وہ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین انتخاب کرتا ہے، چاہے وہ ان انتخاب کے پیچھے کی حکمت کو نہ سمجھیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

آخر میں، ایک مسلمان کو اپنے روزے کو پوشیدہ رکھ کر اور دوسروں کو مطلع نہ کر کے سب سے زیادہ ثواب حاصل کرنا چاہیے اگر یہ گریز کیا جا سکتا ہے کیونکہ غیر ضروری طور پر دوسروں کو بتانے سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ یہ دکھاوے کا ایک پہلو ہے۔

جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا'' :ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو قبول کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی۔ جس چیز کو اس نے حلال کیا ہم نے اسے حلال کیا اور جس چیز سے منع کیا اسے ہم نے حرام کر دیا۔''

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور’’ ‘‘تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا’’ :ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو قبول کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی۔ جس چیز کی اس نے اجازت دی ہے اسے ہم نے حلال کیا ہے اور جس چیز سے منع کیا ہے اسے ہم نے حرام کر دیا ہے۔ اسی وجہ سے ہماری قوم نے ہم پر حملہ کیا اور ہمیں ستایا تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ دیں اور بتوں کی عبادت کی طرف لوٹ آئیں اور ان برے کاموں کو حلال سمجھیں جو ہم نے کبھی کیے تھے۔ جب انہوں نے ہماری جانوں کو تشدد کا نشانہ بنایا اور اس وقت تک

گھیر لیا جب تک کہ ان کے درمیان کوئی حفاظت نہ پائی ہم آپ کے ملک میں آئے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ ہمیں ظلم سے بچائیں گے جب تک ہم آپ کے ساتھ ہیں، اے بادشاہ!

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ عام طور پر جب کوئی ایسا راستہ چنتا ہے جو دوسروں ،عام طور پر کے راستے سے مختلف ہو، جیسے کہ ان کے رشتہ داروں اور دوستوں کی، تو اسے ان کی طرف سے تنقید اور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ درحقیقت تنقید کی اکثریت کسی شخص کے رشتہ داروں کی طرف سے آتی ہے۔ مثال کے طور پر، جب کوئی مسلمان اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے پر زیادہ توجہ دینے کا فیصلہ کرتا ہے اور اگر یہ ایسی چیز ہے جس پر اس کے خاندان نے خود عمل نہیں کیا ہے تو اسے ان کی طرف سے تنقید کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان پر وہ لوگ بے وقوف اور انتہا پسند قرار دیں گے جن کے بارے میں وہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ ان کے راستے پر ان کا ساتھ دیں گے۔ مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ جس حلال راستے کا انتخاب کرتے ہیں اس پر ثابت قدم رہیں اور اللہ تعالیٰ کی مدد پر بھروسہ رکھیں، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتے ہوئے ان مشکلات سے نکلنے کے لیے۔ .

لوگوں کی طرف سے یہ ایک عام ردعمل ہے کیونکہ جب کوئی شخص زندگی میں دوسروں سے مختلف راستے کا انتخاب کرتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اس کا راستہ برا یا برا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس شخص نے ایک مختلف راستہ چنا ہے۔ اگرچہ وہ شخص اس پر یقین نہیں کرتا ہے لیکن صرف یہ مانتے ہوئے ایک مختلف راستہ چنتا ہے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے لیکن پھر بھی انہیں تنقید کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اپنی قوم کی طرف سے تنقید کا نشانہ بنایا گیا کیونکہ انہوں نے دوسروں کو ایک اور بہتر راستے کی طرف دعوت دی۔

نتیجہ یہ کہ جب تک زندگی میں کسی کا راستہ حلال ہے اسے ثابت قدم رہنا چاہیے اور دوسروں کی تنقید سے باز نہیں آنا چاہیے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنے حالات اور کردار کو بہتر بنانے کی کوشش نہ کریں۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے حلال انتخاب کی پیروی سے باز نہیں آنا چاہیے۔

غلط عقائد کی اصلاح

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایتھوپیا کی طرف ہجرت کرنے کے بعد مکہ کے غیر مسلموں کے سرداروں نے اپنے دو آدمیوں کو حبشہ کے بادشاہ کے پاس روانہ کیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان مسائل پیدا ہو جائیں۔ ان سے خوش ہیں .انہوں نے جھوٹ کے ذریعے بادشاہ کے دل کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے دشمنی اور ناپسندیدگی سے بھرنے کی کوشش کی۔ جیسا کہ ایتھوپیا کا بادشاہ عیسائی تھا، انہوں نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ اسلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم رضی اللہ عنہا کی بے عزتی کر رہا ہے۔ لیکن جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوال کیا گیا تو انہوں نے سچ کہا اور بادشاہ کو قرآن پاک پڑھ کر سنایا جس کو سن کر آپ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی سرزمین میں امن سے رہنے کی اجازت دی اور ان کے ساتھ احترام اور مہربانی سے پیش آئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 5-6 میں بحث کی گئی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلط عقائد کے پھیلنے کی بنیادی وجوہات آپ کی معجزانہ ولادت، آپ کے معجزات اور آپ کا زندہ ہوتے ہوئے جنت میں جانا تھا۔ قرآن کریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت کی تصدیق کرتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ آپ کی پیدائش اللہ تعالیٰ کی لامحدود قدرت کی نشانی تھی۔ باب 3 علی عمران، آیت 47:

وہ)مریم رضی اللہ عنہا (کہنے لگیں کہ اے میرے رب، میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا جب کہ مجھے کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا؟)فرشتے نے (کہا کہ اللہ ایسا ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو اس سے صرف یہ کہتا ہے کہ ہو جا، تو وہ ہو جاتا ہے۔

اس معجزانہ ولادت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام الٰہی تھے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی لامحدود قدرت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 59:

بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے۔ اس کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اس نے اس’’ سے کہا کہ ہو جا اور وہ ہو گیا۔

یہ آیت ایک سادہ لیکن گہرے سبق کی طرف اشارہ کرتی ہے، یعنی بعض لوگ غلط سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں کیونکہ ان کا کوئی انسانی باپ نہیں ہے۔ لیکن اگر اسے اللہ تعالیٰ سے جوڑنے کا معیار یہی تھا تو حضرت آدم علیہ السلام اس دعوے کے لیے زیادہ موزوں ہیں کیونکہ ان کا کوئی انسانی باپ یا ماں نہیں ہے۔ حقیقت کو سمجھنے کے لیے صرف اس آیت پر ہی غور کرنا کافی ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نیک بندے، رسول اور رسول ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی تصدیق قرآن پاک سے بھی ہوتی ہے۔ تاہم یہ واضح کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ معجزات اللہ تعالیٰ کی مرضی، اجازت اور حکم سے انجام دیے۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام الٰہی ہوتے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی مرضی یا اجازت کی ضرورت نہ ہوتی۔ باب 3 علی عمران، آیت 49:

اور بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر بناؤ،]جو کہے گا [کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف" سے نشانی لے کر آیا ہوں کہ میں تمہارے لیے مٹی سے بناتا ہوں۔ جو پرندے کی طرح ہے پھر میں اس میں پھونک مارتا ہوں اور وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ اور میں اندھے اور کوڑھی کو شفا دیتا ہوں اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں - اللہ کے حکم سے۔ اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں کیا ذخیرہ کرتے ہو..."

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زندہ ہوتے ہوئے آسمانوں پر چڑھنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی مزید نشاندہی کرتا ہے جیسا کہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس سفر میں لے لیا تھا۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام الٰہی ہوتے تو اپنی فطری قوت سے یہ سفر طے کر سکتے تھے۔ باب 3 علی عمران، آیت 55:

جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ، بیشک میں تمہیں لے لوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا اور”
“تمہیں کافروں سے پاک کروں گا۔

قرآن کریم عیسائیوں کو بتاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے عقیدے کے برعکس سولی نہیں دی گئی۔ صلیب پر جس کی تصویر نظر آئی وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نہیں تھی بلکہ وہ شخص تھا جسے آپ جیسا بنا دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس وقت تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھا چکا تھا۔ باب 4 النساء، آیات 156-158:

"اور ان کے کفر اور مریم کے خلاف ان کے کہنے کی وجہ سے بہت بڑا بہتان ہے۔ اور ان کے کہنے پر کہ بے شک ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو اللہ کے رسول کو قتل کر دیا ہے۔ اور اُنہوں نے اُسے قتل نہیں کیا اور نہ ہی اُسے سولی پر چڑھایا۔ لیکن]دوسرے [کو ان سے مشابہ کیا گیا... بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا غلط عیسائی عقیدہ، آپ کا مصلوب ہونا، مارا جانا، اپنے آپ میں عجیب ہے کیونکہ ایک حقیقی الٰہی ہستی موت کا سامنا کرنے سے بہت دور ہے۔ تو درحقیقت، مصلوب کے ذریعے اس کی موت پر ان کا غلط عقیدہ خود اس کی الوہیت پر ان کے غلط عقیدے کی نفی کرتا ہے۔

آخر میں، ایک الہٰی ہستی فطرتاً ایک ایسی چیز ہے جو خود کو برقرار رکھنے والا ہے، اسے برقرار رکھنے کے لیے کسی اور کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ایک ہستی دوسرے کے ذریعہ برقرار ہے تو وہ الہی نہیں ہوسکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا دونوں آسمانی مخلوق نہیں تھے کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پرورش کی ضرورت تھی، یعنی وہ خود کفیل مخلوق نہیں تھے۔ اس کے علاوہ کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ جیسا کہ فرشتے نہیں کھاتے انہیں خدا سمجھا جا سکتا ہے۔ درحقیقت وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف طریقے

سے برقرار ہیں اس لیے وہ بھی خود کفیل نہیں ہیں۔ یہ حقیقت کہ وہ تخلیق کیے گئے ہیں اور باقی مخلوقات کی طرح موت کا تجربہ کریں گے، الوہیت کی نفی کرنے کے لیے کافی ہے۔

خدائی حفاظت

جیسا کہ سماجی طور پر کمزور صحابہ کے خلاف مکہ کے غیر مسلموں کے تشدد میں اضافہ ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کچھ کو ایتھوپیا کی طرف ہجرت کرنے کا مشورہ دیا۔ اس نے انہیں نصیحت کی کہ ان کا بادشاہ ایک عادل آدمی ہے اور انہیں وہاں ظلم و ستم کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے گھر والوں، کاروبار اور گھروں کو سب کچھ اللہ کی رضا کے لیے چھوڑ کر چلے گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کا فیصلہ کیا تاکہ وہ اللہ کی عبادت سکون سے کر سکیں۔ صحیح بخاری نمبر 3905 میں موجود حدیث کے مطابق جب وہ مکہ سے ایک خاص فاصلے پر پہنچے تو مکہ کے ایک غیر مسلم رئیس ابن ادثینہ سے ملاقات ہوئی۔ جب دونوں نے بات کی تو ابن داغینہ نے تبصرہ کیا کہ ان جیسے اچھے انسان کو اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا جانا چاہیے۔ ابن داغینہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعض اعلیٰ خصائل کو بیان کیا، جن میں یہ بھی شامل ہے :ضرورت مندوں اور غریبوں کی مدد کے لیے ان کا شوق۔

صحیح بخاری نمبر 7376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرے گا جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا۔

اسلام بہت سادہ مذہب ہے۔ اس کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک اس قدر سادہ ہے کہ ان پڑھ لوگ بھی ان کو سمجھ سکتے ہیں اور اس پر عمل کر سکتے ہیں، یعنی لوگ دوسروں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا۔ مثال کے طور پر جو لوگ دوسروں کی غلطیوں کو درگزر کرنا اور معاف کرنا سیکھتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ باب النور، آیت 22 24:

"...اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟''

جو لوگ فائدہ مند دنیاوی اور دینی معاملات میں دوسروں کی مدد کرتے ہیں جیسے کہ جذباتی یا مالی امداد اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کی مدد کرے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4893 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ یہی حدیث نصیحت کرتی ہے کہ جو دوسروں کے عیب چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیب چھپاتا ہے۔

سیدھے الفاظ میں، اگر کوئی اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک اور احترام کا سلوک کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں ان کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ ایسا ہی سلوک کرے گا، خواہ وہ فرض نمازوں جیسے واجبات کو پورا کرتے ہوں۔ یہ اس لیے ہے کہ ایک مسلمان کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے دونوں فرائض کو پورا کرنا چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے لیے فرائض۔

آخر میں، یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ صرف اللہ کی طرف سے حسن سلوک کیا جائے گا، اگر وہ اس کی خاطر دوسروں سے حسن سلوک سے پیش آئے۔ اگر وہ اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے ایسا کرتے ہیں تو بلاشبہ ان تعلیمات میں مذکور اجر کو ضائع کر دیں گے۔ تمام عبادات اور اسلام کی بنیاد خود انسان کی نیت ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

ابن داغینہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بعض اعلیٰ صفات بیان کی ہیں جن میں یہ بھی شامل ہے:
رشتہ داری کو برقرار رکھنا۔

جامع ترمذی نمبر 2612 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ کامل ایمان والا وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ سب سے زیادہ مہربان ہو۔

بدقسمتی سے، بعض نے اپنے ہی خاندان کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہوئے غیر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی بری عادت اپنا لی ہے۔ وہ اس طرح برتاؤ کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے خاندان کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کو نہیں سمجھتے اور اپنے خاندان کی تعریف کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ ایک مسلمان اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ایمان کے دونوں پہلوؤں کو پورا نہ کرے۔ پہلا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی، اس کے احکام کی بجا آوری، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا ہے۔ دوسرا یہ کہ لوگوں کے حقوق ادا کیے جائیں جس میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ اس قسم کے سلوک کا اپنے خاندان سے زیادہ حق کسی کو نہیں ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام اچھے معاملات میں اپنے خاندان کی مدد کرے اور انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی کے ساتھ برے کاموں اور طریقوں سے تنبیہ کرے۔ برے کاموں میں ان کی آنکھیں بند کر کے صرف اس وجہ سے ساتھ نہ دیں کہ وہ ان کے رشتہ دار ہیں اور نہ ہی ان کے بارے میں بعض برے جذبات کی وجہ سے اچھے معاملات میں ان کی مدد کرنے سے گریز کریں کیونکہ یہ اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

دوسروں کی رہنمائی کا بہترین طریقہ عملی نمونہ کے ذریعے ہے کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور صرف زبانی ہدایت سے کہیں زیادہ موثر ہے۔

،آخر میں، کسی کو عام طور پر تمام معاملات میں نرمی کا انتخاب کرنا چاہئے، خاص طور پر اپنے خاندان کے ساتھ معاملہ کرتے وقت۔ اگر وہ گناہ بھی کریں تو انہیں نرمی کے ساتھ تنبیہ کی جائے اور پھر بھی اچھے کاموں میں ان کی مدد کی جائے کیونکہ یہ مہربانی انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف لوٹانے میں ان کے ساتھ سختی کرنے سے زیادہ کارگر ہے۔

ابن داغینہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعض اعلیٰ خصائل کو بیان کیا، جن میں یہ بھی شامل ہے :غم زدہ کی مدد کرنا۔

سنن ابن ماجہ نمبر 1601 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ غم زدہ کی تسلی کرنے والے کو قیامت کے دن عزت کا لباس پہنایا جائے گا۔

چونکہ مشکلات کا سامنا کرنا ان سب باتوں کی ضمانت ہے یہ ایک عظیم اجر حاصل کرنے کا ایک انتہائی آسان طریقہ ہے جس میں زیادہ وقت، توانائی یا پیسے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس میں اپنے ذرائع کے مطابق مشکل کا سامنا کرنے والے خاندان کی مدد کرنے کی کوشش کرنا شامل ہے، جیسے کہ جذباتی، مالی اور جسمانی مدد۔ ایک مسلمان کو مشکل کا سامنا کرنے والوں کو پوری آزمائش کے دوران صبر کرنے کی ترغیب دینی چاہیے اور انہیں قرآن پاک کی آیات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث یاد دلانی چاہیے، جو صبر کی اہمیت اور اجر عظیم کے بارے میں بتاتی ہیں۔ انہیں یہ یاد دلاتے ہوئے مثبت بات کرنی چاہئے کہ چیزیں صرف اچھی وجہ سے ہوتی ہیں یہاں تک کہ اگر لوگ ان کے پیچھے کی حکمت کو سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں۔ درحقیقت اس نیک عمل کو انجام دینے کے لیے کسی شخص کو عالم نہیں بننا چاہیے کیونکہ اکثر صورتوں میں مدد کے چند مہربان الفاظ کسی مشکل کا سامنا کرنے والے کو بہتر محسوس کرنے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ اور بعض صورتوں میں صرف جسمانی طور پر موجود ہونا ہی انہیں سہارا دینے کے لیے کافی ہوتا ہے چاہے کوئی لفظ نہ بولے۔

،آخر میں، یہ ضروری ہے کہ مسلمان اس نیک عمل کو انجام دیتے وقت اپنی نیت کو درست کریں اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کریں، اور اپنے رشتہ داروں جیسے دوسروں کو دکھانے کے لیے ایسا نہ کریں، اور نہ ہی خوف کی وجہ سے کریں۔ دوسروں کی طرف سے تنقید کا نشانہ بننا اگر وہ ایسا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ دوسروں کی خاطر عمل کرنے والوں کو قیامت کے دن بتایا جائے گا کہ وہ ان کاموں سے اپنا اجر حاصل کریں جس کے لیے وہ عمل نہیں کر سکے گا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اس کے بعد ابن ادثینہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مکہ واپس آنے کی ترغیب دی جہاں وہ انہیں مکہ کے غیر مسلموں سے اپنی حفاظت کی پیشکش کریں گے۔ جب وہ دونوں واپس آئے تو مکہ کے غیر مسلموں کے سرداروں نے ابن الدغنہ کے مطالبات سے اتفاق کیا لیکن اصرار کیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کی رازداری میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور عبادت کریں۔ اور عوام میں نہیں. ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے اتفاق کیا لیکن اپنے گھر کے سامنے ایک مسجد بنائی جہاں وہ نماز پڑھتے تھے اور قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے جسے راہگیر سن سکتے تھے۔ جب مکہ کے غیر مسلموں کے سرداروں نے اس پر ابن ادثینہ کو للکارا تو اس نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ وہ یا تو اللہ تعالیٰ کی عبادت تنہائی میں کریں یا انہیں اپنے تحفظ کے وعدے سے آزاد کر دیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں رہا کر دیا اور اس کے بجائے اللہ رب العالمین سے پناہ مانگی۔

سنن ابن ماجہ نمبر 1081 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی کہ کس طرح اپنے رزق میں برکت، الٰہی مدد اور اپنی حالت و حالت میں بہتری حاصل کریں۔

پہلی چیز یہ ہے کہ انسان مرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرے۔ چونکہ موت کا وقت معلوم نہیں یہ حدیث درحقیقت خلوص دل سے توبہ کرنے کی طرف اشارہ کرتی ہے جب بھی کوئی گناہ کرتا ہے یعنی بغیر تاخیر کے توبہ کرنا۔ یہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے پر مشتمل ہے، اور جس کے ساتھ بھی ظلم ہوا ہے، ندامت محسوس کرنا، دوبارہ ایسا یا ایسا ہی گناہ نہ کرنے کا پختہ وعدہ کرنا۔ اور آخر میں، اگر ممکن ہو تو، اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہیں ان کی تلافی کرنا۔

اس کے بعد جو اہم حدیث میں نصیحت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کو ذمہ داریوں، بیماری یا کسی مشکل میں مشغول ہونے سے پہلے اپنے وقت کا استعمال کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کر کے یہ حاصل کر سکتا ہے۔ ان کو چاہیے کہ وہ اپنی وساطت کے مطابق عمل صالح کرنے میں جلدی کرے اور جس کل کی انہیں امید ہے وہ کبھی نہ آئے۔ امید کی جاتی ہے کہ اس طرح کا برتاؤ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ملے گی جب کہ حالات کی تبدیلی کی وجہ سے وہ مزید اعمال صالحہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔

اس کے بعد جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا رشتہ مضبوط کرنا چاہیے اور اس کا ذکر کثرت سے کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا حقیقی ذکر تین درجوں پر مشتمل ہے۔ پہلا داخلی ذکر ہے، اس کے لیے اخلاص۔ دوسرا درجہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے، اچھی بات کہنے اور لغو اور گناہ کی باتوں سے اجتناب پر مشتمل ہے۔ اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنے اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کی جائے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔

اصل حدیث میں جو آخری چیز مذکور ہے وہ پوشیدہ اور کھلا کثرت سے صدقہ دینا ہے۔ اس میں واجب اور رضاکارانہ صدقہ دونوں شامل ہیں۔ غور کرنا ضروری ہے، اس کا مطلب ہے صدقہ دینا اپنے وسیلہ کے مطابق دینا چاہے زیادہ ہو یا تھوڑا۔ اللہ تعالیٰ مقدار کا مشاہدہ نہیں کرتا ہے وہ معیار کے معنی، اخلاص کی بنیاد پر اعمال کا مشاہدہ اور فیصلہ کرتا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس سے مسلمانوں کو اپنے وسائل کے مطابق صدقہ دینے کے علاوہ کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ صدقہ ایک بار کی بجائے باقاعدگی سے دیا جائے کیونکہ معمول کے اعمال اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب ہیں خواہ وہ تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں۔ صحیح بخاری نمبر 6465 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ آخر میں جو لوگ دوسروں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دینا چاہتے ہیں وہ اسے کھلے عام دے سکتے ہیں۔ اس سے انہیں وہی اجر ملے گا جو ان لوگوں کو ملے گا جو ان کی تحریک کی وجہ سے عطیہ کرتے ہیں۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ لیکن جو لوگ دکھاوے سے ڈرتے ہیں جس سے ان کا اجر منسوخ ہو جاتا ہے تو وہ نجی طور پر ایسا کریں۔ اسلام نے مسلمانوں کو بہت زیادہ اجر حاصل کرنے کے بہت سے اختیارات اور مواقع فراہم کیے ہیں جو دونوں جہانوں میں ان کے بوجھ کو ہٹانے کا باعث بنتے ہیں۔

شکر گزاری کا ایک سبق

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایتھوپیا کے بادشاہ کی طرف سے بھیجے گئے وفد کے ساتھ ایتھوپیا سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئے۔ جب یہ وفد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ ذاتی طور پر ان کی خدمت کے لیے اٹھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ بیٹھے رہیں اور انہیں وفد کی خدمت کی اجازت دیں۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ جس طرح انہوں نے آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعظیم کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذاتی طور پر ان کی خدمت کرکے ان کا بدلہ دینا چاہا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 19 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1954 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔

اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام نعمتوں کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے، لیکن لوگوں کا شکر ادا کرنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی شخص کو دوسروں کی مدد کے لیے استعمال کرتا ہے جیسے کہ اس کے والدین۔ جیسا کہ اسباب اللہ تعالیٰ نے بنائے اور استعمال کیے، ان کا شکر ادا کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے۔ لہٰذا، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اچھے کردار کا مظاہرہ کریں اور دوسروں کی طرف سے ملنے والی کسی بھی امداد یا حمایت کے لیے ہمیشہ قدردانی کا مظاہرہ کریں، چاہے اس کا حجم کچھ بھی ہو۔ انہیں چاہیے کہ نعمتوں کو اس کے حکم کے مطابق استعمال کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کیونکہ وہ نعمت کا سرچشمہ ہے اور اس شخص کا شکر ادا کریں کیونکہ یہ وہ وسیلہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تخلیق اور منتخب کیا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ زبانی طور پر لوگوں کا شکر ادا کرے اور عملی طور پر ان کے احسان کا بدلہ ان کی وسعت کے مطابق ادا کرے خواہ یہ ان کی طرف سے صرف دعا ہی کیوں نہ ہو۔ امام بخاری کی کتاب ادب المفرد نمبر 216 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا سچا شکر ادا نہیں کر سکتا، اس لیے اسے نعمتوں میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

اگر کوئی مسلمان نعمتوں میں اضافے کا خواہاں ہے تو اسے شکر گزاری کے دونوں پہلوؤں کو پورا کرنا چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ اور لوگوں کا۔

سیدھا راستہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ مکہ کے غیر مسلموں کو بتوں کی پوجا کرتے دیکھا۔ اس نے ان پر تنقید کی اور کہا کہ ان کے آباء و اجداد، انبیاء ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام نے اس طرح کا برتاؤ نہیں کیا تھا اور وہ دونوں مسلمان تھے)جو اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کرتے تھے(۔ غیر مسلموں نے جواب دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں بتوں کی پرستش کرتے ہیں، اور اس لیے کہ وہ انہیں اس کے قریب کرتے ہیں۔ جواب کے طور پر اللہ تعالیٰ نے سورہ 3 علی عمران آیت 31 نازل فرمائی:

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور'' تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔''

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 3:31، صفحہ 32 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

حق کا دفاع کرنا

ابوجہل نے ایک دفعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نقصان پہنچایا۔ حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، جب انہوں نے سنا کہ ان کے بھائی نے ان کے بھتیجے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچایا ہے، غصے میں آگئے۔ نتیجتاً اس نے ابوجہل پر حملہ کر کے اسے زخمی کر دیا اور پھر کھلے عام اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ جس دن حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا مسلمان اس سے زیادہ مضبوط ہو گئے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 282-283 میں بحث کی گئی ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام آیت نمبر 122 نازل فرمائی۔

"اور کیا وہ شخص جو مردہ تھا اور ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لیے روشنی پیدا کی جس کے ذریعے لوگوں کے درمیان چلنا تھا اس شخص کی طرح جو اندھیرے میں ہے، کبھی اس سے نکلنے والا نہیں؟ اس طرح کافروں کے لیے خوشنما بنا دیا گیا جو وہ کر رہے تھے۔"

اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 6:122، صفحہ 79 میں بحث کی گئی ہے۔

اس سے مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ جب بھی انہیں کسی ایسی چیز کا سامنا ہو جو انہیں گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف لے جائے، جو شیطان، باطنی شیطان اور دوسرے لوگوں کی صورت میں سامنے آسکتی ہے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے۔ .اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ ان دشمنوں کو خوش کرنے کے لیے ہرگز کوئی عمل نہیں کرنا چاہیے اگر یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر منتج ہو جائے، کیونکہ اس طرح ان کو کچھ بھی حاصل ہو جائے، یہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے بڑا ندامت اور بوجھ بن جائے گا۔ انسان کو یہ بات پختہ طور پر یاد رکھنی چاہیے

کہ چاہے وہ فوراً اس پر عمل کرے یا نہ کرے، اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے گا جو اس کی اطاعت کرتا ہے خواہ وہ ان دشمنوں کو ناگوار کیوں نہ ہو۔ جبکہ یہ دشمن انہیں اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب سے محفوظ نہیں رکھ سکیں گے۔

صحیح معنوں میں یہ یاد رکھنا کہ ان کے ہر عمل کا جوابدہ ہونا ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ثابت قدم رہنے میں مدد دے سکتا ہے۔ اس کامیابی کا ایک عنصر اللہ تعالیٰ کو مسلسل یاد کرنا ہے۔ اس میں نہ صرف اسے اپنی زبان سے یاد کرنا شامل ہے بلکہ اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔ یہ عملی ذکر ان دشمنوں سے بچ جائے گا جو مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ باب 41 فصیلات، آیت 36:

"اور اگر تمہیں شیطان کی طرف سے کوئی بری بات پہنچے تو اللہ کی پناہ مانگو۔"

غور کرنا ضروری ہے، یہ آیت بتاتی ہے کہ اللہ کو یاد کرنا چاہیے، بہت زیادہ معنی؛ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عائد تمام فرائض کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، نہ کہ ان کی خواہشات کے مطابق چیری چنیں۔ اور نہ ہی انہیں کبھی کبھار پورا کر کے سستی کرنی چاہیے۔ یہ مسلمان ان دشمنوں سے اللہ تعالیٰ کی مکمل حفاظت حاصل نہیں کر سکے گا اور اس لیے اس کے گمراہ ہونے کا زیادہ خطرہ ہے۔

اللہ عزوجل کو صحیح معنوں میں یاد کرنا، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، دونوں جہانوں کی تمام دنیوی اور دینی مشکلات پر قابو پانے کی کلید ہے۔ زیر بحث مرکزی آیت کے آخر میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

جہالت اور اس کے لوگ

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں کھلے عام اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے تو عیسائی عیسائی ان کے پاس آئے اور ان سے اسلام کے بارے میں سوال کیا۔ ان کے سوالات 20 کے جوابات دینے اور انہیں قرآن پاک کی تلاوت کرنے کے بعد انہوں نے اسلام قبول کیا کیونکہ انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیوں کو پہچان لیا جو ان کے آسمانی صحیفوں میں درج ہیں۔ جب وہ اسے چھوڑنے کے لیے اٹھے تو مکہ کے غیر مسلم رہنما ابو جہل نے ان کا راستہ روک دیا اور یہ دعویٰ کر کے ان کی توہین کی کہ وہ اپنا صحیح عقیدہ چھوڑ چکے ہیں۔ انہوں نے سادگی سے جواب دیا کہ وہ واپس اس کی توہین نہیں کریں گے اور اس کے بجائے اسے سلام کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید کی 28 سورت القصص، آیات 52-55 نازل کی:

”جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جب ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے، بیشک یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے، ہم اس سے پہلے بھی مسلمان تھے۔ ان لوگوں کو ان کا اجر دوگنا دیا جائے گا جس پر انہوں نے صبر کیا اور برائی کو بھلائی سے روکتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جب وہ بری بات سنتے ہیں تو اس سے منہ موڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں۔ تم پر سلامتی ہو گی۔ ہم جاہلوں کی تلاش نہیں کرتے۔"

یہ واقعہ امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 2، صفحہ 24-25 میں درج ہے۔

باب 25 الفرقان آیت 63 سے مربوط ہے یہ واقعہ:

‘‘اور جب جاہل ان سے]سختی سے [خطاب کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہیں۔ ’’

خاص طور پر، جب لوگ احمقانہ انداز میں کام کرتے ہیں تو وہ اسی طرح جواب نہیں دیتے۔ اس کے بجائے وہ صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں جو ان کے قول و فعل سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک بے وقوف شخص کو جو بہترین جواب دے سکتے ہیں وہ انہیں سکون سے چھوڑ دینا ہے کیونکہ انہیں برے طریقے سے جواب دینا ہی انہیں حوصلہ دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اپنا دفاع نہیں کرتے جیسا کہ اسلام اس کی اجازت دیتا ہے بلکہ انہوں نے کمزوری کے بغیر عاجزی اختیار کی ہے۔ وہ ان لوگوں پر اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے جو صرف مصیبت کی تلاش میں ہیں۔ اسلام میں جہالت ایک ناپسندیدہ خصوصیت ہے اور اس کی ایک وجہ ہے کہ علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جاہل اس کا احساس کیے بغیر بھی گناہ کرتے ہیں، اس لیے رحمٰن کے سچے بندے اس کے بندوں سے بچتے ہیں اور اس خصوصیت کو قرآن مجید اور اس کی روایات کے مطالعہ کے لیے وقف کرتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تعلیمات کو اپنی زندگیوں میں اپنانے کی کوشش کریں۔ باب 39 از زمر، آیت 9:

"کہو، "کیا جاننے والے برابر ہیں جو نہیں جانتے؟..."

،قرآن کریم نے واضح کر دیا ہے کہ جاہل شخص حقیقی تقویٰ حاصل نہیں کر سکتا۔ باب 35 فاطر آیت 28:

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں‘‘۔ ’’

اس لیے کہ اسلامی تعلیمات میں بتائی گئی اچھی خصلتوں کو اپنانے اور برے خصلتوں سے بچنے کے لیے علم کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی کسی برے خصلت سے ناواقف ہے تو وہ اسے اپنے کردار سے کیسے دور کر سکتا ہے؟

کسی کو صرف اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے بلکہ علم رکھنے والوں کا ہمیشہ احترام کرنا چاہیے کیونکہ یہ غرور سے دور رہتا ہے۔

قرآن پاک مسلمانوں کو جاہلوں کی صحبت سے دور رہنے کی نصیحت کرتا ہے کیونکہ وہ صرف اپنے دوستوں کو فضول یا برائی کی طرف ترغیب دے سکتے ہیں۔ باب 28 القصص، آیت 55:

"اور جب وہ بری بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال، تم پر سلامتی ہو، ہم جاہلوں کی تلاش نہیں کرتے۔"

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی جاہلوں کو نصیحت یا تعلیم نہ دے بلکہ یہ بات ان پڑھے لکھے مسلمانوں پر چھوڑ دی جائے جنہوں نے اسلام کے پیغام کو صحیح طریقے سے پھیلانے کے لیے درکار صحیح خصوصیات کو اپنایا ہو۔

حقیقی جاہل وہ نہیں ہے جس کے پاس علم نہ ہو۔ حقیقت میں جاہل وہ ہے جو اپنے علم پر عمل نہ کرے۔ ایسا شخص زیادہ علم رکھنے کے باوجود جاہل ہے۔ علم پر عمل کرنا وہ علم ہے جو نفع بخش ہے۔ باقی سب کچھ صرف زبان کا علم ہے جو اس کے مالک کو فائدہ نہیں دے گا۔ درحقیقت یہ علم قیامت کے دن انسان کے خلاف گواہی دے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اسلامی علم سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں اور ایسے علم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگیں جس سے کوئی فائدہ نہ ہو جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 3843 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔

اسلام کی تقویت

اسلام قبول کرنے سے پہلے، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو مکہ کے غیر مسلموں کے رہنماؤں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی ترغیب دی تھی۔ جب وہ اپنی تلوار لے کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں ان کی مجلس سے نکلے تو نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی جنہوں نے اپنی توجہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہٹانے کی کوشش کی۔ السلام علیکم اس نے عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بتا کر ڈانٹا کہ ان کے اپنے خاندان کے افراد اسلام قبول کر چکے ہیں :ان کی بہن، بہنوئی اور کزن۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر اپنی بہن کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ اس نے انہیں قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے سنا اور اس کے گھر میں داخل ہونے کے بعد انہوں نے شروع میں انکار کیا کہ وہ کیا کر رہے تھے۔ آخر کار، انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا حالانکہ اس کی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مارا پیٹا تھا۔ آخر کار، عمر رضی اللہ عنہ پرسکون ہو گئے اور انہوں نے اپنی بہن سے درخواست کی کہ وہ اسے دکھائیں کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ اس نے اسے حکم دیا کہ پہلے اپنے آپ کو دھو لے، کیونکہ وہ ناپاک تھا۔ اس کے بعد آپ نے وہ کاغذ لیا جو وہ پڑھ رہے تھے اور قرآن پاک کی سورہ 20 طہٰ کی تلاوت کرنے لگے۔ اس کی تلاوت کے دوران ایمان کی روشنی اس کے روحانی قلب میں داخل ہو گئی۔ پھر اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ٹھکانے کے بارے میں پوچھا۔ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ گھر کے اندر چھپے ہوئے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روحانی قلب میں داخل ہونے والی حقیقت کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو ظاہر کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے بارے میں بتایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت یا ابوجہل کی رہنمائی کے لیے بنایا گیا؟ یہ دعا جامع ترمذی نمبر 3681 میں موجود حدیث میں مذکور ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف تشریف لے گئے جو اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تھے۔ ان سے خوش ہیں .جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام پر پہنچے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ شروع میں خوفزدہ ہوئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر جانے دیا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے اسے پکڑ لیا۔ لیکن مؤخر الذکر نے انہیں حکم دیا کہ اسے جانے دیں۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی نیت دریافت کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ،اسلام کا اعلان کیا۔ اس پر امام محمد السلّابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1 صفحہ 51-56 میں بحث کی گئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی سے ظاہر ہے کہ جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو نہ صرف زبانی طور پر اس پر ایمان کا اعلان کیا بلکہ عملی طور پر اس کی تعلیمات پر عمل کیا۔ ہر مسلمان کا یہی رویہ ہونا چاہیے۔

کفر اسلام کا لفظی انکار ہو سکتا ہے یا اعمال کے ذریعے، جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی شامل ہے، حالانکہ کوئی اس پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کو ایک مثال سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر کسی لاعلم شخص کو کسی دوسرے قریب آنے والے شیر کی طرف سے خبردار کیا جاتا ہے اور لاعلم شخص حفاظت کے حصول کے لیے عملی اقدامات کرتا ہے تو وہ ایسا شخص سمجھا جائے گا جس نے انہیں دی گئی وارننگ پر یقین کیا ہو کیونکہ اس نے انتباہ کی بنیاد پر اپنے طرز عمل کو ڈھال لیا تھا۔ جبکہ اگر لاعلم شخص تنبیہ کے بعد اپنے رویے کو عملی طور پر تبدیل نہیں کرتا ہے تو لوگ شک کریں گے کہ وہ ان کو دی گئی وارننگ پر یقین نہیں کرتے خواہ بے خبر شخص زبانی طور پر ان کو دی گئی وارننگ پر یقین کا دعویٰ کرے۔

بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا عقیدہ اور اپنے خدا کی اطاعت ان کے دلوں میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر اس کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بدقسمتی سے، اس احمقانہ ذہنیت نے بہت سے مسلمانوں کو متاثر کیا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک خالص وفادار دل کے مالک ہیں حالانکہ وہ اسلام کے واجبات کو ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر اعلان فرمایا ہے کہ جب کسی کا دل پاک ہوتا ہے تو جسم بھی پاک ہوتا ہے یعنی اس کے اعمال درست ہوجاتے ہیں۔ لیکن اگر کسی کا دل فاسد ہو تو جسم فاسد ہو جاتا ہے یعنی اس کے اعمال فاسد اور غلط ہوں گے۔ لہٰذا جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اپنے فرائض کو عملی طور پر ادا نہیں کرتا وہ کبھی بھی پاک دل نہیں ہوسکتا۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا عملی طور پر مظاہرہ کرنا ان کا ثبوت اور شہادت ہے جو قیامت کے دن جنت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔ اس عملی ثبوت کا نہ ہونا اتنا ہی احمقانہ ہے جتنا ایک طالب علم جو اپنے استاد کو خالی امتحانی پرچہ واپس دے دیتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ ان کا علم ان کے ذہن میں ہے اس لیے انہیں امتحان کے سوالات کے جوابات دے کر اسے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ طالب علم جس طرح ناکام ہو گا اسی طرح وہ شخص جو

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کے بغیر اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے قیامت تک پہنچے گا، خواہ وہ اس پر ایمان رکھتا ہو۔ ان کا دل.

حق پر عمل کرنا

جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں خانہ کعبہ میں صحابہ کرام کے ساتھ کھلے عام نماز ادا کرنے پر آمادہ کیا۔ اللہ ان سے راضی ہو۔ اس سے پہلے ایسا کرنا ممکن نہیں تھا کیونکہ ان کی تعداد، سماجی طاقت اور اثر و رسوخ بہت کم اور کمزور تھا۔ مکہ کے غیر مسلموں نے عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ دیکھ کر ان پر حملہ کرنے کی ہمت نہ کی۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فاروق کا لقب دیا، یعنی حق و باطل میں فرق کرنے والا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، حلیۃ الاولیاء، نمبر 63 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں سچائی کو اپناتے ہوئے اس کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان

اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی اکثریت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر خوشامد اٹھانے یا غلط بیانی کے۔ اسلام کی تعلیمات جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتب کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

ایک مختلف راستے کا انتخاب

اسلام قبول کرنے کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے ماموں ابو جہل کے پاس گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ ابوجہل غصے سے اپنے گھر میں داخل ہوا اور دروازہ منہ پر مارا۔ ایسا ہی ہوا جب وہ مکہ کے غیر مسلموں میں سے ایک اور بزرگ کے پاس گیا۔ اس پر امام محمد السلّابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 57 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ عام طور پر جب کوئی ایسا راستہ چنتا ہے جو دوسروں کے راستے سے مختلف ہو، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست، تو انہیں ان کی طرف سے تنقید اور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ درحقیقت تنقید کی اکثریت کسی شخص کے رشتہ داروں کی طرف سے آتی ہے۔ مثال کے طور پر، جب کوئی مسلمان اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے پر زیادہ توجہ دینے کا فیصلہ کرتا ہے اور اگر یہ ایسی چیز ہے جس پر اس کے خاندان نے خود عمل نہیں کیا ہے تو اسے ان کی طرف سے تنقید کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان پر وہ لوگ بے وقوف اور انتہا پسند قرار دیں گے جن کے بارے میں وہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ ان کے راستے پر ان کا ساتھ دیں گے۔ مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ جس حلال راستے کا انتخاب کرتے ہیں اس پر ثابت قدم رہیں اور اللہ تعالیٰ کی مدد پر بھروسہ رکھیں، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتے ہوئے ان مشکلات سے نکلنے کے لیے۔ .

لوگوں کی طرف سے یہ ایک عام ردعمل ہے کیونکہ جب کوئی شخص زندگی میں دوسروں سے مختلف راستے کا انتخاب کرتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اس کا راستہ برا یا برا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس شخص نے ایک مختلف راستہ چنا ہے۔ اگرچہ وہ شخص اس پر یقین نہیں کرتا ہے لیکن صرف یہ مانتے ہوئے ایک مختلف راستہ چنتا ہے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے لیکن پھر بھی انہیں تنقید کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اپنی قوم کی طرف سے تنقید کا نشانہ بنایا گیا کیونکہ انہوں نے دوسروں کو ایک اور بہتر راستے کی طرف دعوت دی۔

نتیجہ یہ کہ جب تک زندگی میں کسی کا راستہ حلال ہے اسے ثابت قدم رہنا چاہیے اور دوسروں کی تنقید سے باز نہیں آنا چاہیے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنے حالات اور کردار کو بہتر بنانے کی کوشش نہ کریں۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے حلال انتخاب کی پیروی سے باز نہیں آنا چاہیے۔

اپنی حفاظت کرنا

چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہما معاشرتی طور پر کمزور تھے، وہ خانہ کعبہ میں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے، یہاں تک کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نقصان سے بچایا اور مکہ کے غیر مسلموں سے لڑتے رہے یہاں تک کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو تنہا چھوڑ گئے۔ اس پر امام محمد السلبی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 59 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1931 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص کسی دوسرے کی عزت کی حفاظت کرے گا اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔

جس طرح ایک مسلمان یہ چاہتا ہے کہ دوسرے اس کی موجودگی یا غیر موجودگی میں اس کی عزت کی حفاظت کریں اسے بھی اپنی موجودگی یا غیر موجودگی میں دوسروں کی عزت کی حفاظت کرنی چاہیے۔ درحقیقت دوسروں کے لیے وہی محبت کرنا جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے ایک سچے مومن کی خصوصیت ہے جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث کے مطابق۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب کوئی ان کے بارے میں برا کہے، جیسے غیبت کرنا۔ یا بہتان، اس بات سے قطع نظر کہ وہ جو کہہ رہے ہیں وہ سچ ہے یا نہیں۔ یہ دوسروں کے عیب چھپانے کا ایک پہلو ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتا ہے، دونوں جہانوں میں ان کے عیب چھپاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 225 کی ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ اس طرح کا برتاؤ اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں سے محبت کا واضح ثبوت ہے، جو کہ ایک حدیث کے مطابق جنت کی طرف لے جانے والی صفت ہے۔ جامع ترمذی، نمبر 2688 میں موجود ہے۔

زیر بحث اہم حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو دوسروں کی مدد کرنے سے فائدہ ہوتا ہے اس لیے اگر وہ دوسروں کی فکر کرنے میں بہت زیادہ مشغول ہو تو اسے کم از کم اپنے مفاد کے لیے ایسا ہی کرنا چاہیے۔

لیکن جو شخص کسی نقصان کے خوف کے بغیر دوسروں کی عزت کا دفاع کرنے میں ناکام رہتا ہے تو اس کو ڈرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت اور جگہ پر اس کی عزت کی حفاظت نہیں کرے گا جہاں دوسرے اس کی خلاف ورزی کر رہے ہوں۔ اور خاص طور پر قیامت کے دن۔

آخر میں، جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث دوسروں کی عزت کی حفاظت کی تلقین کرتی ہے، یہ بالواسطہ طور پر دوسروں کی عزت کو پامال نہ کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث کے مطابق درحقیقت یہ ایک سچے مسلمان اور مومن کی نشانی ہے۔ خاص طور پر یہ نصیحت کرتا ہے کہ ایک سچا مسلمان اور مومن اپنی زبانی اور جسمانی نقصان کو دوسروں کے نفس اور مال سے دور رکھے۔ .

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ولایت

جب حضرت عثمان بن مدعون رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو ان کو بہت زیادہ ستایا گیا۔ وہ ایتھوپیا کی طرف ہجرت کرنے میں کامیاب ہو گیا لیکن بعد میں جب اسے غلط اطلاع ملی کہ مکہ میں مسلمانوں کے لیے حالات بہتر ہو گئے ہیں تو واپس آ گئے۔

مکہ میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی قبائلی وابستگیوں کی وجہ سے غیر مسلموں کے ظلم و ستم سے محفوظ رکھا گیا۔ عثمان بن مدعون رضی اللہ عنہ ان میں سے تھے، جنہیں غیر مسلموں کے سرداروں میں سے ایک ولید بن مغیرہ کی حفاظت حاصل تھی۔ ایک موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو برا لگا کہ ایک مشرک ان کی حفاظت کر رہا ہے جبکہ ان کے مسلمان بھائی بہنوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ستایا جا رہا ہے۔ نتیجے کے طور پر، اس نے عوامی طور پر ولید کی طرف سے دی گئی حفاظت سے دستبردار ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک غیر مسلم کے ساتھ جھگڑا ہوا جس کے نتیجے میں اس کی آنکھ زخمی ہوگئی۔ ولید نے اسے یاد دلایا کہ یہ چوٹ نہ ہوتی اگر وہ اس تحفظ کو ختم نہ کرتا جو اس نے اسے بڑھایا تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اطمینان سے جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکلیف پہنچا کر خوش ہوں اور اب اس کی پناہ میں ہوں جو ولید سے زیادہ عزت والا اور طاقتور ہے، یعنی اللہ تعالیٰ۔ سربلند اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 413-415 میں بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ مخلوق کی حفاظت اور حفاظت کرتا ہے اور ان کا خاص خیال رکھتا ہے۔ وہ فرمانبرداروں کو شیطان کی چالوں اور جال سے بچاتا ہے اور نافرمانوں کو اپنے فوری عذاب سے بچاتا ہے تاکہ انہیں سچے دل سے توبہ کرنے کا موقع فراہم کرے۔

ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کردہ ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے اس الٰہی نام پر عمل کرنا چاہیے، لیکن ہر حال میں اس کی الہی نگہداشت اور انتخاب پر بھروسہ رکھنا چاہیے اور اس کے نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے، خواہ وہ کچھ انتخاب کے پیچھے حکمت کا مشاہدہ نہ کرے۔

اس سے صبر اور یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر قناعت کی ترغیب ملتی ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 3:

اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہے‘‘۔’’

ایک مسلمان کو یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ وہ گمراہی اور عذاب سے صرف سرپرست یعنی اللہ تعالیٰ ہی محفوظ رہیں گے۔ یہ فخر کے تمام نشانوں کو دور کرتا ہے اور اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ وہ اس کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے اس کی حفاظت تلاش کریں۔ ایک مسلمان کو اس اسم الٰہی پر عمل کرنا چاہیے کہ وہ اپنے پاس موجود ہر امانت کی حفاظت کرے جیسا کہ ان کی برکات کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق استعمال کرتے ہوئے۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنے افعال و کلام کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے محفوظ رکھیں۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید برکات حاصل کریں گے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

ایتھوپیا کی طرف ایک اور ہجرت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو پہلی بار ایتھوپیا کی طرف ہجرت کر کے آئے تھے ان کو غلط اطلاع دی گئی کہ مکہ کے حالات مسلمانوں کے لیے بہتر ہو گئے ہیں۔ نتیجے کے طور پر، ان میں سے بہت سے لوگوں نے مکہ واپس آنے کا فیصلہ کیا تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ حقیقت اس کے برعکس تھی :مکہ کی صورت حال مسلمانوں کے لیے مزید مشکل ہو گئی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر غیر مسلموں کے تشدد اور جارحیت کے بڑھنے کے بعد انہیں ایک بار پھر ایتھوپیا کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی گئی۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 102 میں بحث کی گئی ہے۔

زندگی میں ایک مسلمان کو ہمیشہ یا تو آسانی کے وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا پھر مشکل کا۔ کوئی بھی شخص کچھ مشکلات کا سامنا کیے بغیر صرف آسانی کے اوقات کا تجربہ نہیں کرتا ہے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اگرچہ تعریف کے اعتبار سے مشکلات کا مقابلہ کرنا مشکل ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت اور بندگی کو حاصل کرنے اور اس کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں لوگ زندگی کے اہم اسباق سیکھتے ہیں جب انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر جب وہ آسانی کے وقت کا سامنا کرتے ہیں۔ اور لوگ اکثر آسانی کے اوقات کے مقابلے مشکل کے وقت کا سامنا کرنے کے بعد بہتر کے لیے بدل جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے صرف اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت اگر کوئی قرآن پاک کا مطالعہ کرے تو وہ سمجھے گا کہ زیر بحث واقعات کی اکثریت مشکلات پر مشتمل ہے۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حقیقی عظمت ہمیشہ آسانی کے اوقات کا تجربہ کرنے میں مضمر نہیں ہے۔ ،درحقیقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے مشکلات کا سامنا کرنا، اس کے احکام کو بجا لانا اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا ہے۔ یہ اس حقیقت سے ثابت ہے کہ اسلامی تعلیمات میں جن بڑی مشکلوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کا خاتمہ ان لوگوں کے لیے حتمی کامیابی پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ لہٰذا ایک مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنے کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ صرف ان کے لیے چمکنے کے لمحات ہیں اور سچی اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں حتمی کامیابی کی کلید ہے۔

سچا مسلمان اور مومن

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف مکہ کے غیر مسلموں کی مزاحمت اور تشدد میں شدت آئی تو غیر مسلم رہنماؤں نے کھل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب نے اپنے قبیلے کو حکم دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ کے اپنے علاقے میں لے آئیں اور غیر مسلم سرداروں سے ان کی حفاظت کریں۔ مکہ کے اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 27 میں بحث کی گئی ہے۔

کسی کو کبھی بھی برے کام کرنے کی سازش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ ہمیشہ، کسی نہ کسی طرح، ان پر الٹا فائر ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر یہ نتائج اگلے جہان تک موخر کر دیے جائیں تو آخرکار ان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو نقصان پہنچانا چاہا جیسا کہ وہ اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت، احترام اور پیار چاہتے تھے۔ لیکن یہ واضح ہے کہ ان کی تدبیریں انہیں اپنی خواہش سے دور کر دیتی ہیں۔ باب یوسف، آیت 18 12:

اور وہ اس کی قمیض پر جھوٹا خون لے آئے۔]یعقوب [نے کہا، "بلکہ تمہاری روحوں نے تمہیں "کسی چیز پر آمادہ کیا ہے، اس لیے صبر سب سے زیادہ مناسب ہے۔"

جتنی زیادہ برائی کی تدبیریں کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مقصد سے دور کر دے گا۔ خواہ وہ ظاہری طور پر اپنی خواہش پوری کر لیں، اللہ تعالیٰ جس چیز کی خواہش کی تھی وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے لعنت بن جائے گا الا یہ کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

لیکن شیطانی سازش اپنے لوگوں کے علاوہ کسی کو نہیں گھیرتی۔ پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے..." ‘‘راستے]یعنی تقدیر [کے سوا انتظار کرتے ہیں؟

اس کے علاوہ مسلمانوں کو ایک سچے مسلمان اور مومن کی خصوصیات کو پورا کرنا چاہیے۔ سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچے مسلمان اور سچے مومن کی نشانیاں بتائی ہیں۔ ایک سچا مسلمان وہ ہے جو دوسروں کی زبانی اور جسمانی اذیت کو دور رکھے۔ اس میں درحقیقت تمام لوگ شامل ہیں خواہ ان کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس میں ہر قسم کے زبانی اور جسمانی گناہ شامل ہیں جو کسی دوسرے کو نقصان یا تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔ اس میں دوسروں کو بہترین نصیحت نہ کرنا بھی شامل ہے کیونکہ یہ دوسروں کے ساتھ اخلاص کے خلاف ہے جس کا حکم سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اس میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تلقین کرنا اور گناہوں کی طرف دعوت دینا بھی شامل ہے۔ .ایک مسلمان کو اس رویے سے بچنا چاہیے کیونکہ ہر اس شخص سے حساب لیا جائے گا جو ان کی بری نصیحت پر عمل کرے گا۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

جسمانی نقصان میں دوسرے لوگوں کی روزی روٹی کے لیے مسائل پیدا کرنا، دھوکہ دہی کا ارتکاب کرنا، دوسروں کو دھوکہ دینا اور جسمانی زیادتی شامل ہے۔ یہ تمام خصوصیات اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں اور ان سے بچنا چاہیے۔

زیر بحث اصل حدیث کے مطابق سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کے نقصان کو دور رکھے۔ ایک بار پھر، یہ تمام لوگوں پر لاگو ہوتا ہے قطع نظر ان کے عقیدے کے۔ اس میں چوری کرنا، غلط استعمال کرنا یا دوسروں کی املاک اور سامان کو نقصان پہنچانا شامل ہے۔ جب بھی کسی کو کسی دوسرے کی جائیداد سونپ دی جائے تو اسے یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اسے صرف مالک کی اجازت سے اور اس طریقے سے استعمال کریں جو مالک کو خوش اور راضی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 5421 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص جھوٹی قسم کے ذریعے کسی دوسرے کا مال ناجائز طور پر لے، چاہے وہ ایک ٹہنی کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ درخت جہنم میں جائے گا۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے زبانی اعلان کو عمل سے سپورٹ کرے کیونکہ یہ کسی کے عقیدے کا جسمانی ثبوت ہیں جو قیامت کے دن کامیابی حاصل کرنے کے لیے درکار ہوں گے۔ اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے بارے میں سچے عقیدے کی خصوصیات کو پورا کرنا چاہیے۔ لوگوں کے ساتھ اس کو حاصل کرنے کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں، جو کہ احترام اور امن کے ساتھ ہے۔

سوشل بائیکاٹ

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف مکہ کے غیر مسلموں کی مزاحمت اور تشدد میں شدت آئی تو غیر مسلم رہنماؤں نے کھل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب نے اپنے قبیلے کو حکم دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ کے اپنے علاقے میں لے آئیں اور غیر مسلم سرداروں سے ان کی حفاظت کریں۔ مکہ کے جب مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کو ابو طالب کے منصوبے کا علم ہوا تو انہوں نے ایک معاہدہ کیا کہ وہ نہ بیٹھیں گے اور نہ تجارت کریں گے اور نہ ہی ان قبائل کے گھروں میں داخل ہوں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہے تھے۔ ، جب تک کہ انہوں نے اسے پھانسی کے لئے ہتھیار نہیں ڈالے۔ یہ سماجی بائیکاٹ تین سال تک جاری رہا جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حتیٰ کہ قبیلہ ابو طالب کو بھی بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کے بازار منقطع کر دیے گئے، مکہ کے ان کے علاقے میں کھانے پینے کی اجازت نہیں دی گئی اور ان کے تمام کاروباری معاملات درہم برہم ہو گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 2، صفحہ 27-28 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ عام طور پر جب کوئی ایسا راستہ چنتا ہے جو دوسروں کے راستے سے مختلف ہو، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست، تو انہیں ان کی طرف سے تنقید اور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ درحقیقت تنقید کی اکثریت کسی شخص کے رشتہ داروں کی طرف سے آتی ہے۔ مثال کے طور پر، جب کوئی مسلمان اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے پر زیادہ توجہ دینے کا فیصلہ کرتا ہے اور اگر یہ ایسی چیز ہے جس پر اس کے خاندان نے خود عمل نہیں کیا ہے تو اسے ان کی طرف سے تنقید کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان پر وہ لوگ بے وقوف اور انتہا پسند قرار دیں گے جن کے بارے میں وہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ ان کے راستے پر ان کا ساتھ دیں گے۔ مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ جس حلال راستے کا انتخاب کرتے ہیں اس پر ثابت قدم رہیں اور اللہ تعالیٰ کی مدد پر بھروسہ رکھیں، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتے ہوئے ان مشکلات سے نکلنے کے لیے۔ .

لوگوں کی طرف سے یہ ایک عام ردعمل ہے کیونکہ جب کوئی شخص زندگی میں دوسروں سے مختلف راستے کا انتخاب کرتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اس کا راستہ برا یا برا ہے

اور یہی وجہ ہے کہ اس شخص نے ایک مختلف راستہ چنا ہے۔ اگرچہ وہ شخص اس پر یقین نہیں کرتا ہے لیکن صرف یہ مانتے ہوئے ایک مختلف راستہ چنتا ہے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے لیکن پھر بھی انہیں تنقید کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اپنی قوم کی طرف سے تنقید کا نشانہ بنایا گیا کیونکہ انہوں نے دوسروں کو ایک اور بہتر راستے کی طرف دعوت دی۔

نتیجہ یہ کہ جب تک زندگی میں کسی کا راستہ حلال ہے اسے ثابت قدم رہنا چاہیے اور دوسروں کی تنقید سے باز نہیں آنا چاہیے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنے حالات اور کردار کو بہتر بنانے کی کوشش نہ کریں۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے حلال انتخاب کی پیروی سے باز نہیں آنا چاہیے۔

نیکی کا حکم دیتا ہے ،دوسروں کو اسلام کی طرف دعوت دیتا ہے جب بھی کوئی ،اس کے علاوہ چیلنج کر رہا طرز زندگی کو غافل کے بہت سے دوسرے لوگوں اور برائی سے روکتا ہے تو وہ کہ وہ جس طرح بھی ہو سکے حق کے خلاف ایم کو اس بات کی ترغیب دیتا ہے جو ہوتا ہے کو جھٹلانے کی بڑی وجہ یہی تھی۔ علیہم السلام مزاحمت کریں۔ تمام پچھلی امتوں نے اپنے انبیاء وہ اپنے طرز زندگی اور خصائل کو ترک نہ کر سکے اور ان کے دفاع میں اللہ تعالیٰ کے خلاف ہو اس پر وسلم اور ان کے رسول صلی اللہ علیہ ،عالی مقام ۔ جنگ کرنے کے لیے تیار ہو گئے کی طرف سے پیش جب کوئی یہ اہم فرض ادا کرتا ہے تو اسے اپنے رشتہ داروں سمیت دوسروں سلامتی ، انبیاء علیہم السلام آنے والی بہت سی مشکلات کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ پھر بھی انہیں بے شمار مشکلات ،بلند پایہ ۔ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں ،ان پر ہو ان کی قوموں سے انسان کو صرف قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا کرنا پڑا اس پر اس حقیقت کا مشاہدہ کرنے کے لیے ۔ کی احادیث مبارکہ کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ درود و سلام ہو ۔ کہ نمبر 2472 میں موجود ہے جامع ترمذی ایک حدیث میں بیان ہوا ہے۔ ایک بار ،وسلم پر درود ۔ اُس سے بڑھ کر ۔ کو اللہ کی راہ میں ایذاء نہیں پہنچائی گئی مخلوق میں سے کسی

ردعمل کو پڑھا لکھا، احترام والا ہونا دوسروں کے برے رویے پر معاملات میں اس طرح کے : میں ملتی ہے آیات 46-47 ، باب 19 مریم اس کی ایک مثال اور نرم چاہیے۔

]اس کے والد [نے کہا، "اے ابراہیم، کیا تم میرے معبودوں کی خواہش نہیں رکھتے؟ اگر تم باز نہ" آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا، اس لیے مجھ سے زیادہ دیر تک بچو۔) "ابراہیم نے (کہا تم پر سلامتی ہو، میں اپنے رب سے تمہارے لیے بخشش مانگوں گا، بیشک وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔

اس کے بڑے کے ،اس پر ہے۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مہربان اور احترام والا جواب .بحث کی جاتی ہے پر سخت رویے

اگر ایک شخص ہر کسی کے ساتھ مل کر چلنے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس ، زیادہ تر معاملات میں میں کردار کی خامی ہونی چاہیے۔ معاشرے کے ارکان کے اندر اختلافات کی وجہ سے ایک شخص ان کبھی بھی سب کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمیشہ ایک یا زیادہ ہوں گے جو متفق نہیں ہوں گے۔ کی ذہنیت، طرز زندگی اور مشورے کے ساتھ یہ تنوع تناؤ اور کبھی کبھار مسائل کا باعث بنے اکثر صورتوں میں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تو گا۔ لیکن اگر کسی شخص کو سب پسند کرتے ہیں الصلوٰۃ والسلام اس نے دو رخی ہو کر منافقوں کی ذہنیت اختیار کر رکھی ہے۔ اگر انبیاء کرام علیہم اس حیثیت کو ایک عام آدمی کیسے کر سکتا ہے سب کی طرف سے پیار نہیں کیا گیا تھا ،ان پر ہو پروپیگنڈے پر یقین نہیں کرنا چاہیے کیونکہ جس گروہ کے ساتھ اس کہ حاصل کریں؟ یہی وجہ ہے ان پر ہو اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ السلام تھے۔ طرح سب سے زیادہ ظلم کیا گیا وہ انبیاء علیہم میں موجود حدیث سے ہوتی ہے ۔ نمبر 4023

ایک بار ایک بے شرم عورت نے ناجائز تعلقات علیہ السلام پر مثال کے طور پر حضرت موسیٰ بلند ۔ کا جھوٹا الزام لگایا تھا۔ وہ اللہ کے دشمن کی طرف سے اس پر بہتان لگانے پر آمادہ ہوئی تھی ایک مذہبی اجتماع کے دوران ،اس نے السلام حضرت موسیٰ علیہ قرعون۔ جب اس نے الزام لگایا ، عوامی طور پر اس سے پوچھ گچھ کی۔ جب اس نے اس کا ردعمل دیکھا تو اس نے فوراً اپنا الزام تباہ شدہ قرعون ،بلند و بالا تعالیٰ واپس لے لیا اور سچائی کا اعتراف کیا۔ اس کے نتیجے میں اللہ نے زمین کو حکم دیا کہ اسے اور اس کے عظیم خزانے کو نگل جائے۔ یہ واقعہ امام ذہبی رحمۃ :میں درج ہے ۔ باب 28 القصص، آیت 81 اللہ علیہ کے کبیرہ گناہوں صفحہ 166-167

اور ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا‘‘۔ ’’

کئی مواقع پر تہمتیں لگائی گئیں لیکن وہ اپنے مشن پر ثابت قدم ان پر سلامتی ، انبیاء علیہم السلام کام کو مکمل کسی جب اللہ تعالیٰ سربلند ۔ رہے یہاں تک کہ اللہ کی طرف سے انہیں فتح نصیب ہوئی پھیلاتا ایمان کا سچا کلمہ پوری مخلوق میں اس کی مدد کرنا کرنے کا فیصلہ کرتا ہے جیسے کہ اسے روک نہیں سکتا۔ ہے ۔

مسلمانوں کو یہ مان لینا چاہیے کہ وہ بھی اس بات کو پھیلاتے وقت مشکلات کا سامنا کریں گے۔ ثابت قدم رہنے میں مشکلات ۔ انبیاء کرام کے نقش قدم پر چلیں کہ اسلام کا اس لیے ان کو چاہیے اور نیک پیشرو۔ اگر کوئی ،ان سے راضی رہو کا یہی رویہ تھا ۔ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے ساتھ اگلے جہان میں شامل ہونا چاہتا ہے تو اسے بھی یہ رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

رشتہ داری کا رشتہ

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف مکہ کے غیر مسلموں کی مزاحمت اور تشدد میں شدت آئی تو غیر مسلم رہنماؤں نے کھل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب نے اپنے قبیلے کو حکم دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ کے اپنے علاقے میں لے آئیں اور غیر مسلم سرداروں سے ان کی حفاظت کریں۔ مکہ کے جب مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کو ابو طالب کے منصوبے کا علم ہوا تو انہوں نے ایک معاہدہ کیا کہ وہ نہ بیٹھیں گے اور نہ تجارت کریں گے اور نہ ہی ان قبائل کے گھروں میں داخل ہوں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہے تھے۔ ، جب تک کہ انہوں نے اسے پھانسی کے لئے ہتھیار نہیں ڈالے۔ یہ سماجی بائیکاٹ تین سال تک جاری رہا جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حتیٰ کہ قبیلہ ابو طالب کو بھی بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کے بازار منقطع کر دیے گئے، مکہ کے ان کے علاقے میں کھانے پینے کی اجازت نہیں دی گئی اور ان کے تمام کاروباری معاملات درہم برہم ہو گئے۔ لیکن بائیکاٹ کے تیسرے سال کے شروع میں مکہ کے غیر مسلموں کی طرف سے بعض افراد نے اس معاہدے پر تنقید کی اور تسلیم کیا کہ وہ رشتہ داریوں کو توڑ رہے ہیں اور حق کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 2، صفحہ 27-28 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ یہ تنقید غیر مسلموں کی طرف سے ہوئی ہے، لیکن مسلمانوں کے لیے رشتہ داری کو برقرار رکھنے کی اہمیت کو سمجھنا بھی کم نہیں۔

رشتہ داری کو برقرار رکھنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے جسے اگر کوئی کامیابی چاہتا ہے تو اسے دونوں جہانوں میں ایمان کی حقیقی نشانی یہ نہیں ہے کہ سارا دن مسجد میں ترک نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی ہے۔ مخلوق کے سب سے اہم حقوق میں سے ایک رشتہ داری کو برقرار رکھنا ہے۔ کوئی کو دھوکہ نہیں دے سکتا لیکن اللہ تعالیٰ شخص اسلامی لباس پہن کر تقویٰ کا دعویٰ کر سکتا ہے تاریخ کے اوراق ہمیشہ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں نے رشتہ ۔ جب کوئی مڑتا ہے۔ داریوں کو نبھایا۔ یہاں تک کہ جب ان کے رشتہ داروں نے ان کے ساتھ بدسلوکی کی تب بھی انہوں نے مہربانی سے جواب دیا۔ باب 41 فصیلات، آیت 34:

اور اچھے اور برے کام برابر نہیں ہیں۔ برائی کو اس]عمل [سے دفع کرو جو بہتر ہو۔ پھر جس" کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ گویا ایک مخلص دوست ہو گا۔

صحیح مسلم نمبر 6525 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص رشتہ داریوں کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے لیے ہمیشہ اس کی مدد کرتا ہے خواہ اس کے رشتہ دار مشکلات کا شکار ہوں۔.

مومن مخلص اچھائی کا جواب اچھائی سے دینا کوئی خاص بات نہیں جبکہ برائی کا اچھا جواب دینا کوئی زیادہ تر معاملات میں، جب کی نشانی ہے۔ سابقہ رویہ جانوروں میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ میں کسی جانور کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے تو اس کے بدلے میں پیار واپس آتا ہے۔ صحیح بخاری برقرار نمبر 5991 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ رشتہ داری کو صحیح معنوں میں حضور نبی رکھنے والا وہ ہے جو رشتہ داروں سے قطع تعلق کرتے ہوئے بھی رشتہ قائم رکھے۔ اکثر رشتہ داروں کی طرف سے لیکن اپنے اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل دہشت زدہ تھے۔ اس نے ہمیشہ ان کے ساتھ شفقت کا مظاہرہ کیا۔

یہ بات عام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے بغیر کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ لیکن صحیح بخاری نمبر 5987 میں موجود ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اعلان کیا ہے کہ جو شخص دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داریاں توڑے گا اس سے وہ رشتہ توڑ دے گا۔ یاد رکھو، یہ نماز جیسی عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کے لیے فرض سچ ہے، خواہ کتنی ہی جدوجہد کرنی پڑے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی مسلمان سے رشتہ منقطع کر دے تو وہ اس کا قرب اور ابدی کامیابی کیسے حاصل کر سکتا ہے؟

لوگوں کو موقع دینے اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں اللہ تعالیٰ عذاب میں تاخیر کرتا ہے۔ توبہ کرنا لیکن دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داری کو توڑنے کی سزا بہت کے لیے گناہوں کا جلد ملتی ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 4212 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

بدقسمتی سے آج دنیا میں تعلقات منقطع کرنے کا رواج عام دیکھا جاتا ہے۔ لوگ چھوٹی موٹی دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داریوں کو آسانی سے توڑ دیتے ہیں۔ وہ کسی بھی نقصان کو پہچاننے میں جو مادی دنیا میں ہوتا ہے وہ عارضی ہوتا ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق ناکام رہتے ہیں۔ منقطع ہو جائے تو دونوں جہانوں میں انہیں طویل مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

جب کوئی اپنے پیشے کے ذریعے وجہ جو اسلامی معاشرے میں عام طور پر دیکھی جاتی ہے۔ کی اعلیٰ سماجی مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ انہیں اپنے رشتہ داروں کو ترک کرنے کی ترغیب دیتا جیسا کہ انہیں یقین ہے کہ وہ اب ان کے ساتھ بات چیت کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اپنی دولت ہے۔ حیثیت سے ان کی محبت انہیں بے حیائی کے دروازے پر دھکیل دیتی ہے جو انہیں سماجی اور صرف ان سے ان کی دولت چھیننا چاہتے ہیں۔ یقین دلاتی ہے کہ ان کے رشتہ دار

،قرآن کریم بتاتا ہے کہ ان بندھنوں کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔ باب 4 النساء :آیت 1

اور اس اللہ سے ڈرو جس کے ذریعے تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رحم سے۔ بے شک" "اللہ تم پر ہمیشہ دیکھنے والا ہے۔

برقرار رکھے بغیر تقویٰ یہ آیت بھی واضح طور پر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رشتہ داری کو وہ اسے زیادہ عبادت کے ذریعے حاصل کر سکتے تو جو لوگ ایمان لائے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اپنے رویے کو بدلنا چاہیے۔ اور روزے غلط ثابت ہوئے ہیں ہیں۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کی ان معاملات میں مدد کر کے تمام رشتہ داریوں کو برقرار رکھیں جو جب بھی اور جہاں بھی ممکن ہو اچھے ہوں۔ انہیں ایک تعمیری ذہنیت معاشرے کے فائدے کی بجائے رشتہ داروں کو متحد کرتا ہے۔ جو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے سنن ابوداؤد نمبر 4919 میں ایک تباہ کن ذہنیت جو صرف خاندانوں میں تقسیم کا باعث بنتی ہے۔ موجود ایک حدیث کے مطابق لوگوں میں تفرقہ ڈالنا تباہی کا باعث بنتا ہے۔

رشتہ توڑنے والوں پر قرآن پاک میں لعنت کی گئی ہے۔ باب 47 محمد، آیات 22-23:

تو کیا تم اگر منہ موڑو گے تو زمین میں فساد برپا کرو گے اور اپنے تعلقات کو توڑ دو گے؟]ایسا'' ''کرنے والے [وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے۔

دنیا میں یا آخرت اور اس کی رحمت سے محروم ہوں تو اللہ تعالیٰ کی لعنت میں گھرے ہوئے ہوں میں کوئی اپنی جائز خواہشات کیسے حاصل کرسکتا ہے ؟

حکم نہیں دیتا اور نہ ہی یہ ان اپنے رشتہ داروں کی کفالت میں اپنی وسعت سے تجاوز کرنے کا سے یہ کہتا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے لیے اللہ تعالیٰ کی حدود کو قربان کر دیں کیونکہ اگر خالق کی نافرمانی اس کی تصدیق سنن ابوداؤد اس کا مطلب ہے تو مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔ نمبر 2625 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا کبھی بھی اپنے رشتہ داروں کو برائیوں میں اپنے رشتہ داروں کو نیکی کا ایک مسلمان کو چاہئے ، شامل نہیں کرنا چاہیے۔ اس صورت میں کا احترام کرتے ہوئے انہیں برائی سے نرمی سے روکیں۔ باب 5 المائدة، آیت 2 حکم دیں اور ان:

‘‘اور نیکی اور پرہیزگاری میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔ ’’

اللہ کی رضا حاصل کیا جاتا ہے۔ کے ذریعہ رشتہ داری کو برقرار رکھنے والے بے شمار فوائد کے لیے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو بندہ جوڑتا ہے اس کے رزق میں اور ان کی زندگی میں اضافی فضل ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 1693 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا رزق خواہ .اور جسم سکون ملے گا۔ ہی کم کیوں نہ ہو ان کے لیے کافی ہو گا اور اس سے انہیں ذہنی کتنا زندگی میں فضل کا مطلب ہے کہ وہ اپنے تمام دینی اور دنیاوی فرائض کو پورا کرنے کے لیے مسلمان اپنی ساری زندگی اور مال حاصل کرنے کی کوشش میں وقت نکالیں گے۔ یہ دو نعمتیں ہیں۔ صرف کرتے ہیں لیکن بہت سے لوگ اس بات کو پہچاننے میں ناکام رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان رشتہ داریوں کو برقرار رکھنے میں دونوں کو رکھا ہے۔

کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں ہے رشتہ داریاں نبھانا اس قدر ضروری رشتہ داروں کے ساتھ بھی اس اہم فرض کو پورا کریں ۔ اس کی تلقین اپنے غیر مسلم کو حکم دیا۔ کرنے والی ایک حدیث صحیح مسلم نمبر 2324 میں موجود ہے۔

شیطان کے پھندے میں سے ایک یہ ہے کہ وہ رشتہ داروں اور معاشرے میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتا اور سماجی تقسیم .اس کا حتمی مقصد اسلام کو بحیثیت قوم ہے جس سے خاندان ٹوٹ جاتے ہیں۔ کمزور کرنا ہے۔ بدقسمتی سے، کچھ لوگ رنجشوں کو پناہ دینے کے لیے بدنام ہو گئے ہیں جو کئی اور نسل در نسل منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ ایک شخص دہائیوں تک کسی تک جاری رہتے ہیں دہائیوں ان سے دوبارہ کبھی وہ رشتہ دار کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا لیکن ایک غلطی اور دلیل کے بعد بات نہیں کرے گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6526 میں ہے کہ ایک مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ تعلقات منقطع رکھنا ناجائز ہے۔ اگر غیر رشتہ داروں سے رشتہ توڑنے کا یہ حکم ہے تو کیا رشتہ داروں سے رشتہ توڑنے کی سنگینی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟ صحیح بخاری نمبر 5984 میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ یہ سوال وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا ہے کہ جو شخص کسی رشتہ دار سے دنیوی وجوہات کی بناء پر تعلق توڑے گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

اس اہم موضوع پر بحث کرنے والی آیات و احادیث پر غور کرنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ اگر اللہ عشرہ کے گناہوں کے بعد بھی اپنے دروازے بند نہیں کرتا اور لوگوں کے ساتھ اپنے سرور کا واسطہ نہیں رکھتا تو لوگ چھوٹی دنیا میں اپنے رشتہ داروں سے اتنی آسانی سے کیوں منہ موڑ لیتے ہیں۔ مسائل؟ اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے ان کے تعلق کو برقرار رکھنا چاہتا ہے تو اسے تبدیل ہونا چاہیے۔

ظاہر کو رد کرنا

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف مکہ کے غیر مسلموں کی مزاحمت اور تشدد میں شدت آئی تو غیر مسلم رہنماؤں نے کھل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب نے اپنے قبیلے کو حکم دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ کے اپنے علاقے میں لے آئیں اور غیر مسلم سرداروں سے ان کی حفاظت کریں۔ مکہ کے جب مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کو ابو طالب کے منصوبے کا علم ہوا تو انہوں نے ایک معاہدہ کیا کہ وہ نہ بیٹھیں گے اور نہ تجارت کریں گے اور نہ ہی ان قبائل کے گھروں میں داخل ہوں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہے تھے۔ ، جب تک کہ انہوں نے اسے پھانسی کے لئے ہتھیار نہیں ڈالے۔ یہ سماجی بائیکاٹ تین سال تک جاری رہا جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حتیٰ کہ قبیلہ ابو طالب کو بھی بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کے بازار منقطع کر دیے گئے، مکہ کے ان کے علاقے میں کھانے پینے کی اجازت نہیں دی گئی اور ان کے تمام کاروباری معاملات درہم برہم ہو گئے۔ لیکن بائیکاٹ کے تیسرے سال کے شروع میں مکہ کے غیر مسلموں کی طرف سے بعض افراد نے اس معاہدے پر تنقید کی اور تسلیم کیا کہ وہ رشتہ داریوں کو توڑ رہے ہیں اور حق کو نظر انداز کر رہے ہیں۔

مزید برآں، اللہ تعالیٰ نے لکڑی کے کیڑے بھیجے جنہوں نے اس دستاویز پر حملہ کیا جس پر ان کا برائی کا معاہدہ درج تھا۔ انہوں نے ہر وہ چیز ہڑپ کر لی جس کا حوالہ ان کے عہد کا تھا، جو کچھ دستاویز میں رہ گیا وہ شرک، ناانصافی اور رشتہ داریوں کو توڑنے سے متعلق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمائی، جس کے نتیجے میں آپ نے اپنے چچا ابو طالب کو بتایا۔ ابو طالب اپنے قبیلے کے کچھ افراد کو لے کر خانہ کعبہ کی طرف روانہ ہوئے جہاں یہ دستاویز رکھی گئی تھی۔ اس نے سب سے پہلے غیر مسلموں کے لیڈروں سے بات کی اور انہیں بتایا کہ اس دستاویز کے ساتھ کیا ہوا ہے اور مزید کہا کہ اگر وہ سچ کہہ رہے ہیں تو انہیں اس نشانی کو قبول کرنا چاہئے اور اپنا معاہدہ توڑ دینا چاہئے۔ انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ غلط تھا لیکن جب دستاویزات حاصل کی گئیں تو انہوں نے گواہی دی کہ ابو طالب سچ کہہ رہے تھے۔ اس واضح نشانی کے ساتھ بھی انہوں نے نہ صرف اسلام قبول کرنے سے انکار کیا بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف اور بھی زیادہ متشدد ہو گئے۔
اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 27-29 میں بحث کی گئی ہے۔

بعض لوگ مادی دنیا میں اس قدر غرق ہیں کہ کوئی نصیحت کہ قرآن پاک انسانوں کو سکھاتا ہے ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوگی۔ قرآن پاک بیان کرتا ہے کہ لوگوں کے اس گروہ کے دل پتھروں :باب 2 البقرہ، آیت 74 سے بھی زیادہ سخت ہیں۔

"...پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے، پتھر کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے"

چاہیے کہ وہ اس قسم کے لوگوں سے الگ جو لوگ اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں انہیں اس وقت معاملے میں بھی اس لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ۔ پر توجہ مرکوز کریں دوسروں ہو کر ایک مسلمان کو گناہگاروں کے ساتھ ہمیشہ اچھے کردار کا مظاہرہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ کسی بھی :63 باب 25 الفرقان، آیت وقت توبہ کر سکتے ہیں۔

‘‘اور جب جاہل ان سے]سختی سے [خطاب کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہیں۔ ’’

جب حد ۔ اعلیٰ، مشورہ دیتا ہے فرمایا اسی طرح قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے جھوٹے ہو جائے تو بہتر ہے کہ الگ ہو جائیں اور ضدی اور گمراہ لوگوں کو چھوڑ دیں۔ کون سیدھی راہ پر انسانوں کو آگاہ کرے گا۔ ،اعلیٰ تعالیٰ عقائد پر۔ بلاشبہ ایک دن آئے گا جب اللہ :باب 28 القصص، آیت 55 اندھیرے میں تھا اور کون گمراہ تھا۔

"اور جب وہ بری بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال، تم پر سلامتی ہو، ہم جاہلوں کی تلاش نہیں کرتے۔"

جب ان کی اچھی نصیحت دوسروں پر اثر انداز نہ ہو تو مسلمانوں کو کبھی مایوس اور الجھن میں گناہوں میں اس حد تک غرق ہو جاتے ہیں کہ ان ہیں لوگ نہیں پڑنا چاہیے۔ کچھ معاملات میں، یہ ایک کے دل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ یہ پردہ ان پر اثر انداز ہونے والی اچھی نصیحتوں کو روکتا ہے۔ نمبر 4244 میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے سنن ابن ماجہ ملی مثبت انداز میں .ایک حدیث روحانی دل پر سیاہ دھبہ بن جاتا ہے۔ جتنا کوئی گناہ کرتا ہے اتنا ہی اس ۔ کہ گناہ کیسے ہوتا ہے باب 83 المطففین، آیت 14 کا روحانی دل اس تاریکی میں مگن ہوتا جاتا ہے۔:

"نہیں !بلکہ داغ ان کے دلوں پر چھا گیا ہے جو وہ کما رہے تھے۔ "

کان، آنکھیں ان کے اعلان کرتا ہے کہ ،بلند نے یہ ایک اور آیت سے ملتا جلتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ باب 2 ۔ حق کی طرف رہنمائی نہیں کر سکتے سچائی سے پردہ پڑا ہوا ہے اس لیے وہ اور دل البقرہ، آیت 7:

‘‘اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی بصارت پر پردہ ہے۔ ’’

قصور اسلام کے پیغام میں نہیں بلکہ گمراہوں کے دلوں میں ہے۔ جیسے عیب ایک اندھے کی اس کا ضدی رویہ ایک وسیع مسئلہ بن ،بدقسمتی سے آنکھوں میں ہوتا ہے روشن سورج کا نہیں۔ معاشرے کے اندر .ان میں سے کچھ لوگ اسلام کو ماننے کے باوجود اپنے دل و دماغ کو گیا ہے۔ اور ۔ قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے لیے بند کر چکے ہیں وہ کسی بھی اچھی نصیحت کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں جس سے انہیں اس پر درود ہو۔ فائدہ ہو۔ دونوں جہانوں میں

جو لوگ اسلام کے کلام کو پھیلانے کا انتخاب کرتے ہیں انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ لوگ دو طرح کے ذہنوں کو اپنا سکتے ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ جب کوئی کسی مسئلے کے بارے میں پہلے ہی اپنا ذہن

کے پہلے سے طے جو اس بناتا ہے اور پھر صرف وہی چیزیں تلاش کرتا ہے اور قبول کرتا ہے
شدہ عقیدے کی تائید کرتی ہیں۔ جبکہ صحیح رویہ یہ ہے کہ مختلف مسائل کے حوالے سے مضبوط
پہلی ذہنیت صرف ذاتی سطح سے ۔ شواہد تلاش کر کے کھلے ذہن کے ساتھ زندگی گزاری جائے
.میڈیا کے کام کی لے کر قومی سطح تک مسائل پیدا کرے گی۔ بدقسمتی سے، اس طرح کچھ پہلوؤں
وہ معلومات جو وہ شائع کرنا چاہیں گے، کمزور معاون ثبوت کے وہ پہلے سے طے کرتے ہیں۔
اسلام کی تبلیغ کرنے اور پھر اسے دنیا کے دیکھنے کے تناسب سے اڑا دیں۔ بٹس تلاش کریں۔
والوں کو چاہیے کہ وہ پہلی قسم کے لوگوں سے بچیں اور دوسرے گروہ کو حق کی طرف دعوت
دینے پر توجہ دیں۔

دوستو

مکہ کے ایک غیر مسلم رہنما، ابی بن خلف، ایک بار اپنے دوست عقبہ بن ابو معیط پر غصے میں آگئے، جس نے ایک بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاوت قرآن پاک کو سنا تھا۔ ابی نے اپنے دوست سے مطالبہ کیا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے عزتی کرے ورنہ وہ پھر کبھی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔ عقبہ نے اپنے دوست سے اندھی محبت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے عزتی کی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورہ الفرقان آیت 27 تا 28 نازل فرمائی:

"اور جس دن ظالم اپنے ہاتھ کاٹے گا]افسوس سے [وہ کہے گا، کاش میں نے رسول کے ساتھ کوئی راستہ اختیار کیا ہوتا، ہائے ہائے میری، کاش میں نے اس کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ "

یہ واقعہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 35 میں زیر بحث آیا ہے۔

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ سچی محبت کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتا ہے، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ اس لیے کہ اطاعت دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی اور سلامتی کا باعث بنتی ہے۔ جو شخص کسی شخص کے لیے حفاظت اور کامیابی کا خواہاں نہیں ہے وہ کبھی بھی ان سے حقیقی محبت نہیں کر سکتا چاہے وہ کیا دعویٰ کرے یا دوسرے شخص کے ساتھ کیسا سلوک کرے۔ جس طرح بندہ اس وقت خوش ہوتا ہے جب اس کے محبوب کو دنیاوی کامیابی ملتی ہے، جیسے نوکری کی، وہ بھی اپنے محبوب سے آخرت کی کامیابی کی تمنا کرے گا۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی حفاظت اور کامیابی کی پرواہ نہیں کرتا ہے خاص طور پر اگلے جہان میں تو وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔

ایک سچا عاشق اپنے محبوب کو دنیا یا آخرت میں مشکلات اور عذاب کا سامنا کرتے ہوئے جاننا اور دیکھنا برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتے۔ اگر کوئی شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کے بجائے کسی دوسرے کو اپنے ذاتی مفاد یا دوسروں کے مفاد کی طرف لے جائے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں رکھتے۔ یہ تمام رشتوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دوستی اور رشتہ دار۔

لہٰذا ایک مسلمان کو یہ اندازہ لگانا چاہیے کہ آیا اس کی زندگی میں وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو یہ ان کے لیے ان کی محبت کی واضح علامت ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں کرتے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

‘‘اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔’’

دلیل

ایک غیر مسلم ابن زیبارہ نے ایک دفعہ یہ دعویٰ کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر وہ چیز جس کی عبادت کی جاتی ہے وہ جہنم میں جائے گی یعنی جن فرشتوں کی وہ عبادت کرتے تھے اور انبیاء عزیر و عیسیٰ علیہم السلام جن کی عبادت کی جاتی تھی۔ کچھ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف سے، بھی جہنم میں جائیں گے .جب اس کی اطلاع حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں سے ان کی عبادت کرنا چاہتے ہیں وہ ان کی عبادت کرنے والوں کے ساتھ جہنم میں ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی 21 سورۃ الانبیاء، آیات 101-102 نازل فرمائی:

’’ بے شک وہ لوگ جن کے لیے ہماری طرف سے سب سے بہتر)ثواب (پہلے ہو چکا ہے، وہ اس]جہنم [سے بہت دور ہیں۔ وہ اس کی آواز نہیں سنیں گے، جب تک کہ وہ اس میں ہوں گے، جس میں ان کی روحیں ہمیشہ رہیں گی۔"

انبیاء عزیر و عیسیٰ علیہما السلام اور ان فرشتوں کی طرف اشارہ کر رہی ہے جن کی بعض یہ آیت امتیں پوجا کرتی تھیں۔ اور ان کی دلیل اور منفی ذہنیت کی نشاندہی کرنے کے لیے باب 43 از زخرف آیات 57-58 نازل ہوئیں:

جب ابن مریم کو مثال کے طور پر پیش کیا گیا تو آپ کی قوم فوراً ہنس پڑی۔ اور کہنے لگے اور کہ کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ؟ انہوں نے اسے]یعنی تقابل [پیش نہیں کیا سوائے]محض [دلیل کے۔ لیکن،]حقیقت میں[، وہ جھگڑے کا شکار لوگ ہیں۔"

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 34 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے خاص طور پر اس دن اور دور میں ان لوگوں کے درمیان فرق کو سمجھنا ضروری ہے جو مثبت تبدیلی کے ذریعے لوگوں کو حقیقی طور پر فائدہ پہنچانے کے لیے بعض ایسے موضوعات پر بحث کرتے ہیں جنہیں متنازعہ سمجھا جا سکتا ہے اور جو لوگ توجہ مبذول کرنے کے لیے صرف ان مسائل پر گفتگو کرتے ہیں۔ دوسروں کی جو لوگ معاشرے میں مثبت تبدیلی کے خواہاں ہیں وہ ہمیشہ دوسروں کے تئیں احترام اور اچھے کردار کا مظاہرہ کریں گے خاص طور پر ان لوگوں کے لیے جو وہ اپنے الفاظ کے ذریعے چیلنج کر رہے ہیں۔ وہ اپنے نقطہ نظر کا اعلان کرنے کے لئے کبھی بھی فحش زبان یا اعمال کا نتیجہ نہیں لیتے ہیں۔ وہ اپنے نقطہ نظر کی تائید کے لیے غلط تشریح یا غلط معلومات کے بغیر جس موضوع پر بحث کر رہے ہیں اس کا مطالعہ اور سمجھتے ہیں۔ ان کی تنقید ہمیشہ تعمیری ہوتی ہے اور معاشرے کی بہتری کے لیے ان کا حقیقی اور مخلصانہ ارادہ ان کے طرز عمل اور الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی طرف مسلمانوں کو توجہ دینی چاہیے کیونکہ اگر وہ درست ہیں تو اس سے سب کے لیے معاشرہ بہتر ہو جائے گا۔ لیکن اگر ان کا نقطہ نظر غلط ہے تو وہ سچائی کو اس وقت قبول کریں گے جب دوسروں کی طرف سے ان پر واضح کیا جائے گا۔ لیکن جو لوگ اس صحیح رویے کے خلاف رویہ اختیار کرتے ہیں، خواہ وہ میڈیا میں پائے جائیں یا کہیں اور، انہیں نظر انداز کر دینا چاہیے کیونکہ وہ لوگوں کی زندگیوں میں بہتری نہیں چاہتے۔ وہ توجہ کے لیے بھوکے ہیں اور ایک شیر خوار بچے کی طرح دوسروں کی توجہ مبذول کروانے کے لیے کام کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ایسی ویڈیوز یا دیگر مواد کو گردش اور منتقل نہ کریں جو اس طرح کے لوگوں سے منسلک ہوں کیونکہ وہ ان کے ہاتھ میں کھیل رہے ہیں اور انہیں وہ توجہ دے رہے ہیں جس کی وہ بری طرح خواہش رکھتے ہیں۔ ان لوگوں سے بحث کرنا ان کی بری نیت اور رویے کی وجہ سے وقت کا مکمل ضیاع ہے۔ مسلمانوں کو اس کے بجائے اپنی کوششیں دوسری مفید جگہوں پر لگائیں جس سے ان کو اور دونوں جہانوں میں دوسروں کو فائدہ ہو۔

جھوٹ پر تعاون

ایک مرتبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ کا طواف فرما رہے تھے۔ اپنی عبادت کے دوران انہیں مکہ کے کچھ غیر مسلم رہنماؤں نے روکا جنہوں نے دعویٰ کیا کہ اگر وہ اپنے عقائد پر سمجھوتہ کرکے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں تو یہ سب کے لیے بہتر ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بتوں کی پرستش کرنا قبول کرلیں۔ اس طرح ہر کوئی دشمنی کے بغیر آپس میں مل جائے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکافرون آیت نمبر 109 نازل فرمائی۔

کہہ دو کہ اے کافرو، میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو، نہ تم ان کے پوجنے’’ والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں، نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو، اور نہ تم ان کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں، کیونکہ تمہارا دین "تمہارا ہے۔ اور میرے لیے میرا دین ہے۔

یہ واقعہ امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 2، صفحہ 35-36 میں درج ہے۔

مسلمانوں سے یہ توقع نہیں کی جاتی کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح بڑی قربانیاں دیں لیکن انہیں لوگوں کی خاطر یا دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے اپنے ایمان پر سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے۔ .یہ سمجھنا ضروری ہے کہ انسان کو اپنے ایمان پر سمجھوتہ کرکے دنیاوی کامیابی خواہ کتنی ہی کیوں نہ حاصل ہو بالآخر یہ کامیابی اس کے لیے دونوں جہانوں میں لعنت اور بہت بڑا بوجھ بن جائے گی۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ جب کوئی میڈیا دیکھتا ہے کہ جن لوگوں نے اپنی اخلاقی اقدار اور ایمان پر سمجھوتہ کیا وہ غمگین اور افسردہ ہو گئے خواہ انہیں کتنی ہی دنیوی کامیابیاں ملیں۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہے اور اس بات پر پختہ یقین رکھے کہ جلد یا بدیر انہیں دنیاوی کامیابیاں ان کی توقعات سے بڑھ کر نصیب ہوں گی، ان نعمتوں کو چھوڑ دیں جو ان کے لیے اگلے جہان میں منتظر ہیں۔ باب 41 :فصیلات، آیت 30

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر وہ سیدھے راستے پر رہے تو ان پر" فرشتے نازل ہوں گے اور کہیں گے کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو بلکہ جنت کی خوشخبری سنو۔ وعدہ "کیا گیا تھا۔

اسلام سب کے لیے

ایک مرتبہ مکہ کے ایک انتہائی معزز غیر مسلم رہنما حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کر رہے تھے۔ مؤخر الذکر اسے اسلام قبول کرنے پر راضی کرنے کے لئے بے چین تھا کیونکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کا پورا قبیلہ بھی اس کی پیروی کرے گا۔ ان کی گفتگو کے دوران ایک نابینا اور غریب صحابی عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے انجانے میں ان کی گفتگو میں خلل ڈالا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خواہش کی کہ وہ انہیں اسلام کی مزید تعلیم دیں۔ جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر مسلم پیشوا کے ساتھ اپنی گفتگو کو منقطع کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا، اس نے وقتی طور پر غریب صحابی رضی اللہ عنہ سے منہ موڑ لیا، اور آپ کو جواب نہیں دیا۔ امید ہے کہ وہ صورتحال کی اہمیت کو سمجھیں گے اور بعد میں واپس آئیں گے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے باب 80 عبسہ، آیات 1-10 نازل فرمائی:

“ کیونکہ وہ ۔ اس نے]یعنی رسول اللہ)صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (نے [منہ پھیر لیا اور منہ پھیر لیا اندھا اس کے پاس آیا۔ لیکن تمہیں کیا معلوم کہ شاید وہ پاک ہو جائے۔ یا نصیحت کی جائے اور نصیحت اس کو نفع دے گی؟ جہاں تک وہ جو اپنے آپ کو بلا ضرورت سوچتا ہے۔ آپ اس کی طرف توجہ دیں۔ اور تم پر کوئی الزام نہیں اگر وہ پاک نہ ہو۔ لیکن وہ جو آپ کے پاس]علم کے لیے [کوشش کرتے ہوئے آیا۔ جبکہ وہ]اللہ سے [ڈرتا ہے۔ اُس سے تم غافل ہو رہے ہو۔’’

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 36 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 5116 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ شرافت کسی کے نسب میں نہیں ہے کیونکہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اور وہ خاک سے بنا تھا۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور نسب پر فخر کرنا چھوڑ دیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگرچہ بعض جاہل مسلمانوں نے ذاتیں اور فرقے بنا کر دوسری قوموں کا رویہ اختیار کر لیا ہے اور ان گروہوں کی بنیاد پر اسلام نے برتری کا ایک سادہ معیار قرار دیا ہے، یعنی تقویٰ۔ یعنی مسلمان جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ اتنا ہی بلند درجہ کا ہوتا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

’’بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔

یہ آیت دیگر تمام معیارات کو ختم کر دیتی ہے جو جاہل لوگوں نے بنائے ہیں جیسے کہ کسی کی نسل، نسل، دولت، صنف یا سماجی حیثیت۔

مزید برآں، اگر کسی مسلمان کو اپنے نسب میں کسی متقی شخص پر فخر ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور ان کے نقش قدم پر چل کر اس عقیدے کا صحیح مظاہرہ کرنا چاہیے۔ دوسروں کے نقش قدم پر چلے بغیر ان پر فخر کرنا اس دنیا یا آخرت میں کسی کے کام نہیں آئے گا۔ یہ بات جامع ترمذی نمبر 2945 میں موجود حدیث میں واضح ہو چکی ہے۔

آخر میں، جو دوسروں پر فخر کرتا ہے لیکن ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہتا ہے وہ بالواسطہ طور پر ان کی بے عزتی کر رہا ہے کیونکہ باہر کی دنیا ان کے برے کردار کو دیکھے گی اور یہ سمجھے گی کہ ان کے صالح آباؤ اجداد نے اسی طرح برتاؤ کیا تھا۔ ان لوگوں کو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری روایات اور نصیحتوں کو اپناتے ہیں، جیسے کہ داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا، ان کے باطن کو اپنانے میں ناکام رہتے ہیں۔ بیرونی دنیا صرف اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منفی سوچے گی جب وہ ان مسلمانوں کے برے کردار کو دیکھیں گے۔

مہربان اور نرم تبلیغ

جب قبیلہ داؤس کا ایک معزز اور معزز شخص طفیل بن عمرو مکہ آیا تو مکہ کے غیر مسلم پیشواوں نے اسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تنبیہ کی اور تاکید کی کہ آپ ان کی بات نہ سنیں۔ نہ اس سے بات چیت حتیٰ کہ اس نے اپنے کانوں میں روئی بھر دی تاکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں سننے سے بچ سکیں۔ لیکن جب اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو اس نے عقل سے کام لیا اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس چیز کی دعوت دیں گے وہ اچھی ہے تو وہ اسے قبول کر لیں گے۔ برا تھا وہ صرف اسے مسترد کر دے گا .اسلام کی تعلیمات سننے کے بعد اس نے اسے قبول کر لیا اور اپنے قبیلے میں واپس آ گئے اور انہیں اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ اپنے قبیلے کو خوش اسلوبی اور نرمی سے تبلیغ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 48-49 میں بحث کی گئی ہے۔ کریں۔

اس کی نصیحت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبصورتی نرمی میں پائی جاتی ہے۔ اسلام ۔ قرآن نمبر 3689 میں موجود ہے نے بہت سی احادیث میں فرمائی ہے جیسا کہ سنن ابن ماجہ کریم نے یہاں تک ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سب سے راضی تھے، آپ کی نرمی اور نرم طبیعت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلسل محبت کرتے تھے۔ باب علی عمران، آیت 159 3:

پس اللہ کی رحمت سے،]اے محمد[، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور " دل میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔''

سے عرب سخت دل ہونے کی وجہ سے مشہور تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ یہ انہوں نے اپنایا اس طرح اور مزاج سے ان کے سخت دل پگھل گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی اکرم حضور یہ کیوں ہے ۔ باقی بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لیے روشنی بن گئی خوبی اور متنبہ کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام، ایک حدیث میں وسلم صلی اللہ علیہ وآلہ

سنن ابوداؤد نمبر 4809 میں ہے کہ نرمی سے محروم رہنے والا بھلائی سے محروم ہے۔ ہے ۔
:باب 3 علی عمران، آیت 103

اور اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو جب تم دشمن تھے اور اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور ''
تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے''۔

تباہ کن سخت انہیں یہ ان لوگوں کے لیے ایک واضح پیغام ہے جو اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں۔
وہ لوگوں کو متحد کریں اور پھیلنے کی بجائے کا حامل ہونا چاہیے۔ تعمیری ذہن نرم ذہن کے بجائے
ان یہ معاشرے کے اندر تنازعات کی ایک اچھی مثال دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کریں۔
کے ساتھ نرم مزاجی کا اپنے بچوں کے بچوں کے ساتھ رویے میں دیکھا جاتا ہے .جن والدین نے
ایک سخت مظاہرہ کیا ان پر ان والدین کے مقابلے میں زیادہ مثبت اثر پڑا جنہوں نے گود لیا تھا۔
مزاج .اکثر کچھ لوگ اپنے سخت رویے سے لوگوں کو اسلام سے مزید دور کر دیتے ہیں اور یہ
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ۔ مثال کے حضور روایات کو مکمل طور پر چیلنج کرتا ہے۔
کی مسجد طور پر ایک مرتبہ ایک ان پڑھ اعرابی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
حضور اسے سزا دینا چاہتا تھا۔ ،اللہ ان سب سے راضی ہو مئی ، ۔ جب صحابہ کرام میں پیشاب کیا
مسجد میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرمایا اور وسلم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ
میں موجود حدیث میں نمبر 529 ۔ یہ واقعہ سنن ابن ماجہ رہنے کے آداب کو نرمی سے سمجھایا
اس نرم رویے نے انسان کو مثبت انداز میں متاثر کیا۔ مذکور ہے ۔

قرآن پاک کے کئی مقامات پر بھی اس کا ذکر ہے۔ مثال کے طور پر، اگرچہ یہ اہم خصوصیت
موسیٰ علیہ السلام حضرت پھر بھی اللہ تعالیٰ نے فرعون نے اعلیٰ ترین رب ہونے کا دعویٰ کیا۔
نرم اور مہربان تقریر فرعون کو دعوت نہ دیں۔ ،دونوں ۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم دیا
:حیٹر 79 نضیات، آیت 24 کا استعمال کرتے ہوئے رہنمائی کی طرف۔ ج

''اور کہا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔''

:اور باب 20 طہ، آیات 43-44

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔ بے شک اس نے زیادتی کی۔ اور اس سے نرمی سے بات کرو" شاید وہ نصیحت حاصل کرلے یا اللہ سے ڈرے"۔

اور جانور بھی نرمی کی زبان سمجھتے ہیں۔ پس اگر کسی بالغ کو اسلام اور بھلائی کی طرف بچے ؟ دعوت دیتے وقت یہ خصوصیت اختیار کی جائے تو اس کی صحیح رہنمائی کیسے ہو سکتی ہے ،اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود فرمایا اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے تعالیٰ اللہ میں ملتا ہے کہ نصیحت ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6601 ایک بار ایک حدیث میں مہربان اور نرم ہے اور مخلوق کو ایک دوسرے کے ساتھ نرمی ،اعلیٰ لامحدود وقار کے مطابق یہ غلط اسلام نے اس لفظ کو پھیلاتے ہیں۔ سے پیش آنا پسند ہے۔ بدقسمتی سے، بہت سے لوگ جو یہ شیطان کی چال کے سوا کچھ نہیں ۔ عقیدہ اختیار کیا ہے کہ نرم ہونا کمزوری کی علامت ہے ۔ ہے کیونکہ وہ انسانوں کو اسلام سے دور کرنا چاہتا ہے

مکہ میں قحط

رحمت کا مشن

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مکہ کے غیر مسلموں کا تشدد مزید بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے مکہ کو شدید قحط کا شکار کر دیا۔ یہ اتنا برا تھا کہ غیر مسلم مردار، چمڑا اور ہڈیاں کھانے پر مجبور تھے۔ مکہ کے کچھ غیر مسلم رہنما حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے دعویٰ کیا کہ آپ کا مشن بنی نوع انسان کے لئے رحمت ہے لہٰذا انہیں چاہئے کہ ان سے اس قحط کو دور کرنے کی دعا کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے دعا فرمائی اور مکہ کو موسلا دھار بارش نصیب ہوئی اور قحط کے اثرات دور ہوگئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 59-60 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 7376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرے گا جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا۔

اسلام بہت سادہ مذہب ہے۔ اس کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک اس قدر سادہ ہے کہ ان پڑھ لوگ بھی ان کو سمجھ سکتے ہیں اور اس پر عمل کر سکتے ہیں، یعنی لوگ دوسروں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا۔ مثال کے طور پر جو لوگ دوسروں کی غلطیوں کو درگزر کرنا اور معاف کرنا سیکھتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ باب النور، آیت 22 24:

"...اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟''

جو لوگ فائدہ مند دنیاوی اور دینی معاملات میں دوسروں کی مدد کرتے ہیں جیسے کہ جذباتی یا مالی امداد اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کی مدد کرے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4893 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ یہی حدیث نصیحت کرتی ہے کہ جو دوسروں کے عیب چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیب چھپاتا ہے۔

سیدھے الفاظ میں، اگر کوئی اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک اور احترام کا سلوک کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں ان کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ ایسا ہی سلوک کرے گا، خواہ وہ فرض نمازوں جیسے واجبات کو پورا کرتے ہوں۔ یہ اس لیے ہے کہ ایک مسلمان کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے دونوں فرائض کو پورا کرنا چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے لیے فرائض۔

آخر میں، یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ صرف اللہ کی طرف سے حسن سلوک کیا جائے گا، اگر وہ اس کی خاطر دوسروں سے حسن سلوک سے پیش آئے۔ اگر وہ اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے ایسا کرتے ہیں تو بلاشبہ ان تعلیمات میں مذکور اجر کو ضائع کر دیں گے۔ تمام عبادات اور اسلام کی بنیاد خود انسان کی نیت ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

تجربات سے سیکھنا

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مکہ کے غیر مسلموں کا تشدد مزید بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے مکہ کو شدید قحط کا شکار کر دیا۔ یہ اتنا برا تھا کہ غیر مسلم مردار چمڑا اور ہڈیاں کھانے پر مجبور تھے۔ مکہ کے کچھ غیر مسلم رہنما حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے دعویٰ کیا کہ آپ کا مشن بنی نوع انسان کے لئے رحمت ہے لہٰذا انہیں چاہئے کہ ان سے اس قحط کو دور کرنے کی دعا کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے دعا فرمائی اور مکہ کو موسلا دھار بارش نصیب ہوئی اور قحط کے اثرات دور ہوگئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 59-60 میں بحث کی گئی ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومنون آیت 76 نازل فرمائی۔

"اور ہم نے ان کو مصیبتوں میں مبتلا کر رکھا تھا لیکن وہ اپنے رب کے سامنے نہ جھکے اور نہ ہی عاجزی سے دعا کی۔"

اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 23:76، صفحہ 114 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک مسلمان کے لیے ایک اہم حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے، یعنی تخلیق میں کوئی بھی چیز عقلمندی کے بغیر واقع نہیں ہوتی، خواہ لوگ اس حکمت کو فوری طور پر نہ دیکھیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہر چیز کو جو پیش آتی ہے، خواہ وہ آسانی کے وقت ہو یا مشکل میں، ایک بوتل میں ایک پیغام کی طرح۔ انہیں بوتل کا جائزہ لینے اور جانچنے میں زیادہ نہیں پھنسنا چاہئے کیونکہ یہ محض ایک میسنجر ہے جو اہم پیغام پہنچاتا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب مسلمان یا تو ان اچھی چیزوں پر خوش ہوتے ہیں جو اس طرح ہوتی ہیں اور اچھی چیز کے اندر موجود پیغام سے غافل

ہو جاتے ہیں۔ یا وہ مشکلات کے دوران غمگین ہو جاتے ہیں اس طرح مشکل کے اندر موجود پیغام کو سمجھنے کے لیے بہت زیادہ مشغول ہو جاتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ قرآن پاک کی نصیحت پر عمل کرنے کی بجائے ہر صورتحال کو متوازن انداز میں دیکھیں۔ باب 57 الحدید، آیت 23:

"تاکہ تم اس چیز پر نا امید نہ ہو جو تم سے چھوٹ گئی ہے اور جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس پر فخر نہ کرو۔"

یہ آیت مختلف حالات میں خوش یا غمگین ہونے سے منع نہیں کرتی کیونکہ یہ انسانی فطرت کا حصہ ہے۔ لیکن یہ ایک متوازن نقطہ نظر کی نصیحت کرتا ہے جس کے تحت کوئی انتہائی جذبات سے بچتا ہے یعنی پرجوش جو حد سے زیادہ خوشی یا غم جو کہ ضرورت سے زیادہ اداسی ہے۔ یہ متوازن نقطہ نظر کسی کو اپنے ذہن کو بوتل کے اندر موجود زیادہ اہم پیغام پر مرکوز کرنے کی اجازت دے گا، اس صورت حال کے اندر چاہے یہ آسانی ہو یا مشکل کی صورت حال۔ چھپے ہوئے پیغام کو جانچنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے سے ایک مسلمان اپنی دنیوی اور دینی زندگی کو بہتر بنا سکتا ہے۔ بعض اوقات یہ پیغام جاگنے کی کال ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹ جائیں، اس سے پہلے کہ ان کا وقت ختم ہو جائے۔ بعض اوقات یہ ان کے درجات کو بڑھانے کا ایک طریقہ ہو گا۔ دوسری بار ان کے گناہوں کو مٹانے کا ایک طریقہ اور بعض اوقات یہ یاد دہانی کہ وہ دنیاوی مادی دنیا اور اس میں موجود چیزوں سے خود کو منسلک نہ کریں۔ اس تشخیص کے بغیر کوئی شخص اپنی دنیوی یا دینی زندگی کو بہتر بنائے بغیر محض واقعات سے گزرے گا۔

اسلام میں مساوات

بہترین کمپنی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ لوگوں کے لیے اپنے لیے اسلام قبول کرنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ وہ خاص طور پر غیر مسلموں کے رہنماؤں کے لیے ایسا کرنے کے خواہش مند تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر ایسا ہوا تو ان کے پیروکار زیادہ آسانی سے اسلام قبول کر لیں گے۔ جب مکہ کے غیر مسلموں نے جو کہ شریف النفس سمجھے جاتے تھے، جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسلام کے بارے میں گفتگو کرنا چاہا تو انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے غریب صحابہ کو حکم دیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو، ان کی ملاقاتوں میں دور رہتے تھے کیونکہ وہ غریبوں کی صحبت میں بیٹھنے کی خواہش نہیں رکھتے تھے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر غور کیا تو صرف ان کے اسلام قبول کرنے کے شوق میں درج ذیل آیات اور اسی طرح کی آیات نازل ہوئیں:
باب 6 الانعام، آیات 52-54:

"اور جو لوگ صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اس کے چہرے کی تلاش میں رہتے ہیں، انہیں دور نہ کرو۔ ان کے حساب میں سے تم پر کچھ نہیں ہے اور تمہارے حساب میں سے ان پر کچھ نہیں ہے۔ پس اگر تم نے ان کو رخصت کر دیا تو تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ اور اس طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعے آزمایا ہے تاکہ وہ (یعنی کافر) کہیں کہ کیا یہ وہ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے فضل کیا ہے؟ کیا اللہ شکر کرنے والوں کو خوب جانتا ہے؟ اور جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں تو کہو کہ تم پر سلامتی ہو، تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کا فیصلہ کر لیا ہے کہ تم میں سے جو کوئی نادانی سے کوئی برائی کرے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے تو یقیناً وہی ہے۔ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 6:52، صفحہ 76 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ اچھی صحبت کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 5534 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچھے اور برے ساتھی میں فرق بیان فرمایا۔ اچھا ساتھی عطر بیچنے والے کی طرح ہے۔ ان کا ساتھی یا تو کوئی عطر حاصل کرے گا یا کم از کم خوشگوار بو سے متاثر ہوگا۔ جبکہ برا ساتھی لوہار کی طرح ہوتا ہے اگر اس کا ساتھی اپنے کپڑے نہیں جلائے گا تو وہ ضرور دھوئیں سے متاثر ہوگا۔

مسلمانوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ جن لوگوں کے ساتھ جائیں گے ان کا اثر ان پر پڑے گا چاہے یہ اثر مثبت ہو یا منفی، ظاہر ہو یا لطیف۔ کسی کا ساتھ دینا اور اس سے متاثر نہ ہونا ممکن نہیں۔ سنن ابو داؤد نمبر 4833 میں موجود حدیث اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ ایک شخص اپنے ساتھی کے مذہب پر ہے۔ یعنی انسان اپنے ساتھی کی خصوصیات کو اپناتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ صالحین کا ساتھ دیں کیونکہ وہ بلا شبہ ان پر مثبت اثر ڈالیں گے، وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی ترغیب دیں گے۔ جبکہ برے ساتھی یا تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اکسائیں گے یا پھر مسلمان کو آخرت کی تیاری کے بجائے مادی دنیا پر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دیں گے۔ یہ رویہ ان کے لیے قیامت کے دن بڑے ندامت کا باعث بنے گا خواہ وہ چیزیں حلال ہوں لیکن ان کی ضرورت سے زیادہ ہوں۔

آخر میں، جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 3688 میں موجود حدیث کے مطابق ایک شخص آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ ختم ہو جائے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے، ایک مسلمان کو عملی طور پر اس دنیا میں صالحین کے ساتھ محبت کا اظہار کرنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ برے یا غافل لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان سے محبت کرتے ہیں اور آخرت میں ان کی آخری منزل ہے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

‘‘اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔’’

حق کو رد کرنا

مکہ کے غیر مسلموں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خواہش کی کہ وہ انہیں قرآن مجید کے علاوہ کوئی اور معجزہ دکھائیں تاکہ ان کے اعلان کی تصدیق ہو سکے۔ اس نے انہیں چاند کا پھٹنا دکھایا۔ اس واضح نشانی کے بعد بھی انہوں نے محض دعویٰ کیا کہ اس نے ان کی آنکھوں کو دھوکہ دیا۔ اس دوران باب 54 القمر، آیات 1-3 نازل ہوئیں:

"قیامت قریب آ گئی ہے، اور چاند]دو حصوں میں [پھٹ گیا ہے۔ اور اگر وہ کوئی نشانی]یعنی معجزہ [دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "جادو"۔ اور انہوں نے انکار کیا اور اپنی خواہشات کی پیروی کی۔ لیکن ہر معاملے کے لیے ایک طے شدہ وقت ہے۔‘‘

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 77-78 میں بحث کی گئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 3637 میں موجود ایک حدیث بھی اس واقعہ پر بحث کرتی ہے۔

بعض لوگ مادی دنیا میں اس قدر غرق ہیں کہ کوئی نصیحت کہ قرآن پاک انسانوں کو سکھاتا ہے ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوگی۔ قرآن پاک بیان کرتا ہے کہ لوگوں کے اس گروہ کے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 74:

"...پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے، پتھر کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے"

اس قسم کے لوگوں سے الگ ہو کر دوسروں جو لوگ اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں وہ اس وقت معاملے میں بھی ایک مسلمان کو اس لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ۔ پر توجہ مرکوز کریں گناہگاروں کے ساتھ ہمیشہ اچھے کردار کا مظاہرہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ کسی بھی وقت توبہ کر 63 باب 25 الفرقان، آیت سکتے ہیں۔:

‘‘اور جب جاہل ان سے]سختی سے [خطاب کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہیں۔ ’’

جب حد ۔ اعلیٰ، مشورہ دیتا ہے فرمایا اسی طرح قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے جھوٹے ہو جائے تو بہتر ہے کہ الگ ہو جائیں اور ضدی اور گمراہ لوگوں کو چھوڑ دیں۔ کون سیدھی راہ پر انسانوں کو آگاہ کرے گا۔ ،اعلیٰ تعالیٰ عقائد پر۔ بلاشبہ ایک دن آئے گا جب اللہ باب 28 القصص، آیت 55 اندھیرے میں تھا اور کون گمراہ تھا۔:

"اور جب وہ بری بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال، تم پر سلامتی ہو، ہم جاہلوں کی تلاش نہیں کرتے۔"

جب ان کی اچھی نصیحت دوسروں پر اثر انداز نہ ہو تو مسلمانوں کو کبھی مایوس اور الجھن میں گناہوں میں اس حد تک غرق ہو جاتے ہیں کہ ان ہیں لوگ نہیں پڑنا چاہیے۔ کچھ معاملات میں، یہ ایک کے دل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ یہ پردہ ان پر اثر انداز ہونے والی اچھی نصیحتوں کو روکتا ہے۔ نمبر 4244 میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے سنن ابن ماجہ ملی مثبت انداز میں .ایک حدیث روحانی دل پر سیاہ دھبہ بن جاتا ہے۔ جتنا کوئی گناہ کرتا ہے اتنا ہی اس ۔ کہ گناہ کیسے ہوتا ہے باب 83 المطففین، آیت 14 کا روحانی دل اس تاریکی میں مگن ہوتا جاتا ہے۔:

"نہیں !بلکہ داغ ان کے دلوں پر چھا گیا ہے جو وہ کما رہے تھے۔ "

کان، آنکھیں ان کے اعلان کرتا ہے کہ ،بلند نے یہ ایک اور آیت سے ملتا جلتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ
باب 2 ۔ حق کی طرف رہنمائی نہیں کر سکتے سچائی سے پردہ پڑا ہوا ہے اس لیے وہ اور دل
:البقرہ، آیت 7

''اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی بصارت پر پردہ ہے۔ ''

قصور اسلام کے پیغام میں نہیں بلکہ گمراہوں کے دلوں میں ہے۔ جیسے عیب ایک اندھے کی
اس کا ضدی رویہ ایک وسیع مسئلہ بن ،بدقسمتی سے آنکھوں میں ہوتا ہے روشن سورج کا نہیں۔
معاشرے کے اندر .ان میں سے کچھ لوگ اسلام کو ماننے کے باوجود اپنے دل و دماغ کو گیا ہے۔
اور ۔ قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے لیے بند کر چکے ہیں
وہ کسی بھی اچھی نصیحت کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں جس سے انہیں اس پر درود ہو۔
فائدہ ہو۔ دونوں جہانوں میں

جو لوگ اسلام کے کلام کو پھیلانے کا انتخاب کرتے ہیں انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ لوگ دو طرح
کے ذہنوں کو اپنا سکتے ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ جب کوئی کسی مسئلے کے بارے میں پہلے ہی اپنا ذہن
کے پہلے سے طے جو اس بناتا ہے اور پھر صرف وہی چیزیں تلاش کرتا ہے اور قبول کرتا ہے
شدہ عقیدے کی تائید کرتی ہیں۔ جبکہ صحیح رویہ یہ ہے کہ مختلف مسائل کے حوالے سے مضبوط
پہلی ذہنیت صرف ذاتی سطح سے ۔ شواہد تلاش کر کے کھلے ذہن کے ساتھ زندگی گزاری جائے
.میڈیا کے کام کی لے کر قومی سطح تک مسائل پیدا کرے گی۔ بدقسمتی سے، اس طرح کچھ پہلوؤں
وہ معلومات جو وہ شائع کرنا چاہیں گے، کمزور معاون ثبوت کے وہ پہلے سے طے کرتے ہیں۔
اسلام کی تبلیغ کرنے اور پھر اسے دنیا کے دیکھنے کے تناسب سے اڑا دیں۔ بٹس تلاش کریں۔
والوں کو چاہیے کہ وہ پہلی قسم کے لوگوں سے بچیں اور دوسرے گروہ کو حق کی طرف دعوت
دینے پر توجہ دیں۔

ابو طالب کی وفات - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا

مذہب میں زبردستی نہیں۔

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب بسترِ مرگ پر تھے تو آپ کے غیر مسلم رشتہ دار آپ کے گھر پر جمع ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ترغیب دینے کی خواہش رکھتے تھے۔ ان کے ساتھ سمجھوتہ کریں .لیکن اس کے بجائے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو طالب کو اسلام قبول کرنے کی خواہش اور تاکید کی لیکن انہیں ان کے رشتہ داروں کی طرف سے مسلسل چیلنج کیا گیا یہاں تک کہ ابو طالب غیر مسلم کی حیثیت سے فوت ہو گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کیا کہ وہ اس وقت تک استغفار کرتے رہیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے منع نہ کر دیا ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے توبہ میں باب 9، آیت 113 نازل فرمائی:

”نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ کام نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے استغفار کریں، خواہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، جب کہ ان پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ وہ جہنم کے ساتھی ہیں۔“

اور باب 28 القصص، آیت 56:

”بے شک)اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم (آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دیتے۔“

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 83-84 میں بحث کی گئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 4772 میں موجود ایک حدیث بھی اس واقعہ پر بحث کرتی ہے۔

اگرچہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہر مسلمان پر ایک اہم فریضہ ہے لیکن پھر بھی وہ ایسے لوگوں سے ملیں گے جو بظاہر ان کو دی گئی نصیحت کو نہیں سنتے اور نہ اس پر عمل کرتے ہیں۔ یہ خاص طور پر اس دن اور عمر میں بالکل واضح ہے۔ اس طرح کے معاملات میں یہ بہتر ہے کہ ہمت نہ ہاریں بلکہ اپنی تکنیک کو تبدیل کرنے پر غور کریں۔ باتوں سے دوسروں کو نصیحت کرنا نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا ایک طریقہ ہے لیکن اس سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اپنے عمل سے دوسروں کو نصیحت کی جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے قول و فعل سے دوسروں کو نصیحت کرنے والے سب سے بڑے استاد تھے۔ مثال کے طور پر یہ معروف تکنیک اپنانا ضروری ہے کیونکہ اس سے دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔ لیکن جو لوگ اب بھی نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کی اس تکنیک کو قبول کرنے میں ناکام رہتے ہیں انہیں تنہا چھوڑ دینا چاہیے۔ کسی کو عملی مثال دکھاتے رہنا چاہئے لیکن شاید زبانی طور پر مشورہ دینے سے ایک قدم پیچھے ہٹنا چاہئے کیونکہ توجہ نہ دینے والے دوسروں کو مسلسل نصیحت کرنا دونوں فریقین کو چڑچڑا اور غصے کا باعث بن سکتا ہے۔ یہ اس رویے کے خلاف ہے جو ایک مسلمان کو ہونا چاہیے جب وہ دوسروں کو بھلائی کی نصیحت کرتے ہیں۔ یہ ایک افسوسناک سچائی ہے کہ کسی کو زبانی طور پر اپنے آپ کو ایسے لوگوں پر مسلط کرنے کی زحمت نہیں کرنی چاہئے جو اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ وہ کیا کہنا ہے۔ لیکن انہیں اپنے عمل سے دوسروں کو نصیحت کرتے رہنا چاہیے۔ اس طرح انسان نہ صرف اپنے کردار کو سنوار کر اپنی مدد کرتا ہے بلکہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے میں بھی اپنا فرض ادا کرتا ہے۔ باب 31 لقمان، آیت 17:

"... نیکی کا حکم دو، برائی سے روکو، اور جو مصیبت آئے اس پر صبر کرو۔ درحقیقت، [سب] وہ معاملات ہیں جو حل طلب ہیں۔

اگرچہ ابو طالب غیر مسلم کی حیثیت سے وفات پا گئے تھے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت میں ان کی کوششیں رائیگاں نہیں گئیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ اس بات کی تصدیق فرمائی کہ آپ کی وجہ سے ابو طالب جہنم کی آگ کے گہرے حصے میں رہنے کے بجائے اس کے اتھلے حصے میں قیام کریں گے، جس کا نتیجہ ان کے کفر

کی وجہ سے ہوتا۔ اللہ عزوجل۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 510 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

وفات خدیجہ رضی اللہ عنہا - زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ایک عمدہ ساتھی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان مشکل سالوں میں آپ کی پیاری بیوی خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ وہ اس کی تمام پریشانیوں میں اس کی قابل اعتماد مشیر رہی تھی اور وہ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 81 ہمیشہ اس سے یقین دہانی حاصل کرتا تھا۔ میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برسوں بعد یاد کرتے ہوئے ایک بار ان کی تعریف کی۔ اس نے کہا کہ وہ اس پر یقین کرتی ہیں جب کوئی اور نہیں کرتا تھا۔ اس نے اسلام اس وقت قبول کیا جب لوگوں نے اس سے کفر کیا۔ اور اس نے اپنی ذات اور دولت میں اس کی مدد کی اور تسلی دی جب اس کے ساتھ مدد کرنے والا کوئی اور نہیں تھا۔ مسند احمد، 6/118 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

دنیا میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ کس طرح ایک شخص نے اپنے دوست کو زندگی میں غلط راستہ اختیار کرنے کی ترغیب دی جس کی وجہ سے وہ جیل جیسی سنگین پریشانی کا باعث بنے۔ کسی کو نہ صرف ان لوگوں سے ہوشیار رہنا چاہیے جو بُری خصلتوں کے مالک ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنے دوستوں پر منفی اثر ڈالتے ہیں جس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4833 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ ان سے سچی محبت رکھتے ہیں خاص طور پر وہ لوگ جو حقیقی علم نہیں رکھتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کے پاس حقیقی علم نہیں ہے وہ بعض اوقات اپنے پیاروں کو غلط نصیحت کرتا ہے کہ اس نے یقین کیا ہے کہ اس نے پورا کیا ہے اور اپنے ساتھی سے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک بیوی اپنے تھکے ہوئے شوہر کو مشورہ دے سکتی ہے کہ وہ اپنی فرض نماز مسجد میں باجماعت ادا کرنے کے بجائے گھر میں ادا کرے۔ اگرچہ بعض علماء کے نزدیک گھر میں فرض نماز پڑھنا جائز ہے، لیکن یہ نصیحت صرف پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم ترین روایتوں میں سے ایک سے ہٹ جائے گی۔ یہ بدلے میں انہیں اللہ

تعالیٰ سے مزید دور لے جائے گا۔ اس بیوی کو یقین ہو سکتا ہے کہ اس نے محبت کے ساتھ برتاؤ کیا ہے حالانکہ اس نے نہیں کیا۔ اسی لیے مفید علم حاصل کرنا انتہائی ضروری اور تمام مسلمانوں پر فرض ہے سنن ابن ماجہ نمبر 224 کی ایک حدیث کے مطابق۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کچھ چیزیں ظاہری طور پر مشکل معلوم ہوتی ہیں لیکن ان کے اندر بہت سی برکات موجود ہوتی ہیں۔ اور بہت سی چیزیں آسان اور حلال معلوم ہوتی ہیں لیکن وہ صرف ایک کو اللہ تعالیٰ سے دور کر دیتی ہیں۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہوشیار رہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے، اس کے احکام کو بجا لاتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرتے ہوئے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے اور کسی عزیز کی نصیحت سے بے وقوف نہ بنے۔ انہیں یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ مشورہ ان کو فائدہ دے گا کیونکہ یہ ایک پیارے ساتھی کی طرف سے آیا ہے۔

پرانے تعلقات کو برقرار رکھنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہل و عیال اور دوستوں کے ساتھ تعلقات قائم رکھے۔ مثال کے طور پر، وہ اکثر انہیں کھانا اور تحائف پیش کرتا تھا۔ صحیح بخاری نمبر 3818 میں موجود حدیث میں اس کا ذکر ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے بہترین گروہ تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے جسمانی طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی زندگی کے دوران دیکھا، یقیناً ایک عنصر ہے۔ لیکن جو کوئی ان کی زندگی اور ان کے اعمال صالحہ کے بارے میں جانتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ ان کی برتری صرف اس منفرد اور عظیم عمل سے زیادہ ہے۔

ان کی فضیلت کی ایک بڑی وجہ صحابی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے متعلق ایک حدیث میں دکھائی گئی ہے جو کہ صحیح مسلم نمبر 6515 میں موجود ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ سوار تھے۔ ریگستان میں جب وہ ایک بدو سے ملے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اعرابی کو سلام کیا، اعرابی کے سر پر اپنی پگڑی رکھ دی اور اعرابی کو اپنی سواری پر سوار ہونے کی تاکید کی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ اس نے اعرابی کو جو سلام کیا وہ کافی سے زیادہ تھا کیونکہ اعرابی اس بات پر بہت خوش ہوا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم صحابی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سلام کیا۔ ، اسے سلام کیا۔ اس کے باوجود ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے بہت آگے جا کر بدویوں کا بہت احترام کیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے ایسا صرف اس لیے کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار یہ نصیحت کی تھی کہ ایک شخص اپنے والدین کی عزت کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ محبت اور احترام کیا جائے۔ والدین کے رشتہ دار اور دوست۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مزید کہا کہ اعرابی کے والد اپنے والد امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دوست تھے۔

یہ واقعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے۔ وہ مکمل طور پر اسلام کی تعلیمات کے تابع تھے۔ انہوں نے نہ صرف فرض کی ادائیگی کی اور تمام گناہوں سے اجتناب کیا بلکہ ان تمام اعمال کو مکمل طور پر پورا کیا جن کی سفارش ان کے لیے ممکن حد تک ممکن تھی۔ ان کی سر تسلیم خم کرنے کی وجہ سے وہ اپنی خواہشات کو ایک طرف رکھ کر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ آسانی سے اعرابی کو نظر انداز کر سکتے تھے کیونکہ اس نے جو عمل کیا تھا ان میں سے کوئی بھی واجب نہیں تھا، اس عذر کو استعمال کرنے والے بہت سے مسلمانوں کے برعکس، اس نے مکمل طور پر اسلام کی تعلیمات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور جس طرح اس نے عمل کیا۔ .

اسلام کی تعلیمات کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کا ایمان کمزور ہوا ہے۔ بعض تو صرف واجبات کو پورا کرتے ہیں اور دوسرے اعمال صالحہ سے اعراض کرتے ہیں، مثلاً صدقہ، جو ان کی خواہشات کے خلاف یہ کہتے ہوئے کہ اعمال واجب نہیں ہیں۔ تمام مسلمان آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ختم ہونے کی خواہش رکھتے ہیں۔ لیکن اگر وہ ان کے راستے یا راستے پر نہ چلیں تو یہ کیسے ممکن ہے؟ اگر کوئی مسلمان ان کے سوا کسی اور راستے پر چلے گا تو وہ ان کے ساتھ کیسے جا سکتا ہے؟ ان کے ساتھ ختم ہونے کے لیے ان کے راستے پر چلنا چاہیے۔ لیکن یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب کوئی شخص اپنی خواہشات کے مطابق کام کرنے کی بجائے اسلام کی تعلیمات کو مکمل طور پر تسلیم کر لے جیسا کہ انہوں نے کیا تھا۔

سرپرست

ایک ہی سال میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چہیتی زوجہ محترمہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے چچا ابو طالب رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ وہ اس کی تمام پریشانیوں میں اس کی قابل اعتماد مشیر رہی تھی اور وہ اس سے یقین دہانی چاہتا تھا۔ اور اپنے چچا ابو طالب کی موت کا مطلب یہ تھا کہ وہ مکہ کے غیر مسلموں کے خلاف حمایت اور تحفظ کا ایک ذریعہ کھو چکے تھے۔ ان وفاتوں کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشکلات بہت بڑھ گئیں۔ ان پر مکہ کے غیر مسلموں کا جسمانی تشدد بہت بڑھ گیا۔ مثال کے طور پر، انہوں نے ایک بار اس کے سر پر مٹی ڈال دی۔ جب وہ گھر واپس آیا تو اس کی ایک بیٹی روتے ہوئے مٹی کو دھو رہی تھی۔ اس نے اسے کہا کہ نہ رو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا محافظ ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 81 میں بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ مخلوق کی حفاظت اور حفاظت کرتا ہے اور ان کا خاص خیال رکھتا ہے۔ وہ فرمانبرداروں کو شیطان کی چالوں اور جال سے بچاتا ہے اور نافرمانوں کو اپنے فوری عذاب سے بچاتا ہے تاکہ انہیں سچے دل سے توبہ کرنے کا موقع فراہم کرے۔

ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کردہ ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے اس الٰہی نام پر عمل کرنا چاہیے، لیکن ہر حال میں اس کی الہی نگہداشت اور انتخاب پر بھروسہ رکھنا چاہیے اور اس کے نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے، خواہ وہ کچھ انتخاب کے پیچھے حکمت کا مشاہدہ نہ کرے۔ اس سے صبر اور یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر قناعت کی ترغیب ملتی ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 3:

اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہے“۔”

ایک مسلمان کو یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ وہ گمراہی اور عذاب سے صرف سرپرست یعنی اللہ تعالیٰ ہی محفوظ رہیں گے۔ یہ فخر کے تمام نشانوں کو دور کرتا ہے اور اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ وہ اس کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے اس کی حفاظت تلاش کریں۔ ایک مسلمان کو اس اسم الٰہی پر عمل کرنا چاہیے کہ وہ اپنے پاس موجود ہر امانت کی حفاظت کرے جیسا کہ ان کی برکات کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق استعمال کرتے ہوئے۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنے افعال و کلام کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے محفوظ رکھیں۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید برکات حاصل کریں گے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

پڑوسی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کی وفات ہوئی تو وہ مکہ کے غیر مسلموں جب کے خلاف حمایت اور تحفظ کا ایک ذریعہ کھو بیٹھے۔ ان پر مکہ کے غیر مسلموں کا جسمانی تشدد بہت بڑھ گیا۔ مثال کے طور پر اس زمانے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ نقصان ان کے پڑوسیوں سے پہنچا جو آپ کے رشتہ دار بھی تھے۔ جب وہ اپنے گھر میں ہوتا تو وہ اس پر گندی چیزیں پھینک دیتے اور ان چیزوں کو اپنے برتن میں بھی رکھ دیتے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی نرمی سے جواب نہیں دیا بلکہ اپنے گھر سے گندگی اٹھا کر اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 99 میں بحث کی گئی ٹھکانے لگاتے تھے۔ ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6014 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی اس حد تک ترغیب دی گئی کہ آپ کے خیال میں پڑوسی ہر مسلمان کا وارث بن جائے گا۔

بدقسمتی سے، اس فرض کو اکثر نظرانداز کر دیا جاتا ہے حالانکہ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔ سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اسلام میں کسی شخص کے پڑوسی میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو مسلمان کے گھر کی طرف ہر سمت چالیس گھروں کے اندر رہتے ہیں۔ اس کی تصدیق امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 109 میں ہوتی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 174 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ، بزرگی اور یوم آخرت پر ایمان کو پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک سے جوڑ دیا ہے۔ پڑوسیوں سے حسن سلوک کرنا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ادب المفرد نمبر 119 میں موجود ایک حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ جس عورت نے اپنے فرض کو پورا کیا اور بہت زیادہ نفلی عبادت کی وہ جہنم میں جائے گی کیونکہ اس نے اپنی تقریر کے ذریعے اپنے پڑوسیوں سے برا

سلوک کیا۔ اگر اپنے پڑوسی کو الفاظ کے ذریعے نقصان پہنچانے والے کا یہ حال ہے تو کیا کوئی اپنے پڑوسی کو جسمانی طور پر نقصان پہنچانے کی سنگینی کا اندازہ لگا سکتا ہے؟

مسلمان کو اپنے پڑوسی کے ساتھ بدسلوکی پر صبر کرنا چاہیے۔ درحقیقت ایک مسلمان کو ایسے معاملات میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے۔ نیکی کا بدلہ اچھائی سے مشکل نہیں ہے۔ اچھا پڑوسی وہ ہے جو نقصان کا بدلہ بھلائی سے دیتا ہے۔ ایک مسلمان کو اپنے پڑوسی کی جائیداد کی نجی جگہ کا احترام کرنا چاہئے لیکن ساتھ ہی انہیں سلام کرنا چاہئے اور زیادہ دخل اندازی کئے بغیر انہیں مدد کی پیشکش کرنی چاہئے۔ کسی شخص کے لیے جو بھی ذریعہ دستیاب ہو، جیسے کہ مالی یا جذباتی مدد سے ان کی مدد کی جانی چاہیے۔

مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کے عیبوں کو ہمیشہ چھپائے۔ جو دوسروں کے عیب چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو چھپاتا ہے۔ اور جو دوسروں کے عیبوں کو ظاہر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو ظاہر کرے گا اور انہیں کھلم کھلا رسوا کرے گا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4880 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

طائف کا دورہ

نجی گفتگو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کی وفات ہوئی تو وہ مکہ کے غیر مسلموں جب کے خلاف حمایت اور تحفظ کا ایک ذریعہ کھو بیٹھے۔ ان پر مکہ کے غیر مسلموں کا جسمانی تشدد بہت بڑھ گیا۔ چنانچہ اس نے اپنے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے اور مکہ کے غیر مسلموں کے خلاف ان کی مدد لینے کے لیے قریبی شہر طائف کا دورہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب وہ طائف کے سرداروں سے ملا تو انہوں نے اس کی توہین کی اور تمسخر کیا۔ جب وہ طائف سے نکل رہے تھے تو اس نے ان سے درخواست کی کہ وہ اپنی ملاقات اور گفتگو کو خفیہ رکھیں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مکہ کے غیر مسلم اس کے بارے میں معلوم ہونے کی صورت میں ہی ان کے خلاف اپنے تشدد میں شدت پیدا کریں گے۔ لیکن طائف کے قائدین نے عام شائستگی کے اس عمل سے بھی انکار کر دیا۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 99-100 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1959 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ نجی گفتگو ایک امانت ہے جس کی حفاظت ضروری ہے۔

بدقسمتی سے، بہت سے لوگوں کو لوگوں کی نجی گفتگو کو دوسروں تک پہنچانے کی بری عادت ہے۔ یہ ایک ناقابل یقین حد تک بری خصوصیت ہے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان کے رویے سے متصادم ہے۔ بہت سے لوگ اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ ایسا کرتے ہیں کہ یہ قابل قبول ہے جب کہ یہ واضح طور پر نہیں ہے۔ ایک مسلمان کو بات چیت میں کہے گئے الفاظ کو ہمیشہ خفیہ رکھنا چاہیے جب تک کہ اسے پوری طرح یقین نہ ہو کہ جس شخص سے اس نے بات کی ہے اسے کسی تیسرے فریق کو بتائے جانے والی معلومات پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو یہ ان کے ساتھ خیانت کرے گا جو ان کے مخلص ہونے کے خلاف ہے۔ سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں دوسروں کے لیے مخلص ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ بنیادی حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ غیبت اور گپ شپ جیسے گناہوں سے روکتی ہے اور ایک

دوسرے کے لیے منفی جذبات پیدا ہونے سے روکتی ہے۔ یہ سب صرف ٹوٹنے اور ٹوٹے ہوئے رشتوں کا باعث بنتے ہیں۔ اگر کوئی ان کی زندگی پر ایمانداری سے غور کرے تو انہیں احساس ہوگا کہ جن لوگوں کے بارے میں انہوں نے منفی جذبات کا اظہار کیا ہے ان کی اکثریت اس وجہ سے ہوئی ہے کہ انہیں ان کے بارے میں کیا بتایا گیا تھا نہ کہ ان کے بارے میں جو انہوں نے براہ راست دیکھا تھا۔ نجی گفتگو کا انکشاف کرنا لوگوں خصوصاً رشتہ داروں کے درمیان اتحاد کو روکتا ہے۔ اور اسلام کی بہت سی تعلیمات میں اتحاد کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 6065 میں موجود حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 4 النساء آیت 58:

‘‘بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے سپرد کرو۔’’

فرمان الٰہی کو قبول کرنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کی وفات ہوئی تو وہ مکہ کے غیر مسلموں جب کے خلاف حمایت اور تحفظ کا ایک ذریعہ کھو بیٹھے۔ ان پر مکہ کے غیر مسلموں کا جسمانی تشدد بہت بڑھ گیا۔ چنانچہ اس نے اپنے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے اور مکہ کے غیر مسلموں کے خلاف ان کی مدد لینے کے لیے قریبی شہر طائف کا دورہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب وہ طائف کے سرداروں سے ملا تو انہوں نے اس کی توہین کی اور تمسخر کیا۔ جب وہ طائف سے نکل رہے تھے تو اس نے ان سے درخواست کی کہ وہ اپنی ملاقات اور گفتگو کو خفیہ رکھیں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مکہ کے غیر مسلم اس کے بارے میں معلوم ہونے کی صورت میں ہی ان کے خلاف اپنے تشدد میں شدت پیدا کریں گے۔ لیکن طائف کے قائدین نے عام شائستگی کے اس عمل سے بھی انکار کر دیا۔ درحقیقت، انہوں نے لوگوں کے ہجوم کو گالی دینے، زخمی کرنے اور اسے اپنے شہر سے بھگانے کے لیے اکسایا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجوم سے ایک باغ میں پناہ لی۔ اس وقت آپ نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ میں تجھ سے لوگوں کے سامنے اپنی کمزوری اور نالائقی کی شکایت کرتا ہوں۔ اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے، تو جو مظلوموں کا رب ہے، تو جو میرا رب ہے، تو مجھے کس کے سپرد کرے گا؟ دور ان لوگوں کو جو ناراضگی سے میرا استقبال کرتے ہیں یا کسی دشمن کو جس کے سپرد تو نے مجھے کیا؟ جب تک آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں مجھے کوئی پرواہ نہیں لیکن میں آپ کے احسان کو ترجیح دوں گا۔ میں تیرے چہرے کے ،نور سے پناہ لیتا ہوں جو سائے کو روشن کرتا ہے، دنیا اور آخرت کی پریشانیوں کو دور کرتا ہے اس بات کو یقینی بناتا ہوں کہ تیرا غضب یا ناراضگی مجھ پر نازل نہ ہو۔ آپ راضی اور خوش اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ "رہیں۔ تمام طاقت اور طاقت تجھ سے آتی ہے۔ میں بحث کی گئی ہے۔ 100-99

صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مومن کے لیے ہر حالت مبارک ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے ہر صورت حال کا جواب دینے کی ضرورت ہے، خاص طور پر مشکلات میں صبر اور آسانی کے وقت شکرگزاری۔

زندگی کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو وہ حالات ہیں جن میں لوگ خود کو پاتے ہیں چاہے وہ آسانی کے وقت ہوں یا مشکلات۔ کسی شخص کو کس صورتحال کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کا کنٹرول ان کے

ہاتھ سے باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے اور ان سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ اس لیے جن حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان پر زور دینا کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ وہ مقدر ہیں اور اس لیے ناگزیر ہیں۔ دوسرا پہلو ہر صورت حال پر ایک شخص کا ردعمل ہے۔ یہ ہر شخص کے اختیار میں ہے اور یہ وہی ہے جس پر ان کا فیصلہ کیا جاتا ہے، مثال کے طور پر، کسی مشکل صورتحال میں صبر یا بے صبری کا مظاہرہ کرنا۔ اس لیے ایک مسلمان کو ہر حال میں اپنے رویے اور رد عمل پر توجہ دینی چاہیے، بجائے اس کے کہ کسی صورت حال میں ہونے پر زور دیا جائے کیونکہ یہ ناگزیر ہے۔ اگر کوئی مسلمان دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے ہر حال کا اندازہ لگانا چاہیے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں رہنا چاہیے۔ مثال کے طور پر، آسانی کے وقت ان کو چاہیے کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں جو ان کے پاس ہیں جیسا کہ اسلام نے تجویز کیا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

اور مشکل کے وقت انہیں صبر کا مظاہرہ کرنا چاہیے یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے چاہے وہ انتخاب کے پیچھے کی حکمت کو نہ سمجھیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

"لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

مثبتیت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کی وفات ہوئی تو وہ مکہ کے غیر مسلموں جب کے خلاف حمایت اور تحفظ کا ایک ذریعہ کھو بیٹھے۔ ان پر مکہ کے غیر مسلموں کا جسمانی تشدد بہت بڑھ گیا۔ چنانچہ اس نے اپنے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے اور مکہ کے غیر مسلموں کے خلاف ان کی مدد لینے کے لیے قریبی شہر طائف کا دورہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب وہ طائف کے سرداروں سے ملا تو انہوں نے اس کی توہین کی اور تمسخر کیا۔ جب وہ طائف سے نکل رہے تھے تو اس نے ان سے درخواست کی کہ وہ اپنی ملاقات اور گفتگو کو خفیہ رکھیں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مکہ کے غیر مسلم اس کے بارے میں معلوم ہونے کی صورت میں ہی ان کے خلاف اپنے تشدد میں شدت پیدا کریں گے۔ لیکن طائف کے قائدین نے عام شائستگی کے اس عمل سے بھی انکار کر دیا۔ درحقیقت، انہوں نے لوگوں کے ہجوم کو گالی دینے، زخمی کرنے اور اسے اپنے شہر سے بھگانے کے لیے اکسایا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجوم سے ایک باغ میں پناہ لی۔ یہ باغ دو بھائیوں عتبہ اور شیبہ کا تھا جنہوں نے جو کچھ ہوا اس کا مشاہدہ کیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ رحم کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اپنے خادم عداس رضی اللہ عنہ کو انگوروں کی ٹرے دے کر ان کے پاس بھیجا۔ عداس رضی اللہ عنہ عیسائی تھے لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر کھانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام پڑھا اور ان سے اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 99- . مختصر گفتگو کے بعد اسلام قبول کیا۔ 101 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طائف کے لوگوں سے حمایت حاصل کرنے کا اپنا مقصد حاصل نہیں کیا تھا، لیکن کم از کم ایک شخص نے اسلام قبول کیا۔ لہذا، یہ چیزوں اور حالات کو مثبت ذہنیت سے دیکھنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ مثبت سوچ اپنائیں کیونکہ یہ مشکلات سے نمٹنے کے لیے ان کی مدد کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہیں۔ جب بھی کسی شخص کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے ہمیشہ ایک سچائی کو سمجھنا چاہیے کہ مشکل اس سے کہیں زیادہ خراب ہو سکتی تھی۔ اگر یہ دنیاوی مسئلہ تھا تو انہیں شکر گزار ہونا چاہئے کہ یہ ان کے ایمان کو متاثر کرنے والی مصیبت نہیں تھی۔ مشکل کے ساتھ آنے والے فوری غم پر غور کرنے کے بجائے انہیں انجام اور اس انعام پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جو اللہ تعالیٰ

کی رضا کے لیے صبر کا مظاہرہ کرنے والوں کے لیے منتظر ہے۔ جب کوئی شخص چند نعمتوں سے محروم ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ ان گنت نعمتوں کا ذکر کرے جو اس کے پاس موجود ہیں۔ ہر مشکل میں ایک مسلمان کو قرآن کریم کی آیت یاد رکھنی چاہیے جو مسلمانوں کو یاد دلاتی ہے کہ مشکلات اور آزمائشوں میں بہت سی پوشیدہ حکمتیں ہیں جن کا اس نے مشاہدہ نہیں کیا۔ لہٰذا وہ جس صورتحال کا سامنا کر رہے ہیں وہ اس صورتحال سے بہتر ہے جس کی ان کی خواہش تھی۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

آخر میں، ایک مسلمان کو ان حقائق اور دیگر چیزوں پر غور کرنا چاہیے تاکہ وہ ایک مثبت سوچ اپنائے جو مشکلات سے اس طرح نمٹنے کے لیے کلیدی عنصر ہے جو دونوں جہانوں میں بے شمار نعمتوں کا باعث ہے۔ یاد رکھیں، کپ آدھا خالی نہیں ہے بلکہ آدھا بھرا ہوا ہے۔

معافی اور نظر انداز

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کی وفات ہوئی تو وہ مکہ کے غیر مسلموں جب کے خلاف حمایت اور تحفظ کا ایک ذریعہ کھو بیٹھے۔ ان پر مکہ کے غیر مسلموں کا جسمانی تشدد بہت بڑھ گیا۔ چنانچہ اس نے اپنے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے اور مکہ کے غیر مسلموں کے خلاف ان کی مدد لینے کے لیے قریبی شہر طائف کا دورہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب وہ طائف کے سرداروں سے ملا تو انہوں نے اس کی توہین کی اور تمسخر کیا۔ جب وہ طائف سے نکل رہے تھے تو اس نے ان سے درخواست کی کہ وہ اپنی ملاقات اور گفتگو کو خفیہ رکھیں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مکہ کے غیر مسلم اس کے بارے میں معلوم ہونے کی صورت میں ہی ان کے خلاف اپنے تشدد میں شدت پیدا کریں گے۔ لیکن طائف کے قائدین نے عام شائستگی کے اس عمل سے بھی انکار کر دیا۔ درحقیقت، انہوں نے لوگوں کے ہجوم کو گالی دینے، زخمی کرنے اور اسے اپنے شہر سے بھگانے کے لیے اکسایا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجوم سے ایک باغ میں پناہ لی۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا جس نے شہر کو دو پہاڑوں سے ریزہ ریزہ کرنے کی پیشکش کی۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اور اس کے بجائے تبصرہ کیا کہ مجھے امید ہے کہ یہ شہر ایک دن اسلام قبول کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرے گا۔ صحیح بخاری نمبر 3231 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات سے بدلہ نہیں لیا بلکہ معاف کر دیا اور نظر انداز کیا۔

مسلمانوں کو مناسب اور معقول طریقے سے اپنا دفاع کرنے کی اجازت دی گئی ہے جب ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا ہے۔ لیکن انہیں کبھی بھی لائن سے اوپر نہیں جانا چاہئے کیونکہ یہ ایک گناہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190:

"اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہیں کرتے۔ بے شک اللہ حد
سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

چونکہ نشان پر قدم رکھنے سے بچنا مشکل ہے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ صبر و تحمل سے کام لے، دوسروں کو نظر انداز کرے اور معاف کرے کیونکہ یہ نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی لے جاتی ہے۔ ان کے گناہوں کو معاف کرنا .باب النور، آیت 22 24:

"...اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟''

دوسروں کو معاف کرنا بھی دوسروں کے کردار کو مثبت انداز میں بدلنے میں زیادہ کارگر ہے جو کہ اسلام کا مقصد ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے کیونکہ بدلہ لینا ہی ملوث افراد کے درمیان مزید دشمنی اور غصے کا باعث بنتا ہے۔

آخر میں وہ لوگ جو دوسروں کو معاف نہ کرنے کی بری عادت رکھتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی ہمیشہ کینہ پرور رہتے ہیں، انہیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ ان کے ہر چھوٹے گناہ کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چیزوں کو جانے دینا سیکھنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں معافی اور ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔

احسانات کی ادائیگی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طائف سے واپس آنے کے بعد آپ کو ایک غیر مسلم رئیس مطعم ابن عدی کی حفاظت میں مکہ میں داخل ہونا پڑا کیونکہ مکہ کے غیر مسلم قائدین مزید مشتعل ہوگئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طائف کے لوگوں کو تبدیل کرنے کی کوشش۔ برسوں بعد غزوہ بدر میں فتح کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتے اور غیر مسلم جنگی قیدیوں کی شفاعت کرتے تو وہ سب کو رہا کر دیتے۔ ان میں سے مفت میں .اس کا تذکرہ صحیح بخاری نمبر 4024 اور امام محمد السلّابی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی، جلد 1، صفحہ 534 میں موجود ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1954 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔

اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام نعمتوں کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے، لیکن لوگوں کا شکر ادا کرنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی شخص کو دوسروں کی مدد کے لیے استعمال کرتا ہے جیسے کہ اس کے والدین۔ جیسا کہ اسباب اللہ تعالیٰ نے بنائے اور استعمال کیے، ان کا شکر ادا کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے۔ لہٰذا، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اچھے کردار کا مظاہرہ کریں اور دوسروں کی طرف سے ملنے والی کسی بھی امداد یا حمایت کے لیے ہمیشہ قدردانی کا مظاہرہ کریں، چاہے اس کا حجم کچھ بھی ہو۔ انہیں چاہیے کہ نعمتوں کو اس کے حکم کے مطابق استعمال کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کیونکہ وہ نعمت کا سرچشمہ ہے اور اس شخص کا شکر ادا کریں کیونکہ یہ وہ وسیلہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تخلیق اور منتخب کیا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ زبانی طور پر لوگوں کا شکر ادا کرے اور عملی طور پر ان کے احسان کا بدلہ ان کی وسعت کے مطابق ادا کرے خواہ یہ ان کی طرف سے صرف دعا ہی کیوں نہ ہو۔ امام بخاری کی کتاب ادب المفرد نمبر 216 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا سچا شکر ادا نہیں کر سکتا، اس لیے اسے نعمتوں میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

اگر کوئی مسلمان نعمتوں میں اضافے کا خواہاں ہے تو اسے شکر گزاری کے دونوں پہلوؤں کو پورا کرنا چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ اور لوگوں کا۔

آسمانی سفر

تمام غالب

مدینہ ہجرت کرنے سے پہلے مکہ میں اپنے آخری سالوں کے دوران، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزانہ آسمانی سفر پر لے جایا گیا۔ آپ کو پہلے یروشلم میں مسجد اقصیٰ اور پھر رات کے ایک چھوٹے سے حصے میں ساتوں آسمانوں تک لے جایا گیا۔ باب 17 الاسراء، آیت 1:

"پاک ہے وہ جو اپنے بندے]یعنی محمد)صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [(کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا، جس کے گردونواح میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں، تاکہ اس کو اپنی نشانیاں طرف سے دکھائیں۔..."

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 61 میں بحث کی گئی ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے مسائل کے حل اور مشکلات سے نکلنے کا راستہ دینے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر کبھی شک نہیں کرنا چاہیے۔ یہ آسمانی سفر ناممکن لگتا ہے لیکن ایسا ہوا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی لامحدود طاقت سے باہر کوئی چیز نہیں ہے۔ تمام مشکلات سے نکلنے کی شرط اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت ہے جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ باب 65 میں طلاق آیت 2:

‘‘اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔’’

یقینی کے لیے کوشش کرنا

مدینہ ہجرت کرنے سے پہلے مکہ میں اپنے آخری سالوں کے دوران، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزانہ آسمانی سفر پر لے جایا گیا۔ آپ کو پہلے یروشلم میں مسجد اقصیٰ اور پھر رات کے ایک چھوٹے سے حصے میں ساتوں آسمانوں تک لے جایا گیا۔ باب 17 الاسراء، آیت 1:

"پاک ہے وہ جو اپنے بندے]یعنی محمد)صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [(کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا، جس کے گردونواح میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں، تاکہ اس کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔ طرف سے..."

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 66-68 میں بحث کی گئی ہے۔

جیسا کہ مندرجہ بالا آیت سے اشارہ کیا گیا ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سفرِ آسمانی کی اجازت دینے کی ایک بڑی وجہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو دیکھ کر اپنے ایمان کو مضبوط کرنا تھا۔

اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ یقین کے حصول کے لیے کوشش کریں۔

تمام مسلمان اسلام پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ان کے ایمان کی مضبوطی ہر شخص میں مختلف ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر، وہ جو اسلام کی تعلیمات پر عمل کرتا ہے کیونکہ ان کے خاندان نے انہیں بتایا تھا کہ وہ اس جیسا نہیں ہے جو ثبوت کے ذریعے اس پر یقین رکھتا ہے۔ جس شخص نے کسی

چیز کے بارے میں سنا ہے وہ اس پر اس طرح یقین نہیں کرے گا جس طرح وہ اپنی آنکھوں سے اس چیز کو دیکھ چکا ہے۔

جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود حدیث سے ثابت ہے کہ مفید علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ ایک بہترین طریقہ ہے کہ ایک مسلمان اسلام پر اپنے ایمان کو مضبوط کر سکتا ہے۔ اس کا تعاقب کرنا ضروری ہے کیونکہ جس کے ایمان پر یقین جتنا زیادہ مضبوط ہوتا ہے اس کے صحیح راستے پر ثابت قدم رہنے کا موقع اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے، خاص طور پر جب مشکلات کا سامنا ہو۔ اس کے علاوہ سنن ابن ماجہ کی حدیث نمبر 3849 میں یقین کا یقین رکھنے کو بہترین چیزوں میں سے ایک قرار دیا گیا ہے۔ یہ علم قرآن پاک اور حدیث نبوی کا مطالعہ کرکے حاصل کیا جانا چاہیے، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ایک معتبر ذریعہ سے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نہ صرف ایک حقیقت کا اعلان کیا بلکہ مثالوں کے ذریعے اس کا ثبوت بھی دیا۔ نہ صرف وہ مثالیں جو ماضی کی قوموں میں پائی جاتی ہیں بلکہ ایسی مثالیں جو کسی کی اپنی زندگی میں رکھی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے یہ نصیحت کی ہے کہ بعض اوقات انسان کسی چیز سے محبت کرتا ہے حالانکہ اگر وہ اسے حاصل کر لیتا ہے تو وہ اسے پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح وہ کسی چیز سے نفرت کر سکتے ہیں جبکہ اس میں ان کے لیے بہت سی بھلائیاں پوشیدہ ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

تاریخ میں اس سچائی کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جیسے معاہدہ حدیبیہ۔ کچھ مسلمانوں کا خیال تھا کہ یہ معاہدہ، جو مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ کیا گیا تھا، مؤخر الذکر گروہ کی مکمل حمایت کرے گا۔ اس کے باوجود تاریخ صاف بتاتی ہے کہ اس نے اسلام اور مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری نمبر 2731 اور 2732 میں موجود احادیث میں مذکور ہے۔

اگر کوئی اپنی زندگی پر غور کرے تو انہیں بہت سی ایسی مثالیں ملیں گی جب وہ یقین کرتے تھے کہ کوئی چیز اچھی تھی جب وہ ان کے لیے بری تھی اور اس کے برعکس۔ یہ مثالیں اس آیت کی صداقت کو ثابت کرتی ہیں اور ایمان کو مضبوط کرنے میں مدد کرتی ہیں۔

ایک اور مثال باب 79 عن نازیات، آیت 46 میں ملتی ہے:

"جس دن وہ (قیامت کے دن) کو دیکھیں گے کہ گویا وہ اس دنیا میں ایک دوپہر یا صبح کے سوا باقی نہیں رہے تھے۔"

تاریخ کے اوراق پلٹیں تو صاف نظر آئے گا کہ کتنی بڑی سلطنتیں آئیں اور گئیں۔ لیکن جب وہ چلے گئے تو ان کا اس طرح انتقال ہو گیا گویا وہ ایک لمحے کے لیے زمین پر ہیں۔ ان کی چند نشانیوں کے علاوہ باقی سب ایسے مٹ گئے ہیں جیسے وہ زمین پر پہلے کبھی موجود ہی نہیں تھے۔ اسی طرح، جب کوئی اپنی زندگی پر غور کرے گا تو وہ محسوس کرے گا کہ چاہے وہ کتنے ہی بوڑھے کیوں نہ ہوں اور اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ ان کی مجموعی زندگی کتنی ہی سست محسوس ہوئی ہو گی۔ اس آیت کی سچائی کو سمجھنا انسان کے یقین کو مضبوط کرتا ہے اور اس سے انہیں تحریک ملتی ہے کہ وہ وقت ختم ہونے سے پہلے آخرت کی تیاری کریں۔

قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ لہٰذا انسان کو ان الہٰی تعلیمات کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ یقین کو اپنا سکے۔ جو اس کو حاصل کر لے گا وہ کسی بھی مشکل سے متزلزل نہیں ہوگا اور اس راستے پر ثابت قدم رہے گا جو جنت کے دروازوں کی طرف جاتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53:

ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ” یہ حق ہے“۔

اعلیٰ ترین درجہ

مدینہ ہجرت کرنے سے پہلے مکہ میں اپنے آخری سالوں کے دوران، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزانہ آسمانی سفر پر لے جایا گیا۔ آپ کو پہلے یروشلم میں مسجد اقصیٰ اور پھر رات کے ایک چھوٹے سے حصے میں ساتوں آسمانوں تک لے جایا گیا۔ باب 17 الاسراء، آیت 1:

"پاک ہے وہ جو اپنے بندے]یعنی محمد)صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [(کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا، جس کے گردونواح میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں، تاکہ اس کو اپنی طرف سے دکھائیں۔ نشانیاں..."

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 61 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ عظیم واقعہ اور نقل کی گئی آیت اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ انسان کس بلند ترین مقام پر پہنچ سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا ایک مخلص بندہ۔ اگر اس سے بڑا کوئی درجہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع فرماتے۔ اس کی طرف بہت سی احادیث میں اشارہ کیا گیا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 851 میں موجود ہے، جہاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رسالت کا اعلان کرنے سے پہلے اپنے آپ کو اللہ کا بندہ کہا ہے۔ یہ تمام مسلمانوں کے لیے ایک واضح سبق ہے کہ اگر وہ آخری کامیابی اور دونوں جہانوں میں اعلیٰ مقام چاہتے ہیں تو انہیں اللہ تعالیٰ کے سچے بندے بننا چاہیے۔ یہ اللہ کے سب سے بڑے بندے، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ بندگی کا حصول کسی اور طریقے سے ممکن نہیں۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

کمپنی آف دی گریٹ

مدینہ ہجرت کرنے سے پہلے مکہ میں اپنے آخری سالوں کے دوران، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزانہ آسمانی سفر پر لے جایا گیا۔ آپ کو پہلے یروشلم میں مسجد اقصیٰ اور پھر رات کے ایک چھوٹے سے حصے میں ساتوں آسمانوں تک لے جایا گیا۔ باب 17 الاسراء، آیت 1:

"پاک ہے وہ جو اپنے بندے]یعنی محمد)صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [(کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا، جس کے گردونواح میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں، تاکہ اس کو اپنی نشانیاں۔ طرف سے دکھائیں..."

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمان کے مختلف درجوں میں بے شمار انبیاء کرام علیہم السلام نے استقبال کیا۔ مثال کے طور پر حضرت آدم علیہ السلام سے پہلی آسمان پر ملاقات ہوئی۔ دوسرے آسمان پر ان کی ملاقات انبیاء یحییٰ اور عیسیٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ کی ملاقات چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ کی ملاقات چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ یہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 66 میں درج ہے۔

ہر مسلمان کھلے عام اعلان کرتا ہے کہ وہ آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت کا خواہش مند ہے۔ وہ اکثر صحیح بخاری نمبر 3688 میں پائی جانے والی حدیث کا حوالہ دیتے ہیں، جو اس بات کی تلقین کرتی ہے کہ انسان آخرت میں ان کے ساتھ رہے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں سے اپنی محبت کا کھلم کھلا اعلان کرتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ اس نتیجہ کی خواہش کیسے کرتے ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، پھر بھی انہیں بمشکل جانتے ہیں کیونکہ وہ آپ کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ کرنے میں مصروف ہیں۔ یہ بے وقوفی کی بات ہے کہ کوئی کسی سے سچی محبت کیسے کر سکتا ہے جسے وہ جانتا تک نہیں ہے۔

اس کے علاوہ جب ان لوگوں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا ثبوت پوچھا جائے گا تو قیامت کے دن کیا کہیں گے؟ وہ کیا پیش کریں گے؟ اس اعلان کا ثبوت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ اور ان پر عمل کرنا ہے۔ اس دلیل کے بغیر اعلان اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔ یہ بالکل واضح ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہتر اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا اور ان کا یہ رویہ نہیں تھا۔ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اعلان کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عمل کے ذریعے اپنے دعوے کی تائید کی۔ اس لیے وہ آخرت میں اس کے ساتھ ہوں گے۔

جو لوگ یہ مانتے ہیں کہ محبت دل میں ہے اور اسے عمل سے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ اتنا ہی بے وقوف ہے جتنا وہ طالب علم جو امتحان کا خالی پرچہ اپنے استاد کو دے کر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ علم ان کے دماغ میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر لکھنے کی ضرورت نہیں۔ کاغذ پر نیچے اور پھر بھی پاس ہونے کی توقع ہے۔

ایسا سلوک کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے محبت نہیں کرتا، صرف اپنی خواہشات رکھتا ہے اور بلاشبہ انہیں شیطان نے دھوکا دیا ہے۔

آخر میں یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ناکام رہے وہ یقیناً قیامت کے دن ان کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ اگر کوئی ایک لمحے کے لیے اس حقیقت پر غور کرے تو یہ بالکل واضح ہے۔

زندگی ایک آئینہ ہے۔

مدینہ ہجرت کرنے سے پہلے مکہ میں اپنے آخری سالوں کے دوران، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزانہ آسمانی سفر پر لے جایا گیا۔ آپ کو پہلے یروشلم میں مسجد اقصیٰ اور پھر رات کے ایک چھوٹے سے حصے میں ساتوں آسمانوں تک لے جایا گیا۔ باب 17 الاسراء، آیت 1:

"پاک ہے وہ جو اپنے بندے [یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)] کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا، جس کے گردونواح میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں، تاکہ اس کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔ طرف سے..."

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمان کے مختلف درجوں میں بے شمار انبیاء کرام علیہم السلام نے استقبال کیا۔ آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی اور آپ کو بیت الممور میں ساتویں آسمان پر بیت اللہ کی طرف جھکتے ہوئے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ گھر، مکہ میں، خانہ کعبہ کے بالکل اوپر ہے۔ بیت الممور اس قدر مقدس ہے کہ ہر روز 70,000 فرشتے اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کا طواف کرتے ہیں اور انہیں قیامت تک دوبارہ ایسا کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ یہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 66 میں درج ہے۔

تمام آسمانی صحیفوں میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ کسی شخص کے ساتھ اس کے سلوک کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ مثال کے طور پر قرآن پاک کی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ جو شخص اسے یاد کرے گا وہ اسے یاد رکھے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 152۔

"پس مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد رکھوں گا."

ایک اور مثال باب 2 البقرہ، آیت 40 میں ملتی ہے:

‘‘میرے عہد کو پورا کرو کہ میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔’’

آخر میں جامع ترمذی نمبر 1924 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو دوسروں پر رحم کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا۔

اور اسی طرح یہ واقعہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ کس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے گھر کے قریب مقام عطا کیا گیا جو کہ ساتویں آسمان پر واقع بیت المعمور میں واقع ہے جب کہ انہوں نے اس گھر کی تعمیر اور قیام کے لیے بہت کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ نے ہزاروں سال پہلے مکہ میں۔ باب 2 البقرہ، آیت 127:

’’ اور جب ابراہیم)علیہ السلام (اور اسماعیل)علیہ السلام (بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اے ہمارے رب ہم سے یہ قبول فرما، بے شک تو سننے والا جاننے والا ہے۔‘‘

اس کے علاوہ، یہ بحث باب 47 محمد، آیت 7 سے مربوط ہے :

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ کا ساتھ دو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمائے گا۔"

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اسلام کی مدد کرے گا تو اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کی مدد کرے گا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ لاتعداد لوگ اللہ تعالیٰ کی مدد کے خواہاں ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے اس آیت کے پہلے حصے کو پورا نہیں کرتے۔ .اکثر لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ان کے پاس اعمال صالحہ کے لیے وقت نہیں ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے خواہاں ہیں، پھر بھی ان کاموں کے لیے وقت نہیں نکالیں گے جن سے وہ خوش ہے۔ کیا اس کی کوئی منطق ہے؟ جو لوگ فریضہ ادا نہیں کرتے اور پھر ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ سے مدد کی امید رکھتے ہیں وہ بالکل بے وقوف ہیں۔ اور جو لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں لیکن ان سے آگے جانے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ انہیں ملنے والی امداد محدود ہے۔ کس طرح برتاؤ کیا جاتا ہے اس کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے۔ جتنا زیادہ وقت اور توانائی اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوگی، انہیں اتنی ہی زیادہ مدد ملے گی۔ یہ واقعی اتنا آسان ہے۔

،ایک مسلمان کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ زیادہ تر واجبات، جیسے کہ پانچ وقت کی نمازیں صرف ایک دن میں تھوڑا سا وقت لیتی ہیں۔ ایک مسلمان یہ توقع نہیں کر سکتا کہ وہ دن میں بمشکل ایک گھنٹہ فرض نماز کی ادائیگی کے لیے وقف کرے اور پھر باقی دن اللہ تعالیٰ سے غافل رہے اور پھر بھی تمام مشکلات میں اس سے مسلسل مدد کی امید رکھے۔ ایک شخص اس دوست کو ناپسند کرے گا جو اس کے ساتھ ایسا سلوک کرے۔ تو پھر اللہ رب العالمین کے ساتھ ایسا سلوک کیسے ہو سکتا ہے؟

کچھ لوگ صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اضافی وقت صرف کرتے ہیں، جب انہیں کوئی دنیوی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو اس سے اس کو حل کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ایک احسان رضاکارانہ طور پر کیا ہے۔ یہ احمقانہ ذہنیت واضح طور پر اللہ تعالیٰ ،کی بندگی کے خلاف ہے۔ یہ حیرت انگیز ہے کہ اس قسم کے لوگ اپنی تمام تفریحی سرگرمیاں جیسے کہ خاندان اور دوستوں کے ساتھ وقت گزارنے، ٹی وی دیکھنا اور سماجی تقریبات میں شرکت کے لیے کیسے وقت نکالتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ وہ قرآن پاک کی تلاوت اور اس کی تعلیمات کو اپنانے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطالعہ اور ان پر عمل کرنے کا وقت نظر نہیں آتا۔ یہ لوگ کسی نہ کسی طرح اپنی غیر ضروری آسائشوں پر خرچ کرنے کے لیے دولت

تلاش کرتے ہیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ انہیں رضاکارانہ خیرات میں دینے کے لیے کوئی دولت نہیں ملتی۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ اس کے برتاؤ کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اضافی وقت لگاتا ہے، تو اسے وہ سہارا مل جائے گا جس کی انہیں تمام مشکلات سے باحفاظت سفر کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر وہ واجبات کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کوئی دوسرا وقت صرف کیے بغیر صرف ان کو پورا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ایسا ہی جواب ملے گا۔ سیدھے الفاظ میں، جتنا زیادہ دیتا ہے، وہ اتنا ہی زیادہ وصول کرے گا۔ اگر کوئی زیادہ نہیں دیتا تو اسے بدلے میں زیادہ امید نہیں رکھنی چاہئے۔

مزید اہم مسائل کو حل کرنا

مدینہ ہجرت کرنے سے پہلے مکہ میں اپنے آخری سالوں کے دوران، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزانہ آسمانی سفر پر لے جایا گیا۔ آپ کو پہلے یروشلم میں مسجد اقصیٰ اور پھر رات کے ایک چھوٹے سے حصے میں ساتوں آسمانوں تک لے جایا گیا۔ باب 17 الاسراء، آیت 1:

"پاک ہے وہ جو اپنے بندے]یعنی محمد)صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [(کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا، جس کے گردونواح میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں، تاکہ اس کو اپنی نشانیاں۔ طرف سے دکھائیں..."

اہل علم نے کئی نسلوں سے اس بات پر بحث کی ہے کہ آیا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آسمانی سفر کے دوران جسمانی طور پر اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی یا جبرائیل علیہ السلام کو ان کی حقیقی شکل میں۔ دونوں فریقین نے اپنے اپنے موقف کی تائید میں ثبوت پیش کیے ہیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 66-68 میں بحث کی گئی ہے۔

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس اور اس سے ملتے جلتے مسائل پر اس حد تک جھگڑا نہیں کرنا چاہیے کہ اس سے ان کے درمیان دشمنی پیدا ہو۔ اس کے علاوہ، کسی نہ کسی طریقے سے ایمان لانے سے ان کے ایمان اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ نہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس کی باز پرس ہو گی، ورنہ امت مسلمہ کو اس کی خبر ہو چکی ہوتی۔ لہٰذا اس مسئلے پر بحث کرنے، بحث کرنے اور کتابوں کی اشاعت میں لاتعداد گھنٹے گزارنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ مسلمانوں کو بجائے اس کے کہ ان باتوں پر زیادہ توجہ مرکوز کریں جن کے واضح ہونے سے اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں اضافہ ہو جائے گا، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ سامنا کرنا چاہیے۔ آپ پر درود و سلام ہو اور ان چیزوں پر توجہ دیں جن کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا، جیسے لوگوں کے حقوق کی

ادائیگی۔ بدقسمتی سے اس قسم کے مسائل پر بحث و مباحثہ نے مسلمانوں کو زیادہ اہم چیزوں اور ایک وجہ ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ مسائل پر توجہ مرکوز کرنے سے غافل کر دیا ہے اور یہی امت مسلمہ کی عمومی قوت میں کمی واقع ہوئی ہے۔

یہ مسئلہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث سے مربوط ہے جو جامع ترمذی نمبر 2518 میں موجود ہے۔ اس میں مسلمان کو نصیحت کی گئی ہے کہ وہ ایسی چیز چھوڑ دے جس سے ان میں شک پیدا ہو اور ان چیزوں پر عمل کرے۔ جس سے ان میں کوئی شک پیدا نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کی اکثریت واجبات اور حرام چیزوں جیسے شراب پینے کی اکثریت سے واقف ہے۔ لہٰذا یہ چیزیں مسلمانوں کے اندر کوئی شک و شبہ پیدا نہیں کرتیں، اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ معنی کے مطابق عمل کریں، فرائض کی ادائیگی کریں اور ناجائز چیزوں سے پرہیز کریں۔

باقی تمام چیزیں جو واجب نہیں ہیں اور معاشرے میں شکوک پیدا کرتی ہیں اس لیے ان سے بچنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ یہ سوال نہیں کرے گا کہ قیامت کے دن کسی نے رضاکارانہ عمل کیوں نہیں کیا۔ اس کے بجائے، وہ سوال کرے گا کہ انہوں نے رضاکارانہ کام کیوں کیا۔ اس لیے رضاکارانہ عمل کو چھوڑنے کا آخرت میں کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا جب کہ رضاکارانہ عمل کرنے سے سزا، جزا یا معافی ہوگی۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ اس مختصر مگر انتہائی اہم حدیث پر عمل کریں کیونکہ یہ بہت سے مسائل اور بحثوں کو حل اور روک دے گی۔ درحقیقت یہ وہی نصیحت ہے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اور حدیث میں دی گئی ہے جو جامع ترمذی نمبر 1205 میں موجود ہے۔ اس میں یہ نصیحت ہے کہ اسلام میں حلال و حرام دونوں کو واضح کر دیا گیا ہے۔ بنی نوع انسان کے لیے اور رضاکارانہ اعمال کے دیگر تمام معاملات جو شک پیدا کرتے ہیں، کو ایک طرف چھوڑ دینا چاہیے۔ یہ رویہ کسی کے مذہب اور عزت کی حفاظت کرے گا۔

فرض نمازیں۔

جامع ترمذی میں موجود حدیث نمبر 213 میں آسمانی سفر کے ایک خاص حصے پر بحث کی گئی ہے۔ یہ اس وقت ہے جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرض نمازوں کا تحفہ دیا گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ واحد فرض تھا جو اس طرح ادا کیا گیا تھا، جب کہ باقی سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے تھے، جب آپ زمین پر تھے، فرض نمازوں کے قیام کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس مخصوص حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں پچاس فرض نمازوں کا حکم دیا گیا تھا اور قدم بہ قدم ان کو کم کیا گیا جب تک کہ پانچ باقی نہ رہیں۔ اگر ایک مسلمان کو روزانہ پچاس فرض نمازیں ادا کرنا پڑیں تو یہ اسے کسی اور کام سے روکے گا۔ اس سے فرض نمازوں کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ یہ مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ فرض نماز کو ان کی زندگی کا مرکز ہونا چاہیے۔ اپنی زندگی کو فرض نمازوں کے گرد ڈھالنا چاہیے نہ کہ اپنے فرائض کو اپنی زندگی کے گرد ڈھالنا چاہیے۔

اس کے علاوہ، فرض نمازیں اس بات کی طرف اشارہ ہیں کہ مادی دنیا سے لاتعلق رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کس طرح تعلق رکھنا چاہیے۔ نماز پڑھنے والے مسلمان کو نماز کے دوران بات کرنے کھانے یا دیگر عام حلال کام کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ سے جڑنے کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا۔ ابتدائی طور پر روزانہ پچاس فرض نمازوں کو ادا کرنے کا حکم دینا مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ فرمانبرداری اور تعلق ان کی اولین ترجیح ہونی چاہیے اور دیگر تمام چیزوں کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کے جائز مقام پر رکھنا چاہیے۔ یہ بنی نوع انسان کا اصل مقصد ہے۔ ان کا مقصد اس مادی دنیا کی غیر ضروری اور فضول چیزوں کے لیے کوشش کرنا نہیں ہے۔ یہ مادی دنیا ایک پل ہے جو انسان کو آخرت سے جوڑتا ہے۔ یہ کوئی مستقل گھر نہیں ہے۔ فرض نماز اور یہ عظیم واقعہ مسلمانوں کو اس حقیقت کی یاد دلاتا ہے۔ لہٰذا انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق اس پل کو عبور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ آخرت تک محفوظ رہ سکیں۔

ابوبکر)رضی اللہ عنہ (- حق کے چیمپئن

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اخلاص

مدینہ ہجرت کرنے سے پہلے مکہ میں اپنے آخری سالوں کے دوران، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزانہ آسمانی سفر پر لے جایا گیا۔ آپ کو پہلے یروشلم میں مسجد اقصیٰ اور پھر رات کے ایک چھوٹے سے حصے میں ساتوں آسمانوں تک لے جایا گیا۔ باب 17 الاسراء، آیت 1:

"پاک ہے وہ جو اپنے بندے]یعنی محمد)صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [(کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا، جس کے گردونواح میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں، تاکہ اس کو اپنی طرف سے دکھائیں۔ نشانیاں..."

واپسی پر اس نے اہل مکہ کو اپنے آسمانی سفر سے آگاہ کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے غیر مسلموں کو بہت سی تفصیلات فراہم کیں جو ثابت کرتی ہیں کہ یہ سفر ہوا تھا۔ مثال کے طور پر، اس نے مسجد الاقصیٰ کی تفصیلی وضاحت کی، جو کہ ناممکن تھا، کیونکہ اس نے پہلے کبھی وہاں کا سفر نہیں کیا، جو غیر مسلموں کو معلوم تھا۔ اس نے تفصیل سے ایک سفری قافلہ بیان کیا جو مکہ کی طرف جا رہا تھا اور عین اس وقت پہنچا جب اس نے ان سے کہا کہ یہ ہو گا۔ اس نے کچھ دوسرے مسافروں کا ذکر کیا جن سے اس نے مکہ واپسی کے راستے میں سامنا کیا اور ان کا سامان تفصیل سے بیان کیا۔ لیکن مکہ کے غیر مسلموں کی ضد بہت زیادہ تھی اس لیے انہوں نے اسے اور اس واقعہ کو رد کر دیا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 551-552 میں بحث کی گئی ہے۔

مکہ کے غیر مسلموں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قائل کرنے کی کوشش کی کہ وہ اسلام سے دستبردار ہو جائیں کیونکہ ان کے خیال میں یہ سفر ناممکن ہے۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سادگی سے جواب دیا کہ اس سفر پر ایمان لانا ایک چھوٹا سا مسئلہ تھا کیونکہ وہ ان عظیم چیزوں پر یقین رکھتے تھے جن کے بارے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آگاہ کیا تھا، جیسے کہ وحی الٰہی۔ .یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ کو صدیق یعنی صادق کا لقب دیا گیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 63 میں بحث کی گئی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہر وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سچے اخلاص کا مظاہرہ کیا۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

مختلف قبائل میں اسلام کی تبلیغ

نرم استقامت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مشن پر ثابت قدم رہے اور ہر ایک کو اسلام کی دعوت دی۔ اسلام کے پیغام کو عام کرنے کے لیے آپ نے بہت سے قبیلوں اور قبیلوں کا دورہ کیا۔ اسلام کے ابتدائی ایام میں اکثریت نے ان کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔ مثال کے طور پر آپ نے قبیلہ کندہ، قبیلہ کلب، قبیلہ حنیفہ اور بہت سے دوسرے لوگوں کا دورہ کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 105 میں بحث کی گئی ہے۔

جو شخص اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ دوسروں کو نیکی کی کثرت سے یاد دلانے کی کوشش کرے۔ لوگ جلدی سے غافل ہو سکتے ہیں اس لیے انہیں مسلسل یاد دلانا ضروری ہے۔ باب 28 القصص، آیت 51:

"اور ہم نے ان تک کلام]یعنی قرآن [پہنچایا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ "

بالکل ایسے طلباء کی طرح جو اس کے علم کو تقویت دینے کے لیے اپنے نوٹوں پر بار بار نظر ثانی کرتے ہیں۔ اسلام کے حقیقی لفظ کا کسی ان کے ذہنوں میں بار بار یاد دلانے سے فائدہ ہوگا۔ کو صرف ایک بار اچھا مشورہ نہیں دینا چاہئے اور پھر ترک نہیں کرنا چاہئے۔ اچھے الفاظ کو ڈھانچے میں دہرانا پانی کے مسلسل قطروں کی طرح ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ گھس جاتا ہے۔ ۔ مثال کے پر درود و سلام انبیاء علیہم السلام تمام ۔ سب سے مشکل .یہ اللہ تعالیٰ کی روایت ہے صرف مسلمانوں کو فرض نمازوں کو ایک بار قائم کرنے کا حکم دینے کی ،اعلیٰ اللہ ،طور پر ضرورت تھی، لیکن اس نے قرآن پاک میں کئی بار ایسا کیا ہے۔

تقریباً 950 سال لگاتار اپنی قوم میں ایمان کی بات پھیلانے میں گزارے۔ علیہ السلام نے حضرت نوح
:باب 29 العنکبوت، آیت 14

اور یقیناً ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ ان میں ایک ہزار سال کم پچاس سال ''
رہے''۔

ہر لمحہ اسلام کی تبلیغ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وسلم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ رضی اللہ عنہم کو اسلامی تعلیمات پر استعمال کیا اور اپنے آخری لمحات میں بھی صحابہ کرام ۔ کاربند رہنے کی تلقین فرمائی۔ یہ سنن ابن ماجہ نمبر 2697 میں موجود ایک حدیث میں درج ہے اور چند مواقع کے بعد نصیحت کرنا چھوڑ کر شیطان کے رویہ اختیار کرنا چاہیے انسان کو یہ لہٰذا وسوسوں کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ جو مسلمان دوسروں کو اسلام کی دعوت دیتا ہے اس کا فرض لیکن اس کا اثر لوگوں کے دلوں پر پڑتا ہے یا نہیں؟ یہ ہے کہ وہ اسے مسلسل کرے

لیکن اس بات پر زور دینا ضروری ہے کہ باقاعدگی سے رہنے اور دوسروں کو مارنے میں فرق ہے۔ ایک مسلمان کو مسلسل دوسروں کو نیکی کا حکم نہیں دینا چاہیے کیونکہ یہ دوسروں کے لیے دبنگ اور بوجھ بن سکتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت زیادہ لیکچر دینے سے پرہیز کیا کیونکہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہیں چاہتے تھے کہ وہ بور اور بوجھل ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صرف جمعرات کو ہی خطبہ دیا حالانکہ ان سے زیادہ دینے کی درخواست کی گئی تھی۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 7127 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

ایک اچھی نیت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مشن پر ثابت قدم رہے اور ہر ایک کو اسلام کی دعوت دی۔ اسلام کے پیغام کو عام کرنے کے لیے آپ نے بہت سے قبیلوں اور قبیلوں کا دورہ کیا۔ اسلام کے ابتدائی ایام میں اکثریت نے ان کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔ مثال کے طور پر آپ نے قبیلہ کندہ، قبیلہ کلب، قبیلہ حنیفہ اور بہت سے دوسرے لوگوں کا دورہ کیا۔ کنڈا کے قبائلی سرداروں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف توجہ کی۔ انہوں نے سوال کیا کہ اگر انہوں نے اس کے پیغام کو قبول کیا اور اس کے مشن میں اس کی مدد کی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرمائی تو کیا وہ انہیں طاقت اور اختیار عطا کرے گا؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اقتدار ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور وہ جہاں چاہتا ہے اسے دیتا ہے۔ مطلب، وہ اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ وہ انہیں اختیارات کے عہدوں کی ضمانت دے سکے اگر وہ اس کی مدد کرتے۔ یہ جواب سن کر انہوں نے اس کی دعوت اسلام کو رد کر دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 106 میں بحث کی گئی ہے۔

بہت سے لوگ ایسے آئے اور چلے گئے جو کسی نہ کسی مقصد کے لیے کھڑے ہوئے چاہے اس کا تعلق خواتین کے حقوق، انسانی حقوق، غریبوں یا کچھ اور سے ہو، پھر بھی ان میں سے صرف چند فیصد لوگوں کا ہی معاشرے پر مثبت اثر ہوا۔ اکثریت کا کوئی مثبت اثر نہیں ہوا اور اس کے بجائے تاریخ میں فوٹ نوٹ بن گئے۔ اس کی ایک وجہ اخلاص کا فقدان ہے۔ تاریخ کے اوراق پلٹیں تو دیکھیں گے کہ جنہوں نے صحیح نیت کے ساتھ کام کیا، معاشرے کو حقیقی معنوں میں فائدہ پہنچانے کے لیے بغیر کسی مذموم مقاصد کے کامیاب ہوئے، چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔ دوسروں کو فائدہ پہنچانا وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اس لیے وہ ان تمام لوگوں کو کامیابی عطا کرتا ہے جو اس مقصد کے لیے مخلصانہ کوشش کرتے ہیں۔

جنہوں نے معاشرے پر مثبت اثر حاصل نہیں کیا ان میں اس نیک نیت کی کمی تھی کیونکہ وہ کچھ اور چاہتے تھے، جیسے کہ شہرت۔ زیادہ تر معاملات میں ان کی بری نیت بالکل واضح ہوتی ہے، کیونکہ ان کے قول و فعل میں واضح طور پر ایک دوسرے کے خلاف ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کچھ خواتین کے حقوق کے لیے کھڑے ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں پھر خوشی خوشی ان اشتہاری مہموں میں حصہ لیتے ہیں جن میں خواتین کو زیورات کے علاوہ کچھ نہیں دکھایا جاتا۔ اگر ان کے اقدامات سے ان کے دعوؤں کی تائید ہوتی تو وہ اشتہاری کمپنیوں کو یہ سکھا دیتے کہ عورت کی

ذہانت، اچھا کردار اور اندرونی طاقت وہی ہوتی ہے جو ان کی اشتہاری مہموں کے ذریعے دنیا کے سامنے آنی چاہیے۔

ان میں سے بہت سے لوگ جو مختلف وجوہات کی بناء پر کھڑے ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ سیاسی اور سماجی اثر و رسوخ کی پوزیشن میں ہیں اور ان کے پاس ابھی بھی بہت زیادہ دولت ہے، معاشرے پر ان کا مثبت اثر بہت کم ہے اور بہت ہی کم عمر ہے۔ دوسری طرف وہ لوگ جو شاید اس قدر اثر و رسوخ کے مالک نہیں تھے انہوں نے اپنے اخلاص سے لاکھوں لوگوں کا رویہ بدل دیا۔ وہ صرف معاشرے کو فائدہ پہنچانا چاہتے تھے۔ انہوں نے کسی اور چیز کی تلاش نہیں کی۔ ان کے خلوص کی وجہ سے ان کا مثبت اثر اور یاد ان کے اس دنیا سے جانے کے طویل عرصے تک قائم رہی جبکہ جن کی نیت خراب تھی وہ زندہ رہتے ہوئے بھی جلد بھول گئے۔

لہٰذا اگر کوئی مادی دنیا میں کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے یا زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ایمان کے معاملات میں تو اسے اپنی نیت کو درست کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ ان کی نیت کی بنیاد پر کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

گمراہ صحابہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مشن پر ثابت قدم رہے اور ہر ایک کو اسلام کی دعوت دی۔ اسلام کے پیغام کو عام کرنے کے لیے آپ نے بہت سے قبیلوں اور قبیلوں کا دورہ کیا۔ اسلام کے ابتدائی ایام میں اکثریت نے ان کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔ تہواروں کے دوران وہ تمام لوگوں کو مدعو کرتا تھا جو شرکت کرتے تھے لیکن کوئی بھی اس کا مثبت جواب نہیں دیتا تھا۔ میسرہ بن مسروق رضی اللہ عنہ نامی ایک شخص کو اس بات میں دلچسپی ہوئی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا تعلیم دے رہے ہیں اور انہوں نے اپنے قبیلے کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبول کرنے اور ان کی حفاظت کرنے کی تاکید کی۔ اسے لیکن اس کے قبیلے نے اس کی نصیحت کو ٹھکرا دیا اور اس کے نتیجے میں میسرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کی پیروی کی اور اس وقت اسلام قبول نہیں کیا۔ واپسی میں فدک کے پاس سے گزرے اور اہل کتاب میں سے بعض علماء سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا۔ ان علماء نے آپ کو آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے آگاہ کیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بالکل میل کھاتی تھیں۔ ان علماء نے میسرہ رضی اللہ عنہ کو اسلام قبول کرنے کا مشورہ دیا لیکن انہوں نے مزید کہا کہ وہ ایسا نہیں کریں گے جیسا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حسد کرتے تھے۔ میسرہ رضی اللہ عنہ اپنے کچھ قبائلیوں کو اس بات پر راضی کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ آئندہ حج کے موسم میں واپس آ کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کریں اور اسلام قبول کریں لیکن ان کے بزرگوں نے انہیں روک دیا۔ برسوں بعد، میسرہ رضی اللہ عنہ نے حجۃ الوداع کے موقع پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی، جہاں انہوں نے اسلام قبول کیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی جس نے آپ کو کفر سے بچا لیا۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 114-115 میں بحث کی گئی ہے۔

میسرہ رضی اللہ عنہ کو اسلام قبول کرنے میں محض اس لیے تاخیر ہوئی کہ وہ اپنے قبائلیوں کی پیروی کرتے تھے۔ یہ بری صحبت سے بچنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ سچی محبت کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتا ہے، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ اس لیے کہ اطاعت دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی اور سلامتی کا باعث بنتی ہے۔ جو شخص کسی شخص کے لیے

حفاظت اور کامیابی کا خواہاں نہیں ہے وہ کبھی بھی ان سے حقیقی محبت نہیں کر سکتا چاہے وہ کیا دعویٰ کرے یا دوسرے شخص کے ساتھ کیسا سلوک کرے۔ جس طرح بندہ اس وقت خوش ہوتا ہے جب اس کے محبوب کو دنیاوی کامیابی ملتی ہے، جیسے نوکری کی، وہ بھی اپنے محبوب سے آخرت کی کامیابی کی تمنا کرے گا۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی حفاظت اور کامیابی کی پرواہ نہیں کرتا ہے خاص طور پر اگلے جہان میں تو وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔

ایک سچا عاشق اپنے محبوب کو دنیا یا آخرت میں مشکلات اور عذاب کا سامنا کرتے ہوئے جاننا اور دیکھنا برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتے۔ اگر کوئی شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کے بجائے کسی دوسرے کو اپنے ذاتی مفاد یا دوسروں کے مفاد کی طرف لے جائے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں رکھتے۔ یہ تمام رشتوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دوستی اور رشتہ دار۔

لہٰذا ایک مسلمان کو یہ اندازہ لگانا چاہیے کہ آیا اس کی زندگی میں وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو یہ ان کے لیے ان کی محبت کی واضح علامت ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں کرتے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

''اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔''

مدینہ کے مددگاروں نے اسلام قبول کیا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مشن پر ثابت قدم رہے اور ہر ایک کو اسلام کی دعوت دی۔ اسلام کے پیغام کو عام کرنے کے لیے آپ نے بہت سے قبیلوں اور قبیلوں کا دورہ کیا۔ اسلام کے ابتدائی ایام میں اکثریت نے ان کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔ مثال کے طور پر آپ نے قبیلہ کندہ، قبیلہ کلب، قبیلہ حنیفہ اور بہت سے دوسرے لوگوں کا دورہ کیا۔ تہواروں کے دوران وہ تمام لوگوں کو مدعو کرتا تھا جو شرکت کرتے تھے لیکن کوئی بھی اس کا مثبت جواب نہیں دیتا تھا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ آپ مدینہ کے لوگوں سے ملے جو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے پہلے یثرب کہلاتا تھا۔ انہوں نے اس کے اسلام کے پیغام کو قبول کیا اور اس کے مشن میں اس کی مدد کی۔ انہوں نے اس وقت تک نازل ہونے والی وحی کو جان لیا اور اپنے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے مدینہ واپس لوٹ گئے۔ آخرکار مدینہ میں کوئی گھر کسی مسلمان سے خالی نہ تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 131 میں بحث کی گئی ہے۔

صالح پیشروؤں کے گزرنے کے بعد سے مسلم قوم کی طاقت ڈرامائی طور پر کمزور ہوئی ہے۔ یہ منطقی بات ہے کہ جتنے زیادہ لوگوں کی تعداد ایک گروہ میں ہوگی اتنا ہی وہ گروہ مضبوط ہوگا لیکن مسلمانوں نے کسی نہ کسی طرح اس منطق کی نفی کی ہے۔ مسلمانوں کی تعداد بڑھنے کے ساتھ ہی مسلم قوم کی طاقت میں کمی آئی ہے۔ اس کے پیش آنے کی ایک اہم وجہ قرآن کریم کی سورہ 5 المائدہ، آیت 2 سے مربوط ہے:

”اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو“۔

اللہ تعالیٰ واضح طور پر مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ کسی بھی اچھے معاملے میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور کسی برے معاملے میں ایک دوسرے کا ساتھ نہ دیں۔ اس پر نیک پیشواؤں نے عمل کیا لیکن بہت سے مسلمان ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہے ہیں۔ بہت سے مسلمان اب اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں اس کا مشاہدہ کرنے کے بجائے کون عمل کر

رہا ہے۔ اگر وہ شخص ان سے جڑا ہوا ہے، مثال کے طور پر، کوئی رشتہ دار، تو وہ ان کا ساتھ دیتے ہیں چاہے بات اچھی نہ ہو۔ اسی طرح اگر اس شخص کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے تو وہ ان کی حمایت سے منہ موڑ لیتے ہیں خواہ بات اچھی ہو۔ یہ رویہ صالح پیشواؤں کی روایات کے بالکل خلاف ہے۔ وہ بھلائی میں دوسروں کی حمایت کریں گے قطع نظر اس کے کہ کون کر رہا ہے۔ درحقیقت وہ قرآن کریم کی اس آیت پر عمل کرتے ہوئے اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ وہ ان کی حمایت بھی کریں گے جب تک کہ یہ اچھی بات نہ ہو۔

اس سے جڑی دوسری چیز یہ ہے کہ بہت سے مسلمان ایک دوسرے کی اچھی مدد کرنے میں ناکام رہتے ہیں کیونکہ انہیں یقین ہے کہ جس شخص کی وہ حمایت کر رہے ہیں وہ ان سے زیادہ اہمیت حاصل کرے گا۔ اس صورتحال نے علماء اور اسلامی تعلیمی اداروں کو بھی متاثر کیا ہے۔ وہ دوسروں کی بھلائی میں مدد نہ کرنے کے لیے لنگڑے بہانے بناتے ہیں کیونکہ ان کا ان کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے اور انہیں ڈر ہے کہ ان کا اپنا ادارہ بھلا دیا جائے گا اور وہ جن کی مدد کریں گے وہ معاشرے میں مزید عزت حاصل کریں گے۔ لیکن یہ سراسر غلط ہے کیونکہ حقیقت کا مشاہدہ کرنے کے لیے صرف تاریخ کے اوراق پلٹنے پڑتے ہیں۔ جب تک کسی کی نیت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہو، دوسروں کی بھلائی میں مدد کرنے سے معاشرے میں اس کی عزت بڑھے گی۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف متوجہ کرے گا خواہ ان کا تعاون کسی اور ادارے، ادارے یا شخص کے لیے ہو۔ مثال کے طور پر جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آسانی سے خلافت کو چیلنج کر سکتے تھے اور ان کے حق میں کافی حمایت حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسلام کے پہلے خلیفہ کے طور پر نامزد کرنا صحیح ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اس بات کی فکر نہیں تھی کہ اگر وہ کسی دوسرے شخص کا ساتھ دیں تو معاشرہ اسے بھول جائے گا۔ اس کے بجائے اس نے پہلے بیان کی گئی آیت میں حکم کی تعمیل کی اور جو صحیح تھا اس کی تائید کی۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 3667 اور 3668 میں موجود احادیث سے ہوتی ہے۔ اس عمل سے معاشرے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی عزت و تکریم میں اضافہ ہی ہوا۔ یہ بات ان لوگوں پر واضح ہے جو اسلامی تاریخ سے واقف ہیں۔

مسلمانوں کو اس پر گہرائی سے غور کرنا چاہیے، اپنی ذہنیت کو بدلنا چاہیے اور دوسروں کی بھلائی میں مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، قطع نظر اس کے کہ یہ کام کون کر رہا ہے اور اس خوف سے پیچھے نہیں ہٹیں گے کہ ان کی حمایت انہیں معاشرے میں بھلا دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا۔ درحقیقت ان کی عزت و تکریم دونوں جہانوں میں ہی بڑھے گی۔

اس کے علاوہ ایک چیز جس نے مدینہ کے لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی وہ وہ علم تھا جو انہوں نے اہل کتاب سے حاصل کیا تھا جو مدینہ میں مقیم تھے۔ نبوت اور آسمانی صحیفوں اور آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا علم جو ان کے زمانے میں ان کی سرزمین پر بھیجے گئے۔ اس پر سیرت ابن ہشام صفحہ 83-84 میں بحث کی گئی ہے۔

ایمان میں ثابت قدم

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مشن پر ثابت قدم رہے اور ہر ایک کو اسلام کی دعوت دی۔ اسلام کے پیغام کو عام کرنے کے لیے آپ نے بہت سے قبیلوں اور قبیلوں کا دورہ کیا۔ اسلام کے ابتدائی ایام میں اکثریت نے ان کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔ مثال کے طور پر آپ نے قبیلہ کندہ، قبیلہ کلب، قبیلہ حنیفہ اور بہت سے دوسرے لوگوں کا دورہ کیا۔ تہواروں کے دوران وہ تمام لوگوں کو مدعو کرتا تھا جو شرکت کرتے تھے لیکن کوئی بھی اس کا مثبت جواب نہیں دیتا تھا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ آپ مدینہ کے لوگوں سے ملے جو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے پہلے یثرب کہلاتا تھا۔ انہوں نے اس کے اسلام کے پیغام کو قبول کیا اور اس کے مشن میں اس کی مدد کی۔ انہوں نے اس وقت تک نازل ہونے والی وحی کو جان لیا اور اپنے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے مدینہ واپس لوٹ گئے۔ آخرکار مدینہ میں کوئی گھر کسی مسلمان سے خالی نہ تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 131 میں بحث کی گئی ہے۔

مدینہ کے سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں سے ایک ابو امامہ رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے اپنے الفاظ کے ذریعے اپنی ثابت قدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر پکار کے لیے ایک راستہ ہے۔ جب کہ کچھ راستے آسان ہیں، دوسرے مشکل ہیں۔ آج آپ نے ہمیں ایک ایسی چیز کی طرف بلایا ہے جسے قبول کرنا نئی بھی ہے اور لوگوں کے لیے مشکل بھی۔ آپ نے ہمیں اپنے مذاہب کو چھوڑنے اور اپنے عقیدے پر چلنے کے لیے بلایا ہے۔ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ تاہم، ہم نے آپ کی کال قبول کر لی ہے۔ آپ نے ہمیں اپنے قریبی اور دور کے رشتہ داروں)ان کی بجائے آپ کی پیروی کرتے ہوئے (کے تمام رشتوں کو توڑنے کے لیے بلایا ہے۔ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ تاہم، ہم نے آپ کی کال قبول کر لی ہے۔ آپ نے ہمیں اسلام کی دعوت دی ہے جبکہ ہم ایک مضبوط گروہ ہیں جو ایک ایسی جگہ پر مقیم ہیں جو طاقتور اور زبردست ہے)جہاں ہماری جان و مال محفوظ ہے(۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہمارا لیڈر کوئی ایسا ہو گا جو ہم میں سے نہ ہو، جس کے لوگوں نے اسے ٹھکرا دیا ہو اور جس کے خاندان نے اسے چھوڑ دیا ہو۔ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے لیکن ہم نے اسے قبول کر لیا ہے۔ یہ چیزیں سب کے لیے مشکل دکھائی دیتی ہیں سوائے ان کے جن کی فلاح کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے کر دیا ہے اور جو اس کے نتائج میں بھلائی کی توقع رکھتے ہیں۔ ہم نے آپ کی پکار کو اپنی زبانوں، اپنے دلوں اور اپنے ہاتھوں سے اس لیے قبول کیا ہے کہ آپ نے جو کچھ ہم سے کہا ہے اس پر ہم ایمان لائے ہیں اور ہم اسے یقین کے ساتھ قبول کرتے ہیں جو ہمارے دلوں میں بسا ہوا ہے۔ ہم اس سب میں آپ سے عہد کرتے ہیں اور اپنے رب اور آپ کے رب سے بھی عہد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہمارے اوپر ہے)اس عہد کی توثیق (ہم آپ کی حفاظت کے لیے اپنا خون بہائیں گے اور آپ کے لیے اپنی

جانیں دیں گے۔ ہم آپ کی حفاظت کریں گے جیسا کہ ہم اپنی، اپنے بچوں اور اپنی بیویوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اگر ہم اس عہد کو پورا کریں تو یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگا۔ اگر ہم اس عہد سے خیانت کریں گے تو یہ اللہ تعالیٰ سے خیانت ہو گی جس کی قیمت ہمیں سب سے ذلیل انسان بنانے کی ہے۔ یا رسول اللہ)صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ہم نے جو کچھ آپ کو بتایا ہے وہ قطعی حق ہے اور ہم اللہ ،تعالیٰ سے مدد اور مدد چاہتے ہیں۔ اس پر امام محمد کاندھلوی رحمہ اللہ، حیات صحابہ، جلد 1 صفحہ 125-126 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو تقدیر کا بھی صبر کے ساتھ سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز "پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم وہ ہے جب کوئی اپنے اچھے کام دوسروں کے سامنے دکھاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہٰذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہے، بجائے اس کے کہ ہر وقت اپنے آپ کو یا دوسروں کی اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے نہ اپنی خواہشات کا علم ہونا چاہیے اور نہ ہی لوگ اسے اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہٰذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

"...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو"

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے)معمولی (گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، خواہ وہ اس پر عمل کریں۔ یہ مکمل طور پر کرنے کے قابل نہیں

ہے .لہٰذا، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو جو صلاحیت عطا کی گئی ہے اسے پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا، بغیر اپنے دل کی صفائی کے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور اگر لوگوں کے حقوق کا تعلق ہو تو ان سے استغفار کرنا چاہیے۔ باب 46 الاحقاف، آیت 13:

’’بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔‘‘

مددگاروں کا پہلا عہد)رضی اللہ عنہ(

مکہ کی زیارت کے موسم میں جو اسلام کے آنے سے پہلے ہوا کرتا تھا حالانکہ صحیح عبادات بگڑ چکے تھے، اہل مدینہ، مددگار، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرتے تھے۔ اس پر، اور اس کے ساتھ مندرجہ ذیل عہد لیا .اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 120 میں بحث کی گئی ہے۔

عہد کا پہلا حصہ یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کریں گے۔

اس کی جڑ اللہ تعالیٰ سے مخلص ہونا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف سے دیے گئے تمام فرائض کو احکام و ممنوعات کی صورت میں ادا کرنا، صرف اس کی رضا کے لیے۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ سب ان کی نیت سے پرکھیں گے۔ پس اگر کوئی نیک عمل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص نہ ہو تو اسے نہ دنیا میں اجر ملے گا اور نہ آخرت میں۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جن لوگوں نے گستاخیاں کیں ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اجر طلب کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ باب 98 البیینہ، آیت 5۔

اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لیے خالص" ہو کر۔"

اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ اخلاص کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ صدق دل سے توبہ کریں اور ان سب کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر کبھی بھی ایسے فرائض کا بوجھ نہیں ڈالتا جو وہ انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی نبھا سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286۔

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

کے لیے مخلص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی اور دوسروں کی خوشنودی پر اس کی رضا کو پسند کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ ان اعمال کو ترجیح دینی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ دوسروں سے محبت کرے اور اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسند کرے نہ کہ اپنی خواہشات کے لیے۔ جب وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں یا گناہوں میں حصہ لینے سے انکار کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔ جس نے اس ذہنیت کو اپنایا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

عہد کا اگلا حصہ یہ تھا کہ وہ چوری نہیں کریں گے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو حرام کو استعمال کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اس میں غیر قانونی دولت کا استعمال، غیر قانونی اشیاء کا استعمال اور غیر قانونی کھانا کھانا شامل ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اسلام نے جن مخصوص چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جیسے کہ شراب صرف وہی چیزیں نہیں

ہیں جو حرام ہیں۔ درحقیقت حلال چیزیں بھی حرام ہو سکتی ہیں اگر وہ حرام چیزوں سے حاصل کی گئی ہوں۔ مثال کے طور پر، حلال کھانا حرام ہو سکتا ہے اگر اسے حرام مال سے خریدا جائے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ صرف حلال چیزوں سے نمٹتے ہیں کیونکہ یہ کسی کو برباد کرنے کے لیے حرام کا صرف ایک عنصر لیتا ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 2346 کی ایک حدیث میں ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص ناجائز استعمال کرے گا اس کی تمام دعائیں رد ہوں گی۔ اگر اللہ تعالیٰ سے ان کی دعائیں رد ہو جائیں تو کیا ان کی کوئی نیکی قبول ہونے کی امید رکھی جا سکتی ہے؟ درحقیقت اس کا جواب صحیح بخاری نمبر 1410 میں موجود ایک اور حدیث میں دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ صرف حلال کو قبول کرتا ہے۔ لہٰذا ہر وہ عمل جس کی بنیاد ناجائز ہو مثلاً حرام مال کے ساتھ حج کرنا مردود ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 3118 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ اس قسم کے آدمی کو قیامت کے دن جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 188:

’’ اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ ہی اسے حکمرانوں کے پاس بھیجو تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ میں کھاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ حرام ہے۔ "[

عہد کا اگلا حصہ یہ تھا کہ وہ بدکاری نہیں کریں گے۔

یہ باب 25 الفرقان آیت 68 سے مربوط ہے:

"اور غیر قانونی جنسی تعلقات کا ارتکاب نہ کریں۔ اور جو بھی ایسا کرے گا اسے سزا ملے گی۔..."

اللہ تعالیٰ کے سچے بندے ہر قسم کے ناجائز تعلقات سے بچتے ہیں۔ اس آیت میں زنا کو شرک کے بعد رکھا گیا ہے اور ایک بے گناہ کو قتل کرنا اس کی شدت پر دلالت کرتا ہے۔

مسلمانوں کو غیر قانونی تعلقات کے لالچ میں آنے سے بچنے کے لیے احتیاط کرنی چاہیے۔ سب سے پہلے، انہیں اپنی نظریں نیچی کرنا سیکھنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو ہمیشہ اپنے جوتوں کو گھورنا چاہئے لیکن اس کا مطلب ہے کہ انہیں غیر ضروری طور پر ارد گرد دیکھنے سے گریز کرنا چاہئے خاص طور پر عوامی مقامات پر۔ انہیں دوسروں کو گھورنے سے گریز کرنا چاہئے اور مخالف جنس کا احترام برقرار رکھنا چاہئے۔ جس طرح ایک مسلمان یہ پسند نہیں کرے گا کہ کوئی اپنی بہن یا بیٹی کو گھورے اسے دوسرے لوگوں کی بہنوں اور بیٹیوں کو نہیں دیکھنا چاہیے۔ باب 24 النور، آیت 30:

"مومن مردوں سے کہو کہ وہ اپنی بصارت میں کچھ کمی کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے..."

جب بھی ممکن ہو ایک مسلمان کو مخالف جنس کے ساتھ اکیلے وقت گزارنے سے گریز کرنا چاہیے جب تک کہ ان کا تعلق اس طرح سے نہ ہو جس سے شادی کی ممانعت ہو۔ صحیح بخاری نمبر 1862 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تلقین فرمائی ہے۔

مسلمانوں کو لباس پہننا چاہیے اور شائستگی سے پیش آنا چاہیے۔ معمولی لباس پہننا اجنبیوں کی نظروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے سے گریز کرتا ہے اور شائستہ برتاؤ کسی کو ابتدائی قدم اٹھانے

سے روکتا ہے جو غیر قانونی تعلقات کا باعث بن سکتا ہے جیسے کہ مخالف جنس سے غیر ضروری بات کرنا۔

غیر قانونی تعلقات سے بچنے کی برکات کو سمجھنا خود کو ان سے بچانے کا ایک اور طریقہ ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان اور عفت کی حفاظت کرنے والے کو جنت کی ضمانت دی ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2408 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

غیر قانونی تعلقات میں ملوث ہونے کی سزا کے خوف سے بھی ایک مسلمان کو ان سے بچنے میں مدد ملے گی۔ مثال کے طور پر، ایمان اس شخص سے دور ہو جائے گا جو زنا کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4690 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

حقیقت میں، ایک مسلمان کو غیر قانونی تعلقات کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ اسلام شادی کا حکم دیتا ہے۔ جو لوگ شادی کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے وہ کثرت سے روزہ رکھیں کیونکہ اس سے خواہشات اور اعمال پر قابو پانے میں بھی مدد ملتی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 3398 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

عہد کا اگلا حصہ یہ تھا کہ وہ اپنے بچوں کو قتل نہیں کریں گے۔

عرب کے غیر مسلم اکثر اپنی نوزائیدہ بچیوں کو لعنت سمجھ کر قتل کر دیتے تھے۔

امام بخاری کی کتاب ادب المفرد نمبر 78 میں موجود حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو بیٹیوں کی صحیح پرورش کرنے والے والدین کو جنت کی بشارت دی۔ تعجب کی بات ہے کہ کتنے مسلمان بالخصوص ایشیائی ہمیشہ بیٹوں کی خواہش رکھتے ہیں اور بیٹیاں ہونے کے باوجود راضی نہ ہونے کی جاہلانہ ذہنیت اختیار کر چکے ہیں حالانکہ اس حدیث میں اور بہت سے دوسرے احادیث میں بیٹوں کے بارے میں بشارت نہیں دی گئی ہے۔ یہ ماننا قابل قبول ہے کہ والدین کو بیٹے کی نسبت بیٹی پر زیادہ زور دیا جائے گا، خاص طور پر اس دن اور دور میں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان والدین کو بیٹے کی بجائے بیٹی ہونے کی صورت میں کم خوش ہونا چاہیے۔ انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق تعلیم دیں اور ان کی رہنمائی کریں اور اپنی تقدیر پر دباؤ نہ ڈالیں کیونکہ یہ ان کے اختیار میں نہیں ہے۔

بیٹیوں کو ناپسند کرنا ایک جاہلانہ ذہنیت ہے جو اسلام کی تعلیمات کے بالکل منافی ہے۔ درحقیقت بیٹیوں کو ناپسند کرنا مشرکوں کا رویہ ہے اور ان کی صفات سے ہر صورت بچنا چاہیے۔ باب 16 النحل، آیات 58-59:

جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی پیدائش کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا اور ہے اور وہ غم کو دبا دیتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو لوگوں سے چھپاتا ہے اس بیماری کی وجہ سے جس کی اسے اطلاع دی گئی ہے..."

مسلمانوں کو اس ذہنیت کو اپنانے سے گریز کرنا چاہئے اور بجائے اس کے کہ وہ جو بچہ دیا جائے اس پر راضی رہے، کیونکہ ان میں بہت سے شادی شدہ جوڑے ہیں جن کی کوئی اولاد نہیں ہے۔

عہد کا اگلا حصہ یہ تھا کہ جھوٹے الزامات نہیں لگائیں گے۔

صحیح مسلم نمبر 6593 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیبت اور غیبت کا مفہوم بیان فرمایا۔

غیبت اس وقت ہوتی ہے جب کوئی کسی کی پیٹھ پیچھے اس طرح تنقید کرے جو اسے ناگوار گزرے حالانکہ یہ سچ ہے۔ جبکہ غیبت غیبت کے مترادف ہے سوائے اس کے کہ قول صحیح نہیں ہے۔ ان گناہوں میں بنیادی طور پر تقریر شامل ہوتی ہے لیکن اس میں دوسری چیزیں شامل ہو سکتی ہیں، جیسے ہاتھ کے اشارے کا استعمال۔ یہ کبیرہ گناہ ہیں اور غیبت کو قرآن مجید میں مردہ لاش کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

"...اور ایک دوسرے کی جاسوسی یا غیبت نہ کریں۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ اپنے بھائی کے مرنے پر اس کا گوشت کھائے؟ تم اس سے نفرت کرو گے..."

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ یہ گناہ ان اکثر گناہوں سے بھی بدتر ہیں جو انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوتے ہیں۔ یہ اس لیے ہے کہ انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو گناہ ہیں وہ اس کی طرف سے معاف ہو جائیں گے اگر گناہ گار سچے دل سے توبہ کر لے۔ لیکن اللہ تعالیٰ غیبت کرنے والے یا بہتان لگانے والے کو اس وقت تک معاف نہیں کرتا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے ہیں تو قیامت کے دن غیبت کرنے والے /بہتان لگانے والے کی نیکیاں ان کے شکار کو بطور معاوضہ دی جائیں گی اور اگر ضرورت ہو تو مقتول کے گناہ ان کے غیبت کرنے والے /بہتان لگانے والے کو دیئے جائیں گے جب تک کہ انصاف قائم نہ ہوجائے۔ یہ غیبت کرنے والے /بہتان لگانے والے کو جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

غیبت صرف اس صورت میں جائز ہے جب کوئی کسی دوسرے شخص کو نقصان پہنچانے کی وارننگ دے رہا ہو اور اس کی حفاظت کر رہا ہو یا اگر کوئی شخص کسی تیسرے فریق کے ساتھ دوسرے کے خلاف شکایت حل کر رہا ہو، جیسے کہ قانونی مقدمہ۔

سب سے پہلے ان کبیرہ گناہوں کے برے نتائج کا علم حاصل کر کے غیبت اور غیبت سے بچنا چاہیے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک شخص کو صرف وہ الفاظ ادا کرنے چاہئیں جو وہ خوشی سے اس شخص کے سامنے کہے جو یہ جانتے ہوئے کہ وہ اسے جارحانہ انداز میں نہیں لیں گے۔ تیسرا یہ کہ ایک مسلمان کو دوسرے کے بارے میں صرف اس صورت میں الفاظ ادا کرنے چاہئیں جب وہ کسی دوسرے کے بارے میں یہ یا اس سے ملتے جلتے الفاظ کہنے میں کوئی اعتراض نہ کرے۔ مطلب، انہیں دوسروں کے بارے میں بات کرنی چاہئے کہ وہ کس طرح چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے بارے میں بات کریں۔ آخر میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے عیوب کو ٹھیک کرنے پر توجہ دے اور جب خلوص نیت سے کرے تو یہ اسے دوسروں کی غیبت اور غیبت کرنے سے روکے گا۔

عہد کا اگلا حصہ یہ تھا کہ وہ کسی اچھی بات میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسروں کو نیکی کے سوا کچھ نہیں کرنے کا حکم دیتے تھے، لیکن یہ شق اسلامی قوم کے مستقبل کے قائدین کی خاطر شامل کی گئی تھی، جو دوسروں کو حکم دینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ غلط.

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

''اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔''

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

''کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔''

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

مدینہ میں اسلام پھیلا

اچھا پھیلانا

اہل مدینہ کی درخواست پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ بھیجا تاکہ انہیں اسلام کی تعلیم دیں۔ اس نے انتھک محنت کی یہاں تک کہ مدینہ کے ہر گھر میں مسلمان تھے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 136-137 میں بحث ہوئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ دوسروں کو نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والے کو ان کی نصیحت پر عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کو گناہوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں ان سے ایسا حساب لیا جائے گا جیسے انہوں نے گناہ کیے ہوں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ دوسروں کو نصیحت اور رہنمائی کرتے وقت احتیاط برتیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نیکی کے کاموں میں صرف اس لیے نصیحت کرے کہ وہ اس سے ثواب حاصل کریں اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نصیحت کرنے سے گریز کریں۔ ایک شخص قیامت کے دن محض یہ دعویٰ کر کے عذاب سے نہیں بچ سکے گا کہ وہ صرف دوسروں کو گناہوں کی طرف دعوت دے رہا ہے چاہے اس نے خود گناہ کیوں نہ کیے ہوں۔ اللہ تعالیٰ رہنما اور پیروکار دونوں کو ان کے اعمال کے لیے جوابدہ ٹھہرائے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کو دوسروں کو صرف وہی کام کرنے کی تلقین کرنی چاہیے جو وہ خود کریں گے۔ اگر وہ اپنے نامہ اعمال میں کسی عمل کو ناپسند کرتے ہیں تو انہیں دوسروں کو اس عمل کی تلقین نہیں کرنی چاہیے۔

اس اسلامی اصول کی وجہ سے مسلمانوں کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے مناسب علم حاصل کریں کیونکہ اگر وہ دوسروں کو غلط نصیحت کرتے ہیں تو وہ آسانی سے اپنے گناہوں کو بڑھا سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ، یہ اصول مسلمانوں کے لیے ان کاموں کا اجر حاصل کرنے کا ایک انتہائی آسان طریقہ ہے جو وہ خود اسباب کی کمی کی وجہ سے انجام نہیں دے سکتے، جیسے کہ دولت۔ مثال کے طور پر، ایک شخص جو مالی طور پر صدقہ دینے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے وہ دوسروں کو ایسا کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ صدقہ کرنے والے کے برابر ثواب حاصل کرے گا۔

نرمی سے مشورہ دینا

اہل مدینہ کی درخواست پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ بھیجا تاکہ انہیں اسلام کی تعلیم دیں۔ اس نے انتھک محنت کی یہاں تک کہ مدینہ کے ہر گھر میں مسلمان تھے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 136-137 میں بحث ہوئی ہے۔

ایک موقع پر مدینہ کے دو غیر مسلم سرداروں نے ایک کے بعد ایک جارحانہ انداز میں مصعب رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کیا اور لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے میں ان کی کوششوں پر تنقید کی۔ مصعب رضی اللہ عنہ نے سختی سے جواب نہیں دیا بلکہ نرمی سے ان کو مشورہ دیا کہ وہ بیٹھ کر سنیں اور اگر وہ اس سے راضی ہوں تو وہ اسے قبول کر سکتے ہیں ورنہ وہ اسے رد کر کے چلے جانے میں آزاد ہیں۔ امن میں .ان دونوں سرداروں اسید ابن حضیر اور سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید اور اسلام کی تعلیمات کو سننے کے بعد دونوں نے اسلام قبول کیا۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 154-155 میں بحث کی گئی ہے۔

اس کی نصیحت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبصورتی نرمی میں پائی جاتی ہے۔ اسلام ۔ قرآن نمبر 3689 میں موجود ہے نے بہت سی احادیث میں فرمائی ہے جیسا کہ سنن ابن ماجہ کریم نے یہاں تک ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سب سے راضی تھے، آپ کی نرمی اور نرم طبیعت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلسل محبت کرتے تھے۔ باب علی عمران، آیت 159 3:

" پس اللہ کی رحمت سے،]اے محمد[، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور دل میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔''

سے عرب سخت دل ہونے کی وجہ سے مشہور تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ
یہ انہوں نے اپنایا اس طرح اور مزاج سے ان کے سخت دل پگھل گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے
نبی اکرم حضور یہ کیوں ہے - باقی بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لیے روشنی بن گئی خوبی اور
متنبہ کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام، ایک حدیث میں وسلم صلی اللہ علیہ وآلہ
سنن ابوداؤد نمبر 4809 میں ہے کہ نرمی سے محروم رہنے والا بھلائی سے محروم ہے- ہے -
:باب 3 علی عمران، آیت 103

اور اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو جب تم دشمن تھے اور اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور ’’
تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے‘‘۔

تباہ کن سخت انہیں یہ ان لوگوں کے لیے ایک واضح پیغام ہے جو اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں۔
وہ لوگوں کو متحد کریں اور پھیلنے کی بجائے کا حامل ہونا چاہیے۔ تعمیری ذہن نرم ذہن کے بجائے
ان یہ معاشرے کے اندر تنازعات کی ایک اچھی مثال دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کریں۔
کے ساتھ نرم مزاجی کا اپنے بچوں کے بچوں کے ساتھ رویے میں دیکھا جاتا ہے .جن والدین نے
ایک سخت مظاہرہ کیا ان پر ان والدین کے مقابلے میں زیادہ مثبت اثر پڑا جنہوں نے گود لیا تھا۔
مزاج .اکثر کچھ لوگ اپنے سخت رویے سے لوگوں کو اسلام سے مزید دور کر دیتے ہیں اور یہ
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا - مثال کے حضور روایات کو مکمل طور پر چیلنج کرتا ہے۔
کی مسجد طور پر ایک مرتبہ ایک ان پڑھ اعرابی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
حضور اسے سزا دینا چاہتا تھا۔ ،اللہ ان سب سے راضی ہو مئی ، - جب صحابہ کرام میں پیشاب کیا
مسجد میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرمایا اور وسلم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ
میں موجود حدیث میں نمبر 529 - یہ واقعہ سنن ابن ماجہ رہنے کے آداب کو نرمی سے سمجھایا
اس نرم رویے نے انسان کو مثبت انداز میں متاثر کیا۔ مذکور ہے -

قرآن پاک کے کئی مقامات پر بھی اس کا ذکر ہے۔ مثال کے طور پر، اگرچہ یہ اہم خصوصیت
موسیٰ علیہ السلام حضرت پھر بھی اللہ تعالیٰ نے فرعون نے اعلیٰ ترین رب ہونے کا دعویٰ کیا۔
نرم اور مہربان تقریر فرعون کو دعوت نہ دیں۔ ،دونوں - اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم دیا
:حپٹر 79 نضیات، آیت 24 کا استعمال کرتے ہوئے رہنمائی کی طرف۔ ج

‘‘اور کہا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔’’

:اور باب 20 طہ، آیات 43-44

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔ بے شک اس نے زیادتی کی۔ اور اس سے نرمی سے بات کرو" شاید وہ نصیحت حاصل کرلے یا اللہ سے ڈرے"۔

اور جانور بھی نرمی کی زبان سمجھتے ہیں۔ پس اگر کسی بالغ کو اسلام اور بھلائی کی طرف بچے ؟ دعوت دیتے وقت یہ خصوصیت اختیار کی جائے تو اس کی صحیح رہنمائی کیسے ہو سکتی ہے ،اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود فرمایا اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے تعالیٰ اللہ میں ملتا ہے کہ نصیحت ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6601 ایک بار ایک حدیث میں مہربان اور نرم ہے اور مخلوق کو ایک دوسرے کے ساتھ نرمی ،اعلیٰ لامحدود وقار کے مطابق یہ غلط اسلام نے اس لفظ کو پھیلاتے ہیں۔ سے پیش آنا پسند ہے۔ بدقسمتی سے، بہت سے لوگ جو یہ شیطان کی چال کے سوا کچھ نہیں ۔ عقیدہ اختیار کیا ہے کہ نرم ہونا کمزوری کی علامت ہے ۔ ہے کیونکہ وہ انسانوں کو اسلام سے دور کرنا چاہتا ہے

مقررہ طریقہ پر قائم رہنا

مدینہ منورہ سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے حج کے موسم میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کے لیے مکہ کا سفر کیا۔ سفر کے دوران ان میں سے ایک براء ابن مرور رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی تاکید کی حالانکہ اس وقت مشروع طریقہ مسجد کی طرف نماز پڑھنا تھا۔ یروشلم میں الاقصیٰ۔ اگر چہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان پر تنقید کی لیکن وہ اس وقت تک ڈٹے رہے جب تک کہ وہ مکہ پہنچ گئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ انہیں مسجد اقصیٰ کی طرف متعین نماز کی طرف رہنا چاہئے تھا۔ اس پر سیرت ابن ہشام صفحہ 85-86 میں بحث ہوئی ہے۔

یہ واقعہ ہر صورت میں طے شدہ طریقہ پر عمل کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

مسلمانوں کو غیر مسلموں کے رسم و رواج کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔ مسلمان جتنا زیادہ ایسا کریں گے وہ قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر اتنا ہی کم عمل کریں گے۔ یہ اس دور اور دور میں بالکل واضح ہے کیونکہ بہت سے مسلمانوں نے دوسری قوموں کے ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جس کی وجہ سے وہ اسلام کی تعلیمات سے دور ہو گئے ہیں۔ مثال کے طور پر، کسی کو صرف جدید مسلم شادی کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ دیکھا جا سکے کہ مسلمانوں نے کتنے غیر مسلم ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے۔ جو چیز اس سے بدتر بناتی ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے مسلمان قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات اور غیر مسلموں کے ثقافتی طریقوں پر مبنی اسلامی طریقوں میں فرق نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ سے غیر مسلم بھی ان میں تفریق نہیں کر سکتے جس کی وجہ سے اسلام کے لیے بہت زیادہ مسائل پیدا ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر غیرت کے نام پر قتل ایک ثقافتی عمل ہے جس کا ابھی تک اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں کی جہالت اور غیر مسلم ثقافتی طریقوں کو اپنانے کی ان کی عادت کی وجہ سے جب بھی معاشرے میں غیرت کے نام پر قتل ہوتا ہے تو اسلام کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو متحد کرنے کے لیے ذات پات اور بھائی چارے کی شکل میں سماجی رکاوٹوں کو دور کیا لیکن جاہل مسلمانوں نے غیر مسلموں کے ثقافتی طریقوں کو اپنا کر انہیں زندہ کیا ہے۔ سیدھے الفاظ میں، مسلمان جتنے زیادہ

ثقافتی طریقوں کو اپنائیں گے، وہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر اتنا ہی کم عمل کریں گے۔

مددگاروں کا دوسرا عہد)رضی اللہ عنہ(

مکہ کی زیارت کے ایک اور موسم کے دوران، جو اسلام کے آنے سے پہلے ہوا کرتا تھا، حالانکہ صحیح طریقے خراب ہو چکے تھے، اہل مدینہ، مددگار، اللہ ان سے راضی، ایک بار پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھا اور اس کے ساتھ ایک اور عہد لیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 132 میں بحث کی گئی ہے۔

عہد کا پہلا پہلو یہ تھا کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو سنیں گے اور اس پر عمل کریں گے۔

اگرچہ وقت کے ساتھ ساتھ مبلغین کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے اور معلومات تک رسائی آسان ہو گئی ہے لیکن مسلمانوں کی طاقت صرف کمزور ہوئی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ بہت سے مسلمانوں نے ایک ایسی ذہنیت اختیار کر لی ہے جس کی وجہ سے وہ اسلامی علم سیکھنے اور اس پر عمل کرنے میں رکاوٹ ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی علم کو سننا ہی کامیابی کے لیے کافی ہے۔ یہ شیطان کا جال ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صالح پیشواؤں کے رویہ کے بالکل خلاف ہے۔ انہوں نے نہ صرف دینی علم کو سنا بلکہ جو علم سنا اس پر عمل کرکے اس ارادے کو پورا کیا اور پورا کیا۔ اس طرح عمل نہ کرنے سے مسلمانوں کا ایمان کمزور ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ مسلمانوں نے مذہبی اجتماعات اور مذاکروں میں شرکت کرنے میں دہائیاں گزار دی ہیں لیکن اس کے باوجود اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ اس رویہ کا خطرہ یہ ہے کہ لوگ آخرکار یہ مان کر نیچے گر جائیں گے کہ وہ مذہبی تعلیمات کو سننے یا عمل کرنے کی ضرورت کے بغیر اپنی زبان سے اسلام کا اعلان کر سکتے ہیں۔ مسلمانوں کو جہالت کے ساتھ ان کا رہنما بنا کر چھوڑ دیا جائے گا جو انہیں صرف تباہی کی طرف لے جائے گا۔

اس کے علاوہ اسلام کی تعلیمات کی حقیقی اطاعت اسی وقت ممکن ہے جب کوئی سچا اخلاص اختیار کرے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب، مفہوم، قرآن کریم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ ہو علیہ وآلہ وسلم کے لیے اخلاص ہے۔ اس پر

اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف سے دیے گئے تمام فرائض کو احکام و ممنوعات کی صورت میں ادا کرنا، صرف اس کی رضا کے لیے۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ سب ان کی نیت سے پرکھیں گے۔ پس اگر کوئی نیک 1 عمل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص نہ ہو تو اسے نہ دنیا میں اجر ملے گا اور نہ آخرت میں۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جن لوگوں نے گستاخیاں کیں ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اجر طلب کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ باب 98 البیینہ، آیت 5۔

اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لیے خالص" "ہو کر۔

اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ اخلاص کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ صدق دل سے توبہ کریں اور ان سب کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر کبھی بھی ایسے فرائض کا بوجھ نہیں ڈالتا جو وہ انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی نبھا سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286۔

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

کے لیے مخلص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی اور دوسروں کی خوشنودی پر اس کی رضا کو پسند کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ ان اعمال کو ترجیح دینی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ دوسروں سے محبت کرے اور اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسند کرے نہ کہ اپنی خواہشات کے لیے۔ جب وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں یا گناہوں میں حصہ لینے سے انکار کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔ جس نے اس ذہنیت کو اپنایا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

قرآن پاک کے ساتھ اخلاص میں اللہ تعالیٰ کے کلام کے لیے گہرا احترام اور محبت شامل ہے۔ یہ اخلاص اس وقت ثابت ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن کریم کے تین پہلوؤں کو پورا کرتا ہے۔ سب سے پہلے اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا اس کی تعلیمات کو معتبر ذریعہ اور استاد کے ذریعے سمجھنا ہے۔ آخری پہلو یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات پر اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے مقصد سے عمل کیا جائے۔ مخلص مسلمان اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کو اپنی خواہشات پر عمل کرنے پر ترجیح دیتا ہے جو قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ اپنے کردار کو قرآن پاک پر ڈھالنا اللہ کی کتاب کے ساتھ سچے اخلاص کی علامت ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے جس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 1342 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی چیز جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے وہ ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور’’ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

اہل مدینہ، مددگاروں، اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ جو عہد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تھا، اس کا اگلا حصہ یہ تھا کہ وہ اپنے پاس موجود دنیوی نعمتیں محتاجوں کو دیں گے۔ مشکل یا آسانی کے وقت اللہ کی رضا کے لیے۔

جامع ترمذی نمبر 661 میں موجود حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ جب کوئی مسلمان حلال کمائی میں سے ایک کھجور جیسی معمولی سی رقم صدقہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر صدقہ کرتا ہے۔ قیامت کے دن ایک بڑے پہاڑ کے برابر اجر دینا۔

پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اس مال سے راضی ہوتا ہے جو حلال طریقے سے حاصل کیا جائے اور اسے حلال طریقے سے استعمال کیا جائے۔ کوئی بھی مال جو ناجائز طریقے سے حاصل کیا گیا ہو وہ کسی بھی نیک عمل کو خراب کر دے گا جیسے کہ صدقہ یا اس کے ساتھ حج کرنا۔ صحیح مسلم نمبر 2346 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص ناجائز چیز حاصل کرے اور اس سے استفادہ کرے تو اس کی دعا رد ہو جائے گی۔ اگر کسی کی دعا رد ہو جائے تو کوئی دوسرا عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں کیسے قبول ہو گا؟

،یہ حدیث ہر طرح سے خرچ کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جیسے کہ اپنی ضرورتوں اور اپنے محتاجوں کی ضروریات پر خرچ کرنا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 4006 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ جو لوگ صحیح طریقے سے خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ان کی نیت کے مطابق، ان کے خرچ کے معیار کے مطابق بہت زیادہ اجر دیتا ہے نہ کہ مقدار کے مطابق۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرکے اپنی نیت درست کرلیں، خواہ وہ کتنا ہی کیوں نہ ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق۔ ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے وسائل کے مطابق خرچ کرے اور اس بات کی فکر نہ کرے کہ وہ کتنا یا کم خرچ کرتا ہے۔ امید ہے کہ جو شخص اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ کے لامحدود درجہ کے مطابق اجر ملے گا جو کہ سمجھ سے باہر ہے۔ لیکن جو روکے گا وہ اس عظیم اجر سے محروم رہے گا۔

آخر میں، یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ یہ حدیث ان تمام نعمتوں پر لاگو ہوتی ہے جو کسی کے پاس ہوتی ہے، جیسے کہ ان کی اچھی صحت، نہ کہ صرف مال۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر نعمت کو صحیح طریقے سے اسلام کی تعلیمات کے مطابق استعمال کریں تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ حاصل کریں جو کہ حقیقت میں حقیقی شکرگزاری ہے۔ بصورت دیگر، وہ ہمیشہ کے لیے نعمت سے محروم ہو سکتے ہیں۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ" "کروں گا۔

اس عہد کا اگلا حصہ جو اہل مدینہ، مددگار، اللہ تعالیٰ نے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا، یہ تھا کہ وہ نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔

صحیح بخاری نمبر 2686 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے اہم فریضے کو ادا نہ کرنے کو دو درجے بھری ہوئی کشتی کی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ لوگوں کا .نچلی سطح کے لوگ جب بھی پانی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو بالائی سطح کے لوگوں کو پریشان کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے وہ نچلی سطح پر ایک سوراخ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں تاکہ وہ براہ راست پانی تک رسائی حاصل کر سکیں۔ اگر بالائی سطح کے لوگ انہیں روکنے میں ناکام رہے تو یہ سب غرق ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ نرمی کے ساتھ اپنے علم کے مطابق نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنا کبھی ترک نہ کریں۔ ایک مسلمان کو ہرگز یہ یقین نہیں کرنا چاہیے کہ جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہیں گے، دوسرے گمراہ لوگ ان پر منفی اثر نہیں ڈال سکیں گے۔ سڑے ہوئے سیب کے ساتھ رکھنے پر ایک اچھا سیب بالآخر متاثر ہو جائے گا۔ اسی طرح جو مسلمان دوسروں کو نیکی کا حکم دینے میں ناکام رہتا ہے وہ آخر کار اس کے منفی رویے سے متاثر ہوتا ہے خواہ وہ لطیف ہو یا ظاہر۔ اگر وسیع تر معاشرہ بھی غافل ہو جائے تو اپنے اہل وعیال کو نصیحت کرنا ہرگز ترک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ نہ صرف ان کے منفی رویے ان پر زیادہ اثر انداز ہوں گے بلکہ سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود حدیث کے مطابق یہ تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اگر کسی مسلمان کو دوسروں کی طرف سے نظر انداز کیا جاتا ہے تو اسے نرمی سے نصیحت کرتے ہوئے اپنا فرض ادا کرنا چاہیے جس کی تائید مضبوط دلائل اور علم سے ہوتی ہے۔ صرف اسی طرح وہ ان کے منفی اثرات سے محفوظ رہیں گے اور قیامت کے دن معاف کر دیے جائیں گے۔ لیکن اگر وہ صرف اپنی فکر کریں اور دوسروں کے اعمال کو نظر انداز کریں تو اندیشہ ہے کہ دوسروں کے منفی اثرات ان کی گمراہی کا باعث بن سکتے ہیں۔

اس عہد کا اگلا حصہ جو اہل مدینہ، مددگار، اللہ تعالیٰ نے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا، یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے برائی پر اعتراض کریں گے۔ ، اور ایسا کرنے پر ان پر کسی بھی تنقید سے خوفزدہ نہ ہوں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4340 میں موجود ایک حدیث میں برائیوں پر اعتراض کرنے کی اہمیت بتائی ہے۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تمام مسلمانوں پر ہر قسم کے اعتراض کرنا فرض ہے۔ ان کی طاقت اور ذرائع کے مطابق برائی کا۔ سب سے کم درجہ، جیسا کہ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے، برائی کو دل سے رد کرنا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اندرونی طور پر برے کاموں کی منظوری ان چیزوں میں سے ایک بدترین چیز ہے جو حرام ہیں۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4345 میں موجود حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص برائی کے وقت حاضر ہو اور اس کی مذمت کرے وہ اس شخص کی طرح ہے جو موجود نہیں تھا۔ .لیکن جو غائب تھا اور برائی کو منظور کرتا تھا وہ اس شخص کی طرح ہے جو اس کے ارتکاب کے وقت موجود تھا۔

برائی پر اعتراض کرنے کے پہلے دو پہلو جن کا ذکر مرکزی حدیث میں زیر بحث آیا ہے وہ جسمانی افعال اور گفتگو سے ہیں۔ یہ صرف اس مسلمان پر فرض ہے جس میں ایسا کرنے کی طاقت ہو مثال کے طور پر، انہیں ان کے فعل یا قول سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

نوٹ کرنا ضروری ہے، برائی پر ہاتھ سے اعتراض کرنے کا مطلب لڑائی نہیں ہے۔ اس سے مراد دوسروں کے برے اعمال کو درست کرنا ہے، جیسے کسی کے حقوق کو لوٹانا جس کی غیر قانونی خلاف ورزی کی گئی ہو۔ جو شخص ابھی تک ایسا کرنے کی پوزیشن میں ہو، وہ ایسا کرنے سے باز رہے، سنن ابوداؤد نمبر 4338 میں موجود ایک حدیث میں عذاب کی تنبیہ کی گئی ہے۔

جامع ترمذی کی حدیث نمبر 2191 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ حق بات کہنے میں مخلوق سے نہ ڈریں۔ درحقیقت مخلوق کے خوف کو بری چیزوں پر اعتراض کرنے سے روکنے والے کو وہ شخص قرار دیا گیا ہے جو اپنے آپ سے نفرت کرتا ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس پر تنقید کرے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4008 میں موجود حدیث سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ غور طلب ہے کہ اس سے مراد وہ نہیں ہے جو نقصان کے خوف سے خاموش رہے کیونکہ یہ ایک قابل قبول عذر ہے بلکہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو خاموش رہتا ہے کیونکہ لوگوں کی آنکھوں میں سٹیٹس

سنن ابوداؤد نمبر 4341 میں موجود حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جب دوسرے ان کی حرص کو مانیں، ان کی غلط آراء اور خواہشات کی پیروی کریں اور مادی دنیا کو آخرت پر ترجیح دیں تو انسان اپنے افعال اور گفتگو سے بری چیزوں پر اعتراض کرنا چھوڑ سکتا ہے۔ یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں کہ یہ وقت آ گیا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 105۔

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر تمہاری ہی ذمہ داری ہے۔ جو لوگ گمراہ ہو گئے ہیں وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے جب کہ تم ہدایت پا چکے ہو...

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو اپنے زیر کفالت افراد کے حوالے سے اس اہم فرض کو جاری رکھنا چاہیے کیونکہ سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ ان پر فرض ہے اور ان کے بارے میں جو وہ جسمانی اور زبانی طور پر محسوس کرتے ہیں۔ سے محفوظ، کیونکہ یہ اعلیٰ رویہ ہے۔

جو برائیاں ظاہر ہیں ان پر اعتراض کرنا وہ چیز ہے جو زیر بحث مرکزی حدیث ہے۔ یعنی یہ مسلمانوں کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ دوسروں کی جاسوسی کریں تاکہ اعتراض کرنے کے لیے بری

چیزیں تلاش کریں۔ اس سلسلے میں جاسوسی اور اس سے وابستہ کوئی بھی چیز حرام ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

‘‘...اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ...جاسوسی نہ کرو’’

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو اپنی خواہشات پر نہیں بلکہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق برائی پر اعتراض کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان یقین کر سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کام کر رہے ہیں، جب کہ وہ نہیں ہیں۔ یہ اس وقت ثابت ہوتا ہے جب وہ برائی پر اس طرح اعتراض کرتے ہیں جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہے۔ درحقیقت جس چیز کو نیکی سمجھا جاتا ہے وہ اس منفی رویہ کی وجہ سے گناہ بھی بن سکتا ہے۔

ایک مسلمان کو قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق نرمی اور منصفانہ طریقے سے برائی پر اعتراض کرنا چاہیے۔ ان خصوصیات کا مخالف صرف لوگوں کو خلوص دل سے توبہ کرنے سے دھکیل دے گا اور غصہ کرنے کے نتیجے میں مزید گناہوں کا باعث بن سکتا ہے۔

مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ سب سے اس کے علاوہ ایک پہلے صحیح طریقے سے رہنمائی کرتے ہیں کیونکہ دوسروں پر ان کی تنقید کی بنیاد قرآن پاک میں موجود تنقید اور نصیحت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ہوتی ہے۔ یہ قسم ہمیشہ تعمیری رہے گی اور دونوں جہانوں میں نعمتوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف رہنمائی کرے گی۔ یہ لوگ دوسروں کی زیادہ یا کم تعریف کرنے سے بھی گریز کریں گے۔ دوسروں کی زیادہ تعریف کرنا انہیں مغرور اور تکبر کا باعث بن سکتا ہے۔ دوسروں کی تعریف کرنے سے وہ کاہل بن سکتے ہیں اور انہیں اچھے کام کرنے سے روک سکتے ہیں۔ یہ ردعمل اکثر بچوں میں دیکھا جاتا ہے .اسلام کی تعلیمات کے مطابق تعریف کرنے سے دوسروں کو دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں زیادہ محنت کرنے کی ترغیب ملے گی اور یہ انہیں تکبر کرنے سے روکے گا۔ اس لیے اس شخص کی تعریف اور تعمیری تنقید کو قبول کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے خواہ کسی اجنبی کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو۔

دوسری قسم کے لوگ اپنی خواہشات کی بنیاد پر تنقید کرتے ہیں۔ یہ تنقید زیادہ تر غیر تعمیری ہے اور صرف کسی کے خراب مزاج اور رویے کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ لوگ اکثر دوسروں کی تعریف کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنی خواہشات کی بنیاد پر کام کرتے ہیں۔ ان دونوں کے منفی اثرات کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا اس شخص کی تنقید اور تعریف کو اکثر صورتوں میں نظر انداز کر دینا چاہیے خواہ وہ کسی عزیز کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ تنقید کے معاملے میں غیر ضروری طور پر اداس اور تعریف کے معاملے میں تکبر کا باعث بنتا ہے۔

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جو شخص دوسروں کی زیادہ تعریف کرتا ہے وہ اکثر ان پر بھی تنقید کرتا ہے۔ جس اصول پر عمل کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ وہ صرف اسلام کی تعلیمات پر مبنی تنقید اور تعریف قبول کریں۔ باقی تمام چیزوں کو نظر انداز کرنا چاہیے اور ذاتی طور پر نہیں لینا چاہیے۔

اس عہد کا اگلا حصہ جو مدینہ کے لوگوں، مددگاروں، اللہ تعالیٰ نے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا، یہ تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور دفاع کریں گے۔ اسی طرح وہ اپنے رشتہ داروں کی مدد اور دفاع کرتے تھے۔

،اس کا ایک پہلو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سچے اخلاص کا اظہار ہے جس پر اس حصے میں تفصیل سے بات ہو چکی ہے۔ اس کا ایک اور پہلو اسلام کے سفیر اور اس کو حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نمائندے ہونے کا اہم فریضہ ادا کرنا ہے۔ کے احکام کو پورا کیا جائے، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کیا جائے اور اس کے انتخاب پر صبر کیا جائے۔ اسلام پوری دنیا میں پھیل گیا کیونکہ صالح پیشرو اس فرض کو بہت سنجیدگی سے لیتے تھے۔ جب انہوں نے فائدہ مند علم حاصل کیا اور اس پر عمل کیا تو بیرونی دنیا نے ان کے طرز عمل سے اسلام کی حقانیت کو پہچان لیا۔ جس کی وجہ سے بے شمار لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ بدقسمتی سے، آج بہت سے مسلمان اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اسلام کے بارے میں دوسروں کو ظاہر کرنا محض کسی کی ظاہری شکل ہے، جیسے داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا۔ یہ اسلام کی نمائندگی کا صرف ایک پہلو ہے۔ سب سے بڑا حصہ قرآن کریم اور ان کی روایات میں مذکور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کو اپنانا ہے۔ صرف اس رویے سے بیرونی

دنیا اسلام کی اصل فطرت کا مشاہدہ کرے گی۔ ایک مسلمان کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ اسلام کی تعلیمات کے مخالف خصوصیات کے حامل ہوتے ہوئے اسلامی شکل اختیار کرنا صرف بیرونی دنیا میں اسلام کی بے عزتی کا باعث بنتا ہے۔ وہ اس بے عزتی کے لیے جوابدہ ہوں گے کیونکہ وہ اس کی وجہ ہیں۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی باطنی تعلیمات کو اپناتے ہوئے اسلام کے حقیقی سفیر کے طور پر پیش آئے اور اسلام کی ظاہری شکل و صورت کو بھی اپنائے۔

اس کے علاوہ اس اہم عہدے کو مسلمانوں کو یاد دلانا چاہیے کہ ان کا احتساب کیا جائے گا اور سوال کیا جائے گا کہ آیا انہوں نے یہ کردار ادا کیا یا نہیں؟ جس طرح ایک بادشاہ اپنے سفارت کار اور نمائندے پر غضب ناک ہوتا ہے اگر وہ اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس مسلمان سے ناراض ہوگا جو اسلام کے سفیر کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کرنے میں ناکام رہے گا۔

جنت کے لیے عہد کرنا

جیسا کہ پچھلے حصے میں زیر بحث آیا، مکہ کی زیارت کے ایک اور موسم کے دوران، جو اسلام کے آنے سے پہلے ہوا کرتا تھا، حالانکہ صحیح طریقے بگڑ چکے تھے، اہل مدینہ، مددگار، اللہ ان سے راضی، ایک بار پھر تشریف لائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھ ایک اور عہد لیا جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخلصانہ اطاعت شامل تھی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 132 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بتایا کہ اس عہد کے بدلے میں انہیں جنت ملے گی۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے تب تبصرہ کیا کہ یہ ایک اچھا سودا ہے اور وہ اسے کبھی منسوخ یا مستعفی نہیں کریں گے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ 9 آیت 111 نازل فرمائی:

" بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں اس کے بدلے میں ان کے لیے جنت ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے ہیں اور مارے جاتے ہیں۔ تورات اور انجیل اور قرآن میں اس کا سچا وعدہ ہے۔ اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کا سچا کون ہے؟ تو اپنے اس لین دین پر خوش ہوجاؤ جس کا تم نے معاہدہ کیا ہے۔ اور یہ وہی ہے جو بڑی کامیابی ہے۔"

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 9:111، صفحہ 94 میں بحث ہوئی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ جنت میں صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سے داخل ہوگا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 5673 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر عمل صالح صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ممکن ہے، علم، الہام، قوت اور عمل کرنے کے موقع کی صورت میں۔ یہ فہم انسان کو غرور اختیار کرنے سے روکتی ہے جس سے بچنا ضروری ہے

کیونکہ انسان کو جہنم میں لے جانے کے لیے صرف ایک ایٹم کی قدر کی ضرورت ہوتی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 267 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

مزید برآں، ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت، عمل صالح کی صورت میں درحقیقت ایک نور ہے جسے دنیا میں جمع کرنا ضروری ہے اگر وہ آخرت میں رہنمائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان غفلت میں زندگی گزارتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لا کر، اس کی ممنوعات سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتے ہوئے اس نور کو دنیا میں جمع کرنے سے باز رہتا ہے تو آخرت میں اس ہدایت کی روشنی کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟

تمام مسلمانوں کی خواہش ہے کہ وہ جنت میں اللہ کے سب سے بڑے بندوں جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں۔ لیکن یہ سمجھنا ضروری ہے کہ بغیر عمل کے محض اس کی تمنا کرنے سے یہ کام نہیں ہو گا ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسا کرتے۔ سیدھے الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کی جتنی زیادہ کوشش کرے گا، آخرت میں اس کے اتنے ہی قریب ہوں گے۔

جنت کی سب سے بڑی نعمت جسمانی طور پر اللہ عزوجل کا مشاہدہ کرنا ہے، جس کا ذکر صحیح بخاری نمبر 7436 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ اگر کوئی مسلمان اس ناقابل تصور نعمت کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے عملی طور پر اس درجہ فضیلت کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جو حدیث میں مذکور ہے۔ صحیح مسلم، نمبر 99 میں پایا جاتا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص نماز جیسے اعمال انجام دیتا ہے، گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتا ہے، ان کو نظر انداز کر رہا ہے۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ کی مستقل اور مخلصانہ اطاعت کو یقینی بناتا ہے۔ امید ہے کہ ایمان کے اس درجے کے لیے کوشش کرنے والے کو آخرت میں جسمانی طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی سعادت حاصل ہوگی۔

اللہ کے لیے متحد

جیسا کہ پچھلے حصے میں زیر بحث آیا، مکہ کی زیارت کے ایک اور موسم کے دوران، جو اسلام کے آنے سے پہلے ہوا کرتا تھا، حالانکہ صحیح طریقے بگڑ چکے تھے، اہل مدینہ، مددگار، اللہ ان سے راضی، ایک بار پھر تشریف لائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھ ایک اور عہد لیا جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخلصانہ اطاعت شامل تھی۔ مدینہ کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ انہیں خدشہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتح عطا فرمائی تو وہ مکہ واپس آ جائیں گے اور مدینہ کو چھوڑ دیں گے۔ اصحاب مدینہ رضی اللہ عنہ۔ یہ ان کے لیے خاص طور پر ان گنت دشمنوں کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کے بعد مسائل کا باعث بن سکتا ہے۔ اس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور جواب دیا کہ اگر ان کا خون ان کے دشمنوں سے مانگا جائے گا تو اس کا خون مانگنے کے برابر ہوگا۔ اور ان کی شکست اس کی شکست ہوگی۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ ان سے لڑیں گے جو ان کے خلاف لڑیں گے اور ان کے ساتھ صلح کریں گے جن کے ساتھ انہوں نے صلح کی ہے۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ وہ ان میں سے ہے اور وہ اس سے ہیں۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 134 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت سے لوگ منقسم ہو جاتے ہیں اور وہ مضبوط تعلق کھو دیتے ہیں جو کبھی ایک دوسرے کے ساتھ تھا۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں لیکن ایک بڑا سبب وہ بنیاد ہے جس پر ان کے والدین اور رشتہ داروں نے ان کا تعلق قائم کیا تھا۔ یہ عام طور پر جانا جاتا ہے کہ جب عمارت کی بنیاد کمزور ہوتی ہے تو عمارت یا تو وقت کے ساتھ خراب ہوجاتی ہے یا گر جاتی ہے۔ اسی طرح جب لوگوں کو آپس میں جوڑنے والے بانڈز کی بنیادیں درست نہیں ہوتیں تو ان کے درمیان بندھن بالآخر کمزور یا ٹوٹ جاتا ہے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے درمیان رشتہ جوڑ دیا۔ جبکہ آج زیادہ تر مسلمان قبائلیت، بھائی چارے اور دوسرے خاندانوں کو دکھانے کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرتے ہیں۔ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی اکثریت آپس میں باہم تعلق نہیں رکھتی تھی لیکن چونکہ ان کو جوڑنے والے بندھنوں کی بنیاد صحیح تھی یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے رشتے مضبوط سے مضبوط ہوتے گئے۔ جبکہ آج کل بہت سے مسلمان خون کے رشتے میں ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ الگ ہو گئے ہیں کیونکہ ان کے رشتوں کی بنیاد باطل یعنی قبائلیت اور اسی طرح کی چیزوں پر تھی۔

مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر رشتہ داریوں اور غیر رشتہ داروں کے حقوق کی پاسداری کے اہم فریضے کو ادا کرنے کے لیے اپنے بندھنوں کو قائم رکھنے اور اجر کمانے کی خواہش رکھتے ہیں تو انھیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے رشتہ جوڑنا چاہیے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ لوگ صرف ایک دوسرے سے جڑیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اس طریقے سے کام کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو۔ قرآن پاک میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

آپ کی دیکھ بھال کے تحت

جیسا کہ پچھلے حصے میں زیر بحث آیا، مکہ کی زیارت کے ایک اور موسم کے دوران، جو اسلام کے آنے سے پہلے ہوا کرتا تھا، حالانکہ صحیح طریقے بگڑ چکے تھے، اہل مدینہ، مددگار، اللہ ان سے راضی، ایک بار پھر تشریف لائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھ ایک اور عہد لیا جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخلصانہ اطاعت شامل تھی۔ مدینہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے 12 قائدین کے انتخاب کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان رہنماؤں کو نصیحت فرمائی کہ اہل مدینہ کو ان کے سپرد کیا جائے گا جس طرح رسولوں /شاگردوں کو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نمائندگی کی۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 135 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2409 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ ہر شخص اپنی زیر نگرانی چیزوں کا محافظ اور ذمہ دار ہے۔

سب سے بڑی چیز جس کا ایک مسلمان محافظ ہے وہ ان کا ایمان ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کریں۔

اس ولایت میں ہر وہ نعمت بھی شامل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے جس میں ظاہری چیزیں شامل ہیں جیسے مال اور اندرونی چیزیں جیسے کہ جسم۔ ایک مسلمان کو ان چیزوں کو اسلام کے بتائے ہوئے طریقے سے استعمال کرتے ہوئے ان کی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو اپنی آنکھیں صرف حلال چیزوں کو دیکھنے کے لیے اور اپنی زبان کو صرف حلال اور مفید الفاظ کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

یہ سرپرستی کسی کی زندگی میں دوسروں جیسے رشتہ داروں اور دوستوں تک بھی پھیلتی ہے۔ ایک مسلمان کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اس ذمہ داری کو اپنے حقوق کی ادائیگی اور نرمی سے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے جیسے حقوق کو پورا کرتے ہوئے پورا کرنا چاہیے، کسی کو دوسروں سے خاص طور پر دنیاوی مسائل میں کٹنا نہیں چاہیے۔ اس کے بجائے انہیں اس امید پر ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا جاری رکھنا چاہیے کہ وہ بہتر کے لیے بدل جائیں گے۔ اس سرپرستی میں کسی کے بچے بھی شامل ہیں۔ ایک مسلمان کو مثال کے طور پر رہنمائی کرتے ہوئے ان کی رہنمائی کرنی چاہیے کیونکہ یہ بچوں کی رہنمائی کا سب سے مؤثر طریقہ ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے اور اپنے بچوں کو بھی ایسا ہی کرنا سکھائیں۔

نتیجہ اخذ کرنا کہ اس حدیث کے مطابق ہر ایک پر کوئی نہ کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ علم حاصل کریں اور ان پر عمل کریں تاکہ ان کی تکمیل ہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک حصہ ہے۔

چیلنجز کا سامنا کرنا

جیسا کہ پچھلے حصے میں زیر بحث آیا، مکہ کی زیارت کے ایک اور موسم کے دوران، جو اسلام کے آنے سے پہلے ہوا کرتا تھا، حالانکہ صحیح طریقے بگڑ چکے تھے، اہل مدینہ، مددگار، اللہ ان سے راضی، ایک بار پھر تشریف لائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھ ایک اور عہد لیا جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخلصانہ اطاعت شامل تھی۔ اس ملاقات کے بعد انہیں گھر واپس آنے کا حکم دیا گیا۔ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کو پتہ چلا کہ مدینہ کے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ مدینہ واپس فرار ہونے سے پہلے انہیں پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سب بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے سوائے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے۔ اسے پکڑا گیا، باندھ دیا گیا اور گھسیٹتے ہوئے مکہ لے جایا گیا جہاں اس کی زبردست پٹائی کی گئی۔ سعد رضی اللہ عنہ اپنے عقیدے پر ثابت قدم رہے اور کبھی ڈگمگائے نہیں۔ وہ مکہ کے چند رئیسوں کو بلا کر رہائی پانے میں کامیاب ہو گیا جو اس کے ساتھ کاروبار کرتے تھے۔ اس پر سیرت ابن ہشام صفحہ 88-89 میں بحث ہوئی ہے۔

زندگی میں ایک مسلمان کو ہمیشہ یا تو آسانی کے وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا پھر مشکل کا۔ کوئی بھی شخص کچھ مشکلات کا سامنا کیے بغیر صرف آسانی کے اوقات کا تجربہ نہیں کرتا ہے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اگرچہ تعریف کے اعتبار سے مشکلات کا مقابلہ کرنا مشکل ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت اور بندگی کو حاصل کرنے اور اس کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں لوگ زندگی کے اہم اسباق سیکھتے ہیں جب انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر جب وہ آسانی کے وقت کا سامنا کرتے ہیں۔ اور لوگ اکثر آسانی کے اوقات کے مقابلے مشکل کے وقت کا سامنا کرنے کے بعد بہتر کے لیے بدل جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے صرف اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت اگر کوئی قرآن پاک کا مطالعہ کرے تو وہ سمجھے گا کہ زیر بحث واقعات کی اکثریت مشکلات پر مشتمل ہے۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حقیقی عظمت ہمیشہ آسانی کے اوقات کا تجربہ کرنے میں مضمر نہیں ہے۔ ،درحقیقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے مشکلات کا سامنا کرنا، اس کے احکام کو بجا لانا اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا ہے۔ یہ اس حقیقت سے ثابت ہے کہ اسلامی تعلیمات میں جن بڑی مشکلوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کا خاتمہ ان لوگوں کے لیے حتمی کامیابی پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ لہٰذا ایک مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنے کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ صرف ان کے لیے چمکنے کے لمحات ہیں اور سچی اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں حتمی کامیابی کی کلید ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدینہ کی طرف ہجرت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تشدد کے بعد اور بڑھنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ چھپ کر وہ سب کچھ چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے لگے جو ان کی ملکیت اور جانتی تھی۔

وہ واحد شخص جس نے چھپ کر ہجرت نہیں کی وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ جب اس نے ہجرت کا فیصلہ کیا تو اس نے اپنی تلوار رکھی، کمان اپنے کندھے پر رکھ دی، تیر اٹھائے اور اپنی لاٹھی اپنے ساتھ لے گئے۔ وہ خانہ کعبہ کی طرف نکلے جہاں غیر مسلم بیٹھے ہوئے تھے اور خانہ کعبہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں کی ہر مجلس میں تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا کہ میں ہجرت کر رہا ہوں اور جو شخص اپنی ماں کو اپنے آپ سے محروم، اپنے بچے کو یتیم اور اس کی بیوی کو بیوہ کرنا چاہے تو اسے کسی وادی کے پیچھے ملنا چاہیے۔ کسی کی ہمت نہیں تھی کہ وہ اسے لڑائی کا چیلنج دے سکے۔ اس کے بجائے چند کمزور اور مظلوم لوگ ان کے پیچھے چلے اور آپ نے انہیں اسلام کی تعلیم دی اور پھر مکہ چھوڑ کر مٹھی بھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس پر امام محمد السلّابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 60 میں بحث کی گئی ہے۔

عثمان بن عفان اور ان کی اہلیہ رقیہ رضی اللہ عنہ سمیت متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے گھر والوں، کاروبار اور گھر سب کو اللہ کی رضا کے لیے چھوڑ کر ایتھوپیا کے لیے روانہ ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد سنا کہ مکہ والوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان میں سے کچھ مکہ واپس آئے جن میں عثمان اور ان کی اہلیہ رقیہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں، لیکن پھر انہیں معلوم ہوا کہ یہ خبر جھوٹی ہے۔ وہ مکہ میں ہی رہے یہاں تک کہ انہیں بالآخر مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا گیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 1-2 اور امام محمد السلبی کی سیرت عثمان ابن عفان، ذون نورین، صفحہ 22-26 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے ان مشکلات پر قابو پانے کا مطالبہ نہیں کرتا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ،برداشت کیں۔ مثال کے طور پر، وہ مکہ سے مدینہ ہجرت کر گئے جہاں انہوں نے اپنے گھر والوں گھروں، کاروباروں کو پیچھے چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کی خاطر ایک اجنبی سرزمین کی طرف ہجرت کی۔

اس کے مقابلے میں مسلمانوں کو اس وقت جن مشکلات کا سامنا ہے وہ اتنا مشکل نہیں جتنا کہ صالح پیشروؤں کو درپیش تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کو شکر گزار ہونا چاہیے کہ ان سے صرف چند چھوٹی قربانیاں کرنے کی ضرورت ہے، جیسے فرض فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے کچھ نیند کی قربانی اور فرض صدقہ کرنے کے لیے کچھ مال۔ اللہ تعالیٰ ان کو یہ حکم نہیں دے رہا ہے کہ وہ اپنے گھر اور اہل و عیال کو اس کی خاطر چھوڑ دیں۔ اس شکر کو عملی طور پر ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے ظاہر کیا جانا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ، جب کسی مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے ان مشکلات کو یاد رکھنا چاہیے جو نیک پیشروؤں کو پیش آئیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی سے ان پر کیسے قابو پایا، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ علم ایک مسلمان کو اپنی مشکلات پر قابو پانے کی طاقت فراہم کر سکتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ صالح پیش رو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب تھے، پھر بھی انہوں نے صبر کے ساتھ زیادہ سخت مشکلات کو برداشت کیا۔ درحقیقت سنن ابن ماجہ نمبر 4023 میں موجود ایک حدیث اس بات کی نصیحت کرتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے سخت ترین امتحانات کو برداشت کیا اور وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

اگر کوئی مسلمان نیک پیشروؤں کی ثابت قدمی کی پیروی کرتا ہے تو امید ہے کہ وہ آخرت میں ان کے ساتھ ہو گا۔

لوگوں سے اخلاص

مدینہ ہجرت کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ مکہ سے دو غیر مسلم ابوجہل ابن ہشام اور حارث ابن ہشام اپنے مسلمان سوتیلے بھائی عیاش ابن ابی کو راضی کرنے کے لیے مدینہ تشریف لائے۔ ربیعہ رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ مکہ واپس آئیں۔ انہوں نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ اسے نقصان نہیں پہنچانا چاہتے ہیں اور صرف یہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنی ماں سے ملنے مکہ واپس آجائے، جس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ اسے نہ دیکھ لے اپنی دیکھ بھال نہیں کرے گی۔ عمر رضی اللہ عنہ بصیرت رکھتے تھے اور سمجھ گئے تھے کہ دو غیر مسلم عیاش رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش کر رہے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ ان کے ساتھ نہ جانا۔ عیاش رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ سے محبت کی وجہ سے مکہ جانا چاہا اور کہا کہ وہ اپنی والدہ کو دیکھ کر اپنا کچھ مال مکہ سے مدینہ واپس بھی لے آئیں گے۔ اس کی حوصلہ شکنی کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنا آدھا مال پیش کیا۔ لیکن عیاش رضی اللہ عنہ نے پھر بھی مدینہ میں رہنے سے انکار کر دیا، آخر کار عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنا تیز رفتار اونٹ دیا اور انہیں خبردار کیا کہ اگر وہ مکہ کے غیر مسلموں پر خیانت کا شبہ کریں تو فوراً بھاگ جائیں۔ مکہ واپسی کے راستے میں عیاش رضی اللہ عنہ کو دھوکہ دیا گیا اور اغوا کر لیا گیا۔ انہوں نے اس پر تشدد کیا یہاں تک کہ اس نے اسلام چھوڑ دیا اور اپنے سابقہ مذہب کی طرف لوٹ گیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی توبہ قبول نہیں کرے گا جو مرتد ہو۔ بعد ازاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ ہجرت کے بعد مرتد ہونے والوں کے بارے میں درج ذیل آیات نازل ہوئیں۔ باب 39 از زمر، آیات 53-55:

کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے، بیشک وہی بخشنے والا مہربان ہے اور پلٹ آو۔ اپنے رب کی طرف جھک جاؤ اور اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آجائے، پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی اور تمہارے رب کی طرف سے جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے اس کی پیروی کرو، اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے۔ جبکہ تم نہیں سمجھتے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر یہ آیات لکھ کر ان لوگوں کے پاس بھیج دیں جن پر تشدد کیا گیا اور انہیں ارتداد پر مجبور کیا گیا۔ انہوں نے سچے دل سے توبہ کی اور آخرکار اپنے مسلمان بھائیوں سے ملنے کے لیے مدینہ ہجرت کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس پر امام محمد السلّابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 61-64 میں بحث کی گئی ہے۔

ہر قدم پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ مکمل اخلاص کا مظاہرہ کیا۔ اس نے سب سے پہلے عیاش رضی اللہ عنہ کو تنبیہ کی کہ وہ دو غیر مسلموں کے ساتھ مکہ واپس نہ جائیں اور مدینہ میں رکھنے کے لیے اپنا آدھا مال بھی پیش کر دیا۔ یہاں تک کہ اس نے اسے سفر کے لیے اپنا اونٹ بھی دیا۔ آخر کار آپ نے قرآن پاک کی یہ آیات ان کے پاس بھیجیں تاکہ وہ خلوص دل سے توبہ کر کے اسلام میں دوبارہ داخل ہونے کی ترغیب دیں۔ دوسروں کے لیے یہ اخلاص اسلام کا کلیدی پہلو ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے‘‘۔’’

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے‘‘۔’’

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت

ہجرت کی اجازت

اللہ تعالیٰ نے باب 17 الاسراء آیت 80 کو نازل کرتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی۔

"اور کہو کہ اے میرے رب، مجھے داخل کر کے داخلی دروازے سے اور صحیح راستے سے نکلنے کا اور اپنے پاس سے مجھے ایک حمایتی اختیار عطا فرما۔"

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 151 میں بحث کی گئی ہے۔

اس آیت کی دعا میں انسان کی باطنی نیت اور ظاہری عمل دونوں شامل ہیں۔ حق کے ساتھ داخل ہونا اس بات کی طرف اشارہ کر سکتا ہے کہ جب بھی کوئی مسلمان کسی بھی صورت حال میں داخل ہو خواہ دنیوی ہو یا مذہبی، اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ایسا کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو ان تمام حلال اعمال کا ثواب ملے گا جو اس نیت کے ساتھ مکمل ہوں گے خواہ وہ عمل دنیاوی ہی کیوں نہ ہو۔ مثال کے طور پر حلال مال کمانا اور اپنے گھر والوں کی ضروریات پوری کرنا بظاہر دنیاوی کام لگتا ہے لیکن جب صحیح نیت سے کیا جائے تو یہ عمل صالح بن جاتا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 4006 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ خلوص نیت کی تائید ہمیشہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق اعمال سے ہوتی ہے۔ .غلط نیت رکھنے والے کو اللہ تعالیٰ اس کا اجر نہیں دے گا۔ درحقیقت قیامت کے دن ان سے کہا جائے گا کہ وہ اپنا اجر اس سے مانگیں جس کے لیے انہوں نے عمل کیا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

حق پر داخل ہونے میں یہ بھی شامل ہے کہ جسمانی طور پر ہر حالت میں اس طریقے سے داخل ہو جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو اور صرف وہی اعمال انجام دیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہوں اور ان تمام حالات و افعال سے بچیں جو باطل اور گناہوں پر مبنی ہوں۔ یہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

حق پر نکلنا وہ ہے جب کوئی ہر حال کو اس نیت سے چھوڑ دے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ کسی عمل کے شروع سے آخر تک اپنی نیک نیت کو بغیر کسی تبدیلی کے برقرار رکھے۔ اور اس میں عملی طور پر ایسے حالات کو چھوڑنا بھی شامل ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کو راضی ہو۔ مثال کے طور پر اسلام کی تعلیمات کے مطابق صبر کے ساتھ مشکل یا امتحان کو چھوڑنا یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کے لیے بہترین صورت حال کا انتخاب کرتا ہے چاہے وہ اس کے انتخاب کے پیچھے حکمت کا مشاہدہ نہ کرے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

اس دعا کا آخری حصہ قرآن کریم کی اعلیٰ ترین اتھارٹی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر عمل پیرا ہونے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ سنن ابو داؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ ہر وہ معاملہ جس کی بنیاد اسلام پر نہ ہو اسے رد کر دیا جائے گا۔

اگر مسلمان دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں دائمی کامیابی چاہتے ہیں تو انہیں قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل کرنا چاہیے۔ اگرچہ بعض اعمال جو براہ راست ہدایت کے ان دو ذرائع سے نہیں کیے گئے ہیں ان کو پھر بھی ایک صالح

عمل قرار دیا جا سکتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو باقی تمام چیزوں پر ترجیح دی جائے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں ذرائع سے نہ لینے والی چیزوں پر جتنا زیادہ عمل کرے گا خواہ وہ عمل صالح ہی کیوں نہ ہو ہدایت کے ان دونوں ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ کتنے مسلمانوں نے اپنی زندگیوں میں ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جن کی رہنمائی کے ان دو ذرائع میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ ثقافتی عادات گناہ نہیں ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کو ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے سے روک دیا ہے کیونکہ وہ اپنے طرز عمل سے مطمئن ہیں۔ یہ ہدایت کے دو ذرائع سے ناواقفیت کا باعث بنتا ہے جس کے نتیجے میں صرف گمراہی ہی ہوتی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھے اور ان پر عمل کرے جو راہنماؤں کے ذریعہ قائم کیے گئے ہیں اور اس کے بعد ہی دوسرے رضاکارانہ اعمال صالحہ پر عمل کرنا چاہیے اگر اس کے پاس ایسا کرنے کے لیے وقت اور توانائی ہو۔ لیکن اگر وہ جاہلیت کا انتخاب کریں اور عمل کو اختیار کریں اگرچہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کے گناہ ہی کیوں نہ ہوں۔

آخر میں، ایک معاون اتھارٹی اللہ تعالیٰ سے اس درخواست کی بھی نشاندہی کر سکتی ہے کہ وہ ایک مسلمان کو اپنے جسم پر اپنے اختیار کو استعمال کرنے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے برکت عطا کرے۔

ایک بری اجتماع

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت شروع کی تو مکہ کے غیر مسلم قائدین نے سمجھ لیا کہ یہ صرف اس وقت کی بات ہے جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مدینہ کی طرف ہجرت کر رہے ہیں۔ .انہیں خدشہ تھا کہ اگر مدینہ ایک اسلامی ریاست بن گیا تو اس سے خطے میں ان کے اثر و رسوخ اور طاقت کو خطرہ ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے دارالندوہ میں ایک میٹنگ کی جو مکہ میں اللہ کے گھر، کعبہ کے قریب واقع ہے۔ یہاں تک کہ شیطان بھی بوڑھے کے بھیس میں ان کی مجلس میں شامل ہوا۔ اس اجلاس کے ممبران نے اپنی آراء پیش کیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن کو کچلنے کے لئے ان کے ساتھ کیا کیا جائے لیکن شیطان نے ان کی تردید کی یہاں تک کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے انکار کر دیا۔ ابوجہل نے اپنی رائے پیش کی۔ اس نے مشورہ دیا کہ اسے مختلف قبائل سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے ایک گروہ کے ساتھ مل کر قتل کر دیا جائے۔ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلے کو، ان سب کے خلاف انتقامی طور پر جنگ کرنے سے روک دے گا اور وہ اس معاملے کو ختم کرنے کے لیے صرف اس کے قبیلے کو ادا کریں گے۔ ابلیس اور اس میٹنگ کے دوسرے تمام ارکان نے اس شیطانی منصوبے سے اتفاق کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 152-153 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے ایک سادہ مگر گہرے سبق کو سمجھنا ضروری ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے دنیا و آخرت میں دنیاوی یا دینی معاملات میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ طلوع آفتاب سے لے کر اس زمانے تک اور آخر زمانہ تک کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے نہ کبھی حقیقی کامیابی حاصل ہوئی اور نہ ہی کبھی نصیب ہوگی۔ تاریخ کے اوراق پلٹنے پر یہ بات بالکل عیاں ہے۔ لہٰذا جب کوئی مسلمان ایسی حالت میں ہو جس سے وہ ایک مثبت اور کامیاب نتیجہ حاصل کرنا چاہتا ہو تو اسے کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا انتخاب نہیں کرنا چاہیے، خواہ یہ کتنا ہی آسان اور آزمائشی کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ اگر کسی کو ان کے قریبی دوستوں اور رشتہ داروں کی طرف سے ایسا کرنے کا مشورہ دیا جائے کیونکہ مخلوق کی اطاعت نہیں ہے اگر اس کا مطلب خالق کی نافرمانی ہے۔ اور درحقیقت وہ انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے عذاب سے نہ دنیا میں بچا سکیں گے نہ آخرت میں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کامیابی عطا کرتا ہے جو اس کی اطاعت کرتے ہیں وہ اس کی نافرمانی کرنے والوں سے ایک کامیاب نتیجہ نکال دیتا ہے خواہ اس ہٹانے میں وقت لگے۔ ایک مسلمان کو بے وقوف نہیں بنانا چاہیے کیونکہ یہ جلد یا بدیر ہو جائے گا۔ قرآن کریم نے یہ بات بالکل واضح کر دی ہے کہ برائی کا منصوبہ یا عمل صرف کرنے والے کو ہی گھیرتا ہے خواہ اس سزا میں تاخیر ہی کیوں نہ ہو۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

‘‘لیکن شیطانی تدبیر اپنے لوگوں کو نہیں گھیرتی۔’’

لہٰذا حالات اور انتخاب خواہ کتنے ہی مشکل کیوں نہ ہوں مسلمانوں کو چاہیے کہ دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا انتخاب کریں کیونکہ یہی کامیابی دونوں جہانوں میں حقیقی کامیابی کا باعث بنے گی خواہ یہ کامیابی فوری طور پر ظاہر نہ ہو۔

حمایتی دعوے۔

جب مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کی تو انہوں نے اس شیطانی کام پر مامور گروہ کو حکم دیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کے باہر انتظار کریں۔ اور جب وہ سو رہا تھا تو اس پر حملہ کر دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اپنے بستر پر اپنی جگہ لے لیں اور اپنی حفاظت کی ضمانت دیں تاکہ وہ چھپ کر ہجرت کر سکیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 152-153 میں بحث کی گئی ہے۔

تمام صحابہ کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے زبانی دعوے کی تائید کی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اور ایمان لایا جائے۔

کفر اسلام کا لفظی انکار ہو سکتا ہے یا اعمال کے ذریعے، جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی شامل ہے، حالانکہ کوئی اس پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کو ایک مثال سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر کسی لاعلم شخص کو کسی دوسرے قریب آنے والے شیر کی طرف سے خبردار کیا جاتا ہے اور لاعلم شخص حفاظت کے حصول کے لیے عملی اقدامات کرتا ہے تو وہ ایسا شخص سمجھا جائے گا جس نے انہیں دی گئی وارننگ پر یقین کیا ہو کیونکہ اس نے انتباہ کی بنیاد پر اپنے طرز عمل کو ڈھال لیا تھا۔ جبکہ اگر لاعلم شخص تنبیہ کے بعد اپنے رویے کو عملی طور پر تبدیل نہیں کرتا ہے تو لوگ شک کریں گے کہ وہ ان کو دی گئی وارننگ پر یقین نہیں کرتے خواہ بے خبر شخص زبانی طور پر ان کو دی گئی وارننگ پر یقین کا دعویٰ کرے۔

بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا عقیدہ اور اپنے خدا کی اطاعت ان کے دلوں میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر اس کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بدقسمتی سے، اس احمقانہ ذہنیت نے بہت سے مسلمانوں کو متاثر کیا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک خالص وفادار دل کے مالک ہیں حالانکہ وہ اسلام کے واجبات کو ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر

اعلان فرمایا ہے کہ جب کسی کا دل پاک ہوتا ہے تو جسم بھی پاک ہوتا ہے یعنی اس کے اعمال درست ہوجاتے ہیں۔ لیکن اگر کسی کا دل فاسد ہو تو جسم فاسد ہو جاتا ہے یعنی اس کے اعمال فاسد اور غلط ہوں گے۔ لہٰذا جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اپنے فرائض کو عملی طور پر ادا نہیں کرتا وہ کبھی بھی پاک دل نہیں ہوسکتا۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا عملی طور پر مظاہرہ کرنا ان کا ثبوت اور شہادت ہے جو قیامت کے دن جنت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔ اس عملی ثبوت کا نہ ہونا اتنا ہی احمقانہ ہے جتنا ایک طالب علم جو اپنے استاد کو خالی امتحانی پرچہ واپس دے دیتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ ان کا علم ان کے ذہن میں ہے اس لیے انہیں امتحان کے سوالات کے جوابات دے کر اسے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ طالب علم جس طرح ناکام ہو گا اسی طرح وہ شخص جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کے بغیر اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے قیامت تک پہنچے گا، خواہ وہ اس پر ایمان رکھتا ہو۔ ان کا دل.

ایک راستہ

جب مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کی تو انہوں نے اس شیطانی کام پر مامور گروہ کو حکم دیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کے باہر انتظار کریں۔ اور جب وہ سو رہا تھا تو اس پر حملہ کر دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اپنے بستر پر اپنی جگہ لے لیں اور اپنی حفاظت کی ضمانت دیں تاکہ وہ چھپ کر ہجرت کر سکیں۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر سے نکلے تو آپ نے قرآن پاک کی تلاوت کی اور اللہ تعالیٰ نے قاتلوں کی بینائی عارضی طور پر چھین لی۔ ان کے درمیان سے گزرتے ہوئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سروں پر مٹی ڈالی اور چلے گئے۔ قاتلوں کو تب ہی اس بات کا اندازہ ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس علاقہ سے نکل جانے کے بعد کیا ہوا تھا اور جب انہیں ایک راہگیر نے ان کے ساتھ کیا ہوا تھا اس کی اطلاع دی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 153 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معجزہ مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ جب بھی انہیں ،کوئی مشکل پیش آئے تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہیں، اس کے احکام کو بجا لاتے ہوئے اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے ۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ، اس یقین کے ساتھ کہ وہ انہیں اس سے ،نکلنے کا راستہ فراہم کر دے گا، اگرچہ اس وقت یہ ناممکن ہی کیوں نہ ہو۔ باب 65 میں طلاق :آیت 2

‘‘اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔’’

ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے چاہے مشکل کے پیچھے حکمتیں ظاہر نہ ہوں۔ یہ ایک شخص کا ردعمل ہے جو یا تو برکت کا باعث بنتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے غضب کا۔ کسی کو صرف اپنی زندگی میں ان بے شمار مثالوں پر

غور کرنے کی ضرورت ہے جہاں وہ سمجھتے تھے کہ کچھ برا تھا صرف بعد میں اپنا خیال بدلنے کے لیے اور اس کے برعکس۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جب کوئی شخص ڈاکٹر کی تجویز کردہ کڑوی دوا لیتا ہے۔ دوا کڑوی ہونے کے باوجود وہ اس یقین سے کھاتے ہیں کہ اس سے ان کو فائدہ ہوگا۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک مسلمان ایسے ڈاکٹر پر کیسے بھروسہ کر سکتا ہے جس کا علم محدود ہے اور جسے قطعی طور پر یقین نہیں ہے کہ کڑوی دوا انہیں فائدہ دے گی اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے میں ناکام رہے گا، جس کا علم لامحدود ہے اور جب وہ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین فیصلہ کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو خواہش مند سوچ اور اللہ تعالیٰ پر توکل کے درمیان فرق کو سمجھنا چاہیے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتا اور پھر اس سے مشکلات میں ان کی مدد کی امید رکھتا ہے وہ ایک خواہش مند مفکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے والا وہ ہے جس کی طرف اس واقعہ میں اشارہ کیا گیا ہے، وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خلوص نیت سے کوشش کرتا ہے اور پھر اس کے فیصلے پر بھروسہ کرتا ہے اور اس کے انتخاب پر کوئی شکایت یا سوال نہیں کرتا۔

ٹرسٹ کی ادائیگی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اس نے اپنے پیچھے علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا، انہیں مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دینے کے بعد مکہ والوں کو ان کا قیمتی سامان واپس کر دیا جو انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس محفوظ رکھنے کے لیے جمع کرایا تھا۔ چونکہ ان کی دیانتداری اور امانت داری کے لیے شہرت بڑے پیمانے پر مشہور اور قبول کی گئی تھی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 155 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ امانتوں میں خیانت منافقت کا ایک پہلو ہے۔

اس میں وہ تمام امانتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی طرف سے ہیں۔ ہر نعمت اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے۔ ان امانتوں کو پورا کرنے کا واحد طریقہ نعمتوں کو اس طریقے سے استعمال کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ مزید برکات حاصل کریں گے کیونکہ یہ سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

لوگوں کے درمیان اعتماد کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ جسے کسی دوسرے کے سپرد کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ اس کا غلط استعمال نہ کرے اور مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ لوگوں کے درمیان سب سے بڑا اعتماد بات چیت کو خفیہ رکھنا ہے جب تک کہ دوسروں کو مطلع کرنے میں کوئی واضح فائدہ نہ ہو۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں اس کو اکثر نظر انداز کیا جاتا ہے۔

آزادی کے لیے جدوجہد کرنا

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی ہجرت کے لیے دو اونٹ خرید کر تیار کیے تھے۔ جب اس نے دو اونٹوں میں سے بہترین اونٹ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بطور ہدیہ پیش کیا تو مؤخر الذکر نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اونٹ خریدنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس پر سیرت ابن ہشام صفحہ 98 میں بحث ہوئی ہے۔

یہ خود مختار ہونے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6470 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص دوسروں سے مانگنے سے باز رہے گا اسے آزادی دی جائے گی۔ اور جو شخص سچے دل سے صبر کرنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے صبر عطا کرتا ہے۔ اور جو اس کے پاس ہے اس پر راضی ہو گا وہ خود کفیل ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ صبر سے بڑا کوئی تحفہ نہیں ہے۔

ضرورت پڑنے پر دوسروں سے مدد مانگنے میں کوئی حرج نہیں لیکن مسلمان کو یہ عادت نہیں ڈالنی چاہیے کیونکہ اس سے عزت نفس کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ یہ خطرناک ہو سکتا ہے کیونکہ جو شخص عزت نفس کھو دیتا ہے اس کے گناہوں کا زیادہ امکان ہوتا ہے کیونکہ وہ اس بات کی پرواہ کرنا چھوڑ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے ان کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو دوسروں کی مدد کے لیے رجوع کرنے سے پہلے ان تمام ذرائع کو بروئے کار لانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا اسے اللہ تعالیٰ لوگوں کی آزادی عطا فرمائے گا۔ ایک مسلمان کو اپنے اوپر خاص طور پر مشکل کے وقت صبر پر مجبور کرنا چاہیے۔ اس کے حصول کا بہترین طریقہ اسلامی علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا

ہے۔ مثال کے طور پر جو شخص اللہ تعالیٰ کو جانتا ہے کہ وہ صبر کرنے والے مسلمان کو بے شمار اجر دے گا اس سے زیادہ صبر کرنے کا امکان اس شخص سے زیادہ ہے جو اس حقیقت سے ناواقف ہے۔ باب 39 از زمر، آیت 10:

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا]یعنی حد[۔..."

حقیقی امیر وہ ہے جو محتاج اور چیزوں کا لالچی نہ ہو۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی اس پر راضی ہو جاتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے، جو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی صحیح طور پر یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لامحدود علم کے مطابق ہر ایک کو بہترین چیز دیتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

یہ شخص واقعی امیر ہے جب کہ جو ہمیشہ چیزوں کا لالچی اور محتاج رہتا ہے وہ غریب ہے خواہ اس کے پاس بہت زیادہ دولت ہو۔ صحیح مسلم نمبر 2420 کی حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

آخر میں صبر کو اپنانا ضروری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ہر عنصر میں اس کی ضرورت ہے۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ آسان الفاظ میں دنیاوی یا دینی معاملات میں کامیابی صبر کے بغیر ممکن نہیں۔

حق پر قائم رہنا

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے دوران حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ایک راہگیر نے پوچھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو نہیں پہچانتے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ انہیں سچ نہیں بتانا چاہتے تھے کیونکہ یہ اطلاع مکہ کے غیر مسلموں تک پہنچ چکی تھی جو ان کے تعاقب میں تھے لیکن ساتھ ہی وہ جھوٹ بولنے کی خواہش بھی نہیں رکھتے تھے۔ جیسا کہ وہ ایمانداری اور سچائی کا معراج تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو بتایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اس کے رہنما تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مراد اس دنیا میں ان کا رہنما ہے جبکہ اس شخص نے یہ سمجھا کہ وہ سفر میں اس کا رہنما ہے۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 104-105 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ بہت بڑی شرم کی بات ہے کہ آج کل مسلمان بغیر کسی وجہ کے جھوٹ بولتے ہیں، حالانکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک مہلک صورتحال کا سامنا کرتے ہوئے بھی ایماندار رہے۔

جھوٹ ناقابل قبول ہے چاہے وہ چھوٹا جھوٹ ہو جسے اکثر سفید جھوٹ کہا جاتا ہے یا جب کوئی مذاق کے طور پر جھوٹ بولتا ہے۔ ان تمام قسم کے جھوٹ حرام ہیں۔ درحقیقت وہ جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے، اس کا مقصد کسی کو دھوکہ دینا نہ ہو، جامع ترمذی نمبر 2315 میں موجود ایک حدیث میں اس پر تین مرتبہ لعنت آئی ہے۔

ایک اور مشہور جھوٹ جو لوگ اکثر یہ مانتے ہوئے بولتے ہیں کہ یہ کوئی گناہ نہیں ہے جب وہ بچوں سے جھوٹ بولتے ہیں۔ بلاشبہ یہ حدیث کے مطابق گناہ ہے جیسا کہ سنن ابوداؤد نمبر 4991 میں ہے۔ بچوں سے جھوٹ بولنا صریح حماقت ہے کیونکہ وہ اس گناہ کی عادت صرف بڑے سے ہی اپنائیں گے جو ان سے جھوٹ بولے گا۔ اس طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ بچوں کا جھوٹ بولنا قابل قبول ہے جب کہ یہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق قابل قبول نہیں ہے۔ صرف انتہائی نایاب اور انتہائی صورتوں میں جھوٹ بولنا قابل قبول ہے، مثال کے طور پر، کسی بے گناہ کی جان کی حفاظت کے لیے جھوٹ بولنا۔

جھوٹ سے بچنا بہت ضروری ہے جیسا کہ جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ دوسرے گناہوں کا باعث بنتا ہے جیسے غیبت اور لوگوں کا مذاق اڑانا۔ یہ طرز عمل جہنم کے دروازوں کی طرف لے جاتا ہے۔ جب کوئی شخص مسلسل جھوٹ بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑا جھوٹا لکھتا ہے۔ یہ پیشین گوئی کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے کہ قیامت کے دن اس شخص کے ساتھ کیا ہو گا جسے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا جھوٹا لکھا ہے۔

تمام مسلمان فرشتوں کی صحبت کے خواہش مند ہیں لیکن جب کوئی جھوٹ بولتا ہے تو وہ اس کی صحبت سے محروم ہو جاتا ہے۔ درحقیقت جھوٹے کے منہ سے نکلنے والی بدبو فرشتوں کو ان سے ایک میل دور کر دیتی ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1972 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

جھوٹ بولنا جو معاشرے میں دوسروں تک پھیل جائے اتنا بڑا گناہ ہے کہ صحیح بخاری نمبر 7047 میں موجود حدیث کے مطابق اگر کوئی شخص ایسا کرے اور توبہ نہ کرے تو اسے موت کے بعد اس حد تک سزا دی جائے گی کہ ایک لوہے کے برابر۔ ان کے منہ میں کانٹا لگا دیا جائے گا اور ان کے چہرے کی جلد پھاڑ دی جائے گی۔ ان کا چہرہ فوری طور پر دوبارہ بن جائے گا اور اس عمل کو دہرایا جائے گا۔ یہ سلسلہ قیامت تک ہوتا رہے گا۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، تمام مسلمانوں کو ہر قسم کے جھوٹ سے بچنا چاہیے، قطع نظر اس کے کہ وہ کس سے بات کر رہے ہیں۔

سچا پیار

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ان کے سفر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہوتے، چلتے وقت اور پھر کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوتے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرزِ عمل کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ جب بھی انہیں ڈر لگتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پیچھے سے حملہ ہو جائے گا تو وہ پیچھے ہو جائیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لیکن پھر وہ سامنے والے حملے سے خوفزدہ ہو جائیں گے اور اس کی وجہ سے وہ پوزیشنیں بدل دیں گے۔ آخرکار انہوں نے کوہ ثور کے غار میں کچھ دنوں کے لیے پناہ لی۔ غار میں داخل ہونے سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غار میں داخل ہونے کی تاکید کی تاکہ اس کے اندر سے کوئی نقصان دہ چیز صاف ہو جائے اور اسے نکال دیا جائے۔ یہاں تک کہ اس نے اپنا پاؤں غار کے اندر ایک شگاف پر اس خوف سے رکھا کہ کہیں کوئی جاندار اس سے نکل کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نقصان نہ پہنچائے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 157 میں بحث کی گئی ہے۔

ہر مسلمان کھلے عام اعلان کرتا ہے کہ وہ آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت کا خواہش مند ہے۔ وہ اکثر صحیح بخاری نمبر 3688 میں پائی جانے والی حدیث کا حوالہ دیتے ہیں، جو اس بات کی تلقین کرتی ہے کہ انسان آخرت میں ان کے ساتھ رہے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں سے اپنی محبت کا کھلم کھلا اعلان کرتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ اس نتیجہ کی خواہش کیسے کرتے ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، پھر بھی انہیں بمشکل جانتے ہیں کیونکہ وہ آپ کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ کرنے میں مصروف ہیں۔ یہ بے وقوفی کی بات ہے کہ کوئی کسی سے سچی محبت کیسے کر سکتا ہے جسے وہ جانتا تک نہیں ہے۔

اس کے علاوہ جب ان لوگوں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا ثبوت پوچھا جائے گا تو قیامت کے دن کیا کہیں گے؟ وہ کیا پیش کریں گے؟ اس اعلان کا ثبوت حضور

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ اور ان پر عمل کرنا ہے۔ اس دلیل کے بغیر اعلان اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔ یہ بالکل واضح ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہتر اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا اور ان کا یہ رویہ نہیں تھا۔ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اعلان کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عمل کے ذریعے اپنے دعوے کی تائید کی۔ اس لیے وہ آخرت میں اس کے ساتھ ہوں گے۔

جو لوگ یہ مانتے ہیں کہ محبت دل میں ہے اور اسے عمل سے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ اتنا ہی بے وقوف ہے جتنا وہ طالب علم جو امتحان کا خالی پرچہ اپنے استاد کو دے کر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ علم ان کے دماغ میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر لکھنے کی ضرورت نہیں۔ کاغذ پر نیچے اور پھر بھی پاس ہونے کی توقع ہے۔

ایسا سلوک کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے محبت نہیں کرتا، صرف اپنی خواہشات رکھتا ہے اور بلاشبہ انہیں شیطان نے دھوکا دیا ہے۔

آخر میں یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ناکام رہے وہ یقیناً قیامت کے دن ان کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ اگر کوئی ایک لمحے کے لیے اس حقیقت پر غور کرے تو یہ بالکل واضح ہے۔

بہترین ساتھی

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے وقت جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کوہ ثور کے غار میں پناہ لی تو مکہ کے غیر مسلموں نے ان کا تعاقب کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنا۔ مکہ کے غیر مسلم بالآخر غار تک پہنچ گئے جہاں وہ چھپے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اگر غیر مسلم بھی اپنے پیروں کی طرف جھک کر دیکھیں تو وہ آپ کو اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غار میں چھپے ہوئے دیکھیں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے واضح کر دیا کہ وہ اپنی حفاظت کی فکر میں نہیں ہیں، بلکہ اندیشہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ نہ ہو جائے۔ اس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ غم نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کا تیسرا ساتھی تھا۔ اس پر صحیح بخاری نمبر 3922 اور ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 159-160 میں موجود ایک حدیث میں بحث کی گئی ہے۔ باب 9 توبہ آیت 40:

”جب وہ غار میں تھے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے ساتھی سے فرمایا کہ غم نہ کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“

صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود ایک آسمانی حدیث میں اللہ تعالیٰ نے نصیحت کی ہے کہ وہ ہر اس شخص کے ساتھ ہے جو اسے یاد کرتا ہے۔

ذہنی مسائل اور عوارض جیسے کہ ڈپریشن کے بڑھنے کے ساتھ مسلمانوں کے لیے اس اعلان کی اہمیت کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ کسی شخص کے دماغی مسئلے کا سامنا کرنے کا بہت کم امکان ہوتا ہے جب وہ مستقل طور پر کسی ایسے شخص سے گھرا رہتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے جو واقعی ان سے پیار کرتا ہے۔ اگر یہ کسی شخص کے لیے درست ہے تو یہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے لیے زیادہ مناسب ہے، جس نے اپنے ذکر کرنے والے کے ساتھ رہنے کا وعدہ کیا ہے۔ صرف اس اعلان پر عمل کرنے سے تمام ذہنی مسائل جیسے کہ ڈپریشن ختم ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسروں سے الگ تھلگ رہنے یا دوسروں کے درمیان ہونے سے نیک پیشواؤں کی ذہنی حالت

پر کوئی فرق نہیں پڑا کیونکہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی صحبت میں رہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی صحبت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ تمام رکاوٹوں اور مشکلات کو کامیابی سے عبور کر لیتا ہے یہاں تک کہ آخرت میں اس کے قرب تک پہنچ جاتا ہے۔

اس کے علاوہ، اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت سے اس اعلان کو کسی بھی طرح محدود نہیں کیا۔ مثال کے طور پر، اس نے یہ اعلان نہیں کیا کہ وہ صرف نیک لوگوں کے ساتھ ہے یا ان لوگوں کے ساتھ ہے جو مخصوص اچھے کام کرتے ہیں۔ اس نے درحقیقت ہر مسلمان کو گھیر لیا، قطع نظر اس کے کہ ان کے ایمان کی مضبوطی کتنی بھی ہو یا کتنے ہی گناہوں کا ارتکاب کیا ہو۔ اس لیے مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن اس حدیث میں جو شرط بیان کی گئی ہے اس پر غور کرنا ضروری ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا۔ یہ نہ صرف اسے زبان سے یاد کرنا ہے بلکہ اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اسے اپنے عمل سے یاد کیا جائے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی یاد ہے۔ ایسا سلوک کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی صحبت اور نصرت نصیب ہوگی۔

سادہ لفظوں میں اللہ تعالیٰ کی جتنی زیادہ اطاعت کرے گا، اتنا ہی زیادہ اس کی صحبت حاصل کرے گا۔ جو دیتا ہے وہی وصول کرے گا۔

صحیح طریقے سے بھروسہ کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کردہ ذرائع کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے اور پھر اس بات پر پختہ یقین رکھنے پر مشتمل ہے کہ جو کچھ بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرماتا ہے، ہر ایک کے لیے بہتر ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2344 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اگر لوگ واقعی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں تو وہ ان کو اسی طرح رزق دے گا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے۔ وہ اپنے گھونسلے صبح بھوکے چھوڑتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر واقعی بھروسہ وہ چیز ہے جو دل میں محسوس ہوتی ہے لیکن اعضاء سے ثابت ہوتی ہے، یعنی جب کوئی اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتا ہے، اس کے احکام کو بجا لا کر اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 3:

اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہے‘‘۔’’

توکل کا وہ پہلو جو داخلی ہے اس میں پختہ یقین رکھنا شامل ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے اور دنیاوی اور دینی معاملات میں نقصان دہ چیزوں سے بچا سکتا ہے۔ ایک مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی کو دے سکتا ہے، روک سکتا ہے، نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر صحیح معنوں میں بھروسہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اسباب مہیا کیے ہیں، مثلاً دوا استعمال کرنا چھوڑ دے۔ جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں واضح طور پر ذکر ہے کہ پرندے اپنے گھونسلے چھوڑ کر رزق کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ طاقت اور اسباب کو استعمال کرتا ہے تو وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق بلاشبہ اس کی اطاعت کرتا ہے۔ یہ دراصل اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا ظاہری عنصر ہے۔ یہ بات بہت سی آیات اور احادیث میں واضح ہو چکی ہے۔ باب 4 النساء، آیت 71:

‘‘اے ایمان والو احتیاط کرو۔’’

درحقیقت ظاہری عمل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باطنی کیفیت ہے۔ ظاہری روایت کو نہیں چھوڑنا چاہیے خواہ وہ باطنی اعتبار کا مالک ہو۔

اعمال اور اللہ کی طرف سے فراہم کردہ ذرائع کا استعمال، اس پر بھروسہ کرنے کا ایک پہلو ہے۔ اس سلسلے میں اعمال کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے اطاعت کے وہ اعمال ہیں جن کا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حکم دیتا ہے تاکہ وہ جہنم سے بچ سکیں اور جنت حاصل کر سکیں۔ ان باتوں کو چھوڑ دینا یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے گا، محض خواہش مندانہ سوچ ہے اور اس لیے قابل ملامت ہے۔

دوسری قسم کے اعمال وہ اسباب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں لوگوں کے لیے اس لیے بنائے ہیں کہ وہ اس میں محفوظ رہیں، جیسے کہ بھوک کے وقت کھانا پینا، پیاس لگنے پر پینا اور سرد موسم میں گرم کپڑے پہننا۔ جو شخص ان کو ترک کر کے اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے وہ قابل ملامت ہے۔ البتہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے خاص قوت عطا کی ہے تاکہ وہ اپنے آپ

کو نقصان پہنچائے بغیر ان ذرائع سے بچ سکیں۔ مثال کے طور پر، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر کسی وقفے کے دنوں کے روزے رکھتے تھے لیکن دوسروں کو اس طرح کرنے سے منع کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بغیر خوراک کی ضرورت کے براہ راست مہیا کیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1922 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوتھے سیدنا خلیفہ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے خلاف نہ ہوں۔ ضرورت سے زیادہ سردی یا گرمی محسوس کرنا۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 117 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ان ذرائع سے منہ موڑ لے لیکن اسے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے فرائض میں کوتاہی کے بغیر صبر کرنے کی طاقت دی جائے تو یہ قابل قبول ہے۔ دوسری صورت میں یہ قابل الزام ہے.

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے سلسلے میں تیسری قسم کے اعمال وہ چیزیں ہیں جو ایک رسم کے طور پر مقرر کی گئی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بعض اوقات بعض لوگوں کے لیے توڑ دیتا ہے۔ اس کی مثال وہ لوگ ہیں جو بغیر دوا کے بیماری سے شفا پاتے ہیں۔ یہ خاص طور پر غریب ممالک میں کافی عام ہے جہاں دوائی حاصل کرنا مشکل ہے۔ اس کا تعلق سنن ابن ماجہ نمبر 2144 میں موجود ایک حدیث سے ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ اپنے لیے مختص کیے گئے ہر اونس کو استعمال نہ کر لے جو کہ صحیح مسلم کی ایک اور حدیث نمبر 6748 کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے۔ لہٰذا جو شخص اس حدیث کو صحیح معنوں میں سمجھتا ہے وہ شاید یہ جانتے ہوئے بھی رزق تلاش نہ کرے کہ جو کچھ ان کے لیے بہت پہلے مختص کیا گیا تھا وہ ان سے محروم نہیں ہو سکتا۔ پس اس شخص کے لیے رزق حاصل کرنے کا رواج جیسا کہ نوکری کے ذریعے حاصل کرنا اللہ تعالیٰ نے توڑ دیا ہے۔ یہ ایک اعلیٰ اور نادر درجہ ہے۔ صرف وہی شخص جو اس طرح کا رویہ اختیار کر سکتا ہے بغیر کسی شکایت یا گھبراہٹ کے اور نہ ہی لوگوں سے کسی چیز کی توقع رکھے اگر وہ یہ راستہ اختیار کرتا ہے۔ غور طلب ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 1692 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ گناہ ہے کہ وہ اپنے کفیلوں کی کفالت میں کوتاہی کرے۔ وہ اس اعلیٰ عہدے پر ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ پر حقیقی بھروسہ، تقدیر پر راضی ہونے کا باعث بنتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے جو کچھ بھی منتخب کرتا ہے وہ بغیر شکایت اور تبدیلی کی خواہش کے بغیر قبول کرتا ہے کیونکہ انہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔

باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے بہتر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کی پیروی کی جائے، حلال ذرائع کے استعمال سے کسی کو یہ یقین دلایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، اور باطنی اعتبار سے صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ کیا گیا ہے۔ عالی مقام، فیصلہ کرے گا، جو بلاشبہ ہر فرد کے لیے بہترین انتخاب ہے چاہے وہ اس کا مشاہدہ کرے یا نہ کرے۔

بہترین مقامات

مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبا میں دس دن قیام فرمایا جہاں آپ نے اسلام کی پہلی مسجد تعمیر کی، جسے وہ مسجد کہا جاتا ہے جس کی طرف باب 9 توبہ، آیت 108 میں اشارہ کیا گیا ہے:

’’...روزِ اول سے راستبازی پر قائم ہونے والی مسجد تمہارے لیے زیادہ لائق ہے کہ اس میں کھڑے ہو جاؤ۔ اور اللہ پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

صحیح بخاری نمبر 3906 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 1528 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب جگہیں مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہیں بازار ہیں۔

اسلام مسلمانوں کو مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ جانے سے منع نہیں کرتا۔ اور نہ ہی یہ انہیں ہمیشہ مساجد میں رہنے کا حکم دیتا ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ باجماعت نمازوں کے لیے مساجد میں جانے اور مذہبی اجتماعات میں شرکت کو غیر ضروری طور پر بازاروں میں جانے سے زیادہ ترجیح دیں۔

،جب ضرورت پیش آئے تو دوسری جگہوں مثلاً شاپنگ سینٹرز میں جانے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن مسلمان کو چاہیے کہ وہ بلا ضرورت وہاں جانے سے گریز کرے کیونکہ یہ وہ جگہیں ہیں جہاں گناہ زیادہ ہوتے ہیں۔ جبکہ مساجد سے مراد گناہوں سے پناہ گاہ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے ایک آرام دہ جگہ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ جس طرح ایک طالب علم لائبریری سے استفادہ کرتا ہے جیسا کہ یہ مطالعہ کے لیے ایک ماحول ہے، اسی طرح مسلمان بھی مساجد سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں کیونکہ ان کا مقصد مسلمانوں کو مفید علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دینا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر سکیں۔

ایک مسلمان کو نہ صرف مساجد کو دوسری جگہوں پر ترجیح دینی چاہیے بلکہ انہیں دوسروں جیسے کہ اپنے بچوں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دینی چاہیے۔ درحقیقت یہ نوجوانوں کے لیے گناہوں، جرائم اور بری صحبت سے بچنے کے لیے بہترین جگہ ہے جس سے دونوں جہانوں میں مصیبت اور پشیمانی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

مدینہ کی بابرکت زندگی

ہجرت کے بعد پہلا سال

مدینہ میں مسجد نبوی کی تعمیر

ایک خوبصورت میراث

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو سب سے پہلے جو کام انہوں نے کیا ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا گھر، مسجد نبوی بنانا تھا۔ یہ زمین دو یتیم لڑکوں سہیل اور سہل رضی اللہ عنہ کی تھی جنہوں نے مفت میں زمین کی پیشکش کی لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے مفت میں لینے سے انکار کر دیا اور ان سے خرید لیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 165-166 میں بحث کی گئی ہے۔

سب سے پہلے، یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دنیاوی وراثت آتے جاتے ہیں۔ کتنے امیر اور طاقتور لوگوں نے بڑی بڑی سلطنتیں صرف اس لیے بنائی ہیں کہ ان کے مرنے کے فوراً بعد انہیں توڑ دیا جائے اور انہیں بھلا دیا جائے۔ ان میں سے کچھ وراثت سے پیچھے رہ جانے والی چند نشانیاں صرف لوگوں کو ان کے نقش قدم پر نہ چلنے کی تنبیہ کرنے کے لیے پائی جاتی ہیں۔ ایک مثال فرعون کی عظیم سلطنت ہے۔ اسلام نہ صرف مسلمانوں کو نیک اعمال کی صورت میں اپنے آگے آخرت کے لیے برکتیں بھیجنے کا درس دیتا ہے بلکہ یہ انہیں یہ بھی سکھاتا ہے کہ وہ اپنے پیچھے ایک خوبصورت میراث چھوڑیں جس سے لوگ فائدہ اٹھا سکیں۔ درحقیقت جب کوئی مسلمان فوت ہو جاتا ہے اور اپنے پیچھے کوئی مفید چیز چھوڑ جاتا ہے، جیسے پانی کے کنویں کی صورت میں جاری صدقہ ان کو اس کا ثواب ملے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 4223 میں موجود

حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ نیک عمل کرنے کی کوشش کرے اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں آگے بھیجے، لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک اچھی میراث چھوڑنے کی کوشش بھی کرنی چاہیے جو ان کے انتقال کے بعد ان کے لیے فائدہ مند ہو۔

بدقسمتی سے بہت سے مسلمان اپنی دولت اور جائیدادوں کے بارے میں اس قدر فکر مند ہیں کہ انہیں چھوڑ کر ہی چلے جاتے ہیں جس کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ہر مسلمان کو یہ یقین کرنے میں دھوکہ نہیں دیا جانا چاہئے کہ ان کے پاس اپنے لئے ایک میراث بنانے کے لئے کافی وقت ہے کیونکہ موت کا لمحہ نامعلوم ہے اور اکثر غیر متوقع طور پر لوگوں پر حملہ کرتا ہے۔ آج وہ دن ہے جب ایک مسلمان کو صحیح معنوں میں اس میراث پر غور کرنا چاہیے جو وہ اپنے پیچھے چھوڑے گا۔ اگر یہ میراث اچھی اور فائدہ مند ہے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی حمد کرنی چاہیے کہ اس نے انہیں ایسا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ لیکن اگر کوئی ایسی چیز ہے جس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا تو وہ کوئی ایسی چیز تیار کریں جس سے وہ نہ صرف آخرت کی بھلائی کو آگے بھیجیں بلکہ نیکی بھی پیچھے چھوڑ جائیں۔ امید ہے کہ جو اس طرح خیر میں گھرا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اپنے آپ سے سوال کرنا چاہیے کہ ان کی میراث کیا ہے؟

مثال کے ذریعے رہنمائی کریں۔

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو سب سے پہلے جو کام انہوں نے کیا ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا گھر، مسجد نبوی بنانا تھا۔ دوسروں کو مسجد بنانے اور آرام کرنے کا حکم دینے کے بجائے، جو کہ اس زمانے اور زمانے میں اکثر قائدین کرتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 166 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

تمام مسلمانوں خصوصاً والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو جو نصیحت کرتے ہیں اس پر عمل کریں۔ ظاہری سی بات ہے کہ جنہوں نے اس پر عمل اگر کوئی تاریخ کے اوراق پلٹے۔ کے مقابلے میں ان لوگوں دوسروں پر بہت زیادہ مثبت اثر پڑا کیا جس کی انہوں نے تبلیغ کی۔ ہیں جنہوں نے مثال کے طور پر رہنمائی نہیں کی۔ بہترین نمونہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سختی سے عمل کیا۔ بلکہ ان تعلیمات پر کسی اور سے زیادہ جنہوں نے نہ صرف اس پر عمل کیا صرف اس رویہ سے مسلمان بالخصوص والدین کا دوسروں پر مثبت اثر پڑے گا۔ مثال کے طور جیسا کہ یہ گناہ ہے لیکن اکثر ان پر اگر کوئی ماں اپنے بچوں کو جھوٹ نہ بولنے کی تلقین کرے۔ اس کے مشورے پر عمل کرنا۔ ایک کے سامنے جھوٹ بولنا اس کے بچوں کا امکان نہیں ہے۔ کرنا ضروری نوٹ ان کی تقریر سے زیادہ اثر ڈالے گا ۔ یہ ہمیشہ دوسروں پر شخص کے اعمال ہونا ضروری ہے کامل دوسروں کو مشورہ دینے سے پہلے ایک ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے۔ اپنے مشورے پر عمل کرنا انہیں خلوص نیت سے کوشش کرنی چاہیے۔ کا مطلب ہے کہ ۔ اس دوسروں کو مشورہ دینے سے پہلے قرآن کریم نے مندرجہ ذیل آیت میں واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرز عمل کو ناپسند کرتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 3267 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ایک شخص نیکی کا جس نے حکم دیا جہنم ابھی تک خود اس پر عمل کیا اور برائی سے منع کیا۔ لیکن خود اس سے باز رہے۔ میں سخت سزا دی جائے گی۔ باب 61 الصف، آیت 3:

‘‘اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔’’

کہ وہ خود ان کی نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے لہٰذا تمام تمام انبیاء کرام ایسا ہی کرنا مثال کے طور پر معروف روایت ہے۔ پھر دوسروں کو نصیحت کریں۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے، اور دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

نیکی کا حصول

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو سب سے پہلے جو کام انہوں نے کیا ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا گھر، مسجد نبوی بنانا تھا۔ دوسروں کو مسجد بنانے اور آرام کرنے کا حکم دینے کے بجائے، جو کہ اس زمانے اور زمانے میں اکثر قائدین کرتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ نعرہ لگاتے تھے" :اے اللہ، آخرت کی بھلائی کے علاوہ کوئی بھلائی نہیں ہے۔ برائے مہربانی مدد کرنے والوں اور مہاجرین کی مدد کریں !سنن ابوداؤد نمبر 453 میں ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان دونوں جہانوں میں تب ہی بھلائی حاصل کرے گا جب وہ اپنی دنیاوی نعمتوں کو آخرت سے جوڑ دے گا۔

حقیقت میں، زیادہ تر معاملات میں اس مادی دنیا میں کوئی بھی چیز بذات خود اچھی یا بری نہیں ہے، جیسے کہ دولت۔ جو چیز کسی چیز کو اچھی یا بری بناتی ہے وہ اس کے استعمال کا طریقہ ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اس کا اصل مقصد یہی تھا کہ اس کا صحیح استعمال اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہو۔ جب کسی چیز کا صحیح استعمال نہ کیا جائے تو وہ حقیقت میں بیکار ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر، دولت دونوں جہانوں میں مفید ہے جب اس کا صحیح استعمال کیا جائے جیسے کہ کسی شخص اور اس کے زیر کفالت افراد کی ضروریات پر خرچ کیا جائے۔ لیکن اگر اسے صحیح طریقے سے استعمال نہ کیا جائے، مثلاً ذخیرہ اندوزی یا گناہ کی چیزوں پر خرچ کرنا، تو یہ بیکار اور اس کے اٹھانے والے کے لیے لعنت بھی بن سکتا ہے۔ محض دولت جمع کرنے سے دولت کی قدر و قیمت ختم ہوجاتی ہے۔ کاغذ اور دھاتی سکے ایک ٹک کے فاصلے پر کیسے کارآمد ہو سکتے ہیں؟ اس سلسلے میں، کاغذ کے ایک ٹکڑے اور پیسے کے نوٹ میں کوئی فرق نہیں ہے .یہ تب ہی مفید ہے جب اسے صحیح طریقے سے استعمال کیا جائے۔

لہٰذا اگر کوئی مسلمان یہ چاہتا ہے کہ ان کے تمام دنیاوی اموال دونوں جہانوں میں اس کے لیے نعمت بن جائیں تو اسے صرف یہ کرنا ہے کہ وہ قرآن پاک میں موجود تعلیمات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق ان کا صحیح استعمال کریں۔ اسے لیکن اگر وہ ان کا غلط استعمال کریں گے تو وہی نعمت ان کے لیے دونوں جہانوں میں بوجھ اور لعنت بن جائے گی۔ یہ اتنا ہی آسان ہے۔

جب کوئی شخص ان نعمتوں کا مقصد سمجھ لے تو صحیح رویہ اختیار کر سکتا ہے۔

مسلمان کے پاس ہر دنیوی نعمت صرف ایک ذریعہ ہے جو اسے آخرت تک پہنچنے میں مدد فراہم کرے۔ یہ اپنے آپ میں ایک اختتام نہیں ہے۔ مثال کے طور پر، دولت ایک ایسا ذریعہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے استعمال کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، ان کی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو پورا کرنا چاہیے۔ یہ اپنے آپ میں کوئی حتمی یا حتمی مقصد نہیں ہے۔

اس سے نہ صرف ایک مسلمان کو آخرت پر توجہ مرکوز رکھنے میں مدد ملتی ہے بلکہ جب بھی وہ دنیاوی نعمتوں سے محروم ہوتے ہیں تو یہ ان کی مدد کرتا ہے۔ جب ایک مسلمان ہر دنیوی نعمت کو، جیسے کہ بچہ، کو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتا ہے تو اس کے ضائع ہونے سے ان پر اتنا نقصان دہ اثر نہیں پڑے گا۔ وہ اداس ہو سکتے ہیں، جو ایک قابل قبول جذبہ ہے، لیکن وہ غمگین نہیں ہوں گے جو بے صبری اور دیگر ذہنی مسائل، جیسے ڈپریشن کا باعث بنتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ پختہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کے پاس موجود دنیاوی نعمت صرف ایک ذریعہ ہے اس لیے اسے کھونے سے حتمی مقصد یعنی جنت میں نقصان نہیں ہوتا، جس کا نقصان تباہ کن ہے۔ لہٰذا، اب بھی حتمی مقصد پر توجہ مرکوز رکھنا انہیں غمگین ہونے سے روکے گا۔

اس کے علاوہ، وہ یہ سمجھیں گے کہ جس چیز کو انہوں نے کھویا وہ صرف ایک ذریعہ تھا، وہ پختہ یقین رکھتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے حتمی مقصد تک پہنچنے اور اسے پورا کرنے کے لیے ایک اور ذریعہ فراہم کیا جائے گا۔ اس سے وہ غم سے بھی بچیں گے۔ جبکہ

جو شخص اپنی دنیوی نعمتوں کو کسی وسیلہ کے بجائے خاتمہ سمجھتا ہے وہ اسے کھونے پر شدید غم کا سامنا کرے گا کیونکہ اس کا پورا مقصد اور مقصد ضائع ہو گیا ہے۔ یہ غم ڈپریشن اور دیگر ذہنی مسائل کا باعث بنے گا۔

آخر میں، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی ہر نعمت کو آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھیں نہ کہ اپنے آپ میں خاتمہ۔ اس طرح کوئی بھی چیزوں کو ان کے قبضے میں رکھے بغیر حاصل کرسکتا ہے۔ اس طرح وہ دنیاوی چیزوں کو اپنے ہاتھ میں رکھ سکتے ہیں دلوں میں نہیں۔

حسد کے اثرات

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو مدینہ کے سرداروں میں سے ایک عبداللہ بن ابی کے گھر پر سوار ہوئے جو بعد میں منافقین کا سردار بنا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی طرف سے دعوت کی توقع تھی لیکن عبداللہ بن ابی نے ان سے بدتمیزی کے ساتھ کہا کہ آپ ان لوگوں کے ساتھ رہیں جنہوں نے آپ کو مدینہ کی دعوت دی تھی۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ کے رویے پر معذرت کی اور کہا کہ ان کے مدینہ پہنچنے سے پہلے وہ عبداللہ کو اپنا بادشاہ بنانے کی تیاری کر رہے تھے۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 180 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4210 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

حسد کرنا ایک سنگین اور کبیرہ گناہ ہے کیونکہ حسد کرنے والے کا مسئلہ کسی دوسرے انسان سے نہیں درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ہے جس نے حسد کرنے والی نعمت عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا انسان کی حسد صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار اور انتخاب سے ناراضگی کو ظاہر کرتی ہے۔ وہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے غلطی کی ہے جب اس نے ان کے بجائے کسی دوسرے شخص کو ایک خاص نعمت مختص کی تھی۔

بعض اپنے قول و فعل سے کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے سے نعمت چھین لیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ بدتر قسم وہ ہے جب حسد کرنے والا مالک سے نعمت کو دور کرنے کی کوشش کرے خواہ حسد کرنے والے کو نعمت نہ ملے۔ حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہ کرے، اپنے جذبات کو ناپسند کرے اور اسی طرح کی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرے بغیر اس کے کہ مالک اس نعمت سے محروم ہو۔ اگرچہ یہ قسم گناہ نہیں ہے اگر حسد کسی دنیوی نعمت پر ہو تو اسے ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے اور اگر دینی نعمت پر ہو تو قابل تعریف ہے۔ مثال کے طور

پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 کی ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلا شخص جس پر حلال رشک کیا جا سکتا ہے وہ ہے جو حلال مال حاصل کرے اور خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے طریقوں سے۔ دوسرا وہ شخص جس سے حسد کیا جا سکتا ہے وہ ہے جو اپنے علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرے اور دوسروں کو سکھائے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو چاہیے کہ وہ حسد کرنے والے کے ساتھ حسن سلوک اور حسن سلوک سے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کرے جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہاں تک کہ اس کی حسد ان کے لیے محبت بن جائے۔

کاروبار درست طریقے سے کرنا

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو بہت سے تاجروں نے ناجائز تجارت کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے باب 83 المطففین آیت نمبر 1 تا 6 نازل فرمایا۔

افسوس ان لوگوں کے لیے جو کم دیتے ہیں۔ جو جب لوگوں سے ناپ لیتے ہیں تو پورا لے لیتے " ہیں۔ لیکن اگر ناپ کر یا تول کر دیں تو نقصان کا باعث بنتے ہیں۔ کیا یہ نہیں سمجھتے کہ وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ ایک زبردست دن کے لیے۔ جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے؟

اس کے بعد سوداگر منصفانہ اور دیانتداری سے تجارت کرنے لگے۔ اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 83:1، صفحہ 162 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 2146 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ تاجروں کو قیامت کے دن فاسقوں کے طور پر اٹھایا جائے گا سوائے ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، نیک عمل کرتے ہیں اور بولتے ہیں۔ سچائی

اس حدیث کا اطلاق ان تمام لوگوں پر ہوتا ہے جو تجارتی لین دین میں حصہ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، اس کے احکام پر عمل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ کاروباری لین دین کے سلسلے میں ایک مسلمان کو اپنی بات میں ایماندار ہونا چاہیے اور اس لین دین کی تمام تفصیلات جو اس میں شامل ہیں ان کو بتا دیں۔ صحیح بخاری نمبر 2079 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب مسلمان مالی لین دین میں

چیزوں کو چھپاتے ہیں، جیسے کہ ان کے سامان میں خرابیاں، تو یہ نعمتوں میں نقصان کا باعث بنتی ہے۔

راستبازی سے کام کرنے میں یہ شامل ہے کہ دوسروں کو سامان کی ضرورت سے زیادہ قیمت ادا کرنے پر مجبور کرنے کی کوشش نہ کریں۔ ایک مسلمان کو صرف دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جیسا کہ وہ ایمانداری اور مکمل انکشاف کے ساتھ معنی خیز سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح ایک مسلمان یہ پسند نہیں کرے گا کہ مالی معاملات میں اس کے ساتھ بدسلوکی کی جائے وہ دوسروں کے ساتھ بدسلوکی نہ کرے۔

کاروبار کرنے والوں کو ہمیشہ جھوٹ بولنے سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ بے حیائی کی طرف لے جاتا ہے اور فانی جہنم میں لے جاتا ہے۔ درحقیقت ایک شخص جھوٹ بولتا اور اس پر عمل کرتا رہے گا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا درج نہ ہو جائے۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

عظیم قربانیاں

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تشدد کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی۔ چھپ کر وہ سب کچھ چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے لگے جو وہ اپنی ملکیت اور جانتے تھے۔

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم کو پورا کیا کہ اہل مکہ کا سامان ان کو واپس کر دیا جائے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ وہ بغیر سواری والے جانور کے اکیلے نکلے ،اور اس لیے سفر انتہائی خطرناک اور مشکل تھا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1 صفحہ 83 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جب ایک صحابی شعیب رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا فیصلہ کیا تو مکہ کے غیر مسلموں نے انہیں ایسا کرنے سے روکنے کی کوشش کی۔ ان کا دعویٰ تھا کہ جب وہ پہلی بار مکہ میں داخل ہوا تو وہ غریب تھا اور وہاں کے مالی مواقع کی وجہ سے وہ دولت مند ہو گیا، اس لیے وہ اس سے فائدہ اٹھا کر اسے مکہ چھوڑنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ شعیب رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنا سارا مال پیش کیا جو اس نے مکہ میں دفن کر دیا تھا اس کے بدلے میں اسے جانے دیا گیا یا وہ اس سے لڑ سکتے تھے یہاں تک کہ ایک فریق فتح ہو جائے۔ اُنہوں نے اُس کے مال کے بدلے اُسے چھوڑنے کا انتخاب کیا۔ مدینہ منورہ پہنچنے پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مشورہ دیا کہ آپ کی تجارت سب سے زیادہ نفع بخش ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ آیت 207 نازل فرمائی۔

"اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی رضا کے لیے اپنے آپ کو بیچ ڈالتا ہے۔ اور اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔''

تفسیر ابن کثیر جلد 1 صفحہ 580 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

دھمرا رضی اللہ عنہ مکہ کے ایک امیر نابینا آدمی تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ باوجود اس کے کہ وہ مدینہ کی طرف ہجرت کے فریضہ سے مستثنیٰ تھا لیکن معذوری کی وجہ سے اس نے ثواب حاصل کرنے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جاملنے کی خواہش کی۔ ان کی وفات ہجرت کے دوران ہوئی اور ان کے بارے میں درج ذیل آیت نازل ہوئی۔ باب 4 النساء، آیت 100:

اور جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین پر بہت سی جگہیں اور فراوانی پائے گا۔ اور" جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کر کے نکلے پھر اسے موت آ جائے تو اس کا اجر اللہ پر واجب ہو چکا ہے۔ اور اللہ ہمیشہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 365-367 میں بحث ہوئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے ان مشکلات پر قابو پانے کا مطالبہ نہیں کرتا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے برداشت کیں۔ مثال کے طور پر یہ واقعہ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا ذکر کرتا ہے جس میں انہوں نے اپنے گھر والوں، گھر بار، کاروبار کو چھوڑ کر ایک اجنبی سرزمین کی طرف ہجرت کی جو سب کچھ اللہ کی رضا کے لیے ہے۔

اس کے مقابلے میں مسلمانوں کو اس وقت جن مشکلات کا سامنا ہے وہ اتنا مشکل نہیں جتنا کہ صالح پیشروؤں کو درپیش تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کو شکر گزار ہونا چاہیے کہ ان سے صرف چند چھوٹی قربانیاں کرنے کی ضرورت ہے، جیسے فرض فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے کچھ نیند کی قربانی اور فرض صدقہ کرنے کے لیے کچھ مال۔ اللہ تعالیٰ ان کو یہ حکم نہیں دے رہا ہے کہ وہ اپنے گھر اور اہل و عیال کو اس کی خاطر چھوڑ دیں۔ اس شکر کو عملی طور پر ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے ظاہر کیا جانا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ، جب کسی مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے ان مشکلات کو یاد رکھنا چاہیے جو نیک پیشروؤں کو پیش آئیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی سے ان پر کیسے قابو پایا، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ علم ایک مسلمان کو اپنی مشکلات پر قابو پانے کی طاقت فراہم کر سکتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ صالح پیش رو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب تھے، پھر بھی انہوں نے صبر کے ساتھ زیادہ سخت مشکلات کو برداشت کیا۔ درحقیقت سنن ابن ماجہ نمبر 4023 میں موجود ایک حدیث اس بات کی نصیحت کرتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے سخت ترین امتحانات کو برداشت کیا اور وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

اگر کوئی مسلمان نیک پیشروؤں کی ثابت قدمی کی پیروی کرتا ہے تو امید ہے کہ وہ آخرت میں ان کے ساتھ ہو گا۔

محبت کی علامت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ یہ نصیحت فرمائی کہ اگر آپ کو مکہ سے مدینہ ہجرت پر مجبور نہ کیا گیا تو وہ مہاجر، مہاجر بنا، تو وہ مدینہ کا مددگار بننا پسند کریں گے۔ اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اور اگر لوگوں سے کہا جاتا کہ کسی بھی وادی کی طرف سفر کریں تو وہ مدینہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وادی میں چلے جاتے۔

اس نے ایک بار یہ بھی کہا کہ مدینہ کے مددگار، اللہ ان سے راضی، ان کے گھر اور خاندان کا حصہ تھے۔

ایک اور موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ کی کہ مدینہ کے مددگاروں سے کوئی محبت نہیں کرتا سوائے ایک مومن کے اور کوئی ان سے بغض نہیں رکھتا سوائے منافق کے۔ جو ان سے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بغض رکھتا ہے۔

امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 186 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ان گنت آیات و احادیث ہیں جن میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بلند مرتبہ اور ہر موقع پر ان کی تعظیم، محبت اور پیروی کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔

ان تمام لوگوں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقی محبت کی نشانی سے محبت کرنا جو اللہ عزوجل اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے لیے، خواہ یہ ان کے بارے میں کسی کی ذاتی رائے کے خلاف ہو۔ اس محبت میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے الفاظ کے ذریعے اور زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اپنے اعمال کے ذریعے محبت کا اعلان کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ بات سب پر ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہل بیت رضی اللہ عنہم، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور صالحین اس سچی محبت کے حامل تھے۔ پس ان میں سے ہر ایک سے محبت اس شخص پر فرض ہے جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرے۔ یہ بہت سی احادیث سے ثابت ہے جیسے کہ صحیح بخاری نمبر 17 میں موجود ہے۔ اس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مددگاروں سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ کے مقدس شہر کے رہنے والوں سے محبت ہے۔ ایمان کا حصہ اور ان سے نفرت منافقت کی نشانی ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3862 میں موجود ایک اور حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو واضح طور پر تنبیہ فرمائی ہے کہ وہ کسی بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید نہ کریں کیونکہ ان سے محبت کرنا اس کی علامت ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنا اور ان سے بغض رکھنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ تعالیٰ سے بغض رکھنے کی علامت ہے۔ یہ شخص اس وقت تک کامیاب نہیں ہو گا جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کرے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 143 میں موجود ایک حدیث میں اپنے مبارک گھر والوں کے بارے میں اسی طرح کا بیان فرمایا ہے۔

اگر کوئی مسلمان کسی ایسے مسلمان پر بلاجواز تنقید کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے تو اس سے ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی کمی ثابت ہوتی ہے۔ اگر کوئی مسلمان گناہ کرتا ہے تو دوسرے مسلمانوں کو اس گناہ سے نفرت کرنی چاہیے لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے پھر بھی گناہ گار مسلمان کے لیے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کی وجہ سے اس سے محبت رکھنا چاہیے۔ اس پر درود ہو۔ دوسروں سے محبت کرنے کی علامت ان کے ساتھ حسن سلوک اور احترام سے پیش آنا ہے۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جیسا وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو ان تمام لوگوں کو ناپسند کرنا چاہیے جو ان لوگوں کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، خواہ وہ شخص رشتہ دار ہو یا اجنبی۔ ایک مسلمان کے جذبات انہیں اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت کے اس نشان کو پورا کرنے سے کبھی نہیں روک سکتے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان کو نقصان پہنچائیں بلکہ ان پر واضح کر دیں کہ اللہ

تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں سے عداوت ناقابل قبول ہے۔ اگر وہ اس منحرف رویے پر قائم رہیں تو جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کر لیں ان سے الگ ہو جانا چاہیے۔

سچ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کے بعد حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ایک مشہور و معروف یہودی عالم تھے، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر فوراً اسلام قبول کر لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نشانیوں کو پہچان لیا جن کا ذکر سابقہ الٰہی میں کیا گیا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 146:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے ایک گروہ حق کو چھپاتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں“۔

اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنبیہ کی کہ دوسرے یہودی علماء ان کا بہت احترام کرتے ہیں لیکن اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ آپ نے اسلام قبول کر لیا ہے تو وہ ان پر جھوٹ باندھیں گے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودی علماء کو بلوایا اور ان سے اس حقیقت کا اقرار کرنے کو کہا کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی تسلیم کیا ہے، تو انہوں نے انکار کر دیا۔ انہوں نے شروع میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی تعریف کی جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا ذکر کیا لیکن جب معلوم ہوا کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو انہوں نے انہیں جھوٹا قرار دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 194-195 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی اکثریت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر خوشامد اٹھانے یا غلط بیانی کے۔ اسلام کی تعلیمات جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتب کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

آسمانی خصوصیات

مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے بعد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جو سب سے پہلے نصیحت کی، ان میں سے ایک یہ بھی شامل ہے :امن پھیلانا، لوگوں کو کھانا کھلانا اور رات کو اس وقت نماز پڑھنا جب دوسرے لوگ سو رہے ہوں اور اس کے بدلے میں ان سے جنت کا وعدہ کیا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 1334 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جس چیز کی نصیحت فرمائی وہ امن پھیلانا تھا۔

صحیح بخاری نمبر 12 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام میں پائے جانے والے ایک اچھے معیار کی نصیحت کی۔ یعنی سلام کا اسلامی سلام ان لوگوں تک پہنچانا جن کو وہ جانتا ہے اور جن کو وہ نہیں جانتے۔

اس اچھی خصوصیت پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ آج کل مسلمان اکثر صرف ان لوگوں کو امن کا اسلامی سلام پھیلاتے ہیں جنہیں وہ جانتے ہیں۔ اسے سب تک پہنچانا ضروری ہے کیونکہ اس سے لوگوں میں محبت پیدا ہوتی ہے اور اسلام مضبوط ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ خصوصیت صحیح مسلم نمبر 194 میں موجود حدیث کے مطابق جنت کی طرف لے جاتی ہے۔

ایک مسلمان کو یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ دوسروں کو بھیجے جانے والے ہر سلام کے لیے کم از کم دس انعامات حاصل کریں گے چاہے دوسرے ان کا جواب نہ دیں۔ سنن ابوداؤد نمبر 5195 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی زبانی اور جسمانی نقصان کو دوسروں کے نفس اور مال سے دور رکھ کر اپنی دوسری تقریر اور عمل میں اس امن کا مظاہرہ کرتے ہوئے سلامتی کے اسلامی سلام کو صحیح طریقے سے پورا کرے۔ یہ حقیقت میں سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث کے مطابق سچے مسلمان اور مومن کی تعریف ہے۔

اگلی چیز جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی، وہ یہ تھی کہ لوگوں کو کھانا کھلایا جائے۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق عطا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر قرآن پاک میں ذکر ہے کہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا تو وہ انہیں یاد کرے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 152:

"...پس مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد رکھوں گا

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دوسروں کو کھانا کھلانا بھی ایسا ہی ہے۔ اس عمل کو انجام دینے والے کو جنت کا کھانا کھلایا جائے گا اور جو دوسرے کو پلائے گا اسے قیامت کے دن جنت کا پانی پلایا جائے گا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2449 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6236 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسلام کی بہترین قسم کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دوسروں کو کھانا کھلانا اور خوش اخلاقی سے بات کرنا اسلام کی بہترین خصلتیں ہیں۔

مسلمانوں کو اس نیک عمل پر عمل کرنے کو اولین ترجیح بنانا چاہئے اور دوسروں کو خاص طور پر غریبوں کو مستقل بنیادوں پر کھانا کھلانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ یہ ایک حیرت انگیز عمل ہے جس کے لیے زیادہ دولت کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر شخص کو چاہیے کہ اپنی استطاعت کے مطابق دوسروں کو کھلائے خواہ نصف کھجور ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1417 کی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی ہے کہ اس سے ان کی حفاظت ہوگی۔ قیامت کے دن جہنم کی آگ۔ اس سے لوگوں کو اس نیک عمل سے باز رہنے کا کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔

آخری چیز جس کی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی وہ یہ تھی کہ رات کی نماز اس وقت ادا کی جائے جب دوسرے لوگ سو رہے ہوں۔

صحیح بخاری نمبر 1145 میں موجود ایک الوہی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر رات اپنی لامحدود شان کے مطابق قریب ترین آسمان پر نزول فرماتا ہے اور لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اس سے دعا کریں۔ ان کی ضروریات پوری کریں تاکہ وہ ان کو پورا کر سکے۔

رات کی رضاکارانہ عبادت اللہ تعالیٰ کے تئیں انسان کے اخلاص کو ثابت کرتی ہے کیونکہ کوئی دوسری آنکھ انہیں نہیں دیکھ رہی ہوتی۔ اسے پیش کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مباشرت کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور یہ اس کی بندگی کی علامت ہے۔ اس کے بے شمار فضائل ہیں مثال کے طور پر سنن نسائی نمبر 1614 میں موجود ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ یہ سب سے افضل نماز ہے۔

قیامت کے دن یا جنت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کسی کا درجہ نہیں ہو گا اور یہ درجہ براہِ راست رات کی نماز سے مربوط ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ رات کو نفلی نماز قائم کرتے ہیں انہیں دونوں جہانوں میں اعلیٰ درجات سے نوازا جائے گا۔ باب 17 الاسراء، آیت 79:

اور رات کے کچھ حصے سے، اس کے ساتھ نماز پڑھو]یعنی قرآن کی تلاوت [اپنے لیے اضافی" "]عبادت [کے طور پر۔ امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو ایک قابل تعریف مقام پر اٹھائے گا۔

جامع ترمذی نمبر 3579 میں ایک حدیث ہے کہ مسلمان رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر اس وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے تو بے شمار نعمتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔

تمام مسلمان چاہتے ہیں کہ ان کی دعائیں قبول ہوں اور ان کی حاجتیں پوری ہوں۔ لہٰذا انہیں رات کی نماز نفلی ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 1770 میں موجود حدیث ہے کہ ہر رات میں ایک خاص گھڑی ہوتی ہے جب اچھی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

نفلی رات کی نماز کا قیام گناہوں سے بچنے کا ایک بہترین طریقہ ہے، یہ انسان کو فضول اجتماعات سے دور رہنے میں مدد دیتا ہے اور یہ انسان کو بہت سی جسمانی بیماریوں سے بچاتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3549 میں ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

رات کی نماز کے لیے تیاری کرنی چاہیے، خاص طور پر سونے سے پہلے زیادہ کھانے پینے سے نہیں، کیونکہ یہ سستی کو جنم دیتی ہے۔ کسی کو دن میں غیر ضروری طور پر خود کو تھکانا نہیں چاہئے۔ دن میں ایک مختصر جھپکی اس میں مدد کر سکتی ہے۔ آخر میں گناہوں سے بچنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے کوشش کرنی چاہیے، اس کے احکام کو بجا لاتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا مقابلہ صبر کے ساتھ کرنا چاہیے کیونکہ فرمانبرداروں کو شب قدر کی نماز ادا کرنا آسان ہے۔

مکمل جمع کروانا

بعض صحابہ کرام جو پہلے اہل کتاب میں سے تھے جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہا اور اپنے سابقہ دین کی ان تعلیمات پر عمل کرنا چاہا جو تعلیمات سے متصادم نہ ہوں۔ اسلام کا اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیات میں انہیں تنبیہ کی ہے کہ اس طرح کا برتاؤ نہ کریں کیونکہ اسلام کے علاوہ کوئی صحیح رہنمائی نہیں ہے۔ باب 2 البقرہ، آیات 208-209:

اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ بے شک" وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ لیکن اگر تمہارے پاس واضح دلیلیں آ جانے کے بعد تم پھسل جاؤ تو جان "لو کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

تفسیر القرطبی جلد 1 صفحہ 531 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

شیطان کا مقصد مسلمانوں کو قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر عمل کرنے سے روکنا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ان کی نجات اسی میں ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو ہدایت کے ان دو ذرائع پر سب سے بڑھ کر عمل کرنا چاہیے۔

سنن ابو داؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ ہر وہ معاملہ جس کی بنیاد اسلام پر نہ ہو اسے رد کر دیا جائے گا۔

اگر مسلمان دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں دائمی کامیابی چاہتے ہیں تو انہیں قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل کرنا چاہیے۔ اگرچہ بعض اعمال جو براہ راست ہدایت کے ان دو ذرائع سے نہیں کیے گئے ہیں ان کو پھر بھی ایک صالح عمل قرار دیا جا سکتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو باقی تمام چیزوں پر ترجیح دی جائے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں ذرائع سے نہ لینے والی چیزوں پر جتنا زیادہ عمل کرے گا خواہ وہ عمل صالح ہی کیوں نہ ہو ہدایت کے ان دونوں ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ کتنے مسلمانوں نے اپنی زندگیوں میں ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جن کی رہنمائی کے ان دو ذرائع میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ ثقافتی عادات گناہ نہیں ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کو ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے سے روک دیا ہے کیونکہ وہ اپنے طرز عمل سے مطمئن ہیں۔ یہ ہدایت کے دو ذرائع سے ناواقفیت کا باعث بنتا ہے جس کے نتیجے میں صرف گمراہی ہی ہوتی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھے اور ان پر عمل کرے جو راہنماؤں کے ذریعہ قائم کیے گئے ہیں اور اس کے بعد ہی دوسرے رضاکارانہ اعمال صالحہ پر عمل کرنا چاہیے اگر اس کے پاس ایسا کرنے کے لیے وقت اور توانائی ہو۔ لیکن اگر وہ جاہلیت کا انتخاب کریں اور عمل کو اختیار کریں اگرچہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کے گناہ ہی کیوں نہ ہوں۔

دنیا کے لیے محبت

بہت سی مختلف احادیث اور واقعات درج کیے گئے ہیں جن میں ان کے زمانے کے بہت سے یہودی اور عیسائی علماء کی طرف سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انکار اور اسلام کے بارے میں بحث کی گئی ہے، حالانکہ ان کا پورا یقین تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ سلام ہو ان پر، جنہیں انہوں نے اپنے آسمانی صحیفوں سے پہچانا۔ باب 2 البقرہ، آیت 146:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے ایک گروہ حق کو چھپاتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں“۔

مثال کے طور پر دو یہودی علماء ایک دفعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کرکے واپس آئے۔ ان میں سے ایک نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی کہ بلاشبہ وہ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جیسا کہ انہوں نے اپنے آسمانی صحیفوں میں درج نشانیوں سے آپ کو پہچانا۔ لیکن پھر اس نے خدائے بزرگ و برتر کی قسم کھائی کہ جب تک وہ زندہ رہیں گے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنی کا برتاؤ رکھیں گے۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 197 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ان کے اس رویے کی دو بڑی وجوہات دولت اور سماجی حیثیت سے ان کی شدید محبت تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنا سماجی اثر و رسوخ اور اس سے حاصل ہونے والی دولت سے محروم ہو جائیں گے۔ وہ اپنے قبیلوں اور مذہب کے پیشوا ہونے سے لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عام پیروکار بن جائیں گے۔

جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مال و دولت کی خواہش ایمان کے لیے دو بھوکے بھیڑیوں کی ہلاکت سے زیادہ تباہ کن ہے۔ بھیڑوں کا ایک ریوڑ.

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہی کسی مسلمان کا ایمان محفوظ رہے اگر وہ دنیا میں دولت اور شہرت کی تمنا کرے جس طرح شاید ہی کسی بھیڑ کو دو بھوکے بھیڑیوں سے نجات ملے۔ لہٰذا اس عظیم مثال میں دنیا میں زیادہ دولت اور سماجی حیثیت کے بعد حرص کی برائی کے خلاف سخت تنبیہ ہے۔

دولت کی طلب کی پہلی قسم وہ ہے جب کسی کو دولت سے شدید محبت ہو اور وہ اسے حلال ذرائع سے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اس طرح کا برتاؤ عقلمند شخص کی علامت نہیں ہے کیونکہ ایک مسلمان کو پختہ یقین رکھنا چاہئے کہ ان کے رزق کی ضمانت ہے اور یہ تقسیم کبھی نہیں بدل سکتی۔ درحقیقت خلقت کا رزق زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مختص کیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ شخص بلا شبہ اپنے فرائض میں کوتاہی کرے گا کیونکہ وہ دولت کے حصول میں بہت زیادہ مشغول ہے۔ جو جسم دولت کے حصول میں بہت مصروف ہو وہ آخرت کے لیے کبھی بھی مناسب تیاری نہیں کر سکتا۔ درحقیقت یہ شخص دولت کے حصول کے لیے اتنی محنت کرے گا کہ اسے اس سے لطف اندوز ہونے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ اس کے بجائے، وہ اس دنیا کو چھوڑ دیں گے اور اسے دوسرے لوگوں کے لئے لطف اندوز کرنے کے لئے چھوڑ دیں گے، اگرچہ اس کے لئے انہیں جوابدہ کیا جائے گا .یہ شخص حلال طریقے سے دولت حاصل کر سکتا ہے لیکن پھر بھی اسے ذہنی سکون نہیں ملے گا کیونکہ وہ جتنا بھی حاصل کر لیں وہ صرف اور کی خواہش کرے گا۔ یہ شخص محتاج ہے اور اس لیے حقیقی مفلس ہے خواہ اس کے پاس بہت زیادہ مال ہو۔

ایک ہی خواہش جو فائدہ مند ہے وہ ہے حقیقی دولت جمع کرنے کی خواہش، یعنی اعمال صالحہ تاکہ واپسی کے دن کی تیاری ہو۔

دوسری قسم کی دولت کی طلب پہلی قسم کی طرح ہے لیکن اس کے علاوہ یہ قسم کے لوگ ناجائز ذرائع سے مال حاصل کرتے ہیں اور لوگوں کے حقوق مثلاً صدقہ فطر ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد احادیث میں اس کے خلاف تنبیہ فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر صحیح مسلم نمبر 6576 میں موجود ایک حدیث میں آپ نے تنبیہ کی کہ اس رویے نے پچھلی امتوں کو تباہ کر دیا کیونکہ انہوں نے حرام چیزوں کو حلال کیا، دوسروں کے حقوق کو روکا اور مال کی زیادتی کی خاطر دوسروں کو قتل کیا۔ یہ شخص اس دولت کے لیے کوشش کرتا ہے جس کا وہ حقدار نہیں ہے جس سے بے شمار کبیرہ گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ جب کوئی یہ رویہ اختیار کرتا ہے تو وہ شدید لالچی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ کیا ہے کہ جامع ترمذی نمبر 1961 میں موجود ایک حدیث میں لالچی شخص اللہ تعالیٰ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور اور جہنم کے قریب ہوتا ہے۔ درحقیقت سنن نسائی میں موجود ایک حدیث نمبر 3114 میں خبردار کیا گیا ہے کہ ایک سچے مسلمان کے دل میں شدید لالچ اور سچا ایمان کبھی جمع نہیں ہو سکتا۔

اگر کوئی مسلمان اس قسم کی حرص کو اختیار کرے تو اس کا شدید خطرہ ان پڑھ مسلمان پر بھی واضح ہے۔ یہ ان کے ایمان کو تب تک تباہ کر دے گا جب تک کہ تھوڑی سی چیز کے سوا کچھ باقی نہ رہے جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ کسی کے ایمان کی یہ تباہی دو بھوکے بھیڑیوں کی تباہی سے زیادہ شدید ہے جنہیں بکریوں کے ریوڑ پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ مسلمان اپنی موت کے وقت اپنے پاس موجود تھوڑے سے ایمان کو کھونے کا خطرہ رکھتا ہے، جو کہ سب سے بڑا نقصان ہے۔ ایک شخص کی شہرت اور رتبے کی خواہش اس کے ایمان کے لیے زیادہ دولت کی خواہش سے زیادہ تباہ کن ہے۔ ایک شخص اکثر اپنی محبوب دولت کو شہرت اور وقار کے حصول پر خرچ کرتا ہے۔

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص مقام و شہرت حاصل کر کے صحیح راستے پر قائم رہے جس کے تحت وہ مادی دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 6723 میں موجود ایک حدیث میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص معاشرے میں قیادت جیسے مقام کی تلاش میں ہے اسے خود اس سے نمٹنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا لیکن اگر کوئی اسے مانگے بغیر حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا۔ اعلیٰ، اس کے فرمانبردار رہنے میں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایسے شخص کا تقرر نہیں کرتے تھے جو کسی منصب پر فائز ہونے کی درخواست کرتا ہو یا اس کی خواہش بھی ظاہر کرتا ہو۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6923 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ صحیح بخاری نمبر 7148 میں موجود ایک اور حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ لوگ مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے خواہش مند ہوں گے لیکن قیامت کے دن ان کے لیے یہ بڑی پشیمانی ہوگی۔ یہ ایک خطرناک خواہش ہے کیونکہ

یہ انسان کو اس کو حاصل کرنے کے لیے شدید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے اور پھر اسے برقرار رکھنے کے لیے مزید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے خواہ یہ ظلم اور دیگر گناہوں کی ترغیب دے۔

رتبہ کی خواہش کی بدترین قسم وہ ہے جب کوئی اسے مذہب کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2654 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ شخص جہنم میں جائے گا۔

لہٰذا ایک مسلمان کے لیے زیادہ مال و دولت اور اعلیٰ سماجی رتبے کی خواہش سے بچنا زیادہ محفوظ ہے کیونکہ یہ دو چیزیں ہیں جو آخرت کی تیاری سے غافل ہو کر اس کے ایمان کی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔

فائن اتحادی

کچھ یہودی علماء جیسے کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے بعد، ان کے بہت سے قبائلیوں نے انہیں چھوڑ دیا اور ان سے صحبت نہ رکھنے کی قسم کھائی، جو ان کے لیے مشکل تھا کیونکہ وہ ان کے خاندان اور دوست تھے۔ .اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدۃ آیت 55 تا 56 نازل فرمائی۔

”تمہارا حلیف اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والوں کے سوا کوئی نہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور رکوع کرتے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کا حلیف ہے، یقیناً اللہ کی جماعت ہے، وہی غالب ہوں گے۔“

یہ آیات سن کر عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو ولی مان لیا۔ اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 5:55، صفحہ 69 میں بحث کی گئی ہے۔

اخلاص اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی جماعت میں شامل ہونا چاہیے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام کا اخلاص ہے :اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب، معنی، قرآن پاک، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف۔ اور ان پر، معاشرے کے رہنماؤں اور عام لوگوں پر درود و سلام۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف سے دیے گئے تمام فرائض کو احکام و ممنوعات کی صورت میں ادا کرنا، صرف اس کی رضا کے لیے۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ سب ان کی نیت سے پرکھیں گے۔ پس اگر کوئی نیک عمل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص نہ ہو تو اسے نہ دنیا میں اجر ملے گا اور نہ آخرت میں۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جن لوگوں نے گستاخیاں کیں ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اجر طلب کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ باب 98 البیینہ، آیت 5۔

"اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لیے خالص ہو کر۔"

اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ اخلاص کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ صدق دل سے توبہ کریں اور ان سب کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر کبھی بھی ایسے فرائض کا بوجھ نہیں ڈالتا جو وہ انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی نبھا سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286۔

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

کے لیے مخلص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی اور دوسروں کی خوشنودی پر اس کی رضا کو پسند کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ ان اعمال کو ترجیح دینی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ دوسروں سے محبت کرے اور اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسند کرے نہ کہ اپنی خواہشات کے لیے۔ جب وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں یا گناہوں میں حصہ لینے سے انکار کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔ جس نے اس ذہنیت کو اپنایا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

قرآن پاک کے ساتھ اخلاص میں اللہ تعالیٰ کے کلام کے لیے گہرا احترام اور محبت شامل ہے۔ یہ اخلاص اس وقت ثابت ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن کریم کے تین پہلوؤں کو پورا کرتا ہے۔ سب سے پہلے اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا اس کی تعلیمات کو معتبر ذریعہ اور استاد کے ذریعے سمجھنا ہے۔ آخری پہلو یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات پر اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے مقصد سے عمل کیا جائے۔ مخلص مسلمان اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کو اپنی خواہشات پر عمل کرنے پر ترجیح دیتا ہے جو قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ اپنے کردار کو قرآن پاک پر ڈھالنا اللہ کی کتاب کے ساتھ سچے اخلاص کی علامت ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے جس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 1342 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی چیز جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے وہ ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

اگلی بات جو زیر بحث مرکزی حدیث میں مذکور ہے وہ جماعت کے قائدین کا مخلص ہونا ہے۔ اس میں انہیں بہترین مشورے کی پیشکش کرنا اور ان کے اچھے فیصلوں میں کسی بھی ضروری طریقے سے مدد کرنا شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جسمانی مدد۔ امام مالک کی موطا، کتاب نمبر 56، حدیث نمبر 20 میں موجود ایک حدیث کے مطابق اس فرض کو ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ باب 4 النساء آیت 59:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہیں..."

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاشرے کے سربراہان کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں اگر یہ خالق کی نافرمانی کا باعث بنے۔ اس طرح کے معاملات میں لیڈروں کے خلاف بغاوت کرنے سے گریز کیا جانا چاہیے کیونکہ اس سے صرف معصوم لوگوں کا ہی نقصان ہوتا ہے۔ اس کے بجائے قائدین کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی سے نیکی اور برائی سے منع کرنا چاہیے۔ دوسروں کو اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کرنی چاہیے اور ہمیشہ راہنماؤں سے صحیح راستے پر چلنے کی دعا کرنی چاہیے۔ لیڈر سیدھے رہیں گے تو عوام بھی سیدھے رہیں گے۔

لیڈروں کے ساتھ دھوکہ کرنا منافقت کی علامت ہے جس سے ہر وقت بچنا چاہیے۔ اخلاص میں ان معاملات میں ان کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے جو معاشرے کو بھلائی پر اکٹھا کرتے ہیں اور ہر اس چیز سے تنبیہ کرتے ہیں جو معاشرے میں خلل پیدا کرے۔

زیر بحث مرکزی حدیث میں آخری چیز جو عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں

کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے‘‘۔’’

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے‘‘۔’’

مدینہ منورہ میں جمعہ کا پہلا خطبہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ خطبہ ہے جو آپ نے پہلے جمعہ کو مدینہ میں ادا کیا:

الحمد للہ اللہ تعالیٰ میں اس کی تعریف کرتا ہوں، اور میں اس سے مدد مانگتا ہوں۔ میں اس کی بخشش اور اس کی ہدایت کا سوال کرتا ہوں۔ میں اس پر ایمان رکھتا ہوں، اس سے کفر نہیں کروں گا، اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان سے جنگ کروں گا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں جنہیں اس نے ہدایت اور دین حق اور نور کے ساتھ بھیجا ہے، ایسے وقت میں جب رسولوں کے بغیر کوئی علم نہ ہو، لوگ گمراہ ہیں، جب وقت ختم ہو گیا ہے، اور عذاب اور قسمت کا دن قریب ہے .جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ ہدایت یافتہ ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہو گیا اور گمراہ ہو گیا اور بہت دور گمراہ ہو گیا۔ میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی تاکید کرتا ہوں۔ یہ وہ بہترین نصیحت ہے جو ایک مسلمان کسی مسلمان کو دے سکتا ہے، اسے آخرت کی ترغیب دینا، اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دینا۔ ہوشیار رہو جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے خود تمہیں خبردار کیا ہے۔ اس سے بہتر کوئی نصیحت اور چارج نہیں ہے۔ یہ ان لوگوں کے لیے تقویٰ کا عمل ہے جو خوف اور خوف کے ساتھ اس کو پورا کرتے ہیں اور آخرت کے لیے آپ کی آرزوؤں میں مدد کا ایک حقیقی ذریعہ ہے۔ جو شخص کھلے اور چھپے دونوں طرح کاشت کرتا ہے، اللہ عزوجل کے ساتھ اس کا تعلق، صرف اس کی رضا کے لیے، اس کے ذریعے اسے قلیل مدت میں پہچان اور اجر ملے گا، جب آدمی چاہے گا کہ اس نے پہلے سے مختلف کام کیے ہوں گے۔ اور اپنے اور اس رویے کے درمیان کافی فاصلہ رکھنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے ڈرنے کا حکم دیتا ہے حالانکہ وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ جو کوئی اس کی باتوں پر ایمان لائے اور اس کے وعدے کو پورا کرے وہ اللہ کے لیے اس میں سے کچھ بھی واپس نہیں پائے گا، ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ میں جو کچھ کہوں گا اسے تبدیل نہیں کیا جائے گا اور میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔)باب 50 ق، آیت 29(۔ اللہ سے ڈرو، سامنے آنے والے اور اس کے پیچھے آنے والے، چھپے اور کھلے، کیونکہ ..."جو اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کی برائیاں اس سے دور کر دیتا ہے اور اسے اجر عظیم عطا کرتا ہے۔) "باب 65 الطلاق، آیت 5(۔ اور ’’جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اس نے بڑی کامیابی حاصل کی‘‘۔)باب 33 الاحزاب، آیت 71(۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اس کی ناراضگی، اس کے عذاب اور اس کے غضب کو روک دے گا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے سے اطمینان حاصل ہوگا، رب کو راضی کیا جائے گا اور درجات بلند ہوں گے۔ اپنی خوش نصیبی سے فائدہ اٹھائیں اور اللہ تعالیٰ کے معاملات میں سستی نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی کتاب میں ہدایت دی ہے، آپ کے لیے اپنا راستہ بتا دیا ہے، تاکہ وہ سچ

بولنے والوں اور جھوٹ بولنے والوں کو ظاہر کرے۔ نیکی کرو جس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بھلائی کرتا ہے۔ اس کے دشمنوں کا مقابلہ کرو اور اللہ تعالیٰ کے لیے بھرپور جدوجہد کرو۔ وہی ہے جس نے آپ کو منتخب کیا اور آپ کا نام مسلمان رکھا، تاکہ ہلاک ہونے والے ظاہری وجہ سے ایسا کریں اور جو زندہ ہیں وہ واضح وجہ کے ساتھ کریں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی طاقت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا کرو۔ موت کے بعد آنے والی چیزوں کے لیے کوشش کریں۔ کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو بہتر بنائے گا وہ لوگوں کے ساتھ اپنے تعلق کو تسلی بخش پائے گا۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ کرتا ہے، جب کہ وہ اس پر فیصلہ نہیں کرتے۔ یہ وہ ہے جو لوگوں کو کنٹرول کرتا ہے، جبکہ وہ اس پر قابو نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ واقعی عظیم ہے! اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی طاقت نہیں ہے جو بلند و بالا ہے۔ ''یہ امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 2، صفحہ 197-199 میں درج ہے۔

زمین پر بہترین مقامات

مدینہ منورہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا میں اینٹوں سے بنائی گئی تھی جس کے اوپر کھجور کے پتوں سے بنی ہلکی چھت تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اس میں کوئی بہتری نہیں کی۔ لیکن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے دوران اس کی توسیع کی اور اس کی دوبارہ تعمیر اسی طرح کی جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کی گئی تھی، یعنی اینٹوں اور کھجور کے پتوں سے۔ اس کے لکڑی کے ستونوں کو بھی بحال کیا۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے دوران اس میں تبدیلیاں اور بڑے اضافے کیے۔ اس نے اس کی دیواریں کٹے ہوئے پتھر اور پلستر سے بنائی تھیں، اس کے ستون پتھر کے اور اس کی چھت ساگوان کی تھی۔ وہ سنن ابن ماجہ نمبر 738 میں موجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کو عملی جامہ پہنا رہے تھے۔ اس میں یہ نصیحت ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مسجد بناتا ہے، خواہ وہ چھوٹی ہی کیوں نہ ہو۔ چڑیا کا گھونسلہ ہو یا چھوٹا، اللہ تعالیٰ ان کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 2، صفحہ 201-202 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 1528 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب جگہیں مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہیں بازار ہیں۔

اسلام مسلمانوں کو مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ جانے سے منع نہیں کرتا۔ اور نہ ہی یہ انہیں ہمیشہ مساجد میں رہنے کا حکم دیتا ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ باجماعت نمازوں کے لیے مساجد میں جانے اور مذہبی اجتماعات میں شرکت کو غیر ضروری طور پر بازاروں میں جانے سے زیادہ ترجیح دیں۔

جب ضرورت پیش آئے تو دوسری جگہوں مثلاً شاپنگ سینٹرز میں جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن مسلمان کو چاہیے کہ وہ بلا ضرورت وہاں جانے سے گریز کرے کیونکہ یہ وہ جگہیں ہیں

جہاں گناہ زیادہ ہوتے ہیں۔ جبکہ مساجد سے مراد گناہوں سے پناہ گاہ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے ایک آرام دہ جگہ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ جس طرح ایک طالب علم لائبریری سے استفادہ کرتا ہے جیسا کہ یہ مطالعہ کے لیے ایک ماحول ہے، اسی طرح مسلمان بھی مساجد سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں کیونکہ ان کا مقصد مسلمانوں کو مفید علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دینا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر سکیں۔

ایک مسلمان کو نہ صرف مساجد کو دوسری جگہوں پر ترجیح دینی چاہیے بلکہ انہیں دوسروں جیسے کہ اپنے بچوں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دینی چاہیے۔ درحقیقت یہ نوجوانوں کے لیے گناہوں، جرائم اور بری صحبت سے بچنے کے لیے بہترین جگہ ہے جس سے دونوں جہانوں میں مصیبت اور پشیمانی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپارٹمنٹس

سادہ رہائش

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مسجد کے اردگرد اپارٹمنٹس بنائے جو اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے رہائش گاہیں ہوں گے۔ یہ چھوٹے چھوٹے مکانات تھے جن میں تنگ صحن تھے۔ وہ سائز میں چھوٹے تھے، کیونکہ ایک بالغ شخص کھڑے ہوتے ہوئے ان اپارٹمنٹس یہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 207 میں کی بلند ترین چھت کو چھو سکتا ہے۔
درج ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2482 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ تمام حلال خرچ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ہے، سوائے اس مال کے جو عمارتوں پر خرچ کیا جائے۔

اس میں حلال چیزوں پر خرچ کرنا بھی شامل ہے جو اسراف، فضول خرچی یا اسراف سے پاک ہے۔ جو تعمیر ضروری ہو اس پر خرچ کرنا اس حدیث میں شامل نہیں ہے بلکہ وہ تعمیر ہے جو ضرورت سے باہر ہو۔ یہ ناپسندیدہ ہے کیونکہ تعمیرات پر خرچ آسانی سے فضول خرچی اور اسراف کا باعث بنتا ہے۔ اس کے علاوہ جو شخص تعمیرات پر مال خرچ کرتا ہے اس کا صدقہ دینے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرنے کا امکان کم ہے۔ نیز یہ طرز عمل اکثر ایک مسلمان کو لمبی زندگی کی امیدوں کو اپنانے کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ جو یہ سمجھتا ہے کہ اس دنیا میں ان کا قیام بہت مختصر ہے وہ ایک خوبصورت گھر بنانے میں توانائی اور دولت کو ضائع نہیں کرے گا۔ لمبی عمر کی جتنی زیادہ امیدیں ہوں گی اتنے ہی کم نیک اعمال انجام دیں گے اس یقین کے ساتھ کہ وہ مستقبل میں ہمیشہ اچھے کام انجام دے سکتے ہیں۔ یہ کسی کو مخلصانہ توبہ میں تاخیر کرنے کا سبب بھی بنتا ہے یہ یقین رکھتے ہوئے کہ وہ مستقبل میں ہمیشہ بہتر کے لیے بدل سکتے ہیں۔ آخر میں، یہ اس دنیا میں اپنے طویل قیام کے لیے زیادہ آرام دہ زندگی پیدا کرنے کے لیے دنیا کے لیے مزید کوششیں وقف کرنے کا سبب بنتا ہے۔

غیر ضروری تعمیرات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا انسان کے لیے وقت گزارتا ہے جو کہ اسے انتہائی تھکاوٹ کے باعث نفلی اعمال مثلاً روزہ اور رات کی نماز ادا کرنے سے روکتا ہے۔ یہ انہیں اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنے سے بھی روکتا ہے۔

آخر کار، حقیقت میں غیر ضروری تعمیرات میں حصہ لینا کبھی ختم نہیں ہوتا۔ مطلب، جس لمحے کوئی شخص اپنے گھر کا ایک حصہ مکمل کر لیتا ہے وہ اس وقت تک دوسرے حصے میں چلا جاتا ہے جب تک کہ سائیکل خود کو دہرا نہ جائے۔

،لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ تمام چیزوں کے حوالے سے جو ان کی ضرورت کے مطابق ہے صرف تعمیرات ہی پر عمل کریں تاکہ وہ ان منفی نتائج سے بچ سکیں۔

نماز کی اذان

کامیابی کے لیے کال کریں۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیر کے بعد لوگوں کو ہوشیار رہنے کی ضرورت تھی کہ مسجد میں باجماعت نماز کب شروع ہونے والی تھی۔ کچھ نصیحتیں کی گئیں، جیسے ہارن یا گھنٹی کا استعمال، لیکن ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رد کر دیا، کیونکہ آپ اہل کتاب کی تقلید نہیں کرنا چاہتے تھے۔ کسی نے مشورہ دیا کہ جب نماز باجماعت شروع ہونے والی ہو تو آدمی پکارے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اختیار کو پسند فرمایا۔ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے ایک خواب دیکھا جس میں ایک شخص نے انہیں حکم دیا کہ اذان کس چیز پر مشتمل ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کو نماز باجماعت کے لیے اذان دینے کا حکم دیا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 731-733 میں بحث کی گئی ہے۔

سب سے پہلے غور کرنے والی بات یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اذان دینے کے لیے ایک ایتھوپیا کے سابق غلام کا انتخاب کیا، ایسا شخص جسے عرب کا وسیع تر معاشرہ اس کی نسلی اور سماجی حیثیت کی وجہ سے اکثر حقیر سمجھتا تھا۔ .اس سے اسلام میں مساوات کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6543 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ ان کے ظاہری شکل وصورت یا مال کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی باطنی نیت کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔ اور ان کے جسمانی اعمال۔

سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی کوئی بھی کام کرتے ہیں تو ہمیشہ اپنی نیت کو درست کرنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اسے صرف اس صورت میں اجر دے گا جب وہ اس کی رضا کے لیے عمل صالح کریں گے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں اور چیزوں کی خاطر اعمال انجام دیتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ حدیث اسلام میں مساوات کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک شخص دنیاوی چیزوں جیسے اس کی نسل یا دولت کے لحاظ سے دوسروں سے برتر نہیں ہے۔ حالانکہ بہت سے مسلمانوں نے سماجی ذاتوں اور فرقوں جیسی یہ رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں اس طرح بعض کو دوسروں سے بہتر مانتے ہوئے اسلام نے واضح طور پر اس تصور کو رد کر دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اسلام کی نظر میں اس لحاظ سے تمام لوگ برابر ہیں۔ صرف ایک چیز جو ایک مسلمان کو دوسرے پر ،فضیلت بخشتی ہے وہ ہے ان کی تقویٰ کا مطلب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو کتنا پورا کرتے ہیں اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

”بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے“۔

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے آپ کو مشغول رکھ کر اس کے حقوق اور لوگوں کے حقوق ادا کرے اور اس بات پر یقین نہ کرے کہ جو چیز ان کے پاس ہے یا اس سے تعلق رکھتی ہے وہ کسی طرح انہیں عذاب سے بچا لے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ جس مسلمان میں اعمال صالحہ کی کمی ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ ان کے نسب کی وجہ سے درجہ بندی .حقیقت میں، یہ تمام دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دولت، نسل، جنس یا سماجی بھائی چارے اور ذات پات۔

آخر میں یہ واقعہ بھی تعلیم کی خاطر مساجد میں جانے اور فرض نمازیں جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

قرآن پاک عام طور پر مسجد میں جماعت کے ساتھ فرض نماز ادا کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 43:

‘‘اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔’’

درحقیقت اس آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی بنا پر بعض معتبر علماء نے اس کو مسلمان مردوں پر واجب قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر سنن ابوداؤد نمبر 550 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو مسلمان اپنی فرض نمازیں مسجد میں باجماعت ادا نہیں کریں گے انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے منافق قرار دیا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مردوں کے گھروں کو جلانے کی دھمکی بھی دی تھی جو بغیر کسی عذر کے باجماعت مسجد میں اپنی فرض نمازیں ادا کرنے میں ناکام رہے تھے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 1482 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ جو مسلمان اس اہم عمل کو انجام دینے کی پوزیشن میں ہوں وہ کریں۔ انہیں یہ دعویٰ کرنے میں خود کو بیوقوف نہیں بنانا چاہئے کہ وہ دوسرے نیک کام انجام دے رہے ہیں جیسے کہ گھر کے کاموں میں اپنے خاندان کی مدد کرنا۔ یوں تو صحیح بخاری نمبر 676 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے، لیکن ضروری ہے کہ آپ کی روایات کی اہمیت کو اپنی خواہشات کے مطابق ترتیب نہ دیا جائے۔ جو کوئی ایسا کرتا ہے وہ اس کی روایات کی پیروی نہیں کر رہا ہے وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا ہے خواہ وہ نیک عمل ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔ درحقیقت اسی حدیث کا اختتام اس نصیحت سے ہوتا ہے کہ جب فرض نماز کا وقت ہوتا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد کی طرف روانہ ہوتے۔

مہربان علاج

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کے مختلف مسلم اور غیر مسلم گروہوں کے درمیان معاہدہ کیا۔ اس میں یہ بھی شامل تھا کہ مدینہ کے غیر مسلموں جیسا کہ یہودیوں کے ساتھ کبھی بدسلوکی نہیں کرنی چاہیے اور نہ ہی کسی مسلمان کو ان کے خلاف ناانصافی کرنے والے کی مدد کرنی چاہیے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 213 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچے مسلمان اور سچے مومن کی نشانیاں بتائی ہیں۔ ایک سچا مسلمان وہ ہے جو دوسروں کی زبانی اور جسمانی اذیت کو دور رکھے۔ اس میں درحقیقت تمام لوگ شامل ہیں خواہ ان کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس میں ہر قسم کے زبانی اور جسمانی گناہ شامل ہیں جو کسی دوسرے کو نقصان یا تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔ اس میں دوسروں کو بہترین نصیحت نہ کرنا بھی شامل ہے کیونکہ یہ دوسروں کے ساتھ اخلاص کے خلاف ہے جس کا حکم سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اس میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تلقین کرنا اور گناہوں کی طرف دعوت دینا بھی شامل ہے۔ .ایک مسلمان کو اس رویے سے بچنا چاہیے کیونکہ ہر اس شخص سے حساب لیا جائے گا جو ان کی بری نصیحت پر عمل کرے گا۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

جسمانی نقصان میں دوسرے لوگوں کی روزی روٹی کے لیے مسائل پیدا کرنا، دھوکہ دہی کا ارتکاب کرنا، دوسروں کو دھوکہ دینا اور جسمانی زیادتی شامل ہے۔ یہ تمام خصوصیات اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں اور ان سے بچنا چاہیے۔

زیر بحث اصل حدیث کے مطابق سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کے نقصان کو دور رکھے۔ ایک بار پھر، یہ تمام لوگوں پر لاگو ہوتا ہے قطع نظر ان کے عقیدے کے۔ اس میں چوری کرنا، غلط استعمال کرنا یا دوسروں کی املاک اور سامان کو نقصان پہنچانا شامل ہے۔ جب

بھی کسی کو کسی دوسرے کی جائیداد سونپ دی جائے تو اسے یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اسے صرف مالک کی اجازت سے اور اس طریقے سے استعمال کریں جو مالک کو خوش اور راضی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 5421 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص جھوٹی قسم کے ذریعے کسی دوسرے کا مال ناجائز طور پر لے، چاہے وہ ایک ٹہنی کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ درخت جہنم میں جائے گا۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے زبانی اعلان کو عمل سے سپورٹ کرے کیونکہ یہ کسی کے عقیدے کا جسمانی ثبوت ہیں جو قیامت کے دن کامیابی حاصل کرنے کے لیے درکار ہوں گے۔ اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے بارے میں سچے عقیدے کی خصوصیات کو پورا کرنا چاہیے۔ لوگوں کے ساتھ اس کو حاصل کرنے کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں، جو کہ احترام اور امن کے ساتھ ہے۔

مدد کرنے والوں اور مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھی مہاجرین، مہاجرین و مددگار، انصار، اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا۔ آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں بھائی بھائی بننے کی تلقین کی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 215 میں بحث کی گئی ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ منقسم ہو جاتے ہیں اور وہ مضبوط تعلق کھو دیتے ہیں جو کبھی ایک دوسرے کے ساتھ تھا۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں لیکن ایک بڑا سبب وہ بنیاد ہے جس پر ان کے والدین اور رشتہ داروں نے ان کا تعلق قائم کیا تھا۔ یہ عام طور پر جانا جاتا ہے کہ جب عمارت کی بنیاد کمزور ہوتی ہے تو عمارت یا تو وقت کے ساتھ خراب ہوجاتی ہے یا گر جاتی ہے۔ اسی طرح جب لوگوں کو آپس میں جوڑنے والے بانڈز کی بنیادیں درست نہیں ہوتیں تو ان کے درمیان بندھن بالآخر کمزور یا ٹوٹ جاتا ہے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے درمیان رشتہ جوڑ دیا۔ جبکہ آج زیادہ تر مسلمان قبائلیت، بھائی چارے اور دوسرے خاندانوں کو دکھانے کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرتے ہیں۔ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی اکثریت آپس میں باہم تعلق نہیں رکھتی تھی لیکن چونکہ ان کو جوڑنے والے بندھنوں کی بنیاد صحیح تھی یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے رشتے مضبوط سے مضبوط ہوتے گئے۔ جبکہ آج کل بہت سے مسلمان خون کے رشتے میں ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ الگ ہو گئے ہیں کیونکہ ان کے رشتوں کی بنیاد باطل یعنی قبائلیت اور اسی طرح کی چیزوں پر تھی۔

مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر رشتہ داریوں اور غیر رشتہ داروں کے حقوق کی پاسداری کے اہم فریضے کو ادا کرنے کے لیے اپنے بندھنوں کو قائم رکھنے اور اجر کمانے کی خواہش رکھتے ہیں تو انہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے رشتہ جوڑنا چاہیے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ لوگ صرف ایک دوسرے سے جڑیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اس طریقے سے کام کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو۔ قرآن پاک میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

شکر گزاری کے دو حصے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کی۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ کبھی بھی ایسی قوم کے پاس نہیں گئے جنہوں نے ان کی زیادہ مدد کی اور اس کے بدلے میں مدینہ کے مددگاروں سے زیادہ کچھ نہیں چاہا۔ انہوں نے مزید کہا کہ مدینہ کے مددگاروں نے ان سے راضی ہو کر ان کو بہت زیادہ مشکلات سے بچایا اور ان کے ساتھ اپنی راحتیں بانٹیں۔ انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ خوفزدہ ہیں کہ مدینہ کے مددگاروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام انعامات مل جائیں گے اور وہ ہجرتِ مکہ، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو جائیں گے، ان کو کچھ نہیں ملے گا۔ وہ بدلہ لینے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ ہجرتِ مکہ، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوں گے، جیسا کہ انہوں نے مدینہ کے مددگاروں کی صحیح تعریف اور دعا کی ہے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 217 میں بحث کی گئی ہے۔

ہجرتِ مکہ، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے، ایک بار مدینہ کے مددگاروں، اللہ تعالیٰ ان سے راضی،

جامع ترمذی نمبر 1954 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔

اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام نعمتوں کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے، لیکن لوگوں کا شکر ادا کرنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی شخص کو دوسروں کی مدد کے لیے استعمال کرتا ہے جیسے کہ اس کے والدین۔ جیسا کہ اسباب اللہ تعالیٰ نے بنائے اور استعمال کیے، ان کا شکر ادا کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے۔ لہٰذا، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اچھے کردار کا مظاہرہ کریں اور دوسروں کی طرف سے ملنے والی کسی بھی امداد یا حمایت کے لیے ہمیشہ قدردانی کا مظاہرہ کریں، چاہے اس کا حجم کچھ بھی ہو۔ انہیں چاہیے کہ نعمتوں کو اس کے حکم کے مطابق استعمال کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کیونکہ وہ نعمت کا سرچشمہ ہے اور اس شخص کا شکر ادا کریں کیونکہ یہ وہ وسیلہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تخلیق اور منتخب کیا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ زبانی طور پر لوگوں کا شکر ادا کرے اور عملی طور پر ان کے احسان کا بدلہ ان کی وسعت کے مطابق ادا کرے خواہ یہ ان کی طرف سے صرف دعا ہی کیوں نہ ہو۔ امام بخاری کی کتاب ادب المفرد نمبر 216 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا سچا شکر ادا نہیں کر سکتا، اس لیے اسے نعمتوں میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

اگر کوئی مسلمان نعمتوں میں اضافے کا خواہاں ہے تو اسے شکر گزاری کے دونوں پہلوؤں کو پورا کرنا چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ اور لوگوں کا۔

بے مثال سخاوت

اصحاب مدینہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کے کھجوروں کے باغات ان کے اور اصحاب مکہ کے درمیان برابر تقسیم کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر دباؤ ڈالنا نہیں چاہتے تھے لہٰذا انہیں ملکیت برقرار رکھنے کا مشورہ دیا اور اس کے بجائے اصحاب مکہ رضی اللہ عنہ کو اجازت دی کہ وہ ان کے ساتھ ان کی زمینوں پر کام کریں اور پھر زمین کی پیداوار ان کے درمیان تقسیم کر دیں۔ صحیح بخاری نمبر 3782 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

یہ آیت باب 3 علی عمران آیت 92 سے مربوط ہے:

"تم اس وقت تک نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔ اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو، یقیناً اللہ اس کو جانتا ہے۔

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ کوئی شخص سچا مومن نہیں ہو سکتا، یعنی وہ اپنے ایمان میں نقص رکھتا ہے، جب تک کہ وہ اپنی پسند کی چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ اگرچہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ اس آیت کا اطلاق دولت پر ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس کا مطلب بہت زیادہ ہے۔ اس میں ہر وہ نعمت شامل ہے جسے ایک مسلمان پسند اور پسند کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، مسلمان اپنے قیمتی وقت کو ان چیزوں پر صرف کرنے میں خوش ہوتے ہیں جو انہیں خوش کرتی ہیں۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ان فرضی فرائض سے ہٹ کر وقت دینے سے انکار کرتے ہیں جو ایک دن میں بمشکل ایک یا دو گھنٹے لگتے ہیں۔ لاتعداد مسلمان ابھی تک مختلف خوشگوار سرگرمیوں میں اپنی جسمانی طاقت کو وقف کرنے پر خوش ہیں، ان میں سے بہت سے لوگ اسے ان چیزوں کے لیے وقف کرنے سے انکار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتی ہیں، جیسے کہ رضاکارانہ روزہ۔ عام طور پر لوگ ان چیزوں میں کوشش کرنے میں خوش ہوتے ہیں جن کی وہ خواہش رکھتے ہیں جیسے کہ ضرورت سے زیادہ دولت حاصل کرنا جس کی انہیں ضرورت نہیں ہے خواہ اس کا مطلب یہ ہو کہ انہیں اوور ٹائم کرنا

پڑے اور اپنی نیندیں ترک کرنی پڑیں پھر بھی کتنے لوگ اس راہ میں اللہ کی اطاعت میں کوشش کرتے ہیں۔ اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے باز رہنے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے سے سربلند؟ کتنے لوگ نماز ادا کرنے کے لیے اپنی قیمتی نیند ترک کر دیتے ہیں؟

یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان ابھی تک حلال دنیاوی اور دینی نعمتوں کے خواہاں ہیں، ایک سادہ سی حقیقت کو نظر انداز کرتے ہیں۔ کہ یہ چیزیں انہیں تب ہی حاصل ہوں گی جب وہ اپنے پاس موجود نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کریں گے۔ وہ کیسے کم سے کم چیزیں اس کے لیے وقف کر سکتے ہیں اور پھر بھی اپنے تمام خوابوں کو حاصل کرنے کی توقع رکھتے ہیں؟ یہ رویہ واقعی عجیب ہے۔

رزق کمانا

اگرچہ مدینہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنا مال اور گھر مکہ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بانٹ دیا تھا، پھر بھی وہ کاہل اور محتاج نہیں ہوئے۔ بلکہ اپنے اور دوسروں کے لیے رزق حلال کمانے کے لیے محنت کی۔ مثال کے طور پر سعد بن ربیع نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو نصف دولت کی پیشکش کی، لیکن مؤخر الذکر نے نرمی سے انکار کر دیا اور حلال رزق کمانے کے لیے بازار کا رخ کیا۔ صحیح بخاری نمبر 2048 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے تمام مخلوقات کے لیے رزق جیسی تمام چیزیں مختص کر دیں۔ اور زمین.

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تمام حالات کے حوالے سے دو پہلو ہوتے ہیں، جیسے رزق حاصل کرنا۔ پہلا پہلو وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے معنی، تقدیر کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ واقع ہو گا اور تخلیق میں کوئی بھی چیز اسے ہونے سے نہیں روک سکتی۔ چونکہ یہ ایک شخص کے ہاتھ سے باہر ہے اس پہلو پر دباؤ ڈالنا کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ ان کا تقدیر پر کوئی اثر نہیں ہوتا چاہے وہ یا کوئی اور کرتا ہو۔

دوسرا پہلو اس کی اپنی کوشش ہے۔ اس پہلو پر ایک شخص کا مکمل اختیار ہے اور اس لیے انہیں اس پہلو پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جو انہیں فراہم کیے گئے ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے ان کی جسمانی طاقت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے وہ صبر جس پر ان کا کوئی اختیار نہیں، روایات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق۔ اس میں حرام، زیادتی، فضول خرچی اور اسراف سے بچتے ہوئے ان کی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے حلال رزق حاصل کرنے کی کوشش کرنا شامل ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو ان چیزوں پر دباؤ ڈالنے میں کبھی بھی وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے جن پر اس کا کوئی کنٹرول یا اثر نہیں ہے، بلکہ وہ اپنے پاس موجود ذرائع کو استعمال کرے اور ان چیزوں پر عمل کرے جن پر اس کا اختیار ہے، اسلام کی تعلیمات کے مطابق۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کا حکم دیا ہے۔

سچا علم

مدینہ منورہ میں اکثر یہودی علماء نے اسلام کا تکبر سے انکار کیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دشمنی سے بھرپور تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے دوسروں کو الجھانے اور اپنی ہٹ دھرمی اور کفر کا اظہار کرنے کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے فضول سوالات پوچھے۔ انہوں نے اسلام کے لیے چیزوں کو مشکل بنا دیا اور اسے بجھانے کی انتھک کوشش کی، حالانکہ وہ اسلام کی حقانیت کو پہچان چکے تھے۔ باب 6 الانعام، آیت 20:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں‘‘۔

امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 227 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 253 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ جو شخص علمائے کرام کو دکھانے، دوسروں سے بحث کرنے یا اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے دینی علم حاصل کرتا ہے۔ نرک میں.

حالانکہ دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں تمام بھلائیوں کی بنیاد علم ہے مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ علم ان کو تب ہی فائدہ دے گا جب وہ سب سے پہلے اپنی نیت درست کریں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ باقی تمام وجوہات صرف اس صورت میں ثواب اور سزا کے نقصان کا باعث بنیں گی جب کوئی مسلمان سچے دل سے توبہ کرنے میں ناکام ہو جائے۔

حقیقت میں علم بارش کے پانی کی طرح ہے جو مختلف قسم کے درختوں پر گرتا ہے۔ کچھ درخت اس پانی سے اگتے ہیں تاکہ دوسروں کو فائدہ پہنچے جیسے کہ پھل کا درخت۔ جبکہ اس پانی سے دوسرے درخت اگتے ہیں اور دوسروں کے لیے مصیبت بن جاتے ہیں جیسے کانٹے دار درخت۔ اگرچہ بارش کا پانی دونوں صورتوں میں ایک جیسا ہے لیکن نتیجہ بہت مختلف ہے۔ اسی طرح دینی علم بھی لوگوں کے لیے یکساں ہے لیکن اگر کوئی غلط نیت اختیار کرے تو وہ ان کی تباہی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی صحیح نیت اختیار کرے تو یہ ان کی نجات کا ذریعہ بن جائے گا۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ تمام معاملات میں اپنی نیت درست کریں کیونکہ اس پر ان کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اور انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ جہنم میں داخل ہونے والے پہلے لوگوں میں سے ایک ایسا عالم ہوگا جس نے علم صرف دوسروں کو دکھانے کے لیے حاصل کیا ہو۔ صحیح مسلم نمبر 4923 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

نتیجہ اخذ کرنا، صحیح نیت کے ساتھ مفید علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا ہی حقیقی فائدہ مند علم ہے۔

مدینہ میں منافقین

دو چہروں والا

مشہور ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور کھلم کھلا کفر کرنے والوں کے علاوہ مدینہ میں ایک تیسرا گروہ نکلا جو منافقین کے نام سے مشہور تھے۔ انہوں نے ظاہری طور پر اسلام قبول کرنے کا ڈرامہ کیا تاکہ مسلمان ہونے کا صلہ حاصل کیا جا سکے لیکن وہ کافر تھے کیونکہ انہوں نے اندرونی اور خفیہ طور پر اسلام کا انکار کیا۔ ان میں بہت سی بری خصلتیں پائی جاتی تھیں جن کا قرآن پاک اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تفصیل سے بحث ہوئی ہے۔ مثال کے طور پر، ان میں سے ایک اپنے ساتھی منافقین کے ساتھ خفیہ طور پر اسلام کے خلاف منصوبہ بندی کرتے ہوئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت قرآن پاک کو توجہ سے سنتا تھا۔ اس شخص نے ایک دفعہ کہا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف ایک کان تھے جو ان سے کہی گئی ہر بات پر یقین کر لیتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے توبہ کی آیت نمبر 9 نازل فرمائی:

اور ان میں وہ بھی ہیں جو نبی کو گالی دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ کان ہے۔ "کہو کہ یہ تمہارے لیے بھلائی کا کان ہے جو اللہ پر ایمان لاتا ہے اور مومنوں کو مانتا ہے اور تم میں سے ایمان والوں کے لیے رحمت ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے رسول کو گالی دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 61:9-62، صفحہ 88-89 میں بحث کی گئی ہے۔

دو طرفہ ہونا منافقت کی نشانی ہے۔ یہ وہ ہے جو لوگوں کے مختلف گروہوں کو خوش کرنے کے لیے اپنے طرز عمل میں تبدیلی لاتا ہے اور اس سے کچھ دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ بہت سی مختلف زبانوں سے بولتے ہیں جو مختلف لوگوں کو اپنی حمایت ظاہر کرتے ہوئے ان کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کے ساتھ مخلص نہیں ہیں جس کا حکم

سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اگر وہ توبہ نہ کریں تو آخرت میں اپنے آپ کو آگ کی دو زبانوں سے پائیں گے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4873 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 14:

جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے برے ساتھیوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو محض مذاق کر رہے تھے۔"

تفرقہ پیدا کرنا

جب مکہ کے غیر مسلموں کو یہ معلوم ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں ایک اسلامی ریاست قائم کر دی ہے اور یہاں تک کہ مقامی غیر مسلموں کے ساتھ معاہدوں پر دستخط کر دیے ہیں تو انہوں نے مکہ کے سربراہ کو دھمکی آمیز خط بھیجا۔ منافق عبداللہ بن ابی نے اسے تنبیہ کی کہ جنگ کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکال دو، ورنہ وہ آپ کے خلاف فوجی مہم چلائیں گے اور مدینہ کو تباہ کر دیں گے۔ عبداللہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو للکارنے کے لیے اپنے چند ساتھیوں کو اکٹھا کیا، لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے بات چیت کی اور انہیں یاد دلایا کہ مکہ کے غیر مسلم صرف اس کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کے درمیان مسائل پیدا کریں .عبداللہ بن ابی اور اس کے پیروکار پیچھے ہٹ گئے، لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے بارے میں بغض رکھتے رہے۔ اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب مہربند نیکٹر صفحہ 199 میں بحث کی گئی ہے۔

منافقت کی نشانی یہ ہے کہ انسان معاشرے میں فساد پھیلاتا ہے۔ یہ منفی خصوصیت خاندانی اکائی سے شروع ہوکر بین الاقوامی سطح پر ختم ہونے والی تمام سماجی سطحوں کو متاثر کرتی ہے۔ اس قسم کے لوگ لوگوں کو اچھائی پر متحد ہوتے دیکھنا ناپسند کرتے ہیں کیونکہ اس سے دوسروں کی دنیاوی حیثیت ان کے اپنے سے بڑھ جاتی ہے۔ یہ انہیں غیبت اور غیبت کی طرف لے جاتا ہے تاکہ لوگ ایک دوسرے کے خلاف ہو جائیں۔ ان کا برا رویہ ان کے اپنے رشتے داروں کو تباہ کر دیتا ہے اور جب وہ دوسرے خاندانوں کو دیکھتے ہیں جو خوش ہوتے ہیں تو یہ انہیں ان کی خوشیوں کو بھی تباہ کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ فالٹ فائنڈر ہیں جو اپنا وقت دوسروں کی غلطیوں کی نقاب کشائی کرنے کے لیے وقف کرتے ہیں تاکہ ان کی سماجی حیثیت کو نیچے لے جا سکیں۔ وہ پہلے لوگ ہیں جنہوں نے دوسروں کے بارے میں گپ شپ شروع کی اور جب بھی اچھی بات کی جائے تو بہرے کام کرتے ہیں۔ امن اور سکون انہیں پریشان کرتا ہے لہذا وہ اپنے آپ کو تفریح کرنے کے لئے مسائل پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ سنن ابن ماجہ نمبر 2546 میں موجود حدیث کو یاد کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ یہ نصیحت کرتی ہے کہ جو شخص دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا۔ لیکن جو شخص دوسروں کے عیب تلاش کرتا ہے اور ان کی پردہ پوشی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو لوگوں پر ظاہر کر دیتا ہے۔ تو درحقیقت، اس قسم کے افراد معاشرے کے سامنے صرف اپنے عیبوں کی پردہ پوشی کر رہے ہوتے ہیں حالانکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ دوسروں کے عیبوں کو بے نقاب کر رہے ہیں۔

الہی سرپرستی

ابتداء میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کرتے تھے، خاص طور پر رات کے وقت، کیونکہ انہیں اپنے دشمنوں کے اچانک حملے کا اندیشہ تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورہ 5 المائدہ آیت 67 میں درج ذیل الفاظ نازل فرمائے:

''اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ ''

اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرما رہا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3046 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ مخلوق کی حفاظت اور حفاظت کرتا ہے اور ان کا خاص خیال رکھتا ہے۔ وہ فرمانبرداروں کو شیطان کی چالوں اور جال سے بچاتا ہے اور نافرمانوں کو اپنے فوری عذاب سے بچاتا ہے تاکہ انہیں سچے دل سے توبہ کرنے کا موقع فراہم کرے۔

ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کردہ ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے اس الٰہی نام پر عمل کرنا چاہیے، لیکن ہر حال میں اس کی الہی نگہداشت اور انتخاب پر بھروسہ رکھنا چاہیے اور اس کے نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے، خواہ وہ کچھ انتخاب کے پیچھے حکمت کا مشاہدہ نہ کرے۔ اس سے صبر اور یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر قناعت کی ترغیب ملتی ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 3:

اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہے‘‘۔’’

ایک مسلمان کو یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ وہ گمراہی اور عذاب سے صرف سرپرست یعنی اللہ تعالیٰ ہی محفوظ رہیں گے۔ یہ فخر کے تمام نشانوں کو دور کرتا ہے اور اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ وہ اس کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے اس کی حفاظت تلاش کریں۔ ایک مسلمان کو اس اسم الٰہی پر عمل کرنا چاہیے کہ وہ اپنے پاس موجود ہر امانت کی حفاظت کرے جیسا کہ ان کی برکات کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق استعمال کرتے ہوئے۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنے افعال و کلام کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے محفوظ رکھیں۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید برکات حاصل کریں گے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ" "کروں گا۔

اچھے کاروبار کی اہمیت

مرکزی تجارتی منڈیوں پر یہودیوں کا کنٹرول تھا، جو سود جیسے غیر قانونی اور غیر منصفانہ طریقوں میں حصہ لیتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اپنی مسجد کے قریب ایک بازار قائم کیا۔ انہوں نے منصفانہ اور منصفانہ کاروباری لین دین کی اہمیت کا خاکہ پیش کیا تاکہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ منصفانہ تجارت کریں۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 923-925 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 2146 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ تاجروں کو قیامت کے دن فاسقوں کے طور پر اٹھایا جائے گا سوائے ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، نیک عمل کرتے ہیں اور بولتے ہیں۔ سچائی

اس حدیث کا اطلاق ان تمام لوگوں پر ہوتا ہے جو تجارتی لین دین میں حصہ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، اس کے احکام پر عمل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ کاروباری لین دین کے سلسلے میں ایک مسلمان کو اپنی بات میں ایماندار ہونا چاہیے اور اس لین دین کی تمام تفصیلات جو اس میں شامل ہیں ان کو بتا دیں۔ صحیح بخاری نمبر 2079 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب مسلمان مالی لین دین میں چیزوں کو چھپاتے ہیں، جیسے کہ ان کے سامان میں خرابیاں، تو یہ نعمتوں میں نقصان کا باعث بنتی ہے۔

راستبازی سے کام کرنے میں یہ شامل ہے کہ دوسروں کو سامان کی ضرورت سے زیادہ قیمت ادا کرنے پر مجبور کرنے کی کوشش نہ کریں۔ ایک مسلمان کو صرف دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جیسا کہ وہ ایمانداری اور مکمل انکشاف کے ساتھ معنی خیز سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح ایک مسلمان یہ پسند نہیں کرے گا کہ مالی معاملات میں اس کے ساتھ بدسلوکی کی جائے وہ دوسروں کے ساتھ بدسلوکی نہ کرے۔

کاروبار کرنے والوں کو ہمیشہ جھوٹ بولنے سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ بے حیائی کی طرف لے جاتا ہے اور فانی جہنم میں لے جاتا ہے۔ درحقیقت ایک شخص جھوٹ بولتا اور اس پر عمل کرتا رہے گا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا درج نہ ہو جائے۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

لڑنے کی اجازت

چونکہ اسلام کے دشمن، مکہ کے غیر مسلم، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جارحیت پر اڑے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے دفاع اور دفاع کے لیے لڑنے کی اجازت دے دی۔ امن اور انصاف کا قیام۔ باب 22 الحج، آیت 39:

"جو لوگ لڑے جا رہے ہیں ان کو [لڑنے کی] اجازت دی گئی ہے، کیونکہ ان پر ظلم ہوا ہے۔ اور بیشک اللہ ان کو فتح دینے پر قادر ہے۔"

اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 200-201 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ آیاتِ قرآنی کے معانی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے انہیں ان کے صحیح تناظر میں رکھنا چاہیے۔ یعنی کسی آیت یا حدیث کو اس سیاق و سباق کا مشاہدہ کیے بغیر تنہائی میں نہیں لیا جا سکتا جس میں کسی کے فعل کے جواز کے لیے یہ نازل ہوئی ہے۔ سیاق و سباق کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان آیات و احادیث کا جائزہ لیا جائے جو اس سے جڑی ہوئی ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی روشنی میں۔ صرف اس طرح یہ واضح ہو جائے گا کہ کسی آیت یا حدیث سے کیا مراد ہے۔

مزید برآں، مسلمان صرف ایک جائز حکمران کے جھنڈے تلے بیرونی جارحیت کرنے والوں کے خلاف ہتھیار اٹھا سکتے ہیں اور جب یہ قرآن کریم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں پائے جانے والے احکام کے مطابق کیا جائے۔ لڑنے والوں کو ان حدود و قیود سے تجاوز کرتے ہوئے مسلسل اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ ایسا ہی ایک قاعدہ جنگ کا سہارا صرف اس وقت ہے جب کسی پر حملہ کیا جائے، جیسا کہ زیر بحث مرکزی آیت سے اشارہ کیا گیا ہے۔ لہٰذا امن

کی حالت میں دشمن پر جسمانی جارحیت کا مظاہرہ کرنا حرام ہے۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ جب دشمن جارحیت سے باز آجائے تو مسلمانوں کو بھی باز آنا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 193:

’’لیکن اگر وہ باز آجائیں تو پھر خلاف ورزی کرنے والوں کے علاوہ کوئی جارحیت [یعنی حملہ] نہیں ہو گی۔‘‘

اگر دشمن امن کا خواہاں ہے تو اسے دینا چاہیے۔ باب 4 النساء، آیت 90:

’’پس اگر وہ تم سے دور ہو جائیں اور تم سے جنگ نہ کریں اور صلح کی پیشکش کریں تو اللہ نے تمہارے لیے ان کے خلاف کوئی وجہ نہیں بنائی۔‘‘

تیسرا اصول یہ ہے کہ شہریوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ زیر بحث مرکزی آیت سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ یہ فاسق ہے۔ اس کے علاوہ، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہا عورتوں، بچوں، بزرگوں، اور بیماروں کے ساتھ ساتھ راہبوں اور حواریوں کو جنگ کے دوران نقصان پہنچانے سے منع فرمایا ہے۔ اس کی تصدیق بہت سی احادیث سے ہوئی ہے جیسے سنن ابوداؤد نمبر 2614 اور مسند احمد نمبر 2728۔

اسلام کے پہلے خلیفہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کے قتل سے منع فرمایا۔ اس نے پھل دار درختوں کو کاٹنے، املاک کو نقصان پہنچانے اور مویشیوں کو مارنے سے منع کیا۔ اس کی تلقین مصحف ابن ابی شیبہ نمبر 33121 میں کی گئی ہے۔

اسلام کے دوسرے خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی فوجوں پر واضح کر دیا کہ وہ کسان جیسے غیر فوجیوں کو نقصان نہ پہنچائیں۔ اس کی تلقین مصحف ابن ابی شیبہ نمبر 33120 میں کی گئی ہے۔

آنے والے تنازعہ کی صورت میں مسلم قوم کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہر ممکن تیاری کریں۔ اس تیاری کا مقصد دشمن کو حملہ کرنے سے روکنا ہے، اس صورت میں اگر دشمن امن کا خواہاں ہے تو اسے اس کی اجازت دی جائے۔ باب 8 انفال، آیات 60-61:

”اور ان کے مقابلے میں جو کچھ تم طاقت رکھتے ہو اور جنگی سواریاں تیار کرو جس سے تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو خوف زدہ کر سکو اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو اس کی طرف مائل ہو جاؤ۔“

ان لوگوں سے لڑنے کی اجازت دی گئی ہے جو مسلمانوں کے ساتھ اپنے معاہدوں کی پاسداری نہیں کرتے۔ توبہ میں باب 9، آیات 12-13:

اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین کو بدنام کریں تو کفر کے پیشواؤں سے مقابلہ کرو، کیونکہ ان کے لیے کوئی قسمیں نہیں ہیں۔ ان سے لڑو تاکہ وہ باز آ جائیں۔ کیا تم ایسے لوگوں سے نہیں لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اور رسول کو نکالنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے تم پر پہلی بار حملہ کیا؟

اسلام نے اپنے معاہدوں کا احترام کرنے والوں پر حملہ کرنے سے منع کیا ہے۔ باب 9 توبہ آیت 7:

پس جب تک وہ آپ کی طرف سیدھے ہیں، ان کی طرف سیدھے رہو۔ بے شک اللہ پرہیزگاروں..."
"سے محبت کرتا ہے۔

کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ یہ ایک ایسی چیز ہے جسے نہ صرف زبان اور عمل سے قبول کرنا ضروری ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 256:

’’دین میں کوئی جبر نہیں ہوگا‘‘۔

مسلمانوں کے ساتھ امن رکھنے والوں کے ساتھ ہر حال میں انصاف کیا جائے۔ باب 60 الممتحنہ، آیات 8-9:

"اللہ تمہیں ان لوگوں سے نہیں روکتا جو تم سے دین کی وجہ سے نہیں لڑتے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالتے - ان کے ساتھ نیکی کرنے اور ان کے ساتھ انصاف کرنے سے۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تمہیں صرف ان لوگوں سے روکتا ہے جو تم سے دین کی وجہ سے لڑتے ہیں اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالتے ہیں اور تمہارے نکالنے میں مدد کرتے ہیں..."

جنگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور مسلمانوں کو اس پر مجبور ہونا چاہیے اور اس کی خواہش نہیں کرنی چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

’’تم پر جنگ فرض کی گئی ہے جبکہ وہ تمہارے لیے ناگوار ہے‘‘۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں تک کہ مسلمانوں کو جنگ کی خواہش نہ کرنے کی تلقین کی اور اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ سے سلامتی کی خواہش کا حکم دیا۔ لیکن اگر انہیں دشمن کا سامنا کرنا پڑا تو انہیں ثابت قدم رہنا چاہیے۔ اس کا ذکر صحیح بخاری نمبر 2966 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔

ان آیات کا اصل مقصد اس بات پر زور دینا ہے کہ طاقت کا استعمال صرف اس صورت میں کیا جائے جب اس کا استعمال ناگزیر ہو، صرف اس حد تک جو بالکل ضروری ہو اور قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی رہنمائی میں ہو۔ اس پر

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ کسی آیت یا حدیث کا صحیح تناظر میں جائزہ لینا بہت ضروری ہے تاکہ یہ سمجھا جا سکے کہ اس کا اطلاق کون، کیا اور کہاں ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے بہت سے لوگ جان بوجھ کر یا غیر دانستہ طور پر اس طرح لڑنے پر آیات و احادیث کی تشریح کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ ایک بہت مشہور مثال ایک آیت کی ہے جسے سورہ آیت کہا جاتا ہے حالانکہ قرآن پاک میں لفظ "تلوار "کا ذکر نہیں ہے۔ باب 9 توبہ آیت 5:

اور جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور انہیں پکڑو اور ان" "کا محاصرہ کرو اور ہر گھات کی جگہ پر ان کی تاک میں بیٹھو۔

جیسا کہ پہلے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے یہاں تک کہ جنگ کا یہ بیان مخصوص شرائط اور امن کی رعایتوں تک محدود ہے۔ اس کے علاوہ اس اور دیگر متعلقہ آیات کے تاریخی سیاق و سباق کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ یہ غیر مسلموں سے لڑنے کا کوئی عالمی اصول نہیں ہے۔ یعنی آیت سے مراد لوگوں کا ایک مخصوص گروہ ہے، ایک خاص وقت اور ایک خاص جگہ پر۔

تلوار والی آیت کی اردگرد کی آیات متعدد بار واضح طور پر اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ مشرکین کا ذکر صرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے بار بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنے امن معاہدوں کی خلاف ورزی کی اور مسلمانوں کے خلاف پرتشدد جارحیت کی کارروائیوں میں مصروف رہے۔ کمیونٹی اور اس کے اتحادی۔ مثال کے طور پر، تلوار والی آیت سے فوراً پہلے والی آیت، معنی، باب 9 توبہ، آیت 4، بیان کرتی ہے:

"سوائے وہ لوگ جن سے تم نے مشرکوں کے درمیان معاہدہ کیا اور پھر انہوں نے تم سے کسی چیز میں کوتاہی نہیں کی اور نہ ہی تمہارے خلاف کسی کی حمایت کی۔ تو ان کے لیے ان کا معاہدہ مکمل کر دے یہاں تک کہ ان کی مدت ختم ہو جائے۔ بے شک اللہ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔"

اس کے بعد متعلقہ آیت میں ایک اور حکم آیا ہے، باب 9 توبہ، آیت 7:

"مشرکین کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی معاہدہ کیسے ہو سکتا ہے، سوائے ان کے جن سے تم نے مسجد الحرام میں معاہدہ کیا تھا؟ اس لیے جب تک وہ تمہاری طرف سیدھے ہیں، ان کی طرف سیدھے رہو۔ بے شک اللہ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔"

ان مشرکوں کے جرائم جن کے خلاف جنگ کا حکم دیا گیا تھا دوسری متعلقہ آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ توبہ میں باب 9، آیات 8-10:

"کیسے [معاہدہ ہو سکتا ہے] جب کہ اگر وہ تم پر غلبہ حاصل کر لیں تو وہ تمہارے بارے میں کسی رشتہ داری یا تحفظ کے عہد کی پابندی نہیں کرتے؟ وہ تم کو اپنے منہ سے مطمئن کرتے ہیں، لیکن

ان کے دل انکار کرتے ہیں، اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔ انہوں نے اللہ کی نشانیوں کو تھوڑی قیمت پر بدل دیا اور لوگوں کو اس کی راہ سے روک دیا۔ درحقیقت یہ برا کام تھا جو وہ کر رہے تھے۔ وہ کسی مومن کے ساتھ رشتہ داری یا تحفظ کے عہد کی پابندی نہیں کرتے۔ اور وہی لوگ فاسق ہیں۔''

اور باب 9 توبہ، آیات 12-13:

اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین کو بدنام کریں تو کفر کے پیشواؤں سے مقابلہ کرو، کیونکہ ان کے لیے کوئی قسمیں نہیں ہیں۔ ان سے لڑو تاکہ وہ باز آ جائیں۔ کیا تم ان لوگوں سے نہیں لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اور رسول کو نکالنے کا ارادہ کر لیا اور انہوں نے تم پر پہلی بار حملہ کیا؟

مخصوص مشرکین نے مسلسل اپنے معاہدوں کو توڑا اور اسلام کے خلاف دوسروں کی مدد کی۔ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف دشمنی شروع کی، لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکا، مسلمانوں کو مکہ اور مسجد الحرام سے نکال دیا۔ مذکورہ آیات میں کم از کم آٹھ مرتبہ مسلمانوں کے خلاف ان کے جرائم کا ذکر کیا گیا ہے۔

باب 9 توبہ، آیت 12 میں، جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے، "کفر کے رہنماؤں "سے لڑنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی جارحیت سے "باز آجائیں"۔ باقی آیات کی طرح یہ آیات بھی جنگ کے وقت مخصوص حالات پر عمل کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں جیسے صرف ان سے لڑنا جو پہلے لڑتے ہیں۔

اس کے علاوہ ان مشرکین کو اب بھی بہت سی تنبیہات اور رعایتیں دی جاتی تھیں۔ انہیں چار ماہ کی مہلت اور امن کی مدت دی گئی۔ باب 9 توبہ آیت 2:

پس اے کافرو، چار مہینے پورے ملک میں سفر کرو، لیکن جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر" "سکتے۔

اور باب 9 توبہ آیت 5:

اور جب غضبناک]چار [مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور انہیں پکڑو اور'' ان کا محاصرہ کرو اور ہر گھات کی جگہ پر ان کی تاک میں بیٹھو۔''

یہ مہلت اس لیے دی گئی کہ یا تو وہ اسلام قبول کر لیں یا پرامن طریقے سے جزیرہ نما عرب سے نکل جائیں۔ اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا کہ ان مشرکوں میں سے جو بھی اس کی درخواست کریں اسے تحفظ فراہم کریں تاکہ انہیں اسلام کی تعلیمات کو بغیر کسی خوف اور دباؤ کے سننے کا موقع ملے یا وہ پرامن طریقے سے رہ سکیں۔ جزیرہ نما عرب کو نقصان پہنچنے کے خوف کے بغیر چھوڑ دیں۔ باب 9 توبہ آیت 6:

اور اگر مشرکوں میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دو تاکہ وہ اللہ کا کلام سن سکے۔'' پھر اسے اس کی حفاظت کی جگہ پہنچا دو۔ یہ اس لیے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو نہیں جانتے۔"

تلوار والی آیت میں ان مشرکین سے لڑنے اور قتل کرنے کا حکم صرف اس صورت میں نافذ العمل ہو گا جب یہ چار ماہ کی مہلت کے بعد بھی اسلام قبول کیے بغیر جزیرہ نما عرب میں موجود رہیں۔ غور طلب ہے کہ بہت سے مشرکین نے اس مہلت سے فائدہ اٹھایا اور اسلام قبول کیا۔ اس مہلت کی وجہ سے لڑائی ختم ہو گئی اور تلوار والی آیت کی وجہ سے کوئی خون نہیں بہایا گیا کیونکہ اس

آیت کا مقصد مزید خونریزی سے روکنا تھا کہ یا تو یہ مشرکین اسلام قبول کر لیں یا جزیرہ نما عرب کو امن کے ساتھ چھوڑ دیں۔

اختتام پر، ارد گرد کی آیات اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی، تلوار والی آیت کو اس کے صحیح تناظر میں رکھیں۔ یعنی یہ آیات خاص طور پر مسلمانوں کے خلاف مخصوص دشمن مشرکوں کے حملوں کو روکنے کے لیے نازل ہوئی ہیں۔ اس لیے ان کے بعد دوسروں پر ان کا اطلاق خالی نہیں ہو سکتا۔

ہجرت کے بعد **دوسرا سال**

نماز کی سمت میں تبدیلی

ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے سامنے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے دوسرے سال، نماز کا رخ، قبلہ، یروشلم میں مسجد اقصیٰ سے بدل کر مکہ میں خانہ کعبہ کر دیا گیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تبدیلی کی خواہش کی اور اپنا چہرہ مبارک آسمان کی طرف کر کے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ آیت نمبر 144 نازل فرمائی۔

’’ہم نے یقیناً آپ کا چہرہ آسمان کی طرف پھیرنا دیکھا ہے اور ہم آپ کو ایک قبلہ کی طرف ضرور پھیریں گے جس سے آپ خوش ہوں گے۔ لہٰذا اپنا چہرہ مسجد الحرام کی طرف پھیر لو۔ اور تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے منہ [یعنی اپنے آپ کو]اس کی طرف پھیر لو۔‘‘

امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 248 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 528 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ پانچ فرض نمازیں گناہوں کو ایسے مٹا دیتی ہیں جیسے دن میں پانچ مرتبہ غسل کرنے سے بدن کی گندگی صاف ہو جاتی ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ اس حدیث میں چھوٹے گناہوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ کبیرہ گناہوں کے لیے توبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ پانچوں فرض نمازوں کے قیام سے نہ صرف اپنے ظاہری وجود کو چھوٹے گناہوں سے پاک کریں بلکہ تزکیہ کے دوسرے پہلو یعنی باطنی تطہیر کو بھی پورا کریں۔ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ پانچوں فرض نمازیں ایک ساتھ جمع کرنے کی بجائے پورے دن میں پھیلی ہوئی تھیں۔ مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو دن بھر بار بار باطنی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے جس طرح اس کا جسم فرض نمازوں کے ذریعے دن میں پانچ مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس باطنی تطہیر میں اپنی نیت کو درست کرنا شامل ہے تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے اعمال انجام دیں۔ یہ اسلام کی بنیاد ہے اور اللہ تعالیٰ کسی عمل کا فیصلہ کرتے وقت اس کا اندازہ لگاتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں کی خاطر عمل کرتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ وہ قیامت کے دن ان سے اپنا اجر حاصل کریں جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

آخر میں، اس باطنی تزکیہ میں اسلام کی تعلیمات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا بھی شامل ہے تاکہ انسان اپنے اندر موجود بُری خصلتوں کو دور کر دے، جیسے حسد اور اس کے بجائے صبر جیسی اچھی خصوصیات کو اپنائے۔ ظاہری تطہیر ضروری ہے لیکن اگر کوئی مسلمان کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے اور دونوں جہانوں کی تمام مشکلات پر قابو پانا چاہتا ہے تو اسے اپنے باطن اور ظاہری وجود کو پاک کرنا چاہیے۔

نماز کی ہدایت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے دوسرے سال، نماز کا رخ، قبلہ، یروشلم میں مسجد اقصیٰ سے بدل کر مکہ میں خانہ کعبہ کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 143 میں ایک کے بعد ایک دو جہات کا مقصد بیان فرمایا:

’’اور ہم نے اس قبلہ کو نہیں بنایا جس کی طرف تم منہ کرتے تھے مگر یہ کہ ہم یہ ظاہر کر دیں کہ کون رسول کی پیروی کرے گا اور کون اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے گا‘‘۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 249 میں بحث کی گئی ہے۔

یکے بعد دیگرے دو نمازوں کی سمتیں رکھنے کا مقصد یہ تھا کہ تبدیلی میں ان کی پیروی کرکے یہ ظاہر کیا جائے کہ کون واقعی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخلص ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

’’اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔‘‘

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

اچھی کوشش

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے دوسرے سال، نماز کا رخ، قبلہ، یروشلم میں مسجد اقصیٰ سے بدل کر مکہ میں خانہ کعبہ کر دیا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دعا قبول ہوتی ہے جو نماز کی سمت بدلنے سے پہلے فوت ہو گئے؟ .اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ البقرہ آیت 143 نازل فرمائی:

اور اللہ آپ کو کبھی بھی آپ کے ایمان سے محروم نہیں کرے گا]یعنی آپ کی پچھلی نمازیں[۔ بے'' شک اللہ لوگوں پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔''

یہ جامع ترمذی نمبر 2964 میں موجود حدیث میں درج ہے۔

یہ واقعہ باب 11 ہود، آیت 115 سے مربوط ہے:

''اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔''

یہ آیت امید فراہم کرتی ہے کہ جب تک کوئی حلال اور فائدہ مند کام کرنے کی کوشش کرے گا اس کی کوششیں ضائع نہیں ہوں گی۔ اگر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی کوششوں کو ضائع نہیں کرتا جو اس پر ایمان بھی نہیں رکھتے تو وہ ان مسلمانوں کی حمایت کیوں نہیں کرے گا جو اس کی وحدانیت اور ربوبیت پر یقین رکھتے ہیں؟ اگر اللہ تعالیٰ مادی دنیا کے لیے لوگوں کی کوششوں کو ضائع

نہیں کرتا تو آخرت کی بھلائی کے لیے کوشش کرنے والوں کی کوششوں کو کیسے ضائع کر سکتا ہے؟

لہٰذا لوگوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں بھلائی حاصل کرنے کی کوشش کو کبھی ترک نہیں کرنا چاہیے۔ بدقسمتی سے، کچھ مسلمانوں نے کچھ مشکلات کا سامنا کرنے کے بعد حلال آمدنی حاصل کرنے کی جدوجہد ترک کردی ہے۔ اس کے بجائے وہ سماجی فوائد حاصل کرنے کا انتخاب کرتے ہیں اور معاشرے پر بوجھ بن جاتے ہیں۔ جو لوگ وظائف حاصل کرنے کے حقدار ہیں وہ ان سے استفادہ کرتے رہیں کیونکہ یہ ان کا حق ہے۔ لیکن جو اپنے لیے کمانے کی استطاعت رکھتے ہیں انہیں ایسا کرنا چاہیے۔

یہ آیت مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے کہ وہ دوسروں کے ساتھ بھلائی کرتے رہیں چاہے وہ ان کی کوششوں کی تعریف نہ کریں۔ اگر کوئی خلوص نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرے تو اسے یقین ہونا چاہیے کہ ان کی کاوشیں درج ہو چکی ہیں اور اس کا اجر دونوں جہانوں میں ملے گا۔

نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان جو بھی جائز عمل انجام دے خواہ اس کا دنیاوی کام ہو، جیسا کہ کاروبار کا موقع، یا وہ کوئی دینی کام انجام دیتا ہے، اسے یہ جان کر پوری کوشش کرنی چاہیے کہ اللہ عزوجل ان کی مدد کرے گا اور انہیں کامیابی عطا کرے گا۔ بعد میں

نماز قائم کرنا ایمان ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے دوسرے سال، نماز کا رخ، قبلہ، یروشلم میں مسجد اقصیٰ سے بدل کر مکہ میں خانہ کعبہ کر دیا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دعا قبول ہوتی ہے جو نماز کی سمت بدلنے سے پہلے فوت ہو گئے؟ .اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ البقرہ آیت 143 نازل فرمائی:

”اور اللہ آپ کو کبھی بھی آپ کے ایمان سے محروم نہیں کرے گا]یعنی آپ کی پچھلی نمازیں[۔ بے شک اللہ لوگوں پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔“

یہ جامع ترمذی نمبر 2964 میں موجود حدیث میں درج ہے۔

غور طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نماز کی جگہ ایمان کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض نمازوں کو قائم کیے بغیر کوئی سچا ایمان نہیں رکھ سکتا۔

جامع ترمذی نمبر 2618 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ فرض نمازوں کو چھوڑنا ایمان اور کفر میں فرق ہے۔

اس دن اور عمر میں یہ بہت عام ہو گیا ہے۔ بہت سے لوگ معمولی وجوہات کی بنا پر اپنی فرض نمازیں ترک کر دیتے ہیں جو کہ بلاشبہ رد ہیں۔ اگر جنگ کرنے والے پر نماز کی فرضیت ختم نہیں ہوئی تو کسی اور سے کیسے ہٹائی جائے گی؟ باب 4 النساء، آیت 102:

"اور جب آپ ان کے درمیان ہوں اور ان کی نماز پڑھائیں تو ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو اور وہ اپنے ہتھیار اٹھائے ہوں۔ اور جب وہ سجدہ کر لیں تو وہ آپ کے پیچھے ہوں اور دوسرے گروہ کو آگے آنے دیں جنہوں نے]ابھی تک [نماز نہیں پڑھی ہے اور وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں، احتیاط کرتے ہوئے اور اپنے ہتھیار اٹھائے ہوئے..."

نہ مسافر اور نہ بیمار اپنی فرض نمازوں سے مستثنیٰ ہیں۔ مسافر کو بعض فرض نمازوں میں چکروں کی مقدار کو کم کرنے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ ان پر بوجھ کم ہو جائے لیکن وہ ان کی ادائیگی سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ باب 4 النساء، آیت 101:

‘‘...اور جب تم پورے ملک میں سفر کرتے ہو تو تم پر نماز قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں’’

بیماروں کو خشک وضو کرنے کی تلقین کی گئی ہے اگر پانی سے رابطہ انہیں نقصان پہنچاتا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 6:

’’لیکن اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے رابطہ کیا ہو اور پانی نہ ملے تو صاف زمین تلاش کرو اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔‘‘

اس کے علاوہ بیمار فرض نماز اس طریقے سے ادا کرسکتے ہیں جو ان کے لیے آسان ہو۔ یعنی اگر کھڑے نہیں ہو سکتے تو بیٹھ سکتے ہیں اور اگر بیٹھ نہیں سکتے تو لیٹ کر فرض نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 372 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن پھر یہ کہ بیمار کو مکمل رعایت نہیں دی جاتی جب تک کہ کوئی ذہنی مریض نہ ہو جو اسے نماز کی فرضیت کو سمجھنے سے روکتا ہو۔

دوسرا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ بعض مسلمان اپنی فرض نمازوں میں تاخیر کرتے ہیں اور صحیح اوقات سے زیادہ پڑھتے ہیں۔ یہ قرآن کریم سے واضح طور پر متصادم ہے کیونکہ مومنین کو اپنی فرض نمازیں وقت پر ادا کرنے والے کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ باب 4 النساء، آیت 103:

‘‘بے شک نماز مومنوں پر مقررہ اوقات کے لیے فرض کی گئی ہے۔’’

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن کریم کی درج ذیل آیت سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی فرض نمازوں میں بلا ضرورت تاخیر کرتے ہیں۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 10، صفحہ 603-604 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ باب 107 المعون، آیات 4-5:

‘‘پس خرابی ہے نمازیوں کے لیے۔]لیکن [جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔"

یہاں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جنہوں نے اس بری صفت کو اختیار کیا ہے۔ اگر کوئی اللہ کی رحمت سے دور ہو جائے تو اس دنیا یا آخرت میں کامیابی کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 512 میں موجود ایک حدیث میں فرمایا کہ فرض نماز میں بلا ضرورت تاخیر کرنا نفاق کی علامت ہے۔ قرآن کریم نے واضح کیا ہے کہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی ایک بڑی وجہ فرض نمازوں کو قائم نہ کرنا ہے۔ باب المدثر، آیات 42-43 74:

]اور ان سے پوچھتے ہوئے[، "آپ کو سقر میں کس چیز نے ڈالا؟ "وہ کہیں گے کہ ہم نماز پڑھنے" والوں میں سے نہیں تھے۔

فرض نمازوں کا ترک کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2621 میں موجود حدیث میں اعلان فرمایا کہ جس نے یہ گناہ کیا اس نے اسلام سے کفر کیا۔

اس کے علاوہ کوئی اور نیک عمل کسی مسلمان کو اس وقت تک فائدہ نہیں دے گا جب تک کہ اس کی فرض نمازیں قائم نہ ہوں۔ صحیح بخاری نمبر 553 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر عصر کی فرض نماز چھوٹ جائے تو اس کے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اگر ایک فرض نماز کے ترک کرنے کا یہ حال ہے تو کیا ان سب کو چھوڑنے کی سزا کا تصور کیا جا سکتا ہے؟

صحیح مسلم کی حدیث نمبر 252 میں فرض نمازوں کو ان کے صحیح اوقات میں پڑھنے کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین اعمال میں سے ایک ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ فرض نمازوں کو اپنے وقت سے زیادہ مؤخر کرنا یا ان کو مکمل طور پر غائب کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ کام ہے۔

تمام بزرگوں کے لیے یہ ایک اہم فریضہ ہے کہ وہ اپنے زیر کفالت بچوں کو چھوٹی عمر سے ہی فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دیں تاکہ وہ ان پر شرعی طور پر پابند ہونے سے پہلے ہی اسے قائم کر لیں۔ وہ بالغ جو اس میں تاخیر کرتے ہیں اور بچوں کے بڑے ہونے تک انتظار کرتے ہیں اس انتہائی اہم فریضے میں ناکام رہے ہیں۔ جن بچوں کو صرف فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دی گئی تھی جب یہ ان پر فرض ہو گئی تھی، وہ بہت کم ہی انہیں جلدی قائم کرتے تھے۔ زیادہ تر معاملات میں اس اہم فرض کو صحیح طریقے سے نبھانے میں انہیں برسوں لگ جاتے ہیں۔ اور قصور خاندان کے بزرگوں پر، خاص طور پر والدین پر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 495 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت کی ہے کہ خاندان سب سے زیادہ اپنے بچوں کو جب سات سال کے ہو جائیں تو فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

ایک اور بڑا مسئلہ جس کا بہت سے مسلمانوں کو سامنا ہے وہ یہ ہے کہ وہ فرض نماز تو ادا کر سکتے ہیں لیکن صحیح طریقے سے ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر، بہت سے لوگ نماز کے مراحل کو صحیح طریقے سے مکمل نہیں کر پاتے اور اس کے بجائے اس میں جلدی کرتے ہیں۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 757 میں موجود ایک حدیث واضح طور پر تنبیہ کرتی ہے کہ اس طرح کی نماز پڑھنے والے نے بالکل نماز نہیں پڑھی۔ یعنی ان کا ذکر اس شخص کے طور پر نہیں ہے جس نے اپنی نماز پڑھی اور اس وجہ سے ان کی ذمہ داری پوری نہیں ہوئی۔ جامع ترمذی نمبر 265 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص نماز کے ہر مقام پر قائم نہیں رہتا اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں رکوع اور سجدہ نہ کرنے والے کو بدترین چور قرار دیا۔ موطا مالک، کتاب نمبر 9، حدیث نمبر 75 میں پائی جانے والی ایک حدیث میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے۔ بدقسمتی سے بہت سے مسلمان جنہوں نے کئی دہائیوں سے فرض اور اس جیسی بہت سی نفلی نمازیں ادا کی ہیں، ان میں سے کسی نے بھی گنتی نہیں کی ہے اور اس طرح ان کا شمار کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہے جس نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 1313 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

قرآن پاک عام طور پر مسجد میں جماعت کے ساتھ فرض نماز ادا کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 43:

‘‘اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔’’

درحقیقت اس آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی بنا پر بعض معتبر علماء نے اس کو مسلمان مردوں پر واجب قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر سنن ابوداؤد نمبر 550 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو مسلمان اپنی فرض نمازیں مسجد میں باجماعت ادا نہیں کریں گے انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے منافق قرار دیا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مردوں کے گھروں کو جلانے کی دھمکی بھی دی تھی جو بغیر کسی عذر کے باجماعت مسجد میں اپنی فرض نمازیں ادا کرنے میں ناکام رہے تھے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 1482 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ جو مسلمان اس اہم عمل کو انجام دینے کی پوزیشن میں ہوں وہ کریں۔ انہیں یہ دعویٰ کرنے میں خود کو بیوقوف نہیں بنانا چاہئے کہ وہ دوسرے نیک کام انجام دے رہے ہیں جیسے کہ گھر کے کاموں میں اپنے خاندان کی مدد کرنا۔ یوں تو صحیح بخاری نمبر 676 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے، لیکن ضروری ہے کہ آپ کی روایات کی اہمیت کو اپنی خواہشات کے مطابق ترتیب نہ دیا جائے۔ جو کوئی ایسا کرتا ہے وہ اس کی روایات کی پیروی نہیں کر رہا ہے وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا ہے خواہ وہ نیک عمل ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔ درحقیقت اسی حدیث کا اختتام اس نصیحت سے ہوتا ہے کہ جب فرض نماز کا وقت ہوتا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد کی طرف روانہ ہوتے۔

بنچ کے لوگ

نماز کا رخ تبدیل ہونے کے بعد قبلہ، مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا جنوبی حصہ، پھر مسجد کا پچھلا حصہ بن گیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حصے پر چھت بنانے کا حکم دیا تاکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کے پاس ٹھہرنے کی جگہ نہ تھی اور غریب تھے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح وہاں رہ سکیں۔ مدینہ، اللہ ان سے راضی ہے، سب کو گھر نہیں رکھ سکتا تھا۔ ان کی تعداد سال بھر میں مختلف ہوتی تھی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذاتی طور پر ان کی میزبانی کرتے تھے۔ جو بھی صدقہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تقسیم کرنے کے لیے آتا، وہ اور آپ کے اہل و عیال اس میں سے کوئی حصہ نہیں لیتے تھے اور وہ مدینہ کے غریبوں اور خصوصاً ان صحابہ کرام میں تقسیم کرتے تھے۔ اللہ ان سے راضی ہو۔ اگر کوئی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدیہ بھیجتا تو اس میں سے کچھ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے استعمال کرتا اور باقی غریبوں کو اور خاص طور پر ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دے دیتا۔ یہ لوگ اہل صفہ کے نام سے مشہور ہوئے، یعنی بنچ کے لوگ۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 734-736 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ان میں سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے پاس مال و دولت تھی لیکن انہوں نے اپنا سب کچھ چھوڑ کر ہجرت کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کا انتخاب کیا۔ اس سے براہ راست سیکھیں۔

یہ باب 47 محمد، آیت 7 سے مربوط ہے :

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ کا ساتھ دو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمائے گا۔"

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اسلام کی مدد کرے گا تو اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کی مدد کرے گا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ لاتعداد لوگ اللہ تعالیٰ کی مدد کے خواہاں ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے اس آیت کے پہلے حصے کو پورا نہیں کرتے۔ .اکثر لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ان کے پاس اعمال صالحہ کے لیے وقت نہیں ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے خواہاں ہیں، پھر بھی ان کاموں کے لیے وقت نہیں نکالیں گے جن سے وہ خوش ہے۔ کیا اس کی کوئی منطق ہے؟ جو لوگ فریضہ ادا نہیں کرتے اور پھر ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ سے مدد کی امید رکھتے ہیں وہ بالکل بے وقوف ہیں۔ اور جو لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں لیکن ان سے آگے جانے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ انہیں ملنے والی امداد محدود ہے۔ کس طرح برتاؤ کیا جاتا ہے اس کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے۔ جتنا زیادہ وقت اور توانائی اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوگی، انہیں اتنی ہی زیادہ مدد ملے گی۔ یہ واقعی اتنا آسان ہے۔

،ایک مسلمان کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ زیادہ تر واجبات، جیسے کہ پانچ وقت کی نمازیں صرف ایک دن میں تھوڑا سا وقت لیتی ہیں۔ ایک مسلمان یہ توقع نہیں کر سکتا کہ وہ دن میں بمشکل ایک گھنٹہ فرض نماز کی ادائیگی کے لیے وقف کرے اور پھر باقی دن اللہ تعالیٰ سے غافل رہے اور پھر بھی تمام مشکلات میں اس سے مسلسل مدد کی امید رکھے۔ ایک شخص اس دوست کو ناپسند کرے گا جو اس کے ساتھ ایسا سلوک کرے۔ تو پھر اللہ رب العالمین کے ساتھ ایسا سلوک کیسے ہو سکتا ہے؟

کچھ لوگ صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اضافی وقت صرف کرتے ہیں، جب انہیں کوئی دنیوی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو اس سے اس کو حل کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ایک احسان رضاکارانہ طور پر کیا ہے۔ یہ احمقانہ ذہنیت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی بندگی کے خلاف ہے۔ یہ حیرت انگیز ہے کہ اس قسم کے لوگ اپنی تمام تفریحی سرگرمیاں، جیسے کہ خاندان اور دوستوں کے ساتھ وقت گزارنے، ٹی وی دیکھنا اور سماجی تقریبات میں شرکت کے لیے کیسے وقت نکالتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ وہ قرآن پاک کی تلاوت اور اس کی تعلیمات کو اپنانے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطالعہ اور ان پر عمل کرنے کا وقت نظر نہیں آتا۔ یہ لوگ کسی نہ کسی طرح

اپنی غیر ضروری آسائشوں پر خرچ کرنے کے لیے دولت تلاش کرتے ہیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ انہیں رضاکارانہ خیرات میں دینے کے لیے کوئی دولت نہیں ملتی۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ اس کے برتاؤ کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اضافی وقت لگاتا ہے، تو اسے وہ سہارا مل جائے گا جس کی انہیں تمام مشکلات سے باحفاظت سفر کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر وہ واجبات کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کوئی دوسرا وقت صرف کیے بغیر صرف ان کو پورا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ایسا ہی جواب ملے گا۔ سیدھے الفاظ میں، جتنا زیادہ دیتا ہے، وہ اتنا ہی زیادہ وصول کرے گا۔ اگر کوئی زیادہ نہیں دیتا تو اسے بدلے میں زیادہ امید نہیں رکھنی چاہئے۔

دوسروں کو گمراہ کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے دوسرے سال، نماز کا رخ، قبلہ، یروشلم میں مسجد اقصیٰ سے بدل کر مکہ میں خانہ کعبہ کر دیا گیا۔ یہودیوں کو نماز کی سمت میں اس تبدیلی کو مشکل معلوم ہوا کیونکہ پچھلی نماز کی سمت ان کی نماز کی سمت کے مطابق تھی اور اس لیے انہوں نے اسے اس بات کے ثبوت کے طور پر استعمال کیا کہ وہ صحیح رہنمائی کر رہے تھے۔ ایک یہودی رہنما کعب بن اشرف نے اپنے چند پیروکاروں کو مشورہ دیا کہ وہ ابتدا میں اسلام پر ایمان لائیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مکہ کی طرف نماز پڑھیں اور پھر اسلام سے کفر کریں اور مسلمانوں کی نماز کی ہدایت دن کا اختتام اس کا مقصد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو الجھانا تھا، اور امید ظاہر کی کہ وہ ان کی پیروی کریں گے جیسا کہ وہ مدینہ کے پڑھے لکھے اور پڑھے لکھے لوگ تھے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر پڑھے لکھے لوگوں نے اسلام کے بارے میں جاننے کے بعد اس کا انکار کیا تو یہ غلط ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ 3 علی عمران آیت 72 نازل فرمائی:

"اور اہل کتاب کا ایک گروہ]ایک دوسرے سے [کہتا ہے کہ جو ایمان والوں پر دن کے شروع میں نازل کیا گیا اس پر ایمان لاؤ اور اس کے آخر میں اس کا انکار کرو کہ شاید وہ واپس آجائیں]یعنی اپنے دین کو چھوڑ دیں۔ ["

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 3:72، صفحہ 35 میں بحث کی گئی ہے۔

منافقت کا ایک حصہ یہ ہے کہ انسان نہ صرف خود برے کام کرتا ہے اور عمل صالح سے باز رہتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی ان کی طرح اسی کشتی میں سوار ہوں تاکہ انہیں اپنے برے کردار میں کچھ سکون ملے۔ وہ نہ صرف خود ڈوبتے ہیں

بلکہ دوسروں کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایک شخص ہر دوسرے شخص کے لیے جوابدہ ہوگا جو ان کی دعوت کی وجہ سے گناہ کرتا ہے۔ اس شخص کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے گا جیسے اس نے گناہ کیا ہے اگرچہ اس نے صرف دوسروں کو اس کی طرف دعوت دی۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 203 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ اسی لیے بعض نے کہا ہے کہ مبارک ہے وہ شخص جس کی برائی ان کے ساتھ مر جائے کیونکہ اگر دوسرے ان کی برائی کی نصیحت پر عمل کریں تو اس کے گناہ بڑھ جائیں گے، حالانکہ وہ زیادہ نہیں ہیں۔ زندہ

روزے کی فرضیت

ایک منفرد عمل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے دوسرے سال رمضان کے روزے تمام بالغ مسلمانوں پر فرض ہو گئے الا یہ کہ وہ اسلام سے مستثنیٰ ہوں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 250 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن نسائی نمبر 2219 میں موجود الہی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ تمام اعمال صالحہ جو لوگ انجام دیتے ہیں وہ ان کے لیے ہیں سوائے روزے کے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اسے براہ راست انعام دیں.

یہ حدیث روزے کی انفرادیت پر دلالت کرتی ہے۔ اس کے اس انداز میں بیان ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ باقی تمام اعمال صالحہ لوگوں کو نظر آتے ہیں، جیسے نماز، یا وہ لوگوں کے درمیان ہیں جیسے خفیہ صدقہ۔ جبکہ، روزہ ایک منفرد نیک عمل ہے کیونکہ دوسرے یہ نہیں جان سکتے کہ کوئی شخص صرف روزہ رکھنے سے روزہ رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ، روزہ ایک نیک عمل ہے جو اپنے آپ کے ہر پہلو پر قفل لگاتا ہے۔ یعنی جو شخص صحیح طریقے سے روزہ رکھتا ہے اسے زبانی اور جسمانی گناہوں سے روک دیا جائے گا جیسے کہ حرام چیزوں کو دیکھنا اور سننا۔ یہ بھی نماز کے ذریعے حاصل ہوتا ہے لیکن نماز صرف تھوڑی دیر کے لیے ادا کی جاتی ہے اور دوسروں کو دکھائی دیتی ہے جبکہ روزہ دن بھر ہوتا ہے اور دوسروں کو نظر نہیں آتا۔ باب 29 العنکبوت، آیت 45:

‘‘...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے’’

مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص بغیر کسی جواز کے فرض روزے پورے نہیں کرتا وہ مومن نہیں ہو گا کیونکہ دونوں کا براہ راست تعلق ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 183:

"اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ"

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 723 میں موجود حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر کوئی مسلمان ایک فرض روزہ بغیر کسی شرعی عذر کے پورا نہ کرے تو اس کی قضا نہیں ہو سکتی۔ ثواب اور برکت ضائع ہو جاتی ہے خواہ وہ ساری زندگی روزے رکھے۔

اس کے علاوہ جیسا کہ اس آیت سے اشارہ کیا گیا ہے کہ روزہ صحیح طریقے سے تقویٰ کی طرف لے جاتا ہے۔ یعنی صرف دن کو بھوکا رہنے سے تقویٰ حاصل نہیں ہوتا بلکہ روزے کی حالت میں گناہوں سے بچنے اور اعمال صالحہ کی طرف زیادہ توجہ دینے سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 707 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر کوئی جھوٹ بولنے اور اس پر عمل کرنے سے پرہیز نہ کرے تو روزہ اہم نہیں ہوگا۔ اسی طرح کی ایک حدیث سنن ابن ماجہ نمبر 1690 میں ہے کہ بعض روزہ داروں کو بھوک کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جب کوئی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ ہوشیار اور محتاط ہو جاتا ہے، جب کہ وہ روزے کی حالت میں ہوتے ہیں، یہ عادت بالآخر ان پر اثر انداز ہوتی ہے، اس لیے وہ روزہ نہ رکھتے ہوئے بھی اسی طرح کا برتاؤ کرتے ہیں۔ یہ دراصل حقیقی تقویٰ ہے۔

اس آیت میں جس نیکی کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اس کا تعلق روزے سے ہے کیونکہ روزہ انسان کی بری خواہشات اور شہوتوں کو کم کرتا ہے۔ یہ غرور اور گناہوں کی ترغیب سے روکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ پیٹ کی بھوک اور نفسانی خواہشات کو روکتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں بہت سے گناہوں کو جنم دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان دونوں چیزوں کی خواہش دیگر حرام چیزوں کی خواہش سے زیادہ ہے۔ پس جو شخص روزے کے ذریعے ان پر قابو پالے گا اس کے لیے کمزور خواہشات پر قابو پانا آسان ہو جائے گا۔ یہ حقیقی راستبازی کی طرف جاتا ہے۔

جیسا کہ مختصراً پہلے اشارہ کیا گیا ہے کہ روزے کے مختلف درجات ہیں۔ روزہ کا پہلا اور ادنیٰ درجہ وہ ہے جب کوئی ایسی چیزوں سے پرہیز کرے جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جیسے کہ کھانا۔ اگلا درجہ گناہوں سے پرہیز کرنا ہے جو روزہ کو نقصان پہنچاتے ہیں اور اس کے روزے کے ثواب کو کم کر دیتے ہیں، جیسے جھوٹ بولنا۔ سنن نسائی نمبر 2235 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ روزہ جس میں جسم کے ہر عضو کو شامل کیا جائے اگلا درجہ ہے۔ ،یہ اس وقت ہوتا ہے جب جسم کا ہر عضو گناہوں سے بچتا ہے، مثلاً آنکھ حرام کو دیکھنے سے کان حرام کو سننے سے، وغیرہ۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی روزہ نہ رکھتے ہوئے بھی اس طرح کا برتاؤ کرے۔ آخر میں روزہ کا اعلیٰ درجہ ان تمام چیزوں سے پرہیز کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ سے مربوط نہیں ہیں۔

ایک مسلمان کو باطنی طور پر بھی روزہ رکھنا چاہئے جیسا کہ ان کا جسم گناہ یا لغو خیالات سے پرہیز کرتے ہوئے ظاہری طور پر روزہ رکھتا ہے۔ انہیں اپنی خواہشات کے حوالے سے اپنے منصوبوں پر قائم رہنے سے روزہ رکھنا چاہئے اور اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے پر توجہ دینے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس کے علاوہ، انہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان کو باطنی طور پر چیلنج کرنے سے روزہ رکھنا چاہیے، اور اس کے بجائے تقدیر کے علاوہ اور جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے، وہ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین انتخاب کرتا ہے، چاہے وہ ان انتخاب کے پیچھے کی حکمت کو نہ سمجھیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

آخر میں، ایک مسلمان کو اپنے روزے کو پوشیدہ رکھ کر اور دوسروں کو مطلع نہ کر کے سب سے زیادہ ثواب حاصل کرنا چاہیے اگر یہ گریز کیا جا سکتا ہے کیونکہ غیر ضروری طور پر دوسروں کو بتانے سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ یہ دکھاوے کا ایک پہلو ہے۔

واجب صدقہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے دوسرے سال صدقہ فطر کا حکم ہوا۔ مسلمان اس سے پہلے صدقہ کرتے تھے لیکن اس سال تک صحیح مقدار اور باریک تفصیلات ظاہر نہیں کی گئیں اور حکم دیا گیا تھا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی تصنیف، نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 933-934 میں بحث کی گئی ہے۔

صدقہ فطر نہ دینے پر قرآن پاک اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سخت تنبیہ کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 1403 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص اپنے واجب صدقات کو صدقہ نہ کرے اسے ایک بڑے زہریلے سانپ کا سامنا ہو گا جو قیامت کے دن اسے مسلسل ڈستا رہے گا۔ باب 3 علی عمران، آیت 180:

" اور جو لوگ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو جو کچھ دیا ہے اسے روکے رکھنے والے ہرگز یہ نہ سوچیں کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ بلکہ ان کے لیے بدتر ہے۔ ان کی گردنوں میں قیامت کے دن وہ گھیر لیا جائے گا جو انہوں نے روک رکھا تھا..."

سنن ابن ماجہ نمبر 4019 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جب معاشرے کے افراد واجب صدقہ کو روکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بارش کو روک دیتا ہے اور اگر یہ جانور نہ ہوتے تو وہ بارش کو ہر گز نہ ہونے دیتا۔ اس لیے یہ بڑا گناہ کچھ قوموں کو درپیش طویل خشک سالی کی ایک ممکنہ وجہ ہے۔

واجب صدقہ نہ دینا انتہائی لالچ کی علامت ہے کیونکہ یہ کسی کے مال کا صرف ایک انتہائی چھوٹا حصہ ہے یعنی 2.5%۔ واضح ہے کہ کنجوس اللہ تعالیٰ سے دور اور جہنم کے قریب ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1961 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

مسلمانوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ فرض صدقہ کرنا نہ صرف انہیں عذاب سے بچاتا ہے بلکہ یہ کسی کی زندگی میں برکتوں کا باعث بنتا ہے جو ان کے عطیہ کردہ مال سے کہیں زیادہ ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6592 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ صدقہ کرنے سے مال میں کمی نہیں آتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی عطیہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی تلافی کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، وہ انہیں کاروبار کے مواقع فراہم کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے عطیہ سے زیادہ دولت حاصل کرتے ہیں۔ قرآن مجید کے متعدد مقامات پر اس ادائیگی کی تصدیق کی گئی ہے، مثلاً باب 57 الحدید، آیت 11:

”کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے تو وہ اس کو اس کے لیے کئی گنا بڑھا دے اور اس کے لیے اجر عظیم ہے۔“

اس کے علاوہ یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ کر سکتی ہے کہ چونکہ ہر شخص کا رزق پہلے سے لکھا ہوا ہے جو مال اس پر خرچ کرنا ہے وہ کبھی نہیں بدلے گا چاہے کوئی کتنا ہی مال عطیہ کرے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے مال کا بہت کم حصہ فرض صدقہ کی صورت میں دے کر اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچتا ہے اور اس امید پر کہ دنیا اور آخرت دونوں میں اس سے کہیں زیادہ ہے۔

ایک بری نیت

ثلابہ نامی ایک شخص جس نے خود کو مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا تھا، ایک مرتبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے مال و دولت سے نوازیں تاکہ دوسرے مسلمانوں کی طرح وہ بھی اس کی خدمت کر سکے۔ کثرت سے صدقہ کرو .حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثعلبہ کو تنبیہ کی کہ اس کے لیے بہت زیادہ ہونے سے کم ہونا اور شکر کرنا بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے عاجز ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ وہ ان کی طرح زندگی گزاریں اور تھوڑے ہوں اور مطمئن ہوں۔ ثعلبہ کے مسلسل اصرار کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ تھلابہ کا کاروبار اس قدر بڑھنے لگا کہ اسے مدینہ شہر سے باہر جانا پڑا۔ اس عرصے کے دوران ثلابہ کو صرف جمعہ کی نماز کے وقت مسجد میں دیکھا گیا۔ اس مدت میں ایک خاص مقدار میں صدقہ دینا ان لوگوں پر واجب ہو گیا جو اس کی استطاعت رکھتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ صدقہ جمع کرنے کے لیے مختلف اسلامی علاقوں میں بھیجا جس میں ثعلبہ کی رہائش بھی تھی۔ جب صحابی رضی اللہ عنہ نے ثعلبہ سے واجب صدقہ کی درخواست کی تو اسی لمحے ثعلبہ نے اپنی منافقت ظاہر کی۔ لالچ نے اسے کھا لیا اور اس نے یہ کہہ کر کچھ حقیر الفاظ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے اب اس پر ٹیکس لگا دیا ہے۔ یہ کہنے کے بعد ثعلبہ نے صحابی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آگے بڑھیں اور دوسروں سے واجب صدقہ وصول کریں اور وہ اس وقت کو یہ سوچنے کے لیے استعمال کریں گے کہ اسے دینا ہے یا نہیں۔ جب یہ صحابی رضی اللہ عنہ بالآخر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ثعلبہ تباہ ہو گیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے توبہ میں باب 9، آیات 75-77 نازل کی:

اور ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے دے تو ہم ضرور" صدقہ کریں گے اور ہم ضرور نیک لوگوں میں سے ہوں گے۔ "لیکن جب اس نے انہیں اپنے فضل سے دیا تو وہ اس سے بخل کرتے رہے اور منہ پھیرتے رہے اور انکار کرتے رہے۔ پس اس نے ان کو ان کے دلوں میں نفاق کے ساتھ اس دن تک سزا دی جب تک کہ وہ اس سے ملیں گے - کیونکہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس میں ناکام رہے اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

جب ثعلبہ کو اس کی اطلاع ملی تو وہ فوراً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ اپنا فرض صدقہ کریں۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثعلبہ کو اطلاع دی کہ اللہ تعالیٰ نے اب انہیں اپنا صدقہ لینے سے منع کر دیا ہے۔ یہاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثعلبہ کو ان کے ابتدائی ارادوں کی یاد دلائی۔ ثعلبہ نے کئی سال کوشش کی لیکن ہر بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہت دیر ہو چکی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کبھی نہیں جا سکتا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ملت اسلامیہ کے خلیفہ ہوئے۔ ثلابہ نے ایک بار پھر اپنا فرض صدقہ دے کر اپنی حیثیت بحال کرنے کی کوشش کی۔ لیکن قائد نے سادگی سے جواب دیا کہ اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقہ نہیں لیا تو کیسے؟ ثعلبہ نے اسلامی قوم کے مندرجہ ذیل دو خلفاء کے ساتھ اس کی کوشش کی لیکن انہوں نے بھی دوبارہ ثعلبہ کی کوششوں کو رد کر دیا۔ اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اسباب النزول، 9:75، صفحہ 90-91 میں بحث کی گئی ہے۔

چونکہ اس کی واحد خواہش کمیونٹی میں اپنی حیثیت کو بحال کرنا تھی، اس لیے اس کی پیشکش کو مسترد کر دیا گیا۔ اس کی طرف اشارہ ان آیات کے تحت کیا گیا ہے جن کا حوالہ پہلے دیا گیا ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اپنے ریاکاری سے سچے دل سے توبہ کرتا تو اسے معاف کر دیا جاتا۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4251 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ لوگ گناہ کرتے ہیں لیکن بہترین گناہ کرنے والا وہ ہے جو سچی توبہ کرے۔

چونکہ لوگ فرشتے نہیں ہیں وہ گناہ کرنے کے پابند ہیں۔ وہ چیز جو ان لوگوں کو خاص بناتی ہے جب وہ اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ سچی توبہ میں پشیمانی کا احساس، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، دوبارہ گناہ یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہ کرنے کا پختہ وعدہ

کرنا اور اللہ تعالیٰ کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہیں ان کی تلافی کرنا شامل ہے۔ ، عالی، اور لوگ۔

غور طلب بات یہ ہے کہ صغیرہ گناہوں کو اعمال صالحہ کے ذریعے مٹایا جا سکتا ہے جس کی بہت سی احادیث میں نصیحت کی گئی ہے، جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 550 میں موجود ہے۔ جب تک کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے تو ان کے درمیان چھوٹے گناہ سرزد ہوتے ہیں۔

کبیرہ گناہ صرف سچی توبہ سے مٹ جاتے ہیں۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے، چھوٹے اور بڑے، اور اگر ایسا ہو جائے تو فوراً سچے دل سے توبہ کرے کیونکہ موت کا وقت معلوم نہیں ہے۔ اور انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہیں، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے ۔

کرپشن کو روکنا

جیسا کہ مکہ کے غیر مسلموں نے واضح کر دیا کہ جب تک مدینہ ایک اسلامی ریاست ہے وہ دو شہروں کے درمیان جنگ کے سوا کچھ نہیں ہو گا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے عزم کو کمزور کرنے کی کوشش کی۔ مکہ کے غیر مسلموں کے مالیاتی ڈھانچے پر حملہ کر کے۔ مکہ کے غیر مسلم جب تجارت کے لیے جاتے تو مدینہ سے گزرتے۔ لہٰذا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سفری قافلوں کو نشانہ بنائیں گے تاکہ مکہ کے غیر مسلموں کے مالی معاملات میں خلل ڈالیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مال و دولت کا معاوضہ طلب کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے تو انہیں مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔

ایک موقع پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو نخلہ روانہ کیا تاکہ مکہ کے غیر مسلموں کی جاسوسی کی جائے اور ان کی سرگرمیوں کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں۔ اس نے انہیں لڑائی میں مشغول ہونے کا حکم نہیں دیا۔ لیکن اس مہم کے دوران ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے موقع غنیمت جانا اور ان کے ایک قافلے پر حملہ کر کے ان کا مال چھین لیا اور اس دوران ایک غیر مسلم کو قتل کر دیا اور دو غیر مسلموں کو قیدی بنا کر واپس مدینہ لے جایا گیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جنگ کا حکم نہیں دیا تھا، صرف عقل اکٹھا کرنے کے لیے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ انہوں نے چار حرمت والے مہینوں میں سے کسی ایک میں اس قافلے پر حملہ کیا تھا جس میں عربوں کے لیے متفقہ طور پر لڑائی حرام تھی حالانکہ غیر مسلم بھی اس حکم کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ اور اکثر اپنے آپ کو لڑنے کی اجازت دینے کے لیے کیلنڈر سال میں مہینوں کی ترتیب کو بدل دیتے ہیں۔ باب 9 توبہ، آیات 36-37:

"بے شک مہینوں کی تعداد اللہ کے ہاں بارہ]چاند [مہینے ہے جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ ان میں سے چار مقدس ہیں۔ یہی صحیح دین ہے لہٰذا ان میں اپنے آپ پر ظلم نہ کرو۔ اور کافروں سے مل کر لڑو جیسے وہ تم سے مل کر لڑتے ہیں۔ اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ درحقیقت،]مقدس مہینوں میں پابندی کا [ملتوی کرنا کفر میں اضافہ ہے جس سے کافر گمراہ ہو جاتے ہیں۔ وہ ایک سال اسے حلال کرتے ہیں اور دوسرے سال حرام کرتے ہیں تاکہ

اللہ کی حرام کردہ تعداد کے مطابق ہو اور جو اللہ نے حرام کیا ہو اسے حلال کر دیں۔ ان کے اعمال کی برائی ان کے لیے خوشنما بنا دی گئی ہے۔ اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

ابتدا میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگی قیدیوں یا مال غنیمت کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں فرمایا لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 217 نازل فرمائی اور اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس کی سزا عطا فرمائی۔ اللہ ان سے راضی ہو، راحت:

"وہ تم سے حرمت والے مہینے کے بارے میں پوچھتے ہیں - اس میں لڑائی کے بارے میں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اس میں لڑنا بہت بڑا [گناہ]ہے، لیکن [لوگوں کو]اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد الحرام میں [روکنا]اور وہاں کے لوگوں کو وہاں سے نکالنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اور فتنہ قتل سے بڑھ کر ہے۔ "اور وہ تم سے اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک کہ وہ تم کو تمہارے دین سے پھیر نہ دیں اگر وہ استطاعت رکھتے ہیں۔ اور تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے اور کافر ہی کی حالت میں مر جائے تو ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور یہی لوگ دوزخی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگی قیدیوں اور مال غنیمت کو قبول فرمایا۔ جنگی قیدیوں میں سے ایک نے اسلام قبول کیا اور دوسرے کو مکہ کے غیر مسلموں نے فدیہ دے دیا۔ امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 879-881 اور 890 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

سال کے چار مقدس مہینوں میں جنگ کرنا اسلام کے آنے سے پہلے ہی حرام تھا (ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب)۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ اس آیت میں مذکور غیر مسلموں کی وجہ سے پھیلی ہوئی فساد حرمت والے مہینوں میں لڑائی سے بھی بدتر ہے۔ مکہ کے غیر مسلموں نے اپنے مسلمان رشتہ داروں کو تیرہ سال تک مسلسل ظلم کا نشانہ بنایا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت سے پہلے، محض اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے۔ اس لیے وہ حرمت والے مہینوں میں لڑائی پر اعتراض کرنے کے اہل نہیں تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہ صرف ان کے گھروں سے نکال دیا گیا تھا بلکہ مسجد

الحرام کا راستہ بھی ان کے لیے بند کر دیا گیا تھا، ایک بار جو پہلے نہیں تھا۔ ہزاروں سالوں سے کسی کی طرف سے مسلط کرپشن کے اس ریکارڈ کے ساتھ ان یا کسی اور کے لیے یہ نہیں تھا کہ وہ مقدس مہینوں میں ضرورت پڑنے پر لڑائی پر اعتراض کریں۔

مذکورہ آیت میں فساد سے مراد اسلام کے دشمنوں یعنی مکہ کے غیر مسلموں کی طرف سے ہونے والے ظلم کے وسیع منفی اثرات ہیں۔ اس بدعنوانی کا دل ان کا گمراہ ایمان اور اپنے قبیلوں سے وفاداری، دولت، ثقافت اور جھوٹے خداؤں سے محبت تھی۔ اس آیت سے مزید ثابت ہوتا ہے کہ مکہ میں غیر مسلموں کے ایک مخصوص گروہ کے خلاف جنگ کا حکم دیا گیا تھا اس لیے ان آیات کا اطلاق دوسروں پر نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا ان آیات میں لغزش سے مراد بے گناہوں پر ظلم و ستم ہے۔ اس سے مراد ایسی صورت حال ہے جس میں کسی فرد یا گروہ کو اس لیے ہراساں کیا جاتا ہے اور دھمکی دی جاتی ہے کہ وہ اس وقت موجود تصورات کے برعکس نظریات کے ایک مجموعہ کو قبول کر رہا ہے، اور اس کی تبلیغ کے ذریعے معاشرے کے موجودہ نظام میں اصلاحات کو نافذ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اچھا ہے اور برائی سے منع کرنا۔ لہٰذا، اس فساد سے بے گناہوں کو ہونے والے اس مخصوص نقصان کو روکنے کا واحد طریقہ یہ تھا کہ دشمن سے اس وقت تک لڑا جائے جب تک اسلام کو کھلم کھلا مخالفت کے بغیر عمل کرنے کی اجازت نہ دی جائے اور غیر مسلموں کی وجہ سے معاشرے کو پہنچنے والے منفی نقصانات کو روک دیا جائے۔

اس کے علاوہ، جابر حکمرانوں، جیسے رومیوں اور فارسیوں کی طرف سے ہونے والے بڑے پیمانے پر جبر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بڑے پیمانے پر جانا جاتا تھا۔ وہ اس ملک کے لوگوں پر مسلسل ظلم کرتے جس پر ان کا قبضہ تھا۔ ان لوگوں سے لڑنے سے فوجیوں، سپاہیوں کی ہلاکت کا سبب بن سکتا تھا جنہوں نے لڑنے اور مرنے کے لیے دستخط کیے تھے، لیکن طویل عرصے میں اس نے معصوم شہریوں پر ہونے والے ظلم کو ختم کر دیا۔ اور اگر اسلامی حکومت صحیح طریقے سے قائم ہو جائے جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے بعد سیدھے خلفائے راشدین کے زمانے میں تھی تو ملک میں عدل کا غلبہ ہو گا۔ لہٰذا اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عوام پر دیرینہ ظلم فوجیوں کے قتل سے بھی بدتر ہے اگر اس سے انصاف قائم ہو۔

بدر کی جنگ

عظمت عاجزی میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ ایک قافلہ پر چھاپہ مارنے کے لیے راستے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اپنے اونٹوں پر سوار ہو کر باری باری لے گئے کیونکہ ان کے پاس بہت کم تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی ابن ابو طالب اور ابو لبابہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک اونٹ بانٹ دیا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیدل چلنے کا رخ کیا تو آپ کے دو صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کی جگہ لینے کی پیشکش کی تاکہ آپ اونٹ پر سوار ہو سکیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ وہ ان سے زیادہ طاقتور نہیں ہیں، یعنی وہ زخمی یا بیمار نہیں ہیں کہ وہ اسے نہ چلنے کا بہانہ بنا سکیں، اور آپ نے مزید فرمایا کہ میں چلنے کا ثواب چاہتا ہوں۔ .اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 258 میں بحث کی گئی ہے۔

آج کے قائدین کے برعکس جو ان مشکلات کا سامنا کرنے سے انکار کرتے ہیں جن کا سامنا ان کے پیروکار کرتے ہیں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیش آنے والی مشکلات میں شریک فرمایا۔ یہ اس کی بڑی عاجزی کا مظہر تھا۔ باب 25 الفرقان، آیت 63:

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آسانی سے چلتے ہیں‘‘۔’’

نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کے پاس جو بھی خوبی ہے وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے بندوں اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا ہے۔ اور جس برائی سے وہ بچ گئے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی۔ جو چیز کسی کی نہیں اس پر فخر کرنا کیا حماقت نہیں؟ بالکل

ان سے تعلق نہیں رکھتا اسی طرح جیسے کوئی شخص کسی اسپورٹس کار پر فخر نہیں کرتا جو مسلمانوں کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ حقیقت میں کچھ بھی ان کا نہیں ہے۔ یہ رویہ یقینی بناتا ہے کہ انسان ہر وقت عاجز رہے۔ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے صحیح بخاری نمبر 5673 میں موجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث پر مکمل یقین رکھتے ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کے اعمال صالحہ انہیں جنت میں نہیں لے جائیں گے۔ .صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی اس کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لیے کہ ہر عمل صالح اسی وقت ممکن ہے جب اللہ تعالیٰ اس کو انجام دینے کے لیے علم، طاقت، موقع اور الہام عطا فرمائے۔ یہاں تک کہ عمل کی قبولیت پر .جب کوئی اس کو ذہن میں رکھتا ہے تو یہ انہیں غرور سے کی رحمت اللہ بھی منحصر ہے۔ بچاتا ہے اور انہیں عاجزی اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ عاجز ہونا کمزوری کی علامت نہیں ہے کیونکہ اسلام نے ضرورت پڑنے پر اپنے دفاع کی ترغیب دی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام مسلمانوں کو کمزوری کے بغیر عاجزی کا درس دیتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اٹھائے گا۔ پس حقیقت میں عاجزی دونوں جہانوں میں عزت کا باعث بنتی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے مخلوق میں سے سب سے زیادہ حلیم پر غور کرنے کی ضرورت ہے، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے واضح طور پر لوگوں کو اس اہم صفت کو :اپنانے کا حکم دے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے۔ باب 26 اشعرا، آیت 215

اور اپنے بازو کو نیچے رکھو]یعنی مہربانی کرو [مومنوں میں سے جو تمہاری پیروی کرتے" "ہیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاجزانہ زندگی گزاری۔ مثال کے طور پر، اس نے خوشی سے گھر میں گھریلو فرائض انجام دیے اور یہ ثابت کیا کہ یہ کام صنفی غیر جانبدار ہیں۔ اس کی تصدیق امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 538 میں ہوتی ہے۔

باب 25 الفرقان، آیت 63، ظاہر کرتی ہے کہ عاجزی ایک باطنی خصوصیت ہے جو باہر کی طرف ظاہر ہوتی ہے جیسے کہ چلنے کا راستہ۔ اس پر ایک اور آیت باب 31 لقمان، آیت 18 میں بحث کی گئی ہے۔

"اور اپنا رخسار لوگوں کی طرف مت پھیرو اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو۔"

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ جنت ان عاجز بندوں کے لیے ہے جن میں غرور کا کوئی نشان نہیں ہے۔ باب 28 القصص، آیت 83:

آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لیے مقرر کیا ہے جو زمین میں بلندی اور فساد نہیں چاہتے۔'' اور]بہترین [انجام نیک لوگوں کے لیے ہے۔''

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1998 میں موجود ایک حدیث کی تصدیق فرمائی ہے کہ جس کے پاس ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ فخر کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کیونکہ وہ پوری کائنات کا خالق، پالنے والا اور مالک ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، فخر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں اور جب سچائی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو اسے مسترد کر دیتا ہے کیونکہ وہ اس طرف سے آتا ہے ۔ ان کے علاوہ کسی اور کی قبول کرنا ناپسند کرتے ہیں جب وہ سچائی کو کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4092 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

والدین کا احترام کرنا

ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ کے غیر مسلموں کے قافلے پر چھاپہ مارنے کے لیے روانہ ہونا چاہا، لیکن ان کو حکم دیا گیا کہ وہ پیچھے رہ کر دیکھ بھال کریں۔ اس کی بیمار ماں، جو بعد میں مر گئی .اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1011-1012 میں بحث کی گئی ہے۔

گو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ چھوڑنا ایک انتہائی اہم کام اور فضیلت تھی، پھر بھی آپ کو حکم دیا گیا کہ پیچھے رہ کر اپنی بیمار والدہ کی عیادت کریں۔ یہ والدین کی عزت اور احترام کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک مسلمانوں میں ایک مشہور خصوصیت ہے لیکن بدقسمتی سے بہت سے لوگ اس اہم فرض کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے متعدد مقامات پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کو صرف اسی کی عبادت کے ساتھ رکھا ہے جیسے کہ باب 17 الاسراء آیت 23:

"اور تمہارے رب نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ خواہ ان میں سے ایک یا دونوں آپ کے ساتھ بڑھاپے کو پہنچ جائیں، ان کو "اُف" نہ کہو، [1] اور ان کو دھتکار نہ دو بلکہ ان سے اچھی بات کہو۔

درحقیقت یہی آیت مسلمانوں کو منع کرتی ہے کہ وہ اپنے والدین کے لیے ناراضگی کے لیے ایک لفظ بھی بولیں۔ قرآن مجید کے ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر گزار ہونے کو والدین کے شکر گزار ہونے کو ملایا ہے۔ باب 31 لقمان، آیت 14:

‘‘...میرا اور اپنے والدین کا شکر گزار رہو ’’

حالانکہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دینے والی لاتعداد احادیث موجود ہیں سنن ابن ماجہ نمبر 3662 میں موجود ایک حدیث اس کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی ایسے شخص کو جواب دیا جس نے سوال کیا کہ والدین کے کیا حقوق ہیں یہ اعلان کر کے کہ وہ بچے کے جنت یا جہنم ہیں۔ یعنی اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے تو اس کی وجہ سے وہ جنت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اپنے والدین کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں وہ اس کی وجہ سے جہنم میں ڈالے جا سکتے ہیں۔

حالانکہ والدین کا فرمانبردار رہنا، جب تک کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی شامل نہ ہو، بہت مشکل ہے، خاص کر اس دن اور دور میں مسلمانوں کو صبر کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور والدین سے جھگڑا نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی مسلمان ان سے اختلاف کرتا ہے تو وہ ہر وقت ان کا احترام کر سکتا ہے اور اسے برقرار رکھنا چاہیے۔

شرافت تقویٰ میں مضمر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کے غیر مسلموں کے قافلے پر حملہ کرنے کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے تو آپ نے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو ان کی غیر موجودگی میں جماعت کی امامت کا انچارج مقرر کیا۔ .اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 257 میں بحث کی گئی ہے۔

ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ایک نابینا اور غریب آدمی تھے اور اگرچہ اور بھی لوگ تھے جو اپنے قبیلوں کے سردار سمجھے جاتے تھے پھر بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں امامت کے لیے مقرر کیا۔ باجماعت نماز .اس سے اسلام میں مساوات کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6543 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ ان کے ظاہری شکل وصورت یا مال کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی باطنی نیت کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔ اور ان کے جسمانی اعمال۔

سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی کوئی بھی کام کرتے ہیں تو ہمیشہ اپنی نیت کو درست کرنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اسے صرف اس صورت میں اجر دے گا جب وہ اس کی رضا کے لیے عمل صالح کریں گے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں اور چیزوں کی خاطر اعمال انجام دیتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔ 3154

اس کے علاوہ یہ حدیث اسلام میں مساوات کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک شخص دنیاوی چیزوں جیسے اس کی نسل یا دولت کے لحاظ سے دوسروں سے برتر نہیں ہے۔ حالانکہ بہت سے مسلمانوں نے سماجی ذاتوں اور فرقوں جیسی یہ رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں اس طرح بعض کو دوسروں سے بہتر مانتے ہوئے اسلام نے واضح طور پر اس تصور کو رد کر دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اسلام کی نظر میں اس لحاظ سے تمام لوگ برابر ہیں۔ صرف ایک چیز جو ایک مسلمان کو دوسرے پر فضیلت بخشتی ہے وہ ہے ان کی تقویٰ کا مطلب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو کتنا پورا کرتے ہیں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

”بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے“۔

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے آپ کو مشغول رکھ کر اس کے حقوق اور لوگوں کے حقوق ادا کرے اور اس بات پر یقین نہ کرے کہ جو چیز ان کے پاس ہے یا اس سے تعلق رکھتی ہے وہ کسی طرح انہیں عذاب سے بچا لے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ جس مسلمان میں اعمال صالحہ کی کمی ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ ان کے نسب کی وجہ سے درجہ بندی .حقیقت میں، یہ تمام دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دولت، نسل، جنس یا سماجی بھائی چارے اور ذات پات۔

وکیل تلاش کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ مکہ کے غیر مسلموں کے قافلے پر چھاپہ مارنے کے لیے راستے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے لشکر تیار کر رکھا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کی رائے دریافت فرمائی کہ کیا کیا جائے؟ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 259-260 میں بحث کی گئی ہے۔

کچھ مسلمانوں نے عجیب ذہنیت اختیار کی ہے جہاں وہ اپنے معاملات کے بارے میں بہت سے لوگوں کو مشورہ دیتے ہیں۔ اس رویہ کا مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی بہت سے لوگوں کو بتاتا ہے تو ان کے مسائل بتانا اور مشورہ لینا ان کی مشکلات کی شکایت کا ذریعہ بن جاتا ہے جو ان کی بے صبری کی واضح علامت ہے۔ اس کے علاوہ، یہ رویہ کسی کو صرف الجھن کا باعث بنے گا کیونکہ انہیں ملنے والی نصیحتیں مختلف ہوں گی جس کی وجہ سے وہ صحیح راستے کے بارے میں زیادہ سے زیادہ غیر یقینی ہو جائیں گے۔ جبکہ چند عقلمندوں سے مشورہ کرنا کسی کے یقین میں اضافے کا سبب ہی بنے گا۔ بہت سے لوگوں کے سامنے کسی کے مسائل کو بار بار دہرانے سے وہ اپنے مسئلے پر بہت زیادہ توجہ مرکوز کرنے کا سبب بنتا ہے جس کی وجہ سے یہ حقیقت سے زیادہ بڑا اور اہم دکھائی دیتا ہے، یہاں تک کہ اس کی وجہ سے وہ اپنے دوسرے فرائض سے غفلت برتتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنے مسائل پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ زیادہ بے صبری.

اس لیے مسلمانوں کو اپنے معاملات میں صرف چند لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ قرآن کریم کی نصیحت کے مطابق ان چند لوگوں کا انتخاب کریں۔ باب 16 النحل، آیت 43:

’’پس اہلِ پیغام سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔‘‘

یہ آیت مسلمانوں کو علم رکھنے والوں سے مشورہ کرنے کی یاد دلاتی ہے۔ جیسا کہ ایک جاہل شخص سے مشورہ کرنے سے مزید پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنی جسمانی صحت کے بارے میں کار مکینک سے مشورہ کرنا بے وقوف ہو گا ایک مسلمان کو صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے جو اس کے بارے میں علم رکھتے ہوں اور اس سے منسلک اسلامی تعلیمات۔

اس کے علاوہ ایک مسلمان کو صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کبھی بھی دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ نہیں دیں گے۔ جبکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے یا اس کی اطاعت نہیں کرتے وہ علم اور تجربہ رکھتے ہیں لیکن وہ آسانی سے دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ دیتے ہیں جس سے صرف پریشانیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے حقیقی علم کے مالک ہوتے ہیں اور یہی علم دوسروں کو ان کے مسائل میں کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ باب 35 فاطر، آیت 28:

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں‘‘۔’’

اسٹینڈنگ فرم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ مکہ کے غیر مسلموں کے قافلے پر چھاپہ مارنے کے لیے راستے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے لشکر تیار کر رکھا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کی رائے دریافت فرمائی کہ کیا کیا جائے؟

اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر حال میں آپ کی حمایت کا عہد کر کے تسلی دی اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حوصلہ دیا۔ انہیں، ایسا کرنے کے لئے .پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اٹھے اور وہی کام کیا :انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کا عہد کیا اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دی۔ اس پر امام محمد السلّابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 93-94 میں بحث کی گئی ہے۔

مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُمّتِ موسیٰ علیہ السلام کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں چھوڑیں گے۔ بے عزتی کے ساتھ اعلان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے رب جا کر لڑ سکتے ہیں کیونکہ وہ ان کی مدد کرنے والے نہیں تھے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 24:

انہوں نے کہا اے موسیٰ ہم اس میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ اس کے اندر ہیں، پس تم اور تمہارا رب جاؤ اور لڑو، ہم یہیں ٹھہرے ہوئے ہیں۔

اس کے بجائے، مقداد رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے ساتھ ہر حال میں لڑیں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 250-260 میں بحث کی گئی ہے۔

چونکہ اس مسلم فوج کی اکثریت مدینہ سے آنے والے صحابہ کی تھی، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے چاہا کہ وہ اپنا تعاون دیں۔ ان کے سرداروں میں سے ایک سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اس بات کو جان لیا اور مدینہ کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم دیں گے وہ ان کی اطاعت کریں گے۔ ایسا کرنے کے لئے .انہوں نے مزید کہا کہ اگر انہیں لڑنے کے لیے سمندر میں چھلانگ لگانے کا حکم دیا گیا تو وہ ایسا کریں گے اور ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہیں ہٹے گا۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 212-213 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے کی اہمیت کی یاد دلاتا ہے جب بھی ان پر ان کے دشمنوں یعنی شیطان، ان کے باطنی شیطان اور ان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دینے والے حملہ آور ہوتے ہیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی ان دشمنوں کے فتنے میں مبتلا ہو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ نہ پھیرے۔ اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ ان جگہوں، چیزوں اور لوگوں سے اجتناب کرنے سے حاصل ہوتا ہے جو انہیں گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے اور فتنہ میں ڈالتے ہیں۔ شیطان کے جال سے بچنا صرف اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح راستے میں پھنسنے سے صرف اسی طرح علم رکھنے سے بچا جاتا ہے۔ شیطان کے جال سے بچنے کے لیے اسلامی علم کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان قرآن پاک کی تلاوت میں زیادہ وقت صرف کر سکتا ہے لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے وہ غیبت جیسے گناہوں کے ذریعے اپنے اعمال صالحہ کو سمجھے بغیر برباد کر سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو ان حملوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ان کے لیے تیاری کریں اور اس کے بدلے میں بے شمار اجر حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس راہ میں جدوجہد کرنے والوں کے لیے صحیح رہنمائی کی ضمانت دی ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 69:

’’اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔‘‘

جبکہ جہالت اور نافرمانی کے ساتھ ان حملوں کا سامنا کرنا دونوں جہانوں میں مشکلات اور رسوائی کا باعث بنے گا۔ اسی طرح ایک سپاہی جس کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں وہ شکست کھا جائے گا۔ ان حملوں کا سامنا کرتے وقت ایک جاہل مسلمان کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں ہوگا جس کے نتیجے میں ان کی شکست ہوگی۔ جبکہ باشعور مسلمان کو وہ طاقتور ترین ہتھیار مہیا کیا جاتا ہے جس پر قابو نہیں پایا جا سکتا اور نہ مارا جا سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت۔ یہ صرف خلوص نیت سے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ، منافقت کا ایک پہلو یہ ہے کہ جب کوئی زبانی طور پر دوسروں اور ان کے اچھے منصوبوں جیسے کہ مسجد کی تعمیر کے لیے حمایت کا اظہار کرتا ہے لیکن جب اس منصوبے ،میں حصہ لینے کا وقت آتا ہے، جیسے کہ دولت کا عطیہ کرنا، وہ غائب نظر آتا ہے۔ اسی طرح جب لوگ اچھے وقت کا سامنا کر رہے ہوتے ہیں تو وہ زبانی طور پر ان کی حمایت کرتے ہیں اور دوسروں کو ان کی وفاداری کی یاد دلاتے ہیں۔ لیکن جس وقت عوام کو مشکلات کا سامنا ہوتا ہے یہ منافق کوئی جذباتی یا جسمانی سہارا نہیں دیتے۔ اس کے بجائے وہ ان پر تنقید کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافقین کا یہی رویہ تھا۔ باب 4 النساء آیت 62:

”تو کیسا ہو گا جب ان کے ہاتھوں کے آگے بڑھنے کی وجہ سے ان پر کوئی آفت آجائے اور پھر وہ اللہ کی قسم کھا کر آپ کے پاس آئیں کہ ہم نے حسن سلوک اور رہائش کے سوا کچھ نہیں چاہا۔“

شیطانی سازشوں کا خاتمہ

ابو سفیان کی سربراہی میں غیر مسلم کارواں نے ایک متبادل راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا جو انہیں مسلمانوں سے بحفاظت دور لے گیا۔ اس کے بعد ابو سفیان نے مکہ کے غیر مسلموں کو پیغام بھیجا، جنہوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک بڑی فوج جمع کی تھی، وہ مکہ واپس لوٹ آئیں کیونکہ ان کا قافلہ محفوظ تھا۔ لیکن ابو جہل جو کہ غیر مسلم فوج کے لیڈروں میں سے ایک تھا، نے اصرار کیا کہ وہ بدر کی طرف کوچ کرتے رہیں، مسلمانوں کا مقابلہ کریں اور انہیں ہمیشہ کے لیے تباہ کر دیں۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 211-212 میں بحث کی گئی ہے۔

کسی کو کبھی بھی برے کام کرنے کی سازش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ ہمیشہ، کسی نہ کسی طرح، ان پر الٹا فائر ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر یہ نتائج اگلے جہان تک موخر کر دیے جائیں تو آخرکار ان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو نقصان پہنچانا چاہا جیسا کہ وہ اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت، احترام اور پیار چاہتے تھے۔ لیکن یہ واضح ہے کہ ان کی تدبیریں انہیں اپنی خواہش سے دور کر دیتی ہیں۔ باب یوسف، آیت 18 12:

اور وہ اس کی قمیض پر جھوٹا خون لے آئے۔]یعقوب [نے کہا، "بلکہ تمہاری روحوں نے تمہیں کسی چیز پر آمادہ کیا ہے، اس لیے صبر سب سے زیادہ مناسب ہے۔"

جتنی زیادہ برائی کی تدبیریں کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مقصد سے دور کر دے گا۔ خواہ وہ ظاہری طور پر اپنی خواہش پوری کر لیں، اللہ تعالیٰ جس چیز کی خواہش کی تھی وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے لعنت بن جائے گا الا یہ کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

لیکن شیطانی سازش اپنے لوگوں کے علاوہ کسی کو نہیں گھیرتی۔ پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے..."
‘‘راستے]یعنی تقدیر [کے سوا انتظار کرتے ہیں؟

اچھی نصیحت قبول کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر پہنچے تو ایک جگہ رک گئے۔ حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ آیا اس جگہ رکنا حکم الٰہی ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار؟ جب اس نے جواب دیا کہ یہ ان کا انتخاب ہے نہ کہ حکم الٰہی، تو حباب رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ دیا کہ وہ کسی اور جگہ کیمپ لگائیں، کیونکہ یہ حکمت عملی سے زیادہ فائدہ مند تھا۔ .حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی نصیحت کو قبول کیا اور اس پر عمل کیا۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 267 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

کسی کی طرف سے دی گئی اچھی نصیحت کو ٹھکرانا فخر کی علامت سمجھا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث نمبر 265 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ انہوں نے واضح کیا کہ فخر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص سچائی کو مسترد کرتا ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔

تکبر رکھنے والے کو نیک اعمال کی کوئی مقدار فائدہ نہیں دے گی۔ یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی شیطان کو دیکھتا ہے اور جب وہ مغرور ہو گیا تو اس کی ان گنت سالوں کی عبادت نے اسے کیسے فائدہ نہیں پہنچایا۔ درحقیقت، مندرجہ ذیل آیت واضح طور پر غرور کو کفر سے جوڑتی ہے اس لیے ایک مسلمان کو ہر قیمت پر اس بری صفت سے بچنا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 34:

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

مغرور وہ ہے جو حق کو اس وقت رد کرتا ہے جب وہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کیونکہ یہ ان کی طرف سے نہیں آیا تھا اور یہ ان کی خواہشات اور ذہنیت کو چیلنج کرتا ہے۔ مغرور شخص یہ بھی مانتا ہے کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں حالانکہ وہ اپنے آخری انجام اور دوسروں کے آخری انجام سے بے خبر ہیں۔ یہ صریح جہالت ہے۔ درحقیقت، کسی بھی چیز پر فخر کرنا بے وقوفی ہے۔ یہاں تک کہ نیک اعمال بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ الہام، علم اور قوت کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ لہٰذا جس چیز کا تعلق فطری طور پر نہیں ہے اس پر فخر کرنا صریح حماقت ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ایک شخص جو اس حویلی پر فخر کرتا ہے جس کا وہ مالک بھی نہیں اور نہ ہی رہتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فخر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، کیونکہ وہی ہر چیز کا خالق اور پیدائشی مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ کو للکارنے والا تکبر کے ساتھ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4090 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عاجزی اختیار کرے۔ عاجز واقعی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے پاس جو بھی بھلائی ہے اور وہ تمام برائیاں جن سے وہ محفوظ ہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی طرف سے نہیں۔ پس عاجزی انسان کے لیے غرور سے زیادہ موزوں ہے۔ انسان کو بے وقوف نہیں بنایا جانا چاہئے کہ عاجزی رسوائی کا باعث بنتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندوں سے زیادہ عزت والا کوئی نہیں ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرنے والے کے درجات میں اضافے کی ضمانت دی ہے۔

قائدین سے اخلاص

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ جب مسلمانوں کا لشکر میدان جنگ میں پہنچا تو ایک صحابی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک عارضی پناہ گاہ بنائی جائے۔ اگر مسلمانوں کی فوج جنگ ہار جاتی ہے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پسپائی اختیار کر سکتے تھے اور مدینہ میں اپنے باقی صحابہ رضی اللہ عنہم سے دوبارہ جا سکتے تھے۔ انہوں نے مزید کہا کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ صرف مدینہ میں ہی پیچھے رہ گئے کیونکہ انہیں علم نہیں تھا کہ جنگ ہونے والی ہے اور وہ ہمیشہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے لیے کوشاں رہیں گے۔ اسے اچھی نصیحت .حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے خیال سے اتفاق کیا لیکن پھر بھی جنگ میں کسی اور سے زیادہ حصہ لیا۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 268 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام معاشرے کے قائدین کے لیے اخلاص ہے۔ اس میں انہیں بہترین مشورے کی پیشکش کرنا اور ان کے اچھے فیصلوں میں کسی بھی ضروری طریقے سے مدد کرنا شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جسمانی مدد۔ امام مالک کی موطا، کتاب نمبر 56، حدیث نمبر 20 میں موجود ایک حدیث کے مطابق اس فرض کو ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ باب 4 النساء آیت 59:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہیں..."

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاشرے کے سربراہان کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں اگر یہ خالق کی نافرمانی کا باعث بنے۔ اس طرح کے معاملات میں لیڈروں کے خلاف بغاوت کرنے سے گریز کیا جانا چاہیے کیونکہ اس سے صرف معصوم لوگوں کا ہی

نقصان ہوتا ہے۔ اس کے بجائے قائدین کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی سے نیکی اور برائی سے منع کرنا چاہیے۔ دوسروں کو اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کرنی چاہیے اور ہمیشہ راہنماؤں سے صحیح راستے پر چلنے کی دعا کرنی چاہیے۔ لیڈر سیدھے رہیں گے تو عوام بھی سیدھے رہیں گے۔

لیڈروں کے ساتھ دھوکہ کرنا منافقت کی علامت ہے جس سے ہر وقت بچنا چاہیے۔ اخلاص میں ان معاملات میں ان کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے جو معاشرے کو بھلائی پر اکٹھا کرتے ہیں اور ہر اس چیز سے تنبیہ کرتے ہیں جو معاشرے میں خلل پیدا کرے۔

تقدیر میں نیکی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ جب غیر مسلم لشکر پہلے بدر میں پہنچے تو انہوں نے اس جگہ پر پڑاؤ ڈالا جو اعلیٰ معلوم ہوتا تھا جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہ جگہ چھوڑ دی گئی جو کمتر معلوم ہوتی تھی۔ لیکن بارش ہونے کے بعد یہ صورتحال پلٹ گئی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا پڑاؤ افضل مقام بن گیا۔ بارش نے اس زمین کو مزید مضبوط بنا دیا جس پر وہ ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ بارش نے انہیں وضو اور دیگر ضروریات کے لیے بارش کے پانی کو آسانی سے پکڑنے کا موقع بھی دیا۔ باب 8 الانفال، آیت 11:

"]یاد کرو [جب اس نے اپنی طرف سے سلامتی کے ساتھ تم پر غنودگی طاری کر دی اور تم پر آسمان سے بارش برسائی جس سے تم کو پاک کرے اور تم سے شیطان کی برائیوں کو دور کرے اور تمہارے دلوں اور پودوں کو ثابت قدم رکھے۔ مضبوطی سے اس طرح آپ کے پاؤں."

تفسیر ابن کثیر، جلد 4، صفحہ 271-272 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

انہیں جو غنودگی نصیب ہوئی وہ تحفظ کے احساس کی وجہ سے تھی جو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ڈال دی جس نے انہیں شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رکھا۔ اگر وہ گھبراتے تو وہ نہ سوتے۔ اس نیند نے انہیں جنگ سے پہلے مکمل آرام کرنے کا موقع بھی دیا۔ وہ واحد شخص جس کو نیند نہیں آتی تھی وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اس نے رات اللہ تعالیٰ سے فتح کے لیے دعائیں مانگتے گزاری۔ مسند احمد نمبر 1161 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

مذکورہ آیت اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ جب حالات سازگار نظر نہیں آتے تو اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے کیونکہ حالات کیسی ہی کیوں نہ ہوں انہیں برکتیں اور کامیابیاں ملیں گی۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4168 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ تقدیر پر سوال نہ کریں کیونکہ یہ شیطان کے لیے دروازہ کھول دیتا ہے۔ وہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو چیلنج کرنے کی ترغیب دیتا ہے، کیونکہ وہ اپنی کم نگاہی کی وجہ سے اس کے پیچھے موجود حکمت کا مشاہدہ نہیں کرتے۔ یہ بدلے میں بے صبری اور ثواب کے نقصان کا باعث بنتا ہے۔ کسی کو اپنے ماضی کے تجربات پر غور کرنا چاہئے جہاں وہ سمجھتے تھے کہ کوئی چیز اچھی تھی جب وہ حقیقت میں بری تھی اور اس کے برعکس تاکہ انہیں صبر کرنے کی ترغیب ملے کیونکہ انہیں جلد یا بدیر یہ فوائد دکھائے جائیں گے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

الہی نعمتیں اور حمایت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے شروع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غیر مسلموں کی نظروں میں تھوڑے اور اس کے برعکس دکھایا، تاکہ لڑائی ہو اور حق باطل پر غالب آجائے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے دشمن کی تعداد 70 بتائی اور صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے دشمن کی تعداد 100 بتائی لیکن جب جنگ شروع ہوئی تو اللہ تعالی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دکھایا کہ وہ غیر مسلموں سے دوگنا ہوں تاکہ ان کے دلوں میں خوف پیدا ہو اور اس طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کی مدد کی جا سکے۔ اللہ ان سے راضی ہو۔ اصل تعداد 1000 غیر مسلموں کے مقابلے میں تقریباً 310 مسلمان تھی۔ باب 8 الانفال، آیت 44:

"اور یاد کرو جب اس نے تمہیں ان کو دکھایا، جب تم ملے، تمہاری نظروں میں تھوڑے، اور اس نے تمہیں ان کی نظروں میں کم دکھایا تاکہ اللہ پہلے سے طے شدہ کام کو پورا کر دے۔"

اور باب 3 علی عمران، آیت 13:

’’تمہارے لیے پہلے ہی دو لشکروں میں ایک نشانی موجود ہے جو [بدر کے معرکہ میں [آپس میں لڑ رہے تھے ایک اللہ کی راہ میں لڑنے والا اور دوسرا کافروں کا۔ اُنہوں نے اُن کو]اپنی [بصارت سے]اپنی [تعداد سے دوگنا ہوتے دیکھا۔ لیکن اللہ جسے چاہتا ہے اپنی فتح سے نوازتا ہے۔ بے شک اس میں بصیرت والوں کے لیے عبرت ہے۔‘‘

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 269 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 1081 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی کہ کس طرح اپنے رزق میں برکت، الٰہی مدد اور اپنی حالت و حالت میں بہتری حاصل کریں۔

پہلی چیز یہ ہے کہ انسان مرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرے۔ چونکہ موت کا وقت معلوم نہیں یہ حدیث درحقیقت خلوص دل سے توبہ کرنے کی طرف اشارہ کرتی ہے جب بھی کوئی گناہ کرتا ہے یعنی بغیر تاخیر کے توبہ کرنا۔ یہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے پر مشتمل ہے، اور جس کے ساتھ بھی ظلم ہوا ہے، ندامت محسوس کرنا، دوبارہ ایسا یا ایسا ہی گناہ نہ کرنے کا پختہ وعدہ کرنا۔ اور آخر میں، اگر ممکن ہو تو، اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہیں ان کی تلافی کرنا۔

،اس کے بعد جو اہم حدیث میں نصیحت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کو ذمہ داریوں بیماری یا کسی مشکل میں مشغول ہونے سے پہلے اپنے وقت کا استعمال کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کر کے یہ حاصل کر سکتا ہے۔ ان کو چاہیے کہ وہ اپنی وساطت کے مطابق عمل صالح کرنے میں جلدی کرے اور جس کل کی انہیں امید ہے وہ کبھی نہ آئے۔ امید کی جاتی ہے کہ اس طرح کا برتاؤ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ملے گی جب کہ حالات کی تبدیلی کی وجہ سے وہ مزید اعمال صالحہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔

اس کے بعد جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا رشتہ مضبوط کرنا چاہیے اور اس کا ذکر کثرت سے کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا حقیقی ذکر تین درجوں پر مشتمل ہے۔ پہلا داخلی ذکر ہے، اس کے لیے اخلاص۔ دوسرا درجہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے، اچھی بات کہنے اور لغو اور گناہ کی باتوں سے اجتناب پر مشتمل ہے۔ اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنے اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کی جائے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔

اصل حدیث میں جو آخری چیز مذکور ہے وہ پوشیدہ اور کھلا کثرت سے صدقہ دینا ہے۔ اس میں واجب اور رضاکارانہ صدقہ دونوں شامل ہیں۔ غور کرنا ضروری ہے، اس کا مطلب ہے صدقہ دینا اپنے وسیلہ کے مطابق دینا چاہے زیادہ ہو یا تھوڑا۔ اللہ تعالیٰ مقدار کا مشاہدہ نہیں کرتا ہے وہ معیار کے معنی، اخلاص کی بنیاد پر اعمال کا مشاہدہ اور فیصلہ کرتا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس سے مسلمانوں کو اپنے وسائل کے مطابق صدقہ دینے کے علاوہ کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ صدقہ ایک بار کی بجائے باقاعدگی سے دیا جائے کیونکہ معمول کے اعمال اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب ہیں خواہ وہ تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں۔ صحیح بخاری نمبر 6465 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ آخر میں جو لوگ دوسروں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دینا چاہتے ہیں وہ اسے کھلے عام دے سکتے ہیں۔ اس سے انہیں وہی اجر ملے گا جو ان لوگوں کو ملے گا جو ان کی تحریک کی وجہ سے عطیہ کرتے ہیں۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ لیکن جو لوگ دکھاوے سے ڈرتے ہیں جس سے ان کا اجر منسوخ ہو جاتا ہے تو وہ نجی طور پر ایسا کریں۔ اسلام نے مسلمانوں کو بہت زیادہ اجر حاصل کرنے کے بہت سے اختیارات اور مواقع فراہم کیے ہیں جو دونوں جہانوں میں ان کے بوجھ کو ہٹانے کا باعث بنتے ہیں۔

سچی امید

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلسل اور دلجمعی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ انہیں فتح عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ سے اس کی التجائیں اتنی شدید تھیں کہ جب وہ دعا میں ہاتھ اٹھاتا تو اس کی چادر کندھوں سے پھسل جاتی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اپنی چادر بدل دیتے تھے اور ہمدردی کے اظہار کے لیے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی۔ اس کی شدت کو کم کرنے کے لیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرے گا اور اسے فتح عطا کرے گا۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 273 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے کامل بندے ہیں، اس لیے آپ نے اپنے رب اور آقا کی طرف رجوع کرنے اور دعا کرنے سے باز نہیں رکھا۔ جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے دوران اللہ تعالیٰ سے سچی امید کے مقام پر تھے۔

جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحمت الٰہی سے حقیقی امید اور خواہش مندانہ سوچ کے درمیان فرق بیان فرمایا۔ حقیقی امید وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ کر اپنی روح کو قابو میں رکھے اور آخرت کی تیاری کے لیے سرگرم جدوجہد کرے۔ جبکہ احمق خواہش مند مفکر ان کی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت اور ان کی خواہشات کی تکمیل کی توقع رکھتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ان دونوں رویوں میں خلط ملط نہ کریں تاکہ وہ ایک خواہش مند مفکر کے طور پر جینے اور مرنے سے بچیں کیونکہ اس شخص کے اس دنیا یا آخرت میں کامیاب ہونے کا بہت زیادہ امکان نہیں ہے۔ خواہش مند سوچ ایک کسان کی طرح ہے جو پودے لگانے کے لیے زمین کو تیار کرنے میں ناکام رہتا ہے، بیج لگانے میں ناکام رہتا ہے، زمین کو

پانی دینے میں ناکام رہتا ہے اور پھر بڑی فصل کی کٹائی کی توقع رکھتا ہے۔ یہ صریح حماقت ہے اور اس کسان کے کامیاب ہونے کا امکان بہت کم ہے۔ جبکہ حقیقی امید ایک کسان کی طرح ہے جو زمین کو تیار کرتا ہے، بیج لگاتا ہے، زمین کو پانی دیتا ہے اور پھر یہ امید رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بڑی فصل سے نوازے گا۔ اہم فرق یہ ہے کہ جو شخص سچی امید رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی پوری کوشش کرتا ہے، اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز رہتا ہے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق ہوتا ہے۔ اس پر اور جب بھی پھسلتے ہیں تو سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ جبکہ خواہش مند مفکر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سرگرداں نہیں ہو گا بلکہ ان کی خواہشات کی پیروی کرے گا اور پھر بھی اللہ تعالیٰ سے یہ امید رکھے گا کہ وہ انہیں معاف کر دے گا اور ان کی خواہشات کو پورا کرے گا۔

لہٰذا مسلمانوں کو اس اہم فرق کو سیکھنا چاہیے تاکہ وہ خواہش مندانہ سوچ کو ترک کر سکیں اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ سے سچی امید اختیار کر سکیں جو ہمیشہ دونوں جہانوں میں بھلائی اور کامیابی کے سوا کچھ نہیں دیتی۔ صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مدد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ اس دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ غیر مسلموں کی طرف والے بعض لوگوں کو اس طرح قتل نہ کریں کہ وہ ہچکچاتے ہوئے میدان جنگ میں آئے تھے۔ اس کے علاوہ، اس نے ابو البختری نامی ایک شخص کے قتل سے منع کیا، کیونکہ اس نے مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بائیکاٹ کی دستاویز کو منسوخ کر دیا تھا۔ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے آپ پر درود و سلام۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 290 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جیسا کہ ابو البختری نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدد کی، اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی۔

صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی مسلمان کی مدد کرتا رہے گا جب تک وہ دوسروں کی مدد کرتا رہے گا۔ ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ جب وہ کسی کام کے لیے کوشش کرتے ہیں یا کسی خاص کام کو مکمل کرنے کے لیے کسی دوسرے کی مدد کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ کامیاب یا ناکامی پر ختم ہو سکتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی کی مدد کرتا ہے تو اس کا کامیاب نتیجہ یقینی ہوتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے مفاد کے لیے تمام اچھے کاموں میں دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کریں تاکہ انہیں دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہو۔

اس کے علاوہ یہ واقعہ بری صحبت کے خلاف بھی تنبیہ کرتا ہے، کیونکہ یہ لوگ اس جنگ کے دوران مکہ کے غیر مسلموں سے ان کی وفاداری کی بنا پر ان کے ساتھ شامل ہونے پر مجبور ہوئے تھے۔

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ سچی محبت کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتا ہے، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ اس لیے کہ اطاعت دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی اور سلامتی کا باعث بنتی ہے۔ جو شخص کسی شخص کے لیے حفاظت اور کامیابی کا خواہاں نہیں ہے وہ کبھی بھی ان سے حقیقی محبت نہیں کر سکتا چاہے وہ کیا دعویٰ کرے یا دوسرے شخص کے ساتھ کیسا سلوک کرے۔ جس طرح بندہ اس وقت خوش ہوتا ہے جب اس کے محبوب کو دنیاوی کامیابی ملتی ہے، جیسے نوکری کی، وہ بھی اپنے محبوب سے آخرت کی کامیابی کی تمنا کرے گا۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی حفاظت اور کامیابی کی پرواہ نہیں کرتا ہے خاص طور پر اگلے جہان میں تو وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔

ایک سچا عاشق اپنے محبوب کو دنیا یا آخرت میں مشکلات اور عذاب کا سامنا کرتے ہوئے جاننا اور دیکھنا برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتے۔ اگر کوئی شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کے بجائے کسی دوسرے کو اپنے ذاتی مفاد یا دوسروں کے مفاد کی طرف لے جائے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں رکھتے۔ یہ تمام رشتوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دوستی اور رشتہ دار۔

لہٰذا ایک مسلمان کو یہ اندازہ لگانا چاہیے کہ آیا اس کی زندگی میں وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو یہ ان کے لیے ان کی محبت کی واضح علامت ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں کرتے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

‘‘اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔’’

مخلصانہ مشورہ دینا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر مسلموں میں سے ایک سردار عتبہ ابن ربیعہ کو غیر مسلم لشکر میں دیکھا۔ اس کے بعد اس نے تبصرہ کیا کہ اگر غیر مسلم فوج میں سے کسی میں بھلائی ہے تو وہ وہ ہے اور اگر فوج اس کی بات مانے گی تو وہ صحیح کام کریں گے۔ دریں اثنا، عتبہ نے غیر مسلموں پر زور دیا کہ وہ گھر واپس جائیں اور جنگ میں حصہ نہ لیں۔ اس نے انہیں یاد دلایا کہ بہت سے مسلمان ان کے رشتہ دار تھے اور اگر وہ مارے گئے تو ممکن ہے کہ مکہ والے جنگ جیت جائیں لیکن جب وہ گھر لوٹیں گے تو ان کی ایک دوسرے سے دشمنی ہوگی، جیسا کہ انہوں نے ایک دوسرے کے رشتہ داروں کو قتل کیا تھا۔ ابو جہل نے ہر قیمت پر اسلام کی تباہی کی خواہش کی اور اس پر بزدل ہونے کا الزام صرف اسے اور دوسروں کو لڑنے کی ترغیب دینے کے لیے لگایا۔ اس پر امام محمد السلّابی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرتِ نبوی، جلد 1، صفحہ 962 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ عتبہ ایک غیر مسلم تھا لیکن اس نے اپنے ہم وطنوں کے ساتھ کچھ نہ کچھ اخلاص کا مظاہرہ کیا تو دوسری طرف ابوجہل نے سب کو دنیاوی فائدے کی خاطر اپنے ہی رشتہ داروں سے لڑنے اور قتل کرنے کا مشورہ دے کر بے وفائی کا مظاہرہ کیا۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے‘‘۔’’

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے‘‘۔’’

وعدوں کی تعظیم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ حذیفہ بن یمان اور ان کے والد رضی اللہ عنہ دونوں مکہ سے ہجرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر کی جنگ میں شریک ہوئے۔ راستے میں انہیں مکہ کے غیر مسلموں نے پکڑ لیا لیکن وہ انہیں یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گئے کہ ان کا ارادہ مدینہ جانا ہے اور بدر میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لشکر میں شامل نہیں ہونا ہے۔ انہوں نے غیر مسلموں کے ساتھ اس اثر و رسوخ کا عہد کیا۔ بالآخر جب وہ بدر کے قریب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے اور آپ کو جو کچھ ہوا اس سے آگاہ کیا تو آپ نے ان سے کہا کہ وہ اپنا وعدہ پورا کریں اور اپنی بھاری تعداد میں فوج میں شامل ہونے کے بجائے مدینہ کی طرف چلتے رہیں، جو کہ 3 کے تناسب سے تھا۔ 1 .اس پر امام محمد السلّابی کی کتاب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم زندگی، جلد 1، صفحہ 1055-1056 میں بحث کی گئی ہے۔

ایسے سنگین حالات میں بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں وعدہ خلافی نہ کرنے کی تلقین کی۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ وعدہ خلافی منافقت کا ایک پہلو ہے۔

ایک مسلمان کا سب سے بڑا وعدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، جو اس کی سچی اطاعت کرنا ہے۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ لوگوں کے ساتھ کیے گئے دیگر تمام وعدوں کو بھی برقرار رکھا جانا چاہیے جب تک کہ کسی کے پاس کوئی معقول عذر نہ ہو، خاص طور پر جو والدین بچوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ وعدوں کی خلاف ورزی بچوں کو صرف برے کردار کی تعلیم دیتی ہے اور انہیں یہ ماننے کی ترغیب دیتی ہے کہ دھوکے باز ہونا ایک قابل قبول خصوصیت ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2227 وعدہ کرے اور پھر بغیر پر میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ جو اس کے نام

کسی عذر کے اسے توڑ دے وہ اس کے خلاف ہو گا۔ جس کے خلاف اللہ تعالیٰ ہے وہ قیامت کے دن کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟

ڈوئل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے تین غیر مسلموں نے تین مسلمانوں کو اکیلی لڑائی کا چیلنج دیا۔ علی ابن ابو طالب، حمزہ ابن عبدالمطلب اور عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے تین غیر مسلم لیڈروں کے خلاف اس جنگ میں حصہ لیا۔ علی اور حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مخالفین پر تیزی سے غالب آ کر انہیں قتل کر دیا۔ عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مخالف کو جان لیوا زخمی کیا لیکن خود بھی زخمی ہوئے۔ جب اسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے جایا گیا تو مؤخر الذکر نے تصدیق کی کہ وہ شہید ہیں۔ مرنے سے پہلے عبیدہ رضی اللہ عنہ نے تبصرہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کا درج ذیل شعر ان پر زیادہ قابل اطلاق تھا" :ہم ان کی حفاظت کریں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک کہ ہم زخمی ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آس پاس گر نہ جائیں۔ اپنے بچوں اور بیویوں سے بالکل غافل رہنا۔ "اس پر ،امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 500-501 اور امام صفی الرحمن کی مہربند نیکٹر، صفحہ 219 میں بحث کی گئی ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے باب 22 الحج آیت 19 نازل فرمایا:

یہ دو مخالف ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا۔ لیکن جن لوگوں نے کفر کیا ان" کے لیے آگ کے کپڑے کاٹ دیے جائیں گے۔ ان کے سروں پر انڈیلنے والا گرم پانی ہو گا۔

سنن ابن ماجہ نمبر 2835 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

یہ مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے کی اہمیت کی یاد دلاتا ہے جب بھی ان پر ان کے دشمنوں یعنی شیطان، ان کے باطنی شیطان اور وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے

ہیں، ثابت قدم رہنے کی اہمیت کو یاد دلاتا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی ان دشمنوں کے فتنے میں مبتلا ہو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ نہ پھیرے۔ اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ ان جگہوں، چیزوں اور لوگوں سے اجتناب کرنے سے حاصل ہوتا ہے جو انہیں گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے اور فتنہ میں ڈالتے ہیں۔ شیطان کے جال سے بچنا صرف اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح راستے میں پھنسنے سے صرف اسی طرح علم رکھنے سے بچا جاتا ہے۔ شیطان کے جال سے بچنے کے لیے اسلامی علم کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان قرآن پاک کی تلاوت میں زیادہ وقت صرف کر سکتا ہے لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے وہ غیبت جیسے گناہوں کے ذریعے اپنے اعمال صالحہ کو سمجھے بغیر برباد کر سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو ان حملوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ان کے لیے تیاری کریں اور اس کے بدلے میں بے شمار اجر حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس راہ میں جدوجہد کرنے والوں کے لیے صحیح رہنمائی کی ضمانت دی ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 69:

''اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔''

جبکہ جہالت اور نافرمانی کے ساتھ ان حملوں کا سامنا کرنا دونوں جہانوں میں مشکلات اور رسوائی کا باعث بنے گا۔ اسی طرح ایک سپاہی جس کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں وہ شکست کھا جائے گا۔ ان حملوں کا سامنا کرتے وقت ایک جاہل مسلمان کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں ہوگا جس کے نتیجے میں ان کی شکست ہوگی۔ جبکہ باشعور مسلمان کو وہ طاقتور ترین ہتھیار مہیا کیا جاتا ہے جس پر قابو نہیں پایا جا سکتا اور نہ مارا جا سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت۔ یہ صرف خلوص نیت سے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

بہادری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ جنگ کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمن کے سب سے زیادہ قریب تھے اور اس دن آپ سب سے زیادہ بہادر تھے۔ یہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 282 میں درج ہے۔

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک بار تبصرہ کیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ مردوں میں سب سے زیادہ بہادر تھے۔ غزوہ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور ہر حملے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا۔ اس پر امام سیوطی، تاریخ الخلفاء، صفحہ 13 میں بحث ہوئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 2511 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ،مسلمانوں کو بزدلی سے بچنے کی تلقین کی۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے سے روکتا ہے اور جس چیز کا اس نے وعدہ کیا ہے، جیسے کہ کسی کی ضمانت شدہ رزق۔ یہ کسی کو مشتبہ اور غیر قانونی طریقوں سے رزق تلاش کرنے کا سبب بن سکتا ہے جو انسان کو دونوں جہانوں میں تباہ کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی ایسے عمل کو قبول نہیں کرتا جس کی بنیاد حرام ہو۔ صحیح مسلم نمبر 2342 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ، بزدل ہونا کسی کو شیطان اور اندرونی شیطان کے خلاف جدوجہد کرنے سے روکتا ہے جس کے لیے حقیقی جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ناکامی کا باعث بنے گا جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق سامنا کرنا شامل ہے۔ اور اس لیے انہیں لوگوں کے حقوق کی ادائیگی سے روکے گا۔ دنیوی اور دینی کامیابی کے لیے محنت اور وقت درکار ہوتا ہے۔ ایک بزدل اس جدوجہد کو شروع کرنے سے بہت ڈرے گا اور اس کی بجائے سستی کرے گا جو دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں ناکامی کا باعث بنے گا۔

آسمانوں سے مدد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ جنگ کے دوران اللہ تعالیٰ نے ہزاروں فرشتے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدد کے لیے بھیجے۔ باب 8 الانفال، آیت 12:

)یاد کرو (جب تمہارے رب نے فرشتوں کی طرف وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، لہٰذا ایمان والوں کو تقویت دو، میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا، لہٰذا ان کی گردنوں پر مارو اور ہر طرف سے مارو۔ انگلی کی نوک۔"

ایک موقع پر ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے ایک غیر مسلم سپاہی کا تعاقب کیا اور ایک کوڑے کی آواز سنی اور کوئی بول رہا تھا حالانکہ کوئی اور موجود نہیں تھا۔ اس نے غیر مسلم کو مردہ پایا۔ جب اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ سے آگاہ کیا تو آپ نے تصدیق کی کہ یہ تیسرے آسمان کا فرشتہ ہے۔ اس کا ذکر صحیح مسلم نمبر 4588 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔

ایک اور موقع پر، ایک فرشتے نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی مدد کی، جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس بن عبدالمطلب کو پکڑ لیا، جن کو مکہ کے غیر مسلموں نے زبردستی ساتھ لے جانے پر مجبور کیا تھا۔ اس جنگ کے دوران انہیں مسند احمد نمبر 948 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

جنگ کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مٹھی بھر ریت اور کنکر غیر مسلم فوج کی طرف پھینکے جو ہر غیر مسلم سپاہی کی آنکھوں تک پہنچ گئے اور ان کی توجہ لڑائی سے ہٹ گئی۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال آیت 17 نازل فرمائی:

’’...اور جب تم نے پھینکا تو تم نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا‘‘

اس پر امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی نوبل زندگی، جلد 1، صفحہ 977-978 اور امام واحدی کی، اصباب النزول، 8:17، صفحہ 82 میں بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ مخلوق کی حفاظت اور حفاظت کرتا ہے اور ان کا خاص خیال رکھتا ہے۔ وہ فرمانبرداروں کو شیطان کی چالوں اور جال سے بچاتا ہے اور نافرمانوں کو اپنے فوری عذاب سے بچاتا ہے تاکہ انہیں سچے دل سے توبہ کرنے کا موقع فراہم کرے۔

ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کردہ ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے اس الٰہی نام پر عمل کرنا چاہیے، لیکن ہر حال میں اس کی الہی نگہداشت اور انتخاب پر بھروسہ رکھنا چاہیے اور اس کے نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے، خواہ وہ کچھ انتخاب کے پیچھے حکمت کا مشاہدہ نہ کرے۔ اس سے صبر اور یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر قناعت کی ترغیب ملتی ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 3:

’’اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہے‘‘۔

ایک مسلمان کو یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ وہ گمراہی اور عذاب سے صرف سرپرست یعنی اللہ تعالیٰ ہی محفوظ رہیں گے۔ یہ فخر کے تمام نشانوں کو دور کرتا ہے اور اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ وہ اس کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے اس کی حفاظت تلاش کریں۔ ایک مسلمان کو اس اسم الٰہی پر عمل کرنا چاہیے کہ وہ اپنے پاس موجود ہر امانت کی حفاظت کرے جیسا کہ ان کی برکات

کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق استعمال کرتے ہوئے۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنے افعال و کلام کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے محفوظ رکھیں۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید برکات حاصل کریں گے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

ایک برا ساتھی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ شیطان ایک انسان کی شکل میں غیر مسلموں کی فوج میں شامل ہوا اور ان کی حفاظت اور مدد کا وعدہ کرتے ہوئے انہیں جنگ کی ترغیب دی۔ لیکن جب شیطان نے مسلمانوں کی فوج کی مدد کے لیے فرشتوں کو آسمان سے اترتے دیکھا تو وہ پیچھے ہٹ گیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ میدان جنگ سے پیچھے ہٹ گیا۔ جب غیر مسلموں کی طرف سے ان پر تنقید کی گئی تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے ان چیزوں کا مشاہدہ کیا جو وہ نہیں دیکھ سکتے تھے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے عذاب سے ڈرتے تھے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 288 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 5534 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچھے اور برے ساتھی میں فرق بیان فرمایا۔ اچھا ساتھی عطر بیچنے والے کی طرح ہے۔ ان کا ساتھی یا تو کوئی عطر حاصل کرے گا یا کم از کم خوشگوار بو سے متاثر ہوگا۔ جبکہ برا ساتھی لوہار کی طرح ہوتا ہے اگر اس کا ساتھی اپنے کپڑے نہیں جلائے گا تو وہ ضرور دھوئیں سے متاثر ہوگا۔

مسلمانوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ جن لوگوں کے ساتھ جائیں گے ان کا اثر ان پر پڑے گا چاہے یہ اثر مثبت ہو یا منفی، ظاہر ہو یا لطیف۔ کسی کا ساتھ دینا اور اس سے متاثر نہ ہونا ممکن نہیں۔ سنن ابو داؤد نمبر 4833 میں موجود حدیث اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ ایک شخص اپنے ساتھی کے مذہب پر ہے۔ یعنی انسان اپنے ساتھی کی خصوصیات کو اپناتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ صالحین کا ساتھ دیں کیونکہ وہ بلا شبہ ان پر مثبت اثر ڈالیں گے، وہ انھیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی ترغیب دیں گے۔ جبکہ برے ساتھی یا تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اکسائیں گے یا پھر مسلمان کو آخرت کی تیاری کے بجائے مادی دنیا پر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دیں گے۔ یہ رویہ ان کے لیے قیامت کے دن بڑے ندامت کا باعث بنے گا خواہ وہ چیزیں حلال ہوں لیکن ان کی ضرورت سے زیادہ ہوں۔

آخر میں، جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 3688 میں موجود حدیث کے مطابق ایک شخص آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ ختم ہو جائے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے، ایک مسلمان کو عملی طور پر اس دنیا میں صالحین کے ساتھ محبت کا اظہار کرنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ برے یا غافل لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان سے محبت کرتے ہیں اور آخرت میں ان کی آخری منزل ہے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

‘‘اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔’’

آخرت کا ادراک

غزوہ بدر کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غیر مسلموں سے لڑنے کی ترغیب دی اور بدلے میں ان سے جنت کا وعدہ فرمایا۔ عمیر بن ہمام رضی اللہ عنہ نے جب یہ وعدہ سنا تو آپ نے کچھ کھجوریں نیچے پھینک دیں، تلوار اٹھائی اور لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 409-410 میں بحث کی گئی ہے۔

عمیر رضی اللہ عنہ نے اس طرح جواب دیا جس طرح انہوں نے مادی دنیا اور آخرت کے بارے میں صحیح ادراک اور فہم کو اپنایا۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ صحیح ادراک پیدا کریں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کر سکیں، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ وہی چیز ہے جو نیک پیشرووں کے پاس تھی اور اس نے انہیں مادی دنیا کی اضافی آسائشوں سے بچنے اور آخرت کی تیاری کرنے کی ترغیب دی۔ یہ ایک اہم خصوصیت ہے اور اسے دنیاوی مثال سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ دو لوگ بہت پیاسے ہیں اور ایک کپ گدلا پانی کے پاس آتے ہیں۔ وہ دونوں اسے پینا چاہتے ہیں اگرچہ وہ پاک نہ ہو اور خواہ اس کا مطلب یہ ہو کہ اس پر جھگڑنا پڑے۔ جیسے جیسے ان کی پیاس گندے پانی کے پیالے پر زیادہ مرکوز ہوتی ہے وہ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ وہ ہر چیز پر توجہ کھو دیتے ہیں۔ لیکن اگر ان میں سے کوئی اپنی توجہ ہٹاتا ہے اور صاف پانی کے ایک دریا کو دیکھتا ہے جو کچھ ہی فاصلے پر تھا وہ فوری طور پر پانی کے پیالے پر توجہ اس مقام پر کھو دیتا ہے کہ وہ اب اس کی پرواہ نہیں کرے گا اور اس پر مزید بحث نہیں کرے گا۔ اور اس کے بجائے وہ اپنی پیاس کو صبر سے برداشت کریں گے یہ جانتے ہوئے کہ خالص پانی کا ایک دریا قریب ہے۔ جو شخص دریا سے ناواقف ہے وہ شاید اس کے رویے میں تبدیلی کو دیکھ کر یقین کرے گا کہ دوسرا پاگل ہے۔ یہی حال اس دنیا میں دو طرح کے لوگوں کا ہے۔ ایک گروہ لالچ سے مادی دنیا پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔ دوسرے گروہ نے اپنی توجہ آخرت اور اس کی پاکیزہ اور ابدی نعمتوں پر مرکوز کر دی ہے۔ جب کوئی اپنی توجہ آخرت کی سعادت کی طرف مبذول کر لے تو دنیاوی مسائل اتنی بڑی بات نہیں لگتے۔ اس لیے صبر کو اپنانا آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اس دنیا پر اپنی توجہ مرکوز رکھے تو یہ ان کو سب کچھ لگتا ہے۔ وہ اس کے لیے بحث کریں گے، لڑیں گے، محبت کریں گے اور

نفرت کریں گے۔ بالکل اسی طرح جیسے پہلے ذکر کی گئی مثال میں وہ شخص جو صرف گندے پانی کے پیالے پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔

یہ صحیح ادراک صرف قرآن پاک میں موجود اسلامی علم کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں پایا جاتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53:

’’ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ یہ حق ہے‘‘۔

ایمان میں غیر سمجھوتہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ اس جنگ میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہاشم کا مقابلہ کیا اور انہیں قتل کر دیا۔ اس پر امام محمد السلّابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 93-94 میں بحث کی گئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنے اخلاص اور وفاداری پر کسی تعلق کو غالب آنے نہیں دیا۔

اس کے علاوہ اس جنگ میں ابوبکر کے بیٹے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ غیر مسلموں کی طرف سے لڑ رہے تھے۔ برسوں بعد، اسلام قبول کرنے کے بعد، اس نے اپنے والد کو بتایا کہ بدر کی لڑائی کے دوران، اسے ان پر حملہ کرنے کا موقع ملا تھا لیکن اس کے احترام میں اپنا ہاتھ روک لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اگر اس دن مجھے اس سے لڑنے اور قتل کرنے کا موقع ملتا تو وہ ضرور کرتے۔ اس پر امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 12 میں بحث ہوئی ہے۔

مصعب بن عمیر کے غیر مسلم بھائی کو ایک اور صحابی رضی اللہ عنہ نے پکڑ لیا۔ مصعب رضی اللہ عنہ نے صحابی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ قیدی کی ماں سے زیادہ فدیہ لے کیونکہ وہ مالدار تھی۔ جب ان کے غیر مسلم بھائی نے ان سے اپنے خاندانی تعلق کا تذکرہ کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ صحابی رضی اللہ عنہ آپ کے بھائی ہیں، آپ نہیں ہیں۔ اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب مہربند نیکٹر صفحہ 226 میں بحث کی گئی ہے۔

غزوہ بدر کے دوران ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کو قتل کر دیا۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے باب 58 المجادلہ آیت 22 نازل فرمائی:

”تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت کرتے ہوئے نہ پاؤ گے، خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے رشتہ دار۔ وہ - اس نے ان کے دلوں میں ایمان کا فیصلہ کیا ہے اور اپنی طرف سے روح کے ساتھ ان کی حمایت کی ہے۔ اور ہم ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں [1] جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں یہ اللہ کی جماعت ہیں۔ بلاشبہ اللہ کی جماعت وہی کامیاب ہے۔“

اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 58:22، صفحہ 150 میں بحث کی گئی ہے۔

اگر مسلمان دونوں جہانوں میں کامیابی چاہتے ہیں تو یہ غیر سمجھوتہ کرنے والا رویہ اپنانا چاہیے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔“

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخرکار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو

ایک مسلمان کی دنیا اور آخرت میں تمام مشکلات سے باحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی عارضی چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں اور کسی خاص طریقے اسکارف اتار دیا ایک مسلمان عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا سے لباس پہن لیا تو وہ کام پر زیادہ عزت دار ہو گی اور کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی سے چڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد کسی پب یا کلب میں مدعو کر سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور ذکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں راستوں پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کس کو ترجیح دی جائے اور کس کا انتخاب کیا جائے۔

اللہ کی خاطر دوسروں سے نفرت کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ جنگ ختم ہونے اور غیر مسلموں کی شکست کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر مسلموں کی لاشوں کو ایک پرانے کنویں میں رکھنے کا حکم دیا۔ ابو حذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ اپنے غیر مسلم والد کی وفات کو دیکھ کر بہت غمگین ہو گئے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ردعمل کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ مجھے اپنے ایمان کے بارے میں شک نہیں ہے لیکن وہ غمگین ہیں کیونکہ وہ اپنے والد سے اسلام قبول کرنے اور کفر کی حالت میں نہ مرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی سرزنش نہیں کی بلکہ انہیں تسلی دینے والے الفاظ کہے۔ اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب مہربند نیکٹر صفحہ 226 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ غیر مسلموں سے نفرت نہ کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے بلکہ اسلام کی تعلیمات پر قائم رہتے ہوئے ان کے لیے بھلائی کی خواہش اور امید رکھتا ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان خصوصیات کی نصیحت فرمائی جو مسلمان کے ایمان کو کامل کرتی ہیں۔

ان خصلتوں میں سے ایک خصلت اللہ تعالیٰ کے لیے بغض رکھنا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ انسان کو ان چیزوں کو ناپسند کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں جیسے اس کی نافرمانی۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں سے نفرت کرنی چاہیے کیونکہ لوگ سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے توبہ کر سکتے ہیں۔ اس کے بجائے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ خود اس گناہ کو ناپسند کرے جو ان سے ثابت ہے کہ اس سے بچنا اور دوسروں کو بھی اس سے خبردار کرنا۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ دوسروں سے تعلق توڑنے کے بجائے نصیحت کرتے رہیں کیونکہ یہ احسان مندی انہیں سچے دل سے توبہ کرنے کا باعث بن سکتی ہے۔ اس میں اپنے جذبات کی بنیاد پر چیزوں کو ناپسند کرنا شامل ہے، جیسے کوئی عمل، جو کہ جائز ہے۔ آخر کار

اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسندیدگی کا ثبوت یہ ہے کہ جب وہ اپنے قول و فعل سے ناپسندیدگی کا اظہار کریں گے تو یہ ہرگز اس طرح نہیں ہوگا جو اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہو۔ یعنی کسی چیز کے لیے ان کی ناپسندیدگی ان سے کبھی گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گی کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی چیز سے ان کی ناپسندیدگی ان کے اپنے لیے ہے۔

اعمال کے نتائج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔

اسلام کے قدیم دشمن ابو جہل کو دو نوجوان صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا۔ جب اسے ان کی طرف اشارہ کیا گیا تو انہوں نے اس پر الزام لگایا یہاں تک کہ انہوں نے اسے جان لیوا زخمی کردیا۔ پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کو آخری سانس میں پایا اور اسے ختم کر دیا۔ صحیح بخاری، نمبر 3988 اور 4020 میں موجود احادیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جنگ ختم ہونے اور غیر مسلموں کی شکست کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر مسلموں کی لاشوں کو ایک پرانے کنویں میں رکھنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد اس نے کنویں میں موجود لوگوں کی گنتی کرتے ہوئے ان کو پکارا اور پوچھا کہ کیا انہوں نے وہ چیز پا لی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وہی وعدہ کیا تھا جو انہیں دیا گیا تھا۔ جب اس سے میت کو پکارنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ وہ اس کی باتیں سن سکتے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 300 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ انسان کی جسمانی یا سماجی طاقت چاہے کتنی ہی کیوں نہ ہو ایک دن ضرور آئے گا جب اسے اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ ان کی زندگی کے دوران ہوتا ہے جہاں کسی شخص کے اعمال انہیں مصیبت میں لے جاتے ہیں، جیسے کہ جیل اور آخرکار انہیں آخرت میں بھی اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ تمام لوگوں پر لاگو ہوتا ہے نہ صرف لیڈروں پر۔

اس لیے ایک مسلمان کو کبھی بھی دوسروں کے ساتھ برا سلوک نہیں کرنا چاہیے، جیسے کہ ان سے سبق سیکھنا چاہیے جو ان سے زیادہ طاقت میں ان ظالم لیڈروں کے رشتہ دار۔ انہیں تاریخ کے تھے، ایک دن ضرور آیا جب ان کی طاقت ان کے کام نہ آئی اور انہیں اپنے برے اعمال کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ سماجی اثر و رسوخ اور طاقت ایسی چیزیں ہیں جو تیزی سے ایک شخص سے دوسرے شخص میں منتقل ہوتی ہیں، کبھی کسی کے ساتھ زیادہ دیر تک نہیں رہتیں۔ لہٰذا جس مسلمان کے پاس اتنی طاقت ہو اسے چاہیے کہ وہ اسے ایسے طریقے سے استعمال کرے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو اور اپنے اور دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ لیکن اگر وہ اپنے اختیارات کا غلط استعمال جس سے کوئی ان کی حفاظت نہیں سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے کرتے ہیں تو وہ آخرکار ہوں گے۔ کر سکتا۔

کسی کے اختیار کا غلط استعمال نہ کرنا کیونکہ یہ انہیں قیامت اس کے علاوہ، یہ ضروری ہے کے دن جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ ہر ظالم کو ان کے اعمال صالحہ ان کے مظلوموں کو دینا ہوں گے اور اگر ضرورت پڑی تو اپنے مظلوموں کے گناہوں کو لے کر جب تک انصاف نہ ہو جائے۔ اس سے بہت سے ظالموں کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔ 6579

آخر میں، ایک مسلمان کو اپنے اعمال کے لیے خود کو جوابدہ ٹھہرانا کبھی نہیں بھولنا چاہیے۔ ایسا کرنے والے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور دوسروں کو نقصان پہنچانے سے بچیں گے۔ لیکن جو لوگ خود فیصلہ نہیں کرتے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے رہیں گے اور دوسروں کو نقصان پہنچاتے یہ نہ جانتے ہوئے کہ حقیقت میں وہ صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ لیکن جب رہیں گے۔ انہیں اس حقیقت کا ادراک ہو جائے گا تو ان کے لیے سزا سے بچنے میں بہت دیر ہو چکی ہو گی۔

آخرت کی تلاش

غزوہ بدر کے بعد بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے مال غنیمت پر اختلاف ہوا، جب کہ ان میں سے بعض نے اس کو جمع کیا تو بعض نے غیر مسلم سپاہیوں کا تعاقب کیا تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ وہ واپس نہ آئیں اور باقی لوگ اس کی حفاظت کرتے رہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک اچانک حملے سے۔ اس جھگڑے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا۔ باب 8 الانفال، آیت 1:

"وہ آپ سے]جنگ کی [نعمتوں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ فضل اللہ اور رسول کے لیے ہے۔ پس اللہ سے ڈرو اور جو کچھ تمہارے درمیان ہے اس کی اصلاح کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو سپاہیوں کے درمیان برابر تقسیم کر دیا۔ تفسیر ابن کثیر جلد 4 صفحہ 253 اور سیرت ابن ہشام صفحہ 134 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو اس آیت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ترغیب دی ہے کہ وہ دنیاوی فائدے پر توجہ دینے کے بجائے اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اطاعت پر توجہ دیں۔ اگرچہ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، غنیمت حاصل کرنا ہمیشہ ان کے لیے ایک بونس کے طور پر دیکھا جاتا تھا، جس کے بارے میں انہیں کوئی فکر نہیں تھی کہ وہ اسے حاصل کرتے ہیں یا کھوتے ہیں۔ ان کا ارادہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے لڑنا تھا۔ اگر وہ صرف مال غنیمت میں دلچسپی رکھتے تھے تو ان کی کسی بھی لڑائی میں مسلم فوج کے شانہ بشانہ لڑنا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا، کیونکہ وہ طاقت اور ہتھیاروں کے لحاظ سے زیادہ تعداد میں ہوتے تھے۔ جو جھگڑا ہوا وہ لڑائی کے ختم ہونے کے بعد تھا اور انہیں غنیمت حاصل کرنے کا بونس دیا گیا تھا۔

مسلمانوں کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ان کی اللہ تعالیٰ کی عبادت کیوں کی جاتی ہے کیونکہ یہ وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافے کا سبب بن سکتی ہے یا بعض صورتوں میں نافرمانی کا باعث بن سکتی ہے۔ جب کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اس سے حلال دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کے لیے اس کی نافرمانی کا خطرہ مول لے لیتا ہے۔ اس قسم کے شخص کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ باب 22 الحج، آیت 11:

"اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو جاتی ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔''

جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں تو دنیاوی نعمتوں کو حاصل کرنے کے لیے جب وہ ان کو حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا کسی مشکل کا سامنا کرتے ہیں تو وہ اکثر ناراض ہو جاتے ہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے دور کر دیتا ہے۔ یہ لوگ اکثر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نافرمانی کرتے ہیں، اس صورت حال کے مطابق جس کا وہ سامنا کر رہے ہیں جو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی حقیقی بندگی کے خلاف ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ سے حلال دنیوی چیزوں کی خواہش کرنا اسلام میں قابل قبول ہے، لیکن اگر کوئی اس رویہ پر قائم رہے تو وہ اس آیت میں مذکور کی طرح ہو سکتے ہیں۔ آخرت میں نجات پانے اور جنت حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا افضل ہے۔ مشکلات کا سامنا کرتے وقت یہ شخص اپنے رویے کو تبدیل کرنے کا امکان نہیں رکھتا ہے۔ لیکن سب سے اعلیٰ اور بہترین وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے، صرف اس لیے کہ وہ ان کا رب اور کائنات کا رب ہے۔ یہ مسلمان اگر مخلص ہو گا تو ہر حال میں ثابت قدم رہے گا اور اس اطاعت کے ذریعے انہیں دنیاوی اور دینی دونوں نعمتیں حاصل ہوں گی جو دنیاوی نعمتوں سے بڑھ کر پہلی قسم کے انسان کو حاصل ہوں گی۔

آخر میں، مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی نیت پر غور کریں اور اگر ضروری ہو تو اس کی اصلاح کریں تاکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے، اس کے احکام کی تعمیل،

اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی ترغیب ملے۔ ، تمام حالات میں۔

خدائی فیصلہ

غزوہ بدر کے لیے مکہ سے روانہ ہونے سے پہلے، مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے خانہ کعبہ کے پردوں کو تھام لیا اور اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ وہ اس گروہ کو فتح دے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال آیت 19 نازل فرمائی۔

"اگر تم]کافر [فیصلہ]یعنی فتح [چاہتے ہو تو فیصلہ]یعنی شکست [تمہارے پاس آچکا ہے۔ اور اگر تم باز آؤ تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ لیکن اگر آپ]جنگ میں [واپس آئے تو ہم واپس آئیں گے، اور آپ کی]بڑی [کمپنی آپ کو کبھی فائدہ نہیں دے گی، چاہے اس میں اضافہ ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس لیے کہ اللہ مومنوں کے ساتھ ہے۔"

تفسیر ابن کثیر، جلد 4، صفحہ 281-282 اور امام واحدی، اصباب النزول، 8:19، صفحہ 82 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو پورا کیا اور مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ اس لیے مکہ کے غیر مسلموں کو اس واضح نشانی کی طرف دھیان دینا چاہیے تھا اور اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے توبہ کرنی چاہیے تھی۔

ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں محتاط رہے اور اپنے دنیوی معاملات میں بہت زیادہ مشغول ہونے سے گریز کرے تاکہ وہ اپنے اردگرد ہونے والی چیزوں سے اور ان چیزوں سے غافل ہو جائے جو پہلے ہو چکی ہیں۔ یہ ایک اہم خوبی ہے کیونکہ یہ کسی کے ایمان کو مضبوط کرنے کا ایک بہترین طریقہ ہے جس کے نتیجے میں انسان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مدد ملتی ہے۔ مثال کے طور پر، جب کوئی مسلمان کسی بیمار کو دیکھتا ہے تو اسے نہ صرف اس کی مدد کرنی چاہیے، چاہے وہ صرف ایک دعا ہی کیوں نہ ہو، بلکہ اسے

اپنی صحت پر غور کرنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ بھی آخر کار اپنی صحت سے محروم ہو جائیں گے۔ بیماری، بڑھاپے یا موت سے بھی۔ اس سے انہیں اپنی اچھی صحت کے لیے شکر گزار ہونے کی ترغیب دینی چاہیے اور دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں ان کی اچھی صحت سے فائدہ اٹھا کر اپنے عمل سے یہ ظاہر کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔

جب وہ کسی امیر کی موت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو انہیں نہ صرف میت اور اس کے گھر والوں کے لیے غمگین ہونا چاہیے بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ ایک دن وہ بھی مر جائے گا جو ان کے لیے نامعلوم ہے۔ انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح امیر کو ان کی قبر پر دولت، شہرت اور خاندان چھوڑ دیا گیا تھا، اسی طرح وہ بھی قبر میں صرف ان کے اعمال کے ساتھ رہ جائیں گے۔ اس سے انہیں اپنی قبر اور آخرت کی تیاری کا حوصلہ ملے گا۔

یہ رویہ ان تمام چیزوں پر لاگو کیا جا سکتا ہے اور کیا جانا چاہیے ایک مسلمان کو اپنے اردگرد کی ہر چیز سے سبق سیکھنا چاہیے جس کی نصیحت قرآن پاک میں کی گئی ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 191:

اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بارے میں سوچو، "اے ہمارے رب، تو نے اسے بے مقصد پیدا نہیں کیا، تو بہت بلند ہے، تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔"

جو لوگ اس طرح کا برتاؤ کرتے ہیں ان کا ایمان روزانہ کی بنیاد پر مضبوط ہوتا جائے گا جبکہ جو لوگ اپنی دنیاوی زندگی میں بہت زیادہ مشغول ہیں وہ غافل رہیں گے جو ان کی تباہی کا باعث بن سکتے ہیں۔

جنگ بدر کے اسیران

ایک مہربان عمل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ مسلمانوں کو فتح ملنے کے بعد، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ ان کے جنگی قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو ان کے بہت سے جرائم اور جنگی اعمال کی وجہ سے پھانسی دینے کا مشورہ دیا۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تجویز کو ناپسند کیا۔ اس کے بعد، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو پھانسی سے معافی دینے اور اس کے بجائے انہیں اپنی آزادی خریدنے کی اجازت دینے کا مشورہ دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نصیحت سے خوش ہوئے اور اس پر عمل کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 305 میں بحث کی گئی ہے۔

قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں مسلمانوں کو دوسروں پر رحم کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر جامع ترمذی نمبر 1924 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت ہے کہ مخلوق پر رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم کرے گا۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، کہ رحم کرنا صرف اپنے اعمال سے نہیں ہے، جیسے غریبوں کو دولت عطیہ کرنا۔ یہ درحقیقت کسی کی زندگی کے ہر پہلو اور دوسروں کے ساتھ تعامل کا احاطہ کرتا ہے، جیسے کہ کسی کے الفاظ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خبردار کرتا ہے جو صدقہ دے کر دوسروں پر رحم کرتے ہیں کہ ان کی گفتگو کے ذریعے رحم نہ کرنا، جیسے کہ دوسروں پر کیے گئے احسانات کو شمار کرنا، ان کے اجر کو منسوخ کر دیتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 264:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے صدقات کو نصیحت یا ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو۔"

حقیقی رحم ہر چیز میں ظاہر ہوتا ہے :کسی کے چہرے کے تاثرات، کسی کی نظر اور اس کی گفتگو کا لہجہ۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل رحمت تھی اور اس لیے مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ رحم کرنا اس قدر ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واضح کر دیا ہے کہ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان گنت خوبصورت اور اعلیٰ صفات کے حامل تھے، لیکن وہ جس نے ان کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ لوگوں کے دل ان کی طرف اور اسلام کی طرف رحمت تھے۔ باب 3 علی عمران، آیت 159:

"پس اللہ کی رحمت سے،]اے محمد[، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور دل میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔''

یہ واضح طور پر متنبہ کرتا ہے کہ بغیر رحم کے لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھاگ جاتے۔ اگر ان کے بارے میں یہ معاملہ تھا حالانکہ وہ ان گنت خوبصورت صفات کے مالک تھے تو وہ مسلمان جو ایسی اعلیٰ صفات کے حامل نہیں ہیں، وہ سچی رحم دلی کے بغیر دوسروں جیسے کہ ان کے بچوں پر مثبت اثرات کی امید کیسے رکھ سکتے ہیں؟

سیدھے الفاظ میں مسلمانوں کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں جو کہ بلاشبہ سچی اور مکمل رحمت ہے۔

ایک منصفانہ سزا

جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کی، انہیں اسلام کی گہری سمجھ عطا کی گئی، یہ فہم صرف چند لوگوں کے درمیان ہے۔ وہ اس درجہ تک پہنچ گئے کہ اکثر وحی الٰہی کے ذریعے ان کی رائے اور بیانات کی تصدیق ہو جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ علی بن ابو طالب نے ایک دفعہ یہ تبصرہ کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ ایک فرشتہ ہے جو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی زبان سے بات کرتا ہے۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 64 میں بحث کی گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ مسلمانوں کو فتح ملنے کے بعد، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ ان کے جنگی قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو ان کے بہت سے جرائم اور جنگی اعمال کی وجہ سے پھانسی دینے کا مشورہ دیا۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تجویز کو ناپسند کیا۔ اس کے بعد، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو پھانسی سے معافی دینے اور اس کے بجائے انہیں اپنی آزادی خریدنے کی اجازت دینے کا مشورہ دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نصیحت سے خوش ہوئے اور اس پر عمل کیا۔ اگلے دن عمر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو روتے ہوئے پایا۔ جب اس نے ان کے طرز عمل پر سوال کیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تبصرہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ عذاب دکھایا ہے جو انہیں قیدیوں کو پھانسی دینے کے بجائے فدیہ لینے پر پہنچاتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال آیت نمبر 67-68 نازل فرمائی۔

"کسی نبی کے لیے یہ نہیں ہے کہ وہ]جنگ کے [قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں]اللہ کے دشمنوں پر [قتل عام نہ کرے۔ تم)یعنی کچھ مسلمان (دنیا کی چیزیں چاہتے ہو، لیکن اللہ آخرت چاہتا ہے۔ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کی طرف سے اس سے پہلے کا حکم نہ ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا اس کی وجہ سے تمہیں بہت بڑا عذاب چھو جاتا۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 305 اور صحیح مسلم نمبر 4588 میں موجود حدیث میں بحث ہوئی ہے۔

قیدیوں کو پھانسی دینا ان کے جرائم کی منصفانہ سزا تھی اور یہ مکہ کے غیر مسلموں کے پرتشدد رویے کے خلاف ایک مضبوط رکاوٹ کے طور پر کام کرتا۔ یہ روک تھام، طویل مدت میں، مزید لڑائیوں کو روک سکتی تھی جس سے جانیں بچ جاتی تھیں۔

نرمی کا مظاہرہ کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ مسلمانوں کو فتح ملنے کے بعد، کچھ جنگی قیدی لے لیے گئے جن میں ایک غیر مسلم رہنما سہیل بن عمرو بھی شامل تھے۔ وہ مکہ میں اپنی زندگی کے دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں بہت آواز اٹھاتے تھے اور اس کے نتیجے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو سزا دینے کی اجازت طلب کی تھی تاکہ یہ آپ کو اس سے باز رکھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بات کرنا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اگر میں لوگوں کو اذیت دینے کی اجازت دیتا ہوں تو اللہ تعالیٰ انہیں اذیت دینے کی اجازت دے گا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اس نے مزید کہا کہ شاید سہیل ایک دن کچھ ایسا کرنے کے لیے کھڑا ہو گا جو اسے)اور دوسرے (اس پر تنقید کرنے سے روکے گا۔ سہیل رضی اللہ عنہ نے بالآخر اسلام قبول کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب کچھ مسلمان قبائل اسلام سے مرتد ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں کھڑے ہوئے اور انہیں اسلام کو مضبوطی سے پکڑنے کی تاکید کی۔ اور ان سب کو دھمکی دی کہ اگر وہ مرتد ہو گئے۔ اس وقت مکہ کے اسلام پر ثابت قدم رہنے کی ایک اہم وجہ یہ تھی۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1026-1027 میں بحث کی گئی ہے۔

سہیل رضی اللہ عنہ کی نرمی نے انہیں اسلام کی سچائی کو قبول کرنے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی ترغیب دی۔

اس کی نصیحت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبصورتی نرمی میں پائی جاتی ہے۔ اسلام ۔ قرآن نمبر 3689 میں موجود ہے نے بہت سی احادیث میں فرمائی ہے جیسا کہ سنن ابن ماجہ کریم نے یہاں تک ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سب سے راضی تھے، آپ کی نرمی اور نرم طبیعت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلسل محبت کرتے تھے۔ باب 3 159 علی عمران، آیت:

پس اللہ کی رحمت سے،]اے محمد[، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور "
‘‘دل میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔

سے عرب سخت دل ہونے کی وجہ سے مشہور تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ
یہ انہوں نے اپنایا اس طرح اور مزاج سے ان کے سخت دل پگھل گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے
نبی اکرم حضور یہ کیوں ہے ۔ باقی بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لیے روشنی بن گئی خوبی اور
متنبہ کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام، ایک حدیث میں وسلم صلی اللہ علیہ وآلہ
سنن ابوداؤد نمبر 4809 میں ہے کہ نرمی سے محروم رہنے والا بھلائی سے محروم ہے۔ ہے ۔
:باب 3 علی عمران، آیت 103

اور اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو جب تم دشمن تھے اور اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور ’’
تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے‘‘۔

تباہ کن سخت انہیں یہ ان لوگوں کے لیے ایک واضح پیغام ہے جو اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں۔
وہ لوگوں کو متحد کریں اور پھیلنے کی بجائے کا حامل ہونا چاہیے۔ تعمیری ذہن نرم ذہن کے بجائے
ان یہ معاشرے کے اندر تنازعات کی ایک اچھی مثال دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کریں۔
کے ساتھ نرم مزاجی کا اپنے بچوں کے بچوں کے ساتھ رویے میں دیکھا جاتا ہے .جن والدین نے
ایک سخت مظاہرہ کیا ان پر ان والدین کے مقابلے میں زیادہ مثبت اثر پڑا جنہوں نے گود لیا تھا۔
مزاج .اکثر کچھ لوگ اپنے سخت رویے سے لوگوں کو اسلام سے مزید دور کر دیتے ہیں اور یہ
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ۔ مثال کے حضور روایات کو مکمل طور پر چیلنج کرتا ہے۔
کی مسجد طور پر ایک مرتبہ ایک ان پڑھ اعرابی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
حضور اسے سزا دینا چاہتا تھا۔ ،اللہ ان سب سے راضی ہو مئی ، ۔ جب صحابہ کرام میں پیشاب کیا
مسجد میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرمایا اور وسلم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ
میں موجود حدیث میں نمبر 529 ۔ یہ واقعہ سنن ابن ماجہ رہنے کے آداب کو نرمی سے سمجھایا
اس نرم رویے نے انسان کو مثبت انداز میں متاثر کیا۔ مذکور ہے ۔

قرآن پاک کے کئی مقامات پر بھی اس کا ذکر ہے۔ مثال کے طور پر، اگرچہ یہ اہم خصوصیت موسیٰ علیہ السلام حضرت پھر بھی اللہ تعالیٰ نے فرعون نے اعلیٰ ترین رب ہونے کا دعویٰ کیا۔ نرم اور مہربان تقریر فرعون کو دعوت نہ دیں۔ ،دونوں ۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم دیا :حپٹر 79 نضیات، آیت 24 کا استعمال کرتے ہوئے رہنمائی کی طرف۔ ج

‘‘اور کہا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔’’

:اور باب 20 طہ، آیات 43-44

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔ بے شک اس نے زیادتی کی۔ اور اس سے نرمی سے بات کرو" شاید وہ نصیحت حاصل کرلے یا اللہ سے ڈرے"۔

اور جانور بھی نرمی کی زبان سمجھتے ہیں۔ پس اگر کسی بالغ کو اسلام اور بھلائی کی طرف بچے ؟ دعوت دیتے وقت یہ خصوصیت اختیار کی جائے تو اس کی صحیح رہنمائی کیسے ہو سکتی ہے ،اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود فرمایا اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے تعالیٰ اللہ میں ملتا ہے کہ نصیحت ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6601 ایک بار ایک حدیث میں مہربان اور نرم ہے اور مخلوق کو ایک دوسرے کے ساتھ نرمی ،اعلیٰ لامحدود وقار کے مطابق یہ غلط اسلام نے اس لفظ کو پھیلاتے ہیں۔ سے پیش آنا پسند ہے۔ بدقسمتی سے، بہت سے لوگ جو یہ شیطان کی چال کے سوا کچھ نہیں ۔ عقیدہ اختیار کیا ہے کہ نرم ہونا کمزوری کی علامت ہے ۔ ہے کیونکہ وہ انسانوں کو اسلام سے دور کرنا چاہتا ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی میراث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ مسلمانوں کو فتح ملنے کے بعد کچھ جنگی قیدی بنائے گئے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس بن عبدالمطلب بھی شامل تھے۔ صحابہ کرام بشمول علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے عباس کے کفر پر تنقید کی اور انہیں سخت الفاظ میں مخاطب کیا۔ عباس نے سوال کیا کہ ان سب نے اس کے برے کاموں کا ذکر کیوں کیا نہ کہ اس کے اچھے کاموں کا۔ پھر آپ نے ان میں سے کچھ کا شمار کیا، جن میں یہ شامل ہیں :خانہ کعبہ کی نگہبانی کرنا، اس کے دربان کے طور پر کام کرنا اور حج کے موسم میں حاجیوں کو پانی فراہم کرنا۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کی آیت نمبر 9 آیت 17 تا 18 نازل فرمائی:

مشرکوں کے لیے یہ کام نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو قائم رکھیں]جب کہ [اپنے خلاف کفر” کی گواہی دیں۔ ان لوگوں کے اعمال ضائع ہو گئے اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کی مسجدوں کی آباد کاری صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، امید ہے کہ وہی لوگ ہدایت یافتہ ہوں گے۔

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 9:17، صفحہ 85-86 میں بحث کی گئی ہے۔

مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین اکثر اس بات پر فخر کیا کرتے تھے کہ وہ سب سے افضل ہیں , جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، کیونکہ وہ فتح مکہ سے پہلے بیت اللہ کے متولی تھے۔ ,عالی مکہ میں ,کعبہ .وہ صرف دکھاوے اور لوگوں کی عزت حاصل کرنے کے لیے بیت اللہ کے حاجیوں کی خدمت کرتے۔ یہ دعویٰ اس حقیقت میں جڑا ہوا تھا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اللہ تعالیٰ کے گھر کو بنانے والے اور جن کی طرف حج کے اعمال اصل میں منسوب ہیں۔ پس ان کی نظر میں ان کی سرپرستی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی میراث تھی۔

لیکن ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے غیر مسلم عربوں کو یاد دلایا کہ انہوں نے اسلام کی واضح حقانیت کو رد کرنے کا انتخاب کرتے ہوئے اب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی میراث کو لے جانے کے قابل نہیں رہے اور اس کی بجائے یہ ان کی وراثت کو آگے بڑھایا جائے گا۔ ان لوگوں کو عطا کیا جائے جو عملی طور پر اس کے راستے پر چلتے ہیں یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔ اگر غیر مسلم عرب اپنی نافرمانی پر ڈٹے رہے تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وراثت سے دنیا یا آخرت میں فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔

لہٰذا یہ مسلمانوں کو اس اہم عہدے کی یاد دلاتا ہے جس پر انہیں اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے، یعنی اسلام کے سفیر۔ مسلمانوں کے لیے اپنی صلاحیت کے مطابق اس فرض کو ادا کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس کو حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کیا جائے، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کیا جائے اور اس کے انتخاب پر صبر کیا جائے۔ اسلام پوری دنیا میں پھیل گیا کیونکہ صالح پیشرو اس فرض کو بہت سنجیدگی سے لیتے تھے۔ جب انہوں نے فائدہ مند علم حاصل کیا اور اس پر عمل کیا تو بیرونی دنیا نے ان کے طرز عمل سے اسلام کی حقانیت کو پہچان لیا۔ جس کی وجہ سے بے شمار لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ بدقسمتی سے، آج بہت سے مسلمان اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اسلام کے بارے میں دوسروں کو ظاہر کرنا محض کسی کی ظاہری شکل ہے، جیسے داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا۔ یہ اسلام کی نمائندگی کا صرف ایک پہلو ہے۔ سب سے بڑا حصہ قرآن کریم اور ان کی روایات میں مذکور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کو اپنانا ہے۔ صرف اس رویے سے بیرونی دنیا اسلام کی اصل فطرت کا مشاہدہ کرے گی۔ ایک مسلمان کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ اسلام کی تعلیمات کے مخالف خصوصیات کے حامل ہوتے ہوئے اسلامی شکل اختیار کرنا صرف بیرونی دنیا میں اسلام کی بے عزتی کا باعث بنتا ہے۔ وہ اس بے عزتی کے لیے جوابدہ ہوں گے کیونکہ وہ اس کی وجہ ہیں۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی باطنی تعلیمات کو اپناتے ہوئے اسلام کے حقیقی سفیر کے طور پر پیش آئے اور اسلام کی ظاہری شکل و صورت کو بھی اپنائے۔

اس کے علاوہ اس اہم عہدے کو مسلمانوں کو یاد دلانا چاہیے کہ ان کا احتساب کیا جائے گا اور سوال کیا جائے گا کہ آیا انہوں نے یہ کردار ادا کیا یا نہیں؟ جس طرح ایک بادشاہ اپنے سفارت کار اور نمائندے پر غضب ناک ہوتا ہے اگر وہ اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس مسلمان سے ناراض ہوگا جو اسلام کے سفیر کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کرنے میں ناکام رہے گا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ مسلمانوں کی فتح کے بعد کچھ جنگی قیدی بنائے گئے جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے جو بعد میں مسلمان ہوئے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی اور کہا کہ ان کا اسلام قبول کرنا ان کے لیے اس سے زیادہ خوش ہو گا جتنا کہ ان کے والد کے اسلام قبول کرنے سے، کیونکہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوں گے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 307-308 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص کی نشانی تھی۔ صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

بہترین طرز عمل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے غیر مسلموں کے قافلے پر چھاپہ مارنے کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے، جو بالآخر غیر ارادی طور پر جنگ بدر کا باعث بنا، تو آپ نے اپنے داماد عثمان بن عبدالعزیز کو حکم دیا۔ عفان رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں قیام کیا اور اپنی زوجہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی رقیہ رضی اللہ عنہا کی عیادت کی، کیونکہ وہ سخت بیمار تھیں اور آخرکار انتقال کر گئیں۔ اس بیماری سے دور مدینہ واپسی پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مال غنیمت میں سے ایک حصہ دیا جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بدر کی جنگ میں شریک تھے۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 2 صفحہ 315 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2612 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ کامل ایمان والا وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ سب سے زیادہ مہربان ہو۔

بدقسمتی سے، بعض نے اپنے ہی خاندان کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہوئے غیر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی بری عادت اپنا لی ہے۔ وہ اس طرح برتاؤ کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے خاندان کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کو نہیں سمجھتے اور اپنے خاندان کی تعریف کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ ایک مسلمان اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ایمان کے دونوں پہلوؤں کو پورا نہ کرے۔ پہلا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی، اس کے احکام کی بجا آوری، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا ہے۔ دوسرا یہ کہ لوگوں کے حقوق ادا کیے جائیں جس میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ اس قسم کے سلوک کا اپنے خاندان سے زیادہ حق کسی کو نہیں ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام اچھے معاملات میں اپنے خاندان کی مدد کرے اور انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی کے ساتھ برے کاموں اور طریقوں سے تنبیہ کرے۔ برے کاموں میں ان کی آنکھیں بند کر کے صرف اس وجہ سے ساتھ نہ دیں کہ وہ ان کے رشتہ دار ہیں اور نہ ہی ان کے بارے میں بعض برے جذبات کی وجہ سے اچھے معاملات میں ان کی مدد کرنے سے گریز کریں کیونکہ یہ اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔ باب 5 المائدة، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

دوسروں کی رہنمائی کا بہترین طریقہ عملی نمونہ کے ذریعے ہے کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور صرف زبانی ہدایت سے کہیں زیادہ موثر ہے۔

،آخر میں، کسی کو عام طور پر تمام معاملات میں نرمی کا انتخاب کرنا چاہئے، خاص طور پر اپنے خاندان کے ساتھ معاملہ کرتے وقت۔ اگر وہ گناہ بھی کریں تو انہیں نرمی کے ساتھ تنبیہ کی جائے اور پھر بھی اچھے کاموں میں ان کی مدد کی جائے کیونکہ یہ مہربانی انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف لوٹانے میں ان کے ساتھ سختی کرنے سے زیادہ کارگر ہے۔

خبریں پھیلانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دو صحابہ زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کی طرف روانہ کیا تاکہ شہر کو فتح کی بشارت دیں۔ مدینہ پہنچ کر سب کو بتانے لگے کہ بدر میں کیا ہوا تھا۔ بعض منافقین نے مدینہ میں یہ افواہیں پھیلانا شروع کیں کہ مسلمانوں کی فوج شکست کھا گئی اور دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ آپس میں الجھ پڑے۔ جس کی وجہ سے شہر میں افراتفری اور خوف پھیل گیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 316 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن پاک کی درج ذیل آیت پر عمل کریں اور معلومات کو دوسروں تک نہ پہنچائیں چاہے وہ یہ سمجھتے ہوں کہ وہ پہلے معلومات کی تصدیق کیے بغیر ایسا کرکے دوسروں کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ مطلب، انہیں یہ یقینی بنانا چاہیے کہ یہ قابل اعتماد ذریعہ سے آیا ہے اور درست ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 6:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لو، ایسا نہ ہو کہ تم نادانی میں کسی قوم کو نقصان پہنچا دو اور اپنے کیے پر پشیمان ہو جاؤ۔“

حالانکہ یہ آیت ایک بدکار شخص کی طرف اشارہ کرتی ہے جو خبریں پھیلاتا ہے اس کا اطلاق ان تمام لوگوں پر ہوتا ہے جو دوسروں کے ساتھ معلومات بانٹتے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایک شخص کو یقین ہو سکتا ہے کہ وہ دوسروں کی مدد کر رہے ہیں لیکن غیر تصدیق شدہ معلومات پھیلانے سے وہ دوسروں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں، جیسے کہ جذباتی نقصان۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اس سے غافل ہیں اور انہیں محض ٹیکسٹ میسجز اور سوشل میڈیا ایپلی کیشنز کے ذریعے معلومات کو بغیر تصدیق کیے آگے بھیجنے کی عادت ہے۔ ایسے معاملات میں جہاں معلومات مذہبی معاملات سے جڑی ہوئی ہیں، معلومات کو پھیلانے سے پہلے اس کی تصدیق

کرنا اور بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ کسی کو دوسروں کے اعمال کی سزا ان کی فراہم کردہ غلط معلومات کی بنیاد پر مل سکتی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ، دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اور اس کا مسلمانوں پر کیا اثر ہو رہا ہے اس کے ساتھ معلومات کی تصدیق کرنا اور بھی اہم ہے کیونکہ جو کچھ نہیں ہوا اس پر دوسروں کو خبردار کرنا نہ صرف معاشرے میں انتشار پیدا کرتا ہے اور مسلمانوں اور دیگر کمیونٹیز کے درمیان دراڑ کو بڑھاتا ہے۔ یہ اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ سوال نہیں کرے گا کہ انہوں نے قیامت کے دن غیر تصدیق شدہ معلومات دوسروں کے ساتھ کیوں شیئر نہیں کیں۔ لیکن وہ یقینی طور پر ان سے سوال کرے گا کہ کیا وہ دوسروں کے ساتھ معلومات کا اشتراک کرتے ہیں، چاہے وہ تصدیق شدہ ہو یا نہ ہو۔ لہذا، ایک ذہین مسلمان صرف تصدیق شدہ معلومات کا اشتراک کرے گا اور جو کچھ بھی تصدیق شدہ نہیں ہے وہ یہ جانتے ہوئے چھوڑ دیں گے کہ وہ اس کے لیے جوابدہ نہیں ہوں گے۔

شاندار کردار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سپرد کیا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قیدیوں کو اپنی بہترین خوراک یعنی روٹی دیتے اور خود کم ترین کھانے یعنی کھجور کھاتے۔ وہ قیدیوں کو اپنے پہاڑوں پر سوار ہونے کی بھی اجازت دیتے جب وہ خود چلتے تھے۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 2، صفحہ 319، اور امام محمد السلبی کی کتاب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم زندگی، جلد 1، صفحہ 1020 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2003 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قیامت کے ترازو میں سب سے بھاری چیز حسن اخلاق ہوگی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن سلوک، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ اس میں لوگوں کے ساتھ اچھے کردار کا مظاہرہ بھی شامل ہے۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اللہ تعالیٰ کے حوالے سے واجبات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرکے دوسرے پہلو کو نظرانداز کرتے ہیں۔ وہ اس کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ یعنی جس طرح انسان کے ساتھ حسن سلوک کی خواہش ہوتی ہے اسے چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آئے ورنہ وہ کامیاب نہیں ہوگا کیونکہ حقیقی کامیاب لوگ صرف مومن ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ، کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی زبانی اور جسمانی نقصان کو دوسروں اور ان کے مالوں سے دور نہ رکھے، خواہ اس کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 3318 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی کہ ایک عورت جہنم میں جائے گی کیونکہ اس نے بلی کے ساتھ بدسلوکی کی جس سے اس کی موت واقع ہوئی۔ اور سنن ابوداؤد نمبر 2550 میں ایک اور حدیث ملتی ہے کہ ایک آدمی کو پیاسے کتے کو کھانا کھلانے کی وجہ سے معاف کر دیا گیا۔ اگر یہ اچھا کردار دکھانے کا نتیجہ ہے اور جانوروں کو برے کردار دکھانے کا نتیجہ ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟ درحقیقت زیر بحث مرکزی حدیث اس نصیحت کے ساتھ ختم ہوتی ہے کہ اچھے کردار والے کو اس مسلمان کی طرح اجر ملے گا جو اللہ تعالیٰ کی مسلسل عبادت کرتا ہے اور باقاعدگی سے روزے رکھتا ہے۔

نرم اور مہربان فطرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ بدر کے قیدیوں میں سے ایک نے دعویٰ کیا کہ وہ بہت غریب تھا اور اس کے پاس اتنی دولت نہیں تھی کہ وہ خود کو فدیہ دے سکے۔ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نرم طبیعت سے درخواست کی اور ان سے آزادی کی درخواست کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر رحم فرمایا اور ان کی درخواست اس شرط پر پوری فرمائی کہ وہ دوبارہ اسلام کے خلاف جنگ نہیں کریں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 326-327 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 7376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرے گا جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا۔

اسلام بہت سادہ مذہب ہے۔ اس کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک اس قدر سادہ ہے کہ ان پڑھ لوگ بھی ان کو سمجھ سکتے ہیں اور اس پر عمل کر سکتے ہیں، یعنی لوگ دوسروں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا۔ مثال کے طور پر جو لوگ دوسروں کی غلطیوں کو درگزر کرنا اور معاف کرنا سیکھتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ باب النور، آیت 22 24:

"...اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟''

جو لوگ فائدہ مند دنیاوی اور دینی معاملات میں دوسروں کی مدد کرتے ہیں جیسے کہ جذباتی یا مالی امداد اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کی مدد کرے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4893 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ یہی حدیث نصیحت کرتی ہے کہ جو دوسروں کے عیب چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیب چھپاتا ہے۔

سیدھے الفاظ میں، اگر کوئی اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک اور احترام کا سلوک کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں ان کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ ایسا ہی سلوک کرے گا، خواہ وہ فرض نمازوں جیسے واجبات کو پورا کرتے ہوں۔ یہ اس لیے ہے کہ ایک مسلمان کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے دونوں فرائض کو پورا کرنا چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے لیے فرائض۔

آخر میں، یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ صرف اللہ کی طرف سے حسن سلوک کیا جائے گا، اگر وہ اس کی خاطر دوسروں سے حسن سلوک سے پیش آئے۔ اگر وہ اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے ایسا کرتے ہیں تو بلاشبہ ان تعلیمات میں مذکور اجر کو ضائع کر دیں گے۔ تمام عبادات اور اسلام کی بنیاد خود انسان کی نیت ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

کبھی دو بار دھوکہ نہیں دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ بدر کے قیدیوں میں سے ایک نے دعویٰ کیا کہ وہ بہت غریب تھا اور اس کے پاس اتنی دولت نہیں تھی کہ وہ خود کو فدیہ دے سکے۔ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نرم طبیعت سے درخواست کی اور ان سے آزادی کی درخواست کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر رحم کیا اور اس شرط پر اس کی درخواست پوری فرمائی کہ وہ دوبارہ اسلام کے خلاف جنگ نہیں کریں گے۔ لیکن رہا ہونے کے بعد اس نے وعدہ خلافی کی اور غیر مسلموں کے ساتھ مل کر اسلام کے خلاف جنگ کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور جنگ احد میں دوبارہ گرفتار کر لیا۔ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوبارہ رہائی کی درخواست کی لیکن آپ نے جواب دیا کہ مومن کو ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 326-327 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6133 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مومن کو ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کسی چیز یا کسی سے دو بار بیوقوف نہیں بنتا۔ اس میں گناہوں کا ارتکاب بھی شامل ہے۔ ایک سچا مومن گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ نہیں ہے۔ لیکن جب وہ ان کا ارتکاب کرتے ہیں تو وہ اپنی غلطی کو نہیں دہراتے ہیں اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے توبہ کرکے سیکھتے ہیں اور بہتر کے لیے بدلتے ہیں۔

ایک سچا مومن لوگوں پر اندھا اعتماد نہیں کرتا جس سے ان کے ساتھ ظلم ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ لیکن اگر وہ کسی کی طرف سے بے وقوف بنائے گئے ہیں تو انہیں نظر انداز کرنا چاہئے اور معاف کرنا چاہئے کیونکہ یہ ان کی بخشش کا باعث بنتا ہے۔ باب 24 النور، آیت 22:

اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر..."
دے؟''

لیکن انہیں اس شخص کے ساتھ معاملہ کرتے وقت احتیاط سے چلتے ہوئے اپنے رویے کو بھی بدلنا چاہیے تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ وہ دوبارہ بے وقوف نہ بنیں۔ دوسروں کو معاف کرنے اور ان پر اندھا بھروسہ کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے، خاص طور پر جب وہ کسی پر ظلم کرتے ہیں۔

اس حدیث کا اطلاق زندگی کے ہر پہلو پر ہوتا ہے کیونکہ سچا مومن وہ ہے جو اپنے تجربات اور علم سے مسلسل سیکھتا ہے تاکہ اس میں بہتری لائی جائے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں اضافہ کر کے اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس سے پرہیز کرے۔ اس کی ممانعتوں اور تقدیر کا مقابلہ روایات کے مطابق صبر کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔

کوئی ترجیحی علاج نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے بعض قیدیوں کو فدیہ کے بغیر رہا کر دیا تاہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کے لیے فدیہ لینے کو یقینی بنایا۔ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں مفت میں رہا کرنے کی پیشکش کی کیونکہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ درحقیقت عباس کو اپنی آزادی کے لیے کسی اور سے زیادہ قیمت ادا کرنی پڑی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 345 میں بحث کی گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر مسلم داماد ابوالعاص بھی جنگ بدر کے دوران پکڑے گئے تھے۔ ابوالعاص کی بیوی زینب رضی اللہ عنہا نے اپنا ہار اپنے والد گرامی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شوہر کے لیے فدیہ کے طور پر بھیجا۔ ہار ان کی والدہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی زوجہ محترمہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کا تھا۔ ہار کو دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بے حد جذباتی ہو گئے۔ اس حالت میں بھی آپ نے اپنے داماد کو رہا کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اثر انداز ہونے کے لیے اپنے اختیارات کا استعمال نہیں کیا۔ انہوں نے ابوالعاص کو رہا کرنے اور ہار زینب رضی اللہ عنہا کو واپس کرنے کا انتخاب کیا۔ اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب مہر بند نیکٹر صفحہ 231 میں بحث کی گئی ہے۔

معاشرہ تنزلی کا شکار نظر آنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے انصاف کرنا چھوڑ دیا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 6787 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ تنبیہ کی ہے کہ پچھلی قومیں تباہ ہوئیں کیونکہ حاکم کمزوروں کو سزا دیتے تھے جب وہ قانون توڑتے تھے لیکن امیر اور بااثر کو معاف کر دیتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سربراہ مملکت ہونے کے ناطے اس حدیث میں یہاں تک اعلان فرمایا کہ اگر ان کی اپنی بیٹی نے کوئی جرم کیا تو وہ اس پر پوری قانونی سزا نافذ کریں گے۔ اگرچہ عوام الناس کے ارکان اس پوزیشن میں نہیں ہوں گے کہ وہ اپنے قائدین کو صرف اپنے اعمال پر قائم رہنے کا مشورہ دے سکیں لیکن وہ اپنے تمام معاملات اور اعمال میں انصاف سے کام لے کر ان پر بالواسطہ اثر ڈال سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو اپنے زیر کفالت افراد جیسے کہ ان کے

بچوں کے ساتھ برابری کا سلوک کرتے ہوئے انصاف سے کام لینا چاہیے۔ سنن ابوداؤد نمبر 3544 میں موجود حدیث میں خاص طور پر اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ انہیں چاہئے کہ وہ اپنے تمام کاروباری معاملات میں عدل و انصاف سے کام لیں خواہ وہ کسی کے ساتھ معاملہ کریں۔ اگر لوگ انفرادی سطح پر انصاف کے ساتھ کام کریں تو کمیونٹیز بہتر طور پر بدل سکتی ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ لوگ جو بااثر عہدوں پر ہیں، جیسے کہ سیاست دان، چاہے وہ چاہیں یا نہ چاہیں انصاف سے کام لیں گے۔

بہتر حاصل کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس بن عبدالمطلب جو جنگی قیدی تھے اپنی آزادی خریدنے پر مجبور ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے پھر باب 8 الانفال آیت 70-71 نازل فرمایا:

’’اے نبیؐ، جو قیدی تمہارے ہاتھ میں ہے اس سے کہہ دو کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں بھلائی جانتا ہے تو وہ تمہیں اس سے بہتر دے گا جو تم سے لیا گیا ہے، اور وہ تمہیں بخش دے گا۔ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ "لیکن اگر وہ آپ سے خیانت کرنا چاہتے ہیں تو وہ پہلے بھی اللہ سے خیانت کر چکے ہیں اور اس نے آپ کو ان پر زور دیا ہے۔ اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔‘‘

بعد ازاں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور جنگ بدر کے دوران ان کے بیس)یا دوسرے حوالہ کے مطابق چالیس (بندوں کے ساتھ جو نقصان ہوا اس کی تلافی کی گئی اور وہ ہمیشہ امید رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی بخش دے گا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1021-1022 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو یہ واقعہ خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کی اہمیت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں بھلائی کا باعث بنتا ہے، خواہ یہ کسی شخص پر ظاہر نہ ہو۔

جو لوگ کافر ہیں یا اسلام میں اپنے عقیدے پر عمل کرنے سے گریز کرتے ہیں وہ مادی دنیا اور اس کے اندر کی چیزوں سے محبت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اپنے عقیدے

پر ایمان لانا یا اس پر عمل کرنا انہیں دنیاوی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے سے روک دے گا، ان کے لیے ایمان ایک ایسی چیز ہے جو ان کی خواہشات کو محدود کر دیتی ہے اور اس لیے وہ اس سے لفظی یا عملی طور پر منہ موڑ لیتے ہیں۔ اس کے بجائے وہ مادی دنیا کی طرف رخ کرتے ہیں اور بغیر کسی پابندی کے اپنی خواہشات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ حقیقی امن اسی میں ہے۔ وہ ان لوگوں کو حقیر نگاہ سے دیکھتے ہیں جو اپنے اعمال پر قابو پا کر اور اپنی دنیوی نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے استعمال کرتے ہوئے اپنے ایمان کو قبول کرتے ہیں اور اس کی حقیقت کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ یہ پرہیزگار مسلمان ادنیٰ غلام ہیں جن پر لطف اندوز ہونے سے منع کیا گیا ہے جبکہ وہ کافر اور گمراہ آزاد ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ حقیقت سے آگے نہیں ہو سکتا کیونکہ اصل بندے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سامنے تسلیم کرنے اور تسلیم کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں اور اعلیٰ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی غلامی سے آزاد ہو کر ایسا کیا ہے۔ اس کو ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ ایک اچھے والدین اپنے بچے کے کھانے کی قسم پر پابندی لگاتے ہیں، مطلب کہ وہ انہیں صرف ایک بار فضول اور غیر صحت بخش کھانا کھانے دیں گے اور اس کے بجائے انہیں صحت مند غذا پر عمل کرنے پر مجبور کریں گے۔ اس لیے یہ بچہ مانتا ہے کہ اس کے والدین نے ان پر ناپسندیدہ پابندیاں عائد کر رکھی ہیں اور وہ اپنے والدین اور ان کی صحت بخش خوراک کے غلام بن چکے ہیں۔ دوسری طرف ایک اور بچے کو ان کے والدین کی طرف سے اجازت دی گئی ہے کہ وہ جو چاہے، جب چاہے اور جتنا چاہے کھائے۔ اس لیے یہ بچہ یقین رکھتا ہے کہ وہ تمام پابندیوں سے بالکل آزاد ہیں۔ جب یہ بچے اکٹھے ہوتے ہیں تو وہ بچہ جس کو مکمل آزادی دی گئی ہے تنقید کرتا ہے اور اس بچے کو حقارت سے دیکھتا ہے جس پر ان کے والدین نے پابندیاں لگا رکھی ہیں۔ بعد کے بچے کو بھی اپنے آپ پر افسوس ہو گا جب وہ یہ دیکھے گا کہ دوسرے بچے کو جس طرح چاہیں برتاؤ کرنے کی آزادی دی گئی ہے۔ ظاہری طور پر ایسا لگتا ہے کہ جس بچے کو آزاد کیا گیا ہے اس نے خوشی حاصل کی ہے جبکہ دوسرا بچہ زندگی سے لطف اندوز ہونے کے لئے بہت زیادہ پابندیوں میں بندھا ہوا ہے۔ لیکن برسوں بعد سچائی ظاہر ہو جائے گی۔ وہ بچہ جس پر کوئی پابندی نہیں تھی وہ بڑا ہو کر انتہائی غیر صحت مند ہو جاتا ہے مثلاً موٹاپا، ذیابیطس، ہائی بلڈ پریشر وغیرہ۔ اس کے نتیجے میں وہ ذہنی طور پر بھی غیر صحت مند ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ اپنے جسم اور اپنی شکل سے اعتماد کھو بیٹھتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ ادویات، بیماریوں، ذہنی اور سماجی مسائل کے غلام بن جاتے ہیں۔ یہ سب چیزیں ان کی خوشی اور زندگی کو محدود کر دیتی ہیں۔ جبکہ وہ بچہ جس پر ان کے والدین نے پابندی عائد کی تھی وہ دماغ اور جسم کے لحاظ سے صحت مند پروان چڑھتا ہے۔ نتیجتاً وہ اپنے جسم اور قابلیت میں پراعتماد ہو جاتے ہیں، جو انہیں زندگی میں کامیاب ہونے میں مدد فراہم کرتا ہے۔ وہ صحیح توازن اور رہنمائی کے ساتھ پروان چڑھتے ہی دواؤں، بیماریوں، ذہنی اور سماجی مسائل کی غلامی سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ تو وہ بچہ جس پر کوئی پابندی نہیں تھی وہ بہت سی چیزوں کا غلام بن کر بڑا ہوا، جب کہ جس بچے پر پابندیاں تھیں وہ تمام پابندیوں سے آزاد ہو کر پروان چڑھا۔

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حقیقی غلام وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام چیزوں کا غلام بن جائے، جیسے سوشل میڈیا، معاشرہ، فیشن اور ثقافت، اور اس سے ذہنی، جسمانی اور معاشرتی مسائل پیدا ہوتے ہیں، جبکہ حقیقی آزاد انسان۔ وہ ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے، اس طرح ذہنی اور جسمانی سکون حاصل کرتا ہے۔

تعلیم کی اہمیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ جنگی قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس روانہ ہوئے۔ ان قیدیوں میں سے کچھ کے پاس اپنے آپ کو آزاد کرنے کے لیے فدیہ کی رقم دستیاب نہیں تھی اس لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کچھ کو مدینہ کے بچوں کو لکھنا سکھا کر فدیہ سے کام لیا تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 345 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان قیدیوں سے مختلف طریقوں سے فدیہ میں کام کروا سکتے تھے، جیسے کہ جسمانی مشقت مثلاً کھیتی باڑی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں زیادہ اہم طریقے سے استعمال کرنے کا انتخاب کیا۔ یہ تعلیم اور علم کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

ایک بڑا خلفشار جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روکتا ہے وہ جہالت ہے۔ یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ یہ ہر گناہ کی اصل ہے کیونکہ جو گناہوں کے نتائج کو صحیح معنوں میں جانتا ہے وہ کبھی بھی گناہ نہیں کرے گا۔ اس سے مراد حقیقی فائدہ مند علم ہے جو وہ علم ہے جس پر عمل کیا جاتا ہے۔ درحقیقت وہ تمام علم جس پر عمل نہ کیا جائے وہ فائدہ مند علم نہیں ہے۔ اس طرزِ عمل کی مثال قرآنِ پاک میں اس گدھے کی طرح بیان کی گئی ہے جو علم کی کتابیں اٹھائے ہوئے ہے جو اسے فائدہ نہیں پہنچاتی۔ باب 62 الجمعہ، آیت 5:

"...اور پھر اس پر عمل نہیں کیا۔)علم پر عمل نہیں کیا (اس گدھے کی مانند ہے جو کتابوں کی کثرتیں اٹھائے ہوئے ہے۔''

جو شخص اپنے علم پر عمل کرتا ہے وہ شاذ و نادر ہی پھسلتا ہے اور جان بوجھ کر گناہ کرتا ہے۔ درحقیقت، جب ایسا ہوتا ہے تو یہ صرف جہالت کے ایک لمحے کی وجہ سے ہوتا ہے جہاں ایک شخص اپنے علم پر عمل کرنا بھول جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ گناہ کرتا ہے۔

نمبر 2322 میں موجود ایک جامع ترمذی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ حدیث میں جاہلیت کی سنگینی پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ مادی دنیا کی ہر چیز ملعون ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے۔ اس ذکر سے جو بھی تعلق ہے، عالم اور طالب علم۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مادی دنیا کی تمام نعمتیں جاہل کے لیے لعنت بن جائیں گی کیونکہ وہ ان کا غلط استعمال کرکے گناہوں کا ارتکاب کریں گے۔

درحقیقت جہالت کو انسان کا بدترین دشمن سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ یہ اسے اپنے آپ کو نقصان سے بچانے اور فائدہ حاصل کرنے سے روکتی ہے یہ سب کچھ صرف علم پر عمل کرنے سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جاہل ان سے بے خبر ہو کر گناہ کرتا ہے۔ کوئی گناہ سے کیسے بچ سکتا ہے اگر وہ نہیں جانتا کہ گناہ کیا ہے؟ جہالت انسان کو اپنے فرائض سے غفلت کا باعث بنتی ہے۔ اگر وہ اپنے فرائض سے ناواقف ہوں تو اپنے فرائض کیسے ادا کر سکتے ہیں؟

لہٰذا تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اتنا علم حاصل کریں کہ وہ اپنے تمام واجبات کو پورا کر میں موجود حدیث سے 224 نمبر سکیں اور گناہوں سے بچ سکیں۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ ہوتی ہے -

کیسے جیتا جائے

مکہ کے غیر مسلم اس وقت شدید اضطراب میں پڑ گئے جب انہیں یہ خبر ملی کہ جنگ بدر میں ان کے کتنے سردار مارے گئے اور کتنے بڑے نقصان اٹھائے گئے۔ ابو لہب نے جنگ سے عذر کیا اور اس کی جگہ کسی کو بھیج دیا اور قتل عام سے بچ گیا۔ شکست خوردہ غیر مسلم فوج کے مکہ واپس آنے کے بعد ابو لہب نے ایک آدمی سے جنگ کے دوران پیش آنے والے واقعات کے بارے میں سوال کیا۔ اس آدمی نے بتایا کہ اس نے گھوڑوں پر عجیب آدمیوں کو دیکھا جو ان کی فوج کو تباہ کر رہے تھے۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے خادم ابو رافع اس وقت مسلمان تھے لیکن اپنے ایمان کو چھپاتے تھے۔ اس نے یہ گفتگو سنی اور کہا کہ یہ فرشتے ہیں۔ پھر ابو لہب نے ابو رافع رضی اللہ عنہ کو مارا اور مارا۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی بیوی ام الفضل بھی مسلمان تھیں، انہوں نے ابو لہب کے سر پر خیمے کے کھمبے سے وار کیا۔ ابو لہب پھر مجلس سے نکل گیا۔ کچھ دنوں بعد وہ ایک خطرناک بیماری سے مر گیا جہاں اس کے جسم پر السر ہو گئے۔ اس کے پاس جو کچھ تھا اس سے متاثر ہونے کے خوف سے کئی دن تک کوئی اس کی لاش کے پاس نہیں گیا۔ جب اس کے بیٹوں کو اپنے باپ کی لاش چھوڑنے پر تنقید کا نشانہ بنایا گیا تو انہوں نے اس کی لاش کو اس کی قبر تک گھسیٹنے کے لیے کچھ آدمیوں کی خدمات حاصل کیں اور اسے دفن کرنے تک دور سے اس پر پتھر برسائے۔ اس پر امام صفی الرحمن کی کتاب مہربند نیکٹر صفحہ 227 اور امام محمد السلبی کی کتاب دی نوبل لائف آف نبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد 1 صفحہ 1032 تا 1033 میں بحث کی گئی ہے۔

غزوہ بدر کے دو قیدیوں نضر بن حارث اور عقبہ ابن ابو معیط کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر پھانسی دی گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شدید نقصان پہنچانے کے لیے بہت کوششیں کیں جب کہ وہ مکہ میں رہتے تھے اور مکہ کے معاشرے میں کلیدی اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ جنہوں نے بدعنوانی اور برائی کو پھیلانے کی ترغیب دی۔ مدینہ کی طرف ہجرت سے پہلے ایک موقع پر عقبہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گلا گھونٹ کر قتل کر دیا تھا اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ مداخلت نہ کرتے۔ ان کی پھانسی بھی دشمنان اسلام کے لیے ایک مضبوط روک تھام اور واضح پیغام تھا کہ مسلمان اپنے دفاع سے نہیں ڈرتے۔ اس روک تھام نے بہت سے ممکنہ لڑائیوں اور حملوں کو روکا جس کی وجہ سے بہت سی جانیں ضائع ہو سکتی تھیں۔ آخر کار ان کے ماضی اور حال کے طرز عمل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر ان سے تاوان لیا جاتا تو وہ بڑے پیمانے پر بدعنوانی اور برائی پھیلاتے رہتے۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 229 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے ایک سادہ مگر گہرے سبق کو سمجھنا ضروری ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے دنیا و آخرت میں دنیاوی یا دینی معاملات میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ طلوع آفتاب سے لے کر اس زمانے تک اور آخر زمانہ تک کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے نہ کبھی حقیقی کامیابی حاصل ہوئی اور نہ ہی کبھی نصیب ہوگی۔ تاریخ کے اوراق پلٹنے پر یہ بات بالکل عیاں ہے۔ لہٰذا جب کوئی مسلمان ایسی حالت میں ہو جس سے وہ ایک مثبت اور کامیاب نتیجہ حاصل کرنا چاہتا ہو تو اسے کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا انتخاب نہیں کرنا چاہیے، خواہ یہ کتنا ہی آسان اور آزمائشی کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ اگر کسی کو ان کے قریبی دوستوں اور رشتہ داروں کی طرف سے ایسا کرنے کا مشورہ دیا جائے کیونکہ مخلوق کی اطاعت نہیں ہے اگر اس کا مطلب خالق کی نافرمانی ہے۔ اور درحقیقت وہ انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے عذاب سے نہ دنیا میں بچا سکیں گے نہ آخرت میں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کامیابی عطا کرتا ہے جو اس کی اطاعت کرتے ہیں وہ اس کی نافرمانی کرنے والوں سے ایک کامیاب نتیجہ نکال دیتا ہے خواہ اس ہٹانے میں وقت لگے۔ ایک مسلمان کو بے وقوف نہیں بنانا چاہیے کیونکہ یہ جلد یا بدیر ہو جائے گا۔ قرآن کریم نے یہ بات بالکل واضح کر دی ہے کہ برائی کا منصوبہ یا عمل صرف کرنے والے کو ہی گھیرتا ہے خواہ اس سزا میں تاخیر ہی کیوں نہ ہو۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

''لیکن شیطانی تدبیر اپنے لوگوں کو نہیں گھیرتی۔''

لہٰذا حالات اور انتخاب خواہ کتنے ہی مشکل کیوں نہ ہوں مسلمانوں کو چاہیے کہ دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا انتخاب کریں کیونکہ یہی کامیابی دونوں جہانوں میں حقیقی کامیابی کا باعث بنے گی خواہ یہ کامیابی فوری طور پر ظاہر نہ ہو۔

دوسرا چانسز

جنگ بدر کے بعد عمیر بن وہب مکہ کی مسجد الحرام میں صفوان بن امیہ کے ساتھ بیٹھے تھے۔ عمیر کو جنگ بدر پر خاص طور پر غصہ تھا کیونکہ اس کا بیٹا مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہو رہا تھا۔ عمیر نے صفوان کو بتایا کہ اگر مکہ میں اس کے اہل خانہ کے پاس ان کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہوتا تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے ایک خودکش مشن پر مدینہ چلا جاتا۔ صفوان نے اسے اپنے شیطانی منصوبے کو پورا کرنے کی ترغیب دی اور اس سے وعدہ کیا کہ وہ اس کے گھر والوں کو لے گا۔ عمیر نے اپنی تلوار کو زہر میں ڈبو کر تیار کیا اور مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ مدینہ منورہ پہنچے تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھا اور اس کی بد اخلاقی سے بہت واقف تھے۔ اس نے عمیر کو جسمانی طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے جایا، تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ عمیر کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ عمیر کو جانے دیں اور ان سے ان کے سفر کے بارے میں سوال کریں۔ عمیر نے ٹال مٹول کرنے کی کوشش کی اور تبصرہ کیا کہ وہ صرف اس بات کو یقینی بنانے کے لیے آیا ہے کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ احترام کے ساتھ برتاؤ کیا جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر انہیں اپنے منصوبے اور مکہ میں صفوان کے ساتھ ہونے والی خفیہ گفتگو سے آگاہ کیا۔ چونکہ کوئی اور ان کی گفتگو نہیں سن رہا تھا، اس لیے عمیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کو محسوس کیا اور اسلام قبول کر لیا۔ پھر اس نے اسلام کو پھیلانے اور شرک کی مخالفت کرنے کے لیے مکہ واپس آنے کی اجازت طلب کی، جس طرح اس نے اسلام کو قبول کرنے سے پہلے اس کی مخالفت کی تھی۔ اجازت ملنے پر وہ مکہ واپس آئے اور لوگوں کو کھلے عام اس پر اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی اور ان کی وجہ سے بہت سے لوگوں نے اسے قبول کیا۔
ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 327-329 میں بحث کی گئی ہے۔

عمیر رضی اللہ عنہ نے ضد کرنے کے بجائے اسلام قبول کرنے کا دوسرا موقع لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اسلام کو پھیلانے کی بھرپور کوشش کی۔ یہ زندگی کے تمام پہلوؤں میں ضد سے بچنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

بعض دنیوی معاملات میں ہٹ دھرمی اختیار کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے کردار میں بہتری نہیں لاتے۔ اس کے بجائے، وہ اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ یہ

کسی نہ کسی طرح ان کی عظیم طاقت اور دانشمندی کی علامت ہے۔ ایمان کے معاملات میں ثابت قدمی ایک قابل تعریف رویہ ہے لیکن اکثر دنیاوی معاملات میں اسے صرف ضد کہا جاتا ہے جو کہ قابل ملامت ہے۔

بدقسمتی سے، کچھ کا خیال ہے کہ اگر وہ اپنا رویہ بدلتے ہیں تو یہ کمزوری کو ظاہر کرتا ہے یا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کر رہے ہیں اور اس وجہ سے وہ ضد کے ساتھ بہتر کے لیے تبدیل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ بالغ لوگ یہ مان کر نادان بچوں کی طرح برتاؤ کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنا رویہ بدل لیتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ہار گئے ہیں جبکہ دوسرے جو اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں وہ جیت گئے ہیں۔ یہ محض بچگانہ ہے۔

درحقیقت ایک ذہین آدمی ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہے گا لیکن دنیاوی معاملات میں جب تک گناہ نہ ہو اپنی زندگی کو آسان بنانے کے لیے اپنا رویہ بدلے گا۔ لہٰذا اپنی زندگی کو سنوارنے کے لیے بدلنا کمزوری کی علامت نہیں بلکہ دراصل ذہانت کی علامت ہے۔

بہت سے معاملات میں، ایک شخص اپنا رویہ تبدیل کرنے سے انکار کرتا ہے اور اپنی زندگی میں دوسروں سے توقع کرتا ہے کہ وہ اپنا رویہ بدلیں، جیسے کہ ان کے رشتہ دار۔ لیکن جو اکثر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ضد کی وجہ سے سب ایک ہی حالت میں رہتے ہیں جس سے باقاعدہ اختلاف اور جھگڑے ہی ہوتے ہیں۔ ایک عقلمند شخص یہ سمجھتا ہے کہ اگر اس کے ارد گرد کے لوگ اس سے بہتر نہیں ہوتے جو ان کی ضرورت سے بہتر ہوتی ہے۔ یہ تبدیلی ان کی زندگی کے معیار اور دوسروں کے ساتھ ان کے تعلقات کو بہتر بنائے گی جو لوگوں کے ساتھ سرکلر بحث کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ یہ مثبت رویہ بالآخر دوسروں کو ان کا احترام کرنے کا سبب بنے گا کیونکہ کسی کے کردار کو بہتر بنانے کے لیے حقیقی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔

جو لوگ ضدی رہتے ہیں وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ ناراض پاتے ہیں جس سے ان کی زندگی سے سکون ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں مزید مشکلات پیدا ہوں گی، جیسے کہ ان کی ذہنی صحت۔ لیکن جو لوگ بہتر کے لیے اپناتے اور بدلتے ہیں وہ ہمیشہ امن کے ایک مقام

سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے ہیں۔ اگر کوئی یہ امن حاصل کر لیتا ہے تو کیا اس سے واقعی کوئی فرق پڑتا ہے اگر دوسرے یہ مانتے ہیں کہ وہ صرف اس لیے بدل گئے کہ وہ غلط تھے؟

آخر میں قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ثابت قدم رہنا قابل تعریف ہے۔ لیکن دنیاوی معاملات میں اور ایسے معاملات میں جہاں کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو انسان کو اپنا رویہ بدلنا سیکھنا چاہیے تاکہ وہ اس دنیا میں سکون حاصل کر سکے۔

دو چہرے والا سلوک

غیر مسلم سردار ابو سفیان نے جنگ بدر کا بدلہ لینے کا عہد کیا۔ وہ 200 آدمیوں کے ساتھ مدینہ کے مضافات کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے یہودی قبیلہ بنو نضیر کے سردار سلام ابن مشکم کے ساتھ رات گزاری۔ سلام نے ابو سفیان کی میزبانی کی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ان کے پاس موجود تمام معلومات بیان کیں۔ صبح کے وقت ابو سفیان اور اس کے ساتھیوں نے مدینہ کے مضافات پر حملہ کیا اور مدینہ کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے ایک لشکر کے ساتھ ابو سفیان کا تعاقب کیا لیکن ابو سفیان فرار ہونے میں اس پر سیرت ابن ہشام صفحہ 138 میں بحث ہوئی ہے۔ کامیاب ہو گیا۔

یہودی قبیلے کے سردار صلّی اللہ علیہ وسلم نے ابو سفیان کی میزبانی کرکے اور مسلمانوں کے بارے میں جو معلومات اکٹھی کی تھیں ان کو ظاہر کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح کے معاہدے کو توڑ دیا۔ مدینہ اور اس کے آس پاس کے ان غیر مسلم قبائل میں سے بہت سے لوگوں نے اسلام دشمنی کی وجہ سے اس طرح کا برتاؤ کیا۔

دو طرفہ ہونا منافقت کی نشانی ہے۔ یہ وہ ہے جو لوگوں کے مختلف گروہوں کو خوش کرنے کے لیے اپنے طرز عمل میں تبدیلی لاتا ہے اور اس سے کچھ دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ بہت سی مختلف زبانوں سے بولتے ہیں جو مختلف لوگوں کو اپنی حمایت ظاہر کرتے ہوئے ان کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کے ساتھ مخلص نہیں ہیں جس کا حکم سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اگر وہ توبہ نہ کریں تو آخرت میں اپنے آپ کو آگ کی دو زبانوں سے پائیں گے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4873 میں موجود ایک :حدیث سے ہوتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 14

جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے برے ساتھیوں "سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو محض مذاق کر رہے تھے۔

سیدھا ہونا

غزوہ بدر کے ختم ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے سخت مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے مدینہ میں اپنے والد کے پاس ہجرت کی۔ اس وقت اس کا شوہر ابوالعاص اب بھی ایک غیر مسلم تھا جس نے اسے ہجرت کرنے کی اجازت دی تھی، کیونکہ یہ ان کی رہائی میں طے کی گئی شرائط میں سے ایک تھی جب وہ جنگ بدر کے دوران جنگی قیدی کے طور پر پکڑا گیا تھا۔ اس کی ہجرت کے بعد وہ تجارتی سفر پر شام روانہ ہو گئے۔ واپسی پر اس پر گھات لگا کر حملہ کیا گیا اور اس کے پاس موجود تمام دولت لوٹ لی گئی، اس میں سے زیادہ تر مکہ کے غیر مسلموں کی تھی، جنہوں نے اسے اپنی طرف سے تجارت کے لیے بھیجا تھا۔ وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا اور مدینہ پہنچ گیا جہاں اس نے اپنی بیوی زینب رضی اللہ عنہا سے پناہ مانگی۔ اس نے اسے تحفظ دیا اور اس کے نتیجے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی حفاظت کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں سے بھی درخواست کی جنہوں نے آپ کے تجارتی قافلے پر چھاپہ مارا تھا کہ وہ سامان واپس کردیں، کیونکہ ان کے درمیان صلح کا معاہدہ ہوا تھا، اور وہ راضی ہوگئے۔ ابوالعاص اپنے تجارتی سامان کے ساتھ مکہ واپس آئے اور تمام مال ان کے مالکوں کو واپس کر دیا۔ ایک بار جب اس نے یہ کام ختم کیا تو اس نے اپنے اسلام کا اعلان کیا اور تبصرہ کیا کہ وہ اپنے اسلام کا اعلان کرنے سے پہلے مکہ کے غیر مسلموں کا سامان واپس کرنے تک انتظار کرتا ہے کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ یہ مانیں کہ میں نے صرف ان کے مال کو برقرار رکھنے کے لئے اسلام قبول کیا ہے۔ پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی اور اپنی بیوی کے ساتھ رہنے لگے، اللہ ان دونوں سے راضی ہے۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 350 میں بحث کی گئی ہے۔

ابوالعاص رضی اللہ عنہ اس دولت کو اپنے پاس رکھ سکتے تھے اور وہ مدینہ میں ہی رہ سکتے تھے لیکن اس کے بجائے وہ سیدھے رہے اور اپنی رضامندی کے مطابق تجارتی معاہدہ کر لیا۔

سنن ابن ماجہ نمبر 2146 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ تاجروں کو قیامت کے دن فاسقوں کے طور پر اٹھایا جائے گا سوائے ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، نیک عمل کرتے ہیں اور بولتے ہیں۔ سچائی

اس حدیث کا اطلاق ان تمام لوگوں پر ہوتا ہے جو تجارتی لین دین میں حصہ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، اس کے احکام پر عمل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ کاروباری لین دین کے سلسلے میں ایک مسلمان کو اپنی بات میں ایماندار ہونا چاہیے اور اس لین دین کی تمام تفصیلات جو اس میں شامل ہیں ان کو بتا دیں۔ صحیح بخاری نمبر 2079 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب مسلمان مالی لین دین میں چیزوں کو چھپاتے ہیں، جیسے کہ ان کے سامان میں خرابیاں، تو یہ نعمتوں میں نقصان کا باعث بنتی ہے۔

راستبازی سے کام کرنے میں یہ شامل ہے کہ دوسروں کو سامان کی ضرورت سے زیادہ قیمت ادا کرنے پر مجبور کرنے کی کوشش نہ کریں۔ ایک مسلمان کو صرف دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جیسا کہ وہ ایمانداری اور مکمل انکشاف کے ساتھ معنی خیز سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح ایک مسلمان یہ پسند نہیں کرے گا کہ مالی معاملات میں اس کے ساتھ بدسلوکی کی جائے وہ دوسروں کے ساتھ بدسلوکی نہ کرے۔

کاروبار کرنے والوں کو ہمیشہ جھوٹ بولنے سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ بے حیائی کی طرف لے جاتا ہے اور فانی جہنم میں لے جاتا ہے۔ درحقیقت ایک شخص جھوٹ بولتا اور اس پر عمل کرتا رہے گا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا درج نہ ہو جائے۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

توڑنے والے بانڈز

مدینہ میں رہنے والے ایک غیرت مند بزرگ شش بن قیس ایک دفعہ مدینہ سے صحابہ کرام کے ایک اجتماع سے گزرے، اللہ ان سے راضی ہے۔ مدینہ منورہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اصل میں دو بڑے قبیلوں اوس اور خزرج سے تھے۔ یہ دونوں قبیلے کئی نسلوں سے ایک دوسرے سے برسرپیکار تھے اور اسلام قبول کرنے کے بعد ہی متحد ہوئے۔ جب شاس نے مدینہ منورہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک دوسرے کے ساتھ بے پناہ محبت و الفت کا مشاہدہ کیا، حالانکہ اس سے چند سال پہلے وہ دشمن تھے، تو ان کی اسلام سے نفرت میں شدت آگئی۔ اس نے ایک نوجوان شاعر کو ایک پرانی لڑائی کے بارے میں کچھ الفاظ کہنے کی ترغیب دی جو اوس اور خزرج کے دو قبیلوں کے درمیان ہوئی تھی جس میں ان کے بہت سے سرکردہ رہنما مارے گئے تھے۔ اس شاعری نے قدیم پرانے منفی جذبات کو ابھارا جنہیں اسلام نے دفن کر دیا تھا جس کی وجہ سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ آپس میں جھگڑنے لگے۔ اس سے پہلے کہ کوئی لڑائی ہو، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں اس نئے دور کی یاد دلائی جس میں وہ داخل ہوئے تھے۔ قبائلی وفاداریوں کے نام پر جاہلانہ طرز عمل اور بے ہودہ تشدد سے دور ایک نیا دور۔ یہ منفی جذبات ان پیغمبرانہ کلمات سے بہت جلد ختم ہو گئے یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرے کے ساتھ اپنے رویے اور رویے کو درست کر لیا اور ایک دوسرے کے لیے برادرانہ محبت کی طرف لوٹ گئے۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 236-237 میں بحث کی گئی ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ 3 آل عمران آیت 100 نازل فرمائی:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم اہل کتاب میں سے ایک جماعت کی بات مانو گے تو وہ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد کافر کی طرف پھیر دیں گے۔“

اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 3:100، صفحہ 38 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، ایک مسلمان کو دوسروں کے بارے میں منفی بات کرنے سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ اس سے لوگوں کے دلوں میں منفی جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

سنن ابو داؤد نمبر 4860 میں موجود حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو دوسروں کے بارے میں منفی بات کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ اس سے لوگوں کے دلوں میں ان کے بارے میں برے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ خاندان خاص طور پر ایشیائی کمیونٹی سے، وقت کے ساتھ ٹوٹ جاتے ہیں۔ یہ ایک سب سے بڑی شکایات ہے جو خاندان کے ممبران، جیسے والدین کو اکثر ہوتی ہے۔ وہ حیران ہیں کہ ان کے بچے کیوں الگ ہو گئے ہیں حالانکہ وہ کبھی مضبوطی سے ایک ساتھ تھے۔

رشتہ داروں کے درمیان تعلقات کے ٹوٹنے کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ کسی نے ان کے رشتہ دار کے بارے میں منفی بات کی ہے۔ یہ اکثر خاندان کے کسی فرد کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک ماں اپنے دوسرے بچے سے اپنے بیٹے کے بارے میں منفی بات کرے گی۔ یہ دونوں رشتہ داروں کے درمیان دشمنی کا باعث بنتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ دونوں کے درمیان دراڑ پیدا کر دیتا ہے۔ جو کبھی ایک شخص کی طرح تھے وہ ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن جاتے ہیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ بہت کم لوگوں کے علاوہ، جب کسی شخص سے کسی دوسرے کے بارے میں کوئی منفی بات کہی جائے تو وہ اس سے متاثر ہو جائیں گے، خواہ وہ یہ نہ چاہتے ہوں۔ یہ دشمنی تب بھی ہوتی ہے جب کہ ابتدائی شخص جس نے کسی کے رشتہ دار کے بارے میں منفی بات کی ہو وہ رشتہ داروں کے درمیان پچر پیدا کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ کچھ اکثر عادت سے ہٹ کر اس طرح کام کرتے ہیں اور تعلقات کو خراب کرنے کی کوشش

نہیں کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، والدین اکثر یہ عادت اپناتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے بچوں کے رشتے ٹوٹنے یا ٹوٹنے کی خواہش نہیں رکھتے۔

یہ رویہ لوگوں کی ذہنیت پر اتنا گہرا اثر ڈالتا ہے کہ اس سے ان رشتہ داروں پر بھی اثر پڑتا ہے جو ایک دوسرے کو بہت کم دیکھتے یا بات کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک شخص کسی شخص کے رشتہ دار کے بارے میں منفی باتوں کا ذکر کرے گا حالانکہ اس کا رشتہ دار بھی ان جیسے ملک میں نہیں رہتا۔ یہ رویہ ان کے دل میں دشمنی کو پیوست کر دیتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ یہ محسوس کریں گے کہ وہ اپنے دور کے رشتہ دار کو ناپسند کرتے ہیں حالانکہ وہ انہیں بمشکل جانتے ہیں۔

یہ مسئلہ اکثر اس وقت ہوتا ہے جب دو افراد دوسرے لوگوں کے سامنے دوسروں کے بارے میں منفی باتوں پر بحث کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، والدین اپنے بچوں کے سامنے اپنے رشتہ داروں کے بارے میں منفی باتیں کر سکتے ہیں۔ اگرچہ، وہ اپنے بچوں کو براہ راست کچھ نہیں بتا رہے ہیں، یہ اب بھی ان کے دلوں پر اثر انداز ہوتا ہے .اگر کوئی ایک لمحے کے لیے واقعی غور کرے تو وہ سمجھ جائے گا کہ دوسروں کے تئیں ان کے بیمار جذبات کی اکثریت اس شخص کے کیے یا ان سے براہ راست کہنے کی وجہ سے نہیں تھی۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ کسی تیسرے فریق کی وجہ سے ہوا ہے جس نے ان سے اس شخص کے بارے میں کسی منفی بات کا ذکر کیا۔

ایسی صورتوں میں جہاں کوئی دوسرے کو کسی خطرے سے خبردار کرنے کی کوشش کر رہا ہو تو کسی دوسرے شخص کا منفی انداز میں ذکر کرنا بالکل قابل قبول ہے۔ اگر کوئی دوسرے کو سبق سکھانے کی کوشش کر رہا ہے مثلاً اگر کوئی ماں اپنے بچوں میں سے کسی کو یہ سکھانا چاہتی ہے کہ وہ اپنے بہن بھائیوں کی طرح برتاؤ نہ کرے تو اسے چاہیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں۔ شخص کا نام لیے بغیر منفی بات کا ذکر کریں۔ اس خوبصورت ذہنیت کی ایک مثال صحیح بخاری نمبر 6979 میں موجود حدیث میں موجود ہے۔ کسی شخص کا نام لیے بغیر کسی منفی بات کا ذکر کرنا کسی کو سبق سکھانے کے لیے کافی ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، مسلمانوں کو اپنے رشتہ داروں یا دوسروں کے بارے میں، نجی یا عوامی طور پر منفی بات کرنے سے پہلے گہرائی سے غور کرنا چاہیے۔ بصورت دیگر، وہ اچھی طرح محسوس کر سکتے ہیں جیسے جیسے وقت گزرتا ہے ان کا خاندان الگ ہو جاتا ہے اور جذباتی طور پر ایک دوسرے سے دور ہو جاتا ہے۔

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کی

ایک دانشمندانہ تجویز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سے شادی کی تجویز پیش کی۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا اس پر اتفاق ہوا اور نکاح ہو گیا۔ اس کا جہیز ایک زنجیر میل بکتر تھا جس کی قیمت چار چاندی کے سکوں کی معمولی رقم تھی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 368 میں بحث کی گئی ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ جہیز ایک معمولی رقم تھی۔ یہ شادیوں کو سادہ اور کفایت شعاری رکھنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے، جسے آج بہت سے مسلمان آسانی سے نظر انداز کر دیتے ہیں۔

اس کے علاوہ، مسلمانوں کو اسلام کی تعلیمات کی بنیاد پر کسی ایک کا انتخاب کرکے صحیح شریک حیات کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے۔

صحیح بخاری نمبر 5090 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ چار وجوہات کی بنا پر شادی کی جاتی ہے :مال، نسب، حسن یا تقویٰ۔ انہوں نے تنبیہ کرتے ہوئے نتیجہ اخذ کیا کہ آدمی کو تقویٰ کی خاطر شادی کرنی چاہیے ورنہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس حدیث میں مذکور پہلی تین چیزیں بہت عارضی اور ناقص ہیں۔ وہ کسی کو عارضی خوشی تو دے سکتے ہیں لیکن آخرکار یہ چیزیں ان کے لیے بوجھ بن جاتی ہیں کیونکہ ان کا تعلق مادی دنیا سے ہے نہ کہ اس چیز سے جو حتمی اور مستقل کامیابی عطا کرتی ہے یعنی ایمان۔ یہ سمجھنے کے لیے کہ دولت خوشی نہیں لاتی، صرف امیر اور مشہور کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت، امیر زمین پر سب سے زیادہ غیر مطمئن اور ناخوش لوگ ہیں۔ اپنے نسب کی خاطر کسی سے شادی کرنا بے وقوفی ہے کیونکہ یہ اس بات کی ضمانت نہیں دیتا کہ وہ شخص ایک اچھا شریک حیات بنائے گا۔ درحقیقت، اگر شادی کامیاب نہیں ہوتی ہے تو یہ خاندانی بندھن کو ختم کر دیتی ہے جو شادی سے پہلے دونوں خاندانوں کے پاس تھے۔ صرف خوبصورتی کے معنی کی خاطر شادی کرنا، محبت عقلمندی نہیں ہے کیونکہ یہ ایک چبھتا ہوا جذبہ ہے جو وقت کے ساتھ اور مزاج کے ساتھ بدل جاتا ہے۔ قیاس محبت میں ڈوب جانے والے کتنے جوڑے ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگے؟

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی ایسا شریک حیات تلاش کرے جو غریب ہو کیونکہ یہ ضروری ہے کہ کسی ایسے شخص سے شادی کی جائے جو خاندان کی مالی مدد کر سکے۔ نہ ہی اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو اپنے شریک حیات کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ ایک صحت مند شادی کا ایک اہم پہلو ہے۔ لیکن اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں کسی کی شادی کی بنیادی یا حتمی وجہ نہیں ہونی چاہئیں۔ ایک مسلمان کو شریک حیات میں جو بنیادی اور حتمی خوبی تلاش کرنی چاہیے وہ تقویٰ ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز رہتا ہے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے۔ سادہ لفظوں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اپنی شریک حیات کے ساتھ خوشی اور مشکل دونوں وقتوں میں اچھا سلوک کرے گا۔ دوسری طرف، جو لوگ بے دین ہیں وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ بدسلوکی کریں گے جب بھی وہ پریشان ہوں گے۔ حالیہ برسوں میں مسلمانوں میں گھریلو تشدد میں اضافے کی یہ ایک اہم وجہ ہے۔

آخر میں، اگر کوئی مسلمان شادی کرنا چاہتا ہے تو اسے سب سے پہلے اس سے متعلق علم حاصل کرنا چاہیے، جیسے کہ اس پر اپنی شریک حیات کے واجب الادا حقوق، جو حقوق اس پر اپنی شریک حیات سے واجب الادا ہیں اور مختلف حالات میں اپنی شریک حیات کے ساتھ صحیح سلوک کرنے کا طریقہ۔ بدقسمتی سے، اس سے لاعلمی بہت سے دلائل اور طلاقوں کا باعث بنتی ہے کیونکہ لوگ ایسی چیزوں کا مطالبہ کرتے ہیں جن کو پورا کرنے کے لیے ان کا شریک حیات پابند نہیں ہوتا۔ علم صحت مند اور کامیاب ازدواجی زندگی کی بنیاد ہے۔

سادہ زندگی

علی ابن ابی طالب اور ان کی اہلیہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح انتہائی سادہ زندگی گزاری۔ انہوں نے دنیاوی آسائشوں سے لطف اندوز ہونے پر آخرت کی تیاری اور دوسروں کی مدد کو ترجیح دی۔ مثال کے طور پر، اس نے ایک بار کہا کہ ان کے گھر میں مینڈھے کی کھال کے علاوہ کوئی فرنیچر نہیں تھا جس پر وہ سوتے تھے۔

دونوں نے روزی روٹی کے لیے کام کیا اور زندگی کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لیے جدوجہد کی۔ ایک مرتبہ جب کچھ جنگی قیدی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائے گئے تو انہوں نے آپ سے درخواست کی کہ ان کے کاموں میں ان کی مدد کے لیے ایک خادم ان کو دے دیں۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار کر دیا کیونکہ وہ قیدیوں کو بیچ کر مدینہ کے غریبوں پر خرچ کرنا چاہتے تھے۔ اس نے اپنے خاندان پر دوسروں کو ترجیح دی۔ اس رات کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو سونے سے پہلے پڑھنے کی روحانی مشق سکھائی اور فرمایا کہ یہ روحانی مشق خادم حاصل کرنے سے بہتر ہے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 147-149 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4118 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔

اسلام مسلمانوں کو اپنی تمام دولت اور جائز خواہشات کو ترک کرنے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ یہ ان کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں جیسے کہ ان کی خوراک، لباس، رہائش اور کاروبار میں سادہ طرز زندگی اپنانے کی تعلیم دیتا ہے تاکہ وہ انہیں فارغ وقت فراہم کریں۔ آخرت کے لیے مناسب طریقے سے تیاری کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ اس سادہ زندگی میں

اس دنیا میں کوشش کرنا بھی شامل ہے تاکہ کسی کی ضرورتوں اور ان کے محتاجوں کی ضرورتوں کو بغیر زیادتی، فضول خرچی اور اسراف کے پورا کیا جا سکے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ جتنی سادہ زندگی گزاریں گے، وہ دنیاوی چیزوں پر اتنا ہی کم دباؤ ڈالیں گے اور اسی لیے وہ آخرت کے لیے اتنا ہی زیادہ کوشش کر سکیں گے، جس سے ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل ہو گا۔ لیکن ایک شخص کی زندگی جتنی زیادہ پیچیدہ ہوگی وہ اتنا ہی زیادہ دباؤ ڈالے گا، مشکلات کا سامنا کرے گا اور اپنی آخرت کے لیے کم کوشش کرے گا کیونکہ دنیاوی چیزوں سے ان کی مصروفیات کبھی ختم ہوتی نظر نہیں آئیں گی۔ یہ رویہ انہیں ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔

سادگی دنیا میں آسودگی کی زندگی اور قیامت کے دن سیدھا حساب کتاب کا باعث بنتی ہے۔ جب کہ ایک پیچیدہ اور عیش و عشرت کی زندگی صرف ایک دباؤ والی زندگی اور قیامت کے دن سخت اور مشکل حساب کتاب کا باعث بنے گی۔

ہجرت کے بعد تیسرا سال

قابل اعتماد ہونا

جب بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے تشریف لے جاتے تو آپ نے واپس آنے تک ہمیشہ کسی معتبر کو اس کے امور کا نگران مقرر فرمایا۔ مثال کے طور پر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے تیسرے سال آپ ذو عمار کے نام سے ایک مہم کے لیے روانہ ہوئے اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا انچارج مقرر کیا۔ .اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 1 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ امانتوں میں خیانت منافقت کا ایک پہلو ہے۔

اس میں وہ تمام امانتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی طرف سے ہیں۔ ہر نعمت اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے۔ ان امانتوں کو پورا کرنے کا واحد طریقہ نعمتوں کو اس طریقے سے استعمال کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ مزید برکات حاصل کریں گے کیونکہ یہ سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

لوگوں کے درمیان اعتماد کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ جسے کسی دوسرے کے سپرد کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ اس کا غلط استعمال نہ کرے اور مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ لوگوں کے درمیان سب سے بڑا اعتماد بات چیت کو خفیہ رکھنا ہے جب تک کہ دوسروں کو مطلع کرنے میں کوئی واضح فائدہ نہ ہو۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں اس کو اکثر نظر انداز کیا جاتا ہے۔

بدلہ لینا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے تیسرے سال آپ ایک مہم پر روانہ ہوئے۔ اس مہم کے دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے جھپکی لی۔ غیر مسلم فوج نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چوری چھپے ایک سپاہی کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے ارادے سے بھیجا۔ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چونکا دیا اور اپنی تلوار کا نشان بناتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کی حفاظت کون کرے گا؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعتماد کے ساتھ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کرے گا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس شخص کو زمین پر دھکیل دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تلوار اٹھائی اور وہی سوال کیا جو سپاہی نے آپ سے کیا تھا۔ سپاہی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے التجا کی کہ اسے رہا کر دیا جائے اور آپ نے بغیر سزا کے ایسا کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 1-2 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات سے بدلہ نہیں لیا بلکہ معاف کر دیا اور نظر انداز کیا۔

مسلمانوں کو مناسب اور معقول طریقے سے اپنا دفاع کرنے کی اجازت دی گئی ہے جب ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا ہے۔ لیکن انہیں کبھی بھی لائن سے اوپر نہیں جانا چاہئے کیونکہ یہ ایک گناہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190:

"اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہیں کرتے۔ بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

چونکہ نشان پر قدم رکھنے سے بچنا مشکل ہے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ صبر و تحمل سے کام لے، دوسروں کو نظر انداز کرے اور معاف کرے کیونکہ یہ نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی لے جاتی ہے۔ ان کے گناہوں کو معاف کرنا .باب النور، آیت 22 24:

اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر..." دے؟''

دوسروں کو معاف کرنا بھی دوسروں کے کردار کو مثبت انداز میں بدلنے میں زیادہ کارگر ہے جو کہ اسلام کا مقصد ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے کیونکہ بدلہ لینا ہی ملوث افراد کے درمیان مزید دشمنی اور غصے کا باعث بنتا ہے۔

آخر میں وہ لوگ جو دوسروں کو معاف نہ کرنے کی بری عادت رکھتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی ہمیشہ کینہ پرور رہتے ہیں، انہیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ ان کے ہر چھوٹے گناہ کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چیزوں کو جانے دینا سیکھنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں معافی اور ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔

اسلام میں شرافت

جب بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے تشریف لے جاتے تو آپ نے واپس آنے تک ہمیشہ کسی معتبر کو اس کے امور کا نگران مقرر فرمایا۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال آپ بحران نامی جگہ کی مہم کے لیے روانہ ہوئے اور ایک نابینا اور غریب صحابی ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ اس کے ساتھ مدینہ کا انچارج۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 2 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 5116 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ شرافت کسی کے نسب میں نہیں ہے کیونکہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اور وہ خاک سے بنا تھا۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور نسب پر فخر کرنا چھوڑ دیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگرچہ بعض جاہل مسلمانوں نے ذاتیں اور فرقے بنا کر دوسری قوموں کا رویہ اختیار کر لیا ہے اور ان گروہوں کی بنیاد پر اسلام نے برتری کا ایک سادہ معیار قرار دیا ہے، یعنی تقویٰ۔ یعنی مسلمان جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ اتنا ہی بلند درجہ کا ہوتا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

”بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے“۔

یہ آیت دیگر تمام معیارات کو ختم کر دیتی ہے جو جاہل لوگوں نے بنائے ہیں جیسے کہ کسی کی نسل، نسل، دولت، صنف یا سماجی حیثیت۔

مزید برآں، اگر کسی مسلمان کو اپنے نسب میں کسی متقی شخص پر فخر ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور ان کے نقش قدم پر چل کر اس عقیدے کا صحیح مظاہرہ کرنا چاہیے۔ دوسروں کے نقش قدم پر چلے بغیر ان پر فخر کرنا اس دنیا یا آخرت میں کسی کے کام نہیں آئے گا۔ یہ بات جامع ترمذی نمبر 2945 میں موجود حدیث میں واضح ہو چکی ہے۔

آخر میں، جو دوسروں پر فخر کرتا ہے لیکن ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہتا ہے وہ بالواسطہ طور پر ان کی بے عزتی کر رہا ہے کیونکہ باہر کی دنیا ان کے برے کردار کو دیکھے گی اور یہ سمجھے گی کہ ان کے صالح آباؤ اجداد نے اسی طرح برتاؤ کیا تھا۔ ان لوگوں کو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری روایات اور نصیحتوں کو اپناتے ہیں، جیسے کہ داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا، ان کے باطن کو اپنانے میں ناکام رہتے ہیں۔ بیرونی دنیا صرف اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منفی سوچے گی جب وہ ان مسلمانوں کے برے کردار کو دیکھیں گے۔

بنو قینقاع

سچی وفاداری۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے تیسرے سال یہودیوں کے ایک قبیلہ بنو قینقاع نے جو مدینہ میں مقیم تھے، مستقل طور پر اپنا معاہدہ توڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کی۔ اور اس پر درود ہو۔ انہوں نے اس طرح کا برتاؤ کیا حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بارہا اس حقیقت کی یاد دہانی کرائی تھی کہ انہوں نے آپ کو اللہ تعالیٰ کے آخری نبی کے طور پر تسلیم کیا تھا جیسا کہ ان کے آسمانی صحیفوں میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن انہوں نے ضد کے ساتھ اسلام کا انکار کیا اور اس کے بجائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دھمکیاں دیں اور لڑیں۔

دنیاوی فائدے کی وجہ سے منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے، جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت سے پہلے بنو قینقاع کے ساتھ اتحاد کیا تھا، اس بات پر اصرار کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نقصان پہنچانے سے بچیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ وفاداری برقرار رکھی حالانکہ انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ توڑ دیا تھا۔ جبکہ ایک صحابی عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جن کا بنو قینقاع کے ساتھ پرانا اتحاد بھی تھا کھلم کھلا ان سے اتحاد ترک کر دیا اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے اتحاد کا اعادہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر۔ اللہ تعالیٰ نے پھر باب 5 المائدہ آیت 51 نازل فرمایا:

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ وہ]حقیقت میں [ایک دوسرے کے اتحادی ہیں۔ اور تم میں سے جو کوئی ان کا ساتھی ہو تو یقیناً وہ ان میں سے ہے۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

اور باب 5 المائدہ آیت 56:

"اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کا حلیف ہے، یقیناً اللہ کی جماعت ہے، وہی غالب ہوں گے۔"

منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کی شفاعت کے نتیجے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر مسلم قبیلہ بنو قینقاع کا محاصرہ کرنے کے بعد انہیں امن کے ساتھ مدینہ سے نکلنے کی اجازت دی۔ مسلمانوں کے ساتھ امن کے معاہدے کو بار بار دھوکہ دینے کے بعد بھی انہوں نے جنگ کیے بغیر ہتھیار ڈال دیے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 3-4 میں بحث کی گئی ہے۔

اسلام کے ساتھ اپنی وفاداری اور اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کو ، کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہر حال میں برقرار رکھنا چاہیے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135:

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔‘‘

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخرکار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو ایک مسلمان کی دنیا اور آخرت میں تمام مشکلات سے باحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی عارضی چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں اور کسی خاص طریقے اسکارف اتار دیا ایک مسلمان عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا سے لباس پہن لیا تو وہ کام پر زیادہ عزت دار ہو گی اور کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی سے چڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد کسی پب یا کلب میں مدعو کر سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور ذکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں راستوں پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کس کو ترجیح دی جائے اور کس کا انتخاب کیا جائے۔

بری نصیحت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال ایک یہودی عالم اور اسلام کے جارح دشمن کعب بن اشرف نے انہیں اسلام کے خلاف مزید اکسانے کے لیے مکہ کا دورہ کیا۔ مکہ کے ایک غیر مسلم رہنما نے ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ، مکہ کے بت پرست یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی طرف سے زیادہ صحیح ہدایت یافتہ اور پسندیدہ کون ہے؟ کعب نے جواب دیا کہ مکہ کے بت پرست زیادہ ہدایت یافتہ تھے۔ یہ ایک احمقانہ جواب تھا کیونکہ ایک یہودی عالم ہونے کے ناطے وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ بت پرستی صحیح رہنمائی سے دور ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے باب 4 النساء آیت 51 نازل فرمائی:

"کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا ہے، جو جبت اور طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ مومنوں سے زیادہ راہ راست پر ہیں؟" "

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 7 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ سچی محبت کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتا ہے، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ اس لیے کہ اطاعت دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی اور سلامتی کا باعث بنتی ہے۔ جو شخص کسی شخص کے لیے حفاظت اور کامیابی کا خواہاں نہیں ہے وہ کبھی بھی ان سے حقیقی محبت نہیں کر سکتا چاہے وہ کیا دعویٰ کرے یا دوسرے شخص کے ساتھ کیسا سلوک کرے۔ جس طرح بندہ اس وقت خوش ہوتا ہے جب اس کے محبوب کو دنیاوی کامیابی ملتی ہے، جیسے نوکری کی، وہ بھی اپنے محبوب سے آخرت کی کامیابی کی تمنا کرے گا۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی حفاظت اور کامیابی کی پرواہ نہیں کرتا ہے خاص طور پر اگلے جہان میں تو وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔

ایک سچا عاشق اپنے محبوب کو دنیا یا آخرت میں مشکلات اور عذاب کا سامنا کرتے ہوئے جاننا اور دیکھنا برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتے۔ اگر کوئی شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کے بجائے کسی دوسرے کو اپنے ذاتی مفاد یا دوسروں کے مفاد کی طرف لے جائے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں رکھتے۔ یہ تمام رشتوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دوستی اور رشتہ دار۔

لہٰذا ایک مسلمان کو یہ اندازہ لگانا چاہیے کہ آیا اس کی زندگی میں وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو یہ ان کے لیے ان کی محبت کی واضح علامت ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں کرتے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

''اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔''

غداری کی سزا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے تیسرے سال ایک یہودی عالم اور اسلام کے جارح دشمن کعب بن اشرف نے بار بار سربراہ مملکت کے ساتھ صلح کا معاہدہ توڑا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ وہ مکہ، مدینہ اور گردونواح کے غیر مسلموں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھڑکاتا رہا۔ اس کے بہت سے غداری کے کاموں کے نتیجے میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی سزائے موت کا حکم دیا۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے رات کو کعب سے خفیہ ملاقات کی اور اسے قتل کر دیا۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 5-6 اور صحیح بخاری نمبر 4037 میں موجود حدیث میں بحث کی گئی ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ انسان کی جسمانی یا سماجی طاقت چاہے کتنی ہی کیوں نہ ہو ایک دن ضرور آئے گا جب اسے اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ ان کی زندگی کے دوران ہوتا ہے جہاں کسی شخص کے اعمال انہیں مصیبت میں لے جاتے ہیں، جیسے کہ جیل اور آخرکار انہیں آخرت میں بھی اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا ۔ یہ تمام لوگوں پر لاگو ہوتا ہے نہ صرف لیڈروں پر۔

اس لیے ایک مسلمان کو کبھی بھی دوسروں کے ساتھ برا سلوک نہیں کرنا چاہیے، جیسے کہ ان سے سبق سیکھنا چاہیے جو ان سے زیادہ طاقت میں ان ظالم لیڈروں کے رشتہ دار۔ انہیں تاریخ کے تھے، ایک دن ضرور آیا جب ان کی طاقت ان کے کام نہ آئی اور انہیں اپنے برے اعمال کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ سماجی اثر و رسوخ اور طاقت ایسی چیزیں ہیں جو تیزی سے ایک شخص سے دوسرے شخص میں منتقل ہوتی ہیں، کبھی کسی کے ساتھ زیادہ دیر تک نہیں رہتیں۔ لہٰذا جس مسلمان کے پاس اتنی طاقت ہو اسے چاہیے کہ وہ اسے ایسے طریقے سے استعمال کرے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو اور اپنے اور دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ لیکن اگر وہ اپنے اختیارات کا غلط استعمال کرتے ہیں تو وہ آخرکار ہوں گے۔ جس سے کوئی ان کی حفاظت نہیں سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے کر سکتا۔

کسی کے اختیار کا غلط استعمال نہ کرنا کیونکہ یہ انہیں قیامت اس کے علاوہ، یہ ضروری ہے کے دن جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ ہر ظالم کو ان کے اعمال صالحہ ان کے مظلوموں کو دینا ہوں گے اور اگر ضرورت پڑی تو اپنے مظلوموں کے گناہوں کو لے کر جب تک انصاف نہ ہو جائے۔ اس سے بہت سے ظالموں کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔ 6579

آخر میں، ایک مسلمان کو اپنے اعمال کے لیے خود کو جوابدہ ٹھہرانا کبھی نہیں بھولنا چاہیے۔ ایسا کرنے والے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور دوسروں کو نقصان پہنچانے سے بچیں گے۔ لیکن جو لوگ خود فیصلہ نہیں کرتے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے رہیں گے اور دوسروں کو نقصان پہنچاتے یہ نہ جانتے ہوئے کہ حقیقت میں وہ صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ لیکن جب رہیں گے۔ انہیں اس حقیقت کا ادراک ہو جائے گا تو ان کے لیے سزا سے بچنے میں بہت دیر ہو چکی ہو گی۔

بات چیت کو نجی رکھنا

جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوئیں تو انہوں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے شادی کی ممکنہ تجویز پر تبادلہ خیال کیا۔ مؤخر الذکر نے بالترتیب اس پیشکش کو ٹھکرا دیا کیونکہ وہ شادی کرنے کی صحیح پوزیشن میں نہیں تھا۔ اس کے بعد عمر نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے شادی کی تجویز پر تبادلہ خیال کیا، جنہوں نے فوری جواب نہیں دیا۔ بعد ازاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو شادی کی دعوت دی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر عمر رضی اللہ عنہ کو سمجھایا کہ انہوں نے شروع میں کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اس معلومات کو ظاہر کرنے کے بجائے اس نے ان کی نجی گفتگو کی حفاظت کرنے کا فیصلہ کیا اور اس لیے اسے فوری طور پر جواب نہیں دیا۔ سنن نسائی نمبر 3261 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1959 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ نجی گفتگو ایک امانت ہے جس کی حفاظت ضروری ہے۔

بدقسمتی سے، بہت سے لوگوں کو لوگوں کی نجی گفتگو کو دوسروں تک پہنچانے کی بری عادت ہے۔ یہ ایک ناقابل یقین حد تک بری خصوصیت ہے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان کے رویے سے متصادم ہے۔ بہت سے لوگ اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ ایسا کرتے ہیں کہ یہ قابل قبول ہے جب کہ یہ واضح طور پر نہیں ہے۔ ایک مسلمان کو بات چیت میں کہے گئے الفاظ کو ہمیشہ خفیہ رکھنا چاہیے جب تک کہ اسے پوری طرح یقین نہ ہو کہ جس شخص سے اس نے بات کی ہے اسے کسی تیسرے فریق کو بتائے جانے والی معلومات پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو یہ ان کے ساتھ خیانت کرے گا جو ان کے مخلص ہونے کے خلاف ہے۔ سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں دوسروں کے لیے مخلص ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ بنیادی حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ غیبت اور گپ شپ جیسے گناہوں سے روکتی ہے اور ایک دوسرے کے لیے منفی جذبات پیدا ہونے سے روکتی ہے۔ یہ سب صرف ٹوٹنے اور ٹوٹے ہوئے رشتوں کا باعث بنتے ہیں۔ اگر کوئی ان کی زندگی پر ایمانداری سے غور کرے تو انہیں احساس ہوگا کہ جن لوگوں کے بارے میں انہوں نے منفی جذبات کا اظہار کیا ہے ان کی اکثریت اس وجہ سے ہوئی ہے کہ انہیں ان کے بارے میں کیا بتایا گیا تھا نہ کہ ان کے بارے میں جو انہوں نے براہ

راست دیکھا تھا۔ نجی گفتگو کا انکشاف کرنا لوگوں خصوصاً رشتہ داروں کے درمیان اتحاد کو روکتا ہے۔ اور اسلام کی بہت سی تعلیمات میں اتحاد کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 6065 میں موجود حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 4 النساء آیت 58:

‘‘بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے سپرد کرو۔’’

جیسی کرنی ویسی بھرنی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک تجارتی قافلہ ایک لاکھ چاندی کے سکوں کے ساتھ شام کی طرف روانہ کیا۔ لیکن جب مسلمان اپنے تجارتی قافلوں پر گھات لگا رہے تھے تو انہوں نے نجد کے پار عراق جانے کا فیصلہ کیا۔ لیکن یہ اطلاع حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچ گئی جنہوں نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو 100 سواروں کے ساتھ قافلہ پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ وہ تجارتی قافلے کو لے جانے والے مردوں پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئے اور نتیجتاً غیر مسلم فرار ہو گئے اور مسلمانوں نے مال اور تین جنگی قیدیوں پر قبضہ کر لیا، جن میں سے ایک نے تھوڑی دیر بعد اسلام قبول کر لیا۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 243-244 میں بحث کی گئی ہے۔

اسی طرح برسوں پہلے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مکہ میں سماجی بائیکاٹ کیا گیا تھا جس کے تحت ،ان کے اموال اور اشیائے خوردونوش کی فراہمی کا سلسلہ جاری تھا۔ مکمل طور پر منقطع ہو گئے اللہ تعالیٰ نے مکہ کے غیر مسلموں کو بھی ایسی ہی صورت حال سے دوچار کر دیا جس سے مسلمانوں کی طرف سے ان کے تجارتی راستے منقطع ہو گئے۔

کسی کو کبھی بھی برے کام کرنے کی سازش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ ہمیشہ، کسی نہ کسی طرح، ان پر الٹا فائر ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر یہ نتائج اگلے جہان تک موخر کر دیے جائیں تو آخرکار ان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو نقصان پہنچانا چاہا جیسا کہ وہ اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت، احترام اور پیار چاہتے تھے۔ لیکن یہ واضح ہے کہ ان کی تدبیریں انہیں اپنی خواہش سے دور کر دیتی ہیں۔ باب یوسف، آیت 18 12:

اور وہ اس کی قمیض پر جھوٹا خون لے آئے۔]یعقوب [نے کہا، "بلکہ تمہاری روحوں نے تمہیں کسی چیز پر آمادہ کیا ہے، اس لیے صبر سب سے زیادہ مناسب ہے۔"

جتنی زیادہ برائی کی تدبیریں کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مقصد سے دور کر دے گا۔ خواہ وہ ظاہری طور پر اپنی خواہش پوری کر لیں، اللہ تعالیٰ جس چیز کی خواہش کی تھی وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے لعنت بن جائے گا الا یہ کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

"...لیکن شیطانی سازش اپنے لوگوں کے علاوہ کسی کو نہیں گھیرتی۔ پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے راستے]یعنی تقدیر [کے سوا انتظار کرتے ہیں؟‘‘

جنگ احد

ایک بری گفتگو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم رہنما ان غیر مسلموں کے ساتھ جمع ہوئے جنہوں نے بدر کی جنگ میں اپنے رشتہ داروں کو کھو دیا تھا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بہت نقصان پہنچایا اور ان کے اشرافیہ اور رشتہ داروں کو قتل کیا۔ انہوں نے ان پر زور دیا کہ وہ انتقام لینے میں ان کی مالی اور جسمانی مدد کریں۔ بدلہ لینے کی پیاس اور مسلمانوں کے تجارتی قافلوں پر چڑھائی کرنے کی وجہ سے ان کی جاری مالی پریشانیوں نے انہیں اس وقت لڑنے کی ترغیب دی جب انہیں عاجزی اختیار کرنے اور سچائی کو قبول کرنے پر زور دینا چاہیے تھا۔ ان سب نے اس شیطانی مہم سے بیعت کی جو بالآخر جنگ احد پر منتج ہوئی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال آیت 36 نازل فرمائی:

”بے شک کافر لوگ اپنا مال اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ تو وہ اسے خرچ کریں گے۔ پھر یہ ان کے لیے حسرت کا باعث ہو گا۔ پھر ان پر قابو پالیا جائے گا۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ جہنم میں جمع کیے جائیں گے۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 12 میں بحث کی گئی ہے۔

باب 4 النساء آیت 114 سے مربوط ہے یہ واقعہ:

ان کی زیادہ تر نجی گفتگو میں کوئی بھلائی نہیں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو صدقہ کرنے کا" حکم دیتے ہیں یا جو حق ہے یا لوگوں کے درمیان صلح کرواتے ہیں۔ اور جس نے یہ کام اللہ کی رضامندی کے لیے کیا تو ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی ہے کہ لوگوں کو دوسروں کے ساتھ گفتگو کرتے وقت اپنے آپ کو کیسا برتاؤ کرنا چاہیے تاکہ وہ اپنے اور دوسروں کے لیے فائدہ اٹھا سکیں۔ پہلا یہ کہ جب مسلمان جمع ہوں تو وہ اس بات پر بحث کریں کہ دوسروں کو کس طرح فائدہ پہنچانا ہے جس میں مال اور جسمانی امداد کی شکل میں صدقہ شامل ہے۔ اگر کوئی مسلمان کسی ضرورت مند کی مدد کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے تو یہ ان کی مدد کرنے کے برابر ثواب حاصل کرنے کا ایک بہترین طریقہ ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6800 میں ایک حدیث ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کو نیکی کی طرف ترغیب دیتا ہے اسے اس طرح اجر ملے گا جیسے اس نے خود اچھا عمل کیا۔ اگر کوئی مشکل میں کسی کی مدد نہیں کر سکتا یا دوسرے کو اس کام کو پورا کرنے کی ترغیب نہیں دے سکتا تو وہ کم از کم دوسروں کو ضرورت مند کے لیے دعا کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔ غائب شخص کے لیے دعا کرنے سے فرشتے دعا کرنے والے کے لیے دعا کرتے ہیں۔ سنن ابوداؤد نمبر 1534 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ یہ ذہنیت گروہ کو ضرورت مندوں سے ملنے کی ترغیب دے سکتی ہے جو انہیں جذباتی مدد فراہم کرتا ہے۔ اس کا ایک طاقتور نفسیاتی اثر پڑتا ہے اور ان کی مشکلات سے نمٹنے کے دوران انہیں طاقت کا ایک نیا انداز فراہم کرتا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جب کوئی کسی ضرورت مند کی حالت کا تذکرہ کرتا ہے تو اس کا مقصد اس کی ضرورت کے وقت ان کی مدد کرنا ہوتا ہے۔ وقت گزرنے اور انہیں طنز کا نشانہ بنانے کی خاطر ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

برکت حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی کسی حلال کے بارے میں بات کرتا ہے جو اس دنیا یا آخرت میں کسی کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ اس پہلو میں اپنی زندگی کے ہر پہلو میں دوسروں کو نیکی کرنے اور برائی سے باز رہنے کی تلقین کرنا شامل ہے۔

تیسرا پہلو جس کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے وہ تعمیری ذہنیت کے ساتھ دوسروں کے ساتھ بات چیت کرنا ہے جو لوگوں کو تباہ کن ذہنیت رکھنے کی بجائے مثبت انداز میں اکٹھا کرتا ہے جو معاشرے میں تفرقہ کا باعث بنتا ہے۔ اگر کوئی شخص محبت بھرے انداز میں لوگوں کو اکٹھا نہیں

کر سکتا تو کم از کم وہ کر سکتا ہے کہ ان کے درمیان تفرقہ پیدا نہ ہو۔ یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کیا جائے تو یہ ایک نیکی کے طور پر درج ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2518 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

درحقیقت سنن ابوداؤد نمبر 4919 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دو مخالف مسلمانوں کے درمیان صلح کرنا نماز اور روزہ سے افضل ہے۔ معاشرے میں پائی جانے والی ہر اچھی چیز اسی پاکیزہ رویے کا نتیجہ تھی جیسے سکول، ہسپتال اور مساجد کی تعمیر۔

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو اس آیت میں مذکور عظیم اجر تبھی ملے گا جب وہ نہ صرف ان کے جسمانی عمل ہر شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نیک اعمال انجام دیں گے۔ کی بنیاد پر ان کی نیت پر انعام دیا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک لوگوں سے اپنا اجر ان مسلمان کو قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ بے ایمان حدیث سے ہوتی ہے۔ حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

لوگوں کا شکر گزار ہونا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ بدر کے بعد ایک غیر مسلم جنگی قیدی ابو عزہ الجمعی کو رہا کر دیا کیونکہ وہ غریب تھا اور اس کا فدیہ ادا نہیں کر سکتا تھا۔ ایک غیر مسلم رہنما نے ابو عزہ پر زور دیا کہ وہ ایک غیر مسلم قبیلے کو ان کی مہم میں شامل ہونے کی ترغیب دے کر ان کی مدد کریں۔ اگرچہ اس نے اعتراف کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ مہربان تھے اور وہ ان کی مخالفت نہیں کرنا چاہتے تھے بالآخر وہ اسلام کے خلاف مہم میں شامل ہونے پر آمادہ ہوگئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 12-13 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1954 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔

اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام نعمتوں کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے، لیکن لوگوں کا شکر ادا کرنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی شخص کو دوسروں کی مدد کے لیے استعمال کرتا ہے جیسے کہ اس کے والدین۔ جیسا کہ اسباب اللہ تعالیٰ نے بنائے اور استعمال کیے، ان کا شکر ادا کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے۔ لہٰذا، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اچھے کردار کا مظاہرہ کریں اور دوسروں کی طرف سے ملنے والی کسی بھی امداد یا حمایت کے لیے ہمیشہ قدردانی کا مظاہرہ کریں، چاہے اس کا حجم کچھ بھی ہو۔ انہیں چاہیے کہ نعمتوں کو اس کے حکم کے مطابق استعمال کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کیونکہ وہ نعمت کا سرچشمہ ہے اور اس شخص کا شکر ادا کریں کیونکہ یہ وہ وسیلہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تخلیق اور منتخب کیا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ زبانی طور پر لوگوں کا شکر ادا کرے اور عملی طور پر ان کے احسان کا بدلہ ان کی وسعت کے مطابق ادا کرے خواہ یہ ان کی طرف سے صرف دعا ہی کیوں نہ ہو۔ امام بخاری کی کتاب ادب المفرد نمبر 216 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا سچا شکر ادا نہیں کر سکتا، اس لیے اسے نعمتوں میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

اگر کوئی مسلمان نعمتوں میں اضافے کا خواہاں ہے تو اسے شکر گزاری کے دونوں پہلوؤں کو پورا کرنا چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ اور لوگوں کا۔

بات چیت کی حفاظت کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ذریعے پہنچی جو اس وقت مکہ میں تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم سے خفیہ ملاقات کی اور ان سے مشورہ لیا۔ میٹنگ ختم ہونے سے پہلے اس نے ان سے کہا کہ وہ معلومات کو خفیہ رکھیں کہیں ایسا نہ ہو کہ مدینہ کے اندر اسلام کے دشمنوں کو پتہ چل جائے اور مکہ کے غیر مسلموں کو پتہ چل جائے۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1098-1100 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1959 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ نجی گفتگو ایک امانت ہے جس کی حفاظت ضروری ہے۔

بدقسمتی سے، بہت سے لوگوں کو لوگوں کی نجی گفتگو کو دوسروں تک پہنچانے کی بری عادت ہے۔ یہ ایک ناقابل یقین حد تک بری خصوصیت ہے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان کے رویے سے متصادم ہے۔ بہت سے لوگ اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ ایسا کرتے ہیں کہ یہ قابل قبول ہے جب کہ یہ واضح طور پر نہیں ہے۔ ایک مسلمان کو بات چیت میں کہے گئے الفاظ کو ہمیشہ خفیہ رکھنا چاہیے جب تک کہ اسے پوری طرح یقین نہ ہو کہ جس شخص سے اس نے بات کی ہے اسے کسی تیسرے فریق کو بتائے جانے والی معلومات پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو یہ ان کے ساتھ خیانت کرے گا جو ان کے مخلص ہونے کے خلاف ہے۔ سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں دوسروں کے لیے مخلص ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ بنیادی حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ غیبت اور گپ شپ جیسے گناہوں سے روکتی ہے اور ایک دوسرے کے لیے منفی جذبات پیدا ہونے سے روکتی ہے۔ یہ سب صرف ٹوٹنے اور ٹوٹے ہوئے رشتوں کا باعث بنتے ہیں۔ اگر کوئی ان کی زندگی پر ایمانداری سے غور کرے تو انہیں احساس ہوگا کہ جن لوگوں کے بارے میں انہوں نے منفی جذبات کا اظہار کیا ہے ان کی اکثریت اس وجہ سے ہوئی ہے کہ انہیں ان کے بارے میں کیا بتایا گیا تھا نہ کہ ان کے بارے میں جو انہوں نے براہ راست دیکھا تھا۔ نجی گفتگو کا انکشاف کرنا لوگوں خصوصاً رشتہ داروں کے درمیان اتحاد کو

روکتا ہے۔ اور اسلام کی بہت سی تعلیمات میں اتحاد کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 6065 58 میں موجود حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 4 النساء آیت:

‘‘بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے سپرد کرو۔’’

مشورہ طلب کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ جب غیر مسلم فوج احد کے قریب پہنچی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خواب دیکھا جس میں یہ تجویز کیا گیا کہ مسلمانوں کی فوج مدینہ میں رہے اور شہر کے اندر دشمنوں کا مقابلہ کرے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے خواب کی خبر دی اور ان سے مشورہ طلب کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 14 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ علم والے اور الہٰی ہدایت یافتہ تھے پھر بھی دوسروں کے لیے اچھا عمل قائم کرنے کے لیے دوسروں سے مشورہ لیتے تھے۔

مسلمانوں کو اپنے معاملات میں صرف چند لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ قرآن کریم کی نصیحت کے مطابق ان چند لوگوں کا انتخاب کریں۔ باب 16 النحل، آیت 43:

’’پس اہلِ پیغام سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔‘‘

یہ آیت مسلمانوں کو علم رکھنے والوں سے مشورہ کرنے کی یاد دلاتی ہے۔ جیسا کہ ایک جاہل شخص سے مشورہ کرنے سے مزید پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنی جسمانی صحت کے بارے میں کار مکینک سے مشورہ کرنا بے وقوف ہو گا ایک مسلمان کو صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے جو اس کے بارے میں علم رکھتے ہوں اور اس سے منسلک اسلامی تعلیمات۔

اس کے علاوہ ایک مسلمان کو صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کبھی بھی دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ نہیں دیں گے۔ جبکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے یا اس کی اطاعت نہیں کرتے وہ علم اور تجربہ رکھتے ہیں لیکن وہ آسانی سے دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ دیتے ہیں جس سے صرف پریشانیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے حقیقی علم کے مالک ہوتے ہیں اور یہی علم دوسروں کو ان کے مسائل میں کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ باب 35 فاطر، آیت 28:

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں‘‘۔’’

امن کے خواہشمند

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ جب غیر مسلم فوج احد کے قریب پہنچی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خواب دیکھا جس میں یہ تجویز کیا گیا کہ مسلمانوں کی فوج مدینہ میں رہے اور شہر کے اندر دشمنوں کا مقابلہ کرے۔ منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے اس منصوبے سے اتفاق کیا کیونکہ وہ فوج کا مقابلہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لیکن نوجوان صحابہ کرام رضی اللہ عنہ، جنہوں نے غزوہ بدر کا مشاہدہ نہیں کیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگے بڑھنے اور احد میں غیر مسلم لشکر سے ملنے کی تاکید کرتے رہے، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاق کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جنگی زرہ پہنائی تو نوجوان صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واپس لوٹنے کی تلقین کی۔ اس کی ابتدائی تجویز کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ کے اندر غیر مسلم فوج کا مقابلہ کرنا۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کا مقابلہ کیے بغیر اپنی جنگی ہتھیار اتار دیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 14 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ نہیں بدلا حالانکہ آپ کے خواب میں مدینہ میں رہنے کو ترجیح دی گئی تھی کیونکہ وہ آخری وقت تک تمام لیڈروں کے لیے ایک اچھی مثال قائم کرنا چاہتے تھے۔ ایک اچھا لیڈر بغیر کسی معقول وجہ کے اپنے حکموں کو تبدیل کر کے، جیسے دشمن کے بارے میں نئی معلومات حاصل کرنے کے لیے بے لچک رویہ اختیار نہیں کرتا۔ اس طرح کا برتاؤ صرف فوجیوں کا اپنے لیڈر پر سے اعتماد کھونے کا سبب بنے گا، جو جنگ کے وقت میں انتہائی خطرناک چیز ہے۔ چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احد کی طرف کوچ کرنے کے اپنے حکم پر ڈٹے رہے۔

اس کے علاوہ، اگرچہ ایک مسلمان کو اسلام، اپنے، اپنے رشتہ داروں، بے گناہوں اور اپنی املاک کے دفاع کے لیے ہمیشہ تیار رہنا چاہیے، پھر بھی اسے تصادم کے لیے اتنا بے چین نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے بجائے انہیں امن و سلامتی کو ترجیح دینی چاہیے۔

جامع ترمذی نمبر 2346 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص صبح اٹھے وہ خطرے سے محفوظ، تندرست اور دن بھر کا کھانا کھاتا ہے گویا دنیا جمع ہو گئی ہے۔ ان کے لیے.

اس دن اور دور میں جہاں دنیا بھر میں بہت سے لوگ غیر محفوظ ممالک میں رہ رہے ہیں ایک مسلمان جسے حفاظت کی نعمت ملی ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنی آزادی کو استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں اور پابندیوں سے اجتناب کرتے ہوئے اس کا استعمال کرے۔ صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے مثال کے طور پر، انہیں باجماعت نمازوں اور علم کے مذہبی اجتماعات کے لیے مساجد کے سفر سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ تحفظ کے اس احساس کو دوسروں تک پہنچائیں چاہے وہ کسی بھی عقیدے سے ہوں تاکہ پورا معاشرہ خطرے سے محفوظ رہے۔ درحقیقت سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث کے مطابق کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان یا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی زبانی اور جسمانی نقصان کو دوسروں کے نفس اور مال سے دور نہ رکھے۔ سادہ لفظوں میں، ایک مسلمان کو دوسروں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنا چاہیے جو وہ چاہتا ہے کہ لوگ سلوک کریں۔

ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے اپنی اچھی صحت سے فائدہ اٹھانا چاہیے، کیونکہ یہ ایک ایسی نعمت ہے جس کی اکثر صحیح معنوں میں تعریف کی جاتی ہے جب تک کہ وہ ضائع نہ ہو جائے۔ صحیح بخاری نمبر 6412 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اپنی اچھی صحت سے فائدہ اٹھاتے ہیں، انہیں اس کی تائید اس وقت ملے گی جب وہ اپنی صحت سے محروم ہوجائیں گے۔ لیکن جو لوگ اس نعمت کو استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں ان کو یہ حمایت ملنے کا امکان نہیں ہے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ کسی کی صحت کو استعمال کرنے میں اس مادی دنیا میں اپنی ضروریات اور ان کے زیر کفالت افراد کی ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے۔

کسی شخص کی بڑی پریشانیوں میں سے ایک ان کا رزق ہے۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ زمین آسمانوں کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے ان کے لیے مختص کی گئی تھی۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ روزانہ رزق حاصل کرنے والے کو چاہیے کہ وہ اپنے دوسرے فرائض میں مشغول ہو جائے اور بغیر کسی زور کے کل کے لیے منصوبہ بنائے کیونکہ رزق کی ضمانت ہے۔

اسباب کا استعمال اور اللہ پر بھروسہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جنگ کے دوران زرہ بکتر کی دو سیٹیں پہنی تھیں، ایک سوٹ دوسرے کے اوپر زنجیر کی بکتر کا۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 19 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کے دونوں پہلوؤں کو اپنایا۔ سب سے پہلے ان ذرائع کو استعمال کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کیے گئے ہیں۔ دوسرا یہ یقین ہے کہ نتیجہ، جس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ اکیلے کرتا ہے، اس میں شامل ہر فرد کے لیے بہترین ہوگا۔

جامع ترمذی نمبر 2344 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اگر لوگ واقعی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں تو وہ ان کو اسی طرح رزق دے گا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے۔ وہ اپنے گھونسلے صبح بھوکے چھوڑتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر واقعی بھروسہ وہ چیز ہے جو دل میں محسوس ہوتی ہے لیکن اعضاء سے ثابت ہوتی ہے، یعنی جب کوئی اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتا ہے، اس کے احکام کو بجا لا کر اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 3:

اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہے‘‘۔’’

توکل کا وہ پہلو جو داخلی ہے اس میں پختہ یقین رکھنا شامل ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے اور دنیاوی اور دینی معاملات میں نقصان دہ چیزوں سے بچا سکتا ہے۔ ایک مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی کو دے سکتا ہے، روک سکتا ہے، نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر صحیح معنوں میں بھروسہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اسباب مہیا کیے ہیں، مثلاً دوا استعمال کرنا چھوڑ دے۔ جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں واضح طور پر ذکر ہے کہ پرندے اپنے گھونسلے چھوڑ کر رزق کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ طاقت اور اسباب کو استعمال کرتا ہے تو وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق بلاشبہ اس کی اطاعت کرتا ہے۔ یہ دراصل اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا ظاہری عنصر ہے۔ یہ بات بہت سی آیات اور احادیث میں واضح ہو چکی ہے۔ باب 4 النساء، آیت 71:

‘‘اے ایمان والو احتیاط کرو۔’’

درحقیقت ظاہری عمل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باطنی کیفیت ہے۔ ظاہری روایت کو نہیں چھوڑنا چاہیے خواہ وہ باطنی اعتبار کا مالک ہو۔

اعمال اور اللہ کی طرف سے فراہم کردہ ذرائع کا استعمال، اس پر بھروسہ کرنے کا ایک پہلو ہے۔ اس سلسلے میں اعمال کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے اطاعت کے وہ اعمال ہیں جن کا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حکم دیتا ہے تاکہ وہ جہنم سے بچ سکیں اور جنت حاصل کر

سکیں۔ ان باتوں کو چھوڑ دینا یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے گا، محض خواہش مندانہ سوچ ہے اور اس لیے قابل ملامت ہے۔

دوسری قسم کے اعمال وہ اسباب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں لوگوں کے لیے اس لیے بنائے ہیں کہ وہ اس میں محفوظ رہیں، جیسے کہ بھوک کے وقت کھانا پینا، پیاس لگنے پر پینا اور سرد موسم میں گرم کپڑے پہننا۔ جو شخص ان کو ترک کر کے اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے وہ قابل ملامت ہے۔ البتہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے خاص قوت عطا کی ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو نقصان پہنچائے بغیر ان ذرائع سے بچ سکیں۔ مثال کے طور پر، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر کسی وقفے کے دنوں کے روزے رکھتے تھے لیکن دوسروں کو اس طرح کرنے سے منع کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بغیر خوراک کی ضرورت کے براہ راست مہیا کیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1922 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوتھے سیدنا خلیفہ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے خلاف نہ ہوں۔ ضرورت سے زیادہ سردی یا گرمی محسوس کرنا۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 117 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ان ذرائع سے منہ موڑ لے لیکن اسے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے فرائض میں کوتاہی کے بغیر صبر کرنے کی طاقت دی جائے تو یہ قابل قبول ہے۔ دوسری صورت میں یہ قابل الزام ہے.

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے سلسلے میں تیسری قسم کے اعمال وہ چیزیں ہیں جو ایک رسم کے طور پر مقرر کی گئی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بعض اوقات بعض لوگوں کے لیے توڑ دیتا ہے۔ اس کی مثال وہ لوگ ہیں جو بغیر دوا کے بیماری سے شفا پاتے ہیں۔ یہ خاص طور پر غریب ممالک میں کافی عام ہے جہاں دوائی حاصل کرنا مشکل ہے۔ اس کا تعلق سنن ابن ماجہ نمبر 2144 میں موجود ایک حدیث سے ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ اپنے لیے مختص کیے گئے ہر اونس کو استعمال نہ کر لے جو کہ صحیح مسلم کی ایک اور حدیث نمبر 6748 کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے۔ لہٰذا جو شخص اس حدیث کو صحیح معنوں میں سمجھتا ہے وہ شاید یہ جانتے ہوئے بھی رزق تلاش نہ کرے کہ جو کچھ ان کے لیے بہت پہلے مختص کیا گیا تھا وہ ان سے محروم نہیں ہو سکتا۔ پس اس شخص کے لیے رزق حاصل کرنے کا رواج جیسا کہ نوکری کے ذریعے حاصل کرنا اللہ تعالیٰ نے توڑ دیا ہے۔ یہ ایک اعلیٰ اور نادر درجہ ہے۔ صرف وہی شخص جو اس طرح کا رویہ اختیار کر سکتا ہے بغیر کسی شکایت یا گھبراہٹ کے اور نہ ہی لوگوں سے کسی چیز کی توقع رکھے اگر وہ یہ راستہ اختیار کرتا ہے۔ غور طلب ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 1692 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ کسی

شخص کے لیے یہ گناہ ہے کہ وہ اپنے کفیلوں کی کفالت میں کوتاہی کرے۔ وہ اس اعلیٰ عہدے پر ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ پر حقیقی بھروسہ، تقدیر پر راضی ہونے کا باعث بنتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے جو کچھ بھی منتخب کرتا ہے وہ بغیر شکایت اور تبدیلی کی خواہش کے بغیر قبول کرتا ہے کیونکہ انہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔
:باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز "پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے بہتر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کی پیروی کی جائے، حلال ذرائع کے استعمال سے کسی کو یہ یقین دلایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، اور باطنی اعتبار سے صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ کیا گیا ہے۔ عالی مقام، فیصلہ کرے گا، جو بلاشبہ ہر فرد کے لیے بہترین انتخاب ہے چاہے وہ اس کا مشاہدہ کرے یا نہ کرے۔

موزوں ساتھیوں کا انتخاب

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احد کے مقام پر دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے تو آپ کا سامنا ایک بٹالین سے ہوا جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شامل ہونے کے لیے کوچ کر رہی تھی۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ وہ مدینہ کے غیر مسلم ہیں جو اصحاب مدینہ رضی اللہ عنہ کے حلیف ہیں اور اس جنگ میں مسلمانوں کی حمایت کے لیے آئے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوال کیا کہ کیا انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے؟ جب اس سے کہا گیا کہ وہ اپنے عقیدے پر قائم ہیں تو اس نے ان کی مدد کو ٹھکرا دیا اور کہا کہ وہ مشرکین مکہ کے خلاف کفار کی مدد نہیں لیں گے۔ اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب مہربند نیکٹر صفحہ 249 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعداد بہت زیادہ تھی، ابتدائی تناسب 3 سے 1 تھا جو جنگ شروع ہونے سے پہلے 4 سے 1 ہو گیا، پھر بھی آپ نے کافروں سے امداد لینے سے انکار کر دیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں پہلوؤں کو پورا کیا۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا۔ پہلا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے فراہم کردہ اسباب کو استعمال کیا جائے جو اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو منظم کر کے لڑنے کے لیے کیے اور دوسرا یہ یقین رکھنا کہ اللہ تعالیٰ جو بھی فیصلہ فرماتا ہے وہ سب کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ ملوث، ایک ایسا عقیدہ جو وہ ہمیشہ اعلیٰ ترین سطح پر رکھتا تھا۔

اس کے علاوہ، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کے غیر مسلموں کی اسلام کے خلاف مسلسل سازشوں اور تدبیروں سے بخوبی واقف تھے، حالانکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صلح کے معاہدے کر رکھے تھے۔ اس پر ہو اگر اس نے پھر انہیں اپنی فوج میں شامل ہونے کی اجازت دے دی تو ہو سکتا ہے کہ وہ جنگ کے دوران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کر دیں جو ان کے لیے بڑی تباہی کا باعث بنتا۔ چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ کے دوران ان کی مدد قبول کرنے سے انکار کردیا۔

عام طور پر، یہ بری صحبت سے بچنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 5534 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچھے اور برے ساتھی میں فرق بیان فرمایا۔ اچھا ساتھی عطر بیچنے والے کی طرح ہے۔ ان کا ساتھی یا تو کوئی عطر حاصل کرے گا یا کم از کم خوشگوار بو سے متاثر ہوگا۔ جبکہ برا ساتھی لوہار کی طرح ہوتا ہے اگر اس کا ساتھی اپنے کپڑے نہیں جلائے گا تو وہ ضرور دھوئیں سے متاثر ہوگا۔

مسلمانوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ جن لوگوں کے ساتھ جائیں گے ان کا اثر ان پر پڑے گا چاہے یہ اثر مثبت ہو یا منفی، ظاہر ہو یا لطیف۔ کسی کا ساتھ دینا اور اس سے متاثر نہ ہونا ممکن نہیں۔ سنن ابو داؤد نمبر 4833 میں موجود حدیث اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ ایک شخص اپنے ساتھی کے مذہب پر ہے۔ یعنی انسان اپنے ساتھی کی خصوصیات کو اپناتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ صالحین کا ساتھ دیں کیونکہ وہ بلا شبہ ان پر مثبت اثر ڈالیں گے، وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی ترغیب دیں گے۔ جبکہ برے ساتھی یا تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اکسائیں گے یا پھر مسلمان کو آخرت کی تیاری کے بجائے مادی دنیا پر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دیں گے۔ یہ رویہ ان کے لیے قیامت کے دن بڑے ندامت کا باعث بنے گا خواہ وہ چیزیں حلال ہوں لیکن ان کی ضرورت سے زیادہ ہوں۔

آخر میں، جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 3688 میں موجود حدیث کے مطابق ایک شخص آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ ختم ہو جائے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے، ایک مسلمان کو عملی طور پر اس دنیا میں صالحین کے ساتھ محبت کا اظہار کرنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ برے یا غافل لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان سے محبت کرتے ہیں اور آخرت میں ان کی آخری منزل ہے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

‘‘اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔’’

منافقین نے احد میں مسلم فوج کو چھوڑ دیا۔

آل ٹاک نو ایکشن

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد کے مقام پر دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے تو ابتدا میں منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے اپنی قوم کے ساتھ جنگ میں حصہ لینے پر رضامندی ظاہر کی۔ جب وہ احد کے قریب پہنچے تو عبداللہ بن ابی اپنے 300 آدمیوں کے ساتھ پیچھے ہٹ گئے اور مسلم فوج 700 آدمیوں کے ساتھ 3000 کی غیر مسلم فوج کے مقابلے میں رہ گئی۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ پیچھے ہٹنے کے بہانے کے طور پر مدینہ کے اندر لڑائی کے ،اس کے مشورے پر عمل کریں۔ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے والے کے لیے ایک ناقص عذر کوئی ایسا شخص جو ہر وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرے۔ اس کے علاوہ اگر وہ اس منصوبے کی مخالفت کرتا تو وہ مدینہ میں ہی رہ سکتا تھا لیکن اس کے بجائے اس نے احد تک فوج کا ساتھ دینے کا انتخاب کیا اور جب کہ دشمن ان کا مشاہدہ کر سکتا تھا، اس نے مسلمانوں کے عزم کو کمزور کرنے اور مضبوط کرنے کے لیے مسلمانوں کی فوج کو چھوڑنا چاہا۔ غیر مسلم فوج کا عزم اس پر امام ابن کثیر کی سیرتِ نبوی، جلد 3، صفحہ 16-17 اور امام صفی الرحمن کی، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 250-251 میں بحث کی گئی ہے۔

منافقت کا ایک پہلو یہ ہے کہ جب کوئی زبانی طور پر دوسروں اور ان کے اچھے منصوبوں جیسے کہ مسجد کی تعمیر کے لیے حمایت کا اظہار کرتا ہے لیکن جب اس منصوبے میں حصہ لینے کا وقت آتا ہے، جیسے کہ دولت عطیہ کرنا، وہ غائب دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح، جب لوگ اچھے وقت کا سامنا کر رہے ہوتے ہیں تو وہ زبانی طور پر ان کی حمایت کرتے ہیں اور دوسروں کو ان کی وفاداری کی یاد دلاتے ہیں۔ لیکن جس وقت عوام کو مشکلات کا سامنا ہوتا ہے یہ منافق کوئی جذباتی یا جسمانی سہارا نہیں دیتے۔ اس کے بجائے وہ ان پر تنقید کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافقین کا یہی رویہ تھا۔ باب 4 النساء آیت 62:

تو کیسا ہو گا جب ان کے ہاتھوں کے آگے بڑھنے کی وجہ سے ان پر کوئی آفت آجائے اور پھر’’
‘‘وہ اللہ کی قسم کھا کر آپ کے پاس آئیں کہ ہم نے حسن سلوک اور رہائش کے سوا کچھ نہیں چاہا۔

یقینی ایمان

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد کے مقام پر دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے تو ابتدا میں منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے اپنی قوم کے ساتھ جنگ میں حصہ لینے پر رضامندی ظاہر کی۔ جب وہ احد کے قریب پہنچے تو عبداللہ بن ابی اپنے 300 آدمیوں کے ساتھ پیچھے ہٹ گئے اور مسلم فوج 3000 کی غیر مسلم فوج کے مقابلے میں 700 آدمیوں کے ساتھ رہ گئی، اس نے مسلمانوں کے عزم کو کمزور کرنے کے لیے مسلمانوں کی فوج کو ایک نازک موڑ پر چھوڑنا چاہا۔ اور غیر مسلم فوج کے عزم کو مضبوط کریں۔ ان کا منصوبہ تقریباً چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عزم کے طور پر کام کرتا تھا، کمزور پڑ گیا لیکن اللہ تعالیٰ پر ان کے مضبوط ایمان نے شیطان کے وسوسوں پر قابو پالیا اور وہ ثابت قدم رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نازک لمحے کے بارے میں باب 3 علی عمران آیت 122 نازل فرمایا:

”جب تم میں سے دو گروہ ہمت ہارنے والے تھے لیکن اللہ ان کا حلیف تھا۔ اور مومنوں کو اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 250-251 میں بحث کی گئی ہے۔

ان کے ایمان کی مضبوطی نے انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روکا، لہٰذا مسلمانوں کو یقین کے حصول کے لیے اسلامی علوم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ تمام مواقع بھی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر ثابت قدم رہیں۔

تمام مسلمان اسلام پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ان کے ایمان کی مضبوطی ہر شخص میں مختلف ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر، وہ جو اسلام کی تعلیمات پر عمل کرتا ہے کیونکہ ان کے خاندان نے انہیں بتایا تھا کہ وہ اس جیسا نہیں ہے جو ثبوت کے ذریعے اس پر یقین رکھتا ہے۔ جس شخص نے کسی چیز کے بارے میں سنا ہے وہ اس پر اس طرح یقین نہیں کرے گا جس طرح وہ اپنی آنکھوں سے اس چیز کو دیکھ چکا ہے۔

جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود حدیث سے ثابت ہے کہ مفید علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ ایک بہترین طریقہ ہے کہ ایک مسلمان اسلام پر اپنے ایمان کو مضبوط کر سکتا ہے۔ اس کا تعاقب کرنا ضروری ہے کیونکہ جس کے ایمان پر یقین جتنا زیادہ مضبوط ہوتا ہے اس کے صحیح راستے پر ثابت قدم رہنے کا موقع اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے، خاص طور پر جب مشکلات کا سامنا ہو۔ اس کے علاوہ سنن ابن ماجہ کی حدیث نمبر 3849 میں یقین کا یقین رکھنے کو بہترین چیزوں میں سے ایک قرار دیا گیا ہے۔ یہ علم قرآن پاک اور حدیث نبوی کا مطالعہ کرکے حاصل کیا جانا چاہیے، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ایک معتبر ذریعہ سے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نہ صرف ایک حقیقت کا اعلان کیا بلکہ مثالوں کے ذریعے اس کا ثبوت بھی دیا۔ نہ صرف وہ مثالیں جو ماضی کی قوموں میں پائی جاتی ہیں بلکہ ایسی مثالیں جو کسی کی اپنی زندگی میں رکھی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے یہ نصیحت کی ہے کہ بعض اوقات انسان کسی چیز سے محبت کرتا ہے حالانکہ اگر وہ اسے حاصل کر لیتا ہے تو وہ اسے پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح وہ کسی چیز سے نفرت کر سکتے ہیں جبکہ اس میں ان کے لیے بہت سی بھلائیاں پوشیدہ ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

تاریخ میں اس سچائی کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جیسے معاہدہ حدیبیہ۔ کچھ مسلمانوں کا خیال تھا کہ یہ معاہدہ، جو مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ کیا گیا تھا، مؤخر الذکر گروہ کی مکمل حمایت

کرے گا۔ اس کے باوجود تاریخ صاف بتاتی ہے کہ اس نے اسلام اور مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری نمبر 2731 اور 2732 میں موجود احادیث میں مذکور ہے۔

اگر کوئی اپنی زندگی پر غور کرے تو انہیں بہت سی ایسی مثالیں ملیں گی جب وہ یقین کرتے تھے کہ کوئی چیز اچھی تھی جب وہ ان کے لیے بری تھی اور اس کے برعکس۔ یہ مثالیں اس آیت کی صداقت کو ثابت کرتی ہیں اور ایمان کو مضبوط کرنے میں مدد کرتی ہیں۔

:ایک اور مثال باب 79 عن نازیات، آیت 46 میں ملتی ہے

جس دن وہ)قیامت کے دن (کو دیکھیں گے کہ گویا وہ اس دنیا میں ایک دوپہر یا صبح کے سوا”
“باقی نہیں رہے تھے۔

تاریخ کے اوراق پلٹیں تو صاف نظر آئے گا کہ کتنی بڑی سلطنتیں آئیں اور گئیں۔ لیکن جب وہ چلے گئے تو ان کا اس طرح انتقال ہو گیا گویا وہ ایک لمحے کے لیے زمین پر ہیں۔ ان کی چند نشانیوں کے علاوہ باقی سب ایسے مٹ گئے ہیں جیسے وہ زمین پر پہلے کبھی موجود ہی نہیں تھے۔ اسی طرح، جب کوئی اپنی زندگی پر غور کرے گا تو وہ محسوس کرے گا کہ چاہے وہ کتنے ہی بوڑھے کیوں نہ ہوں اور اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ ان کی مجموعی زندگی کتنی ہی سست محسوس ہوئی ہو گی۔ اس آیت کی سچائی کو سمجھنا انسان کے یقین کو مضبوط کرتا ہے اور اس سے انہیں تحریک ملتی ہے کہ وہ وقت ختم ہونے سے پہلے آخرت کی تیاری کریں۔

قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ لہٰذا انسان کو ان الہٰی تعلیمات کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ یقین کو اپنا سکے۔ جو اس کو حاصل کر لے گا وہ کسی بھی مشکل سے متزلزل نہیں ہوگا اور اس :راستے پر ثابت قدم رہے گا جو جنت کے دروازوں کی طرف جاتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53

ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ’’ یہ حق ہے‘‘۔

ایمان پر قائم رہنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد کے مقام پر دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے تو ابتدا میں منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے اپنی قوم کے ساتھ جنگ میں حصہ لینے پر رضامندی ظاہر کی۔ جب وہ احد کے قریب پہنچے تو عبداللہ بن ابی اپنے 300 آدمیوں کے ساتھ پیچھے ہٹ گئے اور مسلم فوج 3000 کی غیر مسلم فوج کے مقابلے میں 700 آدمیوں کے ساتھ رہ گئی۔ مسلمان اور غیر مسلم فوج کے عزم کو مضبوط کریں۔ عبداللہ بن حرام رضی اللہ عنہ نے منافقین کو تاکید کی کہ وہ کم از کم مدینہ کا دفاع کریں خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر لڑنے میں دلچسپی نہ رکھتے ہوں۔ لیکن اس سے بزدلوں پر کوئی اثر نہیں ہوا، جو میدان جنگ سے نکلتے رہے۔ پھر اس نے ان پر تنقید کی اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کافی ہے اور فوج کو منافقین کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس لمحے کے متعلق باب 3 علی عمران آیت 167 نازل فرمائی:

"اور تاکہ وہ ان لوگوں کو ظاہر کرے جو منافق ہیں۔ کیونکہ ان سے کہا گیا تھا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا دفاع کرو۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ جنگ ہوگی تو ہم آپ کے پیچھے چلتے۔ وہ اس دن ایمان سے زیادہ کفر کے قریب تھے اور اپنے منہ سے وہ کہتے تھے جو ان کے دلوں میں نہیں تھی۔ اور اللہ ان چیزوں کو خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں۔"

اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 250-252 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ منافق کی ذہنیت کو اختیار نہ کرے اور مشکل وقت میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ترک کرے۔

صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو تقدیر کا بھی صبر کے ساتھ سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم وہ ہے جب کوئی اپنے اچھے کام دوسروں کے سامنے دکھاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہٰذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہے، بجائے اس کے کہ ہر وقت اپنے آپ کو یا دوسروں کی اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے نہ اپنی خواہشات کا علم ہونا چاہیے اور نہ ہی لوگ اسے اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہٰذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

"...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو"

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے)معمولی (گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، خواہ وہ اس پر عمل کریں۔ یہ مکمل طور پر کرنے کے قابل نہیں ہے .لہٰذا، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو جو صلاحیت عطا کی گئی ہے اسے پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا، بغیر اپنے دل کی صفائی کے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود

ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور اگر لوگوں کے حقوق کا تعلق ہو تو ان سے استغفار کرنا چاہیے۔ باب 46 الاحقاف، آیت 13:

’’بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔‘‘

احد میں ایک متاثر کن تقریر

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی جو امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1113-1114 میں درج ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو !اللہ تعالیٰ نے جو مجھے اپنی کتاب میں کرنے کا حکم دیا ہے میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں...

یہ مثال کے ذریعہ رہنمائی کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

تمام مسلمانوں خصوصاً والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو جو نصیحت کرتے ہیں اس پر عمل کریں۔ اگر کوئی تاریخ کے اوراق پلٹائے تو ظاہر ہے کہ جنہوں نے اپنی تبلیغ پر عمل کیا ان کا دوسروں پر ان لوگوں کے مقابلے میں بہت زیادہ مثبت اثر پڑا جنہوں نے مثال کے طور پر رہنمائی نہیں کی۔ بہترین نمونہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے نہ صرف اس پر عمل کیا بلکہ ان تعلیمات پر کسی اور سے زیادہ سختی سے عمل کیا۔ صرف اس رویہ سے مسلمان بالخصوص والدین کا دوسروں پر مثبت اثر پڑے گا۔ مثال کے طور پر، اگر ایک ماں اپنے بچوں کو خبردار کرتی ہے کہ جھوٹ نہ بولیں کیونکہ یہ گناہ ہے لیکن اکثر ان کے سامنے جھوٹ بولتی ہے تو اس کے بچے اس کی نصیحت پر عمل کرنے کا امکان نہیں رکھتے۔ ایک شخص کے اعمال کا ہمیشہ دوسروں پر اس کی تقریر سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسروں کو مشورہ دینے سے پہلے کسی کو کامل ہونا ضروری ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے اپنے مشورے پر عمل کرنے کی مخلصانہ کوشش کریں۔ قرآن کریم نے مندرجہ ذیل آیت میں واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرز عمل کو ناپسند کرتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر

کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جس 3267 شخص نے نیکی کا حکم دیا لیکن خود اس سے روکا اور برائی سے منع کیا اور خود اس پر عمل کیا وہ خود ہی اس پر عمل کرے گا۔ جہنم میں سخت سزا دی گئی۔ باب 61 الصف، آیت 3:

‘‘اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔’’

لہٰذا تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کی نصیحت پر خود عمل کرنے کی کوشش کریں پھر دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کریں۔ مثال کے طور پر رہنمائی کرنا تمام انبیاء علیہم السلام کی روایت ہے اور دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :اے لوگو !اس کی اطاعت میں کام کرو اور ان کاموں سے باز رہو جن سے اس نے منع کیا ہے، اللہ اس کی اطاعت کرنے والوں کے ساتھ ہے اور شیطان اللہ کی نافرمانی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ...”

سچی اطاعت میں اخلاص شامل ہے۔ صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف سے دیے گئے تمام فرائض کو احکام و ممنوعات کی صورت میں ادا کرنا، صرف اس کی رضا کے لیے۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ سب ان کی نیت سے پرکھیں گے۔ پس اگر کوئی نیک عمل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص نہ ہو تو اسے نہ دنیا میں اجر ملے گا اور نہ آخرت میں۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جن لوگوں نے گستاخیاں کیں ان سے قیامت کے

دن کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اجر طلب کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ باب 98 البینہ، آیت 5۔

اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لیے خالص ہو" کر۔"

اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ اخلاص کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ صدق دل سے توبہ کریں اور ان سب کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر کبھی بھی ایسے فرائض کا بوجھ نہیں ڈالتا جو وہ انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی نبھا سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286۔

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

کے لیے مخلص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی اور دوسروں کی خوشنودی پر اس کی رضا کو پسند کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ ان اعمال کو ترجیح دینی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ دوسروں سے محبت کرے اور اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسند کرے نہ کہ اپنی خواہشات کے لیے۔ جب وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں یا گناہوں میں حصہ لینے سے انکار کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔ جس نے اس ذہنیت کو اپنایا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" :اے لوگو !آج تم اجر اور بچت کے مقام پر ہو، کم از کم تم میں سے جو اپنی ذمہ داریوں کو جانتے ہیں..."

اگر کسی شخص کو کسی خاص کام کے لیے رکھا گیا تھا، جیسے کہ گھر کی پینٹنگ، اگر وہ کوئی دوسرا فرض کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں، جیسا کہ گھر کو منڈلانا، تو ان کو اجرت ملنے کا بہت زیادہ امکان ہے۔ اگرچہ انہوں نے جو کچھ کرنے کا فیصلہ کیا وہ برا نہیں تھا لیکن جیسا کہ انہوں نے ایک کام کرنے کا انتخاب کیا ہے انہیں اس لیے رکھا نہیں گیا کہ وہ بلاشبہ اپنے آجر کو ناراض کریں گے۔ یہ سمجھنا اور قبول کرنا آسان ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو پورا کرے، لیکن اگر وہ کسی اور کام کا ارادہ کرے اور اس فرض سے کوتاہی کرے، خواہ وہ بات کچھ بھی ہو۔ وہ حلال کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں، جیسے کہ اس مادی دنیا کو اپنی ضرورت سے زیادہ حاصل کرنا، ایسے اعمال کرنا جو دو آسمانی منابع میں بتائے گئے ہیں اس سے مختلف ہوں یا محض ناجائز ہوں، ان سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ اس نے واضح کر دیا ہے کہ مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے۔ اسی طرح ایک ملازم جو کچھ مختلف کرنے کا فیصلہ کرتا ہے اسے اپنی اجرت ملنے کی امید نہیں رکھنی چاہیے اور نہ ہی کسی مسلمان کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے کوشش کرنے کے لیے کہا گیا ہے اس کے علاوہ کسی اور چیز کے لیے کوشش کرنے کا فیصلہ کرنا چاہیے۔ مسلمان کے معاملے میں اجرت میں دونوں جہانوں میں برکت، رحمت اور اللہ تعالیٰ کی بخشش شامل ہے۔ سیدھے الفاظ میں، اگر کوئی مسلمان یہ اجرت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے اپنا کام کرنا چاہئے اور اپنے آپ کو دوسرے کاموں میں مصروف نہیں ہونا چاہئے جو یا تو اس کے فرض سے متصادم ہوں یا جو اس کے فرض سے مختلف ہوں۔

،حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" :اے لوگو !آج تم ثواب اور بچت کے مقام پر ہو کم از کم تم میں سے ان لوگوں کے لیے جو اپنی ذمہ داریوں کو جانتے ہیں اور پھر ان کو پورا کرنے "...کے لیے خود کو تیار کرتے ہیں۔ صبر، یقین کا یقین، سنجیدگی اور سرگرمی

: یہ باب 47 محمد، آیت 7 سے مربوط ہے

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ کا ساتھ دو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم"
"جمائے گا۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اسلام کی مدد کرے گا تو اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کی مدد کرے گا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ لاتعداد لوگ اللہ تعالیٰ کی مدد کے خواہاں ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے اس آیت کے پہلے حصے کو پورا نہیں کرتے۔ .اکثر لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ان کے پاس اعمال صالحہ کے لیے وقت نہیں ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے خواہاں ہیں، پھر بھی ان کاموں کے لیے وقت نہیں نکالیں گے جن سے وہ خوش ہے۔ کیا اس کی کوئی منطق ہے؟ جو لوگ فریضہ ادا نہیں کرتے اور پھر ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ سے مدد کی امید رکھتے ہیں وہ بالکل بے وقوف ہیں۔ اور جو لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں لیکن ان سے آگے جانے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ انہیں ملنے والی امداد محدود ہے۔ کس طرح برتاؤ کیا جاتا ہے اس کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے۔ جتنا زیادہ وقت اور توانائی اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوگی، انہیں اتنی ہی زیادہ مدد ملے گی۔ یہ واقعی اتنا آسان ہے۔

،ایک مسلمان کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ زیادہ تر واجبات، جیسے کہ پانچ وقت کی نمازیں صرف ایک دن میں تھوڑا سا وقت لیتی ہیں۔ ایک مسلمان یہ توقع نہیں کر سکتا کہ وہ دن میں بمشکل ایک گھنٹہ فرض نماز کی ادائیگی کے لیے وقف کرے اور پھر باقی دن اللہ تعالیٰ سے غافل رہے اور پھر بھی تمام مشکلات میں اس سے مسلسل مدد کی امید رکھے۔ ایک شخص اس دوست کو ناپسند کرے گا جو اس کے ساتھ ایسا سلوک کرے۔ تو پھر اللہ رب العالمین کے ساتھ ایسا سلوک کیسے ہو سکتا ہے؟

کچھ لوگ صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اضافی وقت صرف کرتے ہیں، جب انہیں کوئی دنیوی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو اس سے اس کو حل کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ایک احسان رضاکارانہ طور پر کیا ہے۔ یہ احمقانہ ذہنیت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی بندگی کے خلاف ہے۔ یہ حیرت انگیز ہے کہ اس قسم کے لوگ اپنی تمام تفریحی سرگرمیاں، جیسے کہ خاندان اور دوستوں کے ساتھ وقت گزارنے، ٹی وی دیکھنا اور سماجی تقریبات میں شرکت کے لیے کیسے وقت نکالتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ وہ قرآن پاک کی تلاوت

اور اس کی تعلیمات کو اپنانے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطالعہ اور ان پر عمل کرنے کا وقت نظر نہیں آتا۔ یہ لوگ کسی نہ کسی طرح اپنی غیر ضروری آسائشوں پر خرچ کرنے کے لیے دولت تلاش کرتے ہیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ انہیں رضاکارانہ خیرات میں دینے کے لیے کوئی دولت نہیں ملتی۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ اس کے برتاؤ کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اضافی وقت لگاتا ہے، تو اسے وہ سہارا مل جائے گا جس کی انہیں تمام مشکلات سے باحفاظت سفر کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر وہ واجبات کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کوئی دوسرا وقت صرف کیے بغیر صرف ان کو پورا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ایسا ہی جواب ملے گا۔ سیدھے الفاظ میں، جتنا زیادہ دیتا ہے، وہ اتنا ہی زیادہ وصول کرے گا۔ اگر کوئی زیادہ نہیں دیتا تو اسے بدلے میں زیادہ امید نہیں رکھنی چاہئے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" :اے لوگو !پس اپنے اعمال کا آغاز صبر کے ساتھ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے کرو اور ایسا کرتے ہوئے اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا ہے اسے تلاش کرو۔"

،یہ مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے کی اہمیت کی یاد دلاتا ہے جب بھی ان پر ان کے دشمنوں یعنی شیطان ان کے باطنی شیطان اور وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے ہیں، ثابت قدم رہنے کی اہمیت کو یاد دلاتا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی ان دشمنوں کے فتنے میں مبتلا ہو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ نہ پھیرے۔ اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ ان جگہوں، چیزوں اور لوگوں سے اجتناب کرنے سے حاصل ہوتا ہے جو انہیں گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے اور فتنہ میں ڈالتے ہیں۔ شیطان کے جال سے بچنا صرف اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح راستے میں پھنسنے سے صرف اسی طرح علم رکھنے سے بچا جاتا ہے۔ شیطان کے جال سے بچنے کے لیے اسلامی علم کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان قرآن پاک کی تلاوت میں زیادہ وقت صرف کر سکتا ہے لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے وہ غیبت جیسے گناہوں کے ذریعے اپنے

اعمال صالحہ کو سمجھے بغیر برباد کر سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو ان حملوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ان کے لیے تیاری کریں اور اس کے بدلے میں بے شمار اجر حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس راہ میں جدوجہد کرنے والوں کے لیے صحیح رہنمائی کی ضمانت دی ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 69:

"اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔"

جبکہ جہالت اور نافرمانی کے ساتھ ان حملوں کا سامنا کرنا دونوں جہانوں میں مشکلات اور رسوائی کا باعث بنے گا۔ اسی طرح ایک سپاہی جس کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں وہ شکست کھا جائے گا۔ ان حملوں کا سامنا کرتے وقت ایک جاہل مسلمان کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں ہوگا جس کے نتیجے میں ان کی شکست ہوگی۔ جبکہ باشعور مسلمان کو وہ طاقتور ترین ہتھیار مہیا کیا جاتا ہے جس پر قابو نہیں پایا جا سکتا اور نہ مارا جا سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت۔ یہ صرف خلوص نیت سے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" :اے لوگو...!تمہیں اس پر عمل کرنا چاہیے جس کا میں تمہیں حکم دیتا ہوں، کیونکہ میں تم سے حق کی خواہش کرتا ہوں"۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ

وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" :اے لوگو ...!بے شک اختلاف، اختلاف اور دل ہارنا اس کا حصہ ہے جس کا مطلب نااہل اور کمزور ہونا ہے، جسے اللہ پسند نہیں کرتا، اور جس کے لیے اللہ نہ مدد دیتا ہے نہ فتح۔''

صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو تقدیر کا بھی صبر کے ساتھ سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم وہ ہے جب کوئی اپنے اچھے کام دوسروں کے سامنے دکھاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہٰذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہے، بجائے اس کے کہ ہر وقت اپنے آپ کو یا دوسروں کی اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے نہ اپنی خواہشات کا علم ہونا چاہیے اور نہ ہی لوگ اسے اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہٰذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

"...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو"

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے)معمولی (گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، خواہ وہ اس پر عمل کریں۔ یہ مکمل طور پر کرنے کے قابل نہیں ہے .لہٰذا، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو جو صلاحیت عطا کی گئی ہے اسے پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا، بغیر اپنے دل کی صفائی کے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور اگر لوگوں کے حقوق کا تعلق ہو تو ان سے استغفار کرنا چاہیے۔ باب 46 الاحقاف، آیت 13:

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی خوف” ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

بزدلی سے بچنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلوار کا نشان لگایا اور اپنے سپاہیوں سے پوچھا کہ کیا کوئی آپ سے لے کر اس کا حق ادا کرے گا؟ ان میں سے بہت سے لوگوں نے اسے لینے کے لیے ہاتھ اٹھائے لیکن ابو دجانہ صمق بن خرشہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ تلوار کے کیا حقوق ہیں؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بتایا کہ اس میں اس کے ساتھ دشمن کے خلاف لڑنا شامل ہے جب تک کہ اسے نقصان نہ پہنچے۔ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں اسے لے کر اس کا حق ادا کروں گا اور اس طرح وہ اسے دے دیا گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے سر پر سرخ بینڈ باندھا، جسے موت کا سر بینڈ کہا جاتا تھا۔ جب بھی وہ موت سے لڑتا یہ سرخ پٹی باندھ دیتا۔ اس کے بعد وہ غیر مسلم سپاہیوں کو مشتعل کرنے کے لیے مسلمان سپاہیوں کے درمیان گھسنے لگا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی چال کو دیکھا اور فرمایا کہ یہ چلنے کا انداز اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، سوائے اس قسم کے حالات یعنی جنگ کے۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 254-255 میں بحث کی گئی ہے۔

جنگ کے دوران ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے بہت سے غیر مسلموں کو قتل کیا۔ وہ ایک غیر مسلم کی طرف بڑھا جو غیر مسلم فوج کو مسلمانوں کو قتل کرنے پر اکسا رہا تھا۔ جب ابو دجانہ رضی اللہ عنہ اس شخص کو تلوار سے قتل کرنے والے تھے جو انہیں دی گئی تھی تو وہ شخص چیخا اور پھر اسے معلوم ہوا کہ وہ شخص ہند بنت عتبہ ہے۔ اس نے اپنا ہاتھ روک لیا اور اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا کیونکہ وہ اس تلوار سے ایک عورت کو قتل کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کی بے حرمتی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب مہربند نیکٹر صفحہ 260 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 2511 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ،بزدلانہ رویہ اختیار کرنے سے خبردار کیا۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے سے روکتا ہے اور جس چیز کا اس نے وعدہ کیا ہے، جیسے کہ کسی کی ضمانت شدہ رزق۔ یہ کسی کو مشتبہ اور غیر قانونی طریقوں سے رزق تلاش کرنے کا سبب بن سکتا ہے جو انسان کو دونوں جہانوں

میں تباہ کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی ایسے عمل کو قبول نہیں کرتا جس کی بنیاد حرام ہو۔ صحیح مسلم نمبر 2342 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ، بزدل ہونا کسی کو شیطان اور اندرونی شیطان کے خلاف جدوجہد کرنے سے روکتا ہے جس کے لیے حقیقی جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ناکامی کا باعث بنے گا جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق سامنا کرنا شامل ہے۔ اور اس لیے انہیں لوگوں کے حقوق کی ادائیگی سے روکے گا۔ دنیوی اور دینی کامیابی کے لیے محنت اور وقت درکار ہوتا ہے۔ ایک بزدل اس جدوجہد کو شروع کرنے سے بہت ڈرے گا اور اس کی بجائے سستی کرے گا جو دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں ناکامی کا باعث بنے گا۔

خون سے زیادہ مضبوط

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے غیر مسلم رہنما ابو سفیان نے مدینہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیغام بھیجا کہ وہ ایک طرف ہٹ جائیں اور میدان جنگ سے نکل جائیں کیونکہ غیر مسلم صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنا چاہتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مکہ والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔ اس نے حالات کو باطل کے مقابلے میں حق کی بجائے بھائی چارے اور قبیلوں میں تبدیل کرنا چاہا۔ مدینہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی درخواست کو رد کر دیا کیونکہ ان کی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وفاداری تھی اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم قبائل سے زیادہ گہرے اور مضبوط تھے۔ اور خون کے رشتے

اس کے علاوہ، ایک غیر مسلم، ابو عامر الفاسق، جو اسلام کے آنے سے پہلے کبھی مدینہ کے لوگوں کے ممتاز رہنما تھے، بھی غیر مسلموں کے ساتھ تھے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو وہ اپنی حیثیت کھو بیٹھے اور حسد کے نتیجے میں وہ مکہ فرار ہو گئے اور غیر مسلموں کو اسلام کے خلاف لڑنے کی ترغیب دی۔ جنگ احد شروع ہونے سے پہلے آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پکارا، امید ہے کہ وہ ان کو اپنے ساتھ شامل ہونے پر آمادہ کریں گے، لیکن انہوں نے جواب میں ان کی توہین کی۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 256 میں بحث کی گئی ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ اکثر منقسم ہو جاتے ہیں اور وہ مضبوط تعلق کھو دیتے ہیں جو کبھی ایک دوسرے کے ساتھ تھا۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں لیکن ایک بڑا سبب وہ بنیاد ہے جس پر ان کے والدین اور رشتہ داروں نے ان کا تعلق قائم کیا تھا۔ یہ عام طور پر جانا جاتا ہے کہ جب عمارت کی بنیاد کمزور ہوتی ہے تو عمارت یا تو وقت کے ساتھ خراب ہوجاتی ہے یا گر جاتی ہے۔ اسی طرح جب لوگوں کو آپس میں جوڑنے والے بانڈز کی بنیادیں درست نہیں ہوتیں تو ان کے درمیان بندھن بالآخر کمزور یا ٹوٹ جاتا ہے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے درمیان رشتہ جوڑ دیا۔ جبکہ آج زیادہ تر مسلمان قبائلیت، بھائی چارے اور دوسرے خاندانوں کو دکھانے کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرتے ہیں۔ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی اکثریت آپس

میں باہم تعلق نہیں رکھتی تھی لیکن چونکہ ان کو جوڑنے والے بندھنوں کی بنیاد صحیح تھی یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے رشتے مضبوط سے مضبوط ہوتے گئے۔ جبکہ آج کل بہت سے مسلمان خون کے رشتے میں ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ الگ ہو گئے ہیں کیونکہ ان کے رشتوں کی بنیاد باطل یعنی قبائلیت اور اسی طرح کی چیزوں پر تھی۔

مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر رشتہ داریوں اور غیر رشتہ داروں کے حقوق کی پاسداری کے اہم فریضے کو ادا کرنے کے لیے اپنے بندھنوں کو قائم رکھنے اور اجر کمانے کی خواہش رکھتے ہیں تو انھیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے رشتہ جوڑنا چاہیے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ لوگ صرف ایک دوسرے سے جڑیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اس طریقے سے کام کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو۔ قرآن پاک میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

دنیا پر آخرت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹے سے پہاڑ جبل الرومہ پر ٹھہرنے کا حکم دیا جو احد پہاڑ کے سامنے ہے، جنگ کے نتائج سے قطع نظر، یہ سمجھتے تھے کہ جنگ ختم ہوگیا اور کمانڈ کا اطلاق نہیں ہوا۔ جب وہ مال غنیمت جمع کرنے کے لیے جبل الرومہ پر اترے تو اس سے مسلمانوں کی فوج کا پچھلا حصہ کھل گیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 29-30 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد حکم کا اطلاق نہیں ہوگا، پھر بھی ان کی نیک اور پاکیزہ خواہش تھی کہ مال غنیمت اکٹھا کیا جائے اور ان کو جنگ میں استعمال کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے طریقے مصیبت کا باعث بنے۔ جہاں وہ تھے وہیں رہ کر ان کا تعلق براہ راست آخرت سے تھا جب کہ مال غنیمت کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے استعمال کرنے کے لیے مادی دنیا کے ذریعے آخرت سے جڑا ہوا تھا۔ اس صورت میں، عمل آخرت سے براہ راست جڑا ہوا بہتر تھا۔

مادی دنیا اور آخرت کے بارے میں صحیح تصور کو اپنانا چاہیے تاکہ دنیاوی چیزوں کو آخرت پر ترجیح نہ دی جائے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4108 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں سمندر کے مقابلے میں پانی کے قطرے کی طرح ہے۔

درحقیقت یہ تمثیل اس لیے دی گئی تاکہ لوگ سمجھ سکیں کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں کتنی چھوٹی ہے۔ لیکن حقیقت میں ان کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مادی دنیا عارضی ہے جبکہ آخرت ابدی ہے۔ یعنی محدود کا لامحدود سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ مادی دنیا کو چار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :شہرت، قسمت، اختیار اور کسی کی سماجی زندگی، جیسے ان کا خاندان اور دوست۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کسی کو کوئی بھی دنیاوی نعمت حاصل ہو جو ان گروہوں میں آتی ہے وہ ہمیشہ نامکمل، عارضی ہوگی اور موت انسان کو نعمتوں سے کاٹ دے گی۔ دوسری طرف آخرت کی نعمتیں پائیدار اور کامل ہیں۔ تو اس لحاظ سے مادی دنیا ایک نہ ختم ہونے والے سمندر کے مقابلے میں ایک قطرے سے زیادہ نہیں ہے۔

اس کے علاوہ، ایک شخص کو اس دنیا میں طویل زندگی کا تجربہ کرنے کی ضمانت نہیں ہے کیونکہ موت کا وقت نامعلوم ہے .جبکہ ہر ایک کو موت کا تجربہ کرنے اور آخرت تک پہنچنے کی ضمانت ہے۔ لہٰذا کسی کی ریٹائرمنٹ جیسے دن کے لیے کوشش کرنا بے وقوفی ہے، جس تک وہ آخرت کے لیے کوشش کرتے ہوئے کبھی نہ پہنچ سکے جس تک پہنچنے کی ان کی ضمانت ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی دنیا کو چھوڑ دے کیونکہ یہ ایک پل ہے جسے آخرت تک پہنچنے کے لیے عبور کرنا ضروری ہے۔ اس کے بجائے، ایک مسلمان کو اس مادی دنیا سے اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق بغیر فضول خرچی اور اسراف کے پورا کرنا چاہیے۔ اور پھر اپنی بقیہ کوششیں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے ابدی آخرت کی تیاری میں وقف کریں۔

ایک ذہین انسان نہ ختم ہونے والے سمندر پر پانی کے قطرے کو ترجیح نہیں دے گا اور ایک ذہین مسلمان دنیاوی مادی دنیا کو ابدی آخرت پر ترجیح نہیں دے گا۔

ہمیشہ مخلص

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹے سے پہاڑ جبل الرومہ پر ٹھہرنے کا حکم دیا جو احد پہاڑ کے سامنے ہے، جنگ کے نتائج سے قطع نظر، یہ سمجھتے تھے کہ جنگ ختم ہوگیا اور کمانڈ کا اطلاق نہیں ہوا۔ جب وہ اترے تو اس سے مسلم فوج کا پچھلا حصہ کھل گیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو مسلمانوں کی فوج کے عقب میں تعینات تھے، انہوں نے دیکھا کہ کس طرح غیر مسلم چاروں طرف چکر لگا کر مسلم فوج کے عقب تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات کا احساس نہیں تھا کہ کیا ہوا اور اس لیے وہ بے دفاع تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہ سکتے تھے اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ذبح کرنے کی اجازت دے سکتے تھے، کیونکہ غیر مسلموں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحیح مقام کا علم نہیں تھا۔ السلام علیکم اس کے بجائے، اس نے چیخ کر اپنے ساتھیوں کو خبردار کیا، اللہ ان سے راضی ہے، اس طرح ان کا مقام غیر مسلموں کو دے دیا، جو اس پر حملہ کرنے کے لیے اکٹھے ہوئے تھے۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 263-264 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جان کو خطرے میں ڈالتے ہوئے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑے اخلاص کا مظاہرہ کیا۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ

کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے‘‘۔’’

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے

الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے‘‘۔’’

تمام حالات میں برکت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹے سے پہاڑ جبل الرومہ پر ٹھہرنے کا حکم دیا جو احد پہاڑ کے سامنے ہے، جنگ کے نتائج سے قطع نظر، یہ سمجھتے تھے کہ جنگ ختم ہوگیا اور کمانڈ کا اطلاق نہیں ہوا۔ جب وہ جبل الرومہ پر اترے تو اس نے مسلم فوج کا پچھلا حصہ کھول دیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی۔ انتشار اور افراتفری اس وقت بڑھ گئی جب یہ آوازیں سنائی دیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 29-30 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مومن کے لیے ہر حالت مبارک ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے ہر صورت حال کا جواب دینے کی ضرورت ہے، خاص طور پر مشکلات میں صبر اور آسانی کے وقت شکرگزاری۔

زندگی کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو وہ حالات ہیں جن میں لوگ خود کو پاتے ہیں چاہے وہ آسانی کے وقت ہوں یا مشکلات۔ کسی شخص کو کس صورتحال کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کا کنٹرول ان کے ہاتھ سے باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے اور ان سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ اس لیے جن حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان پر زور دینا کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ وہ مقدر ہیں اور اس لیے ناگزیر ہیں۔ دوسرا پہلو ہر صورت حال پر ایک شخص کا ردعمل ہے۔ یہ ہر شخص کے اختیار میں ہے اور یہ وہی ہے جس پر ان کا فیصلہ کیا جاتا ہے، مثال کے طور پر، کسی مشکل صورتحال میں صبر یا بے صبری کا مظاہرہ کرنا۔ اس لیے ایک مسلمان کو ہر حال میں اپنے رویے اور رد عمل پر توجہ دینی چاہیے، بجائے اس کے کہ کسی صورت حال میں ہونے پر زور دیا جائے کیونکہ یہ ناگزیر ہے۔ اگر کوئی مسلمان دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے ہر حال کا اندازہ لگانا چاہیے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں رہنا چاہیے۔ مثال کے طور

پر، آسانی کے وقت ان کو چاہیے کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں جو ان کے پاس ہیں جیسا کہ اسلام نے تجویز کیا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

اور مشکل کے وقت انہیں صبر کا مظاہرہ کرنا چاہیے یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے چاہے وہ انتخاب کے پیچھے کی حکمت کو نہ سمجھیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

مشن کو جاری رکھنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹے سے پہاڑ جبل الرومہ پر ٹھہرنے کا حکم دیا جو احد پہاڑ کے سامنے ہے، جنگ کے نتائج سے قطع نظر، یہ سمجھتے تھے کہ جنگ ختم ہوگیا اور کمانڈ کا اطلاق نہیں ہوا۔ جب وہ جبل الرومہ پر اترے تو اس نے مسلم فوج کا پچھلا حصہ کھول دیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی۔ انتشار اور افراتفری اس وقت بڑھ گئی جب یہ آوازیں سنائی دیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ سے بعض صحابہ کرام، اللہ ان سے راضی ہو گئے، ناامید ہو گئے کیونکہ ان کی قوت اور الہام قیاس کے مطابق شہید ہو چکا تھا۔ لیکن ایک صحابی انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دیا جائے تو بھی اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ ہے اور مر نہیں سکتا۔ لہٰذا انہیں اس کے لیے لڑتے رہنا چاہیے جس کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے۔ انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے جنگ جاری رکھی یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 29-31 میں بحث کی گئی ہے۔

اسی طرح علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا عقیدہ تھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر زندہ رہنے کی کوئی وجہ نہیں، اس لیے انہوں نے اپنی تلوار کی میان توڑ دی اور جنگ جاری رکھی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ لیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ وہ اس کی حفاظت کرتا رہا یہاں تک کہ وہ پیچھے ہٹ گئے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 163-164 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے سلسلے میں باب 3 آل عمران آیت 144 نازل فرمائی:

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول نہیں ہیں۔ اس سے پہلے]دوسرے [رسول گزر چکے ہیں۔ پس اگر وہ مر جائے یا مارا جائے تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا وہ اللہ کو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ لیکن اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔"

اللہ تعالیٰ ان کو اپنی موت کے لیے تیار کر رہا تھا اور جب ایسا ہوا تو ان کو جو رویہ دکھانا چاہیے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو برسوں بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اپنے ایمان پر شکر گزار اور ثابت قدم رہے حالانکہ بعض مسلمان عرب قبائل مرتد ہو چکے تھے۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1196-1199 میں بحث کی گئی ہے۔

گو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جسمانی طور پر آج مسلمانوں میں کسی سے کم نہیں ہیں، لیکن انہیں اسلام کے حقیقی سفیر بن کر جس چیز کے لیے آپ کھڑے تھے، اس کے لیے اس کو حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو جدوجہد کرتے رہنا چاہیے۔ پورا کیا جائے، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کیا جائے اور اس کے انتخاب پر صبر کیا جائے۔ اسلام پوری دنیا میں پھیل گیا کیونکہ صالح پیشرو اس فرض کو بہت سنجیدگی سے لیتے تھے۔ جب انہوں نے فائدہ مند علم حاصل کیا اور اس پر عمل کیا تو بیرونی دنیا نے ان کے طرز عمل سے اسلام کی حقانیت کو پہچان لیا۔ جس کی وجہ سے بے شمار لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ بدقسمتی سے، آج بہت سے مسلمان اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اسلام کے بارے میں دوسروں کو ظاہر کرنا محض کسی کی ظاہری شکل ہے، جیسے داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا۔ یہ اسلام کی نمائندگی کا صرف ایک پہلو ہے۔ سب سے بڑا حصہ قرآن کریم اور ان کی روایات میں مذکور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کو اپنانا ہے۔ صرف اس رویے سے بیرونی دنیا اسلام کی اصل فطرت کا مشاہدہ کرے گی۔ ایک مسلمان کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ اسلام کی تعلیمات کے مخالف خصوصیات کے حامل ہوتے ہوئے اسلامی شکل اختیار کرنا صرف بیرونی دنیا میں اسلام کی بے عزتی کا باعث بنتا ہے۔ وہ اس بے عزتی کے لیے جوابدہ ہوں گے کیونکہ وہ اس کی وجہ ہیں۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی باطنی تعلیمات کو اپناتے ہوئے اسلام کے حقیقی سفیر کے طور پر پیش آئے اور اسلام کی ظاہری شکل و صورت کو بھی اپنائے۔

اس کے علاوہ اس اہم عہدے کو مسلمانوں کو یاد دلانا چاہیے کہ ان کا احتساب کیا جائے گا اور سوال کیا جائے گا کہ آیا انہوں نے یہ کردار ادا کیا یا نہیں؟ جس طرح ایک بادشاہ اپنے سفارت کار

اور نمائندے پر غضب ناک ہوتا ہے اگر وہ اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس مسلمان سے ناراض ہوگا جو اسلام کے سفیر کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کرنے میں ناکام رہے گا۔

تمام مشکلات

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جنگ کے دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شدید زخمی ہوئے۔ اس کے دانت ٹوٹ گئے اور چہرہ اور ہونٹ کٹ گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 30 میں بحث کی گئی ہے۔

جنگ کے دوران جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ احد پہاڑ پر پیچھے ہٹ رہے تھے، جب کہ غیر مسلموں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے کا تعاقب کر رکھا تھا۔ اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع میں اپنی جانیں قربان کیں۔ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے ان کا اس حد تک دفاع کیا کہ انہیں تیس سے زیادہ زخم آئے اور اس کے نتیجے میں ان کا ہاتھ مفلوج ہو گیا۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 269-270 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ انبیاء علیہم السلام گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ ہیں، جسمانی اور جذباتی چوٹوں سے کم مسلمان کوئی فائدہ نہیں سیکھ سکتا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ادب المفرد نمبر 492 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مسلمان کو کسی بھی قسم کی جسمانی پریشانی کا ،سامنا نہیں کرنا پڑتا، خواہ اس کی جسامت کتنی ہی کیوں نہ ہو، جیسے کہ چوٹ لگنا۔ کوئی کانٹا یا کوئی جذباتی مشکل، جیسے تناؤ، سوائے اللہ تعالیٰ کے، اس کی وجہ سے ان کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

اس سے مراد چھوٹے گناہ ہیں کیونکہ بڑے گناہوں کے لیے سچی توبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ نتیجہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک مسلمان مشکل کے آغاز سے اپنی زندگی کے آخر تک صبر کرتا ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کیونکہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ابتدائی طور پر شکایت کر سکتے ہیں اور اس کے بعد صبر کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ یہ سچا صبر نہیں ہے بلکہ یہ صرف قبولیت ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ ہوتا ہے۔ سنن نسائی نمبر 1870 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ زندگی بھر صبر کا مظاہرہ کرنا ضروری ہے کیونکہ انسان بے صبری کا مظاہرہ کر کے اپنے اجر کو ختم کر سکتا ہے۔

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ اس کے چھوٹے گناہ ان مشکلات سے مٹ جائیں پھر ان کے پاس رہتے ہوئے قیامت تک پہنچ جائیں۔ ایک مسلمان کو اپنے چھوٹے گناہوں کو مٹانے کے لیے مسلسل توبہ اور عمل صالح کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور اگر ان کو کوئی جسمانی یا جذباتی دشواری پیش آئے تو ان کو صبر کرنا چاہیے کہ ان کے چھوٹے گناہوں کے مٹ جانے اور بے شمار ثواب حاصل کرنے کی امید رکھیں۔ باب 39 از زمر، آیت 10:

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا]یعنی حد[..."

لوگوں کے لیے تشویش

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جنگ کے دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شدید زخمی ہوئے۔ اس کے دانت ٹوٹ گئے اور چہرہ اور ہونٹ کٹ گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 30 میں بحث کی گئی ہے۔

جنگ کے دوران جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ احد پہاڑ پر پیچھے ہٹ رہے تھے، جب کہ غیر مسلموں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے کا تعاقب کر رکھا تھا۔ اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع میں اپنی جانیں قربان کیں۔ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے ان کا اس حد تک دفاع کیا کہ انہیں تیس سے زیادہ زخم آئے اور اس کے نتیجے میں ان کا ہاتھ مفلوج ہو گیا۔

جب دوسرے صحابہ کرام جیسے کہ ابوبکر صدیقؓ اور ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے تو انہوں نے فوراً آپ کے زخموں پر مرہم رکھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ پہلے طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے زخموں کا علاج کرو۔ دونوں نے سب سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علاج کرنے پر اصرار کیا۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دانتوں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لوہے کی انگوٹھی کے وہ دو کڑے نکالے جو آپ کے چہرے پر لگے ہوئے تھے۔ پھر اس نے ایک تیر نکالا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کے ساتھ ساتھ آپ کے دانتوں پر بھی لگا تاکہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ جس کے نتیجے میں اس کا اگلا دانت نکل گیا۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دوبارہ طلحہ رضی اللہ عنہ کو تلاش کرنے اور ان کی مدد کرنے کا مشورہ دیا، جو انہوں نے کیا۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 269-271 میں بحث کی گئی ہے۔

ایسے نازک حالات میں بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی ذات سے زیادہ دوسروں کی فکر تھی۔

صحیح مسلم نمبر 6586 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کے کسی حصے میں درد ہو تو باقی جسم اس کے درد میں شریک ہوتا ہے۔

یہ حدیث، بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، اپنی زندگی میں اس قدر خودغرض نہ ہونے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اس طرح برتاؤ کرتی ہے کہ گویا کائنات ان کے اور ان کے مسائل کے گرد گھوم رہی ہے۔ شیطان ایک مسلمان کو اپنی زندگی اور اپنے مسائل پر اس قدر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ بڑی تصویر پر توجہ دینے سے محروم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ بے صبری کا باعث بنتا ہے اور وہ دوسروں سے غافل ہو جاتا ہے اور اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کرنے میں اپنا فرض ادا نہیں کرتا۔ ایک مسلمان کو یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے اور دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جہاں تک وہ کر سکتے ہیں۔ یہ مالی مدد سے آگے تک پھیلا ہوا ہے اور اس میں تمام زبانی اور جسمانی مدد شامل ہے جیسے کہ اچھا اور مخلصانہ مشورہ۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ خبروں کا باقاعدگی سے مشاہدہ کریں اور جو پوری دنیا میں مشکل حالات میں ہیں۔ یہ انہیں خودغرض بننے سے بچنے اور دوسروں کی مدد کرنے کی ترغیب دے گا۔ درحقیقت جس کو صرف اپنی فکر ہوتی ہے وہ جانور سے بھی کم تر ہے جیسا کہ وہ اپنی اولاد کا خیال رکھتا ہے۔ درحقیقت ایک مسلمان کو عملاً اپنے خاندان سے بڑھ کر دوسروں کا خیال رکھتے ہوئے جانوروں سے بہتر ہونا چاہیے۔

اگرچہ ایک مسلمان دنیا کے تمام مسائل کو دور نہیں کر سکتا لیکن وہ اپنا کردار ادا کر سکتا ہے اور اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور توقع یہی ہے۔

سب کے لیے رہنمائی کی خواہش

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جنگ کے دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شدید زخمی ہوئے۔ اس کے دانت ٹوٹ گئے اور چہرہ اور ہونٹ کٹ گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 30 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کے لیے اس قدر پریشان اور غمگین تھے کہ اپنے چہرے سے خون پونچھتے ہوئے اپنے آپ سے سوال کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کیسے معاف کر سکتا ہے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نقصان پہنچایا؟ اس پر درود و سلام پھر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل کو نازل کیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یقین دلایا کہ ان کے لیے بخشش کا دروازہ ابھی بھی کھلا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 128:

"تمہارے لیے یہ فیصلہ نہیں ہے کہ وہ]انہیں [کاٹ دے یا انہیں معاف کرے یا انہیں سزا دے، کیونکہ وہ ظالم ہیں۔"

سنن ابن ماجہ نمبر 4027 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

غیر مسلموں کی طرف سے اس نقصان کا سامنا کرتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے ان کی بخشش کی دعا کر رہے تھے کیونکہ ان کے پاس علم اور مکمل فہم نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہے تھے۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 268-269 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو یہ واقعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت اور بخشش کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

تمام مسلمانوں کو امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ غلطیوں اور گناہوں کو ایک طرف رکھے گا، نظر انداز کرے گا اور معاف کر دے گا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہی مسلمانوں میں سے اکثر جو اس کی امید اور دعا کرتے ہیں وہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے۔ مطلب، وہ اکثر دوسروں کی ماضی کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں اور انہیں اپنے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ ان غلطیوں کی طرف اشارہ نہیں ہے جن کا اثر حال یا مستقبل پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ڈرائیور کی وجہ سے ہونے والا کار حادثہ جو کسی دوسرے شخص کو جسمانی طور پر معذور کر دیتا ہے، ایک غلطی ہے جو حال اور مستقبل میں شکار کو متاثر کرے گی۔ اس قسم کی غلطی کو چھوڑنا اور نظر انداز کرنا سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن بہت سے مسلمان اکثر دوسروں کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں جو کسی بھی طرح سے مستقبل کو متاثر نہیں کرتی ہیں، جیسے کہ زبانی توہین۔ اگرچہ غلطی ختم ہو چکی ہے لیکن یہ لوگ موقع ملنے پر اسے زندہ کرنے اور دوسروں کے خلاف استعمال کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی افسوسناک ذہنیت ہے جیسا کہ کسی کو سمجھنا چاہئے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ کم از کم ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے اپنی ماضی کی غلطیوں سے درگزر کرنے کی امید رکھتا ہے اسے دوسروں کی ماضی کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ جو لوگ اس طرح برتاؤ کرنے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کے زیادہ تر تعلقات ٹوٹ چکے ہیں کیونکہ کوئی بھی رشتہ مکمل نہیں ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اختلاف کا شکار رہیں گے جو ہر رشتے میں غلطی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ تنہا ہو جائے گا کیونکہ ان کی بری ذہنیت انہیں دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ تنہا رہنے سے نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسا رویہ اپناتے ہیں جو دوسروں کو ان سے دور کرتا ہے۔ یہ منطق اور عقل کی نفی کرتا ہے۔ تمام لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہتے ہوئے اور ان کے انتقال کے بعد ان سے محبت اور احترام کیا جائے لیکن یہ رویہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں تو لوگ ان سے تنگ آ جاتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو لوگ انہیں سچے پیار اور محبت سے یاد نہیں کرتے۔ اگر وہ انہیں یاد کرتے ہیں تو یہ محض رواج سے باہر ہے۔

ماضی کو جانے دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں کے ساتھ حد سے زیادہ اچھا سلوک کرنے کی ضرورت ہے لیکن اسلام کی تعلیمات کے مطابق سب سے کم احترام کرنا ہے۔

اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا اور اس کے لیے تھوڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ درگزر کرنا سیکھے اور لوگوں کی ماضی کی غلطیوں کو جانے دیا جائے تو شاید اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی پچھلی غلطیوں کو درگزر فرمائے گا۔ باب 24 النور، آیت 22:

اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کر دیں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟ ..." ‘‘اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حق کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹے سے پہاڑ جبل الرومہ پر ٹھہرنے کا حکم دیا جو احد پہاڑ کے سامنے ہے، جنگ کے نتائج سے قطع نظر، یہ سمجھتے تھے کہ جنگ ختم ہوگیا اور کمانڈ کا اطلاق نہیں ہوا۔ جب وہ جبل الرومہ پر اترے تو اس نے مسلم فوج کا پچھلا حصہ کھول دیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ احد کی طرف اعتکاف کر رہے تھے تو غیر مسلم ان کا تعاقب کر رہے تھے۔ غیر مسلموں کے سرداروں میں سے ایک ابی بن خلف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کرتے ہوئے چیخنا چلانا اور دھمکیاں دینا شروع کر دیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ وہ مجھے قریب آنے دیں۔ اس کے بعد اس نے نیزہ لیا اور اس کے زرہ بکتر میں ایک خلا سے ابی کی گردن میں وار کیا۔ ابی اپنے گھوڑے سے گرا اور درد سے چیخا۔ جب دوسرے غیر مسلم اسے اٹھا کر لے گئے اور اس کے زخم کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ گردن کا زخم بمشکل ایک خراش تھا، حالانکہ ابی اس طرح کراہ رہا تھا جیسے اسے جسمانی اذیت دی جا رہی ہو۔ اس کے بعد اس نے ان سے کہا کہ وہ اس زخم سے مر جائے گا جیسا کہ برسوں پہلے مدینہ ہجرت سے پہلے اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کی دھمکی دی تھی اور اس کے نتیجے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کی دھمکی دی تھی۔ اس پر، اسے خبردار کیا کہ وہ درحقیقت اسے قتل کر دے گا۔ ابی نے تب تبصرہ کیا کہ اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر تھوک بھی دیں تو وہ مر جائیں گے کیونکہ وہ ان کے قتل کے وعدے پر یقین رکھتے تھے۔ ابی کا انتقال کچھ دیر بعد ہوا جب غیر مسلم مکہ واپس جا رہے تھے۔ اس پر سیرت ابن ہشام صفحہ 148 میں بحث ہوئی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ ابی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی پر اس قدر یقین کیسے رکھتا تھا، ان کی دھمکی کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں مانتا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اندر کی گہرائیوں سے سچ کو اسی طرح جانتا تھا جیسا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو، اپنی پوری زندگی کو جانتا تھا، اس لیے جانتا تھا کہ وہ جھوٹا نہیں ہے۔

مسلمانوں کو اس رویہ سے بچنا چاہیے اور اس کے بجائے ہر وقت حق کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی اکثریت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر خوشامد اٹھانے یا غلط بیانی کے۔ اسلام کی تعلیمات جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتب کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

نظر انداز اور اچھی مرضی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹے سے پہاڑ جبل الرومہ پر ٹھہرنے کا حکم دیا جو احد پہاڑ کے سامنے ہے، جنگ کے نتائج سے قطع نظر، یہ سمجھتے تھے کہ جنگ ختم ہوگیا اور کمانڈ کا اطلاق نہیں ہوا۔ جب وہ جبل الرومہ پر اترے تو اس نے مسلم فوج کا پچھلا حصہ کھول دیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی۔ اس الجھن کے دوران بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غلطی سے ایک اور صحابی ال یمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ ان کے صاحبزادے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ جو احد میں بھی موجود تھے، انہوں نے جو کچھ ہوا اس کا مشاہدہ کیا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف کبھی اس کا تذکرہ نہیں کیا اور اپنے والد کی حادثاتی موت کے لیے خون کا پیسہ کبھی نہیں لیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پیش کیا اور اس کے بدلے آپ نے اسے غریب مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ اس نے اس نیک وصیت کو اس وقت تک قائم رکھا جب تک وہ برسوں بعد اس دنیا سے چلے گئے۔ اس کا تذکرہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 46 میں صحیح بخاری نمبر 3824 میں موجود ایک حدیث میں اور امام محمد السلبی کی کتاب حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد 1 میں کیا گیا ہے۔ ، صفحات 1148-1149-

صحیح بخاری نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات سے بدلہ نہیں لیا بلکہ معاف کر دیا اور نظر انداز کیا۔

مسلمانوں کو مناسب اور معقول طریقے سے اپنا دفاع کرنے کی اجازت دی گئی ہے جب ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا ہے۔ لیکن انہیں کبھی بھی لائن سے اوپر نہیں جانا چاہئے کیونکہ یہ ایک گناہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190:

"اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہیں کرتے۔ بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

چونکہ نشان پر قدم رکھنے سے بچنا مشکل ہے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ صبر و تحمل سے کام لے، دوسروں کو نظر انداز کرے اور معاف کرے کیونکہ یہ نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی لے جاتی ہے۔ ان کے گناہوں کو معاف کرنا .باب النور، آیت 22 24:

"...اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟''

دوسروں کو معاف کرنا بھی دوسروں کے کردار کو مثبت انداز میں بدلنے میں زیادہ کارگر ہے جو کہ اسلام کا مقصد ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے کیونکہ بدلہ لینا ہی ملوث افراد کے درمیان مزید دشمنی اور غصے کا باعث بنتا ہے۔

آخر میں وہ لوگ جو دوسروں کو معاف نہ کرنے کی بری عادت رکھتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی ہمیشہ کینہ پرور رہتے ہیں، انہیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ ان کے ہر چھوٹے گناہ کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چیزوں کو جانے دینا سیکھنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں معافی اور ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ثواب حاصل کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ ایک شخص تھا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے لڑ رہا تھا جس کا نام قزمان تھا۔ جب ان کی بہادری کا ذکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا گیا تو آپ نے اعلان فرمایا کہ وہ جہنم میں جائیں گے۔ جنگ کے دوران انہوں نے غیر مسلموں کے خلاف ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بڑی ہمت کا مظاہرہ کیا۔ آخرکار اس کے زخموں نے اسے معذور کر دیا اور اسے میدان جنگ سے باہر لے جایا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی تعریف کی، لیکن جواب دیا کہ وہ صرف اپنے قبیلے کی عزت اور سماجی حیثیت کے لیے لڑے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہیں لڑے۔ جب اس کے زخموں کا درد انتہا کو پہنچ گیا تو اس نے اپنے آپ کو مارنے کے لیے ایک تیر کا استعمال کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 50 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جو لوگ اللہ کی خوشنودی کے بجائے دکھاوے جیسے کام لوگوں کی خاطر کرتے ہیں۔ ، عالی مقام کو کہا جائے گا کہ قیامت کے دن ان لوگوں سے ان کا اجر حاصل کریں جن کے لئے انہوں نے عمل کیا جو حقیقت میں ممکن نہیں ہے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تمام اعمال کی بنیاد حتیٰ کہ اسلام خود انسان کی نیت ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس پر اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ صحیح بخاری نمبر 1 کی حدیث کے مطابق کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام دینی اور مفید دنیوی اعمال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دے، تاکہ وہ اس سے دونوں جہانوں میں اجر حاصل کرو۔ اس صحیح ذہنیت کی علامت یہ ہے کہ یہ شخص نہ تو یہ توقع رکھتا ہے اور نہ ہی چاہتا ہے کہ لوگ ان کے اعمال کی تعریف کریں یا ان کا شکریہ ادا کریں۔ اگر کوئی یہ چاہتا ہے تو یہ اس کی غلط نیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

اس کے علاوہ، صحیح نیت کے ساتھ عمل کرنا اداسی اور تلخی کو روکتا ہے کیونکہ جو شخص لوگوں کی خاطر کام کرتا ہے وہ آخرکار ناشکرے لوگوں کا سامنا کرے گا جو انہیں ناراض اور تلخ کر دیں گے کیونکہ انہیں لگتا ہے کہ انہوں نے اپنی محنت اور وقت ضائع کیا ہے۔ بدقسمتی سے، والدین اور رشتہ داروں میں یہ دیکھا جاتا ہے کیونکہ وہ اکثر اللہ تعالی کی رضا کے بجائے ان کی خاطر اپنے بچوں اور رشتہ داروں کے بارے میں اپنے فرائض ادا کرتے ہیں۔ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتا ہے، وہ دوسروں کے لیے اپنے تمام فرائض کو پورا کرے گا جیسے کہ ان کے بچے اور جب وہ ان کا شکر ادا کرنے میں ناکام ہوں گے تو وہ کبھی تلخ یا ناراض نہیں ہوں گے۔ یہ رویہ ذہنی سکون اور عمومی خوشی کا باعث بنتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے نیک عمل سے پوری طرح واقف ہے اور انہیں اس کا اجر دے گا۔ تمام مسلمانوں کو یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے ورنہ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔

مصیبت میں مدد

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹے سے پہاڑ جبل الرومہ پر ٹھہرنے کا حکم دیا جو احد پہاڑ کے سامنے ہے، جنگ کے نتائج سے قطع نظر، یہ سمجھتے تھے کہ جنگ ختم ہوگیا اور کمانڈ کا اطلاق نہیں ہوا۔ جب وہ جبل الرومہ پر اترے تو اس نے مسلم فوج کا پچھلا حصہ کھول دیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی۔ اس مشکل گھڑی میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سکون نازل کیا جس سے ان کی پریشانی اور پریشانی دور ہو گئی۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جنہیں یہ نعمت ملی۔ سکون نیند کی صورت میں آیا جس کی وجہ سے اس نے لڑتے ہوئے کئی بار اپنی تلوار گرائی۔ باب 3 علی عمران، آیت 154:

"...پھر مصیبت کے بعد، اس نے تم میں سے بعض پر غنودگی کی صورت میں سکون نازل کیا"

اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 277 میں بحث کی گئی ہے۔

مسند احمد نمبر 2803 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کی تلقین فرمائی کہ انسان کو درپیش ہر مشکل کے بعد آسانی ہوگی۔ یہ حقیقت قرآن مجید میں بھی بیان کی گئی ہے، مثال کے طور پر، باب 65، آیت 7:

‘‘اللہ تعالیٰ سختی کے بعد آسانی پیدا کرے گا۔’’

مسلمانوں کے لیے اس حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے کیونکہ یہ صبر اور قناعت کو جنم دیتا ہے۔ حالات کی تبدیلیوں پر غیر یقینی ہونا کسی کو بے صبری، ناشکری اور یہاں تک کہ غیر قانونی چیزوں کی طرف لے جا سکتا ہے، جیسے کہ غیر قانونی رزق۔ لیکن جو اس بات پر پختہ یقین رکھتا ہے کہ آخرکار تمام مشکلات آسانی سے بدل جائیں گی وہ اسلام کی تعلیمات پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے صبر سے اس تبدیلی کا انتظار کرے گا۔ یہ صبر اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور اس کا اجر بہت زیادہ ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 146:

‘‘اور اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔’’

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایسی بے شمار مثالیں بیان کی ہیں جب مشکل حالات کے بعد آسانی اور برکت آتی تھی۔ مثال کے طور پر قرآن کریم کی درج ذیل آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کو اپنی قوم کی طرف سے کس بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا اور کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں سیلاب عظیم سے بچایا اس کا ذکر ہے۔ باب 21 الانبیاء، آیت 76:

"اور نوح کا ذکر کریں جب اس نے]اس وقت [سے پہلے]اللہ کو [پکارا تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے اور اس کے گھر والوں کو بڑی مصیبت]یعنی سیلاب [سے بچا لیا۔

ایک اور مثال باب 21 الانبیاء، آیت 69 میں ملتی ہے:

ہم نے کہا اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو‘‘۔’’

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک عظیم آگ کی صورت میں بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس کو ٹھنڈا اور پر سکون بنا دیا۔

یہ اور بہت سی مثالیں قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں بیان کی گئی ہیں، تاکہ مسلمان یہ سمجھیں کہ مشکل کا ایک لمحہ آخر کار اللہ کی اطاعت کرنے والوں کے لیے آسانی کا باعث بنتا ہے۔ اس کے احکام کو پورا کرنے سے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے سے۔

لہٰذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ ان اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں تاکہ ان بے شمار صورتوں کا مشاہدہ کیا جا سکے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں کو مشکلات کا سامنا کرنے کے بعد آسانی عطا فرمائی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں کو بڑی مشکلوں سے بچا لیا ہے جن کا ذکر الٰہی تعلیمات میں کیا گیا ہے تو وہ فرمانبردار مسلمانوں کو چھوٹی چھوٹی مشکلات سے بھی بچا سکتا ہے اور بچائے گا۔

خواتین کے لیے بینچ مارک

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹے سے پہاڑ جبل الرومہ پر ٹھہرنے کا حکم دیا جو احد پہاڑ کے سامنے ہے، جنگ کے نتائج سے قطع نظر، یہ سمجھتے تھے کہ جنگ ختم ہوگیا اور کمانڈ کا اطلاق نہیں ہوا۔ جب وہ جبل الرومہ پر اترے تو اس نے مسلم فوج کا پچھلا حصہ کھول دیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی۔ اس مشکل کے دوران کچھ خواتین صحابیات مثلاً عائشہ بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا بھی جنگ کے وقت موجود تھیں اور زخمیوں کا علاج اور سپاہیوں کو پانی پلا رہی تھیں۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 279-280 میں بحث کی گئی ہے۔

ان پاکباز خواتین نے اسلام کی حمایت میں اپنا کردار ادا کیا۔ انہوں نے اپنا موازنہ مردوں سے نہیں کیا اور نہ ہی وہ کرنے کی کوشش کی۔ اس کے بجائے، وہ سمجھتے تھے کہ نیکی کا حصول انسانوں کے کاموں کی نقل کرنے میں نہیں ہے، یہ صرف اپنے کردار اور فرائض کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے۔

قرآن کریم کی درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی ایک اہم تعلیم کی وضاحت فرمائی ہے یعنی سب سے زیادہ عزت والا اور بہترین شخص وہ ہے جس کے پاس سب سے زیادہ تقویٰ ہو۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

’’ اے لوگو ، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے۔ بدقسمتی سے، شیطان نے بہت سی خواتین کو مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی حیثیت پر بحث کرنے کے لیے دھوکہ دیا ہے۔ حالانکہ اسلام نے خواتین کو ایسی عزت عطا کی ہے جو کسی اور ادارے یا ایمان نے کبھی نہیں دی ہے، جیسے کہ عورت کے قدموں کے سنن نسائی نمبر 3106 میں نیچے جنت، جو کہ آخری نعمت ہے، یعنی ماں کو۔ اس کی تصدیق میں موجود ایک اور حدیث میں حضور موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے ۔ جامع ترمذی نمبر 3895 نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ بہترین آدمی وہ ہے جو اپنے ساتھ حسن سلوک کرے۔ بیوی بہترین .اور بھی بے شمار مثالیں ہیں۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ عورتوں کو اپنے آپ کو مردوں سے تشبیہ دینے کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی خواہش نہیں ہے۔ اس کے بجائے عورتوں کو تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اگر وہ اسے حاصل کر لیں تو وہ ہر اس مرد یا عورت سے افضل ہوں گی جو ان سے کم تقویٰ کا مالک ہو۔ یہ وہ معیار ہے جو الگ کرتا ہے کہ کون برتر ہے۔ اور اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ یہ صرف مردوں تک محدود نہیں ہے۔

تاریخ کے اوراق پلٹیں تو وہ عظیم خواتین مسلمان نظر آئیں گی جنہوں نے مرد اور عورت کے فرق پر بحث ومباحثہ کرنے کے بجائے اس اہم کام پر توجہ دی۔ اور اس کے نتیجے میں وہ مردوں اور عورتوں کی اکثریت سے بہتر ہو گئے۔ یہاں تک کہ اگر مسلمان عورتوں کو وہ تمام حقوق مل جائیں جن کا وہ خواب دیکھتی تھیں تب بھی یہ انہیں دوسروں پر اس وقت تک فضیلت نہیں دے سکتی جب تک کہ وہ تقویٰ اختیار نہ کر لیں یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی خبر کو دیکھتا ہے اور جو اپنی مرضی کے مطابق برتاؤ کرتا ہے۔ اور یہ حقیقت اگلے جہان میں واضح ہو جائے گی۔ لہٰذا اگر کوئی مسلمان دوسروں پر برتری حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے تقویٰ کے ساتھ تلاش کرنا چاہیے نہ کہ بحث و تکرار میں۔

مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹے سے پہاڑ جبل الرومہ پر ٹھہرنے کا حکم دیا جو احد پہاڑ کے سامنے ہے، جنگ کے نتائج سے قطع نظر، یہ سمجھتے تھے کہ جنگ ختم ہوگیا اور کمانڈ کا اطلاق نہیں ہوا۔ جب وہ جبل الرومہ پر اترے تو اس نے مسلم فوج کا پچھلا حصہ کھول دیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد احد پہاڑ کی طرف بحفاظت واپس چلے گئے تو ابو سفیان نامی غیر مسلم رہنما نے انہیں پکار کر دریافت کیا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم !سیدنا ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما قتل ہوئے یا نہیں؟ ابو سفیان سمجھ گیا کہ اسلام کا تسلسل ان عظیم ہستیوں پر منحصر ہے۔ ابتدا میں، کسی نے بھی اس کا جواب نہیں دیا جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خاموش رہنے کو کہا تھا۔ لیکن جب ابو سفیان نے اس واقعہ پر فخر کرنا شروع کیا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خاموش نہ رہ سکے اور اسے ڈانٹا۔ ابو سفیان نے پھر انہیں بتایا کہ ان کے سپاہیوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی لاشیں مسخ کر دی ہیں، اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا، لیکن ان کا یہ عمل آپ کو ناگوار نہیں ہوا۔ ابو سفیان نے فخر کیا کہ یہ جنگ بدر کی جنگ کا بدلہ کیسے تھی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ان سے غلطی ہوئی کہ مارے جانے والے غیر مسلم جہنم میں تھے جب کہ شہید ہونے والے صحابہ رضی اللہ عنہ۔ وہ جنت میں تھے۔ روانگی سے پہلے ابو سفیان نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چیلنج کیا کہ اگلے سال بدر میں دوبارہ جنگ کریں، جسے بعد میں قبول کر لیا۔ غیر مسلم فوج کے جانے کے بعد علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو خفیہ معلومات اکٹھی کرنے اور اس بات کا اندازہ لگانے کے لیے بھیجا گیا کہ غیر مسلم فوج مکہ کی طرف جا رہی ہے یا مدینہ پر حملہ کرنے جا رہی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ مدینہ کی طرف روانہ ہوں گے تو وہ وہاں کوچ کریں گے اور ان سے جنگ کریں گے۔ لیکن علی رضی اللہ عنہ کے بعد، انہوں نے صورت حال کا اندازہ لگایا کہ وہ اپنے گھر مکہ جا رہے ہیں۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 281-282 میں بحث کی گئی ہے۔

زندگی میں ایک مسلمان کو ہمیشہ یا تو آسانی کے وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا پھر مشکل کا۔ کوئی بھی شخص کچھ مشکلات کا سامنا کیے بغیر صرف آسانی کے اوقات کا تجربہ نہیں کرتا ہے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اگرچہ تعریف کے اعتبار سے مشکلات کا مقابلہ کرنا مشکل ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت اور بندگی کو حاصل کرنے اور اس کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں لوگ زندگی کے اہم اسباق سیکھتے ہیں جب انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر جب وہ آسانی کے وقت کا سامنا کرتے ہیں۔ اور لوگ اکثر آسانی کے اوقات کے مقابلے مشکل کے وقت کا سامنا کرنے کے بعد بہتر کے لیے بدل جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے صرف اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت اگر کوئی قرآن پاک کا مطالعہ کرے تو وہ سمجھے گا کہ زیر بحث واقعات کی اکثریت مشکلات پر مشتمل ہے۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حقیقی عظمت ہمیشہ آسانی کے اوقات کا تجربہ کرنے میں مضمر نہیں ہے۔ ،درحقیقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے مشکلات کا سامنا کرنا، اس کے احکام کو بجا لانا اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا ہے۔ یہ اس حقیقت سے ثابت ہے کہ اسلامی تعلیمات میں جن بڑی مشکلوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کا خاتمہ ان لوگوں کے لیے حتمی کامیابی پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ لہٰذا ایک مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنے کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ صرف ان کے لیے چمکنے کے لمحات ہیں اور سچی اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں حتمی کامیابی کی کلید ہے۔

یہ سب کچھ قربان کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹے سے پہاڑ جبل الرومہ پر ٹھہرنے کا حکم دیا جو احد پہاڑ کے سامنے ہے، جنگ کے نتائج سے قطع نظر، یہ سمجھتے تھے کہ جنگ ختم ہوگیا اور کمانڈ کا اطلاق نہیں ہوا۔ جب وہ جبل الرومہ پر اترے تو اس نے مسلم فوج کا پچھلا حصہ کھول دیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی اور ان کے جسموں کو غیر مسلموں نے مسخ کر دیا۔ غیر مسلم فوج کے چلے جانے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اپنے گرے ہوئے ساتھیوں کو چیک کرنے کے لیے اترے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی خیریت دریافت کرو۔ آخرکار اس نے اسے فوجیوں کے درمیان پایا، اپنی آخری سانسوں میں، ستر سے زیادہ زخموں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ زید رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سلام پھیر کر ان سے آپ کا حال دریافت کیا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ وہ جنت کی خوشبو کو سونگھ سکتے ہیں۔ ان کے آخری الفاظ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے ایک انتباہی پیغام تھے۔ اس نے ان سے کہا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کے پاس کوئی عذر نہیں ہوگا اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے زندہ ہوتے ہوئے کوئی نقصان پہنچایا جائے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 282-283 میں بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ آج کے مسلمانوں سے ایسی قربانیوں کی توقع نہیں رکھتا اور نہ ہی اس کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس کے بجائے، وہ ان سے توقع کرتا ہے کہ وہ ان کے پاس موجود دنیوی نعمتوں کے حوالے سے چھوٹی قربانیاں دیں۔ باب 3 علی عمران، آیت 92:

”تم اس وقت تک نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔ اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو، یقیناً اللہ اس کو جانتا ہے۔

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ کوئی شخص سچا مومن نہیں ہو سکتا، یعنی وہ اپنے ایمان میں نقص رکھتا ہے، جب تک کہ وہ اپنی پسند کی چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ اگرچہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ اس آیت کا اطلاق دولت پر ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس کا مطلب بہت زیادہ ہے۔ اس میں ہر وہ نعمت شامل ہے جسے ایک مسلمان پسند اور پسند کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، مسلمان اپنے قیمتی وقت کو ان چیزوں پر صرف کرنے میں خوش ہوتے ہیں جو انہیں خوش کرتی ہیں۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ان فرضی فرائض سے ہٹ کر وقت دینے سے انکار کرتے ہیں جو ایک دن میں بمشکل ایک یا دو گھنٹے لگتے ہیں۔ لاتعداد مسلمان ابھی تک مختلف خوشگوار سرگرمیوں میں اپنی جسمانی طاقت کو وقف کرنے پر خوش ہیں، ان میں سے بہت سے لوگ اسے ان چیزوں کے لیے وقف کرنے سے انکار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتی ہیں، جیسے کہ رضاکارانہ روزہ۔ عام طور پر لوگ ان چیزوں میں کوشش کرنے میں خوش ہوتے ہیں جن کی وہ خواہش رکھتے ہیں جیسے کہ ضرورت سے زیادہ دولت حاصل کرنا جس کی انہیں ضرورت نہیں ہے خواہ اس کا مطلب یہ ہو کہ انہیں اوور ٹائم کرنا پڑے اور اپنی نیندیں ترک کرنی پڑیں پھر بھی کتنے لوگ اس راہ میں اللہ کی اطاعت میں کوشش کرتے ہیں۔ اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے باز رہنے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے سے سربلند؟ کتنے لوگ نماز ادا کرنے کے لیے اپنی قیمتی نیند ترک کر دیتے ہیں؟

یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان ابھی تک حلال دنیاوی اور دینی نعمتوں کے خواہاں ہیں، ایک سادہ سی حقیقت کو نظر انداز کرتے ہیں۔ کہ یہ چیزیں انہیں تب ہی حاصل ہوں گی جب وہ اپنے پاس موجود نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کریں گے۔ وہ کیسے کم سے کم چیزیں اس کے لیے وقف کر سکتے ہیں اور پھر بھی اپنے تمام خوابوں کو حاصل کرنے کی توقع رکھتے ہیں؟ یہ رویہ واقعی عجیب ہے۔

ایمان کی پکار پر لبیک کہنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹے سے پہاڑ جبل الرومہ پر ٹھہرنے کا حکم دیا جو احد پہاڑ کے سامنے ہے، جنگ کے نتائج سے قطع نظر، یہ سمجھتے تھے کہ جنگ ختم ہوگیا اور کمانڈ کا اطلاق نہیں ہوا۔ جب وہ جبل الرومہ پر اترے تو اس نے مسلم فوج کا پچھلا حصہ کھول دیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی اور ان کے جسموں کو غیر مسلموں نے مسخ کر دیا۔ غیر مسلم فوج کے چلے جانے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اپنے گرے ہوئے ساتھیوں کو چیک کرنے کے لیے اترے۔ صحابہ کرام کو حنظلہ ابن ابو عامر رضی اللہ عنہ کی لاش نہ مل سکی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے مقام کے بارے میں بتایا اور یہ بھی بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لاش کو غسل دیا تھا۔ فرشتے عام طور پر شہید کے جسد خاکی کو تدفین سے پہلے غسل نہیں دیا جاتا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اپنی بیوی سے اس کا حال پوچھو۔ مدینہ واپس آنے کے بعد، انہوں نے ان کی بیوی سے پوچھا، جس نے انہیں بتایا کہ حنظلہ رضی اللہ عنہ نے ابھی ابھی اس سے شادی کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے سے پہلے اس سے ڈرایا دھمکایا تھا۔ جنگ احد کے سپاہی۔ اگرچہ اس پر غسل کرنا واجب تھا لیکن ایسا کرنے سے وہ سپاہیوں میں شامل ہونے اور کال کا فوراً جواب دینے سے محروم رہ جاتا۔ چنانچہ اس نے اپنے غسل میں تاخیر کی اور سپاہیوں میں شامل ہو کر احد کی طرف کوچ کیا جہاں وہ شہید ہو گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی اطاعت کے نتیجے میں فرشتوں نے آپ کی تدفین سے پہلے آپ کے جسم کو غسل دیا۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 284-285 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو وقت ختم ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کی طرف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پکار پر لبیک کہنا چاہیے۔

صور پھونکا مخلوق کی موت کا باعث بنے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 7381 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ جاننے کی اہم بات یہ ہے کہ یہ ایک ایسی اذان ہے جس کا جواب نہ کوئی دے سکتا ہے اور نہ ہی رد کرے گا۔ یہ قیامت اور آخری فیصلے کی طرف لے جائے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پکار پر لبیک کہنے کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے، اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لاتے ہوئے، اس کی ممنوعات سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتے ہوئے خلوص نیت سے اطاعت کریں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق۔ باب 8 انفال، آیت 24:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ اور رسول کی بات مانو جب وہ تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشتی ہے۔"

جو بھی اس دنیا میں اس پکار کا جواب دے گا وہ آخری پکار کو برداشت کرنے اور اس کا جواب دینے میں آسان پائے گا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی پکار سے غافل رہنے والے کو اس دنیا میں سکون نہیں ملے گا اور وہ صور کی پکار پر لبیک کہنے پر مجبور ہوں گے جو ان کے لیے برداشت کرنا اور اس پر لبیک کہنا بہت بڑا بوجھ ہوگا۔ .ایک شخص اللہ تعالیٰ کی پکار کو صرف اس وقت تک نظر انداز کر سکتا ہے جب تک کہ آخری دعوت جلد یا بدیر واقع ہو گی اور کوئی بھی اس سے بچنے یا نظر انداز نہیں کر سکے گا۔ اگر یہ ناگزیر ہے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ کوئی غفلت میں رہنے کے بجائے آج ہی اس کا جواب دے۔ اگر کوئی صور پھونکنے کی آواز سنتا ہے اور غافل ہوتا ہے تو کوئی عمل یا پشیمانی اس کو فائدہ نہیں دے گی اور اس کے بعد جو کچھ آئے گا وہ اس سے بھی زیادہ خوفناک ہوگا۔

تھوڑے سے بہت کچھ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹے سے پہاڑ جبل الرومہ پر ٹھہرنے کا حکم دیا جو احد پہاڑ کے سامنے ہے، جنگ کے نتائج سے قطع نظر، یہ سمجھتے تھے کہ جنگ ختم ہوگیا اور کمانڈ کا اطلاق نہیں ہوا۔ جب وہ جبل الرومہ پر اترے تو اس نے مسلم فوج کا پچھلا حصہ کھول دیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی اور ان کے جسموں کو غیر مسلموں نے مسخ کر دیا۔ غیر مسلم فوج کے چلے جانے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اپنے گرے ہوئے ساتھیوں کو چیک کرنے کے لیے اترے۔ انہوں نے اسیرم عمرو بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اپنی آخری سانسوں میں پایا۔ وہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئے کیونکہ وہ مدینہ میں رہنے والے چند مشرکوں میں سے تھے جنہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ درحقیقت جب وہ مدینہ کے سفر سے واپس آیا تو اسے خالی خالی پایا۔ جب اس نے وہاں کے لوگوں سے سوال کیا تو اسے بتایا گیا کہ انہوں نے مکہ کے غیر مسلموں کے خلاف جنگ کے لیے احد کی طرف کوچ کیا تھا۔ اس مقام پر اس نے اسلام قبول کیا اور احد کی طرف روانہ ہوئے جہاں اس نے غیر مسلموں کے خلاف سخت جنگ کی یہاں تک کہ وہ جان لیوا زخمی ہوگئے۔ آپ نے اپنی آخری سانسوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ آپ نے اسلام قبول کیا اور پھر وفات پائی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی تصدیق کی کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں اور فرمایا کہ انہوں نے تھوڑے سے کام سے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنا قصہ بیان کرتے اور مزید کہتے کہ یہ وہ شخص تھا جو ایک نماز ادا کیے بغیر جنت میں داخل ہوا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1150-1151 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ باب 47 محمد، آیت 7 سے مربوط ہے :

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ کا ساتھ دو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمائے گا۔"

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اسلام کی مدد کرے گا تو اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کی مدد کرے گا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ لاتعداد لوگ اللہ تعالیٰ کی مدد کے خواہاں ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے اس آیت کے پہلے حصے کو پورا نہیں کرتے۔ .اکثر لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ان کے پاس اعمال صالحہ کے لیے وقت نہیں ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے خواہاں ہیں، پھر بھی ان کاموں کے لیے وقت نہیں نکالیں گے جن سے وہ خوش ہے۔ کیا اس کی کوئی منطق ہے؟ جو لوگ فریضہ ادا نہیں کرتے اور پھر ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ سے مدد کی امید رکھتے ہیں وہ بالکل بے وقوف ہیں۔ اور جو لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں لیکن ان سے آگے جانے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ انہیں ملنے والی امداد محدود ہے۔ کس طرح برتاؤ کیا جاتا ہے اس کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے۔ جتنا زیادہ وقت اور توانائی اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوگی، انہیں اتنی ہی زیادہ مدد ملے گی۔ یہ واقعی اتنا آسان ہے۔

،ایک مسلمان کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ زیادہ تر واجبات، جیسے کہ پانچ وقت کی نمازیں صرف ایک دن میں تھوڑا سا وقت لیتی ہیں۔ ایک مسلمان یہ توقع نہیں کر سکتا کہ وہ دن میں بمشکل ایک گھنٹہ فرض نماز کی ادائیگی کے لیے وقف کرے اور پھر باقی دن اللہ تعالیٰ سے غافل رہے اور پھر بھی تمام مشکلات میں اس سے مسلسل مدد کی امید رکھے۔ ایک شخص اس دوست کو ناپسند کرے گا جو اس کے ساتھ ایسا سلوک کرے۔ تو پھر اللہ رب العالمین کے ساتھ ایسا سلوک کیسے ہو سکتا ہے؟

کچھ لوگ صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اضافی وقت صرف کرتے ہیں، جب انہیں کوئی دنیوی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو اس سے اس کو حل کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ایک احسان رضاکارانہ طور پر کیا ہے۔ یہ احمقانہ ذہنیت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی بندگی کے خلاف ہے۔ یہ حیرت انگیز ہے کہ اس قسم کے لوگ اپنی تمام تفریحی سرگرمیاں، جیسے کہ خاندان اور دوستوں کے ساتھ وقت گزارنے، ٹی وی دیکھنا اور سماجی تقریبات میں شرکت کے لیے کیسے وقت نکالتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ وہ قرآن پاک کی تلاوت

اور اس کی تعلیمات کو اپنانے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطالعہ اور ان پر عمل کرنے کا وقت نظر نہیں آتا۔ یہ لوگ کسی نہ کسی طرح اپنی غیر ضروری آسائشوں پر خرچ کرنے کے لیے دولت تلاش کرتے ہیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ انہیں رضاکارانہ خیرات میں دینے کے لیے کوئی دولت نہیں ملتی۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ اس کے برتاؤ کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اضافی وقت لگاتا ہے، تو اسے وہ سہارا مل جائے گا جس کی انہیں تمام مشکلات سے باحفاظت سفر کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر وہ واجبات کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کوئی دوسرا وقت صرف کیے بغیر صرف ان کو پورا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ایسا ہی جواب ملے گا۔ سیدھے الفاظ میں، جتنا زیادہ دیتا ہے، وہ اتنا ہی زیادہ وصول کرے گا۔ اگر کوئی زیادہ نہیں دیتا تو اسے بدلے میں زیادہ امید نہیں رکھنی چاہئے۔

جنگ احد کے بعد

غصے پر حکم

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹے سے پہاڑ جبل الرومہ پر ٹھہرنے کا حکم دیا جو احد پہاڑ کے سامنے ہے، جنگ کے نتائج سے قطع نظر، یہ سمجھتے تھے کہ جنگ ختم ہوگیا اور کمانڈ کا اطلاق نہیں ہوا۔ جب وہ جبل الرومہ پر اترے تو اس نے مسلم فوج کا پچھلا حصہ کھول دیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی اور ان کے جسموں کو غیر مسلموں نے مسخ کر دیا۔ غیر مسلم فوج کے چلے جانے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اپنے گرے ہوئے ساتھیوں کو چیک کرنے کے لیے اترے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسخ شدہ لاشوں کو دیکھا، خاص طور پر اپنے چچا حمزہ ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی لاش کو دیکھا تو آپ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میں مسخ کرکے بدلہ لوں گا۔ اگلی بار جب غیر مسلموں نے ان پر فتح حاصل کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اسی طرح کی باتیں کیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں سورہ النحل آیت 126 نازل فرمائی:

"اگر تم بدلہ لیتے ہو تو اسے اس کے برابر سمجھو جو تم نے برداشت کیا ہے۔ لیکن اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔''

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا تبصرہ واپس لے لیا اور ہمیشہ واضح طور پر ہر فوج کو دشمن کے سپاہیوں کو مسخ کرنے سے منع فرمایا۔ اس پر امام محمد السلّابی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی، جلد 1، صفحہ 1160-1161 میں بحث کی گئی ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رد عمل اس حقیقت کو بڑھاتا ہے کہ وہ ایک انسان ہیں نہ کہ کوئی فرشتہ صفت۔ اس خصوصیت کو قرآن پاک میں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی میں متعدد بار اجاگر کیا گیا ہے، تاکہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رشتہ جوڑ سکیں، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محسوس کیا، جیسا کہ وہ محسوس کرتے ہیں، آپ نے جو تجربہ کیا، اس طرح کا تجربہ کیا۔ غصے کے طور پر .باب 18 الکہف، آیت 110:

’’...کہہ دو کہ میں تم جیسا ایک آدمی ہوں جس پر وحی کی گئی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے‘‘

ایک رول ماڈل جس سے لوگ تعلق نہیں رکھ سکتے وہ اچھا رول ماڈل نہیں ہے۔ وہ کامل رول ماڈل ہے کیونکہ وہ انسان ہے اور وہ محسوس کرتا ہے جو دوسرے تمام انسان محسوس کرتے ہیں پھر بھی اسلام اور اعلیٰ کردار کی حدود میں خود کو کنٹرول کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ واقعہ غصے پر قابو پانے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6116 کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو غصہ نہ کرنے کی نصیحت کی۔

درحقیقت اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی کبھی غصہ نہ کرے کیونکہ غصہ ایک فطری صفت ہے جو کہ انبیاء کرام علیہم السلام میں بھی پائی جاتی ہے۔ درحقیقت، بعض غیر معمولی معاملات میں غصہ مفید ہو سکتا ہے، مثال کے طور پر، اپنے دفاع میں۔ اس حدیث کا اصل مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے غصے کو قابو میں رکھے تاکہ یہ اسے گناہوں کی طرف نہ لے جائے۔ اس کے علاوہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غصہ بہت سی برائیوں کو جنم دیتا ہے اور اس پر قابو رکھنا بہت سی بھلائیوں کا باعث بنتا ہے۔

سب سے پہلے یہ نصیحت ان تمام اچھی خصوصیات کو اپنانے کا حکم ہے جو غصے پر قابو پانے کی ترغیب دیں، جیسے صبر۔ یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ آدمی اپنے غصے کے مطابق کام نہ کرے۔ اس کے بجائے، انہیں اس پر قابو پانے کے لئے اپنے آپ سے جدوجہد کرنی چاہئے تاکہ یہ انہیں گناہوں کی طرف نہ لے جائے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے غصے پر قابو پانا ایک عظیم عمل ہے اور محبت الٰہی کی طرف لے جاتا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 134:

"جو غصے کو روکتے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔

اسلام کے اندر بہت سی تعلیمات ہیں جو مسلمانوں کو اپنے غصے پر قابو پانے کی ترغیب دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر، جیسا کہ غصہ شیطان سے منسلک اور متاثر ہوتا ہے، صحیح بخاری نمبر 3282 میں ایک حدیث پائی جاتی ہے، جس میں مشورہ دیا گیا ہے کہ غصے والے شخص کو شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔

جامع ترمذی نمبر 2191 میں موجود حدیث میں ناراض مسلمان کو زمین سے چمٹنے کی تلقین کی گئی ہے، اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جب تک وہ پرسکون نہ ہو جائیں زمین پر سجدہ کریں۔ درحقیقت جتنا زیادہ کوئی غیر فعال جسمانی پوزیشن لیتا ہے، اتنا ہی کم موقع ہوتا ہے کہ وہ غصے میں مارے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4782 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس نصیحت پر عمل کرنے سے انسان اپنے غصے کو اپنے اندر قید کر لیتا ہے یہاں تک کہ وہ گزر جاتا ہے تاکہ دوسروں پر اس کا منفی اثر نہ پڑے۔

ایک مسلمان جو غصے میں ہو اسے سنن ابو داؤد نمبر 4784 میں موجود حدیث میں دی گئی نصیحت پر عمل کرنا چاہیے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناراض مسلمان کو وضو کرنے کی نصیحت کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی غصے کی فطری خصوصیت یعنی گرمی کا مقابلہ کرتا ہے۔ اگر کوئی اس کے بعد نماز پڑھتا ہے تو اس سے انہیں اپنے غصے پر مزید قابو پانے میں مدد ملے گی اور ایک عظیم اجر ملے گا۔

اب تک زیر بحث مشورے سے ناراض مسلمان کو اپنی جسمانی حرکات پر قابو پانے میں مدد ملتی ہے۔ اپنی بات پر قابو پانے کے لیے غصے کی حالت میں بولنے سے گریز کرنا ہی بہتر ہے۔ بدقسمتی سے، الفاظ اکثر جسمانی اعمال کے مقابلے میں دوسروں پر زیادہ دیرپا اثر ڈال سکتے ہیں۔ غصے میں کہے گئے الفاظ کی وجہ سے لاتعداد رشتے ٹوٹ چکے ہیں اور ٹوٹ چکے ہیں۔ یہ رویہ اکثر دوسرے گناہوں اور جرائم کی طرف بھی جاتا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے سنن ابن ماجہ نمبر 3970 میں موجود حدیث کو نوٹ کرنا ضروری ہے جس میں متنبہ کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن کسی شخص کو جہنم میں ڈالنے کے لیے صرف ایک برے لفظ کی ضرورت ہے۔

غصے پر قابو پانا ایک بہت بڑی نیکی ہے اور اس پر قابو پانے والے کو صحیح بخاری نمبر 6114 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مضبوط انسان قرار دیا ہے۔ درحقیقت، نگلنے والا اللہ تعالیٰ کے لیے ان کا غصہ، یعنی وہ اپنے غصے کی وجہ سے کوئی گناہ نہیں کرتے ان کا دل سکون اور سچے ایمان سے بھر جائے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4778 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ صحیح دل کی ایک خصوصیت ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔ یہ واحد دل ہے جسے قیامت کے دن حفاظت ملے گی۔ باب 26 اشعرا، آیات 88 اور 89:

جس دن مال اور اولاد کسی کے کام نہ آئے گی۔ لیکن صرف وہی جو اللہ کے پاس سچے دل کے ساتھ’’
"آتا ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، حد کے اندر غصہ مفید ہو سکتا ہے۔ اسے اپنے نفس، ایمان اور مال کو پہنچنے والے نقصان کو دور کرنے کے لیے استعمال کیا جانا چاہیے جو کہ اگر صحیح طریقے سے کیا جائے تو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ کے غضب میں شمار ہوتا ہے۔ یہ حال تھا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو اپنی خواہشات کی خاطر کبھی ناراض نہیں ہوئے۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ناراض ہوا، جس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6050 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت قرآن پاک تھی، جو صحیح مسلم نمبر 1739 میں ایک حدیث میں نصیحت کی گئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اس پر راضی ہو گا جس سے وہ راضی ہو گا اور جس سے ناراض ہو گا اس پر ناراض ہو گا۔

غور طلب ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے غصہ کرنا قابل تعریف ہے لیکن اگر یہ غصہ حد سے بڑھ جائے تو وہ قابلِ ملامت ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے غصے پر قابو رکھنا انتہائی ضروری ہے خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر غصہ میں ہی کیوں نہ ہو۔ سنن ابو داؤد نمبر 4901 میں موجود ایک حدیث ایک ایسے نمازی کو خبردار کرتی ہے جو غصے میں اللہ تعالیٰ کا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ کسی خاص گنہگار کو معاف نہیں کرے گا۔ اس کے نتیجے میں اس نمازی کو جہنم میں بھیج دیا جائے گا جبکہ گناہ گار کو قیامت کے دن معاف کر دیا جائے گا۔

برائی کی ابتداء چار چیزوں سے ہوتی ہے :خواہش پر قابو نہ پانا، خوف، بُری بھوک اور غصہ۔ لہٰذا جو شخص اس حدیث کی نصیحت کو قبول کرے گا اس کے کردار اور زندگی سے ایک چوتھائی برائی دور ہو جائے گی۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، مسلمانوں کے لیے اپنے غصے کو قابو میں رکھنا بہت ضروری ہے، اس لیے یہ ان کے لیے ایسی حرکت یا بات کرنے کا سبب نہ بنے جس سے انھیں دنیا اور آخرت دونوں میں بڑی پشیمانی کا سامنا کرنا پڑے۔

ایک عہد پورا ہوا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹے سے پہاڑ جبل الرومہ پر ٹھہرنے کا حکم دیا جو احد پہاڑ کے سامنے ہے، جنگ کے نتائج سے قطع نظر، یہ سمجھتے تھے کہ جنگ ختم ہوگیا اور کمانڈ کا اطلاق نہیں ہوا۔ جب وہ جبل الرومہ پر اترے تو اس نے مسلم فوج کا پچھلا حصہ کھول دیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی اور ان کے جسموں کو غیر مسلموں نے مسخ کر دیا۔ جنگ ختم ہونے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اپنے شہید ہونے والے ساتھیوں کو دفن کرنا شروع کر دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شہید صحابی مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور آپ نے باب 33 الاحزاب آیت 23 کی تلاوت فرمائی:

”مومنوں میں سے وہ لوگ ہیں جو اللہ سے کیے ہوئے وعدے کے سچے ہیں۔ ان میں وہ ہے جس نے اپنی نذر پوری کی اور ان میں وہ ہے جو انتظار کر رہا ہے۔ اور انہوں نے کسی تبدیلی کے ذریعے]اپنے عہد کی شرائط [کو تبدیل نہیں کیا۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 62 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ قرآن مجید کی سورۃ الاعراف آیت نمبر 172 سے مربوط ہے:

اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے رب نے بنی آدم سے ان کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا” اور ان کو اپنے اوپر گواہ کر کے کہا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں ہم نے گواہی دی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم قیامت کے دن یہ کہو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔

تمام انسانوں کو اس لیے پیدا کیا گیا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر سکیں۔ اس واقعہ کے پیچھے سمجھنے کا سبق یہ ہے کہ تمام لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان لیا۔ یعنی جس نے ان کو پیدا کیا، وہی ان کو پالے گا اور وہی جو قیامت کے دن ان کے اعمال کا فیصلہ کرے گا۔ تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممنوعات سے اجتناب کرتے ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اس عہد کو پورا کریں۔ .

،یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے یہ نہیں پوچھا کہ کیا وہ اس کے بندے ہیں بلکہ ان سے پوچھا کہ کیا وہ ان کا رب ہے؟ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہمیشہ انسان کی مرضی اور خواہش کے سامنے آنی چاہیے۔ اگر کسی مسلمان کے پاس اللہ تعالیٰ یا کسی اور کو راضی کرنے کا انتخاب ہے تو یہ عہد انہیں یاد دلائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے پہلے ہونی چاہیے۔

یہ سوال بھی اللہ تعالیٰ کی لامحدود رحمت کی طرف اشارہ ہے، جیسا کہ اس نے مخلوق کے لیے اس کا جواب لفظی طور پر بیان کیا۔ اس سے مسلمانوں کو ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی رب ہے جو ان کے اعمال کا فیصلہ کرے گا، وہ بے حد مہربان بھی ہے۔

اس عہد کا اثر تمام بنی نوع انسان کے دلوں میں گہرا ہے۔ درحقیقت یہی وہ نوعیت ہے جس کی طرف صحیح مسلم نمبر 6755 میں موجود حدیث میں وارد ہوا ہے، اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے سے ذہن سازی کرنے کے بعد حق کی تلاش نہ کریں اور پھر ثبوت تلاش کریں۔ جو ان کے پہلے سے طے شدہ عقیدے کی تائید کرتا ہے۔ صرف وہی لوگ جو پہلے سے طے شدہ فیصلہ کیے بغیر اپنے دماغ کو کھولتے ہیں وہ اس عہد کو کھولیں گے جو ان کے دلوں کی گہرائیوں میں سرایت کر گیا ہے۔ درحقیقت، کھلے ذہن کا ہونا نہ صرف

ایمان کے معاملات میں تمام مسائل میں اہم ہے کیونکہ یہ سچائی اور بہترین راستہ تلاش کرنے میں مدد کرتا ہے۔ یہ رویہ معاشرے کو مضبوط کرتا ہے اور ہمیشہ لوگوں کے درمیان امن کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ لیکن ان لوگوں کی ضد جو اپنے انتخاب کا پہلے سے تعین کرتے ہیں ہمیشہ معاشرے کے ممبروں کے درمیان پچر پیدا کرے گا جو قومی سطح پر لوگوں کو متاثر کر سکتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ یہ نہ مانیں کہ وہ دنیاوی معاملات میں درست ہیں ورنہ وہ یہ ضدی رویہ اپنائیں گے۔ یہ انہیں دوسروں کی رائے کو قبول کرنے سے روکے گا جس سے جھگڑے، دشمنی اور رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ اس لیے اس رویہ سے ہر صورت گریز کرنا چاہیے۔

آخر میں یہ حقیقت کہ یہ عہد ایک شخص کے دل کی گہرائیوں میں پیوست ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر اس کا پردہ فاش کرنا فرض ہے۔ یہ ایمان کے یقین کی طرف لے جائے گا جو کہ سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر ایمان سے کہیں زیادہ مضبوط ہے، جسے کسی کے گھر والوں کی طرف سے بتایا جاتا ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔ یقین کا یقین مسلمان کو اس دنیا میں اپنے دینی اور دنیاوی فرائض کی ادائیگی کے ساتھ کامیابی کے ساتھ تمام مشکلات پر قابو پانے کی اجازت دیتا ہے۔ ایک شخص صرف اپنے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے امتحان اور اپنے فرائض میں ناکام ہوتا ہے۔ ایمان کا یقین صرف قرآن کریم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے اندر موجود علم کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53:

ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ’’ یہ حق ہے‘‘۔

ٹیسٹ کو چھوٹا بنانا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ بہت سے صحابہ کو شہید کیا گیا اور ان کی لاشوں کو غیر مسلموں نے مسخ کیا جن میں مصعب بن عمیر اور حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس اونی چادر کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ تدفین کے دوران جب آپ کے سر کو چادر سے ڈھانپ دیا گیا تو ان کے پاؤں ننگے تھے اور جب آپ کے پاؤں اونی چادر سے ڈھانپے گئے تو ان کا سر کھلا چھوڑ دیا گیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کے سر کو اونی چادر سے ڈھانپ لیا جائے اور پاؤں کو ڈھانپنے کے لیے گھاس کا استعمال کیا جائے۔ حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب حیاتِ نبوی جلد 3 صفحہ 46 اور امام صفی الرحمن کی کتاب مہربند نیکٹر صفحہ 285 میں بحث کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ اس جنگ کے دوران حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا۔ وحشی بن حرب ایک غیر مسلم جبیر بن مطعم کا غلام تھا۔ جبیر نے جنگ احد میں حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے پر وحشی کو آزاد کرنے کا وعدہ کیا۔ جنگ کے دوران وحشی نے حمزہ رضی اللہ عنہ پر چپکے سے حملہ کیا اور دور سے ان پر ایک نیزہ برسایا جس سے ان کے پیٹ میں سوراخ ہو گیا اور آخرکار اسے قتل کر دیا۔ اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب مہربند نیکٹر صفحہ 261 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے ان مشکلات پر قابو پانے کا مطالبہ نہیں کرتا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے برداشت کیں۔ مثال کے طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اہل و عیال، گھر، کاروبار حتیٰ کہ جانیں بھی اللہ کی رضا کے لیے قربان کر دیں۔

اس کے مقابلے میں مسلمانوں کو اس وقت جن مشکلات کا سامنا ہے وہ اتنا مشکل نہیں جتنا کہ صالح پیشروؤں کو درپیش تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کو شکر گزار ہونا چاہیے کہ ان سے صرف چند چھوٹی قربانیاں کرنے کی ضرورت ہے، جیسے فرض فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے کچھ نیند کی قربانی اور فرض صدقہ کرنے کے لیے کچھ مال۔ اللہ تعالیٰ ان کو یہ حکم نہیں دے رہا ہے کہ وہ اپنے گھر اور اہل و عیال کو اس کی خاطر چھوڑ دیں۔ اس شکر کو عملی طور پر ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے ظاہر کیا جانا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ، جب کسی مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے ان مشکلات کو یاد رکھنا چاہیے جو نیک پیشروؤں کو پیش آئیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی سے ان پر کیسے قابو پایا، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ علم ایک مسلمان کو اپنی مشکلات پر قابو پانے کی طاقت فراہم کر سکتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ صالح پیش رو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب تھے، پھر بھی انہوں نے صبر کے ساتھ زیادہ سخت مشکلات کو برداشت کیا۔ درحقیقت سنن ابن ماجہ نمبر 4023 میں موجود ایک حدیث اس بات کی نصیحت کرتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے سخت ترین امتحانات کو برداشت کیا اور وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

اگر کوئی مسلمان نیک پیشروؤں کی ثابت قدمی کی پیروی کرتا ہے تو امید ہے کہ وہ آخرت میں ان کے ساتھ ہو گا۔

قرآنی علم

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹے سے پہاڑ جبل الرومہ پر ٹھہرنے کا حکم دیا جو احد پہاڑ کے سامنے ہے، جنگ کے نتائج سے قطع نظر، یہ سمجھتے تھے کہ جنگ ختم ہوگیا اور کمانڈ کا اطلاق نہیں ہوا۔ جب وہ جبل الرومہ پر اترے تو اس نے مسلم فوج کا پچھلا حصہ کھول دیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی اور ان کے جسموں کو غیر مسلموں نے مسخ کر دیا۔ جنگ ختم ہونے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اپنے شہید ہونے والے ساتھیوں کو دفن کرنا شروع کر دیا۔ محدود سامان کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک کپڑا دو شہید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ڈال دیتے تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ جس کے پاس قرآن پاک کا زیادہ علم ہو اسے پہلے قبر میں رکھا جائے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 56-57 میں بحث ہوئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 1343 میں موجود حدیث میں درج ہے۔

یہ واقعہ قرآن کریم کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ امام منذری کی بیداری اور اندیشہ نمبر 30 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قرآن کریم قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس پر عمل کرتے ہیں انہیں قیامت کے دن جنت میں لے جایا جائے گا۔ لیکن جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس کو نظرانداز کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ یہ انہیں قیامت کے دن جہنم میں دھکیل دے گا۔

قرآن پاک ہدایت کی کتاب ہے۔ یہ محض تلاوت کی کتاب نہیں ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کے تمام پہلوؤں کو پورا کرنے کی کوشش کریں تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ پہلا پہلو اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا پہلو اسے سمجھنا ہے۔ اور آخری پہلو یہ ہے کہ اس کی تعلیمات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کیا جائے۔ ایسا سلوک کرنے والوں کو دنیا کی ہر مشکل سے

راہنمائی اور قیامت کے دن اس کی شفاعت کی بشارت دی جاتی ہے۔ لیکن جیسا کہ اس حدیث سے متنبہ کیا گیا ہے کہ قرآن کریم صرف ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اس کے پہلوؤں پر صحیح طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس کی غلط تشریح کرتے ہیں اور دنیاوی چیزوں مثلاً شہرت حاصل کرنے کے لیے اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرتے ہیں، وہ قیامت کے دن اس صحیح ہدایت اور اس کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔ درحقیقت دونوں جہانوں میں ان کا مکمل نقصان اس وقت تک بڑھے گا جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

”اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔“

مثبت رویہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹے سے پہاڑ جبل الرومہ پر ٹھہرنے کا حکم دیا جو احد پہاڑ کے سامنے ہے، جنگ کے نتائج سے قطع نظر، یہ سمجھتے تھے کہ جنگ ختم ہوگیا اور کمانڈ کا اطلاق نہیں ہوا۔ جب وہ جبل الرومہ پر اترے تو اس نے مسلم فوج کا پچھلا حصہ کھول دیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی اور ان کے جسموں کو غیر مسلموں نے مسخ کر دیا۔ جب فوج مدینہ واپس آئی تو ایک عورت کو بتایا گیا کہ اس کا شوہر، باپ اور بھائی احد میں شہید ہو چکے ہیں۔ اس کا جواب صرف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیریت کے بارے میں تھا۔ جب اسے بتایا گیا کہ وہ زندہ ہے تو اس نے اصرار کیا کہ وہ اسے اپنے پاس لے جائیں تاکہ وہ خود دیکھ سکے۔ جب انہوں نے یہ کیا، تو اس نے تبصرہ کیا کہ جب تک وہ محفوظ تھا تمام بدقسمتی کچھ بھی نہیں تھی۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 287 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ مثبت سوچ اپنائیں کیونکہ یہ مشکلات سے نمٹنے کے لیے ان کی مدد کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہیں۔ جب بھی کسی شخص کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے ہمیشہ ایک سچائی کو سمجھنا چاہیے کہ مشکل اس سے کہیں زیادہ خراب ہو سکتی تھی۔ اگر یہ دنیاوی مسئلہ تھا تو انہیں شکر گزار ہونا چاہئے کہ یہ ان کے ایمان کو متاثر کرنے والی مصیبت نہیں تھی۔ مشکل کے ساتھ آنے والے فوری غم پر غور کرنے کے بجائے انہیں انجام اور اس انعام پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صبر کا مظاہرہ کرنے والوں کے لیے منتظر ہے۔ جب کوئی شخص چند نعمتوں سے محروم ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ ان گنت نعمتوں کا ذکر کرے جو اس کے پاس موجود ہیں۔ ہر مشکل میں ایک مسلمان کو قرآن کریم کی آیت یاد رکھنی چاہیے جو مسلمانوں کو یاد دلاتی ہے کہ مشکلات اور آزمائشوں میں بہت سی پوشیدہ حکمتیں ہیں جن کا اس نے مشاہدہ نہیں کیا۔ لہٰذا وہ جس صورتحال کا سامنا کر رہے ہیں وہ اس صورتحال سے بہتر ہے جس کی ان کی خواہش تھی۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

آخر میں، ایک مسلمان کو ان حقائق اور دیگر چیزوں پر غور کرنا چاہیے تاکہ وہ ایک مثبت سوچ اپنائے جو مشکلات سے اس طرح نمٹنے کے لیے کلیدی عنصر ہے جو دونوں جہانوں میں بے شمار نعمتوں کا باعث ہے۔ یاد رکھیں، کپ آدھا خالی نہیں ہے بلکہ آدھا بھرا ہوا ہے۔

جب دوسرے روانہ ہوتے ہیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹے سے پہاڑ جبل الرومہ پر ٹھہرنے کا حکم دیا جو احد پہاڑ کے سامنے ہے، جنگ کے نتائج سے قطع نظر، یہ سمجھتے تھے کہ جنگ ختم ہوگیا اور کمانڈ کا اطلاق نہیں ہوا۔ جب وہ جبل الرومہ پر اترے تو اس نے مسلم فوج کا پچھلا حصہ کھول دیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی اور ان کے جسموں کو غیر مسلموں نے مسخ کر دیا۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے غم کو دیکھ کر، جن کے والد غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ کہہ کر خوش کیا کہ اللہ عزوجل۔ ، صرف ایک شخص سے اسکرین کے پیچھے سے بات کی تھی، جبکہ اس نے اپنے والد سے آمنے سامنے بات کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے والد سے کہا کہ وہ مجھ سے کچھ مانگیں۔ ان کے والد عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ دنیا میں واپس آکر اس کی راہ میں جہاد کروں اور دوبارہ قتل کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے پھر اسے یاد دلایا کہ اس نے پہلے ہی فیصلہ کر دیا تھا کہ ان کے مرنے کے بعد زمین پر کوئی واپس نہیں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بجائے باب 3 علی عمران آیت 169 نازل فرما کر لوگوں :کو اپنے والد کی حالت اور دیگر شہداء کی حالت سے آگاہ کیا

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں کبھی مردہ نہ سمجھو۔ بلکہ وہ اپنے رب کے پاس’’ "زندہ ہیں، رزق پا رہے ہیں۔

اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 61 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، یہ واقعہ لوگوں کے نقصان سے مثبت طور پر نمٹنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

ہر روز لوگ اپنے پیاروں کو کھو دیتے ہیں۔ یہ ایک ناگزیر نتیجہ ہے۔ ایک مسلمان بہت سی چیزوں کو یاد رکھ سکتا ہے اور ان پر عمل کر سکتا ہے جو اس مشکل میں اس کی مدد کر سکتی ہیں۔ ایک بات یہ ہے کہ حالات کا مثبت انداز میں مشاہدہ کیا جائے۔ یعنی جو کچھ کھویا ہے اس پر غمگین ہونے کے بجائے انہیں ان اچھی چیزوں پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جو اس نے جانے والے کے ذریعے حاصل کی ہیں، جیسے کہ ان کی اچھی نصیحت اور رہنمائی۔ جب کوئی اس پر غور کرے گا تو وہ سمجھے گا کہ اس شخص کو کھونے سے پہلے اسے بالکل نہ جاننے کے بجائے اسے جان لینا بہتر تھا۔ یہ بیان سے ملتا جلتا ہے، محبت نہ کرنے سے بہتر ہے کہ پیار کیا جائے اور کھو دیا جائے۔ اگرچہ زیادہ تر معاملات میں، اس بیان کو سیاق و سباق سے ہٹ کر اور غلط استعمال کیا جاتا ہے لیکن جب اس طرح استعمال کیا جائے تو یہ درست اور مددگار ثابت ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ جو مسلمان بلا شبہ آخرت پر یقین رکھتا ہے اسے ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ لوگ اس دنیا میں صرف ایک دوسرے کو چھوڑنے کے لیے نہیں ملتے۔ لیکن اس کے بجائے وہ صرف اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تاکہ اگلے جہان میں دوبارہ مل سکیں۔ یہ رویہ ایسی مشکل کے دوران مریض کو باقی رکھنے میں مدد دے سکتا ہے۔ اور اس سے انہیں یہ ترغیب دینی چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کریں، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتے ہوئے تاکہ وہ اپنے پیارے سے اپنے آخری آرام گاہ میں پناہ کے باغوں میں دوبارہ مل سکیں۔ ہمیشہ کے لیے

غم کے اوقات

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹے سے پہاڑ جبل الرومہ پر ٹھہرنے کا حکم دیا جو احد پہاڑ کے سامنے ہے، جنگ کے نتائج سے قطع نظر، یہ سمجھتے تھے کہ جنگ ختم ہوگیا اور کمانڈ کا اطلاق نہیں ہوا۔ جب وہ جبل الرومہ پر اترے تو اس نے مسلم فوج کا پچھلا حصہ کھول دیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی اور ان کے جسموں کو غیر مسلموں نے مسخ کر دیا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ واپس آئے تو آپ نے عورتوں کو اپنے گرے ہوئے رشتہ داروں کے لیے ماتم کرتے سنا۔ وہ غمگین ہو گئے کیونکہ ان کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے لیے کوئی ماتم کرنے والا نہیں تھا جو جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کبھی بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر روئے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر روتے تھے۔ حمزہ رضی اللہ عنہ کی مسخ شدہ لاش۔ پھر ان عورتوں کو ان کے مرد رشتہ داروں نے حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے ماتم کرنے کو کہا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی لیکن جواب دیا کہ میں یہ نہیں چاہتا اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ رونا پسند نہیں کرتے۔ اس کے بعد رونے سے منع فرمایا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرتِ نبوی، جلد 3، صفحہ 66-67 اور امام صفی الرحمن کی، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 285 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 3127 میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نوحہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

بدقسمتی سے، کچھ کا خیال ہے کہ مشکل کے وقت رونے کی اجازت نہیں ہے، جیسے کہ کسی عزیز کو کھونا۔ یہ غلط ہے کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی موقعوں پر جب

کسی کا انتقال ہوا تو روئے تھے۔ مثال کے طور پر جب ان کے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو وہ رو پڑے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 3126 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

درحقیقت کسی کی موت پر رونا رحمت کی نشانی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں جگہ دی ہے۔ اور صرف وہی لوگ جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں اللہ کی طرف سے رحم کیا جائے گا .صحیح بخاری نمبر 1284 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ اسی حدیث میں واضح طور پر ذکر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نواسے پر روئے جو فوت ہو گیا۔

صحیح مسلم نمبر 2137 میں موجود ایک حدیث میں بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کو کسی کی موت پر رونے یا اپنے دل میں ہونے والے غم پر عذاب نہیں دیا جائے گا۔ لیکن ان کو سزا کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب کے بارے میں اپنی بے صبری کا اظہار کرتے ہوئے الفاظ بولیں۔

واضح رہے کہ دل میں غم محسوس کرنا یا آنسو بہانا اسلام میں منع نہیں ہے۔ جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے وہ ہیں رونا، قول و فعل سے بے صبری کا اظہار کرنا، جیسے کپڑے پھاڑنا یا غم میں سر منڈوانا۔ وہ اس طرح کام کرنے والوں کے خلاف سخت انتباہ ہیں۔ اس لیے ان کاموں سے ہر حال میں اجتناب کرنا چاہیے۔ اس طرح کے کام کرنے پر نہ صرف کسی شخص کو سزا کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے بلکہ اگر مرنے والے نے چاہا اور دوسروں کو اس طرح کرنے کا حکم دیا جب وہ مر گیا تو ان کا بھی جوابدہ ہو گا۔ لیکن اگر مرحوم نے یہ خواہش نہ کی ہو تو وہ کسی قسم کے احتساب سے پاک ہیں۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1006 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ سمجھنا عام فہم ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی دوسرے کے فعل کی وجہ سے عذاب نہیں دے گا جب کہ سابقہ نے اسے اس طرح عمل کرنے کی نصیحت نہیں کی۔ باب 35 فاطر، آیت 18:

"...اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا"

تقسیم کا باعث

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹے سے پہاڑ جبل الرومہ پر ٹھہرنے کا حکم دیا جو احد پہاڑ کے سامنے ہے، جنگ کے نتائج سے قطع نظر، یہ سمجھتے تھے کہ جنگ ختم ہوگیا اور کمانڈ کا اطلاق نہیں ہوا۔ جب وہ جبل الرومہ پر اترے تو اس نے مسلم فوج کا پچھلا حصہ کھول دیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی اور ان کے جسموں کو غیر مسلموں نے مسخ کر دیا۔ منافقین نے غمزدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فائدہ اٹھانے کی ناکام کوشش کی اور انہیں جذباتی طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقطع کر دیا۔ یہودی علماء اور منافقین کا دعویٰ تھا کہ اگر اسلام سچا ہوتا تو شکست نہ ہوتی۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 109 نازل فرمائی۔

"بہت سے اہل کتاب چاہتے ہیں کہ وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹا دیں، ان پر حق واضح ہو جانے کے بعد بھی اپنے آپ سے حسد کی وجہ سے۔ پس درگزر کرو اور درگزر کرو جب تک کہ اللہ اپنا حکم نہ دے دے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

،اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 67 اور امام واحدی کی، اصباب النزول صفحہ 7 میں بحث کی گئی ہے۔ 2:109،

منافقت کی نشانی یہ ہے کہ انسان معاشرے میں فساد پھیلاتا ہے۔ یہ منفی خصوصیت خاندانی اکائی سے شروع ہوکر بین الاقوامی سطح پر ختم ہونے والی تمام سماجی سطحوں کو متاثر کرتی ہے۔ اس قسم کے لوگ لوگوں کو اچھائی پر متحد ہوتے دیکھنا ناپسند کرتے ہیں کیونکہ اس سے دوسروں

کی دنیاوی حیثیت ان کے اپنے سے بڑھ جاتی ہے۔ یہ انہیں غیبت اور غیبت کی طرف لے جاتا ہے تاکہ لوگ ایک دوسرے کے خلاف ہو جائیں۔ ان کا برا رویہ ان کے اپنے رشتے داروں کو تباہ کر دیتا ہے اور جب وہ دوسرے خاندانوں کو دیکھتے ہیں جو خوش ہوتے ہیں تو یہ انہیں ان کی خوشیوں کو بھی تباہ کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ فالٹ فائنڈر ہیں جو اپنا وقت دوسروں کی غلطیوں کی نقاب کشائی کرنے کے لیے وقف کرتے ہیں تاکہ ان کی سماجی حیثیت کو نیچے لے جا سکیں۔ وہ پہلے لوگ ہیں جنہوں نے دوسروں کے بارے میں گپ شپ شروع کی اور جب بھی اچھی بات کی جائے تو بہرے کام کرتے ہیں۔ امن اور سکون انہیں پریشان کرتا ہے لہذا وہ اپنے آپ کو تفریح کرنے کے لئے مسائل پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ سنن ابن ماجہ نمبر 2546 میں موجود حدیث کو یاد کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ یہ نصیحت کرتی ہے کہ جو شخص دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا۔ لیکن جو شخص دوسروں کے عیب تلاش کرتا ہے اور ان کی پردہ پوشی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو لوگوں پر ظاہر کر دیتا ہے۔ تو درحقیقت، اس قسم کے افراد معاشرے کے سامنے صرف اپنے عیبوں کی پردہ پوشی کر رہے ہوتے ہیں حالانکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ دوسروں کے عیبوں کو بے نقاب کر رہے ہیں۔

اس کے علاوہ یہ بھی واضح ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو مختلف مصائب اور آزمائشوں میں مبتلا کیا گیا تھا۔ درحقیقت سنن ابن ماجہ نمبر 4023 میں موجود حدیث کے مطابق ان کو تمام انسانوں میں سب سے زیادہ آزمایا گیا۔ لہٰذا مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام پر ایمان لانا مشکلات سے تحفظ کی ضمانت نہیں دیتا۔ یہ درحقیقت مشکلات سے گزر کر محفوظ سفر اور دونوں جہانوں میں زبردست انعام کی ضمانت دیتا ہے۔ باب 39 از زمر، آیت 10:

"بے شک مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا۔"

مشکلات میں اطاعت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹے سے پہاڑ جبل الرومہ پر ٹھہرنے کا حکم دیا جو احد پہاڑ کے سامنے ہے، جنگ کے نتائج سے قطع نظر، یہ سمجھتے تھے کہ جنگ ختم ہوگیا اور کمانڈ کا اطلاق نہیں ہوا۔ جب وہ جبل الرومہ پر اترے تو اس نے مسلم فوج کا پچھلا حصہ کھول دیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی اور ان کے جسموں کو غیر مسلموں نے مسخ کر دیا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ مدینہ واپس تشریف لائے تو انہیں معلوم ہوا کہ مکہ کے غیر مسلم قائدین مدینہ کو مٹانے کے لیے واپس مدینہ کی طرف کوچ کرنے پر غور کر رہے ہیں۔ اسلام خیر کے لیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے سخت زخموں اور تھکے ہوئے جسموں کے باوجود غیر مسلموں کے تعاقب میں نکلنے کا حکم دیا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا مثبت جواب دیا تو اللہ تعالیٰ نے باب 3 آل عمران آیت 172 نازل فرمائی:

"جن لوگوں نے اللہ اور رسول کی طرف لبیک کہا ان پر چوٹ لگ گئی۔ ان میں سے جنہوں نے نیکی کی اور اللہ سے ڈرتے رہے ان کے لیے بڑا اجر ہے۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 67-68 میں بحث کی گئی ہے۔

معبد ابن ابو معبد نامی ایک شخص نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے لشکر سے ملاقات کی اور تعزیت اور خدمات پیش کیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ غیر مسلم لشکر تک پہنچو اور انہیں مدینہ پر حملہ کرنے سے روک دو۔ بالآخر وہ

غیر مسلم فوج کے پاس پہنچا اور انہیں تنبیہ کی کہ مدینہ پر حملہ نہ کریں کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مضبوط لشکر جمع کیا تھا جو تلخ انجام تک لڑنے کے لیے تیار تھے۔ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان غیر مسلموں کے دلوں میں خوف پیدا کیا جنہوں نے مکہ واپس جانے کا فیصلہ کیا، حالانکہ ان کے بنیادی مقاصد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنا اور اپنے تجارتی ماضی کو محفوظ بنانا تھا۔ مدینہ، ناکام۔ باب 3 علی عمران، آیت 151:

"ہم ان لوگوں کے دلوں میں دہشت ڈال دیں گے جنہوں نے کفر کیا، اس چیز کی وجہ سے جو انہوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ اور ان کا ٹھکانا آگ ہے اور ظالموں کا ٹھکانہ بہت برا ہے۔

غیر مسلم رہنما ابو سفیان نے تجارتی کارواں کے ذریعے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ غیر مسلم فوج نے مزید حمایت حاصل کر لی ہے اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے تیار ہیں۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ یہ غلط معلومات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کا تعاقب کرنے سے روک دے گی۔ اس کا منصوبہ ناکام ہو گیا، کیونکہ انہوں نے ان کا تعاقب کیا، لیکن غیر مسلم ان کی پہنچ سے باہر نکل گئے۔ اس تناظر میں، اللہ تعالیٰ نے سورہ 3 علی عمران آیات 173-174 نازل فرمائی:

"وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگ تمہارے خلاف جمع ہو گئے ہیں لہٰذا ان سے ڈرو"۔ لیکن اس سے ان کے ایمان میں اضافہ ہوا اور انہوں نے کہا کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ پس وہ اللہ کے فضل اور فضل کے ساتھ لوٹے، انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچی۔ اور انہوں نے اللہ کی خوشنودی حاصل کی اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔"

اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب مہربند نیکٹر، صفحہ 288-291 اور امام واحدی کی، اصباب النزول، 3:151، صفحہ 42 میں بحث کی گئی ہے۔

سختی اور مشکل کے وقت بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے جو مثبت ردعمل آیا، وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے لیے ان کے عظیم جذبے کی نشاندہی کرتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ان کی اللہ تعالیٰ کی عبادت کیوں کی جاتی ہے کیونکہ یہ وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافے کا سبب بن سکتی ہے یا بعض صورتوں میں نافرمانی کا باعث بن سکتی ہے۔ جب کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اس سے حلال دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کے لیے اس کی نافرمانی کا خطرہ مول لے لیتا ہے۔ اس قسم کے شخص کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ باب 22 الحج، آیت 11:

"اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو جاتی ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔"

جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں تو دنیاوی نعمتوں کو حاصل کرنے کے لیے جب وہ ان کو حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا کسی مشکل کا سامنا کرتے ہیں تو وہ اکثر ناراض ہو جاتے ہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے دور کر دیتا ہے۔ یہ لوگ اکثر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نافرمانی کرتے ہیں، اس صورت حال کے مطابق جس کا وہ سامنا کر رہے ہیں جو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی حقیقی بندگی کے خلاف ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ سے حلال دنیوی چیزوں کی خواہش کرنا اسلام میں قابل قبول ہے، لیکن اگر کوئی اس رویہ پر قائم رہے تو وہ اس آیت میں مذکور کی طرح ہو سکتے ہیں۔ آخرت میں نجات پانے اور جنت حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا افضل ہے۔ مشکلات کا سامنا کرتے وقت یہ شخص اپنے رویے کو تبدیل کرنے کا امکان نہیں رکھتا ہے۔ لیکن سب سے اعلیٰ اور بہترین وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے، صرف اس لیے کہ وہ ان کا رب اور کائنات کا رب ہے۔ یہ مسلمان اگر مخلص ہو گا تو ہر حال میں ثابت قدم رہے گا اور اس اطاعت کے ذریعے انہیں دنیاوی اور دینی دونوں نعمتیں حاصل ہوں گی جو دنیاوی نعمتوں سے بڑھ کر پہلی قسم کے انسان کو حاصل ہوں گی۔

آخر میں، مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی نیت پر غور کریں اور اگر ضروری ہو تو اس کی اصلاح کریں تاکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی ترغیب ملے۔ ، تمام حالات میں۔

جنگ احد کی حکمتیں

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹے سے پہاڑ جبل الرومہ پر ٹھہرنے کا حکم دیا جو احد پہاڑ کے سامنے ہے، جنگ کے نتائج سے قطع نظر، یہ سمجھتے تھے کہ جنگ ختم ہوگیا اور کمانڈ کا اطلاق نہیں ہوا۔ جب وہ جبل الرومہ پر اترے تو اس نے مسلم فوج کا پچھلا حصہ کھول دیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی اور ان کے جسموں کو غیر مسلموں نے مسخ کر دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 29-30 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واضح ہے کہ مسلمانوں کو اتنے نقصانات اٹھانے کی سب سے بڑی وجہ تیر اندازوں کی غلط فہمی تھی۔ انہوں نے غیر ارادی طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی کیونکہ ان کا خیال تھا کہ جنگ ختم ہو چکی ہے اور آپ کے حکم کا اطلاق نہیں ہو گا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب تک کوئی مسلمان سچے دل سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرے گا، انہیں کامیابی ملے گی لیکن اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں گے تو یہ حمایت واپس لے لی جائے گی۔ باب 4 النساء آیت 80:

‘‘جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے حقیقتاً اللہ کی اطاعت کی۔’’

اور باب 3 علی عمران، آیت 31:

"کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اور باب 24 النور، آیت 63:

"رسول کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کو بلانے کی طرح مت بناؤ۔ اللہ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا ہے جو دوسروں سے چھپ کر بھاگ جاتے ہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کو ہوشیار رہنا چاہیے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اختلاف کرتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان پر کوئی آفت آ جائے یا دردناک عذاب نہ آ جائے۔"

اس کے علاوہ انبیاء علیہم السلام کا یہ معمول ہے کہ وہ بعض اوقات اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل کرتے ہیں اور بعض موقعوں پر ان کے دشمنوں کو غلبہ حاصل ہوتا ہے، حالانکہ آخری فتح ہمیشہ انبیاء کرام کے حق میں ہوتی ہے۔ ان پر سلامتی ہو۔ حالات کے اس بدلاؤ کی وجہ یہ ہے کہ سچے مومنوں کو منافقوں اور موقع پرستوں سے الگ کر دیا جائے جو ہمیشہ دنیاوی فائدے حاصل کرنے کے لیے کامیاب گروہ میں شامل ہوتے ہیں۔ اگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ جیتتے رہے تو منافقین اور موقع پرست مخلص مومنین سے نا قابلِ برداشت ہو جائیں گے۔ اگر انبیاء علیہم السلام ہمیشہ ہار گئے تو یہ ان کے مشن میں رکاوٹ بن جائے گا۔ باب 3 علی عمران، آیت 140:

"اگر کوئی زخم آپ کو چھوتا ہے تو - اس سے ملتا جلتا زخم پہلے ہی [مخالف] لوگوں کو چھو چکا ہے۔ اور ان دنوں [مختلف حالات میں] ہم لوگوں کے درمیان باری باری کرتے ہیں تاکہ اللہ ان لوگوں کو ظاہر کرے جو ایمان لائے ہیں اور آپ میں سے شہداء کو اپنی طرف لے لے۔"

فتح اور شکست کے اس باری باری کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ مومنین کو صبر اور شکر دونوں کو اپنانے کا طریقہ سکھایا جائے۔ اگر وہ ہر وقت کھو دیتے ہیں، تو وہ صبر کر سکتے ہیں لیکن

شکر گزار ہونا مشکل ہو جائے گا .اگر وہ ہر وقت جیت جاتے ہیں، تو شاید وہ شکر گزاری کو اپنا لیں لیکن حقیقی صبر کو اپنانے کے لیے جدوجہد کریں گے۔ حالات کا ردوبدل انہیں صبر اور شکر دونوں کو اپنانے کی اجازت دیتا ہے، دو حصے جو دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہیں۔

رحم کا مظاہرہ کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹے سے پہاڑ جبل الرومہ پر ٹھہرنے کا حکم دیا جو احد پہاڑ کے سامنے ہے، جنگ کے نتائج سے قطع نظر، یہ سمجھتے تھے کہ جنگ ختم ہوگیا اور کمانڈ کا اطلاق نہیں ہوا۔ جب وہ جبل الرومہ پر اترے تو اس نے مسلم فوج کا پچھلا حصہ کھول دیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی اور ان کے جسموں کو غیر مسلموں نے مسخ کر دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ احد کے دوران غلطی کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کبھی نصیحت نہیں کی اور نہ ہی ان کی مذمت کی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے باب 3 علی عمران آیت 159 نازل فرمایا:

"پس اللہ کی رحمت سے آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز اور دل میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔ پس ان سے درگزر کرو اور ان کے لیے استغفار کرو اور معاملے میں ان سے مشورہ کرو۔ اور جب فیصلہ کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ بے شک اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے نازک وقت میں فوج کو ترک کرنے پر منافقین پر تنقید بھی نہیں کی۔ اس سے ان کو مشتعل ہی کیا جائے گا اور وہ اسلام سے مزید دور ہو جائیں گے۔ اس کے بجائے اس نے ان کے ساتھ احترام اور مہربانی کا مظاہرہ جاری رکھا امید ہے کہ وہ اس رحم کے عمل کو مثبت طور پر لیں گے اور اس طرح خلوص دل سے توبہ کریں گے اور اسلام قبول کریں گے۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1203-1204 میں بحث کی گئی ہے۔

قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں مسلمانوں کو دوسروں پر رحم کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر جامع ترمذی نمبر 1924 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت ہے کہ مخلوق پر رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم کرے گا۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، کہ رحم کرنا صرف اپنے اعمال سے نہیں ہے، جیسے غریبوں کو دولت عطیہ کرنا۔ یہ درحقیقت کسی کی زندگی کے ہر پہلو اور دوسروں کے ساتھ تعامل کا احاطہ کرتا ہے، جیسے کہ کسی کے الفاظ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خبردار کرتا ہے جو صدقہ دے کر دوسروں پر رحم کرتے ہیں کہ ان کی گفتگو کے ذریعے رحم نہ کرنا، جیسے کہ دوسروں پر کیے گئے احسانات کو شمار کرنا، ان کے اجر کو منسوخ کر دیتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 264:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے صدقات کو نصیحت یا ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو۔"

حقیقی رحم ہر چیز میں ظاہر ہوتا ہے :کسی کے چہرے کے تاثرات، کسی کی نظر اور اس کی گفتگو کا لہجہ۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل رحمت تھی اور اس لیے مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ رحم کرنا اس قدر ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واضح کر دیا ہے کہ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان گنت خوبصورت اور اعلیٰ صفات کے حامل تھے، لیکن وہ جس نے ان کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ لوگوں کے دل ان کی طرف اور اسلام کی طرف رحمت تھے۔

پہلے نقل کی گئی آیت میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ بغیر رحم کے لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھاگ جاتے۔ اگر ان کے بارے میں یہ معاملہ تھا حالانکہ وہ ان گنت

خوبصورت صفات کے مالک تھے تو وہ مسلمان جو ایسی اعلیٰ صفات کے حامل نہیں ہیں، وہ سچی رحم دلی کے بغیر دوسروں جیسے کہ ان کے بچوں پر مثبت اثرات کی امید کیسے رکھ سکتے ہیں؟

سیدھے الفاظ میں مسلمانوں کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں جو کہ بلاشبہ سچی اور مکمل رحمت ہے۔

دو زبانیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کیا گیا اور ان کے جسموں کو غیر مسلموں نے مسخ کر دیا۔ منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی جنگ شروع ہونے سے پہلے اپنے ساتھیوں کے ساتھ احد سے پیچھے ہٹ گیا۔ اس سے پہلے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کا خطبہ دیتے، عبداللہ بن ابی اٹھتے اور اعلان کرتے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے درمیان ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطبہ دیا۔ وہ اُس کے ذریعے عزت اور جلال حاصل کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ مدینہ کے لوگوں کو حکم دیں گے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کریں، سنیں اور ان کی اطاعت کریں۔ جنگ احد کے بعد اور جمعہ کے خطبہ سے پہلے، وہ اپنی معمول کی غیر سنجیدہ تقریر کرنے کے لیے اٹھے لیکن اس بار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے بدتمیزی کی، جنہوں نے ان سے کہا کہ بیٹھ جاؤ اور خاموش رہو کیونکہ اب وہ نہیں رہے۔ مسجد نبوی محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں لوگوں سے خطاب کے لائق۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 71-72 میں بحث کی گئی ہے۔

دو طرفہ ہونا منافقت کی نشانی ہے۔ یہ وہ ہے جو لوگوں کے مختلف گروہوں کو خوش کرنے کے لیے اپنے طرز عمل میں تبدیلی لاتا ہے اور اس سے کچھ دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ بہت سی مختلف زبانوں سے بولتے ہیں جو مختلف لوگوں کو اپنی حمایت ظاہر کرتے ہوئے ان کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کے ساتھ مخلص نہیں ہیں جس کا حکم سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اگر وہ توبہ نہ کریں تو آخرت میں اپنے آپ کو آگ کی دو زبانوں سے پائیں گے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4873 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 14:

جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے برے ساتھیوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو محض مذاق کر رہے تھے۔"

عبداللہ بن ابی غصے میں مسجد سے نکلے اور اس کے دروازے پر چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پیش آنے والے واقعے سے آگاہ کیا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی طرف سے استغفار کرنے کا مشورہ دیا۔ اس نے تکبر سے ان کے مخلصانہ مشورے سے منہ موڑ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں باب 63 المنافقون آیات 5 تا 6 نازل فرمایا:

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کے رسول تمہارے لیے استغفار کریں گے تو وہ سر پھیر" لیتے ہیں اور تم دیکھتے ہو کہ وہ تکبر کرتے ہوئے بھاگتے ہیں۔ ان کے لیے برابر ہے خواہ تم ان کے لیے استغفار کرو یا نہ کرو۔ اللہ انہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔ بے شک اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

تفسیر ابن کثیر، جلد 9، صفحہ 653-654 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم کی حدیث نمبر 265 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ انہوں نے واضح کیا کہ فخر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص سچائی کو مسترد کرتا ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔

تکبر رکھنے والے کو نیک اعمال کی کوئی مقدار فائدہ نہیں دے گی۔ یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی شیطان کو دیکھتا ہے اور جب وہ مغرور ہو گیا تو اس کی ان گنت سالوں کی عبادت نے اسے کیسے فائدہ نہیں پہنچایا۔ درحقیقت، مندرجہ ذیل آیت واضح طور پر غرور کو کفر سے جوڑتی ہے اس لیے ایک مسلمان کو ہر قیمت پر اس بری صفت سے بچنا چاہیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 34:

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

مغرور وہ ہے جو حق کو اس وقت رد کرتا ہے جب وہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کیونکہ یہ ان کی طرف سے نہیں آیا تھا اور یہ ان کی خواہشات اور ذہنیت کو چیلنج کرتا ہے۔ مغرور شخص یہ بھی مانتا ہے کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں حالانکہ وہ اپنے آخری انجام اور دوسروں کے آخری انجام سے بے خبر ہیں۔ یہ صریح جہالت ہے۔ درحقیقت، کسی بھی چیز پر فخر کرنا بے وقوفی ہے۔ یہاں تک کہ نیک اعمال بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ الہام، علم اور قوت کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ لہٰذا جس چیز کا تعلق فطری طور پر نہیں ہے اس پر فخر کرنا صریح حماقت ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ایک شخص جو اس حویلی پر فخر کرتا ہے جس کا وہ مالک بھی نہیں اور نہ ہی رہتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فخر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، کیونکہ وہی ہر چیز کا خالق اور پیدائشی مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ کو للکارنے والا تکبر کے ساتھ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4090 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عاجزی اختیار کرے۔ عاجز واقعی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے پاس جو بھی بھلائی ہے اور وہ تمام برائیاں جن سے وہ محفوظ ہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی طرف سے نہیں۔ پس عاجزی انسان کے لیے غرور سے زیادہ موزوں ہے۔ انسان کو بے وقوف نہیں بنایا جانا چاہئے کہ عاجزی رسوائی کا باعث بنتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندوں سے زیادہ عزت والا کوئی نہیں ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرنے والے کے درجات میں اضافے کی ضمانت دی ہے۔

تقویٰ کی تلاش

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال عثمان بن عفان نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی تھیں۔ اپنی سابقہ بیوی ام کلثوم کی بہن رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ وہ واحد شخص تھے جنہوں نے ایک کے بعد ایک دو بیٹیوں کی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 82 میں بحث کی گئی ہے۔

نکاح کے بعد جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی سے عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے انہیں بہترین شوہر قرار دیا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت عثمان ابن عفان، ذون نورین، صفحہ 54-55 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 110 میں موجود ایک حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے شادی کر لیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان شادیوں کی اجازت صرف اس لیے دی تھی کہ عثمان رضی اللہ عنہ ایک متقی آدمی تھے۔

صحیح بخاری نمبر 5090 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ چار وجوہات کی بنا پر شادی کی جاتی ہے :مال، نسب، حسن یا تقویٰ۔ انہوں نے تنبیہ کرتے ہوئے نتیجہ اخذ کیا کہ آدمی کو تقویٰ کی خاطر شادی کرنی چاہیے ورنہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس حدیث میں مذکور پہلی تین چیزیں بہت عارضی اور ناقص ہیں۔ وہ کسی کو عارضی خوشی تو دے سکتے ہیں لیکن آخرکار یہ چیزیں ان کے لیے بوجھ بن جاتی ہیں کیونکہ ان کا تعلق مادی دنیا سے ہے نہ کہ اس چیز سے جو حتمی اور مستقل کامیابی عطا کرتی ہے یعنی ایمان۔ یہ سمجھنے کے لیے کہ دولت خوشی نہیں لاتی، صرف امیر اور مشہور کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت، امیر زمین پر سب سے زیادہ غیر مطمئن اور ناخوش لوگ ہیں۔ اپنے نسب کی خاطر کسی سے شادی کرنا بے وقوفی ہے کیونکہ یہ اس بات کی ضمانت نہیں دیتا کہ وہ شخص ایک اچھا شریک حیات بنائے گا۔ درحقیقت، اگر شادی کامیاب نہیں ہوتی ہے تو یہ خاندانی بندھن کو ختم کر دیتی ہے جو شادی سے پہلے دونوں خاندانوں کے پاس تھے۔ صرف خوبصورتی کے معنی کی خاطر شادی کرنا، محبت عقلمندی نہیں ہے کیونکہ یہ ایک چبھتا ہوا جذبہ ہے جو وقت کے ساتھ اور مزاج کے ساتھ بدل جاتا ہے۔ قیاس محبت میں ڈوب جانے والے کتنے جوڑے ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگے؟

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی ایسا شریک حیات تلاش کرے جو غریب ہو کیونکہ یہ ضروری ہے کہ کسی ایسے شخص سے شادی کی جائے جو خاندان کی مالی مدد کر سکے۔ نہ ہی اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو اپنے شریک حیات کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ ایک صحت مند شادی کا ایک اہم پہلو ہے۔ لیکن اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں کسی کی شادی کی بنیادی یا حتمی وجہ نہیں ہونی چاہئیں۔ ایک مسلمان کو شریک حیات میں جو بنیادی اور حتمی خوبی تلاش کرنی چاہیے وہ تقویٰ ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز رہتا ہے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے۔ سادہ لفظوں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اپنی شریک حیات کے ساتھ خوشی اور مشکل دونوں وقتوں میں اچھا سلوک کرے گا۔ دوسری طرف، جو لوگ بے دین ہیں وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ بدسلوکی کریں گے جب بھی وہ پریشان ہوں گے۔ حالیہ برسوں میں مسلمانوں میں گھریلو تشدد میں اضافے کی یہ ایک اہم وجہ ہے۔

آخر میں، اگر کوئی مسلمان شادی کرنا چاہتا ہے تو اسے سب سے پہلے اس سے متعلق علم حاصل کرنا چاہیے، جیسے کہ اس پر اپنی شریک حیات کے واجب الادا حقوق، جو حقوق اس پر اپنی شریک حیات سے واجب الادا ہیں اور مختلف حالات میں اپنی شریک حیات کے ساتھ صحیح سلوک کرنے کا طریقہ۔ بدقسمتی سے، اس سے لاعلمی بہت سے دلائل اور طلاقوں کا باعث بنتی ہے

کیونکہ لوگ ایسی چیزوں کا مطالبہ کرتے ہیں جن کو پورا کرنے کے لیے ان کا شریک حیات پابند نہیں ہوتا۔ علم صحت مند اور کامیاب ازدواجی زندگی کی بنیاد ہے۔

ایمان پر سخت

جنگ احد کے کچھ عرصہ بعد مکہ کے کچھ بزرگ غیر مسلم جن میں ابو سفیان اور عکرمہ ابن ابو جہل شامل تھے، منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کے پاس گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ کی زیارت کے دوران ان کی حفاظت کی، شاید اس امید پر کہ ان کے قیام کے دوران ان کے دل اسلام کی طرف نرم ہو جائیں گے۔ اپنے دورے کے دوران، انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رابطہ کیا اور آپ سے کہا کہ ان کے بتوں پر تنقید نہ کریں اور یہ اعلان کریں کہ ان کے بتوں میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کی طاقت ہے، اور اس کے بدلے میں وہ ان کے بتوں کی شفاعت کرتے ہیں۔ اسے اکیلا چھوڑ دے گا .حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ انہیں مدینہ سے باہر لے جائیں۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب آیت نمبر 33 نازل فرمائی:

”اے نبی اللہ سے ڈرو اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانو۔ بے شک اللہ ہمیشہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔“

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 33:1، صفحہ 127-128 میں بحث کی گئی ہے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔“

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخرکار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو ایک مسلمان کی دنیا اور آخرت میں تمام مشکلات سے باحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی عارضی چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں اور کسی خاص طریقے اسکارف اتار دیا ایک مسلمان عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا سے لباس پہن لیا تو وہ کام پر زیادہ عزت دار ہو گی اور کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی سے چڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد کسی پب یا کلب میں مدعو کر سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور ذکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں راستوں پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کس کو ترجیح دی جائے اور کس کا انتخاب کیا جائے۔

ہجرت کے بعد چوتھا سال

استقامت کے ساتھ مشکلات کا سامنا کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چوتھے سال، احد کی جنگ میں مسلمانوں کے نقصانات کے بعد مدینہ کو بیرونی خطرات بہت زیادہ بڑھ گئے۔ مختلف غیر مسلم قبائل کا خیال تھا کہ احد میں جو کچھ ہوا اس نے مسلمانوں کو کمزور کردیا اور وہ اب وہ طاقتور قوت نہیں رہے جس نے بدر کی جنگ میں فتح حاصل کی۔ ان میں سے بہت سے قبائل نے مدینہ کو فتح کرنے کے لیے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے اسے ایک موقع کے طور پر لیا تھا۔ مثال کے طور پر، بنو اسد قبیلے نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے جنگجوؤں کو اکٹھا کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 150 جنگجوؤں پر مشتمل مسلم فوج کو غیر مسلموں کے وطن کی طرف روانہ کر کے وہاں حملہ کرنے سے پہلے ان کے مشن کو ناکام بنا دیا، ان کے جنگجوؤں کو منتشر کر دیا اور جنگ کا کچھ مال غنیمت حاصل کیا۔ ایک اور غیر مسلم قبیلے نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے کچھ جنگجوؤں کو جمع کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے خلاف ایک فوج روانہ کی جو ان کے قائد کو قتل کرنے اور ان کے جنگجوؤں کے گروہ کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئی۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 296-297 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صبر و استقامت کے ساتھ ہر مشکل اور حملے کا مقابلہ کیا۔

یہ مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے کی اہمیت کی یاد دلاتا ہے جب بھی ان پر ان کے دشمنوں یعنی شیطان، ان کے باطنی شیطان اور وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے ہیں، ثابت قدم رہنے کی اہمیت کو یاد دلاتا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی ان دشمنوں کے فتنے میں مبتلا ہو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ نہ پھیرے۔ اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا

اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ ان جگہوں، چیزوں اور لوگوں سے اجتناب کرنے سے حاصل ہوتا ہے جو انہیں گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے اور فتنہ میں ڈالتے ہیں۔ شیطان کے جال سے بچنا صرف اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح راستے میں پھنسنے سے صرف اسی طرح علم رکھنے سے بچا جاتا ہے۔ شیطان کے جال سے بچنے کے لیے اسلامی علم کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان قرآن پاک کی تلاوت میں زیادہ وقت صرف کر سکتا ہے لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے وہ غیبت جیسے گناہوں کے ذریعے اپنے اعمال صالحہ کو سمجھے بغیر برباد کر سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو ان حملوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ان کے لیے تیاری کریں اور اس کے بدلے میں بے شمار اجر حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس راہ میں جدوجہد کرنے والوں کے لیے صحیح رہنمائی کی ضمانت دی ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 69:

''اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔''

جبکہ جہالت اور نافرمانی کے ساتھ ان حملوں کا سامنا کرنا دونوں جہانوں میں مشکلات اور رسوائی کا باعث بنے گا۔ اسی طرح ایک سپاہی جس کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں وہ شکست کھا جائے گا۔ ان حملوں کا سامنا کرتے وقت ایک جاہل مسلمان کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں ہوگا جس کے نتیجے میں ان کی شکست ہوگی۔ جبکہ باشعور مسلمان کو وہ طاقتور ترین ہتھیار مہیا کیا جاتا ہے جس پر قابو نہیں پایا جا سکتا اور نہ مارا جا سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت۔ یہ صرف خلوص نیت سے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

محبت کا ثبوت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چوتھے سال مدینہ سے باہر رہنے والے ایک قبیلے نے اسلام قبول کرنے کا دعویٰ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ کچھ صحابہ کو بھیجیں۔ اللہ ان سے راضی ہو، ان کے قبیلے کو اسلام کی مزید تعلیم دینے کے لیے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ،کو روانہ کیا لیکن ان سے خیانت کی گئی۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کر دیا گیا بعض کو گرفتار کر کے قیدی بنا کر مکہ کے غیر مسلموں کے حوالے کر دیا گیا۔ جب ان قیدیوں میں سے ایک، زید بن الدثینہ رضی اللہ عنہ کو پھانسی دی جا رہی تھی، تو اس سے پوچھا گیا کہ کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جگہ بدلنا پسند کریں گے؟ اس نے قسم کھائی کہ وہ یہ پسند نہیں کرے گا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کانٹا بھی چبھ جائے اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پھانسی سے بچ گئے۔ ایک غیر مسلم رہنما ابو سفیان نے تبصرہ کیا کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ لوگوں کا ایک گروہ صحابہ کرام سے زیادہ کسی سے محبت کرتا ہو، اللہ ان سے راضی ہو، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہو۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 86-88 میں بحث کی گئی ہے۔

،ہر مسلمان کھلے عام اعلان کرتا ہے کہ وہ آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت کا خواہش مند ہے۔ وہ اکثر صحیح بخاری نمبر 3688 میں پائی جانے والی حدیث کا حوالہ دیتے ہیں، جو اس بات کی تلقین کرتی ہے کہ انسان آخرت میں ان کے ساتھ رہے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں سے اپنی محبت کا کھلم کھلا اعلان کرتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ اس نتیجہ کی خواہش کیسے کرتے ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، پھر بھی انہیں بمشکل جانتے ہیں کیونکہ وہ آپ کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ کرنے میں مصروف ہیں۔ یہ بے وقوفی کی بات ہے کہ کوئی کسی سے سچی محبت کیسے کر سکتا ہے جسے وہ جانتا تک نہیں ہے۔

اس کے علاوہ جب ان لوگوں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا ثبوت پوچھا جائے گا تو قیامت کے دن کیا کہیں گے؟ وہ کیا پیش کریں گے؟ اس اعلان کا ثبوت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ اور ان پر عمل کرنا

ہے۔ اس دلیل کے بغیر اعلان اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔ یہ بالکل واضح ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہتر اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا اور ان کا یہ رویہ نہیں تھا۔ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اعلان کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عمل کے ذریعے اپنے دعوے کی تائید کی۔ اس لیے وہ آخرت میں اس کے ساتھ ہوں گے۔

جو لوگ یہ مانتے ہیں کہ محبت دل میں ہے اور اسے عمل سے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ اتنا ہی بے وقوف ہے جتنا وہ طالب علم جو امتحان کا خالی پرچہ اپنے استاد کو دے کر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ علم ان کے دماغ میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر لکھنے کی ضرورت نہیں۔ کاغذ پر نیچے اور پھر بھی پاس ہونے کی توقع ہے۔

ایسا سلوک کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے محبت نہیں کرتا، صرف اپنی خواہشات رکھتا ہے اور بلاشبہ انہیں شیطان نے دھوکا دیا ہے۔

آخر میں یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ناکام رہے وہ یقیناً قیامت کے دن ان کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ اگر کوئی ایک لمحے کے لیے اس حقیقت پر غور کرے تو یہ بالکل واضح ہے۔

ایک سچا مومن

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چوتھے سال مدینہ سے باہر رہنے والے ایک قبیلے نے اسلام قبول کرنے کا دعویٰ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ کچھ صحابہ کو بھیجیں۔ اللہ ان سے راضی ہو، ان کے قبیلے کو اسلام کی مزید تعلیم دینے کے لیے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روانہ کیا لیکن ان سے خیانت کی گئی۔ خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جنہیں گرفتار کر کے مکہ کے ایک غیر مسلم کو بیچ دیا گیا تھا، جس نے اپنے رشتہ دار کے قتل کے بدلے میں اسے قتل کرنا چاہا تھا، جس سے خبیب رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ بدر کی جنگ میں مارا گیا۔ خبیب رضی اللہ عنہ نے قتل کے دن اپنے آپ کو صاف کرنے کے لیے استرا کی درخواست کی۔ ایک لونڈی نے اپنے چھوٹے بیٹے کو استرا کے ساتھ خبیب رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا جو ان کے گھر میں زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ تب اسے احساس ہوا کہ اس نے غلطی کی ہے اور خدشہ ہے کہ خبیب رضی اللہ عنہ اس بچے کو اس کی سزائے موت کے بدلے میں قتل کر دیں۔ اس نے بچے کو اپنی گود میں بیٹھا پایا اور پھر اس نے بچے کو اس کے حوالے کر دیا اور کہا کہ وہ کسی بچے کو کبھی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اس دن جب پھانسی پر لے جایا جا رہا تھا تو اس نے دو رکعت نماز پڑھنے کی درخواست کی جس کی اسے اجازت دی گئی۔ انہوں نے اسے اس امید پر تشدد کا نشانہ بنایا کہ وہ اسلام چھوڑ دے گا، لیکن وہ ثابت قدم رہا۔ آخرکار اسے مکہ کے غیر مسلموں نے پھانسی دے کر سولی پر چڑھا دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب حیاتِ نبوی، جلد 3، صفحہ 86-88 اور امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 1، صفحہ 509-510 میں بحث کی گئی ہے۔

ایسے مشکل حالات میں بھی خبیب رضی اللہ عنہ نے غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کو برقرار رکھا۔

سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچے مسلمان اور سچے مومن کی نشانیاں بتائی ہیں۔ ایک سچا مسلمان وہ ہے جو دوسروں کی زبانی اور جسمانی اذیت کو دور رکھے۔ اس میں درحقیقت تمام لوگ شامل ہیں خواہ ان کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس میں ہر قسم کے زبانی اور جسمانی گناہ شامل ہیں جو کسی دوسرے کو نقصان یا تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔ اس میں دوسروں کو بہترین نصیحت نہ کرنا بھی شامل ہے کیونکہ یہ دوسروں کے

ساتھ اخلاص کے خلاف ہے جس کا حکم سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اس میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تلقین کرنا اور گناہوں کی طرف دعوت دینا بھی شامل ہے۔ .ایک مسلمان کو اس رویے سے بچنا چاہیے کیونکہ ہر اس شخص سے حساب لیا جائے گا جو ان کی بری نصیحت پر عمل کرے گا۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

جسمانی نقصان میں دوسرے لوگوں کی روزی روٹی کے لیے مسائل پیدا کرنا، دھوکہ دہی کا ارتکاب کرنا، دوسروں کو دھوکہ دینا اور جسمانی زیادتی شامل ہے۔ یہ تمام خصوصیات اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں اور ان سے بچنا چاہیے۔

زیر بحث اصل حدیث کے مطابق سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کے نقصان کو دور رکھے۔ ایک بار پھر، یہ تمام لوگوں پر لاگو ہوتا ہے قطع نظر ان کے عقیدے کے۔ اس میں چوری کرنا، غلط استعمال کرنا یا دوسروں کی املاک اور سامان کو نقصان پہنچانا شامل ہے۔ جب بھی کسی کو کسی دوسرے کی جائیداد سونپ دی جائے تو اسے یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اسے صرف مالک کی اجازت سے اور اس طریقے سے استعمال کریں جو مالک کو خوش اور راضی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 5421 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص جھوٹی قسم کے ذریعے کسی دوسرے کا مال ناجائز طور پر لے، چاہے وہ ایک ٹہنی کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ درخت جہنم میں جائے گا۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے زبانی اعلان کو عمل سے سپورٹ کرے کیونکہ یہ کسی کے عقیدے کا جسمانی ثبوت ہیں جو قیامت کے دن کامیابی حاصل کرنے کے لیے درکار ہوں گے۔ اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے بارے میں سچے عقیدے کی خصوصیات کو پورا کرنا چاہیے۔ لوگوں کے ساتھ اس کو حاصل کرنے کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں، جو کہ احترام اور امن کے ساتھ ہے۔

نظر انداز کرنے والا اور معاف کرنے والا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چوتھے سال غیر مسلم رہنما ابو سفیان نے تبصرہ کیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے کسی کو بھیجیں۔ ایک اعرابی جس نے اس کا تبصرہ سنا اس نے خفیہ طور پر اس سے ملاقات کی جہاں اس نے فیس کے عوض اس شیطانی منصوبے کو انجام دینے پر رضامندی ظاہر کی۔ اعرابی مدینہ کی طرف روانہ ہوا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی مسجد میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ پایا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص نے خیانت کا ارادہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ اس کے منصوبے کو ناکام بنا دے گا۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا تو اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو کھینچ لیا اور ایسا کرتے ہوئے اس پر ایک خنجر نکلا۔ اعرابی مغلوب ہو گیا لیکن اس سے پہلے کہ کوئی اسے نقصان پہنچا سکے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے اس کے منصوبے کے بارے میں سوال کیا۔ جب اس نے اسے اپنے منصوبے سے آگاہ کیا تو اس اعرابی کو اسید رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا گیا، اس حکم کے ساتھ کہ اسے قتل نہ کیا جائے۔ اگلے دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اعرابی سے بات کی اور اسے اختیار دیا کہ وہ بغیر کسی نقصان کے رہا ہو جائے یا اس کے لیے اسلام قبول کر لے۔ اس شخص نے اسلام قبول کر لیا۔ اس نے تبصرہ کیا کہ اس نے اسلام کی سچائی کو اس وقت پہچانا جب وہ پہلی بار مدینہ میں داخل ہوئے۔ جب اس نے پہلی بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشاہدہ کیا تو وہ اپنی تمام طاقت کھو بیٹھا، جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ کرنے سے پہلے ہی اس کی خیانت کو جان لیا تھا۔ ان چیزوں نے اسے اسلام کی حقانیت کا یقین دلایا۔ اس پر ابن کثیر، The Life of the Prophet، جلد 3، صفحہ 92-93 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات سے بدلہ نہیں لیا بلکہ معاف کر دیا اور نظر انداز کیا۔

مسلمانوں کو مناسب اور معقول طریقے سے اپنا دفاع کرنے کی اجازت دی گئی ہے جب ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا ہے۔ لیکن انہیں کبھی بھی لائن سے اوپر نہیں جانا چاہئے کیونکہ یہ ایک گناہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190:

"اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہیں کرتے۔ بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

چونکہ نشان پر قدم رکھنے سے بچنا مشکل ہے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ صبر و تحمل سے کام لے، دوسروں کو نظر انداز کرے اور معاف کرے کیونکہ یہ نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی لے جاتی ہے۔ ان کے گناہوں کو معاف کرنا .باب :النور، آیت 22 24

"...اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟''

دوسروں کو معاف کرنا بھی دوسروں کے کردار کو مثبت انداز میں بدلنے میں زیادہ کارگر ہے جو کہ اسلام کا مقصد ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے کیونکہ بدلہ لینا ہی ملوث افراد کے درمیان مزید دشمنی اور غصے کا باعث بنتا ہے۔

آخر میں وہ لوگ جو دوسروں کو معاف نہ کرنے کی بری عادت رکھتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی ہمیشہ کینہ پرور رہتے ہیں، انہیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ ان کے ہر چھوٹے گناہ کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چیزوں کو جانے دینا سیکھنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں معافی اور ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔

مشکلات میں پختگی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چوتھے سال ایک غیر مسلم ابو براء عامر بن مالک مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت کے لیے آئے۔ اس نے نہ اسلام قبول کیا اور نہ ہی اس سے دشمنی ظاہر کی۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نجد میں ان کے علاقے میں بھیجا جائے تاکہ وہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تذبذب کا شکار تھے کیونکہ انہیں شبہ تھا کہ وہ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کریں گے۔ ابو براء نے ان کی حفاظت کی ضمانت دی۔ ستر کے قریب علماء کرام رضی اللہ عنہم کو روانہ کیا گیا لیکن نجد میں ایک اور قبیلہ بنو سلیم نے ان پر حملہ کیا۔ وہ سب شہید ہو گئے سوائے ایک کے جو زخمی ہو کر لے گئے۔ اس پر امام صفی الرحمن کی کتاب، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 299-301 اور امام محمد السلبی کی کتاب، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم زندگی، جلد 1، صفحہ 1234-1235 میں بحث کی گئی ہے۔

زندگی میں ایک مسلمان کو ہمیشہ یا تو آسانی کے وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا پھر مشکل کا۔ کوئی بھی شخص کچھ مشکلات کا سامنا کیے بغیر صرف آسانی کے اوقات کا تجربہ نہیں کرتا ہے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اگرچہ تعریف کے اعتبار سے مشکلات کا مقابلہ کرنا مشکل ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت اور بندگی کو حاصل کرنے اور اس کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں لوگ زندگی کے اہم اسباق سیکھتے ہیں جب انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر جب وہ آسانی کے وقت کا سامنا کرتے ہیں۔ اور لوگ اکثر آسانی کے اوقات کے مقابلے مشکل کے وقت کا سامنا کرنے کے بعد بہتر کے لیے بدل جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے صرف اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت اگر کوئی قرآن پاک کا مطالعہ کرے تو وہ سمجھے گا کہ زیر بحث واقعات کی اکثریت مشکلات پر مشتمل ہے۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حقیقی عظمت ہمیشہ آسانی کے اوقات کا تجربہ کرنے میں مضمر نہیں ہے۔ ،درحقیقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے مشکلات کا سامنا کرنا، اس کے احکام کو بجا لانا اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا ہے۔ یہ اس حقیقت سے ثابت ہے کہ اسلامی تعلیمات میں جن بڑی مشکلوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کا خاتمہ ان لوگوں کے لیے حتمی کامیابی پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ لہٰذا ایک مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنے کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ صرف ان کے لیے چمکنے کے لمحات ہیں اور سچی اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں حتمی کامیابی کی کلید ہے۔

بنو نضیر

عہد توڑنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے بعد چوتھے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غیر مسلم قبیلہ بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے جس سے آپ نے پہلے عہد کیا تھا۔ مالی مدد طلب کرنے کے لیے تعاون اور امن کے ساتھ انہوں نے جواب دیا کہ وہ خفیہ طور پر اسے قتل کرنے کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے اس کی مدد کریں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی خیانت کی اطلاع دیتے ہوئے آسمانی وحی موصول ہوئی اور وہ اپنے شیطانی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا موقع ملنے سے پہلے ہی مدینہ واپس چلے گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 100-101 میں بحث کی گئی ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے باب 5 المائدہ آیت 11 نازل فرمائی:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب ایک قوم نے تم پر ہاتھ پھیلانے کا ارادہ کیا، لیکن اس نے ان کے ہاتھ تم سے روک لیے۔ اور اللہ سے ڈرو۔ اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔“

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 5:11، صفحہ 67 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ وعدہ خلافی منافقت کا ایک پہلو ہے۔

ایک مسلمان کا سب سے بڑا وعدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، جو اس کی سچی اطاعت کرنا ہے۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ لوگوں کے ساتھ کیے گئے دیگر تمام وعدوں کو بھی برقرار رکھا جانا چاہیے جب تک کہ کسی کے پاس کوئی معقول عذر نہ ہو، خاص طور پر جو والدین بچوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ وعدوں کی خلاف ورزی بچوں کو صرف برے کردار کی تعلیم دیتی ہے اور انہیں یہ ماننے کی ترغیب دیتی ہے کہ دھوکے باز ہونا ایک قابل قبول خصوصیت ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2227 میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ جو اس کے نام وعدہ کرے اور پھر بغیر کسی عذر کے اسے توڑ دے وہ اس کے خلاف ہو گا۔ جس کے خلاف اللہ تعالیٰ ہے وہ قیامت کے دن کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟

سچا انصاف

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے بعد چوتھے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غیر مسلم قبیلہ بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے جس سے آپ نے پہلے عہد کیا تھا۔ مالی مدد طلب کرنے کے لیے تعاون اور امن کے ساتھ۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ خفیہ طور پر اسے قتل کرنے کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے اس کی مدد کریں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی خیانت کی اطلاع دیتے ہوئے آسمانی وحی موصول ہوئی اور وہ اپنے شیطانی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا موقع ملنے سے پہلے ہی مدینہ واپس چلے گئے۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو نضیر کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنے علاقے اور حفاظت سے نکل جائیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 100-101 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس غیر مسلم قبیلے سے فوری انتقام لے سکتے تھے جس نے اپنے عہد کو توڑا اور آپ کو قتل کرنے کی سازش کی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصاف پر قائم رہے اور انہیں پرامن طور پر نکلنے کا موقع دیا۔

صحیح مسلم نمبر 4721 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ انصاف کے ساتھ کام کرنے والے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ اس میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے خاندانوں اور ان کی دیکھ بھال اور اختیار کے تحت اپنے فیصلوں میں صرف ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر موقع پر انصاف سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انصاف کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے۔ انہیں ان تمام نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا چاہیے جو انہیں دی گئی ہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق۔ اس میں کھانے اور آرام کے حقوق کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ہر عضو کو اس کے حقیقی مقصد کے مطابق استعمال کرتے ہوئے اپنے جسم اور دماغ کے لیے

صرف ہونا شامل ہے۔ اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ وہ اپنے جسم اور دماغ کو اپنی حدود سے باہر دھکیلیں جس سے وہ خود کو نقصان پہنچائے۔

کسی کو لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے لوگوں پر ظلم کر کے اسلام کی تعلیمات پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کا ایک بڑا سبب ہو گا جس کی طرف صحیح مسلم نمبر 6579 کی حدیث میں آیا ہے۔

انہیں صرف اس صورت میں بھی رہنا چاہئے جب یہ ان کی خواہشات اور ان کے پیاروں کی خواہشات سے متصادم ہو۔ باب 4 النساء، آیت 135:

"اے ایمان والو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ کوئی امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں کا زیادہ حقدار ہے۔ [1] پس [ذاتی [جھکاؤ کی پیروی نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ تم انصاف پسند نہ بنو۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کے حقوق اور ضروریات کو پورا کرتے ہوئے اپنے محتاجوں کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے جس کی نصیحت سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ انہیں نظر انداز نہ کیا جائے اور نہ ہی انہیں کسی دوسرے کے حوالے کیا جائے جیسے کہ اسکول اور مسجد۔ اساتذہ کسی شخص کو یہ ذمہ داری نہیں اٹھانی چاہئے اگر وہ ان کے بارے میں انصاف کے ساتھ کام کرنے میں بہت سست ہو۔

آخر میں، کوئی بھی شخص انصاف کے ساتھ کام کرنے سے آزاد نہیں ہے جیسا کہ کم از کم اللہ تعالیٰ اور اپنے آپ کے ساتھ انصاف کے ساتھ کام کرنا ہے۔

بدی کی حمایت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے بعد چوتھے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غیر مسلم قبیلہ بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے جس سے آپ نے پہلے عہد کیا تھا۔ مالی مدد طلب کرنے کے لیے تعاون اور امن کے ساتھ۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ خفیہ طور پر اسے قتل کرنے کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے اس کی مدد کریں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی خیانت کی اطلاع دیتے ہوئے آسمانی وحی موصول ہوئی اور وہ اپنے شیطانی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا موقع ملنے سے پہلے ہی مدینہ واپس چلے گئے۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو نضیر کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنے علاقے اور حفاظت سے نکل جائیں۔ منافقین نے بنو نضیر کو ٹھہرنے کی تلقین کی اور ان کی حمایت کی۔ ان کا دعویٰ تھا کہ اگر بنو نضیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مزاحمت کی تو وہ ان کا ساتھ دیں گے، اگر بنو نضیر لڑے تو وہ ان سے لڑیں گے اور اگر انہیں علاقے سے نکال دیا گیا تو وہ ان کے ساتھ نکل جائیں گے۔ انہیں اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے باب 59 الحشر آیت 11 نازل فرمایا:

"کیا تم نے ان لوگوں پر غور نہیں کیا جو نفاق کرتے ہیں اور اپنے ان بھائیوں سے جو اہل کتاب میں سے کافر ہیں، کہتے ہیں کہ اگر تم نکالے گئے تو ہم ضرور تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گے اور تمہاری بات نہیں مانیں گے۔ ,کوئی بھی - کبھی بھی؛ اور اگر آپ سے لڑائی ہوئی تو ہم ضرور آپ کی مدد کریں گے۔ "لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔"

اس نے بنو نضیر کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کھڑے ہونے کی ترغیب دی۔ آخرکار منافقین نے کچھ نہیں کیا جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو نضیر کے خلاف جنگ کا فیصلہ کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب حیاتِ نبوی، جلد 3، صفحہ 100-101 اور امام صفی الرحمن کی، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 302-303 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ سچی محبت کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتا ہے، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ اس لیے کہ اطاعت دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی اور سلامتی کا باعث بنتی ہے۔ جو شخص کسی شخص کے لیے حفاظت اور کامیابی کا خواہاں نہیں ہے وہ کبھی بھی ان سے حقیقی محبت نہیں کر سکتا چاہے وہ کیا دعویٰ کرے یا دوسرے شخص کے ساتھ کیسا سلوک کرے۔ جس طرح بندہ اس وقت خوش ہوتا ہے جب اس کے محبوب کو دنیاوی کامیابی ملتی ہے، جیسے نوکری کی، وہ بھی اپنے محبوب سے آخرت کی کامیابی کی تمنا کرے گا۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی حفاظت اور کامیابی کی پرواہ نہیں کرتا ہے خاص طور پر اگلے جہان میں تو وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔

ایک سچا عاشق اپنے محبوب کو دنیا یا آخرت میں مشکلات اور عذاب کا سامنا کرتے ہوئے جاننا اور دیکھنا برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتے۔ اگر کوئی شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کے بجائے کسی دوسرے کو اپنے ذاتی مفاد یا دوسروں کے مفاد کی طرف لے جائے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں رکھتے۔ یہ تمام رشتوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دوستی اور رشتہ دار۔

لہٰذا ایک مسلمان کو یہ اندازہ لگانا چاہیے کہ آیا اس کی زندگی میں وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو یہ ان کے لیے ان کی محبت کی واضح علامت ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں کرتے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

''اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔''

بدلہ لینا چھوڑنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے بعد چوتھے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غیر مسلم قبیلہ بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے جس سے آپ نے پہلے عہد کیا تھا۔ مالی مدد طلب کرنے کے لیے تعاون اور امن کے ساتھ۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ خفیہ طور پر اسے قتل کرنے کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے اس کی مدد کریں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی خیانت کی اطلاع دیتے ہوئے آسمانی وحی موصول ہوئی اور وہ اپنے شیطانی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا موقع ملنے سے پہلے ہی مدینہ واپس چلے گئے۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو نضیر کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنے علاقے اور حفاظت سے نکل جائیں۔ منافقین نے بنو نضیر کو ٹھہرنے کی تلقین کی اور ان کی حمایت کی۔ ان کا دعویٰ تھا کہ اگر بنو نضیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مزاحمت کی تو وہ ان کا ساتھ دیں گے، اگر بنو نضیر لڑے تو وہ ان سے لڑیں گے اور اگر انہیں علاقے سے نکال دیا گیا تو وہ ان کے ساتھ نکل جائیں گے۔ انہیں اس نے بنو نضیر کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کھڑے ہونے کی ترغیب دی۔ آخرکار منافقین نے کچھ نہیں کیا جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو نضیر کے خلاف جنگ کا فیصلہ کیا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بنو نضیر کا محاصرہ کیا تو انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کا خون بہا دیں اور ان کو محفوظ راستہ دیں تاکہ وہ اپنے سامان سمیت علاقہ خالی کر سکیں۔ .بنو نضیر سے ان کے مذموم منصوبے کا بدلہ لینے کے بجائے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ہتھیاروں کے علاوہ جو کچھ بھی اٹھا سکتے تھے لے جانے کی اجازت دی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 100-101 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات سے بدلہ نہیں لیا بلکہ معاف کر دیا اور نظر انداز کیا۔

مسلمانوں کو مناسب اور معقول طریقے سے اپنا دفاع کرنے کی اجازت دی گئی ہے جب ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا ہے۔ لیکن انہیں کبھی بھی لائن سے اوپر نہیں جانا چاہئے کیونکہ یہ ایک گناہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190:

"اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہیں کرتے۔ بے شک اللہ حد
سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

چونکہ نشان پر قدم رکھنے سے بچنا مشکل ہے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ صبر و تحمل سے کام لے، دوسروں کو نظر انداز کرے اور معاف کرے کیونکہ یہ نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی لے جاتی ہے۔ ان کے گناہوں کو معاف کرنا .باب النور، آیت 22 24:

"...اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر
دے؟''

دوسروں کو معاف کرنا بھی دوسروں کے کردار کو مثبت انداز میں بدلنے میں زیادہ کارگر ہے جو کہ اسلام کا مقصد ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے کیونکہ بدلہ لینا ہی ملوث افراد کے درمیان مزید دشمنی اور غصے کا باعث بنتا ہے۔

آخر میں وہ لوگ جو دوسروں کو معاف نہ کرنے کی بری عادت رکھتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی ہمیشہ کینہ پرور رہتے ہیں، انہیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ ان کے ہر چھوٹے گناہ کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چیزوں کو جانے دینا سیکھنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں معافی اور ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔

ایمان میں کوئی جبر نہیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے بعد چوتھے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غیر مسلم قبیلہ بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے جس سے آپ نے پہلے عہد کیا تھا۔ مالی مدد طلب کرنے کے لیے تعاون اور امن کے ساتھ۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ خفیہ طور پر اسے قتل کرنے کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے اس کی مدد کریں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی خیانت کی اطلاع دیتے ہوئے آسمانی وحی موصول ہوئی اور وہ اپنے شیطانی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا موقع ملنے سے پہلے ہی مدینہ واپس چلے گئے۔ نتیجتاً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا محاصرہ کیا اور انہیں شکست دی لیکن ان کی بہت سی غداری کی وجہ سے انہیں قتل کرنے کے بجائے جلاوطن کر دیا۔ اسلام کے آنے سے پہلے جب مدینہ کی ایک مشرک عورت کم عمری میں اپنے بچوں سے محروم ہو جاتی تو وہ اپنے اگلے بچے کی پرورش ایک یہودی کے طور پر کرنے کی قسم کھاتی تھی، اس امید سے کہ اس سے بچے کی موت سے بچا جا سکے گا۔ نتیجتاً ان بچوں کی پرورش قبیلہ بنو نضیر میں ہوئی اور اس لیے انہیں باقی قبیلے کے ساتھ نکال دیا گیا۔ جب ان کے حیاتیاتی والدین، جو اب مسلمان ہو چکے تھے، نے اپنے بچوں کو مدینہ میں رکھنے اور ان پر اسلام نافذ کرنے کی خواہش ظاہر کی تو اللہ تعالیٰ نے باب 2 البقرہ، آیت 256 نازل فرمائی:

"دین میں کوئی جبر نہیں ہوگا۔ صحیح راستہ غلط سے الگ ہو گیا ہے۔ پس جو کوئی طاغوت کا انکار کرتا ہے اور اللہ پر ایمان رکھتا ہے اس نے سب سے زیادہ بھروسہ مند ہاتھ پکڑ لیا ہے جس میں کوئی توڑ نہیں ہے۔ اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 100-101 اور سنن ابوداؤد نمبر 2682 میں موجود حدیث میں بحث ہوئی ہے۔

اسلام ایک ایسی چیز ہے جسے انسان کے دل سے قبول کرنا ضروری ہے نہ کہ صرف اس کے قول و فعل سے۔ چونکہ کسی شخص کے دل کا معاملہ پوشیدہ ہے اسے اسلام قبول کرنے پر مجبور

کرنا ایک بے مقصد کوشش بن جاتی ہے۔ اس سے واضح طور پر ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو اسلام کو تلوار سے پھیلانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بارہا ان لوگوں کی مذمت کی ہے اور سخت تنقید کی ہے جو اپنی زبان سے اسلام قبول کرتے ہیں لیکن دلوں میں اس کا انکار کرتے ہیں یعنی منافق۔ یہ اس کا نتیجہ ہو گا جو اسلام قبول کرنے پر مجبور ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اس ضابطہ اخلاق سے کبھی راضی نہیں ہوگا کیونکہ کھلے عام کفر کو منافقت پر ترجیح دی جاتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جہنم میں سب سے نچلا درجہ منافقین کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ باب 4 النساء، آیت 145:

‘‘بے شک منافق دوزخ کے سب سے نچلے حصے میں ہوں گے۔’’

اس کے علاوہ قرآن کریم واضح کرتا ہے کہ اسلامی ریاست میں رہنے والے اہل کتاب)یہود و نصاریٰ (پرامن اور مکمل حقوق کے ساتھ رہ سکتے ہیں چاہے وہ ٹیکس ادا کرکے اسلام قبول نہ کریں۔ اگر مسلمانوں کو دوسروں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنے کی اجازت دی جائے تو اس ٹیکس کو تجویز کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ باب 9 توبہ آیت 29:

’’ان لوگوں سے لڑو جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخرت پر اور جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے اور جن کو کتاب دی گئی ہے ان میں سے دین حق کو اختیار نہیں کرتے۔ وہ جزیہ دیتے ہیں..."

انتہائی سخاوت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے بعد چوتھے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غیر مسلم قبیلہ بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے جس سے آپ نے پہلے عہد کیا تھا۔ مالی مدد طلب کرنے کے لیے تعاون اور امن کے ساتھ۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ خفیہ طور پر اسے قتل کرنے کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے اس کی مدد کریں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی خیانت کی اطلاع دیتے ہوئے آسمانی وحی موصول ہوئی اور وہ اپنے شیطانی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا موقع ملنے سے پہلے ہی مدینہ واپس چلے گئے۔ نتیجتاً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا محاصرہ کیا اور انہیں شکست دی لیکن ان کی بہت سی غداری کی وجہ سے انہیں قتل کرنے کے بجائے جلاوطن کر دیا۔

مال غنیمت بغیر کسی لڑائی کے حاصل کیا گیا اور اس لیے اسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کر دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ منورہ سے جمع کیا اور انہیں مکہ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مال غنیمت میں برابر کے شریک ہونے کا اختیار دیا یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مکہ سے آنے کی اجازت دی۔ ان سے یہ سب کچھ حاصل کرنے کے لیے اس طرح انہیں مدینہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مالی امداد کی ضرورت نہیں رہے گی، جیسے کہ ان کے ساتھ رہنا۔ مدینہ کے صحابہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وہ تمام مال غنیمت مکہ کے صحابہ میں تقسیم کر دے، اللہ ان کے ساتھ ہو اور وہ ان کی مالی مدد بھی کرتے رہیں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرتِ نبوی، جلد 3، صفحہ 100-101 اور امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 1269-1270 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ باب 3 علی عمران، آیت 92 سے مربوط ہے:

’’تم اس وقت تک نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔ اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو، یقیناً اللہ اس کو جانتا ہے۔

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ کوئی شخص سچا مومن نہیں ہو سکتا، یعنی وہ اپنے ایمان میں نقص رکھتا ہے، جب تک کہ وہ اپنی پسند کی چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ اگرچہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ اس آیت کا اطلاق دولت پر ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس کا مطلب بہت زیادہ ہے۔ اس میں ہر وہ نعمت شامل ہے جسے ایک مسلمان پسند اور پسند کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، مسلمان اپنے قیمتی وقت کو ان چیزوں پر صرف کرنے میں خوش ہوتے ہیں جو انہیں خوش کرتی ہیں۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ان فرضی فرائض سے ہٹ کر وقت دینے سے انکار کرتے ہیں جو ایک دن میں بمشکل ایک یا دو گھنٹے لگتے ہیں۔ لاتعداد مسلمان ابھی تک مختلف خوشگوار سرگرمیوں میں اپنی جسمانی طاقت کو وقف کرنے پر خوش ہیں، ان میں سے بہت سے لوگ اسے ان چیزوں کے لیے وقف کرنے سے انکار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتی ہیں، جیسے کہ رضاکارانہ روزہ۔ عام طور پر لوگ ان چیزوں میں کوشش کرنے میں خوش ہوتے ہیں جن کی وہ خواہش رکھتے ہیں جیسے کہ ضرورت سے زیادہ دولت حاصل کرنا جس کی انہیں ضرورت نہیں ہے خواہ اس کا مطلب یہ ہو کہ انہیں اوور ٹائم کرنا پڑے اور اپنی نیندیں ترک کرنی پڑیں پھر بھی کتنے لوگ اس راہ میں اللہ کی اطاعت میں کوشش کرتے ہیں۔ اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے باز رہنے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے سے سربلند؟ کتنے لوگ نماز ادا کرنے کے لیے اپنی قیمتی نیند ترک کر دیتے ہیں؟

یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان ابھی تک حلال دنیاوی اور دینی نعمتوں کے خواہاں ہیں، ایک سادہ سی حقیقت کو نظر انداز کرتے ہیں۔ کہ یہ چیزیں انہیں تب ہی حاصل ہوں گی جب وہ اپنے پاس موجود نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کریں گے۔ وہ کیسے کم سے کم چیزیں اس کے لیے وقف کر سکتے ہیں اور پھر بھی اپنے تمام خوابوں کو حاصل کرنے کی توقع رکھتے ہیں؟ یہ رویہ واقعی عجیب ہے۔

اندھی تقلید

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے بعد چوتھے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غیر مسلم قبیلہ بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے جس سے آپ نے پہلے عہد کیا تھا۔ مالی مدد طلب کرنے کے لیے تعاون اور امن کے ساتھ۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ خفیہ طور پر اسے قتل کرنے کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے اس کی مدد کریں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی خیانت کی اطلاع دیتے ہوئے آسمانی وحی موصول ہوئی اور وہ اپنے شیطانی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا موقع ملنے سے پہلے ہی مدینہ واپس چلے گئے۔ نتیجتاً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا محاصرہ کیا اور انہیں شکست دی لیکن ان کی بہت سی غداری کی وجہ سے انہیں قتل کرنے کے بجائے جلاوطن کر دیا۔ ان کی جلاوطنی کے بعد، عمرو بن سودا نامی ایک یہودی عالم، جس کا تعلق مدینہ کے قریب رہنے والے قبیلہ بنو قریظہ سے تھا، بنو نضیر کے اجڑے ہوئے گھروں کے پاس سے گزرا۔ یہ دیکھنے کے بعد وہ اپنے قبیلہ بنو قریظہ میں واپس آئے اور ان کے سرداروں کو جمع کیا۔ انہوں نے کھلے دل سے اعتراف کیا کہ یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ ماننے اور ان کی پیروی کی۔ ان کے ہر رہنما نے اعتراف کیا کہ ان کے آسمانی صحیفوں میں جو نشانیاں پائی جاتی ہیں وہ واضح طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک کی سچائی پر دلالت کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے بعض بزرگ یہودی علماء کا بھی ذکر کیا، جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے پہلے انتقال کر گئے تھے، اور انہوں نے اپنی موت سے پہلے، کس طرح اپنے لوگوں کو ان کو قبول کرنے اور اس کی پیروی کرنے کی ترغیب دی۔ ان رہنماوں میں سے ایک نے تبصرہ کیا کہ صرف ایک چیز جس نے اسے اور اس کے پیروکاروں کو اسلام قبول کرنے سے روکا تھا وہ دوسرا رہنما تھا، کیونکہ وہ اس کی مخالفت کرنے میں عافیت محسوس نہیں کرتا تھا اور مزید کہا کہ اگر وہ رہنما اسلام قبول کر لیتا تو وہ اور اس کے پیروکاروں کو اسلام قبول کرنے سے روکا جاتا۔ پیروکار لیکن اپنے وقار اور دنیاوی فائدے کے کھو جانے اور ایک دوسرے کی اندھی تقلید کے خوف سے وہ اسلام قبول کرنے میں ناکام رہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 100-101 اور 108-109 میں بحث کی گئی ہے۔

دوسروں کی اندھی تقلید لوگوں کی سچائی کو مسترد کرنے کی ایک بڑی وجہ ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی عقل کو بروئے کار لاتے ہوئے شہادتوں اور واضح نشانیوں پر مبنی طرز زندگی کا انتخاب کرے اور مویشیوں کی طرح دوسروں کی اندھی تقلید نہ کرے۔ اندھی تقلید اسلام میں بھی ناپسندیدہ ہے۔

سنن ابن ماجہ، نمبر 4049 میں موجود ایک حدیث، اسلام قبول کرنے میں دوسروں کی اندھی تقلید نہ کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ کسی کے اہل خانہ، بغیر اسلامی علم حاصل کیے اور اس پر عمل کیے، تاکہ کوئی شخص اندھی تقلید سے آگے نکل جائے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے۔ اپنے رب اور ان کی اپنی بندگی کو پہچاننا۔ یہ دراصل بنی نوع انسان کا مقصد ہے۔ باب 51 ذریات، آیت 56:

’’اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔‘‘

کوئی ایسے شخص کی عبادت کیسے کر سکتا ہے جسے وہ پہچانتا بھی نہیں؟ اندھی تقلید بچوں کے لیے قابل قبول ہے لیکن بڑوں کو چاہیے کہ وہ علم کے ذریعے اپنی تخلیق کے مقصد کو صحیح معنوں میں سمجھ کر صالح پیشروؤں کے نقش قدم پر چلیں۔ جہالت ہی اس کی وجہ ہے کہ جو مسلمان اپنے فرائض کی ادائیگی کرتے ہیں وہ آج بھی اللہ تعالیٰ سے قطع تعلق محسوس کرتے ہیں۔ یہ پہچان ایک مسلمان کو صرف پانچ وقت کی فرض نمازوں کے دوران نہیں بلکہ پورے دن اللہ کے سچے بندے کے طور پر برتاؤ کرنے میں مدد دیتی ہے۔ صرف اسی کے ذریعے مسلمان اللہ تعالیٰ کی حقیقی بندگی کو پورا کریں گے۔ اور یہی وہ ہتھیار ہے جو مسلمان کو اپنی زندگی کے دوران پیش آنے والی تمام مشکلات پر قابو پاتا ہے۔ اگر ان کے پاس یہ نہیں ہے تو انہیں اجر حاصل کیے بغیر مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ درحقیقت یہ دونوں جہانوں میں مزید مشکلات کا باعث بنے گا۔ اندھی تقلید کے ذریعے فرائض کی ادائیگی سے فرض تو پورا ہو سکتا ہے لیکن یہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کے قرب تک پہنچنے کے لیے ہر مشکل میں محفوظ طریقے سے رہنمائی نہیں کرے گا۔ درحقیقت، زیادہ تر صورتوں میں اندھی تقلید اس بات کا باعث بنتی ہے کہ آخرکار اپنے واجبات کو چھوڑ دے۔ یہ مسلمان صرف مشکل کے وقت اپنے فرائض ادا کرے گا اور آسانی کے وقت ان سے منہ موڑے گا یا اس کے برعکس۔

شراب کی ممانعت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے بعد چوتھے سال اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام کر دیا۔ اس پر امام محمد السلّابی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرتِ نبوی، جلد 1، صفحہ 1281 میں بحث کی گئی ہے۔

تنسیخ وہ عمل ہے جس کے ذریعے کچھ عرصے کے بعد ایک حکم یا ممانعت کو دوسرے حکم یا ممانعت سے بدل دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس تکنیک کو استعمال کیا تاکہ ایک غیر مسلم سے مضبوط مسلمان کی طرف منتقلی کو ایک شخص کے لیے آسان بنایا جا سکے۔ اگر تمام حتمی احکام و ممنوعات کو ایک ہی بار میں مکمل طور پر نافذ کر دیا جائے تو یہ عمل مشکل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں شراب کو فوری طور پر حرام نہیں کیا گیا، کیونکہ شراب کو ایک ہی پل میں ترک کرنا زیادہ تر لوگوں کے لیے مشکل ہو جاتا تھا جو اسے پیتے تھے۔ اس کے بجائے اسے مراحل میں ممنوع قرار دیا گیا۔ باب 2 البقرہ، آیت 219:

"وہ تم سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ ان میں گناہ کبیرہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے۔

اور باب 4 النساء آیت 43:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ تم یہ نہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو“۔

اور آخر میں باب 5 المائدہ آیت 90:

”اے ایمان والو، بے شک نشہ، جوا، پتھروں پر قربانی کرنا، اور طاغوت کے تیر شیطان کے کام سے ناپاک ہیں، لہٰذا اس سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔“

یہ عمل طبی ڈاکٹروں کی طرف سے بھی اختیار کیا جاتا ہے جو ادویات کی پوری خوراک سیدھے طریقے سے تجویز نہیں کرتے ہیں اور اس کے بجائے خوراک کو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھاتے ہیں تاکہ مریض ان کو مثبت انداز میں ڈھال سکیں۔ یہ حکمت عملی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم نعمت اور رحمت تھی، کیونکہ اسلام قبول کرنے والے لاتعداد لوگ اس کو رد کر دیتے اگر تمام حتمی احکام و ممنوعات نزول کے آغاز میں ایک ہی بار میں نازل ہو جاتے۔ جیسا کہ اس آیت کے آخری حصے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ اس کام کا اختیار رکھتا ہے پھر بھی اس نے لوگوں کے لیے آسانی اور رحمت کا راستہ منتخب کیا۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی ممنوعات اور احکام لوگوں کی زندگی کو مشکل بنانے کے لیے موجود نہیں ہیں۔ وہ صرف اس لیے موجود ہیں کہ لوگوں کو اس دنیا اور آخرت دونوں میں فائدہ پہنچائیں خواہ یہ فوائد لوگوں پر ظاہر نہ ہوں۔ مثال کے طور پر، الکحل کے منفی اثرات، جو سائنس نے ثابت کیے ہیں، ہمیشہ ظاہر نہیں ہوتے تھے جیسے کہ جسم کے اعضاء پر اس کے منفی اثرات۔ اسلام میں صرف لوگوں کو اس اور دیگر نقصانات سے بچانا غیر قانونی ہو گیا۔ اس کے علاوہ کسی چیز کو اس کی حکمتوں کو سمجھے بغیر قبول کرنا ایمان کا ایک پہلو ہے۔ اگر احکام و ممنوعات کی تمام حکمتیں ظاہر کر دی جائیں تو یہ مسلمانوں کو مکمل ایمان لانے کی اجازت نہیں دے گی۔ اللہ تعالیٰ ان احکام و ممنوعات سے فائدہ نہیں اٹھاتا جو صرف لوگ کرتے ہیں۔

منسوخی کا یہ عمل درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور مدد کا ایک پہلو ہے تاکہ انسان دونوں جہانوں میں آسانی سے کامیاب ہو سکے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 3371 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مسلمان کو ہرگز شراب نہیں پینا چاہئے کیونکہ یہ تمام برائیوں کی کنجی ہے۔

بدقسمتی سے مسلمانوں میں یہ کبیرہ گناہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا ہے۔ یہ تمام برائیوں کی کنجی ہے کیونکہ یہ دوسرے گناہوں کو جنم دیتی ہے۔ یہ بالکل واضح ہے کیونکہ شرابی اپنی زبان اور جسمانی افعال پر قابو کھو دیتا ہے۔ صرف اس خبر کو دیکھنے کی ضرورت ہے کہ شراب پینے سے کتنا جرم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ اعتدال سے پیتے ہیں وہ صرف اپنے جسم کو نقصان پہنچاتے ہیں، جسے سائنس نے ثابت کیا ہے۔ الکحل سے منسلک جسمانی اور ذہنی بیماریاں بے شمار ہیں اور نیشنل ہیلتھ سروس اور ٹیکس دہندگان پر بھاری بوجھ کا باعث بنتی ہیں۔ یہ تمام برائیوں کی کلید ہے کیونکہ یہ انسان کے تینوں پہلوؤں یعنی ان کے جسم، دماغ اور روح پر منفی اثر ڈالتی ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 90:

”اے ایمان والو، بے شک نشہ، جوا، پتھروں پر قربانی کرنا، اور طاغوت کے تیر شیطان کے کام سے ناپاک ہیں، لہٰذا اس سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔“

حقیقت یہ ہے کہ شراب پینے کو اس آیت میں ان چیزوں کے ساتھ رکھا گیا ہے جن کا تعلق شرک سے ہے اس سے بچنا کتنا ضروری ہے۔

یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 3376 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ شراب باقاعدگی سے پینے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

سنن ابن ماجہ، نمبر 68 کی ایک حدیث کے مطابق امن کے اسلامی سلام کو پھیلانا جنت کے حصول کی کلید ہے۔ پھر بھی، امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 1017 میں پائی جانے والی ایک حدیث مسلمانوں کو مشورہ دیتی ہے کہ وہ ایسے شخص کو سلام نہ کریں جو باقاعدگی سے شراب پیتا ہو۔ شراب.

شراب ایک انوکھا کبیرہ گناہ ہے کیونکہ سنن ابن ماجہ نمبر 3380 میں موجود ایک حدیث میں دس مختلف طریقوں سے اس پر لعنت کی گئی ہے۔ ان میں شراب خود، اسے بنانے والا، اس کے پیدا کرنے والا، جس کے لیے تیار کیا جاتا ہے، شامل ہیں۔ اسے بیچنے والا، اسے خریدنے والا، اسے اٹھانے والا، جس تک پہنچایا جائے، وہ جو اسے بیچ کر حاصل کردہ مال کو استعمال کرے، اسے پینے والا اور اس کو ڈالنے والا۔ جو شخص ایسی لعنت کا معاملہ کرے گا وہ اس وقت تک حقیقی کامیابی حاصل نہیں کرے گا جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کرے۔

جوئے کی ممانعت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے بعد چوتھے سال اللہ تعالیٰ نے جوئے کو حرام قرار دیا۔ اس پر امام محمد السلّابی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرتِ نبوی، جلد 1، صفحہ 1281 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ حقیقت کہ جوئے کو ان چیزوں کے ساتھ رکھا گیا ہے جن کا تعلق درج ذیل آیت میں شرک سے ہے اس سے پرہیز کرنا کتنا ضروری ہے۔ باب 5 المائدة، آیت 90:

”اے ایمان والو، بے شک نشہ، جوا، پتھروں پر قربانی کرنا، اور طاغوت کے تیر شیطان کے کام سے ناپاک ہیں، لہٰذا اس سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔“

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے امام بخاری کی کتاب "ادب المفرد "نمبر 1262 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت کی ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے کو یہ کہنے کے بدلے میں صدقہ دینا چاہیے۔ اگر شرط لگانے کے بارے میں بات کرنے پر جرمانہ ہے تو کیا کوئی حقیقت میں جوئے کی سنگینی کا تصور کر سکتا ہے؟

جوا نہ صرف ایک شخص کو بلکہ ان سے وابستہ تمام افراد جیسے کہ ان کے خاندان کو تباہ کرتا ہے۔ اس کا تعلق بہت سے دوسرے گناہوں اور حالات سے ہے، جیسے شراب نوشی اور افسردگی۔

ایک شخص جوئے کے ذریعے کچھ دولت جیت سکتا ہے لیکن طویل مدت میں وہ صرف ہارنے والا ہی ہوگا۔

قرآن پاک سے اخلاص

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چوتھے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غط الرقہ کے نام سے ایک مہم پر روانہ ہوئے۔ جب وہ رات بھر ایک وادی میں رکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو صحابہ رضی اللہ عنہم کو وادی کے منہ پر اس وقت پہرہ دینے کا حکم دیا جب فوج سو رہی تھی۔ ان میں سے ایک صحابی عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے پہلی شفٹ لی جب کہ دوسرے صحابی عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سو گئے۔ عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے لگے۔ ان کی نماز کے دوران ایک غیر مسلم دشمن سپاہی نے اسے دیکھا اور اس پر تیر مارا۔ عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے اپنے جسم سے تیر نکال لیا اور نماز پڑھتے رہے۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بیدار ہونے سے پہلے یہ چار مرتبہ ہوا۔ غیر مسلم سپاہی اس وقت بھاگ گیا جب اسے معلوم ہوا کہ وہاں دو محافظ ہیں۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے جب پہلا تیر لگا تو انہیں کیوں نہیں جگایا؟ اس نے جواب دیا کہ میں نماز سے فارغ ہونے تک قرآن پاک کی تلاوت بند نہیں کرنا چاہتا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 115-116 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں سے اس طرح کے برتاؤ کی توقع نہیں کی جاتی ہے لیکن ان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ قرآن پاک کے ساتھ سچے اخلاص کا مظاہرہ کریں۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام قرآن کریم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے کلام کے لیے گہرا احترام اور محبت شامل ہے۔ یہ اخلاص اس وقت ثابت ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن کریم کے تین پہلوؤں کو پورا کرتا ہے۔ سب سے پہلے اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا اس کی تعلیمات کو معتبر ذریعہ اور استاد کے ذریعے سمجھنا ہے۔ آخری پہلو یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات پر اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے مقصد سے عمل کیا جائے۔ مخلص مسلمان اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کو اپنی خواہشات پر عمل کرنے پر ترجیح دیتا ہے جو قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ اپنے کردار کو قرآن پاک پر ڈھالنا اللہ کی کتاب کے ساتھ سچے اخلاص کی علامت ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے جس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 1342 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

خوبصورت کردار

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چوتھے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غط الرقہ کے نام سے ایک مہم پر روانہ ہوئے۔ اس مہم سے واپسی پر جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا کمزور اونٹ باقی لشکر سے پیچھے رہ گیا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ اونٹ سے اتر جاؤ۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹ کو چھڑی سے چند بار دوڑایا اور اسے دوبارہ سوار ہونے کو کہا۔ پھر اونٹ مضبوط اور تیز ہو گیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے اونٹ بیچنے کو کہا۔ جابر رضی اللہ عنہ نے اسے بطور ہدیہ دینے کی پیشکش کی لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار کر دیا اور قیمت مقرر کر دی گئی۔ جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ نے حال ہی میں شادی کی تھی، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے شادی کی دعوت کا اہتمام کیا۔ جب وہ مدینہ واپس آئے تو جابر رضی اللہ عنہ وہ اونٹ لے کر آئے جسے انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فروخت کرنے پر رضامندی ظاہر کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اونٹ کو دیکھا تو جابر رضی اللہ عنہ کو تحفہ میں دیا اور جو رقم انہوں نے بیچنے پر رضامندی ظاہر کی اور کچھ اضافی بھی دیا۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 117-118 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسروں کے ساتھ رویہ تھا۔

جامع ترمذی نمبر 2003 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قیامت کے ترازو میں سب سے بھاری چیز حسن اخلاق ہوگی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن سلوک، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ اس میں لوگوں کے ساتھ اچھے کردار کا مظاہرہ بھی شامل ہے۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اللہ تعالیٰ کے حوالے سے واجبات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرکے دوسرے پہلو کو نظرانداز کرتے ہیں۔ وہ اس کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ یعنی جس طرح انسان کے ساتھ حسن سلوک کی خواہش

ہوتی ہے اسے چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آئے ورنہ وہ کامیاب نہیں ہوگا کیونکہ حقیقی کامیاب لوگ صرف مومن ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ، کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی زبانی اور جسمانی نقصان کو دوسروں اور ان کے مالوں سے دور نہ رکھے، خواہ اس کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 3318 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی کہ ایک عورت جہنم میں جائے گی کیونکہ اس نے بلی کے ساتھ بدسلوکی کی جس سے اس کی موت واقع ہوئی۔ اور سنن ابوداؤد نمبر 2550 میں ایک اور حدیث ملتی ہے کہ ایک آدمی کو پیاسے کتے کو کھانا کھلانے کی وجہ سے معاف کر دیا گیا۔ اگر یہ اچھا کردار دکھانے کا نتیجہ ہے اور جانوروں کو برے کردار دکھانے کا نتیجہ ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟ درحقیقت زیر بحث مرکزی حدیث اس نصیحت کے ساتھ ختم ہوتی ہے کہ اچھے کردار والے کو اس مسلمان کی طرح اجر ملے گا جو اللہ تعالیٰ کی مسلسل عبادت کرتا ہے اور باقاعدگی سے روزے رکھتا ہے۔

اضافہ یا نقصان

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چوتھے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ وہ اپنے مسلسل فراخدلانہ خیراتی عطیات اور غریبوں اور ضرورت مندوں کے ساتھ شفقت اور ہمدردی کے لئے "غریبوں کی ماں "کے طور پر جانا جاتا تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 112 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 2336 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ ہر روز دو فرشتے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ پہلا اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ وہ اس کی خاطر خرچ کرنے والے کو معاوضہ دے۔ دوسرا اللہ تعالیٰ سے پوچھتا ہے کہ روکنے والے کو ہلاک کر دے۔

اس حدیث کا مقصد سخاوت اور بخل سے بچنے کی ترغیب دینا ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرنا صرف واجب صدقہ ہی نہیں ہے بلکہ اس میں اپنی ضروریات اور اہل و عیال کی ضروریات پر خرچ کرنا بھی شامل ہے جیسا کہ اسلام نے اس کا حکم دیا ہے۔ جو کوئی بھی ان عناصر پر خرچ کرنے میں ناکام رہتا ہے وہ اپنی دولت کے تباہ ہونے کا مستحق ہے کیونکہ وہ اس مقصد کو پورا کرنے میں ناکام رہے ہیں جو حقیقت میں دولت کو بیکار بنا دیتا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرنا کبھی بھی مجموعی نقصان کا باعث نہیں بنتا کیونکہ ایک شخص کو کسی نہ کسی طریقے سے معاوضہ دیا جاتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 کی حدیث میں اس بات کی ضمانت دی ہے کہ صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا۔ باب 34 سبا، آیت 39:

‘‘...لیکن تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ اس کی تلافی کرے گا’’

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ ایک سخی اللہ کے قریب، جنت کے قریب، لوگوں کے قریب اور جہنم سے دور ہے۔ جبکہ کنجوس شخص اللہ تعالیٰ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور اور جہنم سے قریب ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1961 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

آخر میں، یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ یہ حدیث ان تمام نعمتوں پر لاگو ہوتی ہے جو کسی کے پاس ہوتی ہے، جیسے کہ ان کی اچھی صحت، نہ کہ صرف مال۔ پس اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنی نعمتوں کو صحیح طریقے سے وقف کرنے اور خرچ کرنے میں ناکام رہتا ہے تو فرشتے کی طرف سے ان کی نعمت کے خلاف دعا اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبول ہو سکتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر ایک نعمت کو اسلامی تعلیمات کے مطابق صحیح طریقے سے استعمال کریں تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ حاصل کریں جو حقیقت میں حقیقی شکرگزاری ہے۔ بصورت دیگر، وہ ہمیشہ کے لیے نعمت سے محروم ہو سکتے ہیں۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

مشکل کے ساتھ آسانی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے بعد چوتھے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ ان کی شادی سب سے پہلے ایک صحابی ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی لیکن وہ جنگ احد میں شدید زخمی ہو گئے تھے اور کچھ عرصہ بعد ان کی وفات ہو گئی۔ آپ کی وفات کے بعد اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت پر عمل کیا، یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی ہیں اور سب اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے کہ اسے اس کے شوہر کے نقصان کی تلافی کرنا اور اس کے بدلے میں اسے بہتر چیز دینا۔ وہ حیران تھی کہ وہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر کسی کو کیسے پا سکتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا پوری کر دی اور اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے شادی کی پیشکش قبول کر لی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 123-124 میں بحث کی گئی ہے اور صحیح مسلم نمبر 2126 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

مسند احمد نمبر 2803 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کی تلقین فرمائی کہ انسان کو درپیش ہر مشکل کے بعد آسانی ہوگی۔ یہ حقیقت قرآن مجید میں بھی بیان کی گئی ہے، مثال کے طور پر، باب 65، آیت 7:

’’اللہ تعالیٰ سختی کے بعد آسانی پیدا کرے گا۔‘‘

مسلمانوں کے لیے اس حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے کیونکہ یہ صبر اور قناعت کو جنم دیتا ہے۔ حالات کی تبدیلیوں پر غیر یقینی ہونا کسی کو بے صبری، ناشکری اور یہاں تک کہ غیر قانونی چیزوں کی طرف لے جا سکتا ہے، جیسے کہ غیر قانونی رزق۔ لیکن جو اس بات پر پختہ یقین رکھتا ہے کہ آخرکار تمام مشکلات آسانی سے بدل جائیں گی وہ اسلام کی تعلیمات پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے صبر سے اس تبدیلی کا انتظار کرے گا۔ یہ صبر اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور اس کا اجر بہت زیادہ ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 146:

‘‘اور اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔’’

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایسی بے شمار مثالیں بیان کی ہیں جب مشکل حالات کے بعد آسانی اور برکت آتی تھی۔ مثال کے طور پر قرآن کریم کی درج ذیل آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کو اپنی قوم کی طرف سے کس بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا اور کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں سیلاب عظیم سے بچایا اس کا ذکر ہے۔ باب 21 الانبیاء، آیت 76:

"اور نوح کا ذکر کریں جب اس نے]اس وقت [سے پہلے]اللہ کو [پکارا تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے اور اس کے گھر والوں کو بڑی مصیبت]یعنی سیلاب [سے بچا لیا۔

ایک اور مثال باب 21 الانبیاء، آیت 69 میں ملتی ہے:

ہم نے کہا اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو‘‘۔’’

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک عظیم آگ کی صورت میں بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس کو ٹھنڈا اور پر سکون بنا دیا۔

یہ اور بہت سی مثالیں قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں بیان کی گئی ہیں، تاکہ مسلمان یہ سمجھیں کہ مشکل کا ایک لمحہ آخر کار اللہ کی اطاعت کرنے والوں کے لیے آسانی

کا باعث بنتا ہے۔ اس کے احکام کو پورا کرنے سے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے سے۔

لہٰذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ ان اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں تاکہ ان بے شمار صورتوں کا مشاہدہ کیا جا سکے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں کو مشکلات کا سامنا کرنے کے بعد آسانی عطا فرمائی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں کو بڑی مشکلوں سے بچا لیا ہے جن کا ذکر الٰہی تعلیمات میں کیا گیا ہے تو وہ فرمانبردار مسلمانوں کو چھوٹی چھوٹی مشکلات سے بھی بچا سکتا ہے اور بچائے گا۔

دوسری بدر

جنگ احد سے نکلنے سے پہلے، غیر مسلم رہنما ابو سفیان نے اگلے سال بدر کے مقام پر دونوں فوجوں کے دوبارہ ملنے کے لیے ملاقات کا اعلان کیا۔ جب وقت آیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقریباً 1500 سپاہیوں کے ساتھ کوچ کیا اور بدر کے مقام پر غیر مسلموں کا انتظار کرنے لگے۔ غیر مسلم فوج تقریباً 2000 سپاہیوں پر مشتمل تھی لیکن اس نے بدر سے دور کیمپ قائم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی اور اگرچہ اس نے خود ملاقات کا وقت مقرر کیا، ابو سفیان نے سپاہیوں کو مکہ واپس جانے کی ترغیب دی۔ چونکہ وہ مسلمانوں کو مشغول کرنے سے خوفزدہ تھے، انہوں نے اس کی مخالفت نہیں کی اور مکہ واپس آگئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بدر میں رہے اور کسی نفع بخش تجارت میں مشغول رہے۔ آٹھ دن کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر سے اس ہیبت اور سربلندی کے ساتھ روانہ ہوئے جو اہل عرب کے دلوں میں پھیل گئی تھی۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 306-307 میں بحث کی گئی ہے۔

ان کی استقامت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک ایسی نفسیاتی فتح عطا فرمائی جس کی بازگشت پورے عرب میں فوجی فتح سے زیادہ تھی۔

یہ مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے کی اہمیت کی یاد دلاتا ہے جب بھی ان پر ان کے دشمنوں یعنی شیطان، ان کے باطنی شیطان اور وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے ہیں، ثابت قدم رہنے کی اہمیت کو یاد دلاتا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی ان دشمنوں کے فتنے میں مبتلا ہو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ نہ پھیرے۔ اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ ان جگہوں، چیزوں اور لوگوں سے اجتناب کرنے سے حاصل ہوتا ہے جو انہیں گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے اور فتنہ میں ڈالتے ہیں۔ شیطان کے جال سے بچنا صرف اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح راستے میں پھنسنے سے صرف اسی طرح علم رکھنے سے بچا جاتا ہے۔ شیطان کے جال سے بچنے کے لیے اسلامی علم کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان قرآن پاک کی تلاوت میں زیادہ وقت صرف کر سکتا ہے لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے وہ غیبت جیسے گناہوں کے ذریعے اپنے اعمال صالحہ کو سمجھے بغیر برباد کر سکتا ہے۔

ایک مسلمان کو ان حملوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ان کے لیے تیاری کریں اور اس کے بدلے میں بے شمار اجر حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس راہ میں جدوجہد کرنے والوں کے لیے صحیح رہنمائی کی ضمانت دی ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 69:

‘‘اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔’’

جبکہ جہالت اور نافرمانی کے ساتھ ان حملوں کا سامنا کرنا دونوں جہانوں میں مشکلات اور رسوائی کا باعث بنے گا۔ اسی طرح ایک سپاہی جس کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں وہ شکست کھا جائے گا۔ ان حملوں کا سامنا کرتے وقت ایک جاہل مسلمان کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں ہوگا جس کے نتیجے میں ان کی شکست ہوگی۔ جبکہ باشعور مسلمان کو وہ طاقتور ترین ہتھیار مہیا کیا جاتا ہے جس پر قابو نہیں پایا جا سکتا اور نہ مارا جا سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت۔ یہ صرف خلوص نیت سے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

پیاروں کو کھونا

عثمان بن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چوتھے سال میں حضرت عفان رضی اللہ عنہ کے چھ سالہ بیٹے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے بھی تھے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امام محمد السلابی کی سیرت عثمان ابن عفان ذون نورین صفحہ 55 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

چند سال بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ ام کلثوم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی بھی وفات پا گئیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری کوئی اور بیٹی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیتا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت عثمان ابن عفان ذون نورین صفحہ 56 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اگر ان کی چالیس بیٹیاں ہوں تو میں ان کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دوں گا، یہاں تک کہ ان میں سے کوئی بھی باقی نہ رہی۔ امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 163 میں اس پر بحث ہوئی ہے -

ہر روز لوگ اپنے پیاروں کو کھو دیتے ہیں۔ یہ ایک ناگزیر نتیجہ ہے۔ ایک مسلمان بہت سی چیزوں کو یاد رکھ سکتا ہے اور ان پر عمل کر سکتا ہے جو اس مشکل میں اس کی مدد کر سکتی ہیں۔ ایک بات یہ ہے کہ حالات کا مثبت انداز میں مشاہدہ کیا جائے۔ یعنی جو کچھ کھویا ہے اس پر غمگین ہونے کے بجائے انہیں ان اچھی چیزوں پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جو اس نے جانے والے کے ذریعے حاصل کی ہیں، جیسے کہ ان کی اچھی نصیحت اور رہنمائی۔ جب کوئی اس پر غور کرے گا تو وہ سمجھے گا کہ اس شخص کو کھونے سے پہلے اسے بالکل نہ جاننے کے بجائے اسے جان لینا بہتر تھا۔ یہ بیان سے ملتا جلتا ہے، محبت نہ کرنے سے بہتر ہے کہ پیار کیا جائے اور کھو دیا جائے۔ اگرچہ زیادہ تر معاملات میں، اس بیان کو سیاق و سباق سے ہٹ کر اور

غلط استعمال کیا جاتا ہے لیکن جب اس طرح استعمال کیا جائے تو یہ درست اور مددگار ثابت ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ جو مسلمان بلا شبہ آخرت پر یقین رکھتا ہے اسے ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ لوگ اس دنیا میں صرف ایک دوسرے کو چھوڑنے کے لیے نہیں ملتے۔ لیکن اس کے بجائے وہ صرف اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تاکہ اگلے جہان میں دوبارہ مل سکیں۔ یہ رویہ ایسی مشکل کے دوران مریض کو باقی رکھنے میں مدد دے سکتا ہے۔ اور اس سے انہیں یہ ترغیب دینی چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کریں، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتے ہوئے تاکہ وہ اپنے پیارے سے اپنے آخری آرام گاہ میں پناہ کے باغوں میں دوبارہ مل سکیں۔ ہمیشہ کے لیے

ہجرت کے بعد پانچواں سال

قائدین کے لیے نیک خواہشات

غزوۂ بدر میں غیر مسلموں کے سامنے نہ آنے کے بعد اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس تشریف لے گئے، آپ ایک لشکر کے ساتھ دوبارہ دومۃ الجندل کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ سرزمین رومی سلطنت کی سرحد پر تھی اس لیے یہ ایک طویل سفر تھا۔ دومۃ الجندل میں دشمن مسلمانوں کے تجارتی قافلوں اور مسلمانوں کے ساتھ صلح کے معاہدے کرنے والوں پر حملہ کر رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بھی پہنچی کہ وہ بھی مدینہ کی طرف جانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام عرب کو اور رومی سلطنت کو توسیع دے کر واضح پیغام دینا چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی سرزمین محفوظ اور ان کے کنٹرول سے باہر ہے۔ جب فوج دومۃ الجندل پہنچی تو دشمن کی فوج خوف سے بھاگ گئی اور کوئی لڑائی نہ ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد مسلمانوں کی فوج بحفاظت مدینہ واپس آگئی۔ مدینہ سے غیر حاضری کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سبع رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا انچارج مقرر کیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ سبع رضی اللہ عنہ مدینہ کے رہنے والے نہیں تھے اور اصل میں غفار قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ کسی اجنبی کو اقتدار پر مقرر کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ایک امتحان تھا، جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طویل غیر حاضری میں ان پر اعتراض کر سکتے تھے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی قبائلی وابستگیوں کو ایک طرف رکھ دیا اور سب ایمان کے ساتھ ایک دوسرے سے جڑ گئے اس لیے انہوں نے اپنے قائد کے ساتھ وفاداری کا مظاہرہ کیا خواہ اس کا پس منظر کچھ بھی ہو۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1300-1305 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام معاشرے کے قائدین کے لیے اخلاص ہے۔ اس میں انہیں بہترین مشورے کی پیشکش کرنا اور ان کے اچھے فیصلوں میں کسی بھی ضروری طریقے سے مدد کرنا شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جسمانی مدد۔ امام مالک کی موطا، کتاب نمبر 56، حدیث نمبر 20 میں موجود ایک حدیث کے مطابق اس فرض کو ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ باب 4 النساء آیت 59:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہیں..."

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاشرے کے سربراہان کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں اگر یہ خالق کی نافرمانی کا باعث بنے۔ اس طرح کے معاملات میں لیڈروں کے خلاف بغاوت کرنے سے گریز کیا جانا چاہیے کیونکہ اس سے صرف معصوم لوگوں کا ہی نقصان ہوتا ہے۔ اس کے بجائے قائدین کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی سے نیکی اور برائی سے منع کرنا چاہیے۔ دوسروں کو اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کرنی چاہیے اور ہمیشہ راہنماؤں سے صحیح راستے پر چلنے کی دعا کرنی چاہیے۔ لیڈر سیدھے رہیں گے تو عوام بھی سیدھے رہیں گے۔

لیڈروں کے ساتھ دھوکہ کرنا منافقت کی علامت ہے جس سے ہر وقت بچنا چاہیے۔ اخلاص میں ان معاملات میں ان کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے جو معاشرے کو بھلائی پر اکٹھا کرتے ہیں اور ہر اس چیز سے تنبیہ کرتے ہیں جو معاشرے میں خلل پیدا کرے۔

جنگ احزاب

ایک سچا لیڈر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق/احزاب کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے دشمن کو مدینہ کے واحد پہلو میں ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ سے فوج حملہ کر سکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 128 میں بحث کی گئی ہے۔

تمام مسلمانوں خصوصاً والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو جو نصیحت کرتے ہیں کہ جنہوں نے اس پر عمل اگر کوئی تاریخ کے اوراق پلٹے۔ اس پر عمل کریں۔ ظاہری سی بات ہے کے مقابلے میں ان لوگوں دوسروں پر بہت زیادہ مثبت اثر پڑا کیا جس کی انہوں نے تبلیغ کی۔ ہیں جنہوں نے مثال کے طور پر رہنمائی نہیں کی۔ بہترین نمونہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سختی سے عمل کیا۔ بلکہ ان تعلیمات پر کسی اور سے زیادہ جنہوں نے نہ صرف اس پر عمل کیا صرف اس رویہ سے مسلمان بالخصوص والدین کا دوسروں پر مثبت اثر پڑے گا۔ مثال کے طور جیسا کہ یہ گناہ ہے لیکن اکثر ان پر اگر کوئی ماں اپنے بچوں کو جھوٹ نہ بولنے کی تلقین کرے۔ اس کے مشورے پر عمل کرنا۔ ایک کے سامنے جھوٹ بولنا اس کے بچوں کا امکان نہیں ہے۔ کرنا ضروری نوٹ ان کی تقریر سے زیادہ اثر ڈالے گا ۔ یہ ہمیشہ دوسروں پر شخص کے اعمال ہونا ضروری ہے کامل دوسروں کو مشورہ دینے سے پہلے ایک ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے۔ اپنے مشورے پر عمل کرنا انہیں خلوص نیت سے کوشش کرنی چاہیے۔ کا مطلب ہے کہ ۔ اس دوسروں کو مشورہ دینے سے پہلے قرآن کریم نے مندرجہ ذیل آیت میں واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرز عمل کو ناپسند کرتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح نیکی کا جس نے بخاری نمبر 3267 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ ایک شخص جہنم ابھی تک خود اس پر عمل کیا اور برائی سے منع کیا۔ لیکن خود اس سے باز رہے۔ حکم دیا میں سخت سزا دی جائے گی۔ باب 61 الصف، آیت 3:

‘‘اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔’’

کہ وہ خود ان کی نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے لہٰذا تمام
تمام انبیاء کرام ایسا ہی کرنا مثال کے طور پر معروف روایت ہے۔ پھر دوسروں کو نصیحت کریں۔
علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے، اور دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

کوشش ثواب کی طرف لے جاتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق/احزاب کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے دشمن کو مدینہ کے واحد پہلو میں ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ سے فوج حملہ کر سکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حوصلہ افزائی کی کہ وہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور آخرت کا ثواب حاصل کریں۔ وہ سب اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 128 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ باب 47 محمد، آیت 7 سے مربوط ہے :

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ کا ساتھ دو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمائے گا۔"

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اسلام کی مدد کرے گا تو اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کی مدد کرے گا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ لاتعداد لوگ اللہ تعالیٰ کی مدد کے خواہاں ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے اس آیت کے پہلے حصے کو پورا نہیں کرتے۔ .اکثر لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ان کے پاس اعمال صالحہ کے لیے وقت نہیں ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے خواہاں ہیں، پھر بھی ان کاموں کے لیے وقت نہیں نکالیں گے جن سے وہ خوش ہے۔ کیا اس کی کوئی منطق ہے؟ جو لوگ فریضہ ادا نہیں کرتے اور پھر ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ سے مدد کی امید رکھتے ہیں وہ بالکل بے وقوف ہیں۔ اور جو لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں لیکن ان سے آگے جانے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ انہیں ملنے والی امداد محدود ہے۔ کس طرح برتاؤ

کیا جاتا ہے اس کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے۔ جتنا زیادہ وقت اور توانائی اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوگی، انہیں اتنی ہی زیادہ مدد ملے گی۔ یہ واقعی اتنا آسان ہے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ زیادہ تر واجبات، جیسے کہ پانچ وقت کی نمازیں، صرف ایک دن میں تھوڑا سا وقت لیتی ہیں۔ ایک مسلمان یہ توقع نہیں کر سکتا کہ وہ دن میں بمشکل ایک گھنٹہ فرض نماز کی ادائیگی کے لیے وقف کرے اور پھر باقی دن اللہ تعالیٰ سے غافل رہے اور پھر بھی تمام مشکلات میں اس سے مسلسل مدد کی امید رکھے۔ ایک شخص اس دوست کو ناپسند کرے گا جو اس کے ساتھ ایسا سلوک کرے۔ تو پھر اللہ رب العالمین کے ساتھ ایسا سلوک کیسے ہو سکتا ہے؟

کچھ لوگ صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اضافی وقت صرف کرتے ہیں، جب انہیں کوئی دنیوی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو اس سے اس کو حل کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ایک احسان رضاکارانہ طور پر کیا ہے۔ یہ احمقانہ ذہنیت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی بندگی کے خلاف ہے۔ یہ حیرت انگیز ہے کہ اس قسم کے لوگ اپنی تمام تفریحی سرگرمیاں، جیسے کہ خاندان اور دوستوں کے ساتھ وقت گزارنے، ٹی وی دیکھنا اور سماجی تقریبات میں شرکت کے لیے کیسے وقت نکالتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ وہ قرآن پاک کی تلاوت اور اس کی تعلیمات کو اپنانے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطالعہ اور ان پر عمل کرنے کا وقت نظر نہیں آتا۔ یہ لوگ کسی نہ کسی طرح اپنی غیر ضروری آسائشوں پر خرچ کرنے کے لیے دولت تلاش کرتے ہیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ انہیں رضاکارانہ خیرات میں دینے کے لیے کوئی دولت نہیں ملتی۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ اس کے برتاؤ کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اضافی وقت لگاتا ہے، تو اسے وہ سہارا مل جائے گا جس کی انہیں تمام مشکلات سے باحفاظت سفر کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر وہ واجبات کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کوئی دوسرا وقت صرف کیے بغیر صرف ان کو پورا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ایسا ہی جواب ملے گا۔ سیدھے الفاظ میں، جتنا زیادہ دیتا ہے، وہ اتنا ہی زیادہ وصول کرے گا۔ اگر کوئی زیادہ نہیں دیتا تو اسے بدلے میں زیادہ امید نہیں رکھنی چاہئے۔

جدوجہد میں کمزوری۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق/احزاب کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے دشمن کو مدینہ کے واحد پہلو میں ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ سے فوج حملہ کر سکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بعض منافقین جسمانی طور پر حصہ لینے سے باز آ گئے اور کمزوری کی شکایت کی۔ ان میں سے بعض نے خندق کھودتے ہوئے بغیر اجازت کے خفیہ طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چھوڑ دیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے باب 24 النور، آیات 62-64 نازل فرمایا:

”مومن تو صرف وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب وہ کسی مشترکہ کام کے لیے اس سے ملاقات کرتے ہیں تو اس وقت تک نہ نکلیں جب تک کہ اس سے اجازت نہ لے لیں، اللہ یقیناً تم میں سے ان لوگوں کو جانتا ہے جو بھاگ جاتے ہیں۔ دوسروں کے پیچھے چھپا ہوا ہے اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 128-129 میں بحث کی گئی ہے۔

منافقت کا ایک پہلو یہ ہے کہ جب کوئی زبانی طور پر دوسروں اور ان کے اچھے منصوبوں جیسے کہ مسجد کی تعمیر کے لیے حمایت کا اظہار کرتا ہے لیکن جب اس منصوبے میں حصہ لینے کا وقت آتا ہے، جیسے کہ دولت عطیہ کرنا، وہ غائب دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح، جب لوگ اچھے وقت کا سامنا کر رہے ہوتے ہیں تو وہ زبانی طور پر ان کی حمایت کرتے ہیں اور دوسروں کو ان کی وفاداری کی یاد دلاتے ہیں۔ لیکن جس وقت عوام کو مشکلات کا سامنا ہوتا ہے یہ منافق کوئی جذباتی یا جسمانی سہارا نہیں دیتے۔ اس کے بجائے وہ ان پر تنقید کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافقین کا یہی رویہ تھا۔ باب 4 النساء آیت 62:

تو کیسا ہو گا جب ان کے ہاتھوں کے آگے بڑھنے کی وجہ سے ان پر کوئی آفت آجائے اور پھر’’
‘‘وہ اللہ کی قسم کھا کر آپ کے پاس آئیں کہ ہم نے حسن سلوک اور رہائش کے سوا کچھ نہیں چاہا۔

حقیقی زندگی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق/احزاب کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے دشمن کو مدینہ کے واحد پہلو میں ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ سے فوج حملہ کر سکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ سب اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت سرد صبح کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لائے اور خندق کھودتے ہوئے ان کی بھوک اور شدید تھکاوٹ دیکھی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت کی دعا کی اور مزید کہا کہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 129 میں بحث ہوئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 4099 میں موجود حدیث میں درج ہے۔

جب لوگ، خواہ ان کے عقیدے سے تعلق رکھتے ہوں، چھٹی پر جاتے ہیں تو وہ صرف اپنی ضرورت کی چیزیں پیک کرتے ہیں اور شاید تھوڑا سا اضافی لیکن وہ اوور پیکنگ سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ساتھ جو رقم بھی لے جاتے ہیں وہ اپنے بیرون ملک قیام کے حوالے سے محدود کرتے ہیں۔ جب وہ آتے ہیں تو وہ اکثر ایسے ہوٹل میں ٹھہرتے ہیں جس میں عام طور پر چند ایکسٹرا کے ساتھ رہنے کی بنیادی ضروریات ہوتی ہیں۔ اگر انہیں یقین ہے کہ وہ مستقبل میں کبھی بھی اسی منزل پر واپس نہیں آئیں گے تو وہ کبھی گھر نہیں خریدیں گے کیونکہ وہ دعویٰ کریں گے کہ ان کا قیام مختصر ہے اور وہ واپس نہیں آئیں گے۔ انہیں چھٹیوں کے دوران یہ دعویٰ کرتے ہوئے کوئی نوکری نہیں ملتی کہ ان کا قیام مختصر ہے لہذا انہیں زیادہ پیسے کمانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ شادی نہیں کرتے اور نہ ہی بچوں کا دعویٰ کرتے ہیں کہ چھٹیوں کی منزل ان کا وطن نہیں ہے جہاں وہ شادی کریں گے اور بچے ہوں گے۔ عام طور پر، یہ چھٹی بنانے والوں کا رویہ اور ذہن سازی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان واقعی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ وہ جلد ہی اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا میں رہنا بھی عارضی ہے جیسا کہ چھٹیوں پر ہوتا

ہے، اور وہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کا آخرت میں قیام ہمیشہ کے لیے ہے، لیکن وہ اس کے لیے مناسب تیاری نہیں کرتے۔ اگر انہیں واقعی یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کے پاس کم وقت ہے، اسی طرح چھٹی کی طرح، تو وہ اپنے گھروں پر زیادہ محنت نہیں کریں گے اور اس کے بجائے ایک ،سادہ گھر پر مطمئن رہیں گے جیسا کہ مسافر جو ایک سادہ ہوٹل سے مطمئن ہے۔ تو حقیقت میں یہ دنیا مثال کے طور پر ابھی تک چھٹیوں کی منزل کی طرح ہے، مسلمان اسے ایک جیسا نہیں سمجھتے۔ اس کے بجائے، وہ ابدی آخرت کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی دنیا کو سنوارنے میں اپنی زیادہ تر کوششیں وقف کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات یہ یقین کرنا مشکل ہوتا ہے کہ کچھ مسلمان درحقیقت دائمی آخرت پر یقین رکھتے ہیں جب کوئی دیکھتا ہے کہ وہ دنیاوی دنیا کے لیے کتنی ،کوششیں کرتے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے اس کی ممنوعات سے اجتناب کرتے ہوئے اور دنیا کی ضروریات کے حصول اور اس سے استفادہ کرنے پر راضی رہتے ہوئے صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے آخرت کی تیاری کی کوشش کریں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری کی حدیث نمبر 6416 میں مسلمانوں کو اس دنیا میں مسافروں کی طرح زندگی گزارنے کی تلقین فرمائی ہے۔ .چھٹی کی منزل

صبر کے ساتھ شکر ادا کرنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق/احزاب کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے دشمن کو مدینہ کے واحد پہلو میں ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ سے فوج حملہ کر سکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ سب اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ خندق کھودتے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حوصلہ افزائی کے لیے دعائیں اور اشعار پڑھتے۔ ان میں سے ایک درج ذیل شعر بھی شامل ہے" :اللہ کے نام پر اور اس کے ذریعہ ہم نے ہدایت پائی اور اگر ہم اس کے سوا کسی کی عبادت کرتے تو ہمیں نقصان اٹھانا پڑتا۔ کیا خوب رب ہے !کتنا اچھا مذہب ہے "!اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 130-131 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ روح کی ایک منفی صفت کو اجاگر کرتا ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب کوئی شخص یقین کرتا ہے کہ اسے صبر کی ضرورت ہوتی ہے جب کہ حقیقت میں اسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ جب انسان کو کوئی مشکل پیش آتی ہے تو اسے ان بے شمار نعمتوں کو یاد رکھنا چاہیے جو اس کے پاس موجود ہیں۔ اور انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین فیصلہ کرتا ہے چاہے وہ فوری طور پر انتخاب کے پیچھے موجود حکمتوں کا مشاہدہ نہ کریں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

یہ سچائیاں مشکل حالات میں بھی شکرگزار ہونے کی ترغیب دیں گی جہاں زیادہ تر لوگ صبر کا مظاہرہ کرنے کی توقع کرتے ہیں۔

ٹیسٹ کے نتائج

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق/احزاب کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے دشمن کو مدینہ کے واحد پہلو میں ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ سے فوج حملہ کر سکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ سب اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ خندق کھودتے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انتہائی سخت زمین کا ایک ٹکڑا بتایا جسے وہ نہیں توڑ سکتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور سخت زمین کو کودال سے مارا اور وہ نرم ریت میں تبدیل ہو گئی۔ انہوں نے یہ بھی گواہی دی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھوک کی تکلیف کو روکنے کے لیے اپنے پیٹ پر پتھر باندھا تھا کیونکہ وسائل کی کمی کی وجہ سے ان سب نے تین دن میں کچھ نہیں کھایا تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 131 میں بحث ہوئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 4101 میں موجود حدیث میں بھی اس پر بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ آزمائشوں اور آزمائشوں نے مومنین کو ازل سے ہی متاثر کیا ہے خاص طور پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، لیکن ایسا لگتا ہے کہ جدید دور کے امتحانات مسلمانوں کے لیے مزید مشکلات اور ذلت کا باعث بنتے ہیں۔ جبکہ نیک پیشواؤں کو جن آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا وہ دونوں جہانوں میں عزت کا باعث بنے۔ امتحانات کے نتائج اور نتائج میں اس فرق کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جب صالح پیش رووں کو درحقیقت دورِ حاضر کے مسلمانوں سے بڑے امتحانات کا سامنا کرنا پڑا، جس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 4023 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے، تو انہوں نے ان امتحانات کا سامنا کیا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر پر صبر کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتے ہوئے آزمائشیں اور مشکلات۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بحفاظت امتحان پاس کر گئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دونوں جہانوں میں بڑی عزت و عنایت حاصل کی۔ جبکہ اس دور میں بہت سے مسلمان آزمائشوں کا سامنا کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہتے۔ وہ یہ سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں کہ امتحان میں کامیابی اور عزت صرف انہی کو ملتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہتے ہیں جبکہ نافرمانی صرف

رسوائی کا باعث بنتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کنارے پر نہ کریں جہاں وہ آسانی کے وقت صرف اس کے فرمانبردار ہوں اور مشکل کے وقت غصے اور نافرمانی سے اس سے منہ موڑ لیں۔ یہ حقیقی بندگی یا اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہے۔ سیدھے الفاظ میں، کوئی بھی عمل طویل مدت میں مسلمانوں کی مدد نہیں کرے گا اگر وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مبنی نہ ہو۔ نافرمانی صرف ایک مشکل سے دوسری مشکل کی طرف لے جائے گی، ایک سے دوسری رسوائی۔ باب 4 النساء، آیت 147:

‘‘اللہ تمہارے عذاب کا کیا کرے گا اگر تم شکر گزار ہو اور ایمان لاؤ؟’’

دوسروں کے لیے تشویش

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق/احزاب کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے دشمن کو مدینہ کے واحد پہلو میں ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ سے فوج حملہ کر سکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ سب اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ خندق کھودتے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انتہائی سخت زمین کا ایک ٹکڑا بتایا جسے وہ نہیں توڑ سکتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور سخت زمین کو کودال سے مارا اور وہ نرم ریت میں تبدیل ہو گئی۔ انہوں نے یہ بھی گواہی دی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھوک کی تکلیف کو روکنے کے لیے اپنے پیٹ پر پتھر باندھا تھا کیونکہ وسائل کی کمی کی وجہ سے ان سب نے تین دن میں کچھ نہیں کھایا تھا۔ ایک صحابی جابر رضی اللہ عنہ نے گھر واپس آنے کی اجازت طلب کی اور اپنی اہلیہ سے کہا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کچھ کھانا بنائیں۔ چند لوگوں کے لیے کافی پکانے کے بعد اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت دی۔ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت کم کھانے کے بارے میں مطلع کیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دعوت دی جو سینکڑوں کی تعداد میں موجود تھے۔ اور معجزانہ طور پر کھانا سب کے لیے کافی ہو گیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 131-132 میں بحث کی گئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 4101 میں موجود ایک حدیث میں بھی اس پر بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دعوت کو اپنے لیے قبول کر سکتے تھے لیکن آپ ہمیشہ کی طرح تمام لوگوں کے لیے مخلص رہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے‘‘۔”

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب

بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

”اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے“۔

ہم میں سے ایک

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق/احزاب کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے دشمن کو مدینہ کے واحد پہلو میں ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ سے فوج حملہ کر سکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ سب اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ کھدائی کے دوران مکہ کے مہاجرین، مہاجرین اور مدینہ کے مددگار، انصار رضی اللہ عنہ ان سب میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر جھگڑا شروع ہو گیا۔ ہر فریق کا دعویٰ تھا کہ وہ ان کا ہے حالانکہ وہ نہ تو مدینہ کا رہنے والا ہے اور نہ ہی مکہ سے ہجرت کرنے والا ہے بلکہ وہ فارس سے آیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلمان رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر کا فرد قرار دے کر اس بحث کو ختم کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 135 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ اعزاز حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو ان کی تقویٰ کی وجہ سے عطا کیا گیا کیونکہ وہ کسی بھی طرح خون کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جڑے ہوئے نہیں تھے۔ سنن ابوداؤد نمبر 5116 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ شرافت کسی کے نسب میں نہیں ہے کیونکہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اور وہ خاک سے بنا تھا۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور نسب پر فخر کرنا چھوڑ دیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگرچہ بعض جاہل مسلمانوں نے ذاتیں اور فرقے بنا کر دوسری قوموں کا ،رویہ اختیار کر لیا ہے اور ان گروہوں کی بنیاد پر اسلام نے برتری کا ایک سادہ معیار قرار دیا ہے یعنی تقویٰ۔ یعنی مسلمان جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا

ہے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ اتنا ہی بلند درجہ کا ہوتا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

’’بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔

یہ آیت دیگر تمام معیارات کو ختم کر دیتی ہے جو جاہل لوگوں نے بنائے ہیں جیسے کہ کسی کی نسل، نسل، دولت، صنف یا سماجی حیثیت۔

مزید برآں، اگر کسی مسلمان کو اپنے نسب میں کسی متقی شخص پر فخر ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور ان کے نقش قدم پر چل کر اس عقیدے کا صحیح مظاہرہ کرنا چاہیے۔ دوسروں کے نقش قدم پر چلے بغیر ان پر فخر کرنا اس دنیا یا آخرت میں کسی کے کام نہیں آئے گا۔ یہ بات جامع ترمذی نمبر 2945 میں موجود حدیث میں واضح ہو چکی ہے۔

آخر میں، جو دوسروں پر فخر کرتا ہے لیکن ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہتا ہے وہ بالواسطہ طور پر ان کی بے عزتی کر رہا ہے کیونکہ باہر کی دنیا ان کے برے کردار کو دیکھے گی اور یہ سمجھے گی کہ ان کے صالح آباؤ اجداد نے اسی طرح برتاؤ کیا تھا۔ ان لوگوں کو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری روایات اور نصیحتوں کو اپناتے ہیں، جیسے کہ داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا، ان کے باطن کو اپنانے میں ناکام رہتے ہیں۔ بیرونی دنیا صرف اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منفی سوچے گی جب وہ ان مسلمانوں کے برے کردار کو دیکھیں گے۔

مضبوط ایمان

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق/احزاب کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے دشمن کو مدینہ کے واحد پہلو میں ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ سے فوج حملہ کر سکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ سب اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ کھدائی کے دوران بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو ایک مضبوط سفید چٹان نظر آئی جسے وہ توڑ نہ سکے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے تین بار ہتک سے مارا۔ ہر بار جب اس نے اسے مارا تو روشنی کی ایک بہت بڑی چمک ایک بہت ہی اندھیری رات میں ایک عظیم لالٹین کی طرح دیکھی جاسکتی تھی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب بھی وہ چٹان سے ٹکراتے تھے تو انہیں تین عظیم علاقے دکھائے جاتے تھے جن پر اس وقت غالب سلطنتیں تھیں اور انہیں یہ بشارت دی گئی تھی کہ ان کی قوم ان سب پر غالب آئے گی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور ان بشارتوں سے بے حد خوش ہوئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 135 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ یہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے انتہائی مشکل وقت میں پیش آیا۔ وہ کم سے کم سامان کے ساتھ ایک بہت بڑی خندق کھود رہے تھے اور دشمن کے بہت بڑے حملے کی توقع کر رہے تھے۔ ان مشکلات کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو قبول کیا کیونکہ ان کا ایمان بہت مضبوط تھا۔

تمام مسلمان اسلام پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ان کے ایمان کی مضبوطی ہر شخص میں مختلف ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر، وہ جو اسلام کی تعلیمات پر عمل کرتا ہے کیونکہ ان کے خاندان نے انہیں بتایا تھا کہ وہ اس جیسا نہیں ہے جو ثبوت کے ذریعے اس پر یقین رکھتا ہے۔ جس شخص نے کسی چیز کے بارے میں سنا ہے وہ اس پر اس طرح یقین نہیں کرے گا جس طرح وہ اپنی آنکھوں سے اس چیز کو دیکھ چکا ہے۔

جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود حدیث سے ثابت ہے کہ مفید علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ ایک بہترین طریقہ ہے کہ ایک مسلمان اسلام پر اپنے ایمان کو مضبوط کر سکتا ہے۔ اس کا تعاقب کرنا ضروری ہے کیونکہ جس کے ایمان پر یقین جتنا زیادہ مضبوط ہوتا ہے اس کے صحیح راستے پر ثابت قدم رہنے کا موقع اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے، خاص طور پر جب مشکلات کا سامنا ہو۔ اس کے علاوہ سنن ابن ماجہ کی حدیث نمبر 3849 میں یقین کا یقین رکھنے کو بہترین چیزوں میں سے ایک قرار دیا گیا ہے۔ یہ علم قرآن پاک اور حدیث نبوی کا مطالعہ کرکے حاصل کیا جانا چاہیے، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ایک معتبر ذریعہ سے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نہ صرف ایک حقیقت کا اعلان کیا بلکہ مثالوں کے ذریعے اس کا ثبوت بھی دیا۔ نہ صرف وہ مثالیں جو ماضی کی قوموں میں پائی جاتی ہیں بلکہ ایسی مثالیں جو کسی کی اپنی زندگی میں رکھی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے یہ نصیحت کی ہے کہ بعض اوقات انسان کسی چیز سے محبت کرتا ہے حالانکہ اگر وہ اسے حاصل کر لیتا ہے تو وہ اسے پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح وہ کسی چیز سے نفرت کر سکتے ہیں جبکہ اس میں ان کے لیے بہت سی بھلائیاں پوشیدہ ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

۔ کچھ مسلمانوں کا خیال تھا حدیبیہ تاریخ میں اس سچائی کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جیسے معاہدہ کہ یہ معاہدہ، جو مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ کیا گیا تھا، مؤخر الذکر گروہ کی مکمل حمایت کرے گا۔ اس کے باوجود تاریخ صاف بتاتی ہے کہ اس نے اسلام اور مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری نمبر 2731 اور 2732 میں موجود احادیث میں مذکور ہے۔

اگر کوئی اپنی زندگی پر غور کرے تو انہیں بہت سی ایسی مثالیں ملیں گی جب وہ یقین کرتے تھے کہ کوئی چیز اچھی تھی جب وہ ان کے لیے بری تھی اور اس کے برعکس۔ یہ مثالیں اس آیت کی صداقت کو ثابت کرتی ہیں اور ایمان کو مضبوط کرنے میں مدد کرتی ہیں۔

:ایک اور مثال باب 79 عن نازیات، آیت 46 میں ملتی ہے

جس دن وہ)قیامت کے دن (کو دیکھیں گے کہ گویا وہ اس دنیا میں ایک دوپہر یا صبح کے سوا باقی'' نہیں رہے تھے۔''

تاریخ کے اوراق پلٹیں تو صاف نظر آئے گا کہ کتنی بڑی سلطنتیں آئیں اور گئیں۔ لیکن جب وہ چلے گئے تو ان کا اس طرح انتقال ہو گیا گویا وہ ایک لمحے کے لیے زمین پر ہیں۔ ان کی چند نشانیوں کے ،علاوہ باقی سب ایسے مٹ گئے ہیں جیسے وہ زمین پر پہلے کبھی موجود ہی نہیں تھے۔ اسی طرح جب کوئی اپنی زندگی پر غور کرے گا تو وہ محسوس کرے گا کہ چاہے وہ کتنے ہی بوڑھے کیوں نہ ہوں اور اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ ان کی مجموعی زندگی کتنی ہی سست محسوس ہوئی ہو گی۔ اس آیت کی سچائی کو سمجھنا انسان کے یقین کو مضبوط کرتا ہے اور اس سے انہیں تحریک ملتی ہے کہ وہ وقت ختم ہونے سے پہلے آخرت کی تیاری کریں۔

قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ لہٰذا انسان کو ان الہٰی تعلیمات کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ یقین کو اپنا سکے۔ جو اس کو حاصل کر لے گا وہ کسی بھی مشکل سے متزلزل نہیں ہوگا اور اس راستے پر ثابت قدم رہے گا جو جنت کے دروازوں کی طرف جاتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53:

''ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ یہ حق ہے''۔

کرپٹ دل

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق/احزاب کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے دشمن کو مدینہ کے واحد پہلو میں ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ سے فوج حملہ کر سکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ سب اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ کھدائی کے دوران بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو ایک مضبوط سفید چٹان نظر آئی جسے وہ توڑ نہ سکے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے تین بار ہتک سے مارا۔ ہر بار جب اس نے اسے مارا تو روشنی کی ایک بہت بڑی چمک ایک بہت ہی اندھیری رات میں ایک عظیم لالٹین کی طرح دیکھی جاسکتی تھی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب بھی وہ چٹان سے ٹکراتے تھے تو انہیں تین عظیم علاقے دکھائے جاتے تھے جن پر اس وقت غالب سلطنتیں تھیں اور انہیں یہ بشارت دی گئی تھی کہ ان کی قوم ان سب پر غالب آئے گی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور ان بشارتوں سے بے حد خوش ہوئے۔ دوسری طرف سخت اور فاسد دلوں یعنی منافقین نے طنزیہ انداز میں اعلان کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کیسے دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ان عظیم سلطنتوں کو آپ کی قوم سے شکست ہو گی حالانکہ غریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو کر خندق کھود رہے تھے اور دشمن کے حملے کے خوف سے کھلے میں نہیں نکل سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے پھر باب 33 الاحزاب آیت 12 نازل فرمایا:

’’اور)یاد کرو (جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے دھوکے کے سوا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔‘‘

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 135 میں بحث کی گئی ہے۔

روحانی قلب کی خرابی اور سختی ایک انتہائی اہم معاملہ ہے جس پر صحیح بخاری نمبر 52 میں موجود حدیث میں بحث کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ جب روحانی قلب فاسد ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ یہ بدعنوانی پھر کسی کے قول و فعل سے ظاہر ہوتی ہے۔ اسی طرح قرآن کریم نے یہ نصیحت کرتے ہوئے ایک نرم و توانا دل کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے کہ کوئی شخص قیامت کے دن اپنے مال یا رشتہ داروں سے اس وقت تک فائدہ نہیں اٹھا سکے گا جب تک کہ وہ روحانی قلب کے مالک نہ ہوں۔ باب 26 اشعرا، آیات 88-89:

"جس دن مال اور اولاد کسی کے کام نہ آئے گی۔ لیکن صرف وہی جو اللہ کے پاس سچے دل کے ساتھ آتا ہے۔"

سخت روحانی دل والے کو ایک ایسے شخص کے طور پر بیان کیا جا سکتا ہے جو سچائی کو اس وقت مسترد کر دیتا ہے جب یہ ان کے سامنے یہ مانتے ہوئے پیش کیا جاتا ہے کہ وہ علم میں برتر ہیں۔ ان میں تواضع اور خوفِ الٰہی کا فقدان ہے، جو نیک اعمال کو ترک کرنے، گناہوں کے ارتکاب، حد سے زیادہ محبت اور مادی دنیا کے لیے جدوجہد کرنے کا باعث بنتا ہے اور ابدی آخرت کی تیاری سے غافل رہتے ہیں۔ سخت دل لوگ آسانی سے شیطان سے گناہوں کے ارتکاب اور اچھے کاموں کو رد کرنے کے لیے متاثر ہو جاتے ہیں۔ باب 22 الحج، آیت 53:

"اس لیے جو شیطان ڈالتا ہے اس کو وہ ان لوگوں کے لیے آزمائش بنا دے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور سخت دل..."

سخت روحانی دل رکھنے والے میں دو خاص قابل ملامت خصلتیں اختیار کی جاتی ہیں۔ وہ شہرت حاصل کرنے جیسی اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے جان بوجھ کر آسمانی صحیفوں کی غلط تشریح کرتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں جو قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی سوچ کی پیروی کریں اور مادی دنیا سے محبت کریں۔ دوسرا یہ کہ وہ اپنی خواہشات کے مطابق آیات اور احادیث کو چنتے ہیں۔ وہ تمام آیات اور احادیث کو اپنانے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنے والوں کو انتہا پسند قرار دیتے ہیں جس سے ان کا اپنا رویہ دوسروں کے لیے خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 13:

"پس ہم نے ان کے عہد شکنی کی وجہ سے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ وہ الفاظ کو اپنی جگہوں سے توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں اور اس کا ایک حصہ بھول جاتے ہیں جس کی انہیں یاد دلائی گئی تھی۔ اور تم اب بھی ان کے درمیان دھوکہ دہی کو دیکھو گے، سوائے ان میں سے چند کے۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیے بغیر حد سے زیادہ باتیں کرتے ہیں وہ روحانی سخت دل اختیار کرنے کا شکار ہوتے ہیں۔ سخت روحانی دل کا مالک اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ دور ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2411 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو چھوڑ دیتے ہیں، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے پرہیز اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے، سخت دل کے ساتھ ملعون ہوں گے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 13:

‘‘پس ہم نے ان کے عہد شکنی کے سبب ان پر لعنت بھیجی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔’’

جامع ترمذی نمبر 2305 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ زیادہ ہنسنے والا سخت دل ہو جائے گا۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی مسکرا نہیں سکتا کیونکہ اسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقہ کے طور پر درجہ بندی کیا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1970 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ کثرت سے ہنسنے سے انسان ایسی ذہنیت اختیار کر لیتا ہے جس میں وہ صرف مضحکہ خیز مسائل پر گفتگو کرتے ہیں۔ یہ موت اور قیامت جیسے سنگین مسائل سے بچنے کا سبب بنتا ہے۔ اگر کوئی ان اہم مسائل سے گریز کرتا ہے تو وہ ان کے لیے کیسے تیاری کر سکتا ہے؟ تیاری کی کمی کسی کے روحانی دل کو سخت کرنے کا باعث بنے گی۔

کچھ کہتے ہیں کہ زیادہ کھانا روحانی دل کی سختی کا سبب بن سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ کھانے سے انسان سست ہو جاتا ہے۔ سستی نیکیوں میں کمی کا باعث بنتی ہے جس کی وجہ سے روحانی دل سخت ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متنبہ کیا ہے، جامع ترمذی نمبر 3334 میں موجود حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص گناہ کرتا ہے تو اس کے روحانی قلب پر ایک سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے۔ گناہوں کی تعداد بڑھ جائے تو یہ سیاہی بڑھ جاتی ہے جو سخت روحانی دل کی طرف لے جاتی ہے۔ باب 83 المطففین، آیت 14:

"نہیں !بلکہ داغ ان کے دلوں پر چھا گیا ہے جو وہ کما رہے تھے۔"

یہی وجہ ہے کہ یہ کہا گیا ہے کہ مسلسل گناہ کرنا روحانی دل کی موت کا سبب بن سکتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے دل کو نرم کرنے کی کوشش کریں کیونکہ یہ اس کی تزکیہ کا باعث بنتا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 4094 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت ہے کہ جب روحانی قلب پاک ہوجاتا ہے تو جسم کے تمام اعضاء بھی پاک ہوجاتے ہیں۔ یہ تزکیہ نفس کو نیک اعمال کرنے اور اللہ تعالیٰ کے لیے گناہوں کو ترک کرنے کی ترغیب دے گا۔

دوستوں کا انتخاب دانشمندی سے کرنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق/احزاب کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے دشمن کو مدینہ کے واحد پہلو میں ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ سے فوج حملہ کر سکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 135 میں بحث کی گئی ہے۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے ایک صحابی عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پاس یہودیوں میں سے کچھ حلیف تھے اور انہوں نے مشورہ دیا کہ دشمن کو خوفزدہ کرنے کے لیے انہیں جنگ کے لیے ساتھ لے آئیں۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ 3 علی عمران آیت 28 نازل فرمائی:

’’ مومنین مومنوں کے بجائے کافروں کو اپنا ساتھی نہ بنائیں۔ اور جو کوئی ایسا کرے گا اس کا اللہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، سوائے اس کے کہ ان سے احتیاط کی جائے۔ اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف]آخری [منزل ہے۔

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 3:28، صفحہ 32 میں بحث کی گئی ہے۔

اس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی مسلمان کسی غیر مسلم سے دوستی نہیں کر سکتا کیونکہ یہ آیت خاص طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں غیر مسلموں کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اسلام کی تباہی کی خواہش رکھنے والے غیر مسلم کے ساتھ قریبی دوستی کرنا اس وقت خاصا خطرناک تھا کیونکہ غیر مسلم اہم ذہانت حاصل کرنے کے لیے مسلم کمیونٹی کی جاسوسی کریں گے جو اسلام کے خلاف ان کی لڑائی میں ان کی مدد کر سکتی تھی۔

عام طور پر، قرآن پاک واضح طور پر نصیحت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غیر مسلموں سے دوستی کرنے سے منع نہیں کرتا۔ باب 60 الممتحنہ، آیت 8:

"اللہ تمہیں ان لوگوں سے نہیں روکتا جو تم سے دین کی وجہ سے نہیں لڑتے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالتے - ان کے ساتھ نیکی کرنے اور ان کے ساتھ انصاف کرنے سے۔ بے شک اللہ عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

زیر بحث مرکزی آیت سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے کیونکہ ایک شخص صرف کسی ایسے شخص کے خلاف احتیاطی تدابیر اختیار کرتا ہے جس سے اسے نقصان پہنچنے کا خدشہ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اکثر غیر مسلموں کا یہی طرز عمل تھا۔

حقیقت میں، مرکزی آیت مسلمانوں کو خبردار کرتی ہے کہ وہ ان لوگوں سے دوستی نہ کریں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت سے دور کرتے ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ حقیقت میں مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں پر لاگو ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ سنن ابوداؤد نمبر 4833 میں موجود حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ مسلمان اپنے دوست کے مذہب پر ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ایک شخص ان خصوصیات کو اپنائے گا، اچھی یا بری، جو اس کے ساتھیوں کے پاس ہے۔

اس کے علاوہ مسلمان اور غیر مسلم تمام لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ایک سچے مسلمان اور سچے مومن کی خصوصیت ہے۔ سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ سچا مسلمان وہ ہے جو غیر مسلموں سمیت دیگر لوگوں کو ان کی برائی باتوں اور افعال سے محفوظ رکھے۔ اور ایک سچا مومن اپنی بات یا عمل سے لوگوں یا ان کے اموال کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ پس یہ آیت مسلمانوں کو متنبہ کرتی ہے کہ وہ متقیوں کا ساتھ دیں کیونکہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اطاعت کی طرف لے جائیں گے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دوسروں کے ساتھ صحت مند سماجی رویے اور دوسروں کے ساتھ گہری دوستی میں فرق ہے۔ گہری دوستی کسی کو اپنے ساتھی سے محبت کی وجہ سے اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کی طرف لے جا سکتی ہے جبکہ دوسروں کے ساتھ اچھا سماجی برتاؤ کبھی بھی اس سطح پر نہیں لے جا سکتا۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ہر ایک کے ساتھ اچھے اخلاق اور آداب کو اپنائیں لیکن ان لوگوں کے لیے گہری دوستی رکھیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کی ترغیب دیں، یہ صرف ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے کرسکتا ہے۔ دوسری طرف ایک غیر مسلم بالواسطہ یا بالواسطہ طور پر کسی مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ترغیب دے گا، چاہے وہ اس کا ارادہ نہ بھی کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک غیر مسلم ایک الگ ضابطہ اخلاق کے تحت زندگی گزارتا ہے پھر ایک مسلمان۔ اور جو سلوک کسی غیر مسلم کے لیے قابل قبول ہے وہ اسلام کی نظر میں قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کی نظر میں یہ ناقابل قبول رویہ معمول بن جائے گا اگر وہ ایسے لوگوں کا ساتھ دیں۔ جب کسی کی نظر میں کوئی چیز نارمل ہوجاتی ہے تو کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

ایک بدکار دوست

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق/احزاب کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے دشمن کو مدینہ کے واحد پہلو میں ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ سے فوج حملہ کر سکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ سب اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ جب دشمن کی فوجیں مدینہ اور خندق کے قریب پہنچیں تو انہوں نے پڑاؤ ڈال لیا۔ مدینہ کے اندر ایک غیر مسلم قبیلہ، بنو قریظہ، جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کا معاہدہ تھا، نے اپنے قلعوں کو بند کر دیا۔ ایک سپاہی نے غیر مسلم فوج سے سفر کیا اور بنو قریظہ کے سرداروں میں سے ایک کعب بن اسد سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ توڑ دے اور اس کے بجائے غیر مسلموں میں شامل ہو جائے۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو مدینہ کے اندر سے لشکر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ آور ہوئے۔ شروع میں کعب بن اسد نے اپنے عہد کو توڑنا نہیں چاہا کیونکہ اس نے اعلان کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امانت دار اور سچے ہیں۔ لیکن غیر مسلم کعب کو تاکید کرتا رہا یہاں تک کہ آخرکار اس نے شیطانی منصوبے کو ناکام بنا دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 139-140 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ سچی محبت کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتا ہے، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ اس لیے کہ اطاعت دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی اور سلامتی کا باعث بنتی ہے۔ جو شخص کسی شخص کے لیے حفاظت اور کامیابی کا خواہاں نہیں ہے وہ کبھی بھی ان سے حقیقی محبت نہیں کر سکتا چاہے وہ کیا دعویٰ کرے یا دوسرے شخص کے ساتھ کیسا سلوک کرے۔ جس طرح بندہ اس وقت خوش ہوتا ہے جب اس کے محبوب کو دنیاوی کامیابی ملتی ہے، جیسے نوکری کی، وہ بھی اپنے محبوب سے آخرت کی کامیابی کی تمنا کرے گا۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی حفاظت اور کامیابی کی پرواہ نہیں کرتا ہے خاص طور پر اگلے جہان میں تو وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔

ایک سچا عاشق اپنے محبوب کو دنیا یا آخرت میں مشکلات اور عذاب کا سامنا کرتے ہوئے جاننا اور دیکھنا برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتے۔ اگر کوئی شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کے بجائے کسی دوسرے کو اپنے ذاتی مفاد یا دوسروں کے مفاد کی طرف لے جائے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں رکھتے۔ یہ تمام رشتوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دوستی اور رشتہ دار۔

لہٰذا ایک مسلمان کو یہ اندازہ لگانا چاہیے کہ آیا اس کی زندگی میں وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو یہ ان کے لیے ان کی محبت کی واضح علامت ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں کرتے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

‘‘اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔’’

ٹرسٹ کو پورا کرنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق/احزاب کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے دشمن کو مدینہ کے واحد پہلو میں ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ سے فوج حملہ کر سکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ سب اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ جب دشمن کی فوجیں مدینہ اور خندق کے قریب پہنچیں تو انہوں نے پڑاؤ ڈال لیا۔ مدینہ کے اندر ایک غیر مسلم قبیلہ، بنو قریظہ، جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کا معاہدہ تھا، نے اپنے قلعوں کو بند کر دیا۔ ایک غیر مسلم نے غیر مسلم فوج سے سفر کیا اور بنو قریظہ کے ایک سردار کعب بن اسد سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ توڑنے کے بجائے غیر مسلموں میں شامل ہو جائیں۔ مسلمانوں کی فوجیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کرتے ہوئے مدینہ کے اندر سے لڑائی شروع ہو گئی۔ شروع میں کعب بن اسد نے اپنے عہد کو توڑنا نہیں چاہا کیونکہ اس نے اعلان کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امانت دار اور سچے ہیں۔ لیکن غیر مسلم کعب کو تاکید کرتا رہا یہاں تک کہ آخرکار اس نے شیطانی منصوبے کو ناکام بنا دیا۔ پھر کعب بن اسد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا صلح نامہ توڑ دیا اور اس دستاویز کو پھاڑ دیا جس پر یہ لکھا تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 139-140 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ امانتوں میں خیانت منافقت کا ایک پہلو ہے۔

اس میں وہ تمام امانتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی طرف سے ہیں۔ ہر نعمت اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے۔ ان امانتوں کو پورا کرنے کا واحد طریقہ نعمتوں کو اس طریقے سے استعمال کرنا

ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ مزید برکات حاصل کریں گے کیونکہ یہ سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

لوگوں کے درمیان اعتماد کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ جسے کسی دوسرے کے سپرد کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ اس کا غلط استعمال نہ کرے اور مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ لوگوں کے درمیان سب سے بڑا اعتماد بات چیت کو خفیہ رکھنا ہے جب تک کہ دوسروں کو مطلع کرنے میں کوئی واضح فائدہ نہ ہو۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں اس کو اکثر نظر انداز کیا جاتا ہے۔

مشکوک ہونا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق/احزاب کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے دشمن کو مدینہ کے واحد پہلو میں ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ سے فوج حملہ کر سکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ سب اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ جب دشمن کی فوجیں مدینہ اور خندق کے قریب پہنچیں تو انہوں نے پڑاؤ ڈال لیا۔ مدینہ کے اندر ایک غیر مسلم قبیلہ، بنو قریظہ، جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کا معاہدہ تھا، نے اپنے قلعوں کو بند کر دیا۔ ایک غیر مسلم نے غیر مسلم فوج سے سفر کیا اور بنو قریظہ کے ایک سردار کعب بن اسد سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ توڑنے کے بجائے غیر مسلموں میں شامل ہو جائیں۔ مسلمانوں کی فوجیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کرتے ہوئے مدینہ کے اندر سے لڑائی شروع ہو گئی۔ شروع میں کعب بن اسد نے اپنے عہد کو توڑنا نہیں چاہا کیونکہ اس نے اعلان کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امانت دار اور سچے ہیں۔ لیکن غیر مسلم کعب کو تاکید کرتا رہا یہاں تک کہ آخرکار اس نے شیطانی منصوبے کو ناکام بنا دیا۔ پھر کعب بن اسد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا صلح نامہ توڑ دیا اور اس دستاویز کو پھاڑ دیا جس پر یہ لکھا تھا۔ جب اس کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھیجا کہ وہ بنو قریظہ ،سے ملاقات کریں اور معلوم کریں کہ یہ خبر صحیح ہے یا نہیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3، صفحہ 140-141 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے ایک خاص منفی ذہنیت سے بچنا ضروری ہے جس کا ذکر باب 49 الحجرات آیت :میں کیا گیا ہے 12

"...اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت زیادہ گمان سے بچو۔ بے شک کچھ گمان گناہ ہوتا ہے"

بدقسمتی سے، اس منفی ذہنیت کو اپنانے سے خاندانی یونٹ سے لے کر قومی سطح تک لوگوں پر اثر پڑتا ہے۔ سب سے پہلے، چیزوں کو منفی انداز میں بیان کرنا اکثر گناہوں کا باعث بنتا ہے، جیسے غیبت اور غیبت۔ ہر صورت میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ جہاں ممکن ہو، مثبت انداز میں چیزوں کی تشریح کرے تاکہ شک کا فائدہ دوسروں تک پہنچایا جا سکے۔ مثال کے طور پر، ایک قوم کتنی بار ایک مفروضے اور شک پر جنگ میں گئی ہے؟ میڈیا میں پائے جانے والے اسکینڈلز کی اکثریت مفروضوں پر مبنی ہے۔ یہاں تک کہ ایسے قوانین بھی بنائے گئے ہیں جو مفروضوں اور شبہات کے استعمال کی حمایت کرتے ہیں۔ یہ اکثر ٹوٹنے اور ٹوٹنے والے رشتوں کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ اس ذہنیت کے حامل لوگ ہمیشہ یہ مانتے ہیں کہ دوسرے ان کے الفاظ یا اعمال کے ذریعے ان پر تنقید کر رہے ہیں۔ یہ کسی کو دوسروں سے مشورہ لینے سے روکتا ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ مشورہ دینے والے ہی ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور یہ ایک کو مشورہ دینے سے روکتا ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ دوسرا شخص ان کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دے گا۔ اور ایک شخص اس منفی ذہنیت کے حامل شخص کو نصیحت کرنے سے گریز کرے گا کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ صرف ایک دلیل کا باعث بنے گا۔ یہ دیگر منفی خصلتوں کی طرف جاتا ہے، جیسے کہ تلخی۔ مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ کسی بھی اچھی نصیحت کو قبول کریں چاہے وہ یہ فرض کر لیں کہ کوئی ان پر تنقید کر رہا ہے۔ انہیں جہاں ممکن ہو، مثبت انداز میں چیزوں کی تشریح کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جو مثبت ذہنیت کی طرف لے جاتی ہے۔

تمام حالات میں ثابت قدم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق/احزاب کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے دشمن کو مدینہ کے واحد پہلو میں ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ سے فوج حملہ کر سکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ سب اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ جب دشمن کی فوجیں مدینہ اور خندق کے قریب پہنچیں تو انہوں نے پڑاؤ ڈال لیا۔ مدینہ کے اندر ایک غیر مسلم قبیلہ، بنو قریظہ، جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کا معاہدہ تھا، نے اپنے قلعوں کو بند کر دیا۔ ایک غیر مسلم نے غیر مسلم فوج سے سفر کیا اور بنو قریظہ کے ایک سردار کعب بن اسد سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ توڑنے کے بجائے غیر مسلموں میں شامل ہو جائیں۔ مسلمانوں کی فوجیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کرتے ہوئے مدینہ کے اندر سے لڑائی شروع ہو گئی۔ شروع میں کعب بن اسد نے اپنے عہد کو توڑنا نہیں چاہا کیونکہ اس نے اعلان کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امانت دار اور سچے ہیں۔ لیکن غیر مسلم کعب کو تاکید کرتا رہا یہاں تک کہ آخرکار اس نے شیطانی منصوبے کو ناکام بنا دیا۔ پھر کعب بن اسد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا صلح نامہ توڑ دیا اور اس دستاویز کو پھاڑ دیا جس پر یہ لکھا تھا۔ اضطراب اور خوف بڑھتا گیا کیونکہ دشمن مدینہ کے باہر اور اندر تھے۔ منافقین کو اپنی جان کا خوف تھا اور انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑنے کی خواہش کی تو انہوں نے آپ سے درخواست کی کہ وہ انہیں اپنے گھروں کو لوٹنے کی اجازت دیں تاکہ وہ ان کی حفاظت کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے پھر باب 33 الاحزاب آیت 13 نازل فرمایا:

"اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ اے یثرب کے لوگو، تمہارے لیے یہاں کوئی استحکام نہیں ہے، تو واپس لوٹ جاؤ۔ "اور ان میں سے ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی اور کہا کہ بے شک ہمارے گھر کھلے ہوئے ہیں، جبکہ وہ بے پردہ نہیں تھے۔ بھاگنے کے سوا ان کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔"

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 141-142 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ان کی اللہ تعالیٰ کی عبادت کیوں کی جاتی ہے کیونکہ یہ وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافے کا سبب بن سکتی ہے یا بعض صورتوں میں نافرمانی کا باعث بن سکتی ہے۔ جب کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اس سے حلال دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کے لیے اس کی نافرمانی کا خطرہ مول لے لیتا ہے۔ اس قسم کے شخص کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ باب 22 الحج، آیت 11:

"اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو جاتی ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔''

جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں تو دنیاوی نعمتوں کو حاصل کرنے کے لیے جب وہ ان کو حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا کسی مشکل کا سامنا کرتے ہیں تو وہ اکثر ناراض ہو جاتے ہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے دور کر دیتا ہے۔ یہ لوگ اکثر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نافرمانی کرتے ہیں، اس صورت حال کے مطابق جس کا وہ سامنا کر رہے ہیں جو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی حقیقی بندگی کے خلاف ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ سے حلال دنیوی چیزوں کی خواہش کرنا اسلام میں قابل قبول ہے، لیکن اگر کوئی اس رویہ پر قائم رہے تو وہ اس آیت میں مذکور کی طرح ہو سکتے ہیں۔ آخرت میں نجات پانے اور جنت حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا افضل ہے۔ مشکلات کا سامنا کرتے وقت یہ شخص اپنے رویے کو تبدیل کرنے کا امکان نہیں رکھتا ہے۔ لیکن سب سے اعلیٰ اور بہترین وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے، صرف اس لیے کہ وہ ان کا رب اور کائنات کا رب ہے۔ یہ مسلمان اگر

مخلص ہو گا تو ہر حال میں ثابت قدم رہے گا اور اس اطاعت کے ذریعے انہیں دنیاوی اور دینی دونوں نعمتیں حاصل ہوں گی جو دنیاوی نعمتوں سے بڑھ کر پہلی قسم کے انسان کو حاصل ہوں گی۔

آخر میں، مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی نیت پر غور کریں اور اگر ضروری ہو تو اس کی اصلاح کریں تاکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی ترغیب ملے۔ ، تمام حالات میں۔

عوام کے لیے تشویش

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق/احزاب کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے دشمن کو مدینہ کے واحد پہلو میں ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ سے فوج حملہ کر سکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ سب اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ جب دشمن کی فوجیں مدینہ اور خندق کے قریب پہنچیں تو انہوں نے پڑاؤ ڈال لیا۔ مدینہ کے اندر ایک غیر مسلم قبیلہ، بنو قریظہ، جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کا معاہدہ تھا، نے اپنے قلعوں کو بند کر دیا۔ ایک غیر مسلم نے غیر مسلم فوج سے سفر کیا اور بنو قریظہ کے ایک سردار کعب بن اسد سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ توڑنے کے بجائے غیر مسلموں میں شامل ہو جائیں۔ مسلمانوں کی فوجیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کرتے ہوئے مدینہ کے اندر سے لڑائی شروع ہو گئی۔ پھر کعب بن اسد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا صلح نامہ توڑ دیا اور اس دستاویز کو پھاڑ دیا جس پر یہ لکھا تھا۔ اضطراب اور خوف بڑھتا گیا کیونکہ دشمن مدینہ کے باہر اور اندر تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر مسلم فوج کو پسپا کرنے اور اپنے گھروں کو لوٹنے کے لیے غیر مسلم فوج کے ساتھ ایک قبیلہ کی پیشکش کرکے غیر مسلم فوج کو توڑنا چاہا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے دریافت کیا کہ کیا یہ خواہش اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی مرضی سے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ اس کی اپنی مرضی ہے کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ کس طرح عرب کے بہت سے مختلف قبائل مدینہ پر اترے اور وہ اپنے ساتھیوں کی مدد کے لیے بے چین تھا، اللہ ان سے جس طرح بھی ہو سکتا تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 142 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 13 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار نصیحت فرمائی کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں بن سکتا جب تک وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس خصوصیت کو اپنانے میں ناکام رہے تو اپنا ایمان ختم کر دے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو گا جب تک وہ اس نصیحت پر عمل نہ کرے۔ یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ مسلمان اس وقت تک اپنا ایمان مکمل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے بھی وہ چیز ناپسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے ناپسند کرتا ہے۔ اس کی تائید صحیح مسلم نمبر 6586 میں موجود ایک اور حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ نصیحت کرتی ہے کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کے ایک حصے میں درد ہو تو باقی جسم درد میں شریک ہوتا ہے۔ اس باہمی احساس میں دوسروں کے لیے محبت اور نفرت شامل ہے جو کوئی اپنے لیے پسند کرتا ہے اور نفرت کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو یہ درجہ تبھی حاصل ہو سکتا ہے جب اس کا دل بُری خصلتوں سے پاک ہو، جیسے حسد۔ یہ بُری خصلتیں انسان کو ہمیشہ اپنے لیے بہتر کی خواہش کا باعث بنتی ہیں۔ پس درحقیقت یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو اچھی خصلتوں کو اپنا کر اپنے دل کو پاک کرنا چاہیے جیسا کہ معاف کرنے والا ہونا اور حسد جیسی بری خصلتوں کو ختم کرنا چاہیے۔ یہ صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ہی ممکن ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دوسروں کے لیے بھلائی کی خواہش کرنا انہیں اچھی چیزوں سے محروم کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے خزانے کی کوئی حد نہیں اس لیے خود غرضی اور لالچی ذہنیت اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔

دوسروں کے لیے بھلائی کی خواہش میں دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جذباتی مدد، اسی طرح ایک شخص چاہتا ہے کہ دوسروں کی ضرورت کے وقت ان کی مدد کریں۔ اس لیے اس محبت کو صرف الفاظ سے نہیں بلکہ عمل سے ظاہر کرنا چاہیے۔ یہاں تک کہ جب کوئی مسلمان برائی سے منع کرتا ہے اور ایسی نصیحت کرتا ہے جو دوسروں کی خواہش کے خلاف

ہو تو اسے نرمی سے اس طرح کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے اسے نرمی سے نصیحت کریں۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، زیر بحث اہم حدیث ان تمام برے خصلتوں کو ختم کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے جو باہمی محبت اور نگہداشت سے متصادم ہوں، جیسا کہ حسد۔ حسد اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی خاص نعمت کا مالک ہونا چاہتا ہے جو صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب اسے کسی اور سے چھین لیا جائے۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب کردہ نعمتوں کی تقسیم کے لیے براہ راست چیلنج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کبیرہ گناہ ہے اور حسد کرنے والے کی نیکیوں کو برباد کرنے کا باعث ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اگر ایک مسلمان دوسرے کے پاس حلال چیزوں کی خواہش رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ وہ اسے وہی چیز عطا کرے جو دوسرے شخص کو ضائع نہ ہو۔ نعمت .اس قسم کی حسد جائز ہے اور مذہب کے پہلوؤں میں قابل تعریف ہے۔ صحیح مسلم نمبر 1896 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت کی ہے کہ مسلمانوں کو صرف اس دولت مند سے حسد کرنا چاہئے جو اپنی دولت کا صحیح استعمال کرے۔ اور ایک ایسے علم والے سے رشک کریں جو اپنے علم کو اپنے اور دوسروں کے فائدے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو نہ صرف دوسروں کے لیے دنیاوی نعمتوں کے حصول کے لیے محبت کرنی چاہیے بلکہ ان کے لیے دونوں جہانوں میں دینی برکات حاصل کرنے کے لیے بھی محبت کرنی چاہیے۔ درحقیقت جب کوئی دوسروں کے لیے یہ خواہش کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے احکام کی تعمیل کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرنے ،کی ترغیب دیتا ہے۔ اسلام میں اس قسم کے صحت مند مقابلے کا خیر مقدم کیا گیا ہے۔ باب 83 المطففین آیت 26:

"تو اس کے لیے حریفوں کو مقابلہ کرنے دیں۔..."

یہ حوصلہ افزائی ایک مسلمان کو اپنے کردار میں کسی بھی خامی کو تلاش کرنے اور اسے دور کرنے کے لیے اپنا جائزہ لینے کی ترغیب دے گی۔ جب یہ دونوں عناصر معنی کو یکجا کرتے ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کرتے ہیں، اور کردار کو پاک کرتے ہیں، تو یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کا باعث بنتا ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں سے محبت کا دعویٰ نہ صرف زبانی طور پر کرے بلکہ اپنے عمل سے ظاہر کرے۔ امید ہے کہ جو اس طرح دوسروں کی فکر کرتا ہے اسے دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی فکر حاصل ہوگی۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 1930 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

ثابت قدمی اطاعت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق/احزاب کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے دشمن کو مدینہ کے واحد پہلو میں ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ سے فوج حملہ کر سکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ سب اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ جب دشمن کی فوجیں مدینہ اور خندق کے قریب پہنچیں تو انہوں نے پڑاؤ ڈال لیا۔ مدینہ کے اندر ایک غیر مسلم قبیلہ، بنو قریظہ، جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کا معاہدہ تھا، نے اپنے قلعوں کو بند کر دیا۔ ایک غیر مسلم نے غیر مسلم فوج سے سفر کیا اور بنو قریظہ کے ایک سردار کعب بن اسد سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ توڑنے کے بجائے غیر مسلموں میں شامل ہو جائیں۔ مسلمانوں کی فوجیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کرتے ہوئے مدینہ کے اندر سے لڑائی شروع ہو گئی۔ پھر کعب بن اسد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا صلح نامہ توڑ دیا اور اس دستاویز کو پھاڑ دیا جس پر یہ لکھا تھا۔ اضطراب اور خوف بڑھتا گیا کیونکہ دشمن مدینہ کے باہر اور اندر تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر مسلم فوج کو پسپا کرنے اور اپنے گھروں کو لوٹنے کے لیے غیر مسلم فوج کے ساتھ ایک قبیلہ کی پیشکش کرکے غیر مسلم فوج کو توڑنا چاہا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے دریافت کیا کہ کیا یہ خواہش اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی مرضی سے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ اس کی اپنی مرضی ہے کیونکہ وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ عرب کے بہت سے مختلف قبیلے مدینہ پر کیسے اترے اور اس نے اپنے صحابہ کی مدد کرنا چاہی، اللہ ان سے جس طرح بھی ہو سکتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ اسلام سے پہلے غیر مسلم لشکر مدینہ پر حملہ کرنے کی کبھی جرأت نہ کرتا تھا اور اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سرفراز فرمایا ہے۔ وہ سچائی پر کبھی سمجھوتہ نہیں کریں گے، چاہے اس کی وجہ سے جنگ کیوں نہ ہو۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 142 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو تقدیر کا بھی صبر کے ساتھ سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم وہ ہے جب کوئی اپنے اچھے کام دوسروں کے سامنے دکھاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہٰذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہے، بجائے اس کے کہ ہر وقت اپنے آپ کو یا دوسروں کی اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے نہ اپنی خواہشات کا علم ہونا چاہیے اور نہ ہی لوگ اسے اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں

گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہٰذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

"...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو"

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے)معمولی (گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، خواہ وہ اس پر عمل کریں۔ یہ مکمل طور پر کرنے کے قابل نہیں ہے .لہٰذا، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو جو صلاحیت عطا کی گئی ہے اسے پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا، بغیر اپنے دل کی صفائی کے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور اگر لوگوں کے حقوق کا تعلق ہو تو ان سے استغفار کرنا چاہیے۔ باب 46 الاحقاف، آیت 13:

’’بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔‘‘

اچھا کاروبار کرنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق/احزاب کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے دشمن کو مدینہ کے واحد پہلو میں ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ سے فوج حملہ کر سکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ سب اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ جب دشمن کی فوجیں مدینہ اور خندق کے قریب پہنچیں تو انہوں نے پڑاؤ ڈال لیا۔ مدینہ کے اندر ایک غیر مسلم قبیلہ، بنو قریظہ، جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کا معاہدہ تھا، نے اپنے قلعوں کو بند کر دیا۔ ایک غیر مسلم نے غیر مسلم فوج سے سفر کیا اور بنو قریظہ کے ایک سردار کعب بن اسد سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ توڑنے کے بجائے غیر مسلموں میں شامل ہو جائیں۔ مسلمانوں کی فوجیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کرتے ہوئے مدینہ کے اندر سے لڑائی شروع ہو گئی۔ پھر کعب بن اسد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا صلح نامہ توڑ دیا اور اس دستاویز کو پھاڑ دیا جس پر یہ لکھا تھا۔ اضطراب اور خوف بڑھتا گیا کیونکہ دشمن مدینہ کے باہر اور اندر تھے۔ چند جھڑپوں کے علاوہ مسلمانوں کی طرف سے کھودی گئی خندق کی وجہ سے کوئی حقیقی لڑائی نہیں ہوئی۔ غیر مسلموں کی ایک چھوٹی سی فوج خندق کے ایک تنگ حصے کو عبور کرنے میں کامیاب ہوگئی اور مسلمانوں نے ان کا راستہ روک دیا۔ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا مکہ کے غیر مسلموں کے ایک بزرگ امراء عمرو بن عبدود سے جھگڑا ہوا اور اسے قتل کر دیا۔ غیر مسلموں نے ان کے جسم کے لیے 10,000 سے 12,000 چاندی کے سکوں کی بڑی رقم پیش کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں میت سے کوئی فائدہ نہیں ہوا اور نہ ہی اس کی لاش میں کوئی خیر ہے اور نہ ہی اس کے لیے پیش کردہ رقم۔ ان کی لاش مفت میں غیر مسلموں کے حوالے کر دی گئی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 142-145 میں بحث کی گئی ہے۔

ایسے سنگین حالات میں بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مناسب طریقے سے کاروبار کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔

سنن ابن ماجہ نمبر 2146 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ تاجروں کو قیامت کے دن فاسقوں کے طور پر اٹھایا جائے گا سوائے ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، نیک عمل کرتے ہیں اور بولتے ہیں۔ سچائی

اس حدیث کا اطلاق ان تمام لوگوں پر ہوتا ہے جو تجارتی لین دین میں حصہ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، اس کے احکام پر عمل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ کاروباری لین دین کے سلسلے میں ایک مسلمان کو اپنی بات میں ایماندار ہونا چاہیے اور اس لین دین کی تمام تفصیلات جو اس میں شامل ہیں ان کو بتا دیں۔ صحیح بخاری نمبر 2079 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب مسلمان مالی لین دین میں چیزوں کو چھپاتے ہیں، جیسے کہ ان کے سامان میں خرابیاں، تو یہ نعمتوں میں نقصان کا باعث بنتی ہے۔

راستبازی سے کام کرنے میں یہ شامل ہے کہ دوسروں کو سامان کی ضرورت سے زیادہ قیمت ادا کرنے پر مجبور کرنے کی کوشش نہ کریں۔ ایک مسلمان کو صرف دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جیسا کہ وہ ایمانداری اور مکمل انکشاف کے ساتھ معنی خیز سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح ایک مسلمان یہ پسند نہیں کرے گا کہ مالی معاملات میں اس کے ساتھ بدسلوکی کی جائے وہ دوسروں کے ساتھ بدسلوکی نہ کرے۔

کاروبار کرنے والوں کو ہمیشہ جھوٹ بولنے سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ بے حیائی کی طرف لے جاتا ہے اور فانی جہنم میں لے جاتا ہے۔ درحقیقت ایک شخص جھوٹ بولتا اور اس پر عمل کرتا رہے گا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا درج نہ ہو جائے۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

شیطانی منصوبے ناکام

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق/احزاب کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے دشمن کو مدینہ کے واحد پہلو میں ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ سے فوج حملہ کر سکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ سب اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ جب دشمن کی فوجیں مدینہ اور خندق کے قریب پہنچیں تو انہوں نے پڑاؤ ڈال لیا۔ مدینہ کے اندر ایک غیر مسلم قبیلہ، بنو قریظہ، جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کا معاہدہ تھا، نے اپنے قلعوں کو بند کر دیا۔ ایک غیر مسلم نے غیر مسلم فوج سے سفر کیا اور بنو قریظہ کے ایک سردار کعب بن اسد سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ توڑنے کے بجائے غیر مسلموں میں شامل ہو جائیں۔ مسلمانوں کی فوجیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کرتے ہوئے مدینہ کے اندر سے لڑائی شروع ہو گئی۔ پھر کعب بن اسد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا صلح نامہ توڑ دیا اور اس دستاویز کو پھاڑ دیا جس پر یہ لکھا تھا۔ اضطراب ،اور خوف بڑھتا گیا کیونکہ دشمن مدینہ کے باہر اور اندر تھے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3، صفحہ 142-145 میں بحث کی گئی ہے۔

اس دوران بنو قریظہ نے بہت سے اونٹوں کو جو خوراک سے بھرے ہوئے تھے غیر مسلم فوج کے لیے روانہ کیے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا علم ہوا اور مسلمانوں کے سپاہیوں کی ایک جماعت روانہ کی جنہوں نے اس قافلہ پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا اس سے پہلے کہ یہ قافلہ غیر مسلموں تک پہنچ جائے۔ اس پر امام محمد السلّابی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرتِ نبوی، جلد 1، صفحہ 1368 میں بحث کی گئی ہے۔

،کسی کو کبھی بھی برے کام کرنے کی سازش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ ہمیشہ، کسی نہ کسی طرح ان پر الٹا فائر ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر یہ نتائج اگلے جہان تک موخر کر دیے جائیں تو آخرکار ان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو نقصان پہنچانا چاہا جیسا کہ وہ اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت، احترام اور پیار چاہتے تھے۔ لیکن یہ واضح ہے کہ ان کی تدبیریں انہیں اپنی خواہش سے دور کر دیتی ہیں۔ باب 12 یوسف، آیت 18:

اور وہ اس کی قمیض پر جھوٹا خون لے آئے۔]یعقوب [نے کہا، "بلکہ تمہاری روحوں نے تمہیں کسی" "چیز پر آمادہ کیا ہے، اس لیے صبر سب سے زیادہ مناسب ہے۔

جتنی زیادہ برائی کی تدبیریں کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مقصد سے دور کر دے گا۔ خواہ وہ ظاہری طور پر اپنی خواہش پوری کر لیں، اللہ تعالیٰ جس چیز کی خواہش کی تھی وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے لعنت بن جائے گا الا یہ کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

لیکن شیطانی سازش اپنے لوگوں کے علاوہ کسی کو نہیں گھیرتی۔ پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے..." ‘‘راستے]یعنی تقدیر [کے سوا انتظار کرتے ہیں؟

ہمت اور استقامت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق/احزاب کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے دشمن کو مدینہ کے واحد پہلو میں ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ سے فوج حملہ کر سکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ سب اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ جب دشمن کی فوجیں مدینہ اور خندق کے قریب پہنچیں تو انہوں نے پڑاؤ ڈال لیا۔ مدینہ کے اندر ایک غیر مسلم قبیلہ، بنو قریظہ، جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کا معاہدہ تھا، نے اپنے قلعوں کو بند کر دیا۔ ایک غیر مسلم نے غیر مسلم لشکر سے سفر کیا اور بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ توڑنے کے بجائے غیر مسلموں میں شامل ہو جائیں۔ مسلمانوں کی فوجیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کرتے ہوئے مدینہ کے اندر سے لڑائی شروع ہو گئی۔ پھر کعب بن اسد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا صلح نامہ توڑ دیا اور اس دستاویز کو پھاڑ دیا جس پر یہ لکھا تھا۔ اضطراب اور خوف بڑھتا گیا کیونکہ دشمن مدینہ کے باہر اور اندر تھے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 142-145 میں بحث کی گئی ہے۔

بنو قریظہ نے ایک جاسوس اس بات کی تحقیق کے لیے روانہ کیا کہ آیا ان قلعوں میں عورتوں اور بچوں کی حفاظت کی جا رہی ہے یا نہیں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اندر رکھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی، صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے جاسوس کو دیکھا، قلعہ سے باہر نکلیں اور اسے لاٹھی سے قتل کر دیا۔ جب بنو قریظہ کو یہ خبر پہنچی کہ ان کا جاسوس مارا گیا ہے تو انہوں نے سمجھا کہ مسلمان قلعوں کی حفاظت کر رہے ہیں اس لیے انہوں نے ان پر حملہ نہیں کیا۔ اس پر امام محمد الصلاّبی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1401-1402 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، یہ مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے کی اہمیت کی یاد دلاتا ہے جب بھی ان پر ان کے دشمنوں یعنی شیطان، ان کے اندرونی شیطان اور وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی ان دشمنوں کے فتنے میں مبتلا ہو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ نہ پھیرے۔ اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ ان جگہوں، چیزوں اور لوگوں سے اجتناب کرنے سے حاصل ہوتا ہے جو انہیں گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے اور فتنہ میں ڈالتے ہیں۔ شیطان کے جال سے بچنا صرف اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح راستے میں پھنسنے سے صرف اسی طرح علم رکھنے سے بچا جاتا ہے۔ شیطان کے جال سے بچنے کے لیے اسلامی علم کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان قرآن پاک کی تلاوت میں زیادہ وقت صرف کر سکتا ہے لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے وہ غیبت جیسے گناہوں کے ذریعے اپنے اعمال صالحہ کو سمجھے بغیر برباد کر سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو ان حملوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ان کے لیے تیاری کریں اور اس کے بدلے میں بے شمار اجر حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس راہ میں جدوجہد کرنے والوں کے لیے صحیح رہنمائی کی ضمانت دی ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 69:

''اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔''

جبکہ جہالت اور نافرمانی کے ساتھ ان حملوں کا سامنا کرنا دونوں جہانوں میں مشکلات اور رسوائی کا باعث بنے گا۔ اسی طرح ایک سپاہی جس کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں وہ شکست کھا جائے گا۔ ان حملوں کا سامنا کرتے وقت ایک جاہل مسلمان کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں ہوگا جس کے نتیجے میں ان کی شکست ہوگی۔ جبکہ باشعور مسلمان کو وہ طاقتور ترین ہتھیار مہیا کیا جاتا ہے جس پر قابو نہیں پایا جا سکتا اور نہ مارا جا سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت۔ یہ صرف خلوص نیت سے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

ایک خیانت کی ذہنیت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق/احزاب کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے دشمن کو مدینہ کے واحد پہلو میں ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ سے فوج حملہ کر سکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ سب اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ جب دشمن کی فوجیں مدینہ اور خندق کے قریب پہنچیں تو انہوں نے پڑاؤ ڈال لیا۔ مدینہ کے اندر ایک غیر مسلم قبیلہ، بنو قریظہ، جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کا معاہدہ تھا، نے اپنے قلعوں کو بند کر دیا۔ ایک غیر مسلم نے غیر مسلم فوج سے سفر کیا اور بنو قریظہ کے ایک سردار کعب بن اسد سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ توڑنے کے بجائے غیر مسلموں میں شامل ہو جائیں۔ مسلمانوں کی فوجیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کرتے ہوئے مدینہ کے اندر سے لڑائی شروع ہو گئی۔ پھر کعب بن اسد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا صلح نامہ توڑ دیا اور اس دستاویز کو پھاڑ دیا جس پر یہ لکھا تھا۔ اضطراب اور خوف بڑھتا گیا کیونکہ دشمن مدینہ کے باہر اور اندر تھے۔ ایک شخص، نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ، غیر مسلم فوج کا حصہ تھے لیکن خفیہ طور پر اسلام قبول کر چکے تھے۔ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر اپنے اسلام کا اعلان کیا اور اپنی خدمات پیش کیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ہر وہ کام کرنے کا حکم دیا جس سے مسلمانوں کو فائدہ ہو۔ نعیم رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بنو قریظہ کا دورہ کیا اور انہیں تنبیہ کی کہ وہ غیر مسلموں کی مدد نہ کریں کیونکہ وہ مسلمانوں سے لڑنے کا عزم نہیں رکھتے کیونکہ انہیں یقین نہیں تھا کہ وہ جیت سکتے ہیں۔ اگر غیر مسلموں نے اپنا منصوبہ ترک کر دیا تو بنو قریظہ کو بلاشبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ان کے صلح نامہ کی خلاف ورزی کی سزا دی جائے گی۔ اس نے بنو قریظہ سے کہا کہ وہ صرف اس صورت میں غیر مسلموں کی مدد کریں جب وہ اپنے کچھ اشرافیہ کے لوگوں کے حوالے کرنے پر راضی ہوں جو ان کے قلعوں میں ان کے ساتھ رہیں، اس طرح بنو قریظہ کا وہی انجام ہو گا۔ یہ غیر مسلموں کو مجبور کرے گا کہ وہ اپنی اشرافیہ کی حفاظت کے لیے مسلمانوں سے لڑیں۔ نعیم رضی اللہ عنہ پھر غیر مسلموں کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ بنو قریظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ توڑنے پر افسوس کا اظہار کیا ہے اور دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ الحاق کر لیا ہے۔ اور اپنے اخلاص کی علامت کے طور پر، وہ غیر مسلموں میں سے کچھ اشرافیہ کو اپنے پاس آنے پر آمادہ کرتے اور انہیں پھانسی کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیتے۔ نعیم رضی اللہ عنہ نے غیر مسلموں کو تنبیہ کی کہ وہ اپنے کسی آدمی

کو بنو قریظہ میں نہ بھیجیں ورنہ ان کے ساتھ غداری کی جائے گی۔ جب غیر مسلم لشکر کے سرداروں نے بنو قریظہ کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کا پیغام بھیجا تو انہوں نے جواب دیا کہ جب غیر مسلموں کے کچھ سردار ان کے پاس آئے تو وہ مسلمانوں پر حملہ کریں گے۔ -مسلمان مسلم فوج سے لڑنے اور تباہ کرنے کا اپنا منصوبہ مکمل کریں گے۔ نعیم رضی اللہ عنہ کے مشورے کی بنا پر غیر مسلموں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس سے بنو قریظہ خوفزدہ ہو گئے کیونکہ نعیم رضی اللہ عنہ نے جو انتباہ دیا تھا وہ درست معلوم ہوتا تھا۔ ان غیر مسلموں کے درمیان اس عدم اعتماد اور اختلاف نے بنو قریظہ کو مدینہ کے اندر سے مسلمانوں پر حملہ کرنے سے روک دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرتِ نبوی، جلد 3، صفحہ 142 اور امام صفی الرحمن کی، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 318-319 میں بحث کی گئی ہے۔

غیر مسلموں نے جلد ہی ایک دوسرے پر عدم اعتماد کیا کیونکہ وہ خود ایسے لوگ تھے جو اکثر دوسروں کو دھوکہ دیتے تھے۔ انہوں نے مشہور کہاوت کو پورا کیا "چوروں میں کوئی عزت نہیں"۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ وعدہ خلافی منافقت کا ایک پہلو ہے۔

ایک مسلمان کا سب سے بڑا وعدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، جو اس کی سچی اطاعت کرنا ہے۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ لوگوں کے ساتھ کیے گئے دیگر تمام وعدوں کو بھی برقرار رکھا جانا چاہیے جب تک کہ کسی کے پاس کوئی معقول عذر نہ ہو، خاص طور پر جو والدین بچوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ وعدوں کی خلاف ورزی بچوں کو صرف برے کردار کی تعلیم دیتی ہے اور انہیں یہ ماننے کی ترغیب دیتی ہے کہ دھوکے باز ہونا ایک قابل قبول خصوصیت ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2227 میں موجود حدیث وعدہ کرے اور پھر بغیر کسی عذر کے اسے پر میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ جو اس کے نام توڑ دے وہ اس کے خلاف ہو گا۔ جس کے خلاف اللہ تعالیٰ ہے وہ قیامت کے دن کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟

مشکلات اور آسانی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق/احزاب کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے دشمن کو مدینہ کے واحد پہلو میں ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ سے فوج حملہ کر سکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ سب اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ جب دشمن کی فوجیں مدینہ اور خندق کے قریب پہنچیں تو انہوں نے پڑاؤ ڈال لیا۔ مدینہ کے اندر ایک غیر مسلم قبیلہ، بنو قریظہ، جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کا معاہدہ تھا، نے اپنے قلعوں کو بند کر دیا۔ ایک غیر مسلم نے غیر مسلم فوج سے سفر کیا اور بنو قریظہ کے ایک سردار کعب بن اسد سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ توڑنے کے بجائے غیر مسلموں میں شامل ہو جائیں۔ مسلمانوں کی فوجیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کرتے ہوئے مدینہ کے اندر سے لڑائی شروع ہو گئی۔ پھر کعب بن اسد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا صلح نامہ توڑ دیا اور اس دستاویز کو پھاڑ دیا جس پر یہ لکھا تھا۔ اضطراب اور خوف بڑھتا گیا کیونکہ دشمن مدینہ کے باہر اور اندر تھے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خوف اور اضطراب کا مشاہدہ کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ اعلان کر کے حوصلہ دیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس مصیبت کے بعد ضرور راحت عطا فرمائے گا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 148 میں بحث کی گئی ہے۔

مسند احمد نمبر 2803 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کی تلقین فرمائی کہ انسان کو درپیش ہر مشکل کے بعد آسانی ہوگی۔ یہ حقیقت قرآن مجید میں بھی بیان کی گئی ہے، مثال کے طور پر، باب 65، آیت 7:

‘‘اللہ تعالیٰ سختی کے بعد آسانی پیدا کرے گا۔’’

مسلمانوں کے لیے اس حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے کیونکہ یہ صبر اور قناعت کو جنم دیتا ہے۔ حالات کی تبدیلیوں پر غیر یقینی ہونا کسی کو بے صبری، ناشکری اور یہاں تک کہ غیر قانونی چیزوں کی طرف لے جا سکتا ہے، جیسے کہ غیر قانونی رزق۔ لیکن جو اس بات پر پختہ یقین رکھتا ہے کہ آخرکار تمام مشکلات آسانی سے بدل جائیں گی وہ اسلام کی تعلیمات پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے صبر سے اس تبدیلی کا انتظار کرے گا۔ یہ صبر اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور اس کا اجر بہت زیادہ ہے۔
باب 3 علی عمران، آیت 146:

‘‘اور اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔’’

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایسی بے شمار مثالیں بیان کی ہیں جب مشکل حالات کے بعد آسانی اور برکت آتی تھی۔ مثال کے طور پر قرآن کریم کی درج ذیل آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کو اپنی قوم کی طرف سے کس بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا اور کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں سیلاب عظیم سے بچایا اس کا ذکر ہے۔ باب 21 الانبیاء، آیت 76:

"اور نوح کا ذکر کریں جب اس نے]اس وقت [سے پہلے]اللہ کو [پکارا تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے اور اس کے گھر والوں کو بڑی مصیبت]یعنی سیلاب [سے بچا لیا۔

ایک اور مثال باب 21 الانبیاء، آیت 69 میں ملتی ہے:

ہم نے کہا اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو‘‘۔’’

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک عظیم آگ کی صورت میں بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس کو ٹھنڈا اور پر سکون بنا دیا۔

،یہ اور بہت سی مثالیں قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں بیان کی گئی ہیں تاکہ مسلمان یہ سمجھیں کہ مشکل کا ایک لمحہ آخر کار اللہ کی اطاعت کرنے والوں کے لیے آسانی کا باعث بنتا ہے۔ اس کے احکام کو پورا کرنے سے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے سے۔

لہٰذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ ان اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں تاکہ ان بے شمار صورتوں کا مشاہدہ کیا جا سکے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں کو مشکلات کا سامنا کرنے کے بعد آسانی عطا فرمائی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں کو بڑی مشکلوں سے بچا لیا ہے جن کا ذکر الٰہی تعلیمات میں کیا گیا ہے تو وہ فرمانبردار مسلمانوں کو چھوٹی چھوٹی مشکلات سے بھی بچا سکتا ہے اور بچائے گا۔

ایک ایگزٹ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق/احزاب کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے دشمن کو مدینہ کے واحد پہلو میں ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ سے فوج حملہ کر سکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ سب اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ جب دشمن کی فوجیں مدینہ اور خندق کے قریب پہنچیں تو انہوں نے پڑاؤ ڈال لیا۔ مدینہ کے اندر ایک غیر مسلم قبیلہ، بنو قریظہ، جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کا معاہدہ تھا، نے اپنے قلعوں کو بند کر دیا۔ ایک غیر مسلم نے غیر مسلم فوج سے سفر کیا اور بنو قریظہ کے ایک سردار کعب بن اسد سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ توڑنے کے بجائے غیر مسلموں میں شامل ہو جائیں۔ مسلمانوں کی فوجیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کرتے ہوئے مدینہ کے اندر سے لڑائی شروع ہو گئی۔ پھر کعب بن اسد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا صلح نامہ توڑ دیا اور اس دستاویز کو پھاڑ دیا جس پر یہ لکھا تھا۔ اضطراب اور خوف بڑھتا گیا کیونکہ دشمن مدینہ کے باہر اور اندر تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اس جنگ کے دوران اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے اور آخر کار اللہ تعالیٰ نے ایک تیز آندھی کو اس جنگ کی طرف روانہ کیا۔ غیر مسلم فوج جس نے ان کے کیمپ کو مکمل طور پر اکھاڑ پھینکا اور انہیں پریشانی اور پریشانی میں ڈال دیا۔ غیر مسلموں نے گھر واپس آنے کا فیصلہ کیا کیونکہ موسم ان کے خلاف تھا اور وہ خندق میں کامیابی کے ساتھ داخل ہونے اور مدینہ میں داخل ہونے میں ناکام رہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 154-155 میں بحث کی گئی ہے۔

غیر مسلم فوج کے جانے سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو دشمن کے کیمپ سے معلومات حاصل کرنے کے لیے روانہ کیا لیکن انہیں تنبیہ کی کہ کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے توجہ مبذول ہو۔ اپنے آپ کو .دشمن کے کیمپ میں پہنچ کر اس نے غیر مسلم رہنما ابو سفیان کو دیکھا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنا کمان لاد لیا اور ابو سفیان پر گولی چلانے ہی والے تھے لیکن جب انہیں دیا گیا حکم یاد آیا تو اپنا ہاتھ روک لیا۔ اس نے خفیہ طور پر غیر

مسلموں کی ایک مجلس میں شرکت کی اور معلوم کیا کہ انہوں نے اپنے گھروں کو چھوڑنے اور واپس جانے کا فیصلہ کیا ہے کیونکہ ان کے پاس سامان ختم ہو رہا تھا، اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہوا ان پر تباہی مچا رہی تھی۔ مسلمانوں کی کھودی گئی خندق میں گھس نہ سکے۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتاب، نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1383-1384 میں بحث کی گئی ہے۔

اس واقعہ سے سیکھنے کا ایک اہم سبق اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے۔ اس عظیم واقعہ کی طرح ناگزیر اور تباہ کن حالات میں بھی ایک مسلمان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ مسلمانوں کو سمجھنا چاہیے کہ ان کا علم بہت محدود ہے اور وہ انتہائی کم نظر ہیں۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب کے پس پردہ حکمتوں کو پوری طرح نہیں جان سکتے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا علم اور الٰہی ادراک لامحدود ہے۔ لہٰذا، ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر بھروسہ کرنا چاہیے، جس طرح ایک نابینا شخص اپنے جسمانی رہنما کی رہنمائی پر بھروسہ کرتا ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ ایک مسلمان کا رویہ جو بھی ہو اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہو گا، اس لیے بہتر ہے کہ اس کی حکمت پر بھروسہ کیا جائے بجائے اس کے کہ وہ بے صبری کا مظاہرہ کرے جو مزید پریشانی کا باعث بنے۔

اس کے علاوہ اپنی زندگی کے اندر ان گنت مثالوں کو یاد رکھنا بھی ضروری ہے جب کوئی شخص کسی چیز کی خواہش کرتا ہے صرف اسے حاصل کرنے کے بعد پچھتاوا کرتا ہے۔ اور جب وہ کسی چیز کو ناپسند کرتے تھے تو صرف بعد میں اپنا خیال بدلنے کے لیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

چونکہ تقدیر لوگوں کے ہاتھ سے نکل چکی ہے، مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس چیز پر توجہ مرکوز کریں جو ان کے اختیار میں ہے اگر وہ مشکلات سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر

کا مقابلہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اس بات کی ضمانت دی ہے کہ وہ ایک مسلمان کو دونوں جہانوں کی تمام مشکلات سے بچا لے گا۔ انہیں صرف اس کی فرمانبرداری کرنا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

‘‘اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔’’

جو چیز کسی کے اختیار میں نہیں ہے اس کے معنی یعنی تقدیر پر زور دینا حماقت ہے اور جو چیز کسی کے اختیار میں ہے اس سے غافل رہنا یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا۔

بنو قریظہ

نتائج کا سامنا کرنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق/احزاب کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے دشمن کو مدینہ کے واحد پہلو میں ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ سے فوج حملہ کر سکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ سب اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ جب دشمن کی فوجیں مدینہ اور خندق کے قریب پہنچیں تو انہوں نے پڑاؤ ڈال لیا۔ مدینہ کے اندر ایک غیر مسلم قبیلہ، بنو قریظہ، جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کا معاہدہ تھا، نے اپنے قلعوں کو بند کر دیا۔ ایک غیر مسلم نے غیر مسلم فوج سے سفر کیا اور بنو قریظہ کے ایک سردار کعب بن اسد سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ توڑنے کے بجائے غیر مسلموں میں شامل ہو جائیں۔ مسلمانوں کی فوجیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کرتے ہوئے مدینہ کے اندر سے لڑائی شروع ہو گئی۔ پھر کعب بن اسد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا صلح نامہ توڑ دیا اور اس دستاویز کو پھاڑ دیا جس پر یہ لکھا تھا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے غیر مسلم فوج کی طرف ایک تیز آندھی بھیجی جس نے ان کے کیمپ کو بالکل اکھاڑ پھینکا اور وہ پریشانی اور پریشانی میں ڈوب گئے۔ غیر مسلموں نے گھر واپس آنے کا فیصلہ کیا کیونکہ موسم ان کے خلاف تھا اور وہ خندق میں کامیابی کے ساتھ داخل ہونے اور مدینہ میں داخل ہونے میں ناکام رہے۔ اگلی صبح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ خندق سے نکلے اور اپنے ہتھیار رکھ کر گھر واپس آئے۔ جنگی زرہ پہنے ہوئے جبرائیل علیہ السلام حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنو قریظہ کے خلاف پیش قدمی کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی باب 33، آیات 25-27 نازل فرمایا:

اور اللہ نے کافروں کو ان کے غصے میں دفع کر دیا، ان کے پاس کوئی بھلائی نہ تھی، اور اس نے" اہل کتاب میں سے ان کی حمایت کرنے والوں کو ان کے قلعوں سے نیچے اتارا اور ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی]تاکہ [ایک جماعت کو تم نے قتل کر دیا۔ اور تم نے ایک جماعت کو اسیر کر لیا ...اور ''اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 158 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ انسان کی جسمانی یا سماجی طاقت چاہے کتنی ہی کیوں نہ ہو ایک دن ضرور آئے گا جب اسے اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ ان کی زندگی کے دوران ہوتا ہے جہاں کسی شخص کے اعمال انہیں مصیبت میں لے جاتے ہیں، جیسے کہ جیل اور ۔ یہ تمام لوگوں پر لاگو ہوتا گا آخرکار انہیں آخرت میں بھی اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے ہے نہ صرف لیڈروں پر۔

اس لیے ایک مسلمان کو کبھی بھی دوسروں کے ساتھ برا سلوک نہیں کرنا چاہیے، جیسے کہ ان کے ،سے سبق سیکھنا چاہیے جو ان سے زیادہ طاقت میں تھے ان ظالم لیڈروں رشتہ دار۔ انہیں تاریخ کے ایک دن ضرور آیا جب ان کی طاقت ان کے کام نہ آئی اور انہیں اپنے برے اعمال کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ سماجی اثر و رسوخ اور طاقت ایسی چیزیں ہیں جو تیزی سے ایک شخص سے دوسرے شخص میں منتقل ہوتی ہیں، کبھی کسی کے ساتھ زیادہ دیر تک نہیں رہتیں۔ لہٰذا جس مسلمان کے پاس اتنی طاقت ہو اسے چاہیے کہ وہ اسے ایسے طریقے سے استعمال کرے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو اور اپنے اور دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ لیکن اگر وہ اپنے اختیارات کا غلط استعمال کرتے ہیں تو وہ جس سے کوئی ان کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے آخرکار ہوں گے۔

کسی کے اختیار کا غلط استعمال نہ کرنا کیونکہ یہ انہیں قیامت کے اس کے علاوہ، یہ ضروری ہے دن جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ ہر ظالم کو ان کے اعمال صالحہ ان کے مظلوموں کو دینا

ہوں گے اور اگر ضرورت پڑی تو اپنے مظلوموں کے گناہوں کو لے کر جب تک انصاف نہ ہو جائے۔ اس سے بہت سے ظالموں کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو اپنے اعمال کے لیے خود کو جوابدہ ٹھہرانا کبھی نہیں بھولنا چاہیے۔ ایسا کرنے والے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور دوسروں کو نقصان پہنچانے سے بچیں گے۔ لیکن جو لوگ خود فیصلہ نہیں کرتے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے رہیں گے اور دوسروں کو نقصان پہنچاتے رہیں گے۔ یہ نہ جانتے ہوئے کہ حقیقت میں وہ صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ لیکن جب انہیں اس حقیقت کا ادراک ہو جائے گا تو ان کے لیے سزا سے بچنے میں بہت دیر ہو چکی ہو گی۔

درست فیصلے کرنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق کا باعث بنی۔ اللہ تعالیٰ نے غیر مسلموں کی فوج کو شکست دینے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنو قریظہ کے خلاف ان کے غداری کے اس فعل کی وجہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا جب انہوں نے صلح اور حمایت کا معاہدہ توڑ دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ خندق کے دوران غیر مسلم فوج کے ساتھ اتحاد کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ عصر کی نماز اس وقت تک نہ پڑھو جب تک کہ وہ بنو قریظہ کے قلعوں میں نہ پہنچ جائیں۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بنو قریظہ پہنچنے تک نماز نہیں پڑھی، جب کہ بعض نے اس خوف سے کہ نماز مکمل طور پر غائب ہو جائے گی، راستے میں نماز ادا کی۔ انہوں نے فرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم صرف اسی صورت میں لاگو ہوتا ہے جب وہ وقت پر بنو قریظہ پہنچ جائیں۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان دونوں فیصلوں کی اطلاع ملی تو آپ نے بھی تنقید نہیں کی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 158-159 میں بحث کی گئی ہے۔

جب بھی کوئی عالم اسلام کے مختلف علوم پر عبور حاصل کرتا ہے تو وہ آزاد استدلال کہلانے والی سطح تک پہنچ سکتا ہے۔ اس سے وہ اسلام کے اندر حکم حاصل کرنے کے لیے اپنے پیشہ ورانہ غیرجانبدارانہ فیصلے کے ساتھ قرآن پاک کی تعلیمات، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو لاگو کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 4487 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جب یہ عالم غلط حکم دے گا تو ان کو ان کی کوشش کا ایک ہی مرتبہ اجر ملے گا۔ اگر وہ صحیح فیصلہ کرتے ہیں تو انہیں دوگنا اجر ملے گا۔

صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص حصول علم کے راستے پر چلے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دے گا۔

یہ دونوں جسمانی راستے کی طرف اشارہ کرتا ہے جو کوئی علم حاصل کرنے کے لیے اختیار کرتا ہے، جیسے کہ لیکچرز اور کلاسز میں شرکت کرنا، اور وہ راستہ جس کے ذریعے کوئی شخص بغیر جسمانی سفر کے علم حاصل کرتا ہے۔ اس میں علم کی تمام اقسام شامل ہیں، جیسے علم کے بارے میں سننا، پڑھنا، مطالعہ کرنا اور لکھنا۔ جنت کے راستے میں بہت سی رکاوٹیں ہیں جو مسلمان کو اس تک پہنچنے سے روکتی ہیں۔ صرف وہی شخص جنت میں جائے گا جس کے پاس ان کا علم ہو اور ان پر کیسے قابو پایا جائے۔ اس کے علاوہ، یہ آسانی سے سمجھا جاتا ہے کہ کوئی شخص اس دنیا کے کسی شہر تک اس کے محل وقوع اور اس کی طرف جانے والے راستے کے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح جنت ان چیزوں کے بارے میں جانے بغیر حاصل نہیں کی جا سکتی، جیسے اس کی طرف جانے والا راستہ۔

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کا ارادہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہونا چاہیے۔ جو کوئی دنیوی وجہ سے دینی علم حاصل کرتا ہے، جیسے دکھاوے، وہ جہنم میں جائے گا اگر وہ سچے دل سے توبہ کرنے میں ناکام رہے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 253 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو اپنے علم پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ عمل کے بغیر علم کی کوئی قیمت یا فائدہ نہیں ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جس کے پاس حفاظت کے راستے کا علم ہے لیکن اسے اختیار نہیں کرتا اور اس کے بجائے خطرات سے بھرے علاقے میں رہتا ہے۔ اس لیے علم کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا یہ ہے کہ جب کوئی اپنے علم پر عمل کرتا ہے جس سے تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ ہوتا ہے۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی اپنے علم پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس قسم سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، درحقیقت یہ ان کے تکبر میں اضافہ کرے گا کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں، حالانکہ وہ گدھے کی طرح ہیں جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہیں جو اسے فائدہ نہیں پہنچاتی۔ باب 62 الجمعہ، آیت 5:

اور پھر اس پر عمل نہیں کیا)اپنے علم پر عمل نہیں کیا (اس گدھے کی طرح ہے جو کتابوں کی”
کتابیں اٹھائے ہوئے ہے“۔

بہترین لوگ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق کا باعث بنی۔ اللہ تعالیٰ نے غیر مسلموں کی فوج کو شکست دینے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنو قریظہ کے خلاف ان کے غداری کے اس فعل کی وجہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا جب انہوں نے صلح اور حمایت کا معاہدہ توڑ دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ خندق کے دوران غیر مسلم فوج کے ساتھ اتحاد کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی تو انہوں نے ایک صحابی ابو لبابہ رضی اللہ عنہ سے کچھ مشورہ طلب کیا جیسا کہ وہ تھے۔ صحابہ کرام سے لڑنے کی پوزیشن میں نہیں، اللہ ان سے راضی ہے۔ ابو لبابہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اشارہ کیا کہ اگر وہ ہتھیار ڈال دیتے ہیں تو ان کے مرد سپاہیوں کو غالباً ان کی غداری کے جرم میں پھانسی دی جائے گی، جو اس دن اور دور میں بھی ایک معیاری سزا ہے۔ ابو لبابہ رضی اللہ عنہ نے جو اشارہ کیا اس پر انہیں بہت افسوس ہوا کیونکہ وہ یقین رکھتے تھے کہ اس نے اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خیانت کی۔ چنانچہ اس نے اپنے آپ کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک درخت سے جکڑ لیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں بخش دیا گیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں ان کے پاس آتا تو اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا لیکن جیسا کہ آپ نے خود فیصلہ کیا اس لیے وہ معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں گے۔ ، عالی۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال آیت 27 نازل فرمائی:

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو اور اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو، حالانکہ تم جانتے ہو۔‘‘

اور باب 9 توبہ آیت 102:

اور]اور بھی ہیں [جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا ہے۔ انہوں نے ایک نیک عمل کو دوسرے" برے کے ساتھ ملا دیا تھا۔ شاید اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے ‘‘والا ہے۔

،اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 3، صفحہ 162-164 اور امام واحدی کی، اصباب النزول صفحہ 82-83 میں بحث کی گئی ہے۔ 8:27،

سنن ابن ماجہ نمبر 4251 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ لوگ گناہ کرتے ہیں لیکن بہترین گناہ کرنے والا وہ ہے جو سچی توبہ کرے۔

چونکہ لوگ فرشتے نہیں ہیں وہ گناہ کرنے کے پابند ہیں۔ وہ چیز جو ان لوگوں کو خاص بناتی ہے جب وہ اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ سچی توبہ میں پشیمانی کا احساس، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، دوبارہ گناہ یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہ کرنے کا پختہ وعدہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہیں ان کی تلافی کرنا شامل ہے۔ ، عالی، اور لوگ۔

غور طلب بات یہ ہے کہ صغیرہ گناہوں کو اعمال صالحہ کے ذریعے مٹایا جا سکتا ہے جس کی بہت سی احادیث میں نصیحت کی گئی ہے، جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 550 میں موجود ہے۔ جب تک کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے تو ان کے درمیان چھوٹے گناہ سرزد ہوتے ہیں۔

کبیرہ گناہ صرف سچی توبہ سے مٹ جاتے ہیں۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے، چھوٹے اور بڑے، اور اگر ایسا ہو جائے تو فوراً سچے دل سے توبہ کرے کیونکہ موت کا وقت معلوم نہیں ہے۔ اور انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہیں، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے ۔

حق کا انکار کرنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق کا باعث بنی۔ اللہ تعالیٰ نے غیر مسلموں کی فوج کو شکست دینے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنو قریظہ کے خلاف ان کے غداری کے اس فعل کی وجہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا جب انہوں نے صلح اور حمایت کا معاہدہ توڑ دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ خندق کے دوران غیر مسلم فوج کے ساتھ اتحاد کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی۔ بنو قریظہ کے سرداروں میں سے ایک، کعب بن اسد نے، جو ان کے غداری کے اس فعل کا سب سے بڑا ذمہ دار تھا، پھر اپنے قبیلے کو تنبیہ کی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کریں اور ان کی پیروی کریں، جیسا کہ تمام لوگوں نے کہا۔ ان کے آسمانی صحیفوں میں آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نشانیاں بیان کی گئی ہیں وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن اس کی قوم نے ضد کے ساتھ اس مشورے کو رد کر دیا اور دعویٰ کیا کہ وہ تورات کے قوانین کو نہیں چھوڑیں گے، حالانکہ انہوں نے پہلے کبھی ان پر صحیح طور پر عمل نہیں کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 163 میں بحث کی گئی ہے۔

بعض دنیوی معاملات میں ہٹ دھرمی اختیار کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے کردار میں بہتری نہیں لاتے۔ اس کے بجائے، وہ اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ یہ کسی نہ کسی طرح ان کی عظیم طاقت اور دانشمندی کی علامت ہے۔ ایمان کے معاملات میں ثابت قدمی ایک قابل تعریف رویہ ہے لیکن اکثر دنیاوی معاملات میں اسے صرف ضد کہا جاتا ہے جو کہ قابل ملامت ہے۔

بدقسمتی سے، کچھ کا خیال ہے کہ اگر وہ اپنا رویہ بدلتے ہیں تو یہ کمزوری کو ظاہر کرتا ہے یا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کر رہے ہیں اور اس وجہ سے وہ ضد کے ساتھ بہتر کے لیے تبدیل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ بالغ لوگ یہ مان کر نادان بچوں کی طرح برتاؤ کرتے ہیں کہ اگر وہ

اپنا رویہ بدل لیتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ہار گئے ہیں جبکہ دوسرے جو اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں وہ جیت گئے ہیں۔ یہ محض بچگانہ ہے۔

درحقیقت ایک ذہین آدمی ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہے گا لیکن دنیاوی معاملات میں جب تک گناہ نہ ہو اپنی زندگی کو آسان بنانے کے لیے اپنا رویہ بدلے گا۔ لہٰذا اپنی زندگی کو سنوارنے کے لیے بدلنا کمزوری کی علامت نہیں بلکہ دراصل ذہانت کی علامت ہے۔

بہت سے معاملات میں، ایک شخص اپنا رویہ تبدیل کرنے سے انکار کرتا ہے اور اپنی زندگی میں دوسروں سے توقع کرتا ہے کہ وہ اپنا رویہ بدلیں، جیسے کہ ان کے رشتہ دار۔ لیکن جو اکثر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ضد کی وجہ سے سب ایک ہی حالت میں رہتے ہیں جس سے باقاعدہ اختلاف اور جھگڑے ہی ہوتے ہیں۔ ایک عقلمند شخص یہ سمجھتا ہے کہ اگر اس کے ارد گرد کے لوگ اس سے بہتر نہیں ہوتے جو ان کی ضرورت سے بہتر ہوتی ہے۔ یہ تبدیلی ان کی زندگی کے معیار اور دوسروں کے ساتھ ان کے تعلقات کو بہتر بنائے گی جو لوگوں کے ساتھ سرکلر بحث کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ یہ مثبت رویہ بالآخر دوسروں کو ان کا احترام کرنے کا سبب بنے گا کیونکہ کسی کے کردار کو بہتر بنانے کے لیے حقیقی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔

جو لوگ ضدی رہتے ہیں وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ ناراض پاتے ہیں جس سے ان کی زندگی سے سکون ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں مزید مشکلات پیدا ہوں گی، جیسے کہ ان کی ذہنی صحت۔ لیکن جو لوگ بہتر کے لیے اپناتے اور بدلتے ہیں وہ ہمیشہ امن کے ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے ہیں۔ اگر کوئی یہ امن حاصل کر لیتا ہے تو کیا اس سے واقعی کوئی فرق پڑتا ہے اگر دوسرے یہ مانتے ہیں کہ وہ صرف اس لیے بدل گئے کہ وہ غلط تھے؟

آخر میں قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ثابت قدم رہنا قابل تعریف ہے۔ لیکن دنیاوی معاملات میں اور ایسے معاملات میں جہاں کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو انسان کو اپنا رویہ بدلنا سیکھنا چاہیے تاکہ وہ اس دنیا میں سکون حاصل کر سکے۔

حق پر قائم رہو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق کا باعث بنی۔ اللہ تعالیٰ نے غیر مسلموں کی فوج کو شکست دینے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنو قریظہ کے خلاف ان کے غداری کے اس فعل کی وجہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا جب انہوں نے صلح اور حمایت کا معاہدہ توڑ دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ خندق کے دوران غیر مسلم فوج کے ساتھ اتحاد کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی۔ بنو قریظہ کے ارکان میں سے ایک عمرو بن سودا اپنا قلعہ چھوڑ کر صحابی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا جو پہرے پر تھے۔ جیسا کہ عمرو بن سودا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح اور حمایت کا معاہدہ توڑ کر غداری کرنے سے انکار کیا تو صحابی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے انہیں جانے کی اجازت دے دی۔ عمرو بن سودا نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رات گزاری اور صبح مدینہ سے روانہ ہوئے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عمرو بن سودا کو اس کی امانت داری کی وجہ سے بچا لیا، اس نے حق پر قائم رکھا اور خیانت کرنے سے انکار کردیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 164-165 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں حق پر قائم رہیں اگر وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور برکت چاہتے ہیں۔ جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے

باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی اکثریت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر خوشامد اٹھانے یا غلط بیانی کے۔ اسلام کی تعلیمات جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتب کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

ناقدین سے ڈرنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق کا باعث بنی۔ اللہ تعالیٰ نے غیر مسلموں کی فوج کو شکست دینے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنو قریظہ کے خلاف ان کے غداری کے اس فعل کی وجہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا جب انہوں نے صلح اور حمایت کا معاہدہ توڑ دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ خندق کے دوران غیر مسلم فوج کے ساتھ اتحاد کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی۔ بنو قریظہ نے ایک صحابی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے سامنے سرتسلیم خم کر دیا جسے وہ مسلمان ہونے سے پہلے ہی اچھی طرح جانتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر سعد رضی اللہ عنہ کو ان کے فیصلے کے لیے بلایا۔ راستے میں مدینہ کے چند صحابہ رضی اللہ عنہ نے جو بنو قریظہ کے پرانے حلیف تھے، سعد رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ نرمی برتنے کی تاکید کی۔ سعد رضی اللہ عنہ نے سادگی سے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہ ناقدین کی تنقید سے نہیں ڈریں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 164-165 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے صحیح طریقے سے رہنمائی کرتے ہیں کیونکہ دوسروں پر ان کی تنقید کی بنیاد قرآن پاک میں موجود تنقید اور نصیحت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ہوتی ہے۔ یہ قسم ہمیشہ تعمیری رہے گی اور دونوں جہانوں میں نعمتوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف رہنمائی کرے گی۔ یہ لوگ دوسروں کی زیادہ یا کم تعریف کرنے سے بھی گریز کریں گے۔ دوسروں کی زیادہ تعریف کرنا انہیں مغرور اور تکبر کا باعث بن سکتا ہے۔ دوسروں کی تعریف کرنے سے وہ کاہل بن سکتے ہیں اور انہیں اچھے کام کرنے سے روک سکتے ہیں۔ یہ ردعمل اکثر بچوں میں دیکھا جاتا ہے .اسلام کی تعلیمات کے مطابق تعریف کرنے سے دوسروں کو دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں زیادہ محنت کرنے کی ترغیب ملے گی اور یہ انہیں تکبر کرنے سے روکے گا۔ اس لیے اس شخص کی تعریف اور تعمیری تنقید کو قبول کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے خواہ وہ کسی اجنبی کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو۔

دوسری قسم کے لوگ اپنی خواہشات کی بنیاد پر تنقید کرتے ہیں۔ یہ تنقید زیادہ تر غیر تعمیری ہے اور صرف کسی کے خراب مزاج اور رویے کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ لوگ اکثر دوسروں کی تعریف کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنی خواہشات کی بنیاد پر کام کرتے ہیں۔ ان دونوں کے منفی اثرات کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا اس شخص کی تنقید اور تعریف کو اکثر صورتوں میں نظر انداز کر دینا چاہیے خواہ وہ کسی عزیز کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ تنقید کے معاملے میں غیر ضروری طور پر اداس اور تعریف کے معاملے میں تکبر کا باعث بنتا ہے۔

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جو شخص دوسروں کی زیادہ تعریف کرتا ہے وہ اکثر ان پر بھی تنقید کرتا ہے۔ جس اصول پر عمل کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ وہ صرف اسلام کی تعلیمات پر مبنی تنقید اور تعریف قبول کریں۔ باقی تمام چیزوں کو نظر انداز کرنا چاہیے اور ذاتی طور پر نہیں لینا چاہیے۔

ایمان پر سمجھوتہ کرنے سے انکار

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق کا باعث بنی۔ اللہ تعالیٰ نے غیر مسلموں کی فوج کو شکست دینے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنو قریظہ کے خلاف ان کے غداری کے اس فعل کی وجہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا جب انہوں نے صلح اور حمایت کا معاہدہ توڑ دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ خندق کے دوران غیر مسلم فوج کے ساتھ اتحاد کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی۔ بنو قریظہ نے ایک صحابی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر سر تسلیم خم کرنے پر آمادگی ظاہر کی جسے وہ مسلمان ہونے سے پہلے ہی اچھی طرح جانتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر سعد رضی اللہ عنہ کو ان کے فیصلے کے لیے بلایا۔ راستے میں مدینہ کے کچھ صحابہ رضی اللہ عنہ نے جو بنو قریظہ کے پرانے حلیف تھے سعد رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ نرمی برتنے کی تاکید کی۔ سعد رضی اللہ عنہ نے سادگی سے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہ ناقدین کی تنقید سے نہیں ڈریں گے۔
اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 164-165 میں بحث کی گئی ہے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔“

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخرکار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو ایک مسلمان

کی دنیا اور آخرت میں تمام مشکلات سے باحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی عارضی چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں ایک مسلمان اور کسی خاص طریقے سے لباس پہن اسکارف اتار دیا عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا لیا تو وہ کام پر زیادہ عزت دار ہو گی اور کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی سے چڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد کسی پب یا کلب میں مدعو کر سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور ذکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں راستوں پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کس کو ترجیح دی جائے اور کس کا انتخاب کیا جائے۔

رضی اللہ عنہ کے ایمان کے کمال پر دلالت کرتا ہے ۔ سعد بن معاذ

سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان خصوصیات کی نصیحت فرمائی جو مسلمان کے ایمان کو کامل کرتی ہیں۔

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنا ہے۔ اس میں دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں دوسروں کے لیے بہتر کی خواہش کرنا شامل ہے۔ اس کو عملی طور پر کسی کے اعمال کے ذریعے ظاہر کیا جانا چاہیے جس کا مطلب ہے، دوسروں کی مالی، جذباتی اور جسمانی طور پر مدد کرنا۔ اپنے احسانات کو دوسروں پر شمار کرنا نہ صرف ثواب کو منسوخ کرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے ان کی محبت کی کمی کو بھی ثابت کرتا ہے، کیونکہ یہ شخص صرف لوگوں سے تعریف اور دیگر معاوضے حاصل کرنا پسند کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 264:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے صدقات کو نصیحت یا ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو۔"

دنیوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کے بارے میں کسی بھی قسم کے منفی جذبات، جیسے حسد، اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں سے محبت کرنے کے منافی ہے، اور اس سے بچنا چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ اس عمدہ خوبی میں دوسروں کے لیے وہ محبت شامل ہے جو صرف الفاظ سے نہیں بلکہ اعمال کے ذریعے اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث کے مطابق یہ مومن ہونے کا ایک پہلو ہے۔

مرکزی حدیث میں زیر بحث اگلی خصوصیت اللہ تعالیٰ کے لیے بغض رکھنا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ انسان کو ان چیزوں کو ناپسند کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں جیسے اس کی نافرمانی۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں سے نفرت کرنی چاہیے کیونکہ لوگ سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے توبہ کر سکتے ہیں۔ اس کے بجائے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ خود اس گناہ کو ناپسند کرے جو ان سے ثابت ہے کہ اس سے بچنا اور دوسروں کو بھی اس سے خبردار کرنا۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ دوسروں سے تعلق توڑنے کے بجائے نصیحت کرتے رہیں کیونکہ یہ احسان مندی انہیں سچے دل سے توبہ کرنے کا باعث بن سکتی ہے۔ اس میں اپنے جذبات کی بنیاد پر چیزوں کو ناپسند کرنا شامل ہے، جیسے کوئی عمل، جو کہ جائز ہے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسندیدگی کا ثبوت یہ ہے کہ جب وہ اپنے قول و فعل سے ناپسندیدگی کا اظہار کریں گے تو یہ ہرگز اس طرح نہیں ہوگا جو اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہو۔ یعنی کسی چیز کے لیے ان کی ناپسندیدگی ان سے کبھی گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گی کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی چیز سے ان کی ناپسندیدگی ان کے اپنے لیے ہے۔

غداری

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق کا باعث بنی۔ اللہ تعالیٰ نے غیر مسلموں کی فوج کو شکست دینے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنو قریظہ کے خلاف ان کے غداری کے اس فعل کی وجہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا جب انہوں نے صلح اور حمایت کا معاہدہ توڑ دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ خندق کے دوران غیر مسلم فوج کے ساتھ اتحاد کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی۔ بنو قریظہ نے ایک صحابی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے سامنے سرتسلیم خم کر دیا جسے وہ مسلمان ہونے سے پہلے ہی اچھی طرح جانتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر سعد رضی اللہ عنہ کو ان کے فیصلے کے لیے بلایا اور آپ نے فیصلہ کیا کہ بنو قریظہ کے سپاہیوں کو قتل کر دیا جائے گا اور ان کے اثاثے ضبط کر لیے جائیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اعلان فرمایا کہ ،میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ دیا ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3 صفحہ 166 میں بحث کی گئی ہے۔

اس بات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اس دن اور دور میں بھی، غداری کے لیے سزائے موت ایک بہت ہی معیاری فیصلہ ہے۔ اس کے علاوہ ان کا جرم کسی ایک فرد کے خلاف نہیں بلکہ لوگوں سے بھرے پورے شہر کے خلاف تھا۔ اگر ان کو جلاوطن کر دیا جاتا تو وہ صرف مدینہ سے دوبارہ جنگ کرتے۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے انتقام لیتا ہے جو اپنے کمزور بندوں پر ظلم کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے دفاع اور انتقام کی طاقت نہیں رکھتے۔

جو مسلمان اس نام الٰہی کو سمجھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر ظلم نہیں کرے گا، خاص کر ان لوگوں پر جو بے دفاع دکھائی دیتے ہیں کیونکہ حقیقت میں ان کا محافظ اور بدلہ لینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ان کی زمین پر زندگی کے دوران اور خاص طور پر قیامت کے دن بدلہ لے کہ وہ ان کے اعمال صالحہ کو اس کے شکار کے گا۔ وہ ظالم کو مجبور کر کے انصاف قائم کرے گا حوالے کرے اور اگر ضروری ہوا تو مظلوم کے گناہ ان کے مظلوم کے سپرد کر دیے جائیں گے۔ یہ جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ظالم کو حدیث سے ہوتی ہے۔

ایک مسلمان کو اپنے اندر کے شیطان سے انتقام لیتے ہوئے اس نام الٰہی پر عمل کرنا چاہیے جو اسے اللہ تعالیٰ کی سخت اطاعت کے تابع کر کے برائی کی طرف ترغیب دیتا ہے، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ .اور ایک مسلمان کو ان تمام چیزوں کا بدلہ لینا چاہیے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روکتی ہیں، ان سے منہ موڑ کر۔

اندھی وفاداری اور تقلید

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق کا باعث بنی۔ اللہ تعالیٰ نے غیر مسلموں کی فوج کو شکست دینے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنو قریظہ کے خلاف ان کے غداری کے اس فعل کی وجہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا جب انہوں نے صلح اور حمایت کا معاہدہ توڑ دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ خندق کے دوران غیر مسلم فوج کے ساتھ اتحاد کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی۔ بنو قریظہ نے ایک صحابی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے سامنے سرتسلیم خم کر دیا جسے وہ مسلمان ہونے سے پہلے ہی اچھی طرح جانتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر سعد رضی اللہ عنہ کو ان کے فیصلے کے لیے بلایا اور آپ نے فیصلہ کیا کہ بنو قریظہ کے سپاہیوں کو قتل کر دیا جائے گا اور ان کے اثاثے ضبط کر لیے جائیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اعلان فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ دیا ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 166 میں بحث کی گئی ہے۔

ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے بنو قریظہ کے ایک غیر مسلم، زبیر بن بطا، جسے پھانسی کی سزا سنائی گئی تھی، واپس کرنا چاہا، جیسا کہ اس نے پہلے ایک موقع پر اپنی جان بچائی تھی۔ ثابت رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی رہائی کی درخواست کی اور مؤخر الذکر نے قبول کر لی۔ جب زبیر کو اطلاع ملی تو اس نے تبصرہ کیا کہ ان کے خاندان کے بغیر زندگی بے معنی ہو گی۔ ثابت رضی اللہ عنہ نے پھر ان کے گھر والوں کو بھی رہا کر دیا۔ زبیر نے تب تبصرہ کیا کہ جائیداد کے بغیر زندگی ان کے لیے اچھی نہیں ہوگی۔ ثابت رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد ان کی تمام جائیداد اور مال ان کے لیے آزاد کر دیا۔ اس کے بعد زبیر بنو قریظہ کے رئیسوں کے بارے میں ایک ایک کر کے پوچھنے لگے اور ہر بار اسے بتایا گیا کہ انہیں قتل کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد اس نے تبصرہ کیا کہ ان کے بغیر زندگی بے معنی ہے اور ان میں شامل ہونے کی خواہش ہے۔ پھر ثابت رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 170-171 میں بحث کی گئی ہے۔

اس شخص نے اندھی وفاداری اور تقلید کے عجیب درجے کا مظاہرہ کیا، جیسا کہ یہ واضح تھا کہ اس کی قوم پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت کرنے اور دوسرے آپ کو جھٹلانے میں غلطی پر تھی۔

اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید ایک بڑی وجہ ہے جس کی وجہ سے لوگ سچائی کو مسترد کرتے ہیں، جیسے یوم حشر۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی عقل کو بروئے کار لاتے ہوئے شہادتوں اور واضح نشانیوں پر مبنی طرز زندگی کا انتخاب کرے اور مویشیوں کی طرح دوسروں کی اندھی تقلید نہ کرے۔ اندھی تقلید اسلام میں بھی ناپسندیدہ ہے۔

سنن ابن ماجہ، نمبر 4049 میں موجود ایک حدیث، اسلام قبول کرنے میں دوسروں کی اندھی تقلید نہ کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ کسی کے اہل خانہ، بغیر اسلامی علم حاصل کیے اور اس پر عمل کیے، تاکہ کوئی شخص اندھی تقلید سے آگے نکل جائے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے، اپنے رب اور ان کی اپنی بندگی کو پہچاننا۔ یہ دراصل بنی نوع انسان کا مقصد ہے۔ باب 51 ذریات آیت 56:

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔''

کوئی ایسے شخص کی عبادت کیسے کر سکتا ہے جسے وہ پہچانتا بھی نہیں؟ اندھی تقلید بچوں کے لیے قابل قبول ہے لیکن بڑوں کو چاہیے کہ وہ علم کے ذریعے اپنی تخلیق کے مقصد کو صحیح معنوں میں سمجھ کر صالح پیشروؤں کے نقش قدم پر چلیں۔ جہالت ہی اس کی وجہ ہے کہ جو مسلمان اپنے فرائض کی ادائیگی کرتے ہیں وہ آج بھی اللہ تعالیٰ سے قطع تعلق محسوس کرتے ہیں۔ یہ پہچان ایک مسلمان کو صرف پانچ وقت کی فرض نمازوں کے دوران نہیں بلکہ پورے دن اللہ کے سچے بندے کے طور پر برتاؤ کرنے میں مدد دیتی ہے۔ صرف اسی کے ذریعے مسلمان اللہ تعالیٰ کی حقیقی بندگی کو

پورا کریں گے۔ اور یہی وہ ہتھیار ہے جو مسلمان کو اپنی زندگی کے دوران پیش آنے والی تمام مشکلات پر قابو پاتا ہے۔ اگر ان کے پاس یہ نہیں ہے تو انہیں اجر حاصل کیے بغیر مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ درحقیقت یہ دونوں جہانوں میں مزید مشکلات کا باعث بنے گا۔ اندھی تقلید کے ذریعے فرائض کی ادائیگی سے فرض تو پورا ہو سکتا ہے لیکن یہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کے قرب تک پہنچنے کے لیے ہر مشکل میں محفوظ طریقے سے رہنمائی نہیں کرے گا۔ درحقیقت، زیادہ تر صورتوں میں اندھی تقلید اس بات کا باعث بنتی ہے کہ آخرکار اپنے واجبات کو چھوڑ دے۔ یہ مسلمان صرف مشکل کے وقت اپنے فرائض ادا کرے گا اور آسانی کے وقت ان سے منہ موڑے گا یا اس کے برعکس۔

لوگوں کو خوش کرنے والا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق کا باعث بنی۔ اللہ تعالیٰ نے غیر مسلموں کی فوج کو شکست دینے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنو قریظہ کے خلاف ان کے غداری کے اس فعل کی وجہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا جب انہوں نے صلح اور حمایت کا معاہدہ توڑ دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ خندق کے دوران غیر مسلم فوج کے ساتھ اتحاد کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی۔ بنو قریظہ نے ایک صحابی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے سامنے سرتسلیم خم کر دیا جسے وہ مسلمان ہونے سے پہلے ہی اچھی طرح جانتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر سعد رضی اللہ عنہ کو ان کے فیصلے کے لیے بلایا اور آپ نے فیصلہ کیا کہ بنو قریظہ کے سپاہیوں کو قتل کر دیا جائے گا اور ان کے اثاثے ضبط کر لیے جائیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اعلان فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ دیا ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3 صفحہ 166 میں بحث کی گئی ہے۔

جب بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کو پھانسی کے لیے پیش کیا گیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ان کے ایک بزرگ یہودی عالم ابن خراش کی طرف سے دیا گیا مشورہ یاد دلایا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل وفات پائی۔ ابن خراش نے کعب بن اسد سمیت اپنی قوم کو حکم دیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں جب آپ نے نبوت کا اعلان کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام بھیجا ۔ کعب نے اس حقیقت کا اعتراف کیا اور اگرچہ وہ اسلام کی حقانیت کا مکمل قائل تھا، جیسا کہ اس نے بنو قریظہ کے محاصرہ کے دوران اپنی قوم سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کریں اور ان کی پیروی کریں، پھر بھی اس نے اسلام، جیسا کہ وہ ڈرتا تھا کہ دوسرے یہودی اسلام قبول کرنے پر اس کا مذاق اڑائیں گے، انکار کیا۔ صرف اپنے آپ کو پھانسی سے بچانے کے لیے۔ اس کے بعد اسے پھانسی دے دی گئی۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1415-1416 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ وہ اسلام کی حقانیت کے قائل تھے لیکن لوگوں کو خوش کرنے کی خواہش اس قدر شدید تھی کہ اس نے اسے رد کر دیا۔ لوگوں کو خوش کرنے کی اس خواہش سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا باعث بن سکتی ہے۔

لوگ اکثر شکایت کرتے ہیں کہ خواہ وہ کتنی ہی کوشش کریں وہ سب کو خوش نہیں کر سکتے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ وہ کسی کی حالت میں ہیں ہمیشہ ان سے ناراض نظر آتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے جس کا سبھی تجربہ کرتے ہیں چاہے وہ ان کی خاندانی زندگی میں ہو، کام کی زندگی میں یا دوستوں کے ساتھ ایک مسلمان کو ہمیشہ چند آسان باتیں یاد رکھنی چاہئیں جو اسے اس مسئلے پر دباؤ ڈالنے سے روکیں گی۔

اول یہ کہ لوگوں کی اکثریت اللہ تعالیٰ سے راضی نہیں ہے، حالانکہ اس نے ان کو بے شمار نعمتیں بغیر مانگے عطا کی ہیں۔ پھر یہ لوگ کسی دوسرے شخص سے کیسے خوش رہ سکتے ہیں جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی خوشنودی کا فقدان ان کی شکایت اور انہیں کچھ نہیں دیا؟ حقیقت میں شکرگزاری کی کمی سے ظاہر ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی اپنے کردار کو بہتر بنا لے وہ کبھی بھی اس اعلیٰ کردار تک نہیں پہنچ سکتا جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے حاصل کیا تھا، پھر بھی بعض لوگوں کو وہ ناپسند تھے۔ لوگ اگر ان کے ساتھ ایسا ہوتا ہے تو ایک عام آدمی اپنی زندگی میں سب کی خوشنودی کیسے حاصل کرسکتا ہے؟

،ایک مسلمان کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جیسا کہ لوگ مختلف ذہنیت کے ساتھ پیدا کیے گئے ہیں وہ ہمیشہ ایسے لوگ پائیں گے جو ان کے رویے اور طرز عمل سے متفق نہیں ہوں گے۔ اس کی وجہ سے ہمیشہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو کسی بھی وقت کسی شخص سے خوش نہیں ہوتے۔ صرف وہی جو سب کو خوش کرنے کے قریب آسکتا ہے وہ دو چہروں والا شخص ہے جو اپنے رویے اور عقائد

کو اس بات پر منحصر کرتا ہے کہ وہ کس کے ساتھ سلوک کر رہے ہیں۔ لیکن آخر کار یہ شخص بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھلے عام رسوا ہو گا۔

اس لیے تمام لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنا محال ہے اور صرف ایک احمق ہی اس چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا جو حاصل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو سب سے بڑھ کر اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنے کی کوشش کرے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان کو دوسروں کا احترام نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت سے متصادم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں تو وہ انہیں لوگوں کے منفی رویوں اور اثرات سے محفوظ رکھے گا چاہے یہ تحفظ ان پر ظاہر نہ ہو۔ لیکن اگر وہ لوگوں کی خوشنودی کو ترجیح دیں گے تو وہ اسے حاصل نہیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں کی ناراضگی اور منفی اثرات سے محفوظ نہیں رکھے گا۔

باغ یا گڑھا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال، آپ نے بنو قریظہ کا محاصرہ کر کے ان کی غداری کے بعد ان کا محاصرہ کر لیا۔ بنو قریظہ کی غداری کی سزا کا فیصلہ کرنے کے بعد سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جنگ خندق کے دوران زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے انتقال کر گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات پر اللہ تعالیٰ کا عرش لرز اٹھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6346 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ آپ کی تدفین کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ آپ کی تدفین کے لیے 70,000 فرشتے آسمان سے اترے، فرشتے آپ کے بیئر کو اٹھائے ہوئے تھے۔ سخت نے اسے لمحہ بہ لمحہ مجبور کر دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس سے نجات دلائی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 175-177 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2460 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قبر یا تو جنت کا باغ ہے یا جہنم کا گڑھا ہے۔ یہ حدیث مزید بتاتی ہے کہ جب ایک کامیاب مومن کو ان کی قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ ان کے لیے کشادہ اور آرام دہ ہو جاتا ہے جب کہ گناہ گار کی قبر ان کے لیے انتہائی تنگ اور نقصان دہ ہو جاتی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ حقیقت میں ہر شخص اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنے ساتھ جنت کا باغ یا جہنم کا گڑھا لے جاتا ہے یعنی اپنے اعمال۔ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، تو یہ یقینی بنائے گا کہ وہ اس کے لیے مطلوبہ اعمال کی تیاری کرے۔ ان کی قبر کو جنت کا باغ بنا دے۔ لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں گے تو ان کے گناہ جہنم کا گڑھا بنائیں گے جس میں وہ قیامت تک آرام کریں گے۔

اس لیے مسلمانوں کو آج ہی عمل کرنا چاہیے اور اس تیاری میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ موت کا وقت معلوم نہیں اور اکثر اچانک آجاتا ہے۔ آنے والے کل تک تاخیر کرنا بے وقوفی ہے اور یہ صرف پچھتاوے کا باعث بنتا ہے۔ جس طرح انسان اس دنیا میں اپنے گھر کو سنوارنے میں بہت زیادہ توانائی اور وقت صرف کرتا ہے اسے اپنی قبر کو سنوارنے میں زیادہ محنت کرنی چاہیے کیونکہ وہاں کا سفر ناگزیر ہے اور وہاں طویل قیام ہے۔ اور اگر کسی کو ان کی قبر میں تکلیف پہنچتی ہے تو اس کے بعد جو کچھ ہوتا ہے وہ بدتر ہوگا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4267 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

غداری کی سزا - 2

غزوہ خندق اور بنی قریظہ کی غداری سے نمٹنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام بن ابو حقیق کو قتل کرنے پر رضامندی ظاہر کی جو سربراہ مملکت کے ساتھ اپنے صلح کے معاہدے کو توڑنے پر بضد رہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ وہ مکہ، مدینہ اور گردونواح کے غیر مسلموں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف بھڑکاتا رہا اور جنگ خندق کے پیچھے لوگوں میں سے ایک تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر میں ٹھہرے ہوئے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی ایک چھوٹی سی جماعت چپکے سے آپ کے گھر میں داخل ہوئی اور آپ کو قتل کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی نے ان کا ارادہ ترک کر دیا، جب وہ چیخنے لگیں اور اس کے نتیجے میں انہوں نے اسے قتل کرنے کے لیے اپنی تلواریں اٹھائیں لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سخت حکم یاد آیا کہ کسی عورت یا بچے کو نقصان نہ پہنچائیں۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں کو روک دیا .اس پر ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 3، صفحہ 186-187 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ انسان کی جسمانی یا سماجی طاقت چاہے کتنی ہی کیوں نہ ہو ایک دن ضرور آئے گا جب اسے اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ ان کی زندگی کے دوران ہوتا ہے جہاں کسی شخص کے اعمال انہیں مصیبت میں لے جاتے ہیں، جیسے کہ جیل اور ۔ یہ تمام لوگوں پر لاگو ہوتا گا آخرکار انہیں آخرت میں بھی اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے ہے نہ صرف لیڈروں پر۔

اس لیے ایک مسلمان کو کبھی بھی دوسروں کے ساتھ برا سلوک نہیں کرنا چاہیے، جیسے کہ ان کے ،سے سبق سیکھنا چاہیے جو ان سے زیادہ طاقت میں تھے ان ظالم لیڈروں رشتہ دار۔ انہیں تاریخ کے ایک دن ضرور آیا جب ان کی طاقت ان کے کام نہ آئی اور انہیں اپنے برے اعمال کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ سماجی اثر و رسوخ اور طاقت ایسی چیزیں ہیں جو تیزی سے ایک شخص سے دوسرے شخص میں منتقل ہوتی ہیں، کبھی کسی کے ساتھ زیادہ دیر تک نہیں رہتیں۔ لہٰذا جس مسلمان کے پاس اتنی طاقت ہو اسے چاہیے کہ وہ اسے ایسے طریقے سے استعمال کرے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو اور

اپنے اور دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ لیکن اگر وہ اپنے اختیارات کا غلط استعمال کرتے ہیں تو وہ جس سے کوئی ان کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے آخرکار ہوں گے۔

کسی کے اختیار کا غلط استعمال نہ کرنا کیونکہ یہ انہیں قیامت کے اس کے علاوہ، یہ ضروری ہے دن جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ ہر ظالم کو ان کے اعمال صالحہ ان کے مظلوموں کو دینا ہوں گے اور اگر ضرورت پڑی تو اپنے مظلوموں کے گناہوں کو لے کر جب تک انصاف نہ ہو جائے۔ اس سے بہت سے ظالموں کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو اپنے اعمال کے لیے خود کو جوابدہ ٹھہرانا کبھی نہیں بھولنا چاہیے۔ ایسا کرنے والے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور دوسروں کو نقصان پہنچانے سے بچیں گے۔ لیکن جو لوگ خود فیصلہ نہیں کرتے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے رہیں گے اور دوسروں کو نقصان پہنچاتے رہیں گے۔ یہ نہ جانتے ہوئے کہ حقیقت میں وہ صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ لیکن جب انہیں اس حقیقت کا ادراک ہو جائے گا تو ان کے لیے سزا سے بچنے میں بہت دیر ہو چکی ہو گی۔

شیطانی محرکات

خیبر میں مقیم ایک ممتاز غیر مسلم، سلام بن ابو حقیق کی پھانسی کے بعد، خیبر کے غیر مسلموں نے اس سے بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے فوج کو متحرک کرنا شروع کر دیا اور یہاں تک کہ غیر مسلم غیر مسلم قبائل کو ان کی مدد کے لیے ترغیب دینے کی کوشش کی۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روانہ کیا تاکہ وہ اپنے پیشوا یوسر بن رزام کو مدینہ لوٹ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کرنے کی ترغیب دیں۔ السلام علیکم یوسر نے اتفاق کیا لیکن اصرار کیا کہ وہ اور اس کے 29 سپاہی 30 صحابہ کے ساتھ مدینہ واپس چلے جائیں، اللہ ان سے راضی ہو۔ واپسی میں یوسیر نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے خیانت کی اور لڑائی ہو گئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ان سب کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے، سوائے ایک غیر مسلم کے جو پیدل بھاگ گیا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1485-1486 میں بحث کی گئی ہے۔

،کسی کو کبھی بھی برے کام کرنے کی سازش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ ہمیشہ، کسی نہ کسی طرح ان پر الٹا فائر ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر یہ نتائج اگلے جہان تک موخر کر دیے جائیں تو آخرکار ان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو نقصان پہنچانا چاہا جیسا کہ وہ اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت، احترام اور پیار چاہتے تھے۔ لیکن یہ واضح ہے کہ ان کی تدبیریں انہیں اپنی خواہش سے دور کر دیتی ہیں۔ باب 12 یوسف، آیت 18:

اور وہ اس کی قمیض پر جھوٹا خون لے آئے۔]یعقوب [نے کہا، "بلکہ تمہاری روحوں نے تمہیں کسی "چیز پر آمادہ کیا ہے، اس لیے صبر سب سے زیادہ مناسب ہے۔

جتنی زیادہ برائی کی تدبیریں کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مقصد سے دور کر دے گا۔ خواہ وہ ظاہری طور پر اپنی خواہش پوری کر لیں، اللہ تعالیٰ جس چیز کی خواہش کی تھی وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے لعنت بن جائے گا الا یہ کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

لیکن شیطانی سازش اپنے لوگوں کے علاوہ کسی کو نہیں گھیرتی۔ پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے..." راستے]یعنی تقدیر [کے سوا انتظار کرتے ہیں؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کی

بے بنیاد رواج کو ترک کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال آپ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ اس نکاح کے سلسلے میں بہت سی آیات نازل ہوئیں، جیسے باب الاحزاب، آیات 37-39 33:

’’اور جب آپ)صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (نے اس شخص سے کہا جس پر اللہ نے فضل کیا اور آپ نے احسان کیا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو اور اللہ سے ڈرو، جب کہ تم نے اپنے اندر وہ بات چھپا رکھی تھی جسے اللہ ظاہر کرنے والا ہے۔ اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ چنانچہ جب زید کو اس کی کوئی ضرورت نہ رہی تو ہم نے اس کا آپ سے نکاح کر دیا تاکہ اہل ایمان کو ان کے دعویدار بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کسی قسم کی تکلیف]یعنی جرم [نہ ہو جب کہ انہیں کوئی ضرورت نہیں رہی۔ ان میں سے .اور اللہ کا حکم کبھی پورا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو چیز آپ پر عائد کی ہے اس میں نبی کو کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔ جو پہلے گزر چکے ہیں ان کے ساتھ اللہ کا یہ طریقہ ہے۔ اور ہمیشہ اللہ کا حکم تقدیر میں ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ اور حساب لینے کے لیے اللہ ہی کافی ہے۔‘‘

یہ آیات اس بات پر بحث کرتی ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لے پالک بیٹے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو طلاق دی تھی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم تھا کہ ایسا ہونے والا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کر دیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا اندیشہ تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اسلام آنے سے پہلے لوگ اس قسم کی شادی کو ناپسند کرتے تھے، حالانکہ کسی کا گود لیا ہوا بیٹا ان کا حیاتیاتی بیٹا نہیں ہے۔ اس نے جو خدشہ محسوس کیا وہ صرف دوسروں کے لیے خلوص کی وجہ سے تھا کیونکہ وہ ان کے دلوں میں اسلام کے بارے میں کوئی شکوک پیدا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ یہی وہ خیال تھا جسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابتدا میں چھپایا تھا۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر لوگوں سے ڈرتا تو پہلے کبھی نبوت کا اعلان نہ کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے معاشرے کے اندر سے اس غلط تصور کو ختم کرنا چاہا اور یہ واقعہ اس لیے پیش نہیں آیا کہ اس کے لیے حالات مزید سخت ہو جائیں۔ زیر بحث آیات میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں معاشرے کی تنقید سے ہرگز خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس سے وہ دنیاوی فائدے کی خاطر اپنے ایمان پر سمجھوتہ کر سکتا ہے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔“

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخرکار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو ایک مسلمان کی دنیا اور آخرت میں تمام مشکلات سے باحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی عارضی چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں ایک مسلمان عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا اسکارف اتار دیا اور کسی خاص طریقے سے لباس پہن لیا تو وہ کام پر زیادہ عزت دار ہو گی اور کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی سے چڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد کسی پب یا کلب میں مدعو کر سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور ذکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں راستوں پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کس کو ترجیح دی جائے اور کس کا انتخاب کیا جائے۔

دوسروں کا دورہ کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال آپ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ شادی کے اعزاز میں دعوت دی گئی اور مہمانوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر بلایا گیا۔ لیکن کچھ مہمانوں نے کھانا ختم کرنے کے بعد ایک دوسرے سے بات چیت جاری رکھی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے جانے کا مطالبہ کرنے کی خواہش نہیں کی تھی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے اور سیر کے لیے چلے گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب آیت نمبر 33 نازل فرمائی:

’’اے ایمان والو، نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو سوائے اس کے کہ جب تمہیں کھانے کی اجازت دی جائے اور اس کی تیاری کا انتظار نہ کرو۔ لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو داخل ہو جاؤ۔ اور جب آپ کھانا کھا لیں تو بات چیت کے لیے ٹھہرے بغیر منتشر ہو جائیں۔ درحقیقت، وہ]رویہ [نبی کو پریشان کر رہا تھا، اور وہ آپ کو]برخاست کرنے [سے شرماتے ہیں۔ لیکن اللہ حق سے نہیں شرماتا..."

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 199-200 میں بحث ہوئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 5163 میں موجود ایک حدیث میں درج ہے۔

ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ثواب کے حصول کے لیے اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کی زیارت کے آداب اور شرائط کو پورا کرے۔ انہیں زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا چاہیے جس سے میزبان اور ان کے رشتہ داروں کو پریشانی ہو۔ اس دن اور عمر میں میزبان اور ان کے اہل خانہ سے پہلے سے رابطہ کرنا آسان ہے تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ وہ مناسب وقت پر ان سے ملیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنے اعمال اور گفتار پر قابو رکھیں تاکہ وہ ہر قسم کے گناہوں جیسے کہ گپ شپ، غیبت اور دوسروں کی غیبت سے بچیں۔ انہیں دنیا اور آخرت کے فائدے والے امور پر بحث کرنی چاہیے۔ جب کوئی اس طرح کا برتاؤ کرے گا تو اسے وہ ثواب ملے گا جو احادیث نبوی میں بیان کیا

گیا ہے۔ اگر وہ اس میں ناکام رہتے ہیں تو انہیں یا تو کوئی اجر نہیں ملے گا یا پھر ان کے برتاؤ کے لحاظ سے گناہوں کے ساتھ چھوڑ دیا جائے گا۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اس نیک عمل کو انجام دینے سے لطف اندوز ہوتے ہیں لیکن اس کی شرائط کو صحیح طریقے سے پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ باب 4 النساء، آیت 114:

"ان کی زیادہ تر نجی گفتگو میں کوئی بھلائی نہیں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو صدقہ کرنے کا حکم دیتے ہیں یا جو حق ہے یا لوگوں کے درمیان صلح کرواتے ہیں۔ اور جس نے یہ کام اللہ کی رضامندی کے لیے کیا تو ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔

ہجرت کے بعد چھٹا سال

رحم اور مہربانی کا مظاہرہ کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال، آپ نے بیرونی خطرے سے نمٹنے کے لیے سپاہیوں کا ایک چھوٹا سا دستہ روانہ کیا۔ انہوں نے دشمن کے سپاہیوں کو منتشر کر دیا اور ایک کٹر کافر ثمامہ بن اثال کو واپس لایا جس پر مسیلمہ جھوٹے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا الزام لگایا تھا۔ ثمامہ کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک کھمبے سے باندھا گیا تھا، جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا تھا۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی رہائی کا حکم دیا۔ ثمامہ چلے گئے اور غسل کیا پھر واپس آکر اسلام قبول کیا۔ اس نے مسجد نبوی اور مدینہ شہر کے اندر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حسن سلوک کا مشاہدہ کیا، جس نے انہیں اسلام قبول کرنے پر زور دیا۔ اس کے بعد وہ زیارت)عمرہ (کرنے مکہ روانہ ہوئے اور مکہ کے غیر مسلموں کو اپنے اسلام قبول کرنے کی اطلاع دی۔ چونکہ وہ اپنے قبیلے کا سردار تھا، اس نے قسم کھائی کہ وہ مکہ کے غیر مسلموں کو یمامہ سے ایک غلہ حاصل کرنے کی اجازت نہیں دیں گے، جو ان علاقوں میں سے ایک تھا جہاں وہ تجارت کے لیے جاتے تھے۔ یہ بائیکاٹ اس وقت تک جاری رہا جب تک مکہ کے غیر مسلموں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کے حق میں شفاعت کی درخواست کی اور آپ کی شفاعت سے حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ نے بائیکاٹ اٹھا لیا۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 326 میں بحث کی گئی ہے۔

قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں مسلمانوں کو دوسروں پر رحم کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر جامع ترمذی نمبر 1924 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت ہے کہ مخلوق پر رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم کرے گا۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، کہ رحم کرنا صرف اپنے اعمال سے نہیں ہے، جیسے غریبوں کو دولت عطیہ کرنا۔ یہ درحقیقت کسی کی زندگی کے ہر پہلو اور دوسروں کے ساتھ تعامل کا احاطہ کرتا ہے، جیسے کہ کسی کے الفاظ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خبردار کرتا ہے جو صدقہ دے کر دوسروں پر رحم کرتے ہیں کہ ان کی گفتگو کے ذریعے رحم نہ کرنا، جیسے کہ دوسروں پر کیے گئے احسانات کو شمار کرنا، ان کے اجر کو منسوخ کر دیتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 264:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے صدقات کو نصیحت یا ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو۔"

حقیقی رحم ہر چیز میں ظاہر ہوتا ہے: کسی کے چہرے کے تاثرات، کسی کی نظر اور اس کی گفتگو کا لہجہ۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل رحمت تھی اور اس لیے مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ رحم کرنا اس قدر ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واضح کر دیا ہے کہ، اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان گنت خوبصورت اور اعلیٰ صفات کے حامل تھے لیکن وہ جس نے ان کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ لوگوں کے دل ان کی طرف اور اسلام کی طرف رحمت تھے۔ باب 3 علی عمران، آیت 159:

"پس اللہ کی رحمت سے،]اے محمد[، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور دل میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔‘‘

یہ واضح طور پر متنبہ کرتا ہے کہ بغیر رحم کے لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھاگ جاتے۔ اگر ان کے بارے میں یہ معاملہ تھا حالانکہ وہ ان گنت خوبصورت صفات کے مالک تھے تو وہ مسلمان جو ایسی اعلیٰ صفات کے حامل نہیں ہیں، وہ سچی رحم دلی کے بغیر دوسروں جیسے کہ ان کے بچوں پر مثبت اثرات کی امید کیسے رکھ سکتے ہیں؟

سیدھے الفاظ میں مسلمانوں کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں جو کہ بلاشبہ سچی اور مکمل رحمت ہے۔

ایمان کا بندھن

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال آپ نے ایک مہم روانہ کی۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اس مہم سے واپس آرہے تھے تو ان کے ایک گروہ نے اپنی پیاس بجھانے کے لیے ایک کنویں کو گھیر لیا۔ کنویں کے اردگرد کا علاقہ بھرا ہوا تھا تو دو صحابہ کرام میں سے ایک مدینہ اور دوسرا مکہ مکرمہ سے معمولی بات پر جھگڑ پڑے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مکہ کے صحابی نے مکہ سے دوسرے صحابہ سے حمایت کی اور مدینہ سے آنے والے صحابی نے مدینہ کے دوسرے صحابہ سے مدد طلب کی، اللہ ان سے راضی ہے۔ جب ان میں سے بعض نے اس پکار پر لبیک کہا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس قسم کے قبائلی رویے کے خلاف تنبیہ کی اور انہوں نے بغیر کسی مسئلے کے جلد ہی معاملہ ختم کردیا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1314-1315 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ لوگوں کو ایمان کے بندھن سے جوڑنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے نہ کہ کسی اور چیز سے، کیونکہ یہی حقیقی اتحاد کی طرف لے جاتا ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ اکثر منقسم ہو جاتے ہیں اور وہ مضبوط تعلق کھو دیتے ہیں جو کبھی ایک دوسرے کے ساتھ تھا۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں لیکن ایک بڑا سبب وہ بنیاد ہے جس پر ان کے والدین اور رشتہ داروں نے ان کا تعلق قائم کیا تھا۔ یہ عام طور پر جانا جاتا ہے کہ جب عمارت کی بنیاد کمزور ہوتی ہے تو عمارت یا تو وقت کے ساتھ خراب ہوجاتی ہے یا گر جاتی ہے۔ اسی طرح جب لوگوں کو آپس میں جوڑنے والے بانڈز کی بنیادیں درست نہیں ہوتیں تو ان کے درمیان بندھن بالآخر کمزور یا ٹوٹ جاتا ہے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے درمیان رشتہ جوڑ دیا۔ جبکہ آج زیادہ تر مسلمان قبائلیت، بھائی چارے اور دوسرے خاندانوں کو دکھانے کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرتے ہیں۔ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی اکثریت آپس میں باہم تعلق نہیں رکھتی تھی لیکن چونکہ ان کو جوڑنے والے بندھنوں کی بنیاد صحیح تھی یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے رشتے مضبوط سے مضبوط ہوتے گئے۔ جبکہ آج کل بہت سے مسلمان خون کے رشتے

میں ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ الگ ہو گئے ہیں کیونکہ ان کے رشتوں کی بنیاد باطل یعنی قبائلیت اور اسی طرح کی چیزوں پر تھی۔

مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر رشتہ داریوں اور غیر رشتہ داروں کے حقوق کی پاسداری کے اہم فریضے کو ادا کرنے کے لیے اپنے بندھنوں کو قائم رکھنے اور اجر کمانے کی خواہش رکھتے ہیں تو انھیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے رشتہ جوڑنا چاہیے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ لوگ صرف ایک دوسرے سے جڑیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اس طریقے سے کام کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو۔ قرآن پاک میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

تفرقہ پیدا کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال آپ نے ایک مہم روانہ کی۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اس مہم سے واپس آرہے تھے تو ان کے ایک گروہ نے اپنی پیاس بجھانے کے لیے ایک کنویں کو گھیر لیا۔ کنویں کے اردگرد کا علاقہ بھرا ہوا تھا تو دو صحابہ کرام میں سے ایک مدینہ اور دوسرا مکہ مکرمہ سے معمولی بات پر جھگڑ پڑے۔ منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے اس موقع کو مزید خلل ڈالنے کا دعویٰ کر کے یہ دعویٰ کیا کہ مکہ کے مہاجرین صرف ان کے لیے مسائل پیدا کر رہے ہیں۔ اس نے مکہ کے مہاجرین کو مدینہ منورہ جانے کی اجازت دینے پر دوسرے منافقین پر تنقید شروع کر دی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 213 میں بحث کی گئی ہے۔

منافقت کی نشانی یہ ہے کہ انسان معاشرے میں فساد پھیلاتا ہے۔ یہ منفی خصوصیت خاندانی اکائی سے شروع ہوکر بین الاقوامی سطح پر ختم ہونے والی تمام سماجی سطحوں کو متاثر کرتی ہے۔ اس قسم کے لوگ لوگوں کو اچھائی پر متحد ہوتے دیکھنا ناپسند کرتے ہیں کیونکہ اس سے دوسروں کی دنیاوی حیثیت ان کے اپنے سے بڑھ جاتی ہے۔ یہ انہیں غیبت اور غیبت کی طرف لے جاتا ہے تاکہ لوگ ایک دوسرے کے خلاف ہو جائیں۔ ان کا برا رویہ ان کے اپنے رشتے داروں کو تباہ کر دیتا ہے اور جب وہ دوسرے خاندانوں کو دیکھتے ہیں جو خوش ہوتے ہیں تو یہ انہیں ان کی خوشیوں کو بھی تباہ کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ فالٹ فائنڈر ہیں جو اپنا وقت دوسروں کی غلطیوں کی نقاب کشائی کرنے کے لیے وقف کرتے ہیں تاکہ ان کی سماجی حیثیت کو نیچے لے جا سکیں۔ وہ پہلے لوگ ہیں جنہوں نے دوسروں کے بارے میں گپ شپ شروع کی اور جب بھی اچھی بات کی جائے تو بہرے کام کرتے ہیں۔ امن اور سکون انہیں پریشان کرتا ہے لہذا وہ اپنے آپ کو تفریح کرنے کے لئے مسائل پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ سنن ابن ماجہ نمبر 2546 میں موجود حدیث کو یاد کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ یہ نصیحت کرتی ہے کہ جو شخص دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا۔ لیکن جو شخص دوسروں کے عیب تلاش کرتا ہے اور ان کی پردہ پوشی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو لوگوں پر ظاہر کر دیتا ہے۔ تو درحقیقت، اس قسم کے افراد معاشرے کے سامنے صرف اپنے عیبوں کی پردہ پوشی کر رہے ہوتے ہیں حالانکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ دوسروں کے عیبوں کو بے نقاب کر رہے ہیں۔

آگ کی دو زبانیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال آپ نے ایک مہم روانہ کی۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اس مہم سے واپس آرہے تھے تو ان کے ایک گروہ نے اپنی پیاس بجھانے کے لیے ایک کنویں کو گھیر لیا۔ کنویں کے اردگرد کا علاقہ بھرا ہوا تھا تو دو صحابہ کرام میں سے ایک مدینہ اور دوسرا مکہ مکرمہ سے معمولی بات پر جھگڑ پڑے۔ منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے اس موقع کو مزید خلل ڈالنے کا دعویٰ کر کے یہ دعویٰ کیا کہ مکہ کے مہاجرین صرف ان کے لیے مسائل پیدا کر رہے ہیں۔ اس نے مکہ کے مہاجرین کو مدینہ منورہ جانے کی اجازت دینے پر دوسرے منافقین پر تنقید شروع کر دی۔ ایک بچے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اس کی برائی کی باتیں سن کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع دی۔ عبداللہ بن ابی کو بلایا گیا لیکن انہوں نے بڑی قسمیں کھائیں کہ میں نے یہ الفاظ کبھی نہیں کہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید کوئی اقدام نہیں کیا۔ اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ المنافقون آیت نمبر 63 نازل فرمائی۔

یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ" کرو جب تک کہ وہ منقطع نہ ہو جائیں۔ "اور آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے ہیں لیکن منافق نہیں سمجھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ واپس آئے تو جتنا زیادہ عزت دار]اقتدار کے لیے [زیادہ عاجز کو وہاں سے نکال دے گا۔ اور عزت اللہ ہی کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے اور مومنوں ‘‘کے لیے لیکن منافق نہیں جانتے۔

ان آیات کے نازل ہونے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا کان پکڑ کر تسلی دی اور فرمایا کہ یہ وہی ہے جس نے اپنا کان اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کر دیا تھا۔ .اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 213-215 میں بحث کی گئی ہے۔

دو طرفہ ہونا منافقت کی نشانی ہے۔ یہ وہ ہے جو لوگوں کے مختلف گروہوں کو خوش کرنے کے لیے اپنے طرز عمل میں تبدیلی لاتا ہے اور اس سے کچھ دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ بہت سی مختلف زبانوں سے بولتے ہیں جو مختلف لوگوں کو اپنی حمایت ظاہر کرتے ہوئے ان کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کے ساتھ مخلص نہیں ہیں جس کا حکم سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اگر وہ توبہ نہ کریں تو آخرت میں اپنے آپ کو آگ کی دو زبانوں سے پائیں گے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4873 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 14:

جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے برے ساتھیوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو محض مذاق کر رہے تھے۔"

حسد اور نفرت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال آپ نے ایک مہم روانہ کی۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اس مہم سے واپس آرہے تھے تو ان کے ایک گروہ نے اپنی پیاس بجھانے کے لیے ایک کنویں کو گھیر لیا۔ کنویں کے اردگرد کا علاقہ بھرا ہوا تھا تو دو صحابہ کرام میں سے ایک مدینہ اور دوسرا مکہ مکرمہ سے معمولی بات پر جھگڑ پڑے۔ منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے اس موقع کو مزید خلل ڈالنے کا دعویٰ کر کے یہ دعویٰ کیا کہ مکہ کے مہاجرین صرف ان کے لیے مسائل پیدا کر رہے ہیں۔ اس نے مکہ کے مہاجرین کو مدینہ منورہ جانے کی اجازت دینے پر دوسرے منافقین پر تنقید شروع کر دی۔ ایک بچے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اس کی برائی کی باتیں سن کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع دی۔ عبداللہ بن ابی کو بلایا گیا لیکن انہوں نے بڑی قسمیں کھائیں کہ میں نے یہ الفاظ کبھی نہیں کہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید کوئی کارروائی کئے بغیر انہیں برطرف کر دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد میں اس واقعہ کا ذکر ایک ایسے شخص سے کیا جو عبداللہ بن ابی کو اچھی طرح جانتا تھا۔ اس شخص، اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ عبداللہ بن ابی کے لیے آسان ہو جائیں کیونکہ مدینہ کے لوگ عبداللہ بن ابی کو اپنا بادشاہ بنانے کی تیاری کر رہے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں ہجرت فرمائی۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی ہمیشہ یہ مانتے تھے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ان کی سلطنت چھین لی ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 214 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4210 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

حسد کرنا ایک سنگین اور کبیرہ گناہ ہے کیونکہ حسد کرنے والے کا مسئلہ کسی دوسرے انسان سے نہیں درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ہے جس نے حسد کرنے والی نعمت عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا انسان کی حسد صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار اور انتخاب سے ناراضگی کو ظاہر کرتی ہے۔ وہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ

تعالیٰ نے غلطی کی ہے جب اس نے ان کے بجائے کسی دوسرے شخص کو ایک خاص نعمت مختص کی تھی۔

بعض اپنے قول و فعل سے کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے سے نعمت چھین لیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ بدتر قسم وہ ہے جب حسد کرنے والا مالک سے نعمت کو دور کرنے کی کوشش کرے خواہ حسد کرنے والے کو نعمت نہ ملے۔ حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہ کرے، اپنے جذبات کو ناپسند کرے اور اسی طرح کی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرے بغیر اس کے کہ مالک اس نعمت سے محروم ہو۔ اگرچہ یہ قسم گناہ نہیں ہے اگر حسد کسی دنیوی نعمت پر ہو تو اسے ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے اور اگر دینی نعمت پر ہو تو قابل تعریف ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 کی ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلا شخص جس پر حلال رشک کیا جا سکتا ہے وہ ہے جو حلال مال حاصل کرے اور خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے طریقوں سے۔ دوسرا وہ شخص جس سے حسد کیا جا سکتا ہے وہ ہے جو اپنے علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرے اور دوسروں کو سکھائے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو چاہیے کہ وہ حسد کرنے والے کے ساتھ حسن سلوک اور حسن سلوک سے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کرے جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہاں تک کہ اس کی حسد ان کے لیے محبت بن جائے۔

ایمان کو بہترین بنانا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال آپ نے ایک مہم روانہ کی۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اس مہم سے واپس آرہے تھے تو ان کے ایک گروہ نے اپنی پیاس بجھانے کے لیے ایک کنویں کو گھیر لیا۔ کنویں کے اردگرد کا علاقہ بھرا ہوا تھا تو دو صحابہ کرام میں سے ایک مدینہ اور دوسرا مکہ مکرمہ سے معمولی بات پر جھگڑ پڑے۔ منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے اس موقع کو مزید خلل ڈالنے کا دعویٰ کر کے یہ دعویٰ کیا کہ مکہ کے مہاجرین صرف ان کے لیے مسائل پیدا کر رہے ہیں۔ اس نے مکہ کے مہاجرین کو مدینہ منورہ جانے کی اجازت دینے پر دوسرے منافقین پر تنقید شروع کر دی۔ ایک بچے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اس کی برائی کی باتیں سن کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع دی۔ عبداللہ بن ابی کو بلایا گیا لیکن انہوں نے بڑی قسمیں کھائیں کہ میں نے یہ الفاظ کبھی نہیں کہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید کوئی کارروائی کئے بغیر انہیں برطرف کر دیا۔ جو واقعات پیش آئے وہ تیزی سے فوج میں پھیل گئے اور وہ اس کے بارے میں بات کرنے لگے۔ نتیجتاً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوج کو معمول کے مطابق آگے بڑھنے کا حکم دیا اور انہیں رات بھر اور اگلے دن کی صبح تک مارچ کرنے کا حکم دیا۔ آخر کار جب انہوں نے کیمپ لگایا تو سپاہی اتنے تھک گئے کہ سب سو گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب حیاتِ نبوی، جلد 3، صفحہ 214 اور امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 1315-1316 میں بحث کی گئی ہے۔

سپاہیوں کو ساری رات مارچ کروا کر، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مزید بحث کرنے سے روک دیا کہ کیا ہوا تھا، کیونکہ اس سے کچھ بھی اچھا نہ ہوتا۔ اس سے نقصان دہ اور بیکار چیزوں سے بچنے کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک اپنے اسلام کو بہترین نہیں بنا سکتا جب تک کہ وہ ان چیزوں سے اجتناب نہ کرے جن سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

اس حدیث میں ایک ہمہ گیر نصیحت ہے جس کا اطلاق زندگی کے ہر پہلو پر ہونا چاہیے۔ اس میں ایک شخص کی تقریر کے ساتھ ساتھ ان کے دیگر جسمانی اعمال بھی شامل ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مسلمان اپنے ایمان کو کامل کرنا چاہتا ہے اسے ایسی باتوں سے اجتناب کرنا چاہیے، قول و فعل کے ذریعے، جن سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اس کے بجائے وہ خود کو ان کاموں میں مشغول رکھیں جو کرتے ہیں۔ انسان کو ان باتوں کو بہت سنجیدگی سے لینا چاہیے جو ان کے ساتھ ہیں اور ان ذمہ داریوں کو نبھانے کی کوشش کریں جو اسلام کی تعلیمات کے مطابق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہیں۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی سوچ یا خواہشات کے مطابق چیزوں سے گریز کرے تو وہ اپنا ایمان مکمل نہیں کر سکے گا۔ لیکن جو اپنا ایمان کامل کرتا ہے وہ ان چیزوں سے اجتناب کرتا ہے جن سے بچنے کی اسلام نے نصیحت کی ہے۔ یعنی اپنے تمام فرائض کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، تمام گناہوں اور اسلام میں ناپسندیدہ چیزوں سے بچنا چاہیے اور غیر ضروری حلال چیزوں کے زیادہ استعمال سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ اس فضیلت کو حاصل کرنا ایمان کی فضیلت کی ایک خصوصیت ہے جس کا ذکر صحیح مسلم نمبر 99 کی حدیث میں ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرتا ہے کہ گویا وہ اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے یا وہ کم از کم اللہ سے پوری طرح واقف ہو جاتا ہے۔ ان کے ہر خیال اور عمل کا مشاہدہ کرنے والا۔ اس الٰہی نگرانی سے آگاہ ہونا ایک مسلمان کو ہمیشہ گناہوں سے پرہیز کرنے اور اعمال صالحہ کی طرف جلدی کرنے کی ترغیب دے گا۔ جو ان چیزوں سے پرہیز نہیں کرتا جن سے کوئی سروکار نہیں وہ اس درجہ فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا۔

ان چیزوں سے اجتناب کرنے کا ایک بڑا پہلو جن سے انسان کو کوئی سروکار نہیں ہوتا اس کا تعلق تقریر سے ہے۔ گناہوں کی کثرت اس وقت ہوتی ہے جب انسان ایسے الفاظ کہے جن سے کوئی تعلق نہ ہو، جیسے غیبت اور غیبت۔ فضول گفتگو کی تعریف یہ ہے کہ جب کوئی شخص ایسے الفاظ کہے جو گناہ کے تو نہ ہوں لیکن بیکار ہوں اور اس لیے ان کی فکر نہ ہو۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 2408 میں موجود حدیث سے ثابت ہے کہ لغو بات اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ لاتعداد دلائل، لڑائیاں اور یہاں تک کہ جسمانی نقصان بھی صرف اس لیے ہوا ہے کہ کسی نے ایسی بات کی جس سے انہیں کوئی سروکار نہ ہو۔ کئی خاندان تقسیم ہو چکے ہیں۔ بہت سی شادیاں ختم ہو چکی ہیں کیونکہ کسی کو ان کے کاروبار پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مفید کلام کی مختلف اقسام کی نصیحت فرمائی ہے جس سے لوگوں کو فکر مند ہونا چاہیے۔ باب 4 النساء، آیت 114:

ان کی زیادہ تر نجی گفتگو میں کوئی بھلائی نہیں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو صدقہ کرنے کا حکم" دیتے ہیں یا جو حق ہے یا لوگوں کے درمیان صلح کرواتے ہیں۔ اور جس نے یہ کام اللہ کی رضامندی کے لیے کیا تو ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔

درحقیقت ایسے الفاظ کا بولنا جو انسان کے لیے فکرمند نہ ہوں، لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی بنیادی وجہ ہو گی۔ جامع ترمذی نمبر 2616 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2412 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی کہ تمام تقریریں شمار ہوں گی۔ کسی شخص کے خلاف جب تک کہ اس کا تعلق نیکی کی نصیحت، برائی سے منع کرنے یا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تقریر کی دیگر تمام شکلیں کسی شخص کی فکر نہیں ہیں کیونکہ ان سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اچھی نصیحت کرنا ہر اس چیز کو شامل کرتا ہے جو کسی کی دنیاوی اور مذہبی زندگی میں فائدہ مند ہو، جیسے کہ وہ پیشہ۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے قول و فعل کے ذریعے ان باتوں سے بچنے کی کوشش کریں جن سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے تاکہ وہ اپنے ایمان کو مکمل کر سکیں۔ سیدھے الفاظ میں، جو شخص ان چیزوں کے لیے وقت لگاتا ہے جن سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، وہ ان چیزوں میں ناکام ہو جاتا ہے جو ان سے متعلق ہیں۔ اور جو اپنے آپ کو ان چیزوں میں مشغول رکھتا ہے جو ان سے متعلق ہیں وہ ان چیزوں پر خرچ کرنے کے لئے وقت نہیں پائے گا جو ان سے متعلق نہیں ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کریں گے۔

اچھا علاج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اختلاف اور مسائل پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر۔ ایک مرتبہ ان کا بیٹا عبداللہ بن عبداللہ بن ابی جو کہ ایک وفادار صحابی تھا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اپنے منافق باپ کو اس کی غداری کے برے کام پر قتل کرنے کی پیشکش کی۔ مدینہ شہر اور اس کے قائد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ میں اس کے بجائے اپنے والد، منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کے ساتھ حسن سلوک کروں گا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 215 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2701 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

یہ ایک اہم خصوصیت ہے جسے تمام مسلمانوں کو اپنانا چاہیے۔ اسے اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں استعمال کیا جانا چاہیے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ نرم مزاجی سے خود مسلمان کو کسی اور سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتیں اور اجر و ثواب حاصل کریں گے اور گناہوں کی مقدار کو کم کریں گے، کیونکہ ایک شریف آدمی اپنے قول و فعل سے گناہوں کا امکان کم رکھتا ہے، بلکہ اس سے انہیں دنیاوی معاملات میں بھی فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، جو شخص اپنے شریک حیات کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے وہ بدلے میں زیادہ پیار اور عزت حاصل کرے گا اگر وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ جب بچوں کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کیا جاتا ہے تو بچے اپنے والدین کی فرمانبرداری اور احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ کام پر موجود ساتھی اس کی مدد کرنے کا زیادہ امکان رکھتے ہیں جو ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے۔ مثالیں لامتناہی ہیں۔ ،صرف انتہائی شاذ و نادر ہی صورتوں میں سخت رویہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ تر معاملات میں نرم رویہ سخت رویہ سے کہیں زیادہ موثر ہوگا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی نرمی کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے کیونکہ یہ ایک اہم جز ہے جو دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کے لیے ضروری ہے۔ باب 3 آل عمران، آیت 159:

"پس اللہ کی رحمت سے،]اے محمد[، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور دل میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔‘‘

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کبھی بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ شخص جس کے ساتھ وہ بات چیت کرتے ہیں وہ فرعون سے بدتر ہو گا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم دیا تھا۔ فرعون کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ باب 20 طٰہٰ، آیت 44:

اور اس سے نرمی سے بات کرو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ سے ڈرے‘‘۔’’

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام معاملات میں نرمی اختیار کرے کیونکہ اس سے بہت زیادہ اجر ملتا ہے اور دوسروں جیسے کہ اپنے خاندان پر مثبت اثر پڑتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اختلاف اور مسائل پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر۔ ایک مرتبہ ان کا بیٹا عبداللہ بن عبداللہ بن ابی جو کہ ایک وفادار صحابی تھا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اپنے منافق باپ کو اس کی غداری کے برے کام پر قتل کرنے کی پیشکش کی۔ مدینہ شہر اور اس کے قائد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ میں اس کے بجائے اپنے والد، منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کے ساتھ حسن سلوک کروں گا۔ اگرچہ عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے منافق باپ کو قتل نہیں کیا، لیکن اس نے سب کو دکھا کر یہ ریکارڈ قائم کر دیا کہ محترم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے منافق والد ہیں۔ بے عزتی تھی .ایک موقع پر مدینہ میں داخل ہوتے وقت عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کو مدینہ میں داخل ہونے سے روک دیا یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں داخل ہونے کی زبانی اجازت دے دی۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب حیاتِ نبوی، جلد 3، صفحہ 215 اور امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 1318-1319 میں بحث کی گئی ہے۔

عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے واضح طور پر ظاہر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تمام مخلوقات کی اطاعت پر مقدم ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ

وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

اپنے آپ کو فائدہ پہنچائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اختلاف اور مسائل پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر۔ ایک مرتبہ ان کا بیٹا عبداللہ بن عبداللہ بن ابی جو کہ ایک وفادار صحابی تھا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اپنے منافق باپ کو اس کی غداری کے برے کام پر قتل کرنے کی پیشکش کی۔ مدینہ شہر اور اس کے قائد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ میں اس کے بجائے اپنے والد، منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کے ساتھ حسن سلوک کروں گا۔ مدینہ کے لوگوں نے یہ سننے کے بعد عبداللہ بن ابی جب بھی برا سلوک کیا تو وہ اکثر ان پر تنقید کرتے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو فرمایا جنہوں نے عبداللہ بن ابی کو غداری کے جرم میں پھانسی دینے کا مشورہ دیا تھا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھانسی کا حکم دیں۔ اس سے پہلے تو کچھ لوگ اس کے حق میں کھڑے ہو جاتے تھے جبکہ اب اگر وہ اسے پھانسی کا حکم دیتے تو لوگ اس پر عمل کرنے میں دریغ نہیں کرتے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 215 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جب وہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں تو حقیقت میں اس کا فائدہ خود کو ہوتا ہے نہ کہ دوسروں کو۔ اس لیے کہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور اس اہم فرض کو پورا کرنے سے ایک اجر ملتا ہے۔

اس کے علاوہ، جب کوئی دوسروں کے ساتھ مہربان ہوتا ہے تو وہ زندہ رہتے ہوئے ان کے لیے دعا کرتا ہے جس سے انہیں فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6929 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ کسی شخص کے لیے پوشیدہ طور پر کی گئی دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ لوگ ان کے انتقال کے بعد ان کے لیے دعائیں کریں گے جس کا جواب ضرور ملتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں درج ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 10:

یہ کہتے ہوئے کہ اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ایمان میں ہم سے پہلے تھے...

آخر کار جو شخص دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے وہ قیامت کے دن اپنی شفاعت حاصل کرے گا، جس دن لوگ دوسروں کی شفاعت کے لیے بے چین ہوں گے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 7439 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے باوجود دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں وہ ان فوائد سے محروم رہیں گے جن کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔ اور قیامت کے دن وہ پائیں گے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ نہ کرنے کا انتخاب کریں تو ظالم کی نیکیاں ان کے شکار کو دی جائیں گی اور اگر ضرورت پڑی تو مظلوم کے گناہ ان کے مظلوم کو دے دیے جائیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے اپنے آپ پر رحم کرے کیونکہ حقیقت میں وہ دنیا اور آخرت میں اپنے آپ کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 6:

‘‘...اور جو کوشش کرتا ہے وہ صرف اپنے لیے ہی کوشش کرتا ہے’’

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے شادی کی

نیکی پھیلانا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے خلاف ایک مہم پر نکلے۔ بنو المصطلق۔ اس مہم کے نتیجے میں بہت سے مال غنیمت اور جنگی قیدی پکڑے گئے۔ یہ جنگی قیدی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم کر دیے گئے۔ جویریہ بنت حارث بن ابو درار، بنو المصطلق کے سردار کی بیٹی تھیں اور انہیں بھی پکڑ کر ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا گیا۔ وہ اس سے اپنی آزادی خریدنے پر راضی ہوگئیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد طلب کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے کردار کی تعریف کی اور اس کی آزادی خریدنے اور اس سے شادی کرنے کی پیشکش کی۔ جب وہ راضی ہو گئیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سنا تو وہ ان جنگی قیدیوں کو پکڑتے ہوئے شرمائے جو اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق تھے اور اس کے نتیجے میں انہوں نے سب کو آزاد کر دیا۔ ان میں سے .جب اس کے والد، بنو المصطلق کے سردار، کو پتہ چلا کہ کیا ہوا ہے، وہ مدینہ میں داخل ہوا اور اس کے تمام قبیلے کی طرح اسلام قبول کیا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1310-1311 میں بحث کی گئی ہے۔

اس واقعہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دانشمندانہ دور اندیشی کی تعریف کی جا سکتی ہے۔ وہ جانتا تھا کہ قبائلی رہنما کی بیٹی سے شادی اس کے قبیلے کے دلوں کو نرم کرے گی اور انہیں اسلام کی طرف مائل کرے گی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے جنگی قیدیوں کو آزاد کرنے کے انتخاب نے اس حکمت عملی کو تقویت بخشی اور اس کے نتیجے میں پورا قبیلہ آزاد ہو گیا اور اسلام قبول کر لیا۔ اس طرح نیکی اور امن کو پھیلانا ایک سچے مسلمان کی نشانی ہے۔

سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچے مسلمان اور سچے مومن کی نشانیاں بتائی ہیں۔ ایک سچا مسلمان وہ ہے جو دوسروں کی زبانی اور جسمانی اذیت کو دور رکھے۔ اس میں درحقیقت تمام لوگ شامل ہیں خواہ ان کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس میں ہر قسم کے زبانی اور جسمانی گناہ شامل ہیں جو کسی دوسرے کو نقصان یا تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔ اس میں دوسروں کو بہترین نصیحت نہ کرنا بھی شامل ہے کیونکہ یہ دوسروں کے ساتھ اخلاص کے خلاف ہے جس کا حکم سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اس میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تلقین کرنا اور گناہوں کی طرف دعوت دینا بھی شامل ہے۔ .ایک مسلمان کو اس رویے سے بچنا چاہیے کیونکہ ہر اس شخص سے حساب لیا جائے گا جو ان کی بری نصیحت پر عمل کرے گا۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

جسمانی نقصان میں دوسرے لوگوں کی روزی روٹی کے لیے مسائل پیدا کرنا، دھوکہ دہی کا ارتکاب کرنا، دوسروں کو دھوکہ دینا اور جسمانی زیادتی شامل ہے۔ یہ تمام خصوصیات اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں اور ان سے بچنا چاہیے۔

زیر بحث اصل حدیث کے مطابق سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کے نقصان کو دور رکھے۔ ایک بار پھر، یہ تمام لوگوں پر لاگو ہوتا ہے قطع نظر ان کے عقیدے کے۔ اس میں چوری کرنا، غلط استعمال کرنا یا دوسروں کی املاک اور سامان کو نقصان پہنچانا شامل ہے۔ جب بھی کسی کو کسی دوسرے کی جائیداد سونپ دی جائے تو اسے یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اسے صرف مالک کی اجازت سے اور اس طریقے سے استعمال کریں جو مالک کو خوش اور راضی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 5421 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص جھوٹی قسم کے ذریعے کسی دوسرے کا مال ناجائز طور پر لے، چاہے وہ ایک ٹہنی کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ درخت جہنم میں جائے گا۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے زبانی اعلان کو عمل سے سپورٹ کرے کیونکہ یہ کسی کے عقیدے کا جسمانی ثبوت ہیں جو قیامت کے دن کامیابی حاصل کرنے کے لیے درکار ہوں گے۔ اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے بارے میں سچے عقیدے کی خصوصیات کو پورا کرنا چاہیے۔ لوگوں کے ساتھ اس کو حاصل کرنے کا ایک

بہترین طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں، جو کہ احترام اور امن کے ساتھ ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی غیبت - زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ایک صریح بہتان

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے خلاف ایک مہم پر نکلے۔ بنو المصطلق۔ ان کی بیوی عائشہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ سفر کے دوران عورتیں ایک چھوٹے سے ڈبے کے اندر بیٹھ جاتیں جسے اونٹ پر رکھ کر باندھ دیا جاتا۔ جب فوج نے کیمپ لگایا تو عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آپ کو راحت پہنچانے کے لیے چلی گئیں اور کیمپ میں واپس آگئیں۔ واپسی پر اس نے دیکھا کہ اس کا ہار غائب ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے قدم پیچھے ہٹائے جب تک اسے اسے نہ مل گیا۔ جب وہ ایک بار پھر کیمپ میں واپس آئی تو اس نے دیکھا کہ وہ اس کے بغیر چلے گئے تھے۔ یہ اس وقت ہوا جب اس کی ٹوکری کو اونٹ پر رکھنے اور باندھنے کے ذمہ داروں نے یہ سمجھا کہ وہ پہلے ہی اندر ہے۔ وہ خالی پڑی جگہ پر رہی یہاں تک کہ ایک صحابی صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا۔ اسے فوج سے پیچھے رہنے اور سفر کرنے والی فوج سے نادانستہ طور پر گرا ہوا سامان اٹھانے کا کام سونپا گیا تھا۔ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا جیسا کہ اس نے اسلام میں عورتوں کا پردہ فرض ہونے سے پہلے انہیں دیکھا تھا۔ اس نے احترام کے ساتھ اسے اپنا اونٹ سواری کے لیے پیش کیا جب وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ جب وہ لشکر کے پاس پہنچے تو لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیمپ میں داخل ہوتے دیکھا۔ منافقین نے اس موقع کو غنیمت جان کر ان کے بارے میں بہتان تراشی کی اور لوگ بہت پریشان ہوئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 217-218 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6593 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیبت اور غیبت کا مفہوم بیان فرمایا۔

غیبت اس وقت ہوتی ہے جب کوئی کسی کی پیٹھ پیچھے اس طرح تنقید کرے جو اسے ناگوار گزرے حالانکہ یہ سچ ہے۔ جبکہ غیبت غیبت کے مترادف ہے سوائے اس کے کہ قول صحیح نہیں ہے۔ ان گناہوں میں بنیادی طور پر تقریر شامل ہوتی ہے لیکن اس میں دوسری چیزیں شامل ہو سکتی ہیں، جیسے ہاتھ کے اشارے کا استعمال۔ یہ کبیرہ گناہ ہیں اور غیبت کو قرآن مجید میں مردہ لاش کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

"...اور ایک دوسرے کی جاسوسی یا غیبت نہ کریں۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ اپنے بھائی کے مرنے پر اس کا گوشت کھائے؟ تم اس سے نفرت کرو گے..."

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ یہ گناہ ان اکثر گناہوں سے بھی بدتر ہیں جو انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوتے ہیں۔ یہ اس لیے ہے کہ انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو گناہ ہیں وہ اس کی طرف سے معاف ہو جائیں گے اگر گناہ گار سچے دل سے توبہ کر لے۔ لیکن اللہ تعالیٰ غیبت کرنے والے یا بہتان لگانے والے کو اس وقت تک معاف نہیں کرتا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے ہیں تو قیامت کے دن غیبت کرنے والے /بہتان لگانے والے کی نیکیاں ان کے شکار / کو بطور معاوضہ دی جائیں گی اور اگر ضرورت ہو تو مقتول کے گناہ ان کے غیبت کرنے والے بہتان لگانے والے کو دیئے جائیں گے جب تک کہ انصاف قائم نہ ہوجائے۔ یہ غیبت کرنے والے /بہتان لگانے والے کو جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

غیبت صرف اس صورت میں جائز ہے جب کوئی کسی دوسرے شخص کو نقصان پہنچانے کی وارننگ دے رہا ہو اور اس کی حفاظت کر رہا ہو یا اگر کوئی شخص کسی تیسرے فریق کے ساتھ دوسرے کے خلاف شکایت حل کر رہا ہو، جیسے کہ قانونی مقدمہ۔

سب سے پہلے ان کبیرہ گناہوں کے برے نتائج کا علم حاصل کر کے غیبت اور غیبت سے بچنا چاہیے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک شخص کو صرف وہ الفاظ ادا کرنے چاہئیں جو وہ خوشی سے اس شخص کے سامنے کہے جو یہ جانتے ہوئے کہ وہ اسے جارحانہ انداز میں نہیں لیں گے۔ تیسرا یہ کہ ایک مسلمان کو دوسرے کے بارے میں صرف اس صورت میں الفاظ ادا کرنے چاہئیں جب وہ کسی دوسرے کے بارے میں یہ یا اس سے ملتے جلتے الفاظ کہنے میں کوئی اعتراض نہ کرے۔ مطلب، انہیں دوسروں کے بارے میں بات کرنی چاہئے کہ وہ کس طرح چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے بارے میں بات کریں۔ آخر میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے عیوب کو ٹھیک کرنے پر توجہ دے اور جب خلوص نیت سے کرے تو یہ اسے دوسروں کی غیبت اور غیبت کرنے سے روکے گا۔

مثبت سوچنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے خلاف ایک مہم پر نکلے۔ بنو المصطلق۔ ان کی بیوی عائشہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ سفر کے دوران عورتیں ایک چھوٹے سے ڈبے کے اندر بیٹھ جاتیں جسے اونٹ پر رکھ کر باندھ دیا جاتا۔ جب فوج نے کیمپ لگایا تو عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آپ کو راحت پہنچانے کے لیے چلی گئیں اور کیمپ میں واپس آگئیں۔ واپسی پر اس نے دیکھا کہ اس کا ہار غائب ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے قدم پیچھے ہٹائے جب تک اسے اسے نہ مل گیا۔ جب وہ ایک بار پھر کیمپ میں واپس آئی تو اس نے دیکھا کہ وہ اس کے بغیر چلے گئے تھے۔ یہ اس وقت ہوا جب اس کی ٹوکری کو اونٹ پر رکھنے اور باندھنے کے ذمہ داروں نے یہ سمجھا کہ وہ پہلے ہی اندر ہے۔ وہ خالی پڑی جگہ پر رہی یہاں تک کہ ایک صحابی صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا۔ اسے فوج سے پیچھے رہنے اور سفر کرنے والی فوج سے نادانستہ طور پر گرا ہوا سامان اٹھانے کا کام سونپا گیا تھا۔ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا جیسا کہ اس نے اسلام میں عورتوں کا پردہ فرض ہونے سے پہلے انہیں دیکھا تھا۔ اس نے احترام کے ساتھ اسے اپنا اونٹ سواری کے لیے پیش کیا جب وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ جب وہ لشکر کے پاس پہنچے تو لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیمپ میں داخل ہوتے دیکھا۔ منافقین نے اس موقع کو غنیمت جان کر ان کے بارے میں بہتان تراشی کی اور لوگ بہت پریشان ہوئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 217-218 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابو داؤد نمبر 4993 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت کی کہ لوگوں کے بارے میں اچھا گمان کرنا اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ایک پہلو ہے۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک پہلو ہے۔

چیزوں کو منفی انداز میں بیان کرنا اکثر غیبت اور غیبت جیسے گناہوں کا باعث بنتا ہے۔ ہر صورت میں ایک مسلمان کو چاہیے کہ جہاں ممکن ہو مثبت انداز میں چیزوں کی تشریح کرے تاکہ شک کا فائدہ دوسروں تک پہنچایا جا سکے۔ بدقسمتی سے، منفی سوچ کو اپنانے سے خاندانی یونٹ سے لے کر

قومی سطح تک لوگوں پر اثر پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک قوم کتنی بار ایک مفروضے اور شک پر جنگ میں گئی ہے؟ میڈیا میں پائے جانے والے اسکینڈلز کی اکثریت مفروضوں پر مبنی ہے۔ یہاں تک کہ ایسے قوانین بھی بنائے گئے ہیں جو مفروضوں اور شبہات کے استعمال کی حمایت کرتے ہیں۔ یہ اکثر ٹوٹنے اور ٹوٹنے والے رشتوں کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ اس ذہنیت کے حامل لوگ ہمیشہ یہ مانتے ہیں کہ دوسرے ان کے الفاظ یا اعمال کے ذریعے ان پر تنقید کر رہے ہیں۔ یہ کسی کو دوسروں سے مشورہ لینے سے روکتا ہے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ صرف مشورہ دینے والے کی طرف سے ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے اور یہ ایک کو مشورہ دینے سے روکتا ہے کیونکہ اسے یقین ہے کہ دوسرا شخص ان کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دے گا۔ اور ایک شخص اس منفی ذہنیت کے حامل شخص کو نصیحت کرنے سے گریز کرے گا کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ صرف ایک دلیل کا باعث بنے گا۔ یہ دیگر منفی خصلتوں کی طرف جاتا ہے جیسے تلخی۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگر وہ یہ فرض کر لیں کہ کوئی ان پر تنقید کر رہا ہے تو پھر بھی ان کی نصیحت کو قبول کرنا چاہیے اگر یہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر مبنی ہے۔ انہیں کوشش کرنی چاہیے کہ جہاں ممکن ہو ان چیزوں کی مثبت انداز میں تشریح کریں جو مثبت ذہنیت کا باعث بنے۔ اور ایک مثبت ذہنیت صحت مند تعلقات اور احساسات کا باعث بنتی ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

"...اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت زیادہ گمان سے بچو۔ بے شک کچھ گمان گناہ ہوتا ہے"

حسن اخلاق

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے خلاف ایک مہم پر نکلے۔ بنو المصطلق۔ ان کی بیوی عائشہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ سفر کے دوران عورتیں ایک چھوٹے سے ڈبے کے اندر بیٹھ جاتیں جسے اونٹ پر رکھ کر باندھ دیا جاتا۔ جب فوج نے کیمپ لگایا تو عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آپ کو راحت پہنچانے کے لیے چلی گئیں اور کیمپ میں واپس آگئیں۔ واپسی پر اس نے دیکھا کہ اس کا ہار غائب ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے قدم پیچھے ہٹائے جب تک اسے اسے نہ مل گیا۔ جب وہ ایک بار پھر کیمپ میں واپس آئی تو اس نے دیکھا کہ وہ اس کے بغیر چلے گئے تھے۔ یہ اس وقت ہوا جب اس کی ٹوکری کو اونٹ پر رکھنے اور باندھنے کے ذمہ داروں نے یہ سمجھا کہ وہ پہلے ہی اندر ہے۔ وہ خالی پڑی جگہ پر رہی یہاں تک کہ ایک صحابی صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا۔ اسے فوج سے پیچھے رہنے اور سفر کرنے والی فوج سے نادانستہ طور پر گرا ہوا سامان اٹھانے کا کام سونپا گیا تھا۔ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا جیسا کہ اس نے اسلام میں عورتوں کا پردہ فرض ہونے سے پہلے انہیں دیکھا تھا۔ اس نے احترام کے ساتھ اسے اپنا اونٹ سواری کے لیے پیش کیا جب وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ جب وہ لشکر کے پاس پہنچے تو لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیمپ میں داخل ہوتے دیکھا۔ منافقین نے اس موقع کو غنیمت جان کر ان کے بارے میں بہتان تراشی کی اور لوگ بہت پریشان ہوئے۔ مدینہ واپس آتے ہی عائشہ رضی اللہ عنہا کافی بیمار ہوگئیں اور گھر میں ہی رہیں۔ مدینہ میں پھیلنے والے اس بہتان کے بارے میں اسے کسی نے اطلاع نہیں دی تھی جو اب تک اس کے پورے خاندان تک پہنچ چکی تھی۔ اس نے صرف ایک چیز نوٹ کی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جذباتی طور پر اس سے زیادہ دور نظر آتے تھے لیکن پھر بھی ہمیشہ کی طرح اس کے ساتھ اپنا بہترین برتاؤ برقرار رکھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 218 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2612 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ کامل ایمان والا وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ سب سے زیادہ مہربان ہو۔

بدقسمتی سے، بعض نے اپنے ہی خاندان کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہوئے غیر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی بری عادت اپنا لی ہے۔ وہ اس طرح برتاؤ کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے خاندان کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کو نہیں سمجھتے اور اپنے خاندان کی تعریف کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ ایک مسلمان اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ایمان کے دونوں پہلوؤں کو پورا نہ کرے۔ پہلا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی، اس کے احکام کی بجا آوری، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا ہے۔ دوسرا یہ کہ لوگوں کے حقوق ادا کیے جائیں جس میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ اس قسم کے سلوک کا اپنے خاندان سے زیادہ حق کسی کو نہیں ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام اچھے معاملات میں اپنے خاندان کی مدد کرے اور انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی کے ساتھ برے کاموں اور طریقوں سے تنبیہ کرے۔ برے کاموں میں ان کی آنکھیں بند کر کے صرف اس وجہ سے ساتھ نہ دیں کہ وہ ان کے رشتہ دار ہیں اور نہ ہی ان کے بارے میں بعض برے جذبات کی وجہ سے اچھے معاملات میں ان کی مدد کرنے سے گریز کریں کیونکہ یہ اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

دوسروں کی رہنمائی کا بہترین طریقہ عملی نمونہ کے ذریعے ہے کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور صرف زبانی ہدایت سے کہیں زیادہ موثر ہے۔

آخر میں، کسی کو عام طور پر تمام معاملات میں نرمی کا انتخاب کرنا چاہئے، خاص طور پر، اپنے خاندان کے ساتھ معاملہ کرتے وقت۔ اگر وہ گناہ بھی کریں تو انہیں نرمی کے ساتھ تنبیہ کی جائے اور پھر بھی اچھے کاموں میں ان کی مدد کی جائے کیونکہ یہ مہربانی انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف لوٹانے میں ان کے ساتھ سختی کرنے سے زیادہ کارگر ہے۔

دوسروں کو تسلی دینا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے خلاف ایک مہم پر نکلے۔ بنو المصطلق۔ ان کی بیوی عائشہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ سفر کے دوران عورتیں ایک چھوٹے سے ڈبے کے اندر بیٹھ جاتیں جسے اونٹ پر رکھ کر باندھ دیا جاتا۔ جب فوج نے کیمپ لگایا تو عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آپ کو راحت پہنچانے کے لیے چلی گئیں اور کیمپ میں واپس آگئیں۔ واپسی پر اس نے دیکھا کہ اس کا ہار غائب ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے قدم پیچھے ہٹائے جب تک اسے اسے نہ مل گیا۔ جب وہ ایک بار پھر کیمپ میں واپس آئی تو اس نے دیکھا کہ وہ اس کے بغیر چلے گئے تھے۔ یہ اس وقت ہوا جب اس کی ٹوکری کو اونٹ پر رکھنے اور باندھنے کے ذمہ داروں نے یہ سمجھا کہ وہ پہلے ہی اندر ہے۔ وہ خالی پڑی جگہ پر رہی یہاں تک کہ ایک صحابی صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا۔ اسے فوج سے پیچھے رہنے اور سفر کرنے والی فوج سے نادانستہ طور پر گرا ہوا سامان اٹھانے کا کام سونپا گیا تھا۔ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا جیسا کہ اس نے اسلام میں عورتوں کا پردہ فرض ہونے سے پہلے انہیں دیکھا تھا۔ اس نے احترام کے ساتھ اسے اپنا اونٹ سواری کے لیے پیش کیا جب وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ جب وہ لشکر کے پاس پہنچے تو لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیمپ میں داخل ہوتے دیکھا۔ منافقین نے اس موقع کو غنیمت جان کر ان کے بارے میں بہتان تراشی کی اور لوگ بہت پریشان ہوئے۔ مدینہ واپس آتے ہی عائشہ رضی اللہ عنہا کافی بیمار ہوگئیں اور گھر میں ہی رہیں۔ اس غیبت کا علم ہونے کے بعد وہ اپنی ماں کے پاس آئی اور سوال کیا کہ اس نے یہ بہتان اس سے کیوں چھپایا؟ اس کی والدہ نے اسے تسلی دی اور اسے نصیحت کی کہ اس طعن کو سنجیدگی سے نہ لے، کیونکہ لوگ ہمیشہ ان لوگوں کے بارے میں برا بولتے ہیں جن کو اس جیسی نعمت ملی ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3 صفحہ 219 میں بحث کی گئی ہے۔

دوسروں کو جذباتی طور پر تسلی دینا اخلاص کی علامت ہے جسے تمام مسلمانوں کو دوسروں کو دکھانا چاہیے۔ صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی

شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے‘‘۔’’

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر

کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے‘‘۔’’

گپ شپ پھیلانا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے خلاف ایک مہم پر نکلے۔ بنو المصطلق۔ ان کی بیوی عائشہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ سفر کے دوران عورتیں ایک چھوٹے سے ڈبے کے اندر بیٹھ جاتیں جسے اونٹ پر رکھ کر باندھ دیا جاتا۔ جب فوج نے کیمپ لگایا تو عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آپ کو راحت پہنچانے کے لیے چلی گئیں اور کیمپ میں واپس آگئیں۔ واپسی پر اس نے دیکھا کہ اس کا ہار غائب ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے قدم پیچھے ہٹائے جب تک اسے اسے نہ مل گیا۔ جب وہ ایک بار پھر کیمپ میں واپس آئی تو اس نے دیکھا کہ وہ اس کے بغیر چلے گئے تھے۔ یہ اس وقت ہوا جب اس کی ٹوکری کو اونٹ پر رکھنے اور باندھنے کے ذمہ داروں نے یہ سمجھا کہ وہ پہلے ہی اندر ہے۔ وہ خالی پڑی جگہ پر رہی یہاں تک کہ ایک صحابی صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا۔ اسے فوج سے پیچھے رہنے اور سفر کرنے والی فوج سے نادانستہ طور پر گرا ہوا سامان اٹھانے کا کام سونپا گیا تھا۔ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا جیسا کہ اس نے اسلام میں عورتوں کا پردہ فرض ہونے سے پہلے انہیں دیکھا تھا۔ اس نے احترام کے ساتھ اسے اپنا اونٹ سواری کے لیے پیش کیا جب وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ جب وہ لشکر کے پاس پہنچے تو لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیمپ میں داخل ہوتے دیکھا۔ منافقین نے اس موقع کو غنیمت جان کر ان کے بارے میں بہتان تراشی کی اور لوگ بہت پریشان ہوئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے خطاب کیا اور کھلے عام سوال کیا کہ لوگ آپ کے اہل و عیال اور صحابی صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے بارے میں گپ شپ اور غیبت کیوں کرتے ہیں؟ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 219 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 290 کی حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ بدگمانی پھیلانے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

یہ وہ ہے جو گپ شپ پھیلاتا ہے چاہے یہ سچ ہو یا نہیں اور اس سے لوگوں کے درمیان مسائل، ٹوٹے ہوئے اور ٹوٹے ہوئے رشتے ہوتے ہیں۔ یہ ایک خبیث خصلت ہے اور جو لوگ اس طرح کا سلوک

کرتے ہیں وہ درحقیقت انسان کے شیطان ہیں کیونکہ یہ ذہنیت شیطان کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہے کیونکہ وہ ہمیشہ لوگوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایسے شخص پر لعنت فرمائی ہے۔ باب 104 الحمزہ، آیت 1:

"ہر طعنہ زنی کرنے والے اور ٹھٹھا کرنے والے کے لیے تباہی ہے۔"

اگر یہ لعنت ان کو گھیرے ہوئے ہے تو اللہ تعالیٰ سے ان کے مسائل حل کرنے اور انہیں نعمتوں سے نوازنے کی امید کیسے کی جا سکتی ہے؟ صرف وہی وقت قابل قبول ہے جب کوئی دوسروں کو خطرے سے خبردار کر رہا ہو۔

ایک مسلمان پر فرض ہے کہ وہ کسی کہانی سنانے والے کی طرف توجہ نہ کرے کیونکہ وہ بدکار لوگ ہیں جن پر بھروسہ یا یقین نہیں کیا جانا چاہیے۔ باب 49 الحجرات، آیت 6:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لو، ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو جہالت کی وجہ سے نقصان پہنچا دو۔“

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ کہانی سنانے والے کو اس بری صفت کو جاری رکھنے سے روکے اور انہیں سچے دل سے توبہ کرنے کی تلقین کرے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں حکم دیا گیا ہے کہ ایک مسلمان کو اس شخص کے خلاف کوئی بری خواہش نہیں رکھنی چاہئے جس نے ان کے بارے میں کوئی بری بات کہی ہو۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

"...اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت زیادہ گمان سے بچو۔ بے شک کچھ گمان گناہ ہوتا ہے"

یہی آیت مسلمانوں کو سکھاتی ہے کہ وہ دوسروں کی جاسوسی کر کے کہانی کے علمبردار کو ثابت یا غلط ثابت کرنے کی کوشش نہ کریں۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

"...اور جاسوسی نہ کرو"

بجائے اس کے کہ کہانی بیان کرنے والے کو نظر انداز کر دیا جائے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ کہانی سنانے والے کی طرف سے دی گئی معلومات کا کسی دوسرے شخص سے ذکر نہ کرے اور نہ ہی کہانی سنانے والے کا ذکر کرے کیونکہ اس سے وہ بھی کہانی سنانے والا بن جائے گا۔

مسلمانوں کو قصہ گوئی اور افسانہ نگاروں کی صحبت سے بچنا چاہیے کیونکہ وہ اس وقت تک بھروسہ یا صحبت کے لائق نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔

اپنے کام سے کام رکھو

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے خلاف ایک مہم پر نکلے۔ بنو المصطلق۔ ان کی بیوی عائشہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ سفر کے دوران عورتیں ایک چھوٹے سے ڈبے کے اندر بیٹھ جاتیں جسے اونٹ پر رکھ کر باندھ دیا جاتا۔ جب فوج نے کیمپ لگایا تو عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آپ کو راحت پہنچانے کے لیے چلی گئیں اور کیمپ میں واپس آگئیں۔ واپسی پر اس نے دیکھا کہ اس کا ہار غائب ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے قدم پیچھے ہٹائے جب تک اسے اسے نہ مل گیا۔ جب وہ ایک بار پھر کیمپ میں واپس آئی تو اس نے دیکھا کہ وہ اس کے بغیر چلے گئے تھے۔ یہ اس وقت ہوا جب اس کی ٹوکری کو اونٹ پر رکھنے اور باندھنے کے ذمہ داروں نے یہ سمجھا کہ وہ پہلے ہی اندر ہے۔ وہ خالی پڑی جگہ پر رہی یہاں تک کہ ایک صحابی صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا۔ اسے فوج سے پیچھے رہنے اور سفر کرنے والی فوج سے نادانستہ طور پر گرا ہوا سامان اٹھانے کا کام سونپا گیا تھا۔ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا جیسا کہ اس نے اسلام میں عورتوں کا پردہ فرض ہونے سے پہلے انہیں دیکھا تھا۔ اس نے احترام کے ساتھ اسے اپنا اونٹ سواری کے لیے پیش کیا جب وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ جب وہ لشکر کے پاس پہنچے تو لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیمپ میں داخل ہوتے دیکھا۔ منافقین نے اس موقع کو غنیمت جان کر ان کے بارے میں بہتان تراشی کی اور لوگ بہت پریشان ہوئے۔ جن لوگوں نے اس بہتان کو پھیلانے میں حصہ لیا ان میں سے ایک حمنہ تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ حمنہ نے اس میں حصہ لیا، کیونکہ اسے یقین تھا کہ یہ بہتان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بہن عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ پیار کرنے کا سبب بنے گا۔ اس نے ایسا کیا حالانکہ ان کی بہن زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہمیشہ اچھی باتوں کے علاوہ کچھ نہیں کہا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 219 میں بحث کی گئی ہے۔

سب سے پہلے یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ذریعے کسی دوسرے شخص کی حقیقی معنوں میں مدد نہیں کر سکتا۔ جو کچھ بھی دنیاوی فائدہ حاصل کرتا ہے وہ اپنے لیے اور دوسروں کے لیے آخرکار دونوں جہانوں میں لعنت بن جاتا ہے۔ ایک مسلمان کو صرف ان کاموں میں لوگوں کی مدد کرنی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہوں۔

اس کے علاوہ ایک مسلمان کو اپنے کاروبار کو ذہن نشین کرنے کی اہمیت کو سمجھنا چاہیے۔ اول تو جو شخص یہ رویہ اختیار کرنے میں ناکام رہے گا وہ اپنے قیمتی وقت سے محروم ہو جائے گا۔ زیادہ وقت کے علاوہ سب کچھ خریدا جا سکتا ہے۔ وقت ضائع کرنا آخرت میں اس شخص کے لیے بڑا کچھ ، پشیمان ہوگا جب وہ اپنے وقت کا صحیح استعمال کرنے والوں کے اجر کو دیکھے گا۔ اگرچہ اس کے کاروبار کو برا نہیں مانتا ہے، گناہ نہیں جو چیزیں ایسے شخص کی طرف سے کہی گئی ہیں ہے، یہ ظاہر ہے کہ اس نے اپنے وقت کو زیادہ نتیجہ خیز طریقے سے استعمال کرنے میں ضائع کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 3976 میں شخص اس وقت تک اپنے اسلام کو مکمل نہیں کر سکتا ایک حدیث میں اعلان فرمایا کہ کوئی موجود جب تک کہ وہ ان چیزوں سے دور نہ رہے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔

کوئی کسی ایسی بات کے بارے میں بولنے کی تعریف جس سے انسان کو کوئی سروکار نہ ہو اگر اور نہ ہی ان وہ گناہ گار نہیں ہوگا۔ کا انتخاب کرے تو رہنے اس قسم کی گفتگو سے خاموش شخص پہنچتا ہے ۔ کی خاموشی سے کوئی نقصان

درحقیقت انسان کو ایسی چیزوں کے بارے میں بھی نہیں بولنا چاہیے جن سے اس کا تعلق ہے جب تک کہ وہ مناسب وقت اور جگہ پر نہ ہو۔ اس مشورے کو نظر انداز کرنا صرف بولنے والوں اور دوسروں کے لیے پریشانی کا باعث بنتا ہے۔

ان چیزوں کے بارے میں سوالات پوچھنا جن سے کسی کو کوئی سروکار نہیں ہے آج معاشرے میں پایا جانے والا ایک عام مسئلہ ہے۔ لوگ اکثر اس قسم کی چیزوں کے بارے میں پوچھ گچھ کرتے ہیں اور دوسروں کو مجبور کرتے ہیں جو چیزوں کو نجی رکھنا چاہتے ہیں یا تو جھوٹ بولتے ہیں، دھوکہ دہی کے ذریعے براہ راست جواب دینے سے گریز کرتے ہیں یا وہ ان کو نظر انداز کرتے ہیں جو کہ بدتمیزی میں آتی ہے۔ ایک مسلمان کو زیادہ محتاط ہونا چاہئے اور صرف ان عمومی چیزوں کے بارے میں پوچھنا چاہئے جو ان سے متعلق ہیں۔

جو لوگ اپنی تقریر کو ان چیزوں کے لئے وقف کرتے ہیں جن سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے وہ ان سے متعلق ہیں۔ اور جو لوگ واقعی اپنی جو ان چیزوں کے بارے میں بولنے سے محروم رہیں گے کوششوں کو ان چیزوں پر لگاتے ہیں جن سے ان کا تعلق ہوتا ہے وہ ان چیزوں کے بارے میں بات نے اپنی زبان جنہوں کرنے کا وقت نہیں پاتے ہیں جو ان سے متعلق نہیں ہیں۔ بعد میں کامیاب وہ ہیں کا صحیح استعمال کیا۔

اگر کوئی واقعی ان تمام دلائل پر غور کرے جو ان کے پاس موجود ہیں تو وہ محسوس کریں گے کہ ان میں سے اکثریت کسی ایسے شخص کے بارے میں بولنے کی وجہ سے ہوئی ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا۔ ذرا سوچئے کہ اس رویہ سے بچنے سے کتنے دلائل سے بچا جا سکتا ہے۔

اتحاد کو خراب کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے خلاف ایک مہم پر نکلے۔ بنو المصطلق۔ ان کی بیوی عائشہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ سفر کے دوران عورتیں ایک چھوٹے سے ڈبے کے اندر بیٹھ جاتیں جسے اونٹ پر رکھ کر باندھ دیا جاتا۔ جب فوج نے کیمپ لگایا تو عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آپ کو راحت پہنچانے کے لیے چلی گئیں اور کیمپ میں واپس آگئیں۔ واپسی پر اس نے دیکھا کہ اس کا ہار غائب ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے قدم پیچھے ہٹائے جب تک اسے اسے نہ مل گیا۔ جب وہ ایک بار پھر کیمپ میں واپس آئی تو اس نے دیکھا کہ وہ اس کے بغیر چلے گئے تھے۔ یہ اس وقت ہوا جب اس کی ٹوکری کو اونٹ پر رکھنے اور باندھنے کے ذمہ داروں نے یہ سمجھا کہ وہ پہلے ہی اندر ہے۔ وہ خالی پڑی جگہ پر رہی یہاں تک کہ ایک صحابی صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا۔ اسے فوج سے پیچھے رہنے اور سفر کرنے والی فوج سے نادانستہ طور پر گرا ہوا سامان اٹھانے کا کام سونپا گیا تھا۔ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا جیسا کہ اس نے اسلام میں عورتوں کا پردہ فرض ہونے سے پہلے انہیں دیکھا تھا۔ اس نے احترام کے ساتھ اسے اپنا اونٹ سواری کے لیے پیش کیا جب وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ جب وہ لشکر کے پاس پہنچے تو لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیمپ میں داخل ہوتے دیکھا۔ منافقین نے اس موقع کو غنیمت جان کر ان کے بارے میں بہتان تراشی کی اور لوگ بہت پریشان ہوئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے خطاب کیا اور کھلے عام سوال کیا کہ لوگ آپ کے اہل و عیال اور صحابی صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے بارے میں گپ شپ اور غیبت کیوں کرتے ہیں؟ اس خطاب کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غضب میں آگئے جب اس تکلیف کا مشاہدہ کرتے ہوئے یہ بہتان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لگا۔ لیکن چونکہ منافقین اپنے کفر اور دشمنی کو چھپا رہے تھے اس لیے ان کی شناخت مشکل تھی اور اس تناؤ کی وجہ سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ بھی آپس میں اس بات پر بحث کرنے لگے کہ اس تہمت کا ذمہ دار کون ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 219 میں بحث کی گئی ہے۔

منافقت کی نشانی یہ ہے کہ انسان معاشرے میں فساد پھیلاتا ہے۔ یہ منفی خصوصیت خاندانی اکائی سے شروع ہوکر بین الاقوامی سطح پر ختم ہونے والی تمام سماجی سطحوں کو متاثر کرتی ہے۔ اس قسم کے لوگ لوگوں کو اچھائی پر متحد ہوتے دیکھنا ناپسند کرتے ہیں کیونکہ اس سے دوسروں کی دنیاوی حیثیت ان کے اپنے سے بڑھ جاتی ہے۔ یہ انہیں غیبت اور غیبت کی طرف لے جاتا ہے تاکہ لوگ ایک

دوسرے کے خلاف ہو جائیں۔ ان کا برا رویہ ان کے اپنے رشتے داروں کو تباہ کر دیتا ہے اور جب وہ دوسرے خاندانوں کو دیکھتے ہیں جو خوش ہوتے ہیں تو یہ انہیں ان کی خوشیوں کو بھی تباہ کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ فالٹ فائنڈر ہیں جو اپنا وقت دوسروں کی غلطیوں کی نقاب کشائی کرنے کے لیے وقف کرتے ہیں تاکہ ان کی سماجی حیثیت کو نیچے لے جا سکیں۔ وہ پہلے لوگ ہیں جنہوں نے دوسروں کے بارے میں گپ شپ شروع کی اور جب بھی اچھی بات کی جائے تو بہرے کام کرتے ہیں۔ امن اور سکون انہیں پریشان کرتا ہے لہذا وہ اپنے آپ کو تفریح کرنے کے لئے مسائل پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ سنن ابن ماجہ نمبر 2546 میں موجود حدیث کو یاد کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ یہ نصیحت کرتی ہے کہ جو شخص دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا۔ لیکن جو شخص دوسروں کے عیب تلاش کرتا ہے اور ان کی پردہ پوشی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو لوگوں پر ظاہر کر دیتا ہے۔ تو درحقیقت، اس قسم کے افراد معاشرے کے سامنے صرف اپنے عیبوں کی پردہ پوشی کر رہے ہوتے ہیں حالانکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ دوسروں کے عیبوں کو بے نقاب کر رہے ہیں۔

شیئرنگ کے مسائل

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے خلاف ایک مہم پر نکلے۔ بنو المصطلق۔ ان کی بیوی عائشہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ سفر کے دوران عورتیں ایک چھوٹے سے ڈبے کے اندر بیٹھ جاتیں جسے اونٹ پر رکھ کر باندھ دیا جاتا۔ جب فوج نے کیمپ لگایا تو عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آپ کو راحت پہنچانے کے لیے چلی گئیں اور کیمپ میں واپس آگئیں۔ واپسی پر اس نے دیکھا کہ اس کا ہار غائب ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے قدم پیچھے ہٹائے جب تک اسے اسے نہ مل گیا۔ جب وہ ایک بار پھر کیمپ میں واپس آئی تو اس نے دیکھا کہ وہ اس کے بغیر چلے گئے تھے۔ یہ اس وقت ہوا جب اس کی ٹوکری کو اونٹ پر رکھنے اور باندھنے کے ذمہ داروں نے یہ سمجھا کہ وہ پہلے ہی اندر ہے۔ وہ خالی پڑی جگہ پر رہی یہاں تک کہ ایک صحابی صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا۔ اسے فوج سے پیچھے رہنے اور سفر کرنے والی فوج سے نادانستہ طور پر گرا ہوا سامان اٹھانے کا کام سونپا گیا تھا۔ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا جیسا کہ اس نے اسلام میں عورتوں کا پردہ فرض ہونے سے پہلے انہیں دیکھا تھا۔ اس نے احترام کے ساتھ اسے اپنا اونٹ سواری کے لیے پیش کیا جب وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ جب وہ لشکر کے پاس پہنچے تو لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیمپ میں داخل ہوتے دیکھا۔ منافقین نے اس موقع کو غنیمت جان کر ان کے بارے میں بہتان تراشی کی اور لوگ بہت پریشان ہوئے۔ جب مدینہ میں تہمت کے اثرات شدت اختیار کر گئے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دو قریبی ساتھیوں علی ابن ابی طالب اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بلا کر ان سے مشورہ کیا۔ دونوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں خوب باتیں کیں، اور یہاں تک کہ ایک گواہ، ایک لونڈی، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کام کرتی تھی، کو بلا کر ان کے حسن اخلاق کا مزید ثبوت پایا۔ .اس نے بھی عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اچھائی کے سوا کچھ نہیں کہا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 219-220 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ ایک خاص رویہ اختیار کرنے سے گریز کریں یعنی اپنے مسائل کو بہت زیادہ لوگوں کے ساتھ شیئر کریں۔ اس رویہ کا مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی بہت سے لوگوں کو بتاتا ہے تو ان کے مسائل بتانا اور مشورہ لینا ان کی مشکلات کی شکایت کا ذریعہ بن جاتا ہے جو ان کی بے صبری کی واضح علامت ہے۔ اس کے علاوہ، یہ رویہ کسی کو صرف الجھن کا باعث بنے گا کیونکہ انہیں ملنے والی نصیحتیں مختلف ہوں گی جس کی وجہ سے وہ صحیح راستے

کے بارے میں زیادہ سے زیادہ غیر یقینی ہو جائیں گے۔ جبکہ چند عقلمندوں سے مشورہ کرنا کسی کے یقین میں اضافے کا سبب ہی بنے گا۔ بہت سے لوگوں کے سامنے کسی کے مسائل کو بار بار دہرانے سے وہ اپنے مسئلے پر بہت زیادہ توجہ مرکوز کرنے کا سبب بنتا ہے جس کی وجہ سے یہ حقیقت سے زیادہ بڑا اور اہم دکھائی دیتا ہے، یہاں تک کہ اس کی وجہ سے وہ اپنے دوسرے فرائض سے غفلت برتتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنے مسائل پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ زیادہ بے صبری.

اس لیے مسلمانوں کو اپنی مشکلات کے سلسلے میں صرف چند لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ قرآن کریم کی نصیحت کے مطابق ان چند لوگوں کا انتخاب کریں۔ باب 16 النحل، آیت 43:

‘‘پس اہلِ پیغام سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔’’

یہ آیت مسلمانوں کو علم رکھنے والوں سے مشورہ کرنے کی یاد دلاتی ہے۔ جیسا کہ ایک جاہل شخص سے مشورہ کرنے سے مزید پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنی جسمانی صحت کے بارے میں کسی کار مکینک سے مشورہ کرنا بے وقوف ہو گا، ایک مسلمان کو اپنے مسائل صرف ان لوگوں کو بتانا چاہیے جو اس کے بارے میں علم رکھتے ہیں اور ان سے منسلک اسلامی تعلیمات۔

اس کے علاوہ ایک مسلمان کو اپنے مسائل صرف ان لوگوں کے ساتھ شیئر کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کبھی بھی دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ نہیں دیں گے۔ جبکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے یا اس کی اطاعت نہیں کرتے وہ علم اور تجربہ رکھتے ہیں لیکن وہ آسانی سے دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ دیتے ہیں جس سے صرف پریشانیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے حقیقی علم کے مالک ہوتے ہیں اور یہی علم دوسروں کو ان کے مسائل میں کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ باب 35 فاطر، آیت 28:

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں‘‘۔’’

غصے پر قابو پانا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے خلاف ایک مہم پر نکلے۔ بنو المصطلق۔ ان کی بیوی عائشہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ سفر کے دوران عورتیں ایک چھوٹے سے ڈبے کے اندر بیٹھ جاتیں جسے اونٹ پر رکھ کر باندھ دیا جاتا۔ جب فوج نے کیمپ لگایا تو عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آپ کو راحت پہنچانے کے لیے چلی گئیں اور کیمپ میں واپس آگئیں۔ واپسی پر اس نے دیکھا کہ اس کا ہار غائب ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے قدم پیچھے ہٹائے جب تک اسے اسے نہ مل گیا۔ جب وہ ایک بار پھر کیمپ میں واپس آئی تو اس نے دیکھا کہ وہ اس کے بغیر چلے گئے تھے۔ یہ اس وقت ہوا جب اس کی ٹوکری کو اونٹ پر رکھنے اور باندھنے کے ذمہ داروں نے یہ سمجھا کہ وہ پہلے ہی اندر ہے۔ وہ خالی پڑی جگہ پر رہی یہاں تک کہ ایک صحابی صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا۔ اسے فوج سے پیچھے رہنے اور سفر کرنے والی فوج سے نادانستہ طور پر گرا ہوا سامان اٹھانے کا کام سونپا گیا تھا۔ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا جیسا کہ اس نے اسلام میں عورتوں کا پردہ فرض ہونے سے پہلے انہیں دیکھا تھا۔ اس نے احترام کے ساتھ اسے اپنا اونٹ سواری کے لیے پیش کیا جب وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ جب وہ لشکر کے پاس پہنچے تو لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیمپ میں داخل ہوتے دیکھا۔ منافقین نے اس موقع کو غنیمت جان کر ان کے بارے میں بہتان تراشی کی اور لوگ بہت پریشان ہوئے۔ جب مدینہ میں تہمت کے اثرات شدت اختیار کرگئے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور انہیں نہایت شفقت سے یاد دلایا کہ جو شخص سچے دل سے توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔ جیسے ہی عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ الفاظ سنے تو فوراً رونا بند کر دیا۔ وہ اپنے والدین کا انتظار کرتی رہی کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اپنا دفاع کریں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور احترام کی وجہ سے وہ خاموش رہے۔ اس کے بعد اس نے براہ راست حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ وہ کبھی بھی ایسا کرنے کا اقرار نہیں کرے گی جو اس نے نہیں کیا تھا اور اس کا واحد راستہ یہ تھا کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح صبر کرے۔ اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات پر صبر کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 220 میں بحث کی گئی ہے۔

،غور طلب ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر کوئی غلط الزام نہیں لگایا درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھلے عام ان کا دفاع کیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی حیثیت سے اپنا کردار نبھانے کی ضرورت ہے۔ اگر اسے ضرورت ہو تو اسے توبہ کرنے کی یاد دلانے سے۔ اس کے علاوہ، عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے اردگرد موجود لوگوں پر آسانی سے ناراض ہو سکتی تھیں، کیونکہ انہیں لگتا تھا کہ انہیں ان کی مکمل حمایت حاصل نہیں ہے۔ لیکن اس نے بجائے اپنے غصے پر قابو رکھا اور صبر کیا۔

صحیح بخاری نمبر 6116 کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو غصہ نہ کرنے کی نصیحت کی۔

درحقیقت اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی کبھی غصہ نہ کرے کیونکہ غصہ ایک فطری صفت ہے جو کہ انبیاء کرام علیہم السلام میں بھی پائی جاتی ہے۔ درحقیقت، بعض غیر معمولی معاملات میں غصہ مفید ہو سکتا ہے، مثال کے طور پر، اپنے دفاع میں۔ اس حدیث کا اصل مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے غصے کو قابو میں رکھے تاکہ یہ اسے گناہوں کی طرف نہ لے جائے۔ اس کے علاوہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غصہ بہت سی برائیوں کو جنم دیتا ہے اور اس پر قابو رکھنا بہت سی بھلائیوں کا باعث بنتا ہے۔

سب سے پہلے یہ نصیحت ان تمام اچھی خصوصیات کو اپنانے کا حکم ہے جو غصے پر قابو پانے کی ترغیب دیں، جیسے صبر۔ یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ آدمی اپنے غصے کے مطابق کام نہ کرے۔ اس کے بجائے، انہیں اس پر قابو پانے کے لئے اپنے آپ سے جدوجہد کرنی چاہئے تاکہ یہ انہیں گناہوں کی طرف نہ لے جائے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے غصے پر قابو پانا ایک عظیم عمل ہے اور محبت الٰہی کی طرف لے جاتا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 134:

”جو غصے کو روکتے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے“۔

اسلام کے اندر بہت سی تعلیمات ہیں جو مسلمانوں کو اپنے غصے پر قابو پانے کی ترغیب دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر، جیسا کہ غصہ شیطان سے منسلک اور متاثر ہوتا ہے، صحیح بخاری نمبر 3282 میں ایک حدیث پائی جاتی ہے، جس میں مشورہ دیا گیا ہے کہ غصے والے شخص کو شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔

جامع ترمذی نمبر 2191 میں موجود حدیث میں ناراض مسلمان کو زمین سے چمٹنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جب تک وہ پرسکون نہ ہو جائیں زمین پر سجدہ کریں۔ درحقیقت جتنا زیادہ کوئی غیر فعال جسمانی پوزیشن لیتا ہے، اتنا ہی کم موقع ہوتا ہے کہ وہ غصے میں مارے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4782 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس نصیحت پر عمل کرنے سے انسان اپنے غصے کو اپنے اندر قید کر لیتا ہے یہاں تک کہ وہ گزر جاتا ہے تاکہ دوسروں پر اس کا منفی اثر نہ پڑے۔

ایک مسلمان جو غصے میں ہو اسے سنن ابو داؤد نمبر 4784 میں موجود حدیث میں دی گئی نصیحت پر عمل کرنا چاہیے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناراض مسلمان کو وضو کرنے کی نصیحت کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی غصے کی فطری خصوصیت یعنی گرمی کا مقابلہ کرتا ہے۔ اگر کوئی اس کے بعد نماز پڑھتا ہے تو اس سے انہیں اپنے غصے پر مزید قابو پانے میں مدد ملے گی اور ایک عظیم اجر ملے گا۔

اب تک زیر بحث مشورے سے ناراض مسلمان کو اپنی جسمانی حرکات پر قابو پانے میں مدد ملتی ہے۔ اپنی بات پر قابو پانے کے لیے غصے کی حالت میں بولنے سے گریز کرنا ہی بہتر ہے۔ بدقسمتی سے الفاظ اکثر جسمانی اعمال کے مقابلے میں دوسروں پر زیادہ دیرپا اثر ڈال سکتے ہیں۔ غصے میں کہے گئے الفاظ کی وجہ سے لاتعداد رشتے ٹوٹ چکے ہیں اور ٹوٹ چکے ہیں۔ یہ رویہ اکثر دوسرے گناہوں اور جرائم کی طرف بھی جاتا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے سنن ابن ماجہ نمبر 3970 میں موجود حدیث کو نوٹ کرنا ضروری ہے جس میں متنبہ کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن کسی شخص کو جہنم میں ڈالنے کے لیے صرف ایک برے لفظ کی ضرورت ہے۔

غصے پر قابو پانا ایک بہت بڑی نیکی ہے اور اس پر قابو پانے والے کو صحیح بخاری نمبر 6114 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مضبوط انسان قرار دیا ہے۔ درحقیقت ،نگلنے والا اللہ تعالیٰ کے لیے ان کا غصہ، یعنی وہ اپنے غصے کی وجہ سے کوئی گناہ نہیں کرتے ان کا دل سکون اور سچے ایمان سے بھر جائے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4778 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ صحیح دل کی ایک خصوصیت ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔ :یہ واحد دل ہے جسے قیامت کے دن حفاظت ملے گی۔ باب 26 اشعرا، آیات 88 اور 89

جس دن مال اور اولاد کسی کے کام نہ آئے گی۔ لیکن صرف وہی جو اللہ کے پاس سچے دل کے ساتھ’’ "آتا ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، حد کے اندر غصہ مفید ہو سکتا ہے۔ اسے اپنے نفس، ایمان اور مال کو پہنچنے والے نقصان کو دور کرنے کے لیے استعمال کیا جانا چاہیے جو کہ اگر صحیح طریقے سے کیا جائے تو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ کے غضب میں شمار ہوتا ہے۔ یہ حال تھا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو اپنی خواہشات کی خاطر کبھی ناراض نہیں ہوئے۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ناراض ہوا، جس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6050 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت قرآن پاک تھی، جو صحیح مسلم نمبر 1739 میں ایک حدیث میں نصیحت کی گئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اس پر راضی ہو گا جس سے وہ راضی ہو گا اور جس سے ناراض ہو گا اس پر ناراض ہو گا۔

غور طلب ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے غصہ کرنا قابل تعریف ہے لیکن اگر یہ غصہ حد سے بڑھ جائے تو وہ قابلِ ملامت ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے غصے پر قابو رکھنا انتہائی ضروری ہے خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر غصہ میں ہی کیوں نہ ہو۔ سنن ابو داؤد نمبر 4901 میں موجود ایک حدیث ایک ایسے نمازی کو خبردار کرتی ہے جو غصے میں اللہ تعالیٰ کا دعویٰ کرتا ہے

کہ وہ کسی خاص گنہگار کو معاف نہیں کرے گا۔ اس کے نتیجے میں اس نمازی کو جہنم میں بھیج دیا جائے گا جبکہ گناہ گار کو قیامت کے دن معاف کر دیا جائے گا۔

برائی کی ابتداء چار چیزوں سے ہوتی ہے :خواہش پر قابو نہ پانا، خوف، بُری بھوک اور غصہ۔ لہٰذا جو شخص اس حدیث کی نصیحت کو قبول کرے گا اس کے کردار اور زندگی سے ایک چوتھائی برائی دور ہو جائے گی۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، مسلمانوں کے لیے اپنے غصے کو قابو میں رکھنا بہت ضروری ہے، اس لیے یہ ان کے لیے ایسی حرکت یا بات کرنے کا سبب نہ بنے جس سے انہیں دنیا اور آخرت دونوں میں بڑی پشیمانی کا سامنا کرنا پڑے۔

صبر ثواب کی طرف لے جاتا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے خلاف ایک مہم پر نکلے۔ بنو المصطلق۔ ان کی بیوی عائشہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ سفر کے دوران عورتیں ایک چھوٹے سے ڈبے کے اندر بیٹھ جاتیں جسے اونٹ پر رکھ کر باندھ دیا جاتا۔ جب فوج نے کیمپ لگایا تو عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آپ کو راحت پہنچانے کے لیے چلی گئیں اور کیمپ میں واپس آگئیں۔ واپسی پر اس نے دیکھا کہ اس کا ہار غائب ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے قدم پیچھے ہٹائے جب تک اسے اسے نہ مل گیا۔ جب وہ ایک بار پھر کیمپ میں واپس آئی تو اس نے دیکھا کہ وہ اس کے بغیر چلے گئے تھے۔ یہ اس وقت ہوا جب اس کی ٹوکری کو اونٹ پر رکھنے اور باندھنے کے ذمہ داروں نے یہ سمجھا کہ وہ پہلے ہی اندر ہے۔ وہ خالی پڑی جگہ پر رہی یہاں تک کہ ایک صحابی صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا۔ اسے فوج سے پیچھے رہنے اور سفر کرنے والی فوج سے نادانستہ طور پر گرا ہوا سامان اٹھانے کا کام سونپا گیا تھا۔ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا جیسا کہ اس نے اسلام میں عورتوں کا پردہ فرض ہونے سے پہلے انہیں دیکھا تھا۔ اس نے احترام کے ساتھ اسے اپنا اونٹ سواری کے لیے پیش کیا جب وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ جب وہ لشکر کے پاس پہنچے تو لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیمپ میں داخل ہوتے دیکھا۔ منافقین نے اس موقع کو غنیمت جان کر ان کے بارے میں بہتان تراشی کی اور لوگ بہت پریشان ہوئے۔ جب مدینہ میں تہمت کے اثرات شدت اختیار کرگئے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور انہیں نہایت شفقت سے یاد دلایا کہ جو شخص سچے دل سے توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔ جیسے ہی عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ الفاظ سنے تو فوراً رونا بند کر دیا۔ وہ اپنے والدین کا انتظار کرتی رہی کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اپنا دفاع کریں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور احترام کی وجہ سے وہ خاموش رہے۔ اس کے بعد اس نے براہ راست حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ وہ کبھی بھی ایسا کرنے کا اقرار نہیں کرے گی جو اس نے نہیں کیا تھا اور اس کا واحد راستہ یہ تھا کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح صبر کرے۔ اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات پر صبر کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی نشست سے اٹھنے کا موقع ملنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے وہ آیات نازل فرمائیں جن سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بری اور بہت زیادہ عزت ملی اور ان پر سخت تنقید کی۔ جس نے اس کے خلاف بہتان تراشی شروع کی اور اس میں حصہ لیا۔ باب 24 النور، آیات 11-26:

بے شک جو لوگ باطل لے کر آئے ہیں وہ تم میں سے ایک گروہ ہیں۔ اسے اپنے لیے برا مت سمجھو۔’’
بلکہ یہ آپ کے لیے اچھا ہے …وہ]اچھے لوگ [جو کچھ کہتے ہیں اس سے بے گناہ قرار دیا جاتا ہے۔
‘‘ان کے لیے بخشش اور عزت والا رزق ہے۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 220 میں بحث کی گئی ہے۔

مسند احمد نمبر 2803 میں ایک حدیث ہے کہ ناپسندیدہ چیزوں پر صبر کرنا اجر عظیم کا باعث ہے۔
:باب 39 از زمر، آیت 10

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا]یعنی حد[..."

ایمان کے تین پہلوؤں کی تکمیل کے لیے صبر ایک کلیدی عنصر ہے :اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا سامنا کرنا۔ لیکن صبر سے زیادہ اعلیٰ اور زیادہ ثواب کا درجہ قناعت ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب ایک مسلمان گہرا یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے اور اس لیے وہ اس کے انتخاب کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ایک صابر مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ جس چیز نے ان پر اثر ڈالا، مثلاً ایک مشکل، اس سے بچا نہیں جا سکتا تھا خواہ ساری مخلوق ان کی مدد کرے۔ اسی طرح جو کچھ بھی ان سے چھوٹ گیا وہ ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ جو شخص اس حقیقت کو صحیح معنوں میں قبول کر لیتا ہے وہ اس چیز پر فخر اور فخر نہیں کرے گا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مختص کیا ہے۔ اور نہ ہی وہ کسی ایسی چیز پر غمگین ہوں گے جس کو حاصل کرنے میں وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے میں ناکام رہے، اس نے وہ چیز ان کے لیے مختص نہیں کی اور نہ ہی کوئی چیز اس حقیقت کو بدل سکتی ہے۔ باب الحدید، آیات 22-23 57:

"کوئی آفت زمین پر یا تمہارے درمیان نہیں آتی مگر یہ کہ ہم اسے وجود میں لانے سے پہلے ایک رجسٹر میں موجود ہوتے ہیں، بے شک یہ اللہ کے لیے آسان ہے۔ تاکہ تم اس چیز پر مایوس نہ ہو جو تم سے چھوٹ گئی ہے اور جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس پر فخر نہ کرو۔''

اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 79 کی ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ جب کوئی چیز واقع ہو تو مسلمان کو یقین رکھنا چاہیے کہ وہ مقدر تھی اور کوئی چیز اس کا نتیجہ نہیں بدل سکتی تھی۔ اور ایک مسلمان کو یہ خیال کرتے ہوئے پچھتاوا نہیں ہونا چاہیے کہ اگر وہ کسی نہ کسی طرح مختلف طریقے سے برتاؤ کرتے تو وہ نتائج کو روک سکتے تھے کیونکہ یہ رویہ صرف شیطان کو بے صبری اور تقدیر کے بارے میں شکایت کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ایک صابر مسلمان صحیح معنوں میں یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی منتخب کیا ہے وہ ان کے لیے بہترین ہے خواہ وہ اس کے پیچھے موجود حکمت کو نہ دیکھیں۔ صبر کرنے والا اپنے حالات میں تبدیلی کا خواہاں ہوتا ہے اور اس کے لیے دعا بھی کرتا ہے لیکن جو کچھ ہوا اس کی شکایت نہیں کرتا۔ ثابت قدم رہنا ایک مسلمان کو بڑے درجے پر لے جا سکتا ہے یعنی قناعت۔

قناعت کرنے والا حالات میں تبدیلی کی خواہش نہیں رکھتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب ان کی پسند سے بہتر ہے۔ یہ مسلمان صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود حدیث پر پختہ یقین رکھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔ یہ مشورہ دیتا ہے کہ مومن کے لیے ہر حالت بہترین ہے۔ اگر انہیں کوئی

مسئلہ درپیش ہو تو انہیں صبر کا مظاہرہ کرنا چاہئے جس سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر وہ آسانی کے وقت کا تجربہ کرتے ہیں تو انہیں شکر ادا کرنا چاہئے جو برکتوں کا باعث بنتا ہے.

یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو آزماتا ہے جن سے وہ محبت کرتا ہے۔ اگر وہ صبر کا مظاہرہ کریں گے تو انہیں اجر ملے گا لیکن اگر وہ ناراض ہیں تو یہ ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی کمی کا ثبوت ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2396 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

ایک مسلمان کو آسانی اور مشکل دونوں وقتوں میں صبر کرنا چاہیے یا اللہ تعالیٰ کے انتخاب اور فیصلے پر راضی رہنا چاہیے۔ اس سے کسی کی پریشانی میں کمی آئے گی اور اسے دونوں جہانوں میں بہت سی نعمتیں ملیں گی۔ جبکہ، بے صبری صرف اس انعام کو ختم کر دے گی جو وہ حاصل کر سکتے تھے۔ کسی بھی صورت میں ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ صورت حال سے گزرے گا، لیکن یہ ان کا اختیار ہے کہ وہ اجر چاہتے ہیں یا نہیں۔

ایک مسلمان اس وقت تک مکمل قناعت کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ مشکل اور آسانی کے وقت اس کا رویہ برابر نہ ہو۔ ایک سچا بندہ فیصلہ کے لیے مالک یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس کیسے جا سکتا ہے اور پھر ناخوش کیسے ہو سکتا ہے جب انتخاب ان کی خواہش کے مطابق نہ ہو۔ اس بات کا ایک حقیقی امکان ہے کہ اگر کسی شخص کو وہ حاصل ہو جائے جس کی وہ خواہش کرتا ہے تو وہ اسے تباہ کر دے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ایک مسلمان کو کنارے پر اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرنی چاہیے۔ یعنی جب حکم الٰہی ان کی خواہشات کے مطابق ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ اور جب ایسا نہیں ہوتا تو وہ غضب ناک ہو جاتے ہیں گویا وہ اللہ تعالیٰ سے بہتر جانتے ہیں۔ باب 22 الحج، آیت 11:

"اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو جاتی ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔''

ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی پسند کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا چاہیے جیسا کہ وہ کسی قابل اعتماد ڈاکٹر کے ساتھ برتاؤ کرتا ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان ڈاکٹر کی تجویز کردہ کڑوی دوا لینے کی شکایت نہیں کرے گا یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے اسے یہ جانتے ہوئے کہ دنیا میں ان کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اسے قبول کرنا چاہیے۔ درحقیقت ایک سمجھدار شخص کڑوی دوا کے لیے ڈاکٹر کا شکریہ ادا کرے گا اور اسی طرح ایک ذہین مسلمان کسی بھی صورت حال کا سامنا کرنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا۔

اس کے علاوہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کی بہت سی آیات اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کا جائزہ لیں، جن میں صبر کرنے والے اور مطمئن مسلمان کو دیے جانے والے اجر کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اس پر گہرا غور و فکر ایک مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے ثابت قدم رہنے کی ترغیب دے گا۔ مثال کے طور پر، باب 39 از زمر، آیت 10:

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا]یعنی حد[..."

ایک اور مثال جامع ترمذی نمبر 2402 میں موجود حدیث میں مذکور ہے۔ اس میں یہ نصیحت ہے کہ جب صبر کے ساتھ دنیا میں آزمائشوں اور مشکلات کا سامنا کرنے والوں کو ان کا اجر ملے گا جن لوگوں نے ایسی آزمائشوں کا سامنا نہیں کیا وہ کاش صبر کے ساتھ ایسی مشکلات کا مقابلہ کرتے۔ جیسا کہ ان کی جلد قینچی سے کاٹ دی جاتی ہے۔

صبر اور قناعت حاصل کرنے کے لیے جس چیز کو اللہ تعالیٰ کسی شخص کے لیے چنتا ہے وہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں پائے جانے والے علم کی تلاش اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔ وہ ایمان کی بلندی تک پہنچ جاتے ہیں۔ صحیح مسلم نمبر 99 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ ایمان کی فضیلت اس وقت ہوتی ہے جب ایک مسلمان عمل کرتا ہے جیسے کہ نماز، گویا وہ اللہ تعالیٰ کی گواہی دے سکتا ہے۔ جو اس درجے پر پہنچ جائے گا وہ مشکلات اور آزمائشوں کا درد محسوس نہیں کرے گا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت میں پوری طرح غرق ہو جائے گا۔ یہ ان عورتوں کا حال ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹتے وقت درد محسوس نہیں کرتی تھیں۔ باب 12 یوسف، آیت 31:

اور ان میں سے ہر ایک کو چھری دی اور کہا، "ان کے سامنے نکل آ۔ "اور جب انہوں نے اسے ..." دیکھا تو اس کی بہت تعریف کی اور اپنے ہاتھ کاٹ کر کہنے لگے کہ اللہ کامل ہے یہ کوئی آدمی نہیں ہے، یہ کوئی اور نہیں بلکہ ایک بزرگ فرشتہ ہے۔

اگر کوئی مسلمان ایمان کے اس اعلیٰ درجے تک نہیں پہنچ سکتا تو اسے کم از کم اس نچلی سطح تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے جس کا ذکر پہلے حدیث میں ہے۔ یہ وہ درجہ ہے جہاں انسان کو مسلسل معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیکھے جا رہے ہیں۔ اسی طرح ایک شخص کسی مستند شخصیت کے سامنے شکایت نہیں کرے گا جس سے وہ ڈرتا ہے، جیسے کہ آجر، ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ کی موجودگی سے مسلسل آگاہ ہے، اس کے انتخاب کے بارے میں شکایت نہیں کرے گا۔

چیزوں کو جانے دو

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے خلاف ایک مہم پر نکلے۔ بنو المصطلق۔ ان کی بیوی عائشہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ سفر کے دوران عورتیں ایک چھوٹے سے ڈبے کے اندر بیٹھ جاتیں جسے اونٹ پر رکھ کر باندھ دیا جاتا۔ جب فوج نے کیمپ لگایا تو عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آپ کو راحت پہنچانے کے لیے چلی گئیں اور کیمپ میں واپس آگئیں۔ واپسی پر اس نے دیکھا کہ اس کا ہار غائب ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے قدم پیچھے ہٹائے جب تک اسے اسے نہ مل گیا۔ جب وہ ایک بار پھر کیمپ میں واپس آئی تو اس نے دیکھا کہ وہ اس کے بغیر چلے گئے تھے۔ یہ اس وقت ہوا جب اس کی ٹوکری کو اونٹ پر رکھنے اور باندھنے کے ذمہ داروں نے یہ سمجھا کہ وہ پہلے ہی اندر ہے۔ وہ خالی پڑی جگہ پر رہی یہاں تک کہ ایک صحابی صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا۔ اسے فوج سے پیچھے رہنے اور سفر کرنے والی فوج سے نادانستہ طور پر گرا ہوا سامان اٹھانے کا کام سونپا گیا تھا۔ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا جیسا کہ اس نے اسلام میں عورتوں کا پردہ فرض ہونے سے پہلے انہیں دیکھا تھا۔ اس نے احترام کے ساتھ اسے اپنا اونٹ سواری کے لیے پیش کیا جب وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ جب وہ لشکر کے پاس پہنچے تو لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیمپ میں داخل ہوتے دیکھا۔ منافقین نے اس موقع کو غنیمت جان کر ان کے بارے میں بہتان تراشی کی اور لوگ بہت پریشان ہوئے۔ اللہ کے بعد، عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بہتان سے بری الذمہ قرار دیا گیا، ان کے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ اب وہ اپنے رشتہ دار کی مالی مدد نہیں کریں گے جس نے اس بہتان کو پھیلانے میں حصہ لیا تھا۔ .اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد باب 24 النور، آیت 22 نازل کی، جس میں اسے اور تمام مسلمانوں کو دوسروں کی غلطیوں کو معاف کرنے اور نظر انداز کرنے کی ترغیب دی گئی:

" اور تم میں سے نیک اور مال والے قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کی مدد نہیں کریں گے اور وہ معاف کریں اور درگزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا اعلان واپس لے لیا اور اپنے رشتہ دار کی مدد کرتے رہے۔ جامع ترمذی نمبر 3180 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

تمام مسلمانوں کو امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ غلطیوں اور گناہوں کو ایک طرف رکھے گا، نظر انداز کرے گا اور معاف کر دے گا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہی مسلمانوں میں سے اکثر جو اس کی امید اور دعا کرتے ہیں وہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے۔ مطلب، وہ اکثر دوسروں کی ماضی کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں اور انہیں اپنے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ ان غلطیوں کی طرف اشارہ نہیں ہے جن کا اثر حال یا مستقبل پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ڈرائیور کی وجہ سے ہونے والا کار حادثہ جو کسی دوسرے شخص کو جسمانی طور پر معذور کر دیتا ہے، ایک غلطی ہے جو حال اور مستقبل میں شکار کو متاثر کرے گی۔ اس قسم کی غلطی کو چھوڑنا اور نظر انداز کرنا سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن بہت سے مسلمان اکثر دوسروں کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں جو کسی بھی طرح سے مستقبل کو متاثر نہیں کرتی ہیں، جیسے کہ زبانی توہین۔ اگرچہ غلطی ختم ہو چکی ہے لیکن یہ لوگ موقع ملنے پر اسے زندہ کرنے اور دوسروں کے خلاف استعمال کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی افسوسناک ذہنیت ہے جیسا کہ کسی کو سمجھنا چاہئے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ کم از کم ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے اپنی ماضی کی غلطیوں سے درگزر کرنے کی امید رکھتا ہے اسے دوسروں کی ماضی کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ جو لوگ اس طرح برتاؤ کرنے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کے زیادہ تر تعلقات ٹوٹ چکے ہیں کیونکہ کوئی بھی رشتہ مکمل نہیں ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اختلاف کا شکار رہیں گے جو ہر رشتے میں غلطی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ تنہا ہو جائے گا کیونکہ ان کی بری ذہنیت انہیں دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ تنہا رہنے سے نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسا رویہ اپناتے ہیں جو دوسروں کو ان سے دور کرتا ہے۔ یہ منطق اور عقل کی نفی کرتا ہے۔ تمام لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہتے ہوئے اور ان کے انتقال کے بعد ان سے محبت اور احترام کیا جائے لیکن یہ رویہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں تو لوگ ان سے تنگ آ جاتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو لوگ انہیں سچے پیار اور محبت سے یاد نہیں کرتے۔ اگر وہ انہیں یاد کرتے ہیں تو یہ محض رواج سے باہر ہے۔

ماضی کو جانے دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں کے ساتھ حد سے زیادہ اچھا سلوک کرنے کی ضرورت ہے لیکن اسلام کی تعلیمات کے مطابق سب سے کم احترام کرنا ہے۔ اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا اور اس کے لیے تھوڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ درگزر کرنا

سیکھے اور لوگوں کی ماضی کی غلطیوں کو جانے دیا جائے تو شاید اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی پچھلی غلطیوں کو درگزر فرمائے گا۔

دوسروں کے لیے احساس

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چھٹے سال آپ نے ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کیا۔ اس فوج کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ ان کا رزق ختم ہو گیا تھا۔ اس کے نتیجے میں ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے لشکر کا کھانا اکٹھا کیا اور سپاہیوں میں برابر تقسیم کر دیا جو کہ ایک وقت میں روزانہ ایک ایک کھجور تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی پرورش کے لیے پودوں کے پتے کھانے پر مجبور تھے۔ قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے فوج کو کھانا کھلانے کے لیے اپنے اونٹ ذبح کرنے شروع کر دیے۔ آخر کار فوج کو ایک وہیل ملی جو ساحلی پٹی پر دھل گئی تھی۔ انہوں نے ایک ماہ تک اس میں سے کھایا اور اپنا مشن ختم کرنے کے بعد وہ مدینہ واپس آئے، جہاں انہوں نے وہیل کا کچھ گوشت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بانٹا۔ اس کا تذکرہ امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1452-1454 اور سنن نسائی، نمبر 4357 میں موجود ایک حدیث میں کیا گیا ہے۔

یہ واقعہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ فوجیوں میں سے ہر ایک کو ایک دوسرے کا کتنا خیال تھا۔

صحیح مسلم نمبر 6586 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کے کسی حصے میں درد ہو تو باقی جسم اس کے درد میں شریک ہوتا ہے۔

یہ حدیث، بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، اپنی زندگی میں اس قدر خودغرض نہ ہونے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اس طرح برتاؤ کرتی ہے کہ گویا کائنات ان کے اور ان کے مسائل کے گرد گھوم رہی ہے۔ شیطان ایک مسلمان کو اپنی زندگی اور اپنے مسائل پر اس قدر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ بڑی تصویر پر توجہ دینے سے محروم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ بے صبری کا باعث بنتا ہے اور وہ دوسروں سے غافل ہو جاتا ہے اور اپنے وسائل کے مطابق دوسروں

کی مدد کرنے میں اپنا فرض ادا نہیں کرتا۔ ایک مسلمان کو یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے اور دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جہاں تک وہ کر سکتے ہیں۔ یہ مالی مدد سے آگے تک پھیلا ہوا ہے اور اس میں تمام زبانی اور جسمانی مدد شامل ہے جیسے کہ اچھا اور مخلصانہ مشورہ۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ خبروں کا باقاعدگی سے مشاہدہ کریں اور جو پوری دنیا میں مشکل حالات میں ہیں۔ یہ انہیں خودغرض بننے سے بچنے اور دوسروں کی مدد کرنے کی ترغیب دے گا۔ درحقیقت جس کو صرف اپنی فکر ہوتی ہے وہ جانور سے بھی کم تر ہے جیسا کہ وہ اپنی اولاد کا خیال رکھتا ہے۔ درحقیقت ایک مسلمان کو عملاً اپنے خاندان سے بڑھ کر دوسروں کا خیال رکھتے ہوئے جانوروں سے بہتر ہونا چاہیے۔

اگرچہ ایک مسلمان دنیا کے تمام مسائل کو دور نہیں کر سکتا لیکن وہ اپنا کردار ادا کر سکتا ہے اور اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور توقع یہی ہے۔

معاہدہ حدیبیہ

حقیقی زیارت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ ان کا فیصلہ اس خواب کی بنیاد پر تھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عمرہ کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 223 میں بحث ہوئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 2731-2732 میں موجود احادیث میں درج ہے۔

صحیح بخاری نمبر 1773 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ قبول شدہ حج کا ثواب جنت کے سوا کچھ نہیں۔

حج اور عمرہ کا اصل مقصد مسلمانوں کو آخرت کے آخری سفر کے لیے تیار کرنا ہے۔ جس طرح ایک مسلمان اپنے گھر، کاروبار، دولت، خاندان، دوست احباب اور سماجی حیثیت کو حج مقدس کرنے کے لیے چھوڑتا ہے، یہ اس کی موت کے وقت اس وقت ہو گا جب وہ آخرت کی طرف آخری سفر پر نکلے گا۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 2379 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ کسی شخص کا اہل و عیال ان کی قبر پر چھوڑ دیتے ہیں اور ان کے ساتھ صرف اس کے اچھے اور برے اعمال ہی ہوتے ہیں۔

جب کوئی مسلمان اپنے حج کے دوران اس بات کو ذہن میں رکھے گا تو وہ اس فرض کے تمام پہلوؤں کو صحیح طریقے سے ادا کرے گا۔ یہ مسلمان ایک بدلے ہوئے شخص کے گھر واپس آئے گا کیونکہ وہ اس مادی دنیا کے اضافی پہلوؤں کو جمع کرنے کے بجائے آخرت کے اپنے آخری سفر کی تیاری کو ترجیح دے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں جدو جہد کریں گے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کریں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کریں گے، جس میں ان کی تکمیل کے لیے اس دنیا سے لے جانا بھی شامل ہے۔ ضرورتیں اور ان کے زیر کفالت افراد کی ضرورتیں بغیر فضول خرچی یا اسراف کے۔

مسلمانوں کو حج کو تعطیل اور خریداری کی جگہ نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ یہ رویہ اس کے مقصد کو ختم کر دیتا ہے۔ یہ مسلمانوں کو ان کے آخرت کے آخری سفر کی یاد دلاتا ہے جس کی واپسی اور کوئی دوسرا موقع نہیں ہے۔ صرف اسی سے انسان کو حج کی صحیح تکمیل اور آخرت کے لیے مناسب تیاری کرنے کی ترغیب ملے گی۔

خیر میں رکاوٹ ڈالنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 3، صفحہ 223-224 میں بحث ہوئی ہے اور صحیح بخاری، نمبر 2731-2732 میں موجود احادیث میں درج ہے۔

صالح پیشروؤں کے گزرنے کے بعد سے مسلم قوم کی طاقت ڈرامائی طور پر کمزور ہوئی ہے۔ یہ منطقی بات ہے کہ جتنے زیادہ لوگوں کی تعداد ایک گروہ میں ہوگی اتنا ہی وہ گروہ مضبوط ہوگا لیکن مسلمانوں نے کسی نہ کسی طرح اس منطق کی نفی کی ہے۔ مسلمانوں کی تعداد بڑھنے کے ساتھ ہی ،مسلم قوم کی طاقت میں کمی آئی ہے۔ اس کے پیش آنے کی ایک اہم وجہ قرآن کریم کی سورہ 5 المائدہ :آیت 2 سے مربوط ہے

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔ ’’

اللہ تعالیٰ واضح طور پر مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ کسی بھی اچھے معاملے میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور کسی برے معاملے میں ایک دوسرے کا ساتھ نہ دیں۔ اس پر نیک پیشواؤں نے عمل کیا لیکن بہت سے مسلمان ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہے ہیں۔ بہت سے مسلمان اب اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں اس کا مشاہدہ کرنے کے بجائے کون عمل کر رہا ہے۔ اگر وہ شخص ان سے جڑا ہوا ہے، مثال کے طور پر، کوئی رشتہ دار، تو وہ ان کا ساتھ دیتے ہیں چاہے بات اچھی نہ ہو۔ اسی طرح اگر اس شخص کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے تو وہ ان کی حمایت سے منہ موڑ لیتے ہیں خواہ بات اچھی ہو۔ یہ رویہ صالح پیشواؤں کی روایات کے بالکل خلاف ہے۔ وہ

بھلائی میں دوسروں کی حمایت کریں گے قطع نظر اس کے کہ کون کر رہا ہے۔ درحقیقت وہ قرآن کریم کی اس آیت پر عمل کرتے ہوئے اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ وہ ان کی حمایت بھی کریں گے جب تک کہ یہ اچھی بات نہ ہو۔

اس سے جڑی دوسری چیز یہ ہے کہ بہت سے مسلمان ایک دوسرے کی اچھی مدد کرنے میں ناکام رہتے ہیں کیونکہ انہیں یقین ہے کہ جس شخص کی وہ حمایت کر رہے ہیں وہ ان سے زیادہ اہمیت حاصل کرے گا۔ اس صورتحال نے علماء اور اسلامی تعلیمی اداروں کو بھی متاثر کیا ہے۔ وہ دوسروں کی بھلائی میں مدد نہ کرنے کے لیے لنگڑے بہانے بناتے ہیں کیونکہ ان کا ان کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے اور انہیں ڈر ہے کہ ان کا اپنا ادارہ بھلا دیا جائے گا اور وہ جن کی مدد کریں گے وہ معاشرے میں مزید عزت حاصل کریں گے۔ لیکن یہ سراسر غلط ہے کیونکہ حقیقت کا مشاہدہ کرنے کے لیے صرف تاریخ کے اوراق پلٹنے پڑتے ہیں۔ جب تک کسی کی نیت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہو، دوسروں کی بھلائی میں مدد کرنے سے معاشرے میں اس کی عزت بڑھے گی۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف متوجہ کرے گا خواہ ان کا تعاون کسی اور ادارے، ادارے یا شخص کے لیے ہو۔ مثال کے طور پر جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آسانی سے خلافت کو چیلنج کر سکتے تھے اور ان کے حق میں کافی حمایت حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسلام کے پہلے خلیفہ کے طور پر نامزد کرنا صحیح ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اس بات کی فکر نہیں تھی کہ اگر وہ کسی دوسرے شخص کا ساتھ دیں تو معاشرہ اسے بھول جائے گا۔ اس کے بجائے اس نے پہلے بیان کی گئی آیت میں حکم کی تعمیل کی اور جو صحیح تھا اس کی تائید کی۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 3667 اور 3668 میں موجود احادیث سے ہوتی ہے۔ اس عمل سے معاشرے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی عزت و تکریم میں اضافہ ہی ہوا۔ یہ بات ان لوگوں پر واضح ہے جو اسلامی تاریخ سے واقف ہیں۔

مسلمانوں کو اس پر گہرائی سے غور کرنا چاہیے، اپنی ذہنیت کو بدلنا چاہیے اور دوسروں کی بھلائی میں مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، قطع نظر اس کے کہ یہ کام کون کر رہا ہے اور اس خوف سے پیچھے نہیں ہٹیں گے کہ ان کی حمایت انہیں معاشرے میں بھلا دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا۔ درحقیقت ان کی عزت و تکریم دونوں جہانوں میں ہی بڑھے گی۔

غیر جانبدار رہنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ اس کے بعد اس نے تبصرہ کیا کہ مکہ کے غیر مسلم جنگ سے متاثر ہیں اور اگر وہ اسے تنہا چھوڑ دیں تو انہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اگر دوسرے غیر مسلم اسے قتل کر دیں تو مکہ کے غیر مسلموں کو وہ حاصل ہو جائے گا جو وہ چاہتے تھے اور اگر اسے فتح مل گئی تو غیر مسلم بھی اسلام میں داخل ہو سکتے ہیں اور کامیابی میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 223-224 میں بحث کی گئی ہے، یہ صحیح بخاری نمبر 2731-2732 میں موجود احادیث میں درج ہے اور امام محمد السلبی رحمۃ اللہ علیہ کی نوبل لائف آف دی میں درج ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 1492-

عام طور پر، یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اگر کوئی کسی کی بھلائی میں مدد نہیں کر سکتا تو کم از کم وہ اس میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔

مسلمان اکثر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ چونکہ وہ اپنی دنیاوی سرگرمیوں میں بہت مصروف ہیں، انہیں رضاکارانہ نیک اعمال کرنے میں مشکل پیش آتی ہے، خاص طور پر وہ کام جو لوگوں سے متعلق ہیں، جیسے کسی کی جسمانی مدد کرنا۔ اگرچہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ رضاکارانہ عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جس سے ان کو دونوں جہانوں میں فائدہ پہنچے گا جبکہ ان کی دنیاوی سرگرمیاں انہیں اس دنیا میں ہی فائدہ پہنچائیں گی، کم از کم ان مسلمانوں کو غیر جانبدارانہ ذہنیت اختیار کرنی چاہئے۔ دوسرے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان دوسروں کی مدد نہیں کرسکتا تو اسے ان کے حلال اور اچھے کاموں میں رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہیے۔ اگر وہ دوسروں کو خوش نہیں کر سکتے تو انہیں غمگین نہ کریں۔ اگر وہ دوسروں کو نہیں ہنسا سکتے تو انہیں رونا نہیں چاہیے۔ اس کا اطلاق بے شمار منظرناموں پر کیا جا سکتا ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ بہت سے مسلمان دوسروں کے

ساتھ بھلائی کر سکتے ہیں، جیسے کہ انہیں جذباتی مدد فراہم کرتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ لوگوں کی طرف منفی رویہ اختیار کر کے اپنے اچھے اعمال کو تباہ کر دیتے ہیں۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اگر کوئی مسلمان دوسروں کے بارے میں حد سے زیادہ منفی رویہ اختیار کرتا ہے تو یہ اسے قیامت کے دن جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ غیر جانبدارانہ ذہنیت کا ہونا دراصل ایک نیک عمل ہے جب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا جائے۔ صحیح مسلم نمبر 250 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا بہتر ہے جو کہ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث کے مطابق ایک سچے مومن کی علامت ہے۔ غیر جانبدار طریقہ .جیسا کہ دوسروں کے ساتھ منفی سلوک کرنا کسی کی تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔

آگے کو دبانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ چونکہ وہ مکہ کے غیر مسلموں سے جنگ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے اس لیے وہ مکہ کی طرف بڑھیں اور اگر انہیں اس میں داخل ہونے سے روکا گیا تو وہ اپنے دفاع میں لڑیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ صحیح بخاری، نمبر 2731-2732 میں موجود احادیث میں اور امام محمد السلبی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 125-126 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ جب بھی انہیں کسی مشکل کا سامنا ہو تو انہیں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر ثابت قدم رہنا چاہیے، اس یقین کے ساتھ کہ وہ ان کے لیے اس سے نکلنے کا راستہ فراہم کرے گا چاہے اس وقت یہ ناممکن ہی کیوں نہ ہو۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

‘‘اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔’’

ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے چاہے مشکل کے پیچھے حکمتیں ظاہر نہ ہوں۔ یہ ایک شخص کا ردعمل ہے جو یا تو برکت کا باعث بنتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے غضب کا۔ کسی کو صرف اپنی زندگی میں ان بے شمار مثالوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے جہاں وہ سمجھتے تھے کہ کچھ برا تھا صرف بعد میں اپنا خیال بدلنے کے لیے اور

اس کے برعکس۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جب کوئی شخص ڈاکٹر کی تجویز کردہ کڑوی دوا لیتا ہے۔ دوا کڑوی ہونے کے باوجود وہ اس یقین سے کھاتے ہیں کہ اس سے ان کو فائدہ ہوگا۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک مسلمان ایسے ڈاکٹر پر کیسے بھروسہ کر سکتا ہے جس کا علم محدود ہے اور جسے قطعی طور پر یقین نہیں ہے کہ کڑوی دوا انہیں فائدہ دے گی اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے میں ناکام رہے گا، جس کا علم لامحدود ہے اور جب وہ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین فیصلہ کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو خواہش مند سوچ اور اللہ تعالیٰ پر توکل کے درمیان فرق کو سمجھنا چاہیے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتا اور پھر اس سے مشکلات میں ان کی مدد کی امید رکھتا ہے وہ ایک خواہش مند مفکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے والا وہ ہے جس کی طرف اس عظیم واقعہ میں اشارہ کیا گیا ہے، وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خلوص نیت سے کوشش کرے، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ صبر کرتا ہے اور پھر اس کے فیصلے پر بھروسہ کرتا ہے بغیر شکایت کیے یا اس کے انتخاب پر سوال کیے بغیر۔

نماز کی اہمیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ اس سفر کے دوران مسلمانوں نے نماز پڑھی جبکہ غیر مسلم فوج نے انہیں دور سے دیکھا۔ نماز ختم ہونے کے بعد غیر مسلموں نے ایک دوسرے کو تنقید کا نشانہ بنایا کہ انہوں نے نماز پڑھتے ہوئے مسلمانوں پر حملہ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد باب 4 النساء آیت نازل کی جس میں خوف کی نماز پر بحث کی گئی ہے۔ 102

اور جب آپ ان کے درمیان ہوں اور ان کی نماز پڑھائیں تو ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا" ہو اور وہ اپنے ہتھیار اٹھائے ہوں۔ اور جب وہ سجدہ کر لیں تو وہ آپ کے پیچھے ہوں اور دوسرے گروہ کو آگے آنے دیں جنہوں نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی اور وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں، احتیاط کرتے ہوئے اور ہتھیار اٹھائے ہوئے ہیں۔ کافر چاہتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے غافل رہو تاکہ وہ ایک ہی حملے میں تم پر اتر آئیں۔ لیکن اگر آپ بارش سے پریشان ہیں یا بیمار ہیں تو بازو نیچے کرنے میں آپ پر کوئی حرج نہیں لیکن احتیاط برتیں۔ بے شک اللہ نے کافروں کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 4:102، صفحہ 62 میں بحث کی گئی ہے۔

یاد رہے کہ ایسی خطرناک حالت میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرض نماز کو منسوخ نہیں کیا، صرف اس میں ترمیم کی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2618 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ فرض نمازوں کو چھوڑنا ایمان اور کفر میں فرق ہے۔

اس دن اور عمر میں یہ بہت عام ہو گیا ہے۔ بہت سے لوگ معمولی وجوہات کی بنا پر اپنی فرض نمازیں ترک کر دیتے ہیں جو کہ بلاشبہ رد ہیں۔ اگر جنگ کرنے والے پر نماز کی فرضیت ختم نہیں ہوئی تو کسی اور سے کیسے ہٹائی جائے گی؟ باب 4 النساء، آیت 102:

"اور جب آپ ان کے درمیان ہوں اور ان کی نماز پڑھائیں تو ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو اور وہ اپنے ہتھیار اٹھائے ہوں۔ اور جب وہ سجدہ کر لیں تو وہ آپ کے پیچھے ہوں اور دوسرے گروہ کو آگے آنے دیں جنہوں نے [ابھی تک] نماز نہیں پڑھی ہے اور وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں، احتیاط کرتے ہوئے اور اپنے ہتھیار اٹھائے ہوئے..."

نہ مسافر اور نہ بیمار اپنی فرض نمازوں سے مستثنیٰ ہیں۔ مسافر کو بعض فرض نمازوں میں چکروں کی مقدار کو کم کرنے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ ان پر بوجھ کم ہو جائے لیکن وہ ان کی ادائیگی سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ باب 4 النساء، آیت 101:

‘‘...اور جب تم پورے ملک میں سفر کرتے ہو تو تم پر نماز قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں’’

بیماروں کو خشک وضو کرنے کی تلقین کی گئی ہے اگر پانی سے رابطہ انہیں نقصان پہنچاتا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 6:

’’لیکن اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے رابطہ کیا ہو اور پانی نہ ملے تو صاف زمین تلاش کرو اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔‘‘

اس کے علاوہ بیمار فرض نماز اس طریقے سے ادا کرسکتے ہیں جو ان کے لیے آسان ہو۔ یعنی اگر کھڑے نہیں ہو سکتے تو بیٹھ سکتے ہیں اور اگر بیٹھ نہیں سکتے تو لیٹ کر فرض نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 372 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن پھر یہ کہ بیمار کو مکمل رعایت نہیں دی جاتی جب تک کہ کوئی ذہنی مریض نہ ہو جو اسے نماز کی فرضیت کو سمجھنے سے روکتا ہو۔

دوسرا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ بعض مسلمان اپنی فرض نمازوں میں تاخیر کرتے ہیں اور صحیح اوقات سے زیادہ پڑھتے ہیں۔ یہ قرآن کریم سے واضح طور پر متصادم ہے کیونکہ مومنین کو اپنی فرض نمازیں وقت پر ادا کرنے والے کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ باب 4 النساء، آیت 103:

’’بے شک نماز مومنوں پر مقررہ اوقات کے لیے فرض کی گئی ہے۔‘‘

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن کریم کی درج ذیل آیت سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی فرض نمازوں میں بلا ضرورت تاخیر کرتے ہیں۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 10، صفحہ 603-604 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ باب 107 المعون، آیات 4-5:

‘‘پس خرابی ہے نمازیوں کے لیے۔]لیکن [جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔"

یہاں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جنہوں نے اس بری صفت کو اختیار کیا ہے۔ اگر کوئی اللہ کی رحمت سے دور ہو جائے تو اس دنیا یا آخرت میں کامیابی کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 512 میں موجود ایک حدیث میں فرمایا کہ فرض نماز میں بلا ضرورت تاخیر کرنا نفاق کی علامت ہے۔ قرآن کریم نے واضح کیا ہے کہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی ایک بڑی وجہ فرض نمازوں کو قائم نہ کرنا ہے۔ باب 74 المدثر، آیات 42-43:

]اور ان سے پوچھتے ہوئے[، "آپ کو سقر میں کس چیز نے ڈالا؟ "وہ کہیں گے کہ ہم نماز پڑھنے" والوں میں سے نہیں تھے۔

فرض نمازوں کا ترک کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2621 میں موجود حدیث میں اعلان فرمایا کہ جس نے یہ گناہ کیا اس نے اسلام سے کفر کیا۔

اس کے علاوہ کوئی اور نیک عمل کسی مسلمان کو اس وقت تک فائدہ نہیں دے گا جب تک کہ اس کی فرض نمازیں قائم نہ ہوں۔ صحیح بخاری نمبر 553 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر عصر کی فرض نماز چھوٹ جائے تو اس کے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اگر ایک فرض نماز کے ترک کرنے کا یہ حال ہے تو کیا ان سب کو چھوڑنے کی سزا کا تصور کیا جا سکتا ہے؟

صحیح مسلم کی حدیث نمبر 252 میں فرض نمازوں کو ان کے صحیح اوقات میں پڑھنے کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین اعمال میں سے ایک ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ فرض نمازوں کو اپنے وقت سے زیادہ مؤخر کرنا یا ان کو مکمل طور پر غائب کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ کام ہے۔

تمام بزرگوں کے لیے یہ ایک اہم فریضہ ہے کہ وہ اپنے زیر کفالت بچوں کو چھوٹی عمر سے ہی فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دیں تاکہ وہ ان پر شرعی طور پر پابند ہونے سے پہلے ہی اسے قائم کر لیں۔ وہ بالغ جو اس میں تاخیر کرتے ہیں اور بچوں کے بڑے ہونے تک انتظار کرتے ہیں اس انتہائی اہم فریضے میں ناکام رہے ہیں۔ جن بچوں کو صرف فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دی گئی تھی جب یہ ان پر فرض ہو گئی تھی، وہ بہت کم ہی انہیں جلدی قائم کرتے تھے۔ زیادہ تر معاملات میں اس اہم فرض کو صحیح طریقے سے نبھانے میں انہیں برسوں لگ جاتے ہیں۔ اور قصور خاندان کے بزرگوں پر، خاص طور پر والدین پر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 495 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت کی ہے کہ خاندان سب سے زیادہ اپنے بچوں کو جب سات سال کے ہو جائیں تو فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

ایک اور بڑا مسئلہ جس کا بہت سے مسلمانوں کو سامنا ہے وہ یہ ہے کہ وہ فرض نماز تو ادا کر سکتے ہیں لیکن صحیح طریقے سے ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر، بہت سے لوگ نماز کے مراحل کو صحیح طریقے سے مکمل نہیں کر پاتے اور اس کے بجائے اس میں جلدی کرتے ہیں۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 757 میں موجود ایک حدیث واضح طور پر تنبیہ کرتی ہے کہ اس طرح کی نماز پڑھنے والے نے بالکل نماز نہیں پڑھی۔ یعنی ان کا ذکر اس شخص کے طور پر نہیں ہے جس نے اپنی نماز پڑھی اور اس وجہ سے ان کی ذمہ داری پوری نہیں ہوئی۔ جامع ترمذی نمبر 265 میں

موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص نماز کے ہر مقام پر قائم نہیں رہتا اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں رکوع اور سجدہ نہ کرنے والے کو بدترین چور قرار دیا۔ موطا مالک، کتاب نمبر 9، حدیث نمبر 75 میں پائی جانے والی ایک حدیث میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے۔ بدقسمتی سے بہت سے مسلمان جنہوں نے کئی دہائیوں سے فرض اور اس جیسی بہت سی نفلی نمازیں ادا کی ہیں، ان میں سے کسی نے بھی گنتی نہیں کی ہے اور اس طرح ان کا شمار کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہے جس نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 1313 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

قرآن پاک عام طور پر مسجد میں جماعت کے ساتھ فرض نماز ادا کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 43:

"اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔"

درحقیقت اس آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی بنا پر بعض معتبر علماء نے اس کو مسلمان مردوں پر واجب قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر سنن ابوداؤد نمبر 550 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو مسلمان اپنی فرض نمازیں مسجد میں باجماعت ادا نہیں کریں گے انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے منافق قرار دیا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مردوں کے گھروں کو جلانے کی دھمکی بھی دی تھی جو بغیر کسی عذر کے باجماعت مسجد میں اپنی فرض نمازیں ادا کرنے میں ناکام رہے تھے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 1482 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ جو مسلمان اس اہم عمل کو انجام دینے کی پوزیشن میں ہوں وہ کریں۔ انہیں یہ دعویٰ کرنے میں خود کو بیوقوف نہیں بنانا چاہئے کہ وہ دوسرے نیک کام انجام دے رہے ہیں جیسے کہ گھر کے کاموں میں اپنے خاندان کی مدد کرنا۔ یوں تو صحیح بخاری

نمبر 676 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے، لیکن ضروری ہے کہ آپ کی روایات کی اہمیت کو اپنی خواہشات کے مطابق ترتیب نہ دیا جائے۔ جو کوئی ایسا کرتا ہے وہ اس کی روایات کی پیروی نہیں کر رہا ہے وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا ہے خواہ وہ نیک عمل ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔ درحقیقت اسی حدیث کا اختتام اس نصیحت سے ہوتا ہے کہ جب فرض نماز کا وقت ہوتا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد کی طرف روانہ ہوتے۔

مشکلات کا سامنا کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بعد اس گروہ کو حکم دیا کہ وہ مکہ کے لیے ایک متبادل راستہ اختیار کرے جو کچا اور انتہائی خطرناک تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 224 میں بحث ہوئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 2731-2732 میں موجود احادیث میں درج ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ادب المفرد نمبر 492 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مسلمان کو کسی بھی قسم کی جسمانی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا، خواہ اس کی جسامت کتنی ہی کیوں نہ ہو، جیسے کہ چوٹ لگنا۔ کوئی کانٹا، یا کوئی جذباتی مشکل، جیسے تناؤ، سوائے اللہ تعالیٰ کے، اس کی وجہ سے ان کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

اس سے مراد چھوٹے گناہ ہیں کیونکہ بڑے گناہوں کے لیے سچی توبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ نتیجہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک مسلمان مشکل کے آغاز سے اپنی زندگی کے آخر تک صبر کرتا ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کیونکہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ابتدائی طور پر شکایت کر سکتے ہیں اور اس کے بعد صبر کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ یہ سچا صبر نہیں ہے بلکہ یہ صرف قبولیت ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ ہوتا ہے۔ سنن نسائی نمبر 1870 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ زندگی بھر صبر کا مظاہرہ کرنا ضروری ہے کیونکہ انسان بے صبری کا مظاہرہ کر کے اپنے اجر کو ختم کر سکتا ہے۔

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ اس کے چھوٹے گناہ ان مشکلات سے مٹ جائیں پھر ان کے پاس رہتے ہوئے قیامت تک پہنچ جائیں۔ ایک مسلمان کو اپنے چھوٹے گناہوں کو مٹانے کے لیے مسلسل توبہ اور عمل صالح کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور اگر ان کو کوئی جسمانی یا جذباتی دشواری پیش آئے تو ان کو صبر کرنا چاہیے کہ ان کے چھوٹے گناہوں کے مٹ جانے اور بے شمار ثواب حاصل کرنے کی امید رکھیں۔ باب 39 از زمر، آیت 10:

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا [یعنی حد]..."

اچھی چیزوں کو قبول کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بعد اس گروہ کو حکم دیا کہ وہ مکہ کے لیے ایک متبادل راستہ اختیار کرے جو کچا اور انتہائی خطرناک تھا۔ بالآخر جب وہ حدیبیہ کے قریب پہنچے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی اور آگے جانے سے انکار کر دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمجھا کہ مکہ کی طرف آگے بڑھنے کے بجائے اس علاقے میں رہنا ہی ان کے لیے بہتر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا اور اعلان کیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنما اس دن آپ سے جو بھی درخواست کریں گے وہ قبول کریں گے بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف نہ ہو۔ .اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 224 میں بحث ہوئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 2731-2732 میں موجود احادیث میں درج ہے۔

بعض دنیوی معاملات میں ہٹ دھرمی اختیار کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے کردار میں بہتری نہیں لاتے۔ اس کے بجائے، وہ اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ یہ کسی نہ کسی طرح ان کی عظیم طاقت اور دانشمندی کی علامت ہے۔ ایمان کے معاملات میں ثابت قدمی ایک قابل تعریف رویہ ہے لیکن اکثر دنیاوی معاملات میں اسے صرف ضد کہا جاتا ہے جو کہ قابل ملامت ہے۔

بدقسمتی سے، کچھ کا خیال ہے کہ اگر وہ اپنا رویہ بدلتے ہیں تو یہ کمزوری کو ظاہر کرتا ہے یا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کر رہے ہیں اور اس وجہ سے وہ ضد کے ساتھ بہتر کے لیے تبدیل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ بالغ لوگ یہ مان کر نادان بچوں کی طرح برتاؤ کرتے ہیں کہ اگر وہ

اپنا رویہ بدل لیتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ہار گئے ہیں جبکہ دوسرے جو اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں وہ جیت گئے ہیں۔ یہ محض بچگانہ ہے۔

درحقیقت ایک ذہین آدمی ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہے گا لیکن دنیاوی معاملات میں جب تک گناہ نہ ہو اپنی زندگی کو آسان بنانے کے لیے اپنا رویہ بدلے گا۔ لہٰذا اپنی زندگی کو سنوارنے کے لیے بدلنا کمزوری کی علامت نہیں بلکہ دراصل ذہانت کی علامت ہے۔

بہت سے معاملات میں، ایک شخص اپنا رویہ تبدیل کرنے سے انکار کرتا ہے اور اپنی زندگی میں دوسروں سے توقع کرتا ہے کہ وہ اپنا رویہ بدلیں، جیسے کہ ان کے رشتہ دار۔ لیکن جو اکثر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ضد کی وجہ سے سب ایک ہی حالت میں رہتے ہیں جس سے باقاعدہ اختلاف اور جھگڑے ہی ہوتے ہیں۔ ایک عقلمند شخص یہ سمجھتا ہے کہ اگر اس کے ارد گرد کے لوگ اس سے بہتر نہیں ہوتے جو ان کی ضرورت سے بہتر ہوتی ہے۔ یہ تبدیلی ان کی زندگی کے معیار اور دوسروں کے ساتھ ان کے تعلقات کو بہتر بنائے گی جو لوگوں کے ساتھ سرکلر بحث کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ یہ مثبت رویہ بالآخر دوسروں کو ان کا احترام کرنے کا سبب بنے گا کیونکہ کسی کے کردار کو بہتر بنانے کے لیے حقیقی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔

جو لوگ ضدی رہتے ہیں وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ ناراض پاتے ہیں جس سے ان کی زندگی سے سکون ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں مزید مشکلات پیدا ہوں گی، جیسے کہ ان کی ذہنی صحت۔ لیکن جو لوگ بہتر کے لیے اپناتے اور بدلتے ہیں وہ ہمیشہ امن کے ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے ہیں۔ اگر کوئی یہ امن حاصل کر لیتا ہے تو کیا اس سے واقعی کوئی فرق پڑتا ہے اگر دوسرے یہ مانتے ہیں کہ وہ صرف اس لیے بدل گئے کہ وہ غلط تھے؟

آخر میں قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ثابت قدم رہنا قابل تعریف ہے۔ لیکن دنیاوی معاملات میں اور ایسے معاملات میں جہاں کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو انسان کو اپنا رویہ بدلنا سیکھنا چاہیے تاکہ وہ اس دنیا میں سکون حاصل کر سکے۔

تقویٰ کے لیے آزمایا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بعد اس گروہ کو حکم دیا کہ وہ مکہ کے لیے ایک متبادل راستہ اختیار کرے جو کچا اور انتہائی خطرناک تھا۔ بالآخر جب وہ حدیبیہ کے قریب پہنچے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی اور آگے جانے سے انکار کر دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمجھا کہ مکہ کی طرف آگے بڑھنے کے بجائے اس علاقے میں رہنا ہی ان کے لیے بہتر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا اور اعلان کیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنما اس دن آپ سے جو بھی درخواست کریں گے وہ قبول کریں گے بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف نہ ہو۔ .اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 224 میں بحث ہوئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 2731-2732 میں موجود احادیث میں درج ہے۔

معاہدہ حدیبیہ پر دستخط ہونے سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین کو چاہئے کہ وہ اپنی شیطانی حرکتوں سے باز آجائیں، اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو بھیج دیا جو ان پر حملہ کرے گا۔ اسلام کی حمایت میں گردنیں اور جن کے دل کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے آزمایا تھا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ وہ کس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں تو انہوں نے علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا۔ اس پر امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب جلد 1، صفحہ 173 میں بحث کی گئی ہے۔

تقویٰ/اللہ سے ڈرنا، اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کیے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل ہو سکے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کیا جا سکے اور رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر سکے۔ السلام علیکم باب 35 فاطر، آیت 28:

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں‘‘۔’’

جامع ترمذی نمبر 2451 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کسی ایسی چیز سے اجتناب نہ کرے جو اس کے دین کے لیے نقصان دہ نہ ہو، اس احتیاط کے ساتھ کہ وہ کسی چیز کی طرف لے جائے۔ جو کہ نقصان دہ ہے .پس تقویٰ کا ایک پہلو یہ ہے کہ ان چیزوں سے بچنا جو مشتبہ ہوں نہ کہ حرام۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشتبہ چیزیں ایک مسلمان کو حرام سے ایک قدم اور قریب لے جاتی ہیں اور جتنا حرام کے قریب ہوتا ہے اس میں پڑنا اتنا ہی آسان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 1205 میں ایک حدیث ہے کہ جو حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچتا ہے وہ اپنے دین اور عزت کی حفاظت کرے گا۔ اگر معاشرے میں گمراہ ہونے والوں کا مشاہدہ کیا جائے تو اکثر صورتوں میں یہ اچانک نہیں بلکہ بتدریج ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حرام میں پڑنے سے پہلے وہ شخص پہلے مشکوک چیزوں میں ملوث ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنی زندگی میں غیر ضروری اور فضول چیزوں سے بچنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے کیونکہ وہ انہیں حرام کی طرف لے جا سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر، فضول اور فضول گفتگو جس کو اسلام نے گناہ کی درجہ بندی نہیں کی ہے، اکثر بد کلامی کا باعث بنتی ہے، جیسے غیبت، جھوٹ اور غیبت۔ اگر کوئی شخص فضول باتوں میں مبتلا نہ ہو کر پہلے قدم سے بچتا ہے تو وہ بلا شبہ بد کلامی سے بچ جائے گا۔ یہ عمل ان تمام چیزوں پر لاگو کیا جا سکتا ہے جو فضول، غیر ضروری اور خاص طور پر مشکوک ہوں۔

ایمان میں متحد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بعد اس گروہ کو حکم دیا کہ وہ مکہ کے لیے ایک متبادل راستہ اختیار کرے جو کچا اور انتہائی خطرناک تھا۔ بالآخر جب وہ حدیبیہ کے قریب پہنچے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی اور آگے جانے سے انکار کر دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمجھا کہ مکہ کی طرف آگے بڑھنے کے بجائے اس علاقے میں رہنا ہی ان کے لیے بہتر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا اور اعلان کیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنما اس دن آپ سے جو بھی درخواست کریں گے وہ قبول کریں گے بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف نہ ہو۔ .مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کرنے کے لیے روانہ کیا تاکہ آپ کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت)عمرہ (کرنا چاہتے ہیں۔ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کی طرف سے بھیجے گئے ان آدمیوں میں سے ،ایک عروہ بن مسعود تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور قبیلہ نسل اور سماجی طبقے کے لحاظ سے ان میں کتنا فرق تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا کہ اگر مکہ کے غیر مسلموں نے ان پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سے راضی ہو جائیں گے۔ ، بھاگ جائیں گے۔ عروہ کا عقیدہ تھا کہ صرف وہی لوگ ہوں گے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں گے اور لڑیں گے، ان کے اپنے قبیلے کے لوگ ہوں گے۔ وہ اور بہت سے دوسرے لوگ اس پر یقین رکھتے تھے کیونکہ قبائلی وابستگی ان کے لیے سب کچھ تھی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 226 میں بحث ہوئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 2731-2732 میں موجود احادیث میں درج ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ منقسم ہو جاتے ہیں اور وہ مضبوط تعلق کھو دیتے ہیں جو کبھی ایک دوسرے کے ساتھ تھا۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں لیکن ایک بڑا سبب وہ بنیاد ہے جس پر ان کے والدین اور رشتہ داروں نے ان کا تعلق قائم کیا تھا۔ یہ عام طور پر جانا جاتا ہے کہ جب عمارت کی

بنیاد کمزور ہوتی ہے تو عمارت یا تو وقت کے ساتھ خراب ہوجاتی ہے یا گر جاتی ہے۔ اسی طرح جب لوگوں کو آپس میں جوڑنے والے بانڈز کی بنیادیں درست نہیں ہوتیں تو ان کے درمیان بندھن بالآخر کمزور یا ٹوٹ جاتا ہے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے درمیان رشتہ جوڑ دیا۔ جبکہ آج زیادہ تر مسلمان قبائلیت، بھائی چارے اور دوسرے خاندانوں کو دکھانے کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرتے ہیں۔ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی اکثریت آپس میں باہم تعلق نہیں رکھتی تھی لیکن چونکہ ان کو جوڑنے والے بندھنوں کی بنیاد صحیح تھی یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے رشتے مضبوط سے مضبوط ہوتے گئے۔ جبکہ آج کل بہت سے مسلمان خون کے رشتے میں ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ الگ ہو گئے ہیں کیونکہ ان کے رشتوں کی بنیاد باطل یعنی قبائلیت اور اسی طرح کی چیزوں پر تھی۔

مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر رشتہ داریوں اور غیر رشتہ داروں کے حقوق کی پاسداری کے اہم فریضے کو ادا کرنے کے لیے اپنے بندھنوں کو قائم رکھنے اور اجر کمانے کی خواہش رکھتے ہیں تو انہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے رشتہ جوڑنا چاہیے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ لوگ صرف ایک دوسرے سے جڑیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اس طریقے سے کام کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو۔ قرآن پاک میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ باب 5 المائدة، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔”

سچا پیار دکھانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کے لیے بھیجا تاکہ ان کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت)عمرہ (کرنا چاہتے ہیں۔ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کی طرف سے بھیجے گئے ان آدمیوں میں سے ایک عروہ بن مسعود تھا۔ عروہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ محبت کا مشاہدہ کیا۔ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے پاس واپس آنے کے بعد اس نے اعلان کیا کہ جب بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو کریں گے تو آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے استعمال کے پانی کے لیے مقابلہ کریں گے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تھوک دیتے تو اسے زمین پر گرنے سے روک دیتے۔ اور وہ اس کے بالوں کا مقابلہ کریں گے اگر وہ اس سے گرے۔ اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس نے فارس کے بادشاہ چسرو، رومی بادشاہ، قیصر اور یہاں تک کہ حبشی بادشاہ نجس کو بھی دیکھا اور دیکھا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عقیدت اور محبت کبھی نہیں دیکھی، اللہ تعالیٰ ان کے لیے تھا۔ رہبر، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 3 صفحہ 226-227 میں بحث ہوئی ہے اور صحیح بخاری، نمبر 2731-2732 میں موجود احادیث میں درج ہے۔

ہر مسلمان کھلے عام اعلان کرتا ہے کہ وہ آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت کا خواہش مند ہے۔ وہ اکثر صحیح بخاری نمبر 3688 میں پائی جانے والی حدیث کا حوالہ دیتے ہیں، جو اس بات کی تلقین کرتی ہے کہ انسان آخرت میں ان کے ساتھ رہے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں سے اپنی محبت کا کھلم کھلا اعلان کرتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ اس نتیجہ کی خواہش کیسے کرتے ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، پھر بھی انہیں بمشکل جانتے ہیں کیونکہ وہ آپ کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ

کرنے میں مصروف ہیں۔ یہ بے وقوفی کی بات ہے کہ کوئی کسی سے سچی محبت کیسے کر سکتا ہے جسے وہ جانتا تک نہیں ہے۔

اس کے علاوہ جب ان لوگوں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا ثبوت پوچھا جائے گا تو قیامت کے دن کیا کہیں گے؟ وہ کیا پیش کریں گے؟ اس اعلان کا ثبوت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ اور ان پر عمل کرنا ہے۔ اس دلیل کے بغیر اعلان اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔ یہ بالکل واضح ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہتر اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا اور ان کا یہ رویہ نہیں تھا۔ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اعلان کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عمل کے ذریعے اپنے دعوے کی تائید کی۔ اس لیے وہ آخرت میں اس کے ساتھ ہوں گے۔

جو لوگ یہ مانتے ہیں کہ محبت دل میں ہے اور اسے عمل سے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ اتنا ہی بے وقوف ہے جتنا وہ طالب علم جو امتحان کا خالی پرچہ اپنے استاد کو دے کر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ علم ان کے دماغ میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر لکھنے کی ضرورت نہیں۔ کاغذ پر نیچے اور پھر بھی پاس ہونے کی توقع ہے۔

ایسا سلوک کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے محبت نہیں کرتا، صرف اپنی خواہشات رکھتا ہے اور بلاشبہ انہیں شیطان نے دھوکا دیا ہے۔

آخر میں یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ناکام رہے وہ یقیناً قیامت کے دن ان کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ اگر کوئی ایک لمحے کے لیے اس حقیقت پر غور کرے تو یہ بالکل واضح ہے۔

لچکدار ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کے لیے بھیجا تاکہ ان کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت)عمرہ (کرنا چاہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر سفیر کے ساتھ ان کی ذہنیت کے مطابق سلوک کیا، اسلام کی تعلیمات پر کوئی سمجھوتہ کیے بغیر، انہیں اس کا ارادہ ظاہر کرنے اور انہیں یہ باور کرانے کے لیے کہ اسلام بالآخر غیر مسلموں پر غالب آئے گا۔ مکہ۔ ان میں سے ہر ایک سفیر مکہ کے غیر مسلموں کو یہ تنبیہ کرتے ہوئے واپس لوٹے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں داخل ہونے سے نہ روکیں اور نہ ہی آپ کو جنگ پر اکسائیں۔ مثال کے طور پر حلیس جو حبشیوں کے سرداروں میں سے تھے، کو مکہ کے غیر مسلموں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ حلیس اس زمانے کے عبادات، خصوصاً حج اور عمرہ کی رسومات کے لیے وقف کرنے والا شخص تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے جانوروں کو حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے نکال دیا گیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا کہ زیارت)عمرہ (کی نیت بلند آواز سے کریں۔ جب حلیس نے یہ دیکھا تو عربوں کی رسومات سے اس کی انتہائی عقیدت نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے سے پہلے ہی مکہ کے غیر مسلموں کے پاس واپس آ گیا اور یہ مطالبہ کیا کہ وہ اسے مکہ میں داخل ہونے دیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 226-227 میں بحث کی گئی ہے، یہ صحیح بخاری نمبر 2731-2732 میں موجود احادیث میں درج ہے اور امام محمد السلبی کی کتاب میں درج ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحات 1507-1508۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے دکھایا گیا یہ موافقت پسندانہ طرز عمل اپنانا بہت ضروری ہے کیونکہ کسی کے رویے میں ضدی ہونا ہی بہت سے تنازعات اور مسائل کو جنم دیتا ہے۔

بعض دنیوی معاملات میں ہٹ دھرمی اختیار کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے کردار میں بہتری نہیں لاتے۔ اس کے بجائے، وہ اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ یہ کسی نہ کسی طرح ان کی عظیم طاقت اور دانشمندی کی علامت ہے۔ ایمان کے معاملات میں ثابت قدمی ایک قابل تعریف رویہ ہے لیکن اکثر دنیاوی معاملات میں اسے صرف ضد کہا جاتا ہے جو کہ قابل ملامت ہے۔

بدقسمتی سے، کچھ کا خیال ہے کہ اگر وہ اپنا رویہ بدلتے ہیں تو یہ کمزوری کو ظاہر کرتا ہے یا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کر رہے ہیں اور اس وجہ سے وہ ضد کے ساتھ بہتر کے لیے تبدیل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ بالغ لوگ یہ مان کر نادان بچوں کی طرح برتاؤ کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنا رویہ بدل لیتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ہار گئے ہیں جبکہ دوسرے جو اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں وہ جیت گئے ہیں۔ یہ محض بچگانہ ہے۔

درحقیقت ایک ذہین آدمی ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہے گا لیکن دنیاوی معاملات میں جب تک گناہ نہ ہو اپنی زندگی کو آسان بنانے کے لیے اپنا رویہ بدلے گا۔ لہٰذا اپنی زندگی کو سنوارنے کے لیے بدلنا کمزوری کی علامت نہیں بلکہ دراصل ذہانت کی علامت ہے۔

بہت سے معاملات میں، ایک شخص اپنا رویہ تبدیل کرنے سے انکار کرتا ہے اور اپنی زندگی میں دوسروں سے توقع کرتا ہے کہ وہ اپنا رویہ بدلیں، جیسے کہ ان کے رشتہ دار۔ لیکن جو اکثر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ضد کی وجہ سے سب ایک ہی حالت میں رہتے ہیں جس سے باقاعدہ اختلاف اور جھگڑے ہی ہوتے ہیں۔ ایک عقلمند شخص یہ سمجھتا ہے کہ اگر اس کے ارد گرد کے لوگ اس سے بہتر نہیں ہوتے جو ان کی ضرورت سے بہتر ہوتی ہے۔ یہ تبدیلی ان کی زندگی کے معیار اور دوسروں کے ساتھ ان کے تعلقات کو بہتر بنائے گی جو لوگوں کے ساتھ سرکلر بحث کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ یہ مثبت رویہ بالآخر دوسروں کو ان کا احترام کرنے کا سبب بنے گا کیونکہ کسی کے کردار کو بہتر بنانے کے لیے حقیقی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔

جو لوگ ضدی رہتے ہیں وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ ناراض پاتے ہیں جس سے ان کی زندگی سے سکون ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں مزید مشکلات پیدا ہوں گی، جیسے کہ ان کی ذہنی صحت۔ لیکن جو لوگ بہتر کے لیے اپناتے اور بدلتے ہیں وہ ہمیشہ امن کے ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے ہیں۔ اگر کوئی یہ امن حاصل کر لیتا ہے تو کیا اس سے واقعی کوئی فرق پڑتا ہے اگر دوسرے یہ مانتے ہیں کہ وہ صرف اس لیے بدل گئے کہ وہ غلط تھے؟

آخر میں قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ثابت قدم رہنا قابل تعریف ہے۔ لیکن دنیاوی معاملات میں اور ایسے معاملات میں جہاں کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو انسان کو اپنا رویہ بدلنا سیکھنا چاہیے تاکہ وہ اس دنیا میں سکون حاصل کر سکے۔

نیک نیتی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کے لیے بھیجا تاکہ ان کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت)عمرہ (کرنا چاہتے ہیں۔ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے 40 سے 50 آدمیوں کو روانہ کیا جنہوں نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو پکڑنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیمپ کا گھیراؤ کیا۔ لیکن اس قوت کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پکڑ لیا اور انہیں قیدی بنا کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا۔ سزا دینے کے بجائے اس نے انہیں معاف کر دیا اور سب کو آزاد کر دیا۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح آیت 24 نازل فرمائی:

"اور وہی ہے جس نے مکہ کے اندر ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک دیا جب کہ اس نے تمہیں ان پر غالب کر دیا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔‘‘

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 227 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات سے بدلہ نہیں لیا بلکہ معاف کر دیا اور نظر انداز کیا۔

مسلمانوں کو مناسب اور معقول طریقے سے اپنا دفاع کرنے کی اجازت دی گئی ہے جب ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا ہے۔ لیکن انہیں کبھی بھی لائن سے اوپر نہیں جانا چاہئے کیونکہ یہ ایک گناہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190:

"اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہیں کرتے۔ بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

چونکہ نشان پر قدم رکھنے سے بچنا مشکل ہے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ صبر و تحمل سے کام لے، دوسروں کو نظر انداز کرے اور معاف کرے کیونکہ یہ نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی لے جاتی ہے۔ ان کے گناہوں کو معاف کرنا .باب 24 النور، آیت 22:

"‘‘اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟..."

دوسروں کو معاف کرنا بھی دوسروں کے کردار کو مثبت انداز میں بدلنے میں زیادہ کارگر ہے جو کہ اسلام کا مقصد ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے کیونکہ بدلہ لینا ہی ملوث افراد کے درمیان مزید دشمنی اور غصے کا باعث بنتا ہے۔

آخر میں وہ لوگ جو دوسروں کو معاف نہ کرنے کی بری عادت رکھتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی ہمیشہ کینہ پرور رہتے ہیں، انہیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ ان کے ہر چھوٹے گناہ کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چیزوں کو جانے دینا سیکھنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں معافی اور ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔

عجلت میں برتاؤ سے گریز کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کے لیے بھیجا تاکہ ان کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت)عمرہ (کرنا چاہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خراش ابن امیہ رضی اللہ عنہ کو مکہ کے غیر مسلموں کے لیے اپنا سفیر بنا کر روانہ کیا تاکہ انہیں اپنے ارادے سے آگاہ کیا جا سکے۔ جب خراش رضی اللہ عنہ مکہ میں داخل ہوئے تو غیر مسلموں نے فوراً اس پر حملہ کر دیا اور اس کی اونٹنی کو مار ڈالا اور اسے قتل کرنے ہی والے تھے کہ مکہ کے غیر مسلموں کے سفیر حلیس نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اور ان کے قبائلیوں نے مداخلت کی۔ خراش رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس آئے، لیکن مؤخر الذکر نے ایک سفیر کو قتل کرنے کی ان کی خیانت کے خلاف عجلت سے کام نہیں لیا، جسے عام طور پر حرام سمجھا جاتا تھا۔ ایک اور سفیر بھیجنا چاہتا تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب حیاتِ نبوی، جلد 3، صفحہ 227 اور امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی کی زندگی، جلد 1، صفحہ 1509-1510 میں بحث کی گئی ہے۔

عجلت میں کام کرنے کے نتیجے میں بہت سے لوگوں کی موت واقع ہو جاتی، جس چیز کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبر کرنے سے گریز کرتے تھے۔

جامع ترمذی نمبر 2012 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ غور و فکر کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جب کہ جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔

یہ ایک انتہائی اہم تعلیم ہے جس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے مسلمان جو بہت زیادہ نیک اعمال انجام دیتے ہیں اکثر انہیں جلد بازی سے تباہ کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر، وہ غصے میں کچھ برے الفاظ کہہ سکتے ہیں جس کی وجہ سے وہ قیامت کے دن جہنم میں جا سکتے ہیں۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 2314 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

زیادہ تر گناہ اور مشکلات، جیسے دلائل، اس لیے پیش آتے ہیں کیونکہ لوگ چیزوں کو سوچنے میں ناکام رہتے ہیں اور اس کے بجائے جلد بازی میں کام کرتے ہیں۔ ذہانت کی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی بولنے یا عمل کرنے سے پہلے سوچتا ہے اور صرف اس وقت آگے آتا ہے جب وہ جانتا ہو کہ اس کی بات یا عمل دنیاوی یا دینی معاملات میں اچھا اور فائدہ مند ہے۔

اگر چہ ایک مسلمان کو اعمال صالحہ میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے، پھر بھی ان کو انجام دینے سے پہلے غوروفکر کرنا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی نیک عمل کا بدلہ محض اس لیے نہیں ملتا کہ اس کی شرائط اور آداب جلد بازی کی وجہ سے پورے نہ ہوئے ہوں۔ اس سلسلے میں، کسی بھی معاملے میں سوچنے کے بعد ہی آگے بڑھنا چاہیے۔

جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ نہ صرف اپنے گناہوں کو کم کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کرے گا بلکہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں پیش آنے والی مشکلات مثلاً جھگڑے اور اختلاف کو کم کر دے گا۔

لیڈروں کے لیے مخلص ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کے لیے بھیجا تاکہ ان کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت)عمرہ (کرنا چاہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو مکہ کے غیر مسلموں کے لیے اپنا سفیر بنا کر روانہ کرنا چاہا تاکہ تصادم سے بچا جا سکے اور اپنے پرامن ارادے کو واضح کر سکیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بھیج دیں، کیونکہ ان کے مسلمان ہونے کے بعد سے ان کے ساتھ بہت سخت رویہ رکھنے کی وجہ سے غیر مسلم ان سے ناراض تھے۔ اس کے علاوہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ کے رئیسوں سے آسانی سے تحفظ حاصل کر لیتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی سفارش قبول فرمائی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 227 میں بحث کی گئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس اہم کردار کو بطور سفیر قبول کر سکتے تھے جس سے ان کی برتری واضح ہوتی۔ لیکن اپنے قائد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وفاداری اور خلوص کی بنا پر اس نے اس کردار کے لیے کسی زیادہ موزوں شخص کی سفارش کی۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام معاشرے کے قائدین کے لیے اخلاص ہے۔ اس میں انہیں بہترین مشورے کی پیشکش کرنا اور ان کے اچھے فیصلوں میں کسی بھی ضروری طریقے سے مدد کرنا شامل ہے، جیسے کہ

مالی یا جسمانی مدد۔ امام مالک کی موطا، کتاب نمبر 56، حدیث نمبر 20 میں موجود ایک حدیث کے مطابق اس فرض کو ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ باب 4 النساء آیت 59:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہیں..."

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاشرے کے سربراہان کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں اگر یہ خالق کی نافرمانی کا باعث بنے۔ اس طرح کے معاملات میں لیڈروں کے خلاف بغاوت کرنے سے گریز کیا جانا چاہیے کیونکہ اس سے صرف معصوم لوگوں کا ہی نقصان ہوتا ہے۔ اس کے بجائے قائدین کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی سے نیکی اور برائی سے منع کرنا چاہیے۔ دوسروں کو اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کرنی چاہیے اور ہمیشہ راہنماؤں سے صحیح راستے پر چلنے کی دعا کرنی چاہیے۔ لیڈر سیدھے رہیں گے تو عوام بھی سیدھے رہیں گے۔

لیڈروں کے ساتھ دھوکہ کرنا منافقت کی علامت ہے جس سے ہر وقت بچنا چاہیے۔ اخلاص میں ان معاملات میں ان کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے جو معاشرے کو بھلائی پر اکٹھا کرتے ہیں اور ہر اس چیز سے تنبیہ کرتے ہیں جو معاشرے میں خلل پیدا کرے۔

صراط مستقیم پر قائم رہو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کے لیے بھیجا تاکہ ان کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت)عمرہ (کرنا چاہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے پاس اپنا سفیر بنا کر روانہ کیا تاکہ انہیں ان کے پرامن ارادے سے آگاہ کیا جا سکے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ پیغام پہنچانے کے بعد آپ کو خانہ کعبہ کا طواف کرنے کی اجازت دے دی لیکن انہوں نے جواب دیا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ایسا کبھی نہیں کر سکتا۔ اس نے، ایسا کیا .اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 227 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ ایک اہم خصوصیت ہے کہ معنی کو اپنانا، قرآن کریم کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل کرنا، بجائے اس کے کہ ہدایت کے ان دو ذرائع سے ہٹ کر کام کریں۔

سنن ابو داؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ ہر وہ معاملہ جس کی بنیاد اسلام پر نہ ہو اسے رد کر دیا جائے گا۔

اگر مسلمان دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں دائمی کامیابی چاہتے ہیں تو انہیں قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل کرنا چاہیے۔ اگرچہ بعض اعمال جو

براہ راست ہدایت کے ان دو ذرائع سے نہیں کیے گئے ہیں ان کو پھر بھی ایک صالح عمل قرار دیا جا سکتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو باقی تمام چیزوں پر ترجیح دی جائے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں ذرائع سے نہ لینے والی چیزوں پر جتنا زیادہ عمل کرے گا خواہ وہ عمل صالح ہی کیوں نہ ہو ہدایت کے ان دونوں ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ کتنے مسلمانوں نے اپنی زندگیوں میں ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جن کی رہنمائی کے ان دو ذرائع میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ ثقافتی عادات گناہ نہیں ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کو ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے سے روک دیا ہے کیونکہ وہ اپنے طرز عمل سے مطمئن ہیں۔ یہ ہدایت کے دو ذرائع سے ناواقفیت کا باعث بنتا ہے جس کے نتیجے میں صرف گمراہی ہی ہوتی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھے اور ان پر عمل کرے جو راہنماؤں کے ذریعہ قائم کیے گئے ہیں اور اس کے بعد ہی دوسرے رضاکارانہ اعمال صالحہ پر عمل کرنا چاہیے اگر اس کے پاس ایسا کرنے کے لیے وقت اور توانائی ہو۔ لیکن اگر وہ جاہلیت کا انتخاب کریں اور عمل کو اختیار کریں اگرچہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کے گناہ ہی کیوں نہ ہوں۔

رضوان کا عہد

بندگی کا عہد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کے لیے بھیجا تاکہ ان کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت)عمرہ (کرنا چاہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے پاس اپنا سفیر بنا کر روانہ کیا تاکہ انہیں ان کے پرامن ارادے سے آگاہ کیا جا سکے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ پیغام پہنچانے کے بعد انہیں مکہ کے غیر مسلموں نے حراست میں لے لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے عہد لیا کہ جب تک وہ عثمان رضی اللہ عنہ سے انتقام نہیں لیں گے وہ مکہ نہیں چھوڑیں گے کیونکہ وہ نہ صرف غیر مسلح ہو کر مکہ میں داخل ہوئے تھے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ سفیروں کے ساتھ ہمیشہ احترام کا سلوک کیا گیا ہے اور انہیں نقصان پہنچانا اعلان جنگ ہے۔ یہ اس دن اور عمر میں بھی سچ ہے۔ بیعت کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے میں رکھا اور فرمایا کہ اس کا ہاتھ عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کی نمائندگی کرتا ہے اور اللہ کی اطاعت کا عہد کرتا ہے۔ ،مبعوث اور اس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات نازل کیں جیسے باب 48 الفتح، آیت 10:

”درحقیقت جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ پس جو اس کی بات کو توڑتا ہے وہ اسے اپنے ہی نقصان کے لیے توڑتا ہے۔ اور جس نے اللہ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کرے گا تو اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا۔

اور باب 48 الفتح آیت 18:

”یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہوا جب انہوں نے درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی، اور وہ جانتا تھا کہ ان کے دلوں میں کیا تھا، اس لیے اس نے ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں جلد فتح سے نوازا۔“

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 227-228 اور صحیح بخاری نمبر 4066 میں موجود حدیث میں بحث ہوئی ہے۔

انسانیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کیے گئے عہد کو پورا کریں، جس کا تذکرہ قرآن مجید کی سورۃ الاعراف آیت نمبر 172 میں آیا ہے:

”اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے رب نے بنی آدم سے ان کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کو اپنے اوپر گواہ کر کے کہا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں ہم نے گواہی دی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم قیامت کے دن یہ کہو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔

تمام انسانوں کو اس لیے پیدا کیا گیا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر سکیں۔ اس واقعہ کے پیچھے سمجھنے کا سبق یہ ہے کہ تمام لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان لیا۔ یعنی جس نے ان کو پیدا کیا وہی ان کو پالے گا اور وہی جو قیامت کے دن ان کے اعمال کا فیصلہ کرے گا۔ تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممنوعات سے اجتناب کرتے ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اس عہد کو پورا کریں۔ .

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے یہ نہیں پوچھا کہ کیا وہ اس کے بندے ہیں، بلکہ ان سے پوچھا کہ کیا وہ ان کا رب ہے؟ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہمیشہ انسان کی مرضی اور خواہش کے سامنے آنی چاہیے۔ اگر کسی مسلمان کے پاس اللہ تعالیٰ یا کسی اور کو راضی کرنے کا انتخاب ہے تو یہ عہد انہیں یاد دلائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے پہلے ہونی چاہیے۔

یہ سوال بھی اللہ تعالیٰ کی لامحدود رحمت کی طرف اشارہ ہے، جیسا کہ اس نے مخلوق کے لیے اس کا جواب لفظی طور پر بیان کیا۔ اس سے مسلمانوں کو ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی رب ہے جو ان کے اعمال کا فیصلہ کرے گا، وہ بے حد مہربان بھی ہے۔

اس عہد کا اثر تمام بنی نوع انسان کے دلوں میں گہرا ہے۔ درحقیقت یہی وہ نوعیت ہے جس کی طرف صحیح مسلم نمبر 6755 میں موجود حدیث میں وارد ہوا ہے، اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے سے ذہن سازی کرنے کے بعد حق کی تلاش نہ کریں اور پھر ثبوت تلاش کریں۔ جو ان کے پہلے سے طے شدہ عقیدے کی تائید کرتا ہے۔ صرف وہی لوگ جو پہلے سے طے شدہ فیصلہ کیے بغیر اپنے دماغ کو کھولتے ہیں وہ اس عہد کو کھولیں گے جو ان کے دلوں کی گہرائیوں میں سرایت کر گیا ہے۔ درحقیقت، کھلے ذہن کا ہونا نہ صرف ایمان کے معاملات میں تمام مسائل میں اہم ہے کیونکہ یہ سچائی اور بہترین راستہ تلاش کرنے میں مدد کرتا ہے۔ یہ رویہ معاشرے کو مضبوط کرتا ہے اور ہمیشہ لوگوں کے درمیان امن کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ لیکن ان

لوگوں کی ضد جو اپنے انتخاب کا پہلے سے تعین کرتے ہیں ہمیشہ معاشرے کے ممبروں کے درمیان پچر پیدا کرے گا جو قومی سطح پر لوگوں کو متاثر کر سکتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ یہ نہ مانیں کہ وہ دنیاوی معاملات میں درست ہیں ورنہ وہ یہ ضدی رویہ اپنائیں گے۔ یہ انہیں دوسروں کی رائے کو قبول کرنے سے روکے گا جس سے جھگڑے، دشمنی اور رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ اس لیے اس رویہ سے ہر صورت گریز کرنا چاہیے۔

آخر میں یہ حقیقت کہ یہ عہد ایک شخص کے دل کی گہرائیوں میں پیوست ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر اس کا پردہ فاش کرنا فرض ہے۔ یہ ایمان کے یقین کی طرف لے جائے گا جو کہ سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر ایمان سے کہیں زیادہ مضبوط ہے، جسے کسی کے گھر والوں کی طرف سے بتایا جاتا ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔ یقین کا یقین مسلمان کو اس دنیا میں اپنے دینی اور دنیاوی فرائض کی ادائیگی کے ساتھ کامیابی کے ساتھ تمام مشکلات پر قابو پانے کی اجازت دیتا ہے۔ ایک شخص صرف اپنے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے امتحان اور اپنے فرائض میں ناکام ہوتا ہے۔ ایمان کا یقین صرف قرآن کریم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے اندر موجود علم کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53:

”ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ یہ حق ہے“۔

خبروں کی تصدیق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کے لیے بھیجا تاکہ ان کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت)عمرہ (کرنا چاہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے پاس اپنا سفیر بنا کر روانہ کیا تاکہ انہیں ان کے پرامن ارادے سے آگاہ کیا جا سکے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد یہ پیغام دیا کہ انہیں مکہ کے غیر مسلموں نے حراست میں لے لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے عہد لیا کہ جب تک وہ عثمان رضی اللہ عنہ سے انتقام نہیں لیں گے وہ مکہ نہیں چھوڑیں گے کیونکہ وہ نہ صرف غیر مسلح ہو کر مکہ میں داخل ہوئے تھے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ سفیروں کے ساتھ ہمیشہ احترام کا سلوک کیا گیا ہے اور انہیں نقصان پہنچانا اعلان جنگ ہے۔ یہ اس دن اور عمر میں بھی سچ ہے۔ اس بیعت کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حقیقت میں زندہ ہیں اور بالآخر وہ اپنے کیمپ میں واپس آگئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3 صفحہ 228 میں بحث کی گئی ہے۔

اس دور میں معاشرے کا ایک بہت بڑا مسئلہ معاشرے کے اندر جعلی خبروں کا پھیلاؤ ہے۔ کوئی سوچ سکتا ہے کہ خاص طور پر سوشل میڈیا کے اس دور میں اسے کنٹرول کرنا کتنا مشکل ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ قرآن پاک کی درج ذیل آیت پر عمل کریں اور معلومات کو دوسروں تک نہ پہنچائیں چاہے وہ یہ سمجھتے ہوں کہ وہ پہلے معلومات کی تصدیق کیے بغیر ایسا کرکے دوسروں کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ مطلب، انہیں یہ یقینی بنانا چاہیے کہ یہ قابل اعتماد ذریعہ سے آیا ہے اور درست ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 6:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لو، ایسا نہ ہو کہ تم نادانی میں کسی قوم کو نقصان پہنچا دو اور اپنے کیے پر پشیمان ہو جاؤ۔“

حالانکہ یہ آیت ایک بدکار شخص کی طرف اشارہ کرتی ہے جو خبریں پھیلاتا ہے اس کا اطلاق ان تمام لوگوں پر ہوتا ہے جو دوسروں کے ساتھ معلومات بانٹتے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایک شخص کو یقین ہو سکتا ہے کہ وہ دوسروں کی مدد کر رہے ہیں لیکن غیر تصدیق شدہ معلومات پھیلانے سے وہ دوسروں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں، جیسے کہ جذباتی نقصان۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اس سے غافل ہیں اور انہیں محض ٹیکسٹ میسجز اور سوشل میڈیا ایپلی کیشنز کے ذریعے معلومات کو بغیر تصدیق کیے آگے بھیجنے کی عادت ہے۔ ایسے معاملات میں جہاں معلومات مذہبی معاملات سے جڑی ہوئی ہیں، معلومات کو پھیلانے سے پہلے اس کی تصدیق کرنا اور بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ کسی کو دوسروں کے اعمال کی سزا ان کی فراہم کردہ غلط معلومات کی بنیاد پر مل سکتی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ، دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اور اس کا مسلمانوں پر کیا اثر ہو رہا ہے اس کے ساتھ معلومات کی تصدیق کرنا اور بھی اہم ہے کیونکہ جو کچھ نہیں ہوا اس پر دوسروں کو خبردار کرنا نہ صرف معاشرے میں انتشار پیدا کرتا ہے اور مسلمانوں اور دیگر کمیونٹیز کے درمیان دراڑ کو بڑھاتا ہے۔ یہ اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ سوال نہیں کرے گا کہ انہوں نے قیامت کے دن غیر تصدیق شدہ معلومات دوسروں کے ساتھ کیوں شیئر نہیں کیں۔ لیکن وہ یقینی طور پر ان سے سوال کرے گا کہ کیا وہ دوسروں کے ساتھ معلومات کا اشتراک کرتے ہیں، چاہے وہ تصدیق شدہ ہو یا نہ ہو۔ لہذا، ایک ذہین مسلمان صرف تصدیق شدہ معلومات کا اشتراک کرے گا اور جو کچھ بھی تصدیق شدہ نہیں ہے وہ یہ جانتے ہوئے چھوڑ دیں گے کہ وہ اس کے لیے جوابدہ نہیں ہوں گے۔

سچی محبت اور خلوص

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کے لیے بھیجا تاکہ ان کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت)عمرہ (کرنا چاہتے ہیں۔ کچھ واقعات کے بعد بالآخر مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے سہیل بن عمرو کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ آپ ،صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کر لیں لیکن کچھ شرائط رکھیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3، صفحہ 231 میں بحث کی گئی ہے۔

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے اس صلح نامہ کو لکھا۔ غیر مسلموں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لقب لکھنے پر اعتراض کیا اور اصرار کیا کہ وہ صرف آپ کا نام لکھیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ اپنا لقب دستاویز سے مٹا دیں اور صرف اپنا نام لکھیں لیکن خلوص اور محبت کی بنا پر ایسا نہ کر سکے۔ حضور نبی اکرم ،صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اپنے ہاتھ سے اس کا لقب مٹا دیا تاکہ معاہدہ ہو جائے۔ امام محمد السلّابی علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 173-174 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اخلاص اختیار کرتے ہوئے علی رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

جب شک ہو تو ثابت قدم رہنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کے لیے بھیجا تاکہ ان کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت)عمرہ (کرنا چاہتے ہیں۔ کچھ واقعات کے بعد بالآخر مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے سہیل بن عمرو کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کر لیں لیکن کچھ شرائط رکھیں۔ جن میں سے ایک یہ تھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سال عمرہ نہیں کریں گے بلکہ اگلے سال واپس تشریف لے جائیں گے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی بہت سے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ان حالات سے راضی نہیں تھے کیونکہ وہ ظاہری طور پر مکہ کے غیر مسلموں کے حق میں نظر آتے تھے۔ چنانچہ اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں بات کی اور مؤخر الذکر نے انہیں یاد دلایا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر قائم رہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر اس معاملے پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کی اور بعد میں نے اعلان کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت نہیں کریں گے اور اپنے مشن کو کبھی ناکام نہیں ہونے دیں گے۔ ناکام حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 228-229 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہیں، چاہے ان حالات میں بھی جو ان کے لیے واضح نہ ہوں۔

صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو تقدیر کا بھی صبر کے ساتھ سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم وہ ہے جب کوئی اپنے اچھے کام دوسروں کے سامنے دکھاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہٰذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہے، بجائے اس کے کہ ہر وقت اپنے آپ کو یا دوسروں کی اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے نہ اپنی خواہشات کا علم ہونا چاہیے اور نہ ہی لوگ اسے اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں

گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہٰذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

"...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو"

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے (معمولی) گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، خواہ وہ اس پر عمل کریں۔ یہ مکمل طور پر کرنے کے قابل نہیں ہے .لہٰذا، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو جو صلاحیت عطا کی گئی ہے اسے پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا، بغیر اپنے دل کی صفائی کے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور اگر لوگوں کے حقوق کا تعلق ہو تو ان سے استغفار کرنا چاہیے۔ باب 46 الاحقاف، آیت 13:

’’بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔‘‘

نرمی دکھا رہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کے لیے بھیجا تاکہ ان کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت)عمرہ (کرنا چاہتے ہیں۔ کچھ واقعات کے بعد بالآخر مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے سہیل بن عمرو کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کر لیں لیکن کچھ شرائط رکھیں۔ جن میں سے ایک یہ تھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سال عمرہ نہیں کریں گے بلکہ اگلے سال واپس تشریف لے جائیں گے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی بہت سے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ان حالات سے راضی نہیں تھے کیونکہ وہ ظاہری طور پر مکہ کے غیر مسلموں کے حق میں نظر آتے تھے۔ چنانچہ اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں بات کی اور مؤخر الذکر نے انہیں یاد دلایا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر قائم رہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر اس معاملے پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کی اور بعد میں نے اعلان کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت نہیں کریں گے اور اپنے مشن کو کبھی ناکام نہیں ہونے دیں گے۔ ناکام حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 228-229 میں بحث کی گئی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اگرچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، عمر رضی اللہ عنہ کے سوالوں پر ناراض ہو سکتے تھے، پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پرسکون رہے اور ان کے ساتھ نرمی کا مظاہرہ کیا۔ یہی طریقہ ہے کہ کسی کو دوسروں کے ساتھ برتاؤ کرنا چاہیے، خاص طور پر بزرگوں کو نوجوانوں کے لیے اور رہنماؤں کو اپنے ماتحتوں کے لیے۔

جامع ترمذی نمبر 2701 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

یہ ایک اہم خصوصیت ہے جسے تمام مسلمانوں کو اپنانا چاہیے۔ اسے اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں استعمال کیا جانا چاہیے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ نرم مزاجی سے خود مسلمان کو کسی اور سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتیں اور اجر و ثواب حاصل کریں گے اور گناہوں کی مقدار کو کم کریں گے، کیونکہ ایک شریف آدمی اپنے قول و فعل سے گناہوں کا امکان کم رکھتا ہے، بلکہ اس سے انہیں دنیاوی معاملات میں بھی فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، جو شخص اپنے شریک حیات کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے وہ بدلے میں زیادہ پیار اور عزت حاصل کرے گا اگر وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ جب بچوں کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کیا جاتا ہے تو بچے اپنے والدین کی فرمانبرداری اور احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ کام پر موجود ساتھی اس کی مدد کرنے کا زیادہ امکان رکھتے ہیں جو ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے۔ مثالیں لامتناہی ہیں۔ ،صرف انتہائی شاذ و نادر ہی صورتوں میں سخت رویہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ تر معاملات میں نرم رویہ سخت رویہ سے کہیں زیادہ موثر ہوگا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی نرمی کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے کیونکہ یہ ایک اہم جز ہے جو دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کے لیے ضروری ہے۔ باب 3 آل عمران، آیت 159:

پس اللہ کی رحمت سے،]اے محمد[، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور دل" میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔''

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کبھی بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ شخص جس کے ساتھ وہ بات چیت کرتے ہیں وہ فرعون سے بدتر ہو گا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا۔ فرعون کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ باب 20 طٰہٰ، آیت 44:

اور اس سے نرمی سے بات کرو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ سے ڈرے‘‘۔’’

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام معاملات میں نرمی اختیار کرے کیونکہ اس سے بہت زیادہ اجر ملتا ہے اور دوسروں جیسے کہ اپنے خاندان پر مثبت اثر پڑتا ہے۔

عظمت مشکلات میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کے لیے بھیجا تاکہ ان کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت)عمرہ (کرنا چاہتے ہیں۔ کچھ واقعات کے بعد بالآخر مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے سہیل بن عمرو کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کر لیں لیکن کچھ شرائط رکھیں۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ مکہ سے اسلام قبول کرنے والا اگر کوئی مدینہ فرار ہو جائے تو اسے مکہ واپس کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی مدینہ سے مکہ بھاگ گیا تو اسے واپس مدینہ نہیں بھیجا جائے گا۔ جب معاہدہ طے پا گیا تو ایک صحابی ابو جندل رضی اللہ عنہ جو مکہ میں قید تھے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے۔ لیکن جیسا کہ معاہدہ طے پا گیا، ابو جندل رضی اللہ عنہ کو مکہ واپس جانا پڑا اور وہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ نہ جا سکے۔ یہ دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو بہت تکلیف ہوئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو جندل رضی اللہ عنہ کو صبر کرنے اور اپنے آپ پر قابو پانے کا حکم دیا۔ اس نے وعدہ کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور مکہ میں پھنسے ہوئے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو راحت اور مدد فراہم کرے گا۔
اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 229-230 میں بحث کی گئی ہے۔

زندگی میں ایک مسلمان کو ہمیشہ یا تو آسانی کے وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا پھر مشکل کا۔ کوئی بھی شخص کچھ مشکلات کا سامنا کیے بغیر صرف آسانی کے اوقات کا تجربہ نہیں کرتا ہے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اگرچہ تعریف کے اعتبار سے مشکلات کا مقابلہ کرنا مشکل ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت اور بندگی کو حاصل کرنے اور اس کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں لوگ زندگی کے اہم اسباق سیکھتے ہیں جب انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر جب وہ آسانی کے وقت کا سامنا کرتے ہیں۔ اور لوگ اکثر آسانی کے اوقات کے مقابلے مشکل کے وقت کا سامنا کرنے کے بعد بہتر کے لیے بدل جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے

صرف اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت اگر کوئی قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرے تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ زیر بحث واقعات کی اکثریت مشکلات پر مشتمل ہے۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حقیقی عظمت ہمیشہ آسانی کے اوقات کا تجربہ کرنے میں مضمر نہیں ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے مشکلات کا سامنا کرنا، اس کے احکام کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا ہے۔ یہ اس حقیقت سے ثابت ہے کہ اسلامی تعلیمات میں جن بڑی مشکلوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کا خاتمہ ان لوگوں کے لیے حتمی کامیابی پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ لہٰذا ایک مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنے کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ صرف ان کے لیے چمکنے کے لمحات ہیں اور سچی اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں حتمی کامیابی کی کلید ہے۔

تمام وعدے پورے کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کے لیے بھیجا تاکہ ان کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت)عمرہ (کرنا چاہتے ہیں۔ کچھ واقعات کے بعد بالآخر مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے سہیل بن عمرو کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کر لیں لیکن کچھ شرائط رکھیں۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ مکہ سے اسلام قبول کرنے والا اگر کوئی مدینہ فرار ہو جائے تو اسے مکہ واپس کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی مدینہ سے مکہ بھاگ گیا تو اسے واپس مدینہ نہیں بھیجا جائے گا۔ جب معاہدہ طے پا گیا تو ایک صحابی ابو جندل رضی اللہ عنہ جو مکہ میں قید تھے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے۔ لیکن جیسا کہ معاہدہ طے پا گیا، ابو جندل رضی اللہ عنہ کو مکہ واپس جانا پڑا اور وہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ نہ جا سکے۔ یہ دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو بہت تکلیف ہوئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو جندل رضی اللہ عنہ کو صبر کرنے اور اپنے آپ پر قابو پانے کا حکم دیا۔ اس نے وعدہ کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور مکہ میں پھنسے ہوئے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو راحت اور مدد فراہم کرے گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ انہوں نے مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کیا تھا جس میں وہ خیانت نہیں کر سکتے تھے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 229-230 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ وعدہ خلافی منافقت کا ایک پہلو ہے۔

ایک مسلمان کا سب سے بڑا وعدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، جو اس کی سچی اطاعت کرنا ہے۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ لوگوں کے ساتھ کیے گئے دیگر تمام وعدوں کو بھی برقرار رکھا جانا چاہیے جب تک کہ کسی کے پاس کوئی معقول عذر نہ ہو، خاص طور پر جو والدین بچوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ وعدوں کی خلاف ورزی بچوں کو صرف برے کردار کی تعلیم دیتی ہے اور انہیں یہ ماننے کی ترغیب دیتی ہے کہ دھوکے باز ہونا ایک قابل قبول خصوصیت ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2227 میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ جو اس کے نام پر وعدہ کرے اور پھر بغیر کسی عذر کے اسے توڑ دے وہ اس کے خلاف ہو گا۔ جس کے خلاف اللہ تعالیٰ ہے وہ قیامت کے دن کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟

مشورہ طلب کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کے لیے بھیجا تاکہ ان کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت)عمرہ (کرنا چاہتے ہیں۔ چند واقعات کے بعد بالآخر مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے سہیل بن عمرو کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کرائیں لیکن کچھ شرائط رکھی گئیں، جو ظاہری طور پر سب کے حق میں نظر آئیں۔ مکہ کے غیر مسلم اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ بہت غمگین اور پریشان ہوئے۔ معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ وہ ان کی زیارت)عمرہ (کے ان پہلوؤں کو پورا کریں جن میں اپنے جانوروں کی قربانی اور بال منڈوانا شامل ہیں۔ پہلے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے جواب نہیں دیا کیونکہ وہ سب غم و اندوہ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کیمپ میں واپس آئے اور اپنی اہلیہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ طلب کیا۔ انہوں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ خاموشی سے اپنی زیارت)عمرہ (کے پہلوؤں کو پورا کریں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ جب یہ دیکھیں گے تو بلاشبہ اس کی پیروی کریں گے۔ آپ نے وہی کیا جو انہوں نے نصیحت کی تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا مثبت جواب دیا اور بے صبری یا نافرمانی کی کوئی علامت نہیں دکھائی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 239 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو اپنے معاملات اور مسائل کے بارے میں بہت سے لوگوں سے مشورہ کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ اس رویہ کا مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی بہت سے لوگوں کو بتاتا ہے تو ان کے مسائل بتانا اور مشورہ لینا ان کی مشکلات کی شکایت کا ذریعہ بن جاتا ہے جو ان کی بے صبری کی واضح علامت ہے۔ اس کے علاوہ، یہ رویہ کسی کو صرف الجھن کا باعث بنے گا کیونکہ انہیں ملنے والی نصیحتیں مختلف ہوں گی جس کی وجہ سے وہ صحیح راستے کے بارے میں زیادہ سے زیادہ غیر

یقینی ہو جائیں گے۔ جبکہ چند عقلمندوں سے مشورہ کرنا کسی کے یقین میں اضافے کا سبب ہی بنے گا۔ بہت سے لوگوں کے سامنے کسی کے مسائل کو بار بار دہرانے سے وہ اپنے مسئلے پر بہت زیادہ ،توجہ مرکوز کرنے کا سبب بنتا ہے جس کی وجہ سے یہ حقیقت سے زیادہ بڑا اور اہم دکھائی دیتا ہے یہاں تک کہ اس کی وجہ سے وہ اپنے دوسرے فرائض سے غفلت برتتے ہیں جس کی وجہ سے وہ .اپنے مسائل پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ زیادہ بے صبری

اس لیے مسلمانوں کو اپنی مشکلات کے سلسلے میں صرف چند لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ انہیں :چاہیے کہ قرآن کریم کی نصیحت کے مطابق ان چند لوگوں کا انتخاب کریں۔ باب 16 النحل، آیت 43

‘‘پس اہلِ پیغام سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔’’

یہ آیت مسلمانوں کو علم رکھنے والوں سے مشورہ کرنے کی یاد دلاتی ہے۔ جیسا کہ ایک جاہل شخص سے مشورہ کرنے سے مزید پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنی جسمانی صحت کے بارے میں کسی کار مکینک سے مشورہ کرنا بے وقوف ہو گا، ایک مسلمان کو اپنے مسائل صرف ان لوگوں کو بتانا چاہیے جو اس کے بارے میں علم رکھتے ہیں اور ان سے منسلک اسلامی تعلیمات۔

اس کے علاوہ ایک مسلمان کو اپنے مسائل صرف ان لوگوں کے ساتھ شیئر کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کبھی بھی دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ نہیں دیں گے۔ جبکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے یا اس کی اطاعت نہیں کرتے وہ علم اور تجربہ رکھتے ہیں لیکن وہ آسانی سے دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ دیتے ہیں جس سے صرف پریشانیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے حقیقی علم کے مالک ہوتے ہیں اور :یہی علم دوسروں کو ان کے مسائل میں کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ باب 35 فاطر، آیت 28

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں‘‘۔’’

ایک واضح فتح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کے لیے بھیجا تاکہ ان کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت)عمرہ (کرنا چاہتے ہیں۔ چند واقعات کے بعد بالآخر مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے سہیل بن عمرو کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کرائیں لیکن کچھ شرائط رکھی گئیں، جو ظاہری طور پر سب کے حق میں نظر آئیں۔ مکہ کے غیر مسلم معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بغیر زیارت)عمرہ (کئے مدینہ واپس آگئے جو کہ معاہدہ کا حصہ تھا۔ دس سال تک جاری رہنے والا یہ معاہدہ حقیقت میں مسلمانوں کے حق میں رہا۔ اس معاہدے سے پہلے جب بھی مسلمان اور غیر مسلم آپس میں ملتے تھے تو اکثر کسی نہ کسی قسم کی لڑائی ہوتی تھی لیکن جب جنگ ختم ہوئی تو جب بھی یہ لوگ ملتے تھے صرف بات چیت کرتے تھے۔ جب غیر مسلموں کو اسلام کی وضاحت کی گئی تو وہ اسے قبول کرنے لگے۔ اسلام اگلے دو سالوں میں اس سے زیادہ لوگوں کے دلوں میں داخل ہوا جتنا کہ اس نے اپنے ظہور کے بعد سے تقریباً 18 سالوں میں کیا تھا۔ اس واضح فتح کو اللہ تعالیٰ نے تسلیم کیا، جس نے معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد باب 48 الفتح نازل کیا۔ باب 48 الفتح، آیت 1:

‘‘بے شک ہم نے تم کو کھلی فتح دی ہے’’

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 231 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ فضیلت اور کامیابی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس لیے عطا ہوئی کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے اخلاص کے ساتھ اطاعت گزار رہے۔ وقت کے ساتھ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے کے باوجود ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی طاقت میں کمی آئی ہے۔ ہر مسلمان اپنے عقیدے کی مضبوطی سے قطع نظر قرآن پاک کی صداقت پر یقین رکھتا ہے کیونکہ اس سے ان کا ایمان ختم ہو جائے گا۔ درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے برتری اور کامیابی حاصل کرنے کی کنجی بتائی ہے جس سے دنیا بھر کے مسلمان اس کمزوری اور غم کو دور کر دیں گے۔
باب 3 علی عمران، آیت 139:

پس تم کمزور نہ ہو اور غم نہ کرو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو‘‘۔ ’’

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ مسلمانوں کو اس برتری اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے صرف سچے مومن بننے کی ضرورت ہے۔ حقیقی عقیدہ میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر سے کرنا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے لیے فرائض شامل ہیں، جیسے کہ دوسروں کے لیے وہی محبت کرنا جو اپنے لیے پسند کرتا ہے جس کی نصیحت جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث میں آئی ہے۔ تعلیمات اس رویہ کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کامیابی اور برتری حاصل ہوئی۔ اور اگر مسلمان اس کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اس راہ راست پر واپس آنا چاہیے۔ جیسا کہ مسلمان قرآن پاک پر یقین رکھتے ہیں انہیں اس سادہ تعلیم کو سمجھنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔

شیطانی سازشیں ناکام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کے لیے بھیجا تاکہ ان کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت)عمرہ (کرنا چاہتے ہیں۔ چند واقعات کے بعد بالآخر مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے سہیل بن عمرو کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کرائیں لیکن کچھ شرائط رکھی گئیں، جو ظاہری طور پر سب کے حق میں نظر آئیں۔ مکہ کے غیر مسلم ان میں سے ایک یہ تھا کہ مکہ سے اسلام قبول کرنے والا اگر کوئی مدینہ فرار ہو جائے تو اسے مکہ واپس کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی مدینہ سے مکہ بھاگ گیا تو اسے واپس مدینہ نہیں بھیجا جائے گا۔ یہ ظاہر ہے کہ مکہ کے غیر مسلموں نے صرف یہ مطالبہ کیا تھا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس سے مسلم قوم کا اتحاد ٹوٹ جائے گا۔ معاہدے پر دستخط کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم مدینہ واپس آگئے۔ ایک صحابی ابو بصیر رضی اللہ عنہ مکہ کی قید سے بچ کر مدینہ بھاگ گئے۔ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے واپس لینے کے لیے دو آدمی بھیجے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معاہدے کا احترام کیا اور انہیں مکہ واپس جانے کے لیے سپرد کیا۔ مکہ واپسی کے راستے میں، ابو بصیر رضی اللہ عنہ، فرار ہو گئے اور بالآخر مدینہ اور مکہ سے دور ایک اور ویران علاقے میں بھاگ گئے۔ اس کے بعد جب بھی کوئی صحابی رضی اللہ عنہ مکہ کی قید سے بھاگے تو ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل گئے۔ ان کی تعداد بڑھتی گئی یہاں تک کہ آخرکار انہوں نے مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے تجارتی قافلوں پر چھاپہ مارنا اور لوٹنا شروع کر دیا، کیونکہ صلح کے معاہدے میں ان کو شامل نہیں کیا گیا تھا، صرف مدینہ کے شہری شامل تھے۔ جس کی وجہ سے مکہ کے لوگوں کو شدید مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آخرکار انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام بھیجا اور آپ سے التجا کی کہ ابو بصیر رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج کو مدینہ بلائیں تاکہ چھاپے اور لوٹ مار ختم ہو جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر اتفاق کیا اور یہ لوگ امن کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 240 میں بحث کی گئی ہے۔

،کسی کو کبھی بھی برے کام کرنے کی سازش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ ہمیشہ، کسی نہ کسی طرح ان پر الٹا فائر ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر یہ نتائج اگلے جہان تک موخر کر دیے جائیں تو آخرکار ان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو نقصان پہنچانا چاہا جیسا کہ وہ اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت، احترام اور پیار چاہتے تھے۔ لیکن یہ واضح ہے کہ ان کی تدبیریں انہیں اپنی خواہش سے دور کر دیتی ہیں۔ باب 12 یوسف، آیت 18:

اور وہ اس کی قمیض پر جھوٹا خون لے آئے۔]یعقوب [نے کہا، "بلکہ تمہاری روحوں نے تمہیں کسی" چیز پر آمادہ کیا ہے، اس لیے صبر سب سے زیادہ مناسب ہے۔"

جتنی زیادہ برائی کی تدبیریں کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مقصد سے دور کر دے گا۔ خواہ وہ ظاہری طور پر اپنی خواہش پوری کر لیں، اللہ تعالیٰ جس چیز کی خواہش کی تھی وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے لعنت بن جائے گا الا یہ کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

لیکن شیطانی سازش اپنے لوگوں کے علاوہ کسی کو نہیں گھیرتی۔ پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے..." ‘‘راستے]یعنی تقدیر [کے سوا انتظار کرتے ہیں؟

ساده اور شائستہ تقریر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چھٹے سال میں، آپ نے اپنی کوششیں اسلام کی دعوت کو پھیلانے پر مرکوز کر دیں، خاص طور پر جب مکہ کے غیر مسلموں کی مسلسل دھمکیوں کی وجہ سے توقف ہو گیا تھا۔ معاہدہ حدیبیہ۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ قاصد بھیجے جنہوں نے اپنے خطوط ممتاز شخصیات تک پہنچائے، جیسے مصر کے نائب، چسرو، فارس کے شہنشاہ اور ہرقلس، رومی بادشاہ۔ اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب مہر بند نیکٹر صفحہ 350 میں بحث کی گئی ہے۔

ان خطوط کا مطالعہ کرتے وقت دو انتہائی اہم تکنیکوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ پہلی سادہ اور سیدھی بات ہے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استعمال کی ہے، اور دوسری نرم گفتگو ہے۔

اسلام کے کلام کو پھیلاتے وقت یہ ضروری ہے کہ غیر ضروری پیچیدہ اصطلاحات اور پھولوں والی تقریر سے گریز کیا جائے۔ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کو چیلنج کرتا ہے، جنہوں نے صحیح مسلم نمبر 1167 میں موجود ایک حدیث کی تصدیق کی ہے کہ آپ کو جامع کلام سے نوازا گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے الفاظ نقطہ پر تھے لیکن علم کی ایک سمندر کی قیمت پر مشتمل تھا .اس رویہ سے ملتا جلتا ہے جب لوگ جان بوجھ کر کم اہم مسائل پر بات کرتے ہیں جو معاشرے میں تقسیم کا سبب بن سکتے ہیں۔ کچھ لوگ دوسروں سے ممتاز ہونے کے لیے یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں لیکن یہ ایک گمراہ کن رویہ ہے کیونکہ اسلام کی تبلیغ کرنے والے مسلمان کا فرض ہے کہ وہ معاشرے کو مضبوط کرنے کے لیے زیادہ اہم مسائل پر گفتگو کرے۔

اس کی نصیحت حضور اکرم صلی اللہ کی خوبصورتی نرمی میں پائی جاتی ہے۔ اسلام اس کے علاوہ ۔ نمبر 3689 میں موجود ہے علیہ وسلم نے بہت سی احادیث میں فرمائی ہے جیسا کہ سنن ابن ماجہ

قرآن کریم نے یہاں تک ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سب سے راضی تھے، آپ کی نرمی اور نرم طبیعت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلسل محبت کرتے تھے۔ باب 3 علی عمران، آیت 159:

پس اللہ کی رحمت سے،]اے محمد[، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور دل " میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔''

آپ سے عرب سخت دل ہونے کی وجہ سے مشہور تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ یہ خوبی انہوں نے اپنایا اس طرح اور مزاج سے ان کے سخت دل پگھل گئے صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی اکرم صلی اللہ حضور یہ کیوں ہے ۔ باقی بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لیے روشنی بن گئی اور سنن متنبہ کیا گیا ہے ۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام، ایک حدیث میں وسلم علیہ وآلہ ابوداؤد نمبر 4809 میں ہے کہ نرمی سے محروم رہنے والا بھلائی سے محروم ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 103:

اور اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو جب تم دشمن تھے اور اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم '' اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے''۔

تباہ کن ذہن سخت انہیں یہ ان لوگوں کے لیے ایک واضح پیغام ہے جو اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ لوگوں کو متحد کریں اور پھیلنے کی بجائے کا حامل ہونا چاہیے۔ تعمیری ذہن نرم کے بجائے ان کے یہ معاشرے کے اندر تنازعات کی ایک اچھی مثال دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کریں۔ کے ساتھ نرم مزاجی کا مظاہرہ اپنے بچوں بچوں کے ساتھ رویے میں دیکھا جاتا ہے .جن والدین نے ایک سخت مزاج .اکثر کیا ان پر ان والدین کے مقابلے میں زیادہ مثبت اثر پڑا جنہوں نے گود لیا تھا۔ کچھ لوگ اپنے سخت رویے سے لوگوں کو اسلام سے مزید دور کر دیتے ہیں اور یہ روایات کو مکمل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ۔ مثال کے طور پر ایک مرتبہ حضور طور پر چیلنج کرتا ہے۔

۔ جب صحابہ کی مسجد میں پیشاب کیا ایک ان پڑھ اعرابی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وسلم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ حضور اسے سزا دینا چاہتا تھا۔ ،اللہ ان سب سے راضی ہو مئی ، کرام مسجد میں رہنے کے آداب کو نرمی سے سمجھایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرمایا اور اس نرم رویے نے انسان کو میں موجود حدیث میں مذکور ہے ۔ نمبر 529 ۔ یہ واقعہ سنن ابن ماجہ مثبت انداز میں متاثر کیا۔

قرآن پاک کے کئی مقامات پر بھی اس کا ذکر ہے۔ مثال کے طور پر، اگرچہ فرعون یہ اہم خصوصیت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت حضرت پھر بھی اللہ تعالیٰ نے نے اعلیٰ ترین رب ہونے کا دعویٰ کیا۔ نرم اور مہربان تقریر کا استعمال فرعون کو دعوت نہ دیں۔ ،دونوں ۔ ہارون علیہ السلام کو حکم دیا :حپٹر 79 نضیات، آیت 24 کرتے ہوئے رہنمائی کی طرف۔ ج

‘‘اور کہا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔’’

:اور باب 20 طہ، آیات 43-44

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔ بے شک اس نے زیادتی کی۔ اور اس سے نرمی سے بات کرو شاید" وہ نصیحت حاصل کرلے یا اللہ سے ڈرے"۔

اور جانور بھی نرمی کی زبان سمجھتے ہیں۔ پس اگر کسی بالغ کو اسلام اور بھلائی کی طرف بچے اسی ؟ دعوت دیتے وقت یہ خصوصیت اختیار کی جائے تو اس کی صحیح رہنمائی کیسے ہو سکتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود، ایک بار فرمایا لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لامحدود وقار کے تعالیٰ اللہ میں ملتا ہے کہ نصیحت ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6601 ایک حدیث میں

مہربان اور نرم ہے اور مخلوق کو ایک دوسرے کے ساتھ نرمی سے پیش آنا پسند ہے۔ ،اعلیٰ مطابق یہ غلط عقیدہ اختیار کیا ہے کہ نرم اسلام نے اس لفظ کو پھیلاتے ہیں۔ بدقسمتی سے، بہت سے لوگ جو یہ شیطان کی چال کے سوا کچھ نہیں ہے کیونکہ وہ انسانوں کو اسلام ۔ ہونا کمزوری کی علامت ہے ۔ سے دور کرنا چاہتا ہے

برائی کے نتائج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے چھٹے سال میں، آپ نے اپنی کوششیں اسلام کی دعوت کو پھیلانے پر مرکوز کر دیں، خاص طور پر جب مکہ کے غیر مسلموں کی مسلسل دھمکیوں کی وجہ سے توقف ہو گیا تھا۔ معاہدہ حدیبیہ۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ قاصد بھیجے جنہوں نے اپنے خطوط ممتاز شخصیات تک پہنچائے، جیسے مصر کے نائب، چسرو، فارس کے شہنشاہ اور ہرقلس، رومی بادشاہ۔ اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب مہر بند نیکٹر صفحہ 350 میں بحث کی گئی ہے۔

فارس کے شہنشاہ چوسروس کو بھیجا گیا خط سب سے پہلے اس کے نائب بادشاہ بحرین کو بھیجا گیا۔ چسرو کے غرور نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا اور اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھیجا ہوا خط پھاڑ دیا اور اپنے یمن کے گورنر بازان کو حکم دیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گرفتار کرنے کے لیے آدمی بھیجے۔ اسے، اور اسے کوسرو کے محل میں لے آؤ۔ جب یہ لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اطلاع دی کہ ان کے شہنشاہ چسرو کو ان کے اپنے بیٹے نے قتل کر دیا ہے۔ اس نے ان سے کہا کہ وہ اپنے نئے شہنشاہ کو خبردار کریں کہ اسلام ہر جگہ غالب آئے گا اور سلطنت فارس کو پیچھے چھوڑ دے گا۔ یہ لوگ یمن کے گورنر بازان کے پاس واپس آئے اور اسے جو کچھ ہوا اس سے آگاہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد، نئے چوسرو، شیروہ نے، بزان کو ایک خط بھیجا جس میں اس بات کی تصدیق کی گئی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کیا بتایا تھا۔ نئے چوسرو نے بازان کو حکم دیا کہ وہ مسلم کمیونٹی کو تنہا چھوڑ دیں۔ اس کے بعد یمن کے بازان اور فارسیوں نے اسلام قبول کیا۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 355 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے ایک سادہ مگر گہرے سبق کو سمجھنا ضروری ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے دنیا و آخرت میں دنیاوی یا دینی معاملات میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ طلوع آفتاب سے لے کر اس زمانے تک اور آخر زمانہ تک کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے نہ کبھی حقیقی کامیابی حاصل ہوئی اور نہ ہی کبھی نصیب ہوگی۔ تاریخ کے اوراق پلٹنے پر یہ بات بالکل عیاں ہے۔ لہٰذا جب

کوئی مسلمان ایسی حالت میں ہو جس سے وہ ایک مثبت اور کامیاب نتیجہ حاصل کرنا چاہتا ہو تو اسے کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا انتخاب نہیں کرنا چاہیے، خواہ یہ کتنا ہی آسان اور آزمائشی کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ اگر کسی کو ان کے قریبی دوستوں اور رشتہ داروں کی طرف سے ایسا کرنے کا مشورہ دیا جائے کیونکہ مخلوق کی اطاعت نہیں ہے اگر اس کا مطلب خالق کی نافرمانی ہے۔ اور درحقیقت وہ انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے عذاب سے نہ دنیا میں بچا سکیں گے نہ آخرت میں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کامیابی عطا کرتا ہے جو اس کی اطاعت کرتے ہیں وہ اس کی نافرمانی کرنے والوں سے ایک کامیاب نتیجہ نکال دیتا ہے خواہ اس ہٹانے میں وقت لگے۔ ایک مسلمان کو بے وقوف نہیں بنانا چاہیے کیونکہ یہ جلد یا بدیر ہو جائے گا۔ قرآن کریم نے یہ بات بالکل واضح کر دی ہے کہ برائی کا منصوبہ یا عمل صرف کرنے والے کو ہی گھیرتا ہے خواہ اس سزا میں تاخیر ہی کیوں نہ ہو۔
باب 35 فاطر، آیت 43:

"لیکن شیطانی تدبیر اپنے لوگوں کو نہیں گھیرتی۔"

لہٰذا حالات اور انتخاب خواہ کتنے ہی مشکل کیوں نہ ہوں مسلمانوں کو چاہیے کہ دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا انتخاب کریں کیونکہ یہی کامیابی دونوں جہانوں میں حقیقی کامیابی کا باعث بنے گی خواہ یہ کامیابی فوری طور پر ظاہر نہ ہو۔

ہجرت کے بعد 7 واں سال

خیبر کی جنگ

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی محبت حاصل کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال آپ کو ایک غیر مسلم قبیلے کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا جو مدینہ کے قریب خیبر میں رہتا تھا۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ انہوں نے مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے ساتھ مل کر ان کے خلاف مسلسل سازشیں کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے والے امن معاہدے کو مسلسل توڑ دیا۔ ان کے قلعوں میں پہنچ کر اس نے اعلان کیا کہ اگلے دن وہ اپنا جھنڈا کسی ایسے شخص کو دینے والا ہے جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور یہ شخص بھی اللہ کا محبوب ہے۔ ,,,,,,,,,,,,,,,,,اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ یہ شخص خیبر کو فتح کرے گا۔ اگلے دن اس نے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو بلایا، علی رضی اللہ عنہ کی متاثرہ آنکھ کو اپنے لعاب دہن سے ٹھیک کیا اور پھر انہیں جھنڈا سونپ دیا اور اس کے نتیجے میں کچھ پھر خیبر کے قلعے فتح ہوئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 251 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ علی بن ابو طالب اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خلوص نیت سے اللہ عزوجل اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کریں۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جاتے ہیں۔

صحیح بخاری نمبر 6502 میں موجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک آسمانی حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ مسلمان صرف اپنے فرائض کی ادائیگی کے ذریعے ہی اس کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔ اور وہ رضاکارانہ عمل صالح کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کر سکتے ہیں۔

یہ وضاحت اللہ تعالیٰ کے بندوں کو دو قسموں میں تقسیم کرتی ہے۔ پہلا گروہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے واجبات جیسے فرض نماز اور لوگوں کے حوالے سے جیسے فرض صدقہ کی ادائیگی سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے۔ اس کا خلاصہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر پر صبر کرنے سے ہو سکتا ہے۔

دوسری قسم کے وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا جاتا ہے وہ پہلے گروہ سے برتر ہیں کیونکہ وہ نہ صرف اپنے فرائض کی ادائیگی کرتے ہیں بلکہ رضاکارانہ طور پر نیک کاموں میں بھی کوشش کرتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا یہی واحد راستہ ہے۔ جو اس کے علاوہ کوئی راستہ اختیار کرے گا وہ اس اہم مقصد کو حاصل نہیں کر سکے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جدوجہد کیے بغیر ولیت حاصل کرنے کے تصور کو یکسر مسترد کرتا ہے۔ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے وہ محض جھوٹا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 4094 میں موجود حدیث کی تصدیق کی ہے کہ جب روحانی قلب پاک ہوتا ہے تو باقی جسم بھی پاک ہوجاتا ہے۔ یہ عمل صالح کی طرف لے جاتا ہے۔ پس اگر کوئی شخص اعمال صالحہ مثلاً اپنے واجبات کو ادا نہ کرے تو اس کا جسم نجس ہے یعنی اس کا روحانی دل بھی نجس ہے۔ یہ شخص کبھی اللہ تعالیٰ کے قرب تک نہیں پہنچ سکتا۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سب سے بڑا رضاکارانہ عمل وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر مبنی ہو۔ جو کوئی بھی اپنی روایات کی بنا پر رضاکارانہ نیک اعمال انجام دینے کا انتخاب کرتا ہے اسے شیطان نے دھوکہ دیا ہے کیونکہ کوئی بھی راستہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے قریب

نہیں لے جا سکتا سوائے اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے اور اعمال کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

''کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔''

دوسرے اعلیٰ طبقے میں شامل متقی مسلمان بھی وہ ہیں جو اس مادی دنیا کی غیر ضروری چیزوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ یہ رویہ انہیں اپنی کوششوں کو رضاکارانہ نیک اعمال انجام دینے پر مرکوز کرنے میں مدد کرتا ہے۔ یہی وہ گروہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت، عداوت، دے کر اور سب کچھ روک کر اپنے ایمان کو مکمل کیا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

اس کے بعد جو اہم حدیث زیر بحث ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص فرائض کی ادائیگی اور نفلی اعمال کی انجام دہی میں کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی پانچوں حواس کو برکت دیتا ہے تاکہ وہ ان کو اس کی اطاعت میں استعمال کریں۔ یہ نیک بندہ بہت کم گناہ کرے گا۔ ہدایت میں اس اضافے کی طرف باب 29 العنکبوت، آیت 69 میں اشارہ کیا گیا ہے:

''اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔''

یہ مسلمان فضیلت کے اس درجے کو پہنچ جاتا ہے جس کا ذکر صحیح مسلم نمبر 99 میں موجود ایک حدیث میں کیا گیا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک مسلمان عمل کرتا ہے جیسے نماز، گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے۔ جو اس درجے تک پہنچ جائے گا وہ اپنے دماغ اور جسم کو گناہوں سے محفوظ

رکھے گا۔ یہ وہ ہے جو جب بولتے ہیں تو اللہ کے لیے بولتے ہیں، جب خاموش ہوتے ہیں تو اللہ کے لیے خاموش رہتے ہیں۔ جب وہ کام کرتے ہیں تو اس کے لیے کام کرتے ہیں اور جب وہ خاموش ہوتے ہیں تو اس کی خاطر ہوتے ہیں۔ یہ توحید اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھنے کا ایک پہلو ہے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ اس مسلمان کی دعا پوری ہو گی اور انہیں اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت حاصل ہو گی۔ یہ ان لوگوں کے لیے ایک واضح سبق ہے جو حلال دنیاوی چیزوں کے خواہش مند ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے سوا کسی ذریعہ سے ان کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ کوئی روحانی استاد یا کوئی اور شخص کسی شخص کو اس وقت تک چیزیں نہیں دے سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوشش نہ کرے اور ان چیزوں کو حاصل کرنا ان کا مقدر ہو۔

،اس حدیث کو ختم کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب صرف اس کے احکام کی تعمیل اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر پر صبر کرنے کی صورت میں اس کی مخلصانہ اطاعت سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے اور دونوں جہانوں میں کامیابی کا واحد راستہ ہے۔

دوسروں کی رہنمائی کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال آپ کو ایک غیر مسلم قبیلے کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا جو مدینہ کے قریب خیبر میں رہتا تھا۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ انہوں نے مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے ساتھ مل کر ان کے خلاف مسلسل سازشیں کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے والے امن معاہدے کو مسلسل توڑ دیا۔ ان کے قلعوں میں پہنچ کر اس نے اعلان کیا کہ اگلے دن وہ اپنا جھنڈا کسی ایسے شخص کو دینے والا ہے جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور یہ شخص بھی اللہ کا محبوب ہے۔ عالیہ، اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ یہ شخص خیبر کو فتح کرے گا۔ اگلے دن اس نے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں جھنڈا سونپ دیا۔ اسے حکم دیا گیا کہ وہ ان کے قلعے کے قریب سوار ہو جائیں اور ان سے لڑنے سے پہلے انہیں اسلام کی طرف بلائیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر یہ نصیحت فرمائی کہ اگر کوئی ایک شخص آپ کے ذریعے سے ہدایت حاصل کر لے تو وہ عربوں کے مشہور ترین اونٹوں کے ریوڑ سے بہتر ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 251 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ دوسروں کو نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والے کو ان کی نصیحت پر عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کو گناہوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں ان سے ایسا حساب لیا جائے گا جیسے انہوں نے گناہ کیے ہوں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ دوسروں کو نصیحت اور رہنمائی کرتے وقت احتیاط برتیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نیکی کے کاموں میں صرف اس لیے نصیحت کرے کہ وہ اس سے ثواب حاصل کریں اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نصیحت کرنے سے گریز کریں۔ ایک شخص قیامت کے دن محض یہ دعویٰ کر کے عذاب سے نہیں بچ سکے گا کہ وہ صرف دوسروں کو گناہوں کی طرف دعوت دے رہا ہے چاہے اس نے خود گناہ کیوں نہ کیے ہوں۔ اللہ تعالیٰ رہنما اور پیروکار دونوں کو ان کے اعمال کے لیے جوابدہ ٹھہرائے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کو دوسروں کو صرف وہی کام کرنے کی تلقین کرنی چاہیے جو وہ خود کریں گے۔ اگر وہ اپنے نامہ اعمال میں کسی عمل کو ناپسند کرتے ہیں تو انہیں دوسروں کو اس عمل کی تلقین نہیں کرنی چاہیے۔

اس اسلامی اصول کی وجہ سے مسلمانوں کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے مناسب علم حاصل کریں کیونکہ اگر وہ دوسروں کو غلط نصیحت کرتے ہیں تو وہ آسانی سے اپنے گناہوں کو بڑھا سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ، یہ اصول مسلمانوں کے لیے ان کاموں کا اجر حاصل کرنے کا ایک انتہائی آسان طریقہ ہے جو وہ خود اسباب کی کمی کی وجہ سے انجام نہیں دے سکتے، جیسے کہ دولت۔ مثال کے طور پر، ایک شخص جو مالی طور پر صدقہ دینے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے وہ دوسروں کو ایسا کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ صدقہ کرنے والے کے برابر ثواب حاصل کرے گا۔

نیت کے اثرات

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال آپ کو ایک غیر مسلم قبیلے کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا جو مدینہ کے قریب خیبر میں رہتا تھا۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ انہوں نے مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے ساتھ مل کر ان کے خلاف مسلسل سازشیں کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے والے امن معاہدے کو مسلسل توڑ دیا۔ اس جنگ کے دوران ایک منافق غیر مسلموں کے خلاف سخت لڑ رہا تھا لیکن جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی ظاہری بہادری کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا کہ یہ شخص جہنم میں جائے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پھر دیکھا کہ وہ شخص جنگ کے دوران زخمی ہوا اور بالآخر خود کو ہلاک کر لیا جو کہ اسلام میں حرام ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 258 میں بحث کی گئی ہے۔

جو لوگ اچھے کام کرتے ہیں، جیسے کہ دوسروں کے لیے تحفہ خریدنا، ان لوگوں کی طرف سے یکساں احترام اور محبت حاصل نہ کرنے کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ کچھ لوگ جو یہ کام نہیں کرتے ہیں ان کی نیت ہے۔ جب یہ لوگ لوگوں کے لیے نیک اعمال کرتے ہیں، جیسے کہ بیماروں کی عیادت، تو وہ یا تو لوگوں کی خاطر یعنی ان کی خوشنودی کے لیے کرتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے اس نیت کو ملا دیتے ہیں۔ سب سے پہلے جو شخص لوگوں کی بھلائی کے لیے کام کرے گا اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اجر نہیں ملے گا۔ ان سے کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ علماء میں اس بات پر اختلاف ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کو راضی کرنے کے لیے اپنی نیت میں ملاوٹ کرتے ہیں ان کو جزوی ثواب ملے گا یا کچھ نہیں۔ محفوظ سمت میں رہنے کے لیے ایک عقلمند مسلمان کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا چاہیے۔

دوسری طرف، دوسرے لوگ جو دوسروں سے زیادہ عزت اور محبت حاصل کرتے ہیں وہ ایسا کرتے ہیں کیونکہ وہ صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں۔ جب وہ دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں تو وہ لوگوں کی خاطر ایسا نہیں کرتے ہیں۔ ان کے اخلاص کی وجہ سے اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں ان لوگوں کے مقابلے میں زیادہ محبت اور احترام ڈالتا ہے جو لوگوں کے ساتھ احسان کے کام زیادہ کرتے ہیں لیکن اپنے عمل میں کم خلوص رکھتے ہیں۔

پس اگر لوگ اللہ تعالیٰ سے اجر اور لوگوں سے عزت چاہتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ اپنی نیت درست کریں اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل صالح کریں۔ اس صحیح نیت کی ایک نشانی یہ ہے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا ارادہ کرے گا، خواہ وہ لوگوں کو ناراض کرے۔ یعنی وہ لوگوں کے رویے اور ردعمل پر توجہ نہیں دیتے۔

جیسا کرو گے ویسا بھرو گے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال آپ کو ایک غیر مسلم قبیلے کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا جو مدینہ کے قریب خیبر میں رہتا تھا۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ انہوں نے مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے ساتھ مل کر ان کے خلاف مسلسل سازشیں کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے والے امن معاہدے کو مسلسل توڑ دیا۔ اس دوران ایک اعرابی نے اسلام قبول کیا اور جنگ میں حصہ لیا۔ جنگ کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انہیں غنیمت کا کچھ سامان سونپا گیا لیکن آپ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے اعلان کیا کہ اس جنگ میں حصہ لینے کا مقصد شہادت کے ذریعے جنت حاصل کرنا ہے۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک تیر چاہتا تھا کہ وہ اسے وہاں مارے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بتایا کہ اگر میں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے عہد کو پورا کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اپنا عہد پورا کرے گا۔ بعدازاں لڑتے لڑتے اس شخص کو گلے میں گولی لگی اور وہ شہید ہوگیا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی گئی تو آپ نے جواب دیا کہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا عہد پورا کر دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ اپنا عہد پورا کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 259-260 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ باب 47 محمد، آیت 7 سے مربوط ہے :

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ کا ساتھ دو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم" "جمائے گا۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اسلام کی مدد کرے گا تو اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کی مدد کرے گا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ لاتعداد لوگ اللہ تعالیٰ کی مدد کے خواہاں ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی

مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے اس آیت کے پہلے حصے کو پورا نہیں کرتے۔ .اکثر لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ان کے پاس اعمال صالحہ کے لیے وقت نہیں ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے خواہاں ہیں، پھر بھی ان کاموں کے لیے وقت نہیں نکالیں گے جن سے وہ خوش ہے۔ کیا اس کی کوئی منطق ہے؟ جو لوگ فریضہ ادا نہیں کرتے اور پھر ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ سے مدد کی امید رکھتے ہیں وہ بالکل بے وقوف ہیں۔ اور جو لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں لیکن ان سے آگے جانے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ انہیں ملنے والی امداد محدود ہے۔ کس طرح برتاؤ کیا جاتا ہے اس کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے۔ جتنا زیادہ وقت اور توانائی اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوگی، انہیں اتنی ہی زیادہ مدد ملے گی۔ یہ واقعی اتنا آسان ہے۔

،ایک مسلمان کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ زیادہ تر واجبات، جیسے کہ پانچ وقت کی نمازیں صرف ایک دن میں تھوڑا سا وقت لیتی ہیں۔ ایک مسلمان یہ توقع نہیں کر سکتا کہ وہ دن میں بمشکل ایک گھنٹہ فرض نماز کی ادائیگی کے لیے وقف کرے اور پھر باقی دن اللہ تعالیٰ سے غافل رہے اور پھر بھی تمام مشکلات میں اس سے مسلسل مدد کی امید رکھے۔ ایک شخص اس دوست کو ناپسند کرے گا جو اس کے ساتھ ایسا سلوک کرے۔ تو پھر اللہ رب العالمین کے ساتھ ایسا سلوک کیسے ہو سکتا ہے؟

کچھ لوگ صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اضافی وقت صرف کرتے ہیں، جب انہیں کوئی دنیوی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو اس سے اس کو حل کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ایک احسان رضاکارانہ طور پر کیا ہے۔ یہ احمقانہ ذہنیت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی بندگی کے خلاف ہے۔ یہ حیرت انگیز ہے کہ اس قسم کے لوگ اپنی تمام تفریحی سرگرمیاں، جیسے کہ خاندان اور دوستوں کے ساتھ وقت گزارنے، ٹی وی دیکھنا اور سماجی تقریبات میں شرکت کے لیے کیسے وقت نکالتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ وہ قرآن پاک کی تلاوت اور اس کی تعلیمات کو اپنانے کے لیے وقت نہیں نکال پاتے۔ انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطالعہ اور ان پر عمل کرنے کا وقت نظر نہیں آتا۔ یہ لوگ کسی نہ کسی طرح اپنی غیر ضروری آسائشوں پر خرچ کرنے کے لیے دولت تلاش کرتے ہیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ انہیں رضاکارانہ خیرات میں دینے کے لیے کوئی دولت نہیں ملتی۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ اس کے برتاؤ کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اضافی وقت لگاتا ہے، تو اسے وہ سہارا مل جائے گا جس کی انہیں تمام مشکلات سے باحفاظت سفر کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر وہ واجبات کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کوئی دوسرا وقت صرف کیے بغیر صرف ان کو پورا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ایسا ہی جواب ملے گا۔ سیدھے الفاظ میں، جتنا زیادہ دیتا ہے، وہ اتنا ہی زیادہ وصول کرے گا۔ اگر کوئی زیادہ نہیں دیتا تو اسے بدلے میں زیادہ امید نہیں رکھنی چاہئے۔

خیانت سے بچنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال آپ کو ایک غیر مسلم قبیلے کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا جو مدینہ کے قریب خیبر میں رہتا تھا۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ انہوں نے مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے ساتھ مل کر ان کے خلاف مسلسل سازشیں کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے والے امن معاہدے کو مسلسل توڑ دیا۔ اس مہم کے دوران ایک غلام جو اپنے مالک کے لیے بھیڑیں چرا رہا تھا اسلام قبول کر لیا۔ جب اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ بکریوں کا کیا کرنا ہے تو آپ نے حکم دیا کہ بکریوں کو مالک کے مال کی طرف لے جانے والی سڑک کی طرف لے جا کر واپس کر دیں۔ یہ غلام بعد میں اس مہم میں شہید ہو گیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے جنت کی تصدیق فرمائی۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1590-1591 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ امانتوں میں خیانت منافقت کا ایک پہلو ہے۔

اس میں وہ تمام امانتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی طرف سے ہیں۔ ہر نعمت اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے۔ ان امانتوں کو پورا کرنے کا واحد طریقہ نعمتوں کو اس طریقے سے استعمال کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ مزید برکات حاصل کریں گے کیونکہ یہ سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

لوگوں کے درمیان اعتماد کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ جسے کسی دوسرے کے سپرد کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ اس کا غلط استعمال نہ کرے اور مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ لوگوں کے درمیان سب سے بڑا اعتماد بات چیت کو خفیہ رکھنا ہے جب تک کہ دوسروں کو مطلع کرنے میں کوئی واضح فائدہ نہ ہو۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں اس کو اکثر نظر انداز کیا جاتا ہے۔

انصاف کو پکڑو

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال آپ کو ایک غیر مسلم قبیلے کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا جو مدینہ کے قریب خیبر میں رہتا تھا۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ انہوں نے مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے ساتھ مل کر ان کے خلاف مسلسل سازشیں کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے والے امن معاہدے کو مسلسل توڑ دیا۔ خیبر کے غیر مسلموں نے ان کے ایک قلعے میں پناہ لی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے کھیتوں پر قبضہ کر لیا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنی سرزمین سے نکالنا چاہا تو انہوں نے آپ سے معاہدہ کر لیا۔ وہ کھیتی باڑی کی دیکھ بھال کرتے اور آدھی فصل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کرتے، اس شرط پر کہ انہیں زمین سے بے دخل نہ کیا جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتفاق کیا لیکن اس میں یہ شق شامل کی کہ اگر مسلمان فیصلہ کریں تو مستقبل میں انہیں نکال سکتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے ایک صحابی عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا کہ وہ ہر سال ان کی عیادت کریں اور ان کا معاوضہ لیں۔ ان غیر مسلموں نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو رشوت دینے کی کوشش کی تاکہ وہ انہیں آدھے سے زیادہ رکھنے کی اجازت دیں جس پر اتفاق ہوا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ اگرچہ روئے زمین پر کوئی بھی ان کے نزدیک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ محبوب نہیں تھا اور وہ غیر مسلم آپ کو سب سے زیادہ ناپسند کرتے تھے، لیکن آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں کمی نہیں آنے دیں گے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے لیے آپ کی ناپسندیدگی انہیں ان کے ساتھ عدل و انصاف کرنے سے روکتی ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 3، صفحہ 270-271 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 4721 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ انصاف کے ساتھ کام کرنے والے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ اس میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے خاندانوں اور ان کی دیکھ بھال اور اختیار کے تحت اپنے فیصلوں میں صرف ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر موقع پر انصاف سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انصاف کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے۔ انہیں ان تمام نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا چاہیے جو انہیں دی گئی ہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق۔ اس میں کھانے اور آرام کے حقوق کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ہر عضو کو اس کے حقیقی مقصد کے مطابق استعمال کرتے ہوئے اپنے جسم اور دماغ کے لیے صرف ہونا شامل ہے۔ اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ وہ اپنے جسم اور دماغ کو اپنی حدود سے باہر دھکیلیں جس سے وہ خود کو نقصان پہنچائے۔

کسی کو لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے لوگوں پر ظلم کر کے اسلام کی تعلیمات پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کا ایک بڑا سبب ہو گا جس کی طرف صحیح مسلم نمبر 6579 کی حدیث میں آیا ہے۔

انہیں صرف اس صورت میں بھی رہنا چاہئے جب یہ ان کی خواہشات اور ان کے پیاروں کی خواہشات سے متصادم ہو۔ باب 4 النساء، آیت 135:

”اے ایمان والو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ کوئی امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں کا زیادہ حقدار ہے۔ [1] پس]ذاتی [جھکاؤ کی پیروی نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ تم انصاف پسند نہ بنو۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کے حقوق اور ضروریات کو پورا کرتے ہوئے اپنے محتاجوں کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے جس کی نصیحت سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ انہیں نظر انداز نہ کیا جائے اور نہ ہی انہیں کسی دوسرے کے حوالے کیا جائے جیسے کہ

اسکول اور مسجد۔ اساتذہ کسی شخص کو یہ ذمہ داری نہیں اٹھانی چاہئے اگر وہ ان کے بارے میں انصاف کے ساتھ کام کرنے میں بہت سست ہو۔

آخر میں، کوئی بھی شخص انصاف کے ساتھ کام کرنے سے آزاد نہیں ہے جیسا کہ کم از کم اللہ تعالیٰ اور اپنے آپ کے ساتھ انصاف کے ساتھ کام کرنا ہے۔

خراب عناصر کو ہٹانا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال آپ کو ایک غیر مسلم قبیلے کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا جو مدینہ کے قریب خیبر میں رہتا تھا۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ انہوں نے مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے ساتھ مل کر ان کے خلاف مسلسل سازشیں کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے والے امن معاہدے کو مسلسل توڑ دیا۔ خیبر کے غیر مسلموں نے ان کے ایک قلعے میں پناہ لی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے کھیتوں پر قبضہ کر لیا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنی سرزمین سے نکالنا چاہا تو انہوں نے آپ سے معاہدہ کر لیا۔ وہ کھیتی باڑی کی دیکھ بھال کرتے اور آدھی فصل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کرتے، اس شرط پر کہ انہیں زمین سے بے دخل نہ کیا جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتفاق کیا لیکن اس میں یہ شق شامل کی کہ اگر مسلمان فیصلہ کریں تو مستقبل میں انہیں نکال سکتے ہیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 3، صفحہ 270-271 میں بحث کی گئی ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے دوران اسلامی سرزمین میں رہنے والے غیر مسلموں کے لیے مذہبی آزادی کو یقینی بنایا لیکن کسی کو اپنے ساتھ کیے گئے معاہدوں کو توڑنے کی اجازت نہیں دی۔ خیبر اور نجران میں رہنے والے غیر مسلموں نے ان شرائط پر عمل نہیں کیا جن پر وہ راضی تھے اور ان کے مذموم عزائم کی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ان کی سرزمین سے نکال دیا۔ مثال کے طور پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پر ایک دفعہ حملہ ہوا اور وہ شدید زخمی ہو گئے جب وہ خیبر میں اپنی جائداد پر تشریف لے گئے۔ بقیہ غیر مسلم جنہوں نے ان کے منصوبوں میں حصہ نہیں لیا وہ امن میں رہ گئے۔ یہاں تک کہ جب اس نے انہیں نکال دیا تو اس نے یقینی بنایا کہ انہیں دولت اور نئی جائیدادوں سے معاوضہ دیا جائے۔ اس پر امام محمد السلّابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 206-208 میں بحث کی گئی ہے۔

کمیونٹی کی حفاظت کے لیے برے عناصر کو کمیونٹی سے نکالنا ضروری ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2686 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے اہم فریضے کو ادا نہ کرنے کو دو درجے بھری ہوئی کشتی کی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ لوگوں کا .نچلی سطح کے لوگ جب بھی پانی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو بالائی سطح کے لوگوں کو پریشان کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے وہ نچلی سطح پر ایک سوراخ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں تاکہ وہ براہ راست پانی تک رسائی حاصل کر سکیں۔ اگر بالائی سطح کے لوگ انہیں روکنے میں ناکام رہے تو یہ سب غرق ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ نرمی کے ساتھ اپنے علم کے مطابق نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنا کبھی ترک نہ کریں۔ ایک مسلمان کو ہرگز یہ یقین نہیں کرنا چاہیے کہ جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہیں گے، دوسرے گمراہ لوگ ان پر منفی اثر نہیں ڈال سکیں گے۔ سڑے ہوئے سیب کے ساتھ رکھنے پر ایک اچھا سیب بالآخر متاثر ہو جائے گا۔ اسی طرح جو مسلمان دوسروں کو نیکی کا حکم دینے میں ناکام رہتا ہے وہ آخر کار اس کے منفی رویے سے متاثر ہوتا ہے خواہ وہ لطیف ہو یا ظاہر۔ اگر وسیع تر معاشرہ بھی غافل ہو جائے تو اپنے اہل وعیال کو نصیحت کرنا ہرگز ترک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ نہ صرف ان کے منفی رویے ان پر زیادہ اثر انداز ہوں گے بلکہ سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود حدیث کے مطابق یہ تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اگر کسی مسلمان کو دوسروں کی طرف سے نظر انداز کیا جاتا ہے تو اسے نرمی سے نصیحت کرتے ہوئے اپنا فرض ادا کرنا چاہیے جس کی تائید مضبوط دلائل اور علم سے ہوتی ہے۔ صرف اسی طرح وہ ان کے منفی اثرات سے محفوظ رہیں گے اور قیامت کے دن معاف کر دیے جائیں گے۔ لیکن اگر وہ صرف اپنی فکر کریں اور دوسروں کے اعمال کو نظر انداز کریں تو اندیشہ ہے کہ دوسروں کے منفی اثرات ان کی گمراہی کا باعث بن سکتے ہیں۔

مہربان ہونا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال آپ کو ایک غیر مسلم قبیلے کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا جو مدینہ کے قریب خیبر میں رہتا تھا۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ انہوں نے مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے ساتھ مل کر ان کے خلاف مسلسل سازشیں کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے والے امن معاہدے کو مسلسل توڑ دیا۔ خیبر کی سرزمین فتح ہونے کے بعد ایک یہودی عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر آلود کھانا پیش کیا۔ اس میں سے کچھ کھانے کے بعد اسے الہی اطلاع ملی کہ کھانے میں زہر ملا ہے۔ جب اس نے یہودی عورت سے سوال کیا تو اس نے جواب دیا کہ اگر وہ واقعی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تو اللہ تعالیٰ اس کو زہر کی اطلاع دیتا لیکن اگر وہ جعلساز ہوتا تو وہ دنیا پر کام کر رہی ہوتی۔ اس سے چھٹکارا حاصل کر کے ایک احسان .حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت کو چھوڑ دیا اور سزا نہیں دی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 283-284 میں بحث کی گئی ہے۔

تمام مسلمانوں کو امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ غلطیوں اور گناہوں کو ایک طرف رکھے گا، نظر انداز کرے گا اور معاف کر دے گا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہی مسلمانوں میں سے اکثر جو اس کی امید اور دعا کرتے ہیں وہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے۔ مطلب، وہ اکثر دوسروں کی ماضی کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں اور انہیں اپنے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ ان غلطیوں کی طرف اشارہ نہیں ہے جن کا اثر حال یا مستقبل پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ڈرائیور کی وجہ سے ہونے والا کار حادثہ جو کسی دوسرے شخص کو جسمانی طور پر معذور کر دیتا ہے، ایک غلطی ہے جو حال اور مستقبل میں شکار کو متاثر کرے گی۔ اس قسم کی غلطی کو چھوڑنا اور نظر انداز کرنا سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن بہت سے مسلمان اکثر دوسروں کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں جو کسی بھی طرح سے مستقبل کو متاثر نہیں کرتی ہیں، جیسے کہ زبانی توہین۔ اگرچہ غلطی ختم ہو چکی ہے لیکن یہ لوگ موقع ملنے پر اسے زندہ کرنے اور دوسروں کے خلاف استعمال کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی افسوسناک ذہنیت ہے جیسا کہ کسی کو سمجھنا چاہئے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ کم از کم ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے اپنی ماضی کی غلطیوں سے درگزر کرنے کی امید رکھتا ہے اسے دوسروں کی ماضی کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ جو لوگ اس طرح برتاؤ کرنے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کے زیادہ تر تعلقات ٹوٹ چکے ہیں کیونکہ کوئی بھی رشتہ مکمل نہیں ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اختلاف کا شکار رہیں گے جو ہر رشتے میں

غلطی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ تنہا ہو جائے گا کیونکہ ان کی بری ذہنیت انہیں دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ تنہا رہنے سے نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسا رویہ اپناتے ہیں جو دوسروں کو ان سے دور کرتا ہے۔ یہ منطق اور عقل کی نفی کرتا ہے۔ تمام لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہتے ہوئے اور ان کے انتقال کے بعد ان سے محبت اور احترام کیا جائے لیکن یہ رویہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں تو لوگ ان سے تنگ آ جاتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو لوگ انہیں سچے پیار اور محبت سے یاد نہیں کرتے۔ اگر وہ انہیں یاد کرتے ہیں تو یہ محض رواج سے باہر ہے۔

ماضی کو جانے دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں کے ساتھ حد سے زیادہ اچھا سلوک کرنے کی ضرورت ہے لیکن اسلام کی تعلیمات کے مطابق سب سے کم احترام کرنا ہے۔ اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا اور اس کے لیے تھوڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ درگزر کرنا سیکھے اور لوگوں کی ماضی کی غلطیوں کو جانے دیا جائے تو شاید اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی پچھلی غلطیوں کو درگزر فرمائے گا۔ باب 24 النور، آیت 22:

"... اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کر دیں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے“۔

ناجائز کا استعمال

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال آپ کو ایک غیر مسلم قبیلے کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا جو مدینہ کے قریب خیبر میں رہتا تھا۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ انہوں نے مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے ساتھ مل کر ان کے خلاف مسلسل سازشیں کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے والے امن معاہدے کو مسلسل توڑ دیا۔ مدینہ واپس آتے ہوئے مسلمانوں کی طرف سے لڑنے والے ایک شخص کو ایک آوارہ تیر لگا اور اسے ہلاک کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اعلان کیا کہ آپ کو جنت نصیب ہوئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اس آدمی کو سزا دی جائے گی کیونکہ اس نے خیبر میں ایک چادر غیر قانونی طور پر لے لی تھی بجائے اس کے کہ مال غنیمت کی تقسیم کے ذمہ دار کے حوالے کیا جائے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 287-288 میں بحث کی گئی ہے۔

حرام کو حاصل کرنا اور استعمال کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ اس میں غیر قانونی دولت کا استعمال، غیر قانونی اشیاء کا استعمال اور غیر قانونی کھانا کھانا شامل ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اسلام نے جن مخصوص چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جیسے کہ شراب صرف وہی چیزیں نہیں ہیں جو حرام ہیں۔ درحقیقت حلال چیزیں بھی حرام ہو سکتی ہیں اگر وہ حرام چیزوں سے حاصل کی گئی ہوں۔ مثال کے طور پر، حلال کھانا حرام ہو سکتا ہے اگر اسے حرام مال سے خریدا جائے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ صرف حلال چیزوں سے نمٹتے ہیں کیونکہ یہ کسی کو برباد کرنے کے لیے حرام کا صرف ایک عنصر لیتا ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 2346 کی ایک حدیث میں ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص ناجائز استعمال کرے گا اس کی تمام دعائیں رد ہوں گی۔ اگر اللہ تعالیٰ سے ان کی دعائیں رد ہو جائیں تو کیا ان کی کوئی نیکی قبول ہونے کی امید رکھی جا سکتی ہے؟ درحقیقت اس کا جواب صحیح بخاری نمبر 1410 میں موجود ایک اور حدیث میں دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ صرف حلال کو قبول کرتا ہے۔ لہٰذا ہر وہ عمل جس کی بنیاد ناجائز ہو مثلاً حرام مال کے ساتھ حج کرنا مردود ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 3118 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ اس قسم کے آدمی کو قیامت کے دن جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 188:

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ ہی اسے حکمرانوں کے پاس بھیجو تاکہ ’’ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ میں کھاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ حرام ہے۔ ["

آپ کی میراث

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال آپ کو ایک غیر مسلم قبیلے کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا جو مدینہ کے قریب خیبر میں رہتا تھا۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ انہوں نے مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے ساتھ مل کر ان کے خلاف مسلسل سازشیں کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے والے امن معاہدے کو مسلسل توڑ دیا۔ بالآخر خیبر کے تمام قلعے فتح ہو گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 251 میں بحث کی گئی ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس فتح سے کچھ زمین حاصل کی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اس کو کس طرح استعمال کیا جائے۔ اس نے اسے خیراتی وقف کے طور پر قائم کرنے کا مشورہ دیا۔ جائیداد سے حاصل ہونے والی پیداوار مسلسل غریبوں کو عطیہ کی جاتی رہی۔ صحیح بخاری نمبر 2773 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

سب سے پہلے، یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دنیاوی وراثت آتے جاتے ہیں۔ کتنے امیر اور طاقتور لوگوں نے بڑی بڑی سلطنتیں صرف اس لیے بنائی ہیں کہ ان کے مرنے کے فوراً بعد انہیں توڑ دیا جائے اور انہیں بھلا دیا جائے۔ ان میں سے کچھ وراثت سے پیچھے رہ جانے والی چند نشانیاں صرف لوگوں کو ان کے نقش قدم پر نہ چلنے کی تنبیہ کرنے کے لیے پائی جاتی ہیں۔ ایک مثال فرعون کی عظیم سلطنت ہے۔ اسلام نہ صرف مسلمانوں کو نیک اعمال کی صورت میں اپنے آگے آخرت کے لیے برکتیں بھیجنے کا درس دیتا ہے بلکہ یہ انہیں یہ بھی سکھاتا ہے کہ وہ اپنے پیچھے ایک خوبصورت میراث چھوڑیں جس سے لوگ فائدہ اٹھا سکیں۔ درحقیقت جب کوئی مسلمان فوت ہو جاتا ہے اور اپنے پیچھے کوئی مفید چیز چھوڑ جاتا ہے، جیسے پانی کے کنویں کی صورت میں جاری صدقہ ان کو اس کا ثواب ملے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 4223 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ نیک عمل کرنے کی کوشش کرے اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں آگے بھیجے، لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک اچھی میراث چھوڑنے کی کوشش بھی کرنی چاہیے جو ان کے انتقال کے بعد ان کے لیے فائدہ مند ہو۔

بدقسمتی سے بہت سے مسلمان اپنی دولت اور جائیدادوں کے بارے میں اس قدر فکر مند ہیں کہ انہیں چھوڑ کر ہی چلے جاتے ہیں جس کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ہر مسلمان کو یہ یقین کرنے میں دھوکہ نہیں دیا جانا چاہئے کہ ان کے پاس اپنے لئے ایک میراث بنانے کے لئے کافی وقت ہے کیونکہ موت کا لمحہ نامعلوم ہے اور اکثر غیر متوقع طور پر لوگوں پر حملہ کرتا ہے۔ آج وہ دن ہے جب ایک مسلمان کو صحیح معنوں میں اس میراث پر غور کرنا چاہیے جو وہ اپنے پیچھے چھوڑے گا۔ اگر یہ میراث اچھی اور فائدہ مند ہے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی حمد کرنی چاہیے کہ اس نے انہیں ایسا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ لیکن اگر کوئی ایسی چیز ہے جس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا تو وہ کوئی ایسی چیز تیار کریں جس سے وہ نہ صرف آخرت کی بھلائی کو آگے بھیجیں بلکہ نیکی بھی پیچھے چھوڑ جائیں۔ امید ہے کہ جو اس طرح خیر میں گھرا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اپنے آپ سے سوال کرنا چاہیے کہ ان کی میراث کیا ہے؟

تعلقات کو بہتر بنانا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال آپ کو ایک غیر مسلم قبیلے کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا جو مدینہ کے قریب خیبر میں رہتا تھا۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ انہوں نے مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے ساتھ مل کر ان کے خلاف مسلسل سازشیں کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے والے امن معاہدے کو مسلسل توڑ دیا۔ بالآخر خیبر کے تمام قلعے فتح ہو گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 251 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک صحابی کے مشورے سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے سرداروں میں سے ایک بیٹی کو آزاد کر دیا اور اسلام قبول کرنے کے بعد اس کی شادی صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہا سے کر دی۔ اس کا مقصد اس عظیم دشمنی کو نرم کرنا تھا اور اپنے سابقہ لوگوں یعنی یہودیوں سے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے لیے تھی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مقصد کے لیے مختلف مواقع پر ایسا کیا لیکن اس معاملے میں بھی یہودیوں کے آپ کے بارے میں موقف میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1599-1601 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2003 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قیامت کے ترازو میں سب سے بھاری چیز حسن اخلاق ہوگی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن سلوک، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ اس میں لوگوں کے ساتھ اچھے کردار کا مظاہرہ بھی شامل ہے۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اللہ تعالیٰ کے حوالے سے واجبات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرکے دوسرے پہلو کو نظرانداز کرتے ہیں۔ وہ اس کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ یعنی جس طرح انسان کے ساتھ حسن سلوک کی خواہش ہوتی ہے اسے چاہیے کہ

وہ دوسروں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آئے ورنہ وہ کامیاب نہیں ہوگا کیونکہ حقیقی کامیاب لوگ صرف مومن ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ، کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی زبانی اور جسمانی نقصان کو دوسروں اور ان کے مالوں سے دور نہ رکھے، خواہ اس کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 3318 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی کہ ایک عورت جہنم میں جائے گی کیونکہ اس نے بلی کے ساتھ بدسلوکی کی جس سے اس کی موت واقع ہوئی۔ اور سنن ابوداؤد نمبر 2550 میں ایک اور حدیث ملتی ہے کہ ایک آدمی کو پیاسے کتے کو کھانا کھلانے کی وجہ سے معاف کر دیا گیا۔ اگر یہ اچھا کردار دکھانے کا نتیجہ ہے اور جانوروں کو برے کردار دکھانے کا نتیجہ ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟ درحقیقت زیر بحث مرکزی حدیث اس نصیحت کے ساتھ ختم ہوتی ہے کہ اچھے کردار والے کو اس مسلمان کی طرح اجر ملے گا جو اللہ تعالیٰ کی مسلسل عبادت کرتا ہے اور باقاعدگی سے روزے رکھتا ہے۔

ہجرت کرنے والے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال آپ کو ایک غیر مسلم قبیلے کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا جو مدینہ کے قریب خیبر میں رہتا تھا۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ انہوں نے مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے ساتھ مل کر ان کے خلاف مسلسل سازشیں کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے والے امن معاہدے کو مسلسل توڑ دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت جو کہ حبشہ میں مقیم تھی، اس دوران مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی ہجرت سے اس قدر خوش ہوئے کہ آپ نے انہیں خیبر کے مال غنیمت میں سے حصہ مختص کر دیا۔ اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب مہربند نیکٹر صفحہ 373 میں بحث کی گئی ہے۔

بعد میں ایک موقع پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ لوگ جنہوں نے مکہ سے براہ راست مدینہ ہجرت کی اور اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ وقت گزارا وہ اس کے زیادہ مستحق تھے۔ ایتھوپیا کے مہاجرین کے مقابلے میں، جو بہت بعد کی تاریخ میں مدینہ ہجرت کر گئے تھے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا کہ مکہ سے براہ راست ہجرت کرنے والے آپ کے زیادہ مستحق نہیں ہیں کیونکہ حبشہ کے مہاجرین نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دو مرتبہ ہجرت کی تھی۔ صحیح بخاری نمبر 4231 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے ان مشکلات پر قابو پانے کا مطالبہ نہیں کرتا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے برداشت کیں۔ مثال کے طور پر، انہوں نے ہجرت کی جس میں انہوں نے اپنے خاندان، گھر، کاروبار چھوڑ دیا اور ایک اجنبی سرزمین کی طرف ہجرت کی، سب کچھ اللہ تعالیٰ کی خاطر۔

اس کے مقابلے میں مسلمانوں کو اس وقت جن مشکلات کا سامنا ہے وہ اتنا مشکل نہیں جتنا کہ صالح پیشروؤں کو درپیش تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کو شکر گزار ہونا چاہیے کہ ان سے صرف چند چھوٹی قربانیاں کرنے کی ضرورت ہے، جیسے فرض فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے کچھ نیند کی قربانی اور فرض صدقہ کرنے کے لیے کچھ مال۔ اللہ تعالیٰ ان کو یہ حکم نہیں دے رہا ہے کہ وہ اپنے گھر اور اہل و عیال کو اس کی خاطر چھوڑ دیں۔ اس شکر کو عملی طور پر ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے ظاہر کیا جانا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ، جب کسی مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے ان مشکلات کو یاد رکھنا چاہیے جو نیک پیشروؤں کو پیش آئیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی سے ان پر کیسے قابو پایا، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ علم ایک مسلمان کو اپنی مشکلات پر قابو پانے کی طاقت فراہم کر سکتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ صالح پیش رو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب تھے، پھر بھی انہوں نے صبر کے ساتھ زیادہ سخت مشکلات کو برداشت کیا۔ درحقیقت سنن ابن ماجہ نمبر 4023 میں موجود ایک حدیث اس بات کی نصیحت کرتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے سخت ترین امتحانات کو برداشت کیا اور وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

اگر کوئی مسلمان نیک پیشروؤں کی ثابت قدمی کی پیروی کرتا ہے تو امید ہے کہ وہ آخرت میں ان کے ساتھ ہو گا۔

کوئی صنفی تعصب نہیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال آپ کو ایک غیر مسلم قبیلے کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا جو مدینہ کے قریب خیبر میں رہتا تھا۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ انہوں نے مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے ساتھ مل کر ان کے خلاف مسلسل سازشیں کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے والے امن معاہدے کو مسلسل توڑ دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت جو اس زمانے میں ہجرت کر کے مدینہ میں مقیم تھی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی ہجرت سے اس قدر خوش ہوئے کہ آپ نے انہیں خیبر کے مال غنیمت میں سے حصہ مختص کر دیا۔ اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب مہربند نیکٹر صفحہ 373 میں بحث کی گئی ہے۔

اس گروہ میں اسماء بنت عمیس اور ان کے شوہر جعفر ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ایک موقع پر اسماء رضی اللہ عنہا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئیں اور کہا کہ عورتیں نقصان میں ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ان کا ذکر مردوں کی طرح نہیں ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے باب 33 الاحزاب آیت 35 نازل فرمائی:

"بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، سچے مرد اور سچی عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صابر عورتیں، عاجز مرد اور عاجز عورتیں، صدقہ کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والے۔ عورتیں، روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور ایسا کرنے والی عورتیں، اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور ایسا کرنے والی عورتیں، ان کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔"

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 33:35، صفحہ 129-130 میں بحث کی گئی ہے۔

قرآن کریم کی درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی ایک اہم تعلیم کی وضاحت فرمائی ہے یعنی سب سے زیادہ عزت والا اور بہترین شخص وہ ہے جس کے پاس سب سے زیادہ تقویٰ ہو۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

’’ اے لوگو ، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے۔ بدقسمتی سے، شیطان نے بہت سی خواتین کو مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی حیثیت پر بحث کرنے کے لیے دھوکہ دیا ہے۔ حالانکہ اسلام نے خواتین کو ایسی عزت عطا کی ہے جو کسی اور ادارے یا ایمان نے کبھی نہیں دی ہے، جیسے کہ عورت کے قدموں کے نیچے جنت، جو سنن نسائی نمبر 3106 میں موجود ایک حدیث سے کہ آخری نعمت ہے، یعنی ماں کو۔ اس کی تصدیق میں موجود ایک اور حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ ہوتی ہے ۔ جامع ترمذی نمبر 3895 وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ بہترین آدمی وہ ہے جو اپنے ساتھ حسن سلوک کرے۔ بیوی بہترین. اور بھی بے شمار مثالیں ہیں۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ عورتوں کو اپنے آپ کو مردوں سے تشبیہ دینے کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی خواہش نہیں ہے۔ اس کے بجائے عورتوں کو تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اگر وہ اسے حاصل کر لیں تو وہ ہر اس مرد یا عورت سے افضل ہوں گی جو ان سے کم تقویٰ کا مالک ہو۔ یہ وہ معیار ہے جو الگ کرتا ہے کہ کون برتر ہے۔ اور اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ یہ صرف مردوں تک محدود نہیں ہے۔

تاریخ کے اوراق پلٹیں تو وہ عظیم خواتین مسلمان نظر آئیں گی جنہوں نے مرد اور عورت کے فرق پر بحث ومباحثہ کرنے کے بجائے اس اہم کام پر توجہ دی۔ اور اس کے نتیجے میں وہ مردوں اور عورتوں کی اکثریت سے بہتر ہو گئے۔ یہاں تک کہ اگر مسلمان عورتوں کو وہ تمام حقوق مل جائیں

جن کا وہ خواب دیکھتی تھیں تب بھی یہ انہیں دوسروں پر اس وقت تک فضیلت نہیں دے سکتی جب تک کہ وہ تقویٰ اختیار نہ کر لیں یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جب کوئی خبر کو دیکھتا ہے اور جو اپنی مرضی کے مطابق برتاؤ کرتا ہے۔ اور یہ حقیقت اگلے جہان میں واضح ہو جائے گی۔ لہٰذا اگر کوئی مسلمان دوسروں پر برتری حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے تقویٰ کے ساتھ تلاش کرنا چاہیے نہ کہ بحث و تکرار میں۔

چیزوں کی مثبت تشریح کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے ساتویں سال آپ نے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے لشکر روانہ کیا۔ دشمن کا ایک سپاہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے لڑتا رہا یہاں تک کہ وہ مغلوب ہوگیا۔ جب سپاہی قتل ہونے والا تھا تو اس نے ایمان کی اسلامی شہادت کا اعلان کیا۔ اس کی وجہ سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ آپ سے پیچھے ہٹ گئے لیکن ایک صحابی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو قتل کر دیا کہ اس نے صرف اپنی جان بچانے کے لیے اسلام پر ایمان لایا تھا۔ .جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پر سخت ناراض ہوئے۔ وہ اسامہ رضی اللہ عنہ سے پوچھتا رہا کہ اسامہ رضی اللہ عنہ کے بعد بھی اس نے اس شخص کو کیوں قتل کیا جس نے ایمان کی اسلامی گواہی کا اعلان کیا، اس نے اپنا استدلال پیش کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 301 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابو داؤد نمبر 4993 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت کی کہ لوگوں کے بارے میں اچھا گمان کرنا اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ایک پہلو ہے۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک پہلو ہے۔

چیزوں کو منفی انداز میں بیان کرنا اکثر غیبت اور غیبت جیسے گناہوں کا باعث بنتا ہے۔ ہر صورت میں ایک مسلمان کو چاہیے کہ جہاں ممکن ہو مثبت انداز میں چیزوں کی تشریح کرے تاکہ شک کا فائدہ دوسروں تک پہنچایا جا سکے۔ بدقسمتی سے، منفی سوچ کو اپنانے سے خاندانی یونٹ سے لے کر قومی سطح تک لوگوں پر اثر پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک قوم کتنی بار ایک مفروضے اور شک پر جنگ میں گئی ہے؟ میڈیا میں پائے جانے والے اسکینڈلز کی اکثریت مفروضوں پر مبنی ہے۔ یہاں تک کہ ایسے قوانین بھی بنائے گئے ہیں جو مفروضوں اور شبہات کے استعمال کی حمایت کرتے ہیں۔ یہ اکثر ٹوٹنے اور ٹوٹنے والے رشتوں کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ اس ذہنیت کے حامل لوگ ہمیشہ یہ مانتے ہیں کہ دوسرے ان کے الفاظ یا اعمال کے ذریعے ان پر تنقید کر رہے ہیں۔ یہ کسی کو دوسروں سے مشورہ لینے سے روکتا ہے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ صرف مشورہ دینے والے کی طرف سے ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے اور یہ ایک کو مشورہ دینے سے روکتا ہے کیونکہ اسے یقین ہے کہ دوسرا

شخص ان کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دے گا۔ اور ایک شخص اس منفی ذہنیت کے حامل شخص کو نصیحت کرنے سے گریز کرے گا کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ صرف ایک دلیل کا باعث بنے گا۔ یہ دیگر منفی خصلتوں کی طرف جاتا ہے جیسے تلخی۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگر وہ یہ فرض کر لیں کہ کوئی ان پر تنقید کر رہا ہے تو پھر بھی ان کی نصیحت کو قبول کرنا چاہیے اگر یہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر مبنی ہے۔ انہیں کوشش کرنی چاہیے کہ جہاں ممکن ہو ان چیزوں کی مثبت انداز میں تشریح کریں جو مثبت ذہنیت کا باعث بنے۔ اور ایک مثبت ذہنیت صحت مند تعلقات اور احساسات کا باعث بنتی ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

"...اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت زیادہ گمان سے بچو۔ بے شک کچھ گمان گناہ ہوتا ہے"

ایمان پر عمل کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے ساتویں سال آپ نے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے لشکر روانہ کیا۔ اس مہم کے دوران فوج کو کوئی ایسا شخص ملا جس نے انہیں اسلامی سلام کے ساتھ سلام کیا، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ فوجیوں میں سے ایک نے اس پر حملہ کر کے اسے ہلاک کر دیا کیونکہ اس کے ساتھ اس کا پہلے سے حل نہ ہونے والا مسئلہ تھا۔ جب یہ بات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے مقتول کے اہل خانہ کو قاتل کو معاف کرنے اور اس کے بدلے معاوضہ لینے پر راضی کیا۔ آخرکار وہ راضی ہو گئے لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مسلمان کو قتل کرنے پر سپاہی کو بہت سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔ کچھ دنوں بعد سپاہی مر گیا اور جب اسے دفن کیا گیا تو زمین نے اس کی لاش کو باہر پھینک دیا۔ اس کے لوگوں نے اسے ایک بار پھر دفن کیا لیکن زمین نے پھر اس کی لاش کو باہر پھینک دیا۔ آخرکار انہوں نے اسے کچھ پتھروں کے نیچے دفن کر دیا۔ جب یہ بات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ زمین ان سے بدتر لوگوں کو قبول کرتی ہے لیکن یہ لوگوں کو سبق سکھانے کے لیے ہوا ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء آیت نمبر 94 نازل فرمائی۔

’’اے ایمان والو جب تم اللہ کی راہ میں]جنگ کے لیے [نکلو تو تحقیق کر لیا کرو۔ اور جو تمہیں سلام کرے اسے مت کہو کہ تم مومن نہیں ہو، [1] دنیاوی زندگی کے سامان کے خواہش مند کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس بہت سے حصول ہیں۔ تم پہلے ایسے ہی تھے۔ پھر اللہ نے تم پر اپنا فضل کیا پس تحقیق کرو۔ بے شک اللہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے۔‘‘

اس پر ابن کثیر، The Life of the Prophet، جلد 3، صفحہ 304-306 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، یہ واقعہ مخلصانہ اعمال کے ساتھ اپنے عقیدے کی حمایت کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

حالانکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت لامحدود ہے اور تمام گناہوں کو مٹا سکتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی لامحدود رحمت سے امید ترک کرنے کو باب 12 یوسف آیت 87 میں کفر سے تعبیر کیا گیا ہے:

بے شک اللہ کی راحت سے کافروں کے سوا کوئی مایوس نہیں ہوتا‘‘۔ ’’

اس کے باوجود مسلمانوں کے لیے ایک حقیقت کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ یعنی کسی مسلمان کو اپنے ایمان کے ساتھ اس دنیا سے جانے کی ضمانت نہیں دی گئی ہے، ایک مسلمان کو غیر مسلم کی حیثیت سے موت کا خطرہ ہے۔ یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ شخص آخرت میں کہاں رہے گا۔ یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب کوئی مسلمان گناہوں پر قائم رہے، خاص طور پر کبیرہ گناہوں، جیسے شراب پینا اور اپنی فرض نمازیں ادا کرنے میں ناکام رہنا اور اپنے گناہوں سے سچی توبہ کیے بغیر اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے تمام گناہوں سے سچے دل سے توبہ کریں اور اپنے تمام واجبات کو ادا کرنے کی کوشش کریں کیونکہ یہ ایک ایسا کام ہے جسے وہ بلا شبہ پورا کر سکتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

انہیں یہ یقین کرنے میں دھوکہ نہیں دیا جانا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں حقیقی امید کے طور پر، اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے، اعمال کے ذریعے مدد ملتی ہے۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ

سامنا کرنا شامل ہے۔ ایسا نہ کرنا اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کی امید رکھنا، اس کی رحمت سے امید نہیں، یہ محض خواہش مندانہ سوچ ہے جس کا کوئی وزن یا اہمیت نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر اس کی تنبیہ فرمائی ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ ہجرت کے ساتویں سال آپ نے ایک لشکر روانہ کیا اور ایک خاص صحابی رضی اللہ عنہ کو ان کی ذمہ داری دی اور دوسروں کو حکم دیا کہ وہ آپ کی اطاعت کریں۔ مہم کے دوران یہ رہنما دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم پر ناراض ہو گیا اور پھر انہیں حکم دیا کہ آگ پیدا کر کے اس میں داخل ہو جاؤ۔ لیکن انہوں نے جواب دیا کہ وہ آگ اور عذاب سے بچنے کے لیے اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ قائد کا غصہ پھر ٹھنڈا ہوا اور آگ بجھ گئی۔ جب یہ خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تنبیہ کی کہ اگر وہ آگ میں داخل ہو جاتے تو وہ اس میں ہی رہتے اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ لوگوں کی اطاعت صرف ان چیزوں میں ہے جو اچھے معنی رکھتی ہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا باعث نہ بنیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 306 میں بحث کی گئی ہے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135:

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔‘‘

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخرکار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو ایک مسلمان کی دنیا اور آخرت میں تمام مشکلات سے باحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی عارضی چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں ایک مسلمان اور کسی خاص طریقے سے لباس پہن اسکارف اتار دیا عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا لیا تو وہ کام پر زیادہ عزت دار ہو گی اور کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی سے چڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد کسی پب یا کلب میں مدعو کر سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور ذکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں راستوں پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کس کو ترجیح دی جائے اور کس کا انتخاب کیا جائے۔

دورہ)عمرہ(

وعدوں کا وفادار

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال، آپ نے زیارت)عمرہ(کرنے کے لیے مکہ کا رخ کیا، جیسا کہ گزشتہ سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے ساتھ اتفاق کیا گیا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 2000 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف لائے اور اپنے ساتھ اسلحہ لے کر آئے۔ ابتدائی معاہدہ یہ تھا کہ وہ اپنی میان شدہ تلواروں کے ساتھ ہی مکہ میں داخل ہوں گے۔ جب مکہ کے غیر مسلموں کو معلوم ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے باہر پڑاؤ ڈالا ہے اور اپنے ساتھ دوسرے ہتھیار بھی لے آئے ہیں تو انہوں نے مکراز ابن حفص کو ان سے بات کرنے کے لیے روانہ کیا۔ میکراز نے تبصرہ کیا کہ انہوں نے کبھی بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تجربہ نہیں کیا، جوانی میں یا بڑے ہونے پر غداری کرتے ہوئے اور پھر اپنے ساتھ لائے ہوئے ہتھیاروں سے سوال کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں یقین دلایا کہ ہتھیار مکہ سے باہر ہی رہیں گے اور وہ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہ اپنے وعدے کے مطابق صرف اپنی میان شدہ تلواروں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوں گے۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1629-1631 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ وعدہ خلافی منافقت کا ایک پہلو ہے۔

ایک مسلمان کا سب سے بڑا وعدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، جو اس کی سچی اطاعت کرنا ہے۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ لوگوں کے ساتھ کیے گئے دیگر تمام وعدوں کو بھی برقرار رکھا جانا چاہیے جب تک کہ

کسی کے پاس کوئی معقول عذر نہ ہو، خاص طور پر جو والدین بچوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ وعدوں کی خلاف ورزی بچوں کو صرف برے کردار کی تعلیم دیتی ہے اور انہیں یہ ماننے کی ترغیب دیتی ہے کہ دھوکے باز ہونا ایک قابل قبول خصوصیت ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2227 میں موجود حدیث وعدہ کرے اور پھر بغیر کسی عذر کے اسے پر میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ جو اس کے نام توڑ دے وہ اس کے خلاف ہو گا۔ جس کے خلاف اللہ تعالیٰ ہے وہ قیامت کے دن کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟

محتاط رہنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال، آپ نے زیارت)عمرہ(کرنے کے لیے مکہ کا رخ کیا، جیسا کہ گزشتہ سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے ساتھ اتفاق کیا گیا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 2000 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف لائے اور اپنے ساتھ اسلحہ لے کر آئے۔ ابتدائی معاہدہ یہ تھا کہ وہ اپنی میان شدہ تلواروں کے ساتھ ہی مکہ میں داخل ہوں گے۔ جب مکہ کے غیر مسلموں کو معلوم ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے باہر پڑاؤ ڈالا ہے اور اپنے ساتھ دوسرے ہتھیار بھی لے آئے ہیں تو انہوں نے مکراز ابن حفص کو ان سے بات کرنے کے لیے روانہ کیا۔ میکراز نے تبصرہ کیا کہ انہوں نے کبھی بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تجربہ نہیں کیا، جوانی میں یا بڑے ہونے پر غداری کرتے ہوئے اور پھر اپنے ساتھ لائے ہوئے ہتھیاروں سے سوال کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں یقین دلایا کہ ہتھیار مکہ سے باہر ہی رہیں گے اور وہ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہ اپنے وعدے کے مطابق صرف اپنی میان شدہ تلواروں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوں گے۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1629-1631 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ دوسروں کے ساتھ محتاط رہنے کی اہمیت کو بھی ظاہر کرتا ہے، خاص طور پر ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے ماضی میں غداری کی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6133 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مومن کو ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کسی چیز یا کسی سے دو بار بیوقوف نہیں بنتا۔ اس میں گناہوں کا ارتکاب بھی شامل ہے۔ ایک سچا مومن گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ نہیں ہے۔ لیکن جب وہ ان کا ارتکاب

کرتے ہیں تو وہ اپنی غلطی کو نہیں دہراتے ہیں اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے توبہ کرکے سیکھتے ہیں اور بہتر کے لیے بدلتے ہیں۔

ایک سچا مومن لوگوں پر اندھا اعتماد نہیں کرتا جس سے ان کے ساتھ ظلم ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ لیکن اگر وہ کسی کی طرف سے بے وقوف بنائے گئے ہیں تو انہیں نظر انداز کرنا چاہئے اور معاف کرنا چاہئے کیونکہ یہ ان کی بخشش کا باعث بنتا ہے۔ باب 24 النور، آیت 22:

‘‘اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟..."

لیکن انہیں اس شخص کے ساتھ معاملہ کرتے وقت احتیاط سے چلتے ہوئے اپنے رویے کو بھی بدلنا چاہیے تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ وہ دوبارہ بے وقوف نہ بنیں۔ دوسروں کو معاف کرنے اور ان پر اندھا بھروسہ کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے، خاص طور پر جب وہ کسی پر ظلم کرتے ہیں۔

اس حدیث کا اطلاق زندگی کے ہر پہلو پر ہوتا ہے کیونکہ سچا مومن وہ ہے جو اپنے تجربات اور علم سے مسلسل سیکھتا ہے تاکہ اس میں بہتری لائی جائے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں اضافہ کر کے اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس سے پرہیز کرے۔ اس کی ممانعتوں اور تقدیر کا مقابلہ روایات کے مطابق صبر کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔

کمزوری کے بغیر عاجزی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال، آپ نے زیارت)عمرہ(کرنے کے لیے مکہ کا رخ کیا، جیسا کہ گزشتہ سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے ساتھ اتفاق کیا گیا تھا۔ ان تک یہ خبر پہنچی کہ مکہ کے غیر مسلم رہنما یہ خبریں پھیلا رہے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑی مشکل اور پریشانی میں ہیں۔ غیر مسلم بیت اللہ، کعبہ کے قریب قطار میں کھڑے ہو کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گواہی دے رہے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اس دن طاقت کا مظاہرہ کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعا کی۔ اپنی طاقت دکھانے کے لیے انہوں نے خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے جزوی طور پر خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 308 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

امام منذری کی بیداری اور اندیشہ نمبر 2556 میں موجود حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاجزی اختیار کرنے والے کو بشارت دی ہے جو بغیر کسی عیب یعنی کمزوری کے عاجزی اختیار کرتا ہے۔ عاجز اللہ تعالیٰ کے احکام و ممنوعات پر سرتسلیم خم کرتا ہے، قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، اس طرح اس کی بندگی کا ثبوت دیتا ہے۔ جب سچائی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو وہ آسانی سے اسے قبول کرتے ہیں چاہے وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو اور اس سے قطع نظر کہ اسے کون ان تک پہنچاتا ہے۔ مطلب، وہ سچائی کو یہ سمجھتے ہوئے رد نہیں کرتے کہ وہ بہتر جانتے ہیں۔ وہ دوسروں کو حقیر نہیں سمجھتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کسی دنیاوی چیز کی وجہ سے جو ان کے پاس ہیں یا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے وہ ان سے برتر ہیں، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا آخری انجام یا دوسروں کا آخری نتیجہ ان کے لیے نامعلوم ہے۔ یعنی وہ مر سکتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی نہیں ہے۔ اس حقیقت کو انسان کو غرور کے مہلک گناہ سے روکنا چاہیے۔ ایک ایٹم کی قیمت کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ کمزوری کے بغیر عاجزی کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان ہمیشہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرتا ہے لیکن ضرورت پڑنے پر اپنا دفاع کرنے سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی ان کی عاجزی ان کی بے عزتی اور بے عزتی کا باعث بنتی ہے۔

مہربانی کو ترجیح دی جاتی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال، آپ نے زیارت (عمرہ) کرنے کے لیے مکہ کا رخ کیا، جیسا کہ گزشتہ سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے ساتھ اتفاق کیا گیا تھا۔ تین دن کا متفقہ وقت گزر جانے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مکہ چھوڑنے کا مطالبہ کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بتایا کہ جیسا کہ انہوں نے میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے شادی کی تجویز مکہ میں رکھی تھی، وہ وہاں شادی کی دعوت دینا چاہتے تھے اور چاہتے تھے کہ غیر مسلم دعوت میں اس کے ساتھ شامل ہوں .لیکن انہوں نے بدتمیزی سے اس سے مکہ چھوڑنے کا مطالبہ کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا جواب قبول کیا اور مکہ چھوڑنے کا حکم دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 310-311 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2701 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

یہ ایک اہم خصوصیت ہے جسے تمام مسلمانوں کو اپنانا چاہیے۔ اسے اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں استعمال کیا جانا چاہیے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ نرم مزاجی سے خود مسلمان کو کسی اور سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتیں اور اجر و ثواب حاصل کریں گے اور گناہوں کی مقدار کو کم کریں گے، کیونکہ ایک شریف آدمی اپنے قول و فعل سے گناہوں کا امکان کم رکھتا ہے، بلکہ اس سے انہیں دنیاوی معاملات میں بھی فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، جو شخص اپنے شریک حیات کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے وہ بدلے میں زیادہ پیار اور عزت حاصل کرے گا اگر وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ جب بچوں کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کیا جاتا ہے تو بچے اپنے والدین کی فرمانبرداری اور احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ کام پر موجود ساتھی اس کی مدد کرنے کا زیادہ امکان رکھتے ہیں جو ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے۔ مثالیں لامتناہی ہیں۔ ،صرف انتہائی شاذ و نادر ہی صورتوں میں سخت رویہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ تر معاملات میں نرم رویہ سخت رویہ سے کہیں زیادہ موثر ہوگا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی نرمی کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے کیونکہ یہ ایک اہم جز ہے جو دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کے لیے ضروری ہے۔ باب 3 آل عمران، آیت 159:

"پس اللہ کی رحمت سے،]اے محمد[، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور دل میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔‘‘

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کبھی بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ شخص جس کے ساتھ وہ بات چیت کرتے ہیں وہ فرعون سے بدتر ہو گا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم دیا تھا۔ فرعون کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ باب 20 طہٰ، آیت 44:

اور اس سے نرمی سے بات کرو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ سے ڈرے‘‘۔’’

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام معاملات میں نرمی اختیار کرے کیونکہ اس سے بہت زیادہ اجر ملتا ہے اور دوسروں جیسے کہ اپنے خاندان پر مثبت اثر پڑتا ہے۔

نبوی شادیاں

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال، آپ نے زیارت)عمرہ(کرنے کے لیے مکہ کا رخ کیا، جیسا کہ گزشتہ سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے ساتھ اتفاق کیا گیا تھا۔ اس سفر میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ یہ اس کی آخری شادی تھی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 310-311 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ باب 33 الاحزاب، آیات 50-52 سے مربوط ہے:

اے نبیؐ، ہم نے آپ کے لیے آپ کی بیویوں کو حلال کیا ہے جن کو آپ نے ان کا معاوضہ دیا ہے اور'' جو کچھ آپ کے دائیں ہاتھ کے پاس ہے اس میں سے جو اللہ نے آپ کو لوٹا ہے اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کے چچا کی بیٹیاں۔ پھوپھی اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی اور ایک مومن عورت اگر وہ اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دے]اور [اگر نبی اس سے شادی کرنا چاہے۔]یہ [صرف آپ کے لئے ہے،]دوسرے [مومنوں کو چھوڑ کر۔ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ ہم نے ان پر ان کی بیویوں اور ان کے دائیں ہاتھ والوں کے بارے میں کیا فرض کیا ہے،]لیکن یہ تمہارے لیے ہے [تاکہ تم پر کوئی تکلیف نہ ہو۔ اور اللہ ہمیشہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ آپ،]رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[، ان میں سے جسے چاہیں الگ کر سکتے ہیں یا جسے چاہیں اپنے پاس لے سکتے ہیں۔ اور جن بیویوں سے تم نے علیحدگی اختیار کی تھی ان میں سے جو تم چاہو تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ یہ زیادہ مناسب ہے کہ وہ مطمئن رہیں اور غمگین نہ ہوں اور جو کچھ آپ نے انہیں دیا ہے اس پر وہ مطمئن رہیں۔ اور اللہ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اور اللہ ہمیشہ جاننے والا اور بردبار ہے۔ آپ کے لیے اس کے بعد)کوئی اضافی (عورتیں حلال نہیں ہیں، اور نہ ہی آپ کے لیے یہ جائز ہے کہ ان کو دوسری بیویوں سے بدل دیں، چاہے ان کا حسن ہی کیوں نہ ہو۔ آپ کو مہربانی، سوائے اس کے جو آپ کے دائیں ہاتھ کے پاس ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر نظر رکھنے والا ہے۔''

یہ آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابتداء میں ایک وقت میں چار سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت تھی۔ یہ آیات کھلے ذہن کے ساتھ ان کا مطالعہ کرنے والے کے لیے وجہ بالکل واضح کرتی ہیں۔ ان آیات میں جن تکلیف کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشن ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات اور اس کی روایات کو معاشرے اور دنیا تک پہنچانا۔ ان تعلیمات کو دو پہلوؤں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلی ان کی عوامی زندگی ہے جس کے بارے میں جاننے اور آگے پہنچانے کی ذمہ داری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تھی۔ دوسری اس کی نجی زندگی تھی، جس کے بارے میں جاننے اور آگے پہنچانے کے لیے اس کے خاندان، جیسے اس کی بیویاں، ذمہ دار تھیں۔ تاریخ سے واضح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عوامی زندگی کی تعلیمات کو پہنچانے کے لیے ہزاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ضرورت پڑی تو چار بیویوں کے لیے یہ کیسے ممکن ہوا کہ مسلمانوں کے لیے اسلام نے جو حد مقرر کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو پہنچانا۔ نجی زندگی؟ یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنے مشن کو آسان بنانے کے لیے ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویوں کی اجازت دی تھی۔ زیر بحث آیات میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کی مزید تائید زیر بحث آیات کے آخری حصے سے ہوتی ہے جہاں ایسا لگتا ہے کہ زیادہ ازواج مطہرات سے شادی کرنے کی اجازت کو ختم کر دیا گیا تھا کیونکہ اس کے پاس اتنی بیویاں تھیں جو کامل تھیں، کیونکہ ان کی عمر اور سماجی پس منظر میں فرق تھا، تاکہ اس کی تعلیمات کو بیان کیا جا سکے۔ کمیونٹی اور دنیا کے لیے نجی زندگی، جسے انہوں نے اعلیٰ ترین معیار پر پورا کیا، اللہ ان سب سے راضی ہو۔

عام طور پر دیکھا جائے تو اسلام مردوں کو ایک ساتھ چار عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت دیتا ہے جبکہ عورتیں کسی ایک وقت میں صرف ایک ہی شوہر رکھ سکتی ہیں۔ اس فرق کی بہت سی وجوہات ہیں۔ مثال کے طور پر، اسلام کی آمد میں زیادہ تر خواتین کے پاس پیشے نہیں تھے، جیسا کہ آج کرتے ہیں، لہذا جب بھی کوئی عورت بیوہ یا طلاق یافتہ ہوتی تھی، اکثر اس کے پاس اپنے یا اپنے بچوں کو پالنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا تھا۔ اس نے خواتین کو غیر قانونی سرگرمیوں کی طرف مجبور کیا۔ اس کو ختم کرنے کے لیے مردوں کو چار عورتوں تک شادی کرنے کی اجازت دی گئی۔

اس کے علاوہ، جب ایک مرد کے پاس ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب بھی بیویوں میں سے کوئی ایک بچہ جنم دیتی ہے تو والدین کون ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ایک عورت کو ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ مردوں سے شادی کرنے کی اجازت دی گئی تو باپ کی شناخت مشکل ہو جائے گی کیونکہ بہت سے لوگ جدید سائنسی ٹیسٹوں کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے۔ ان میں سے بہت سے جو ان کی استطاعت رکھتے ہیں وہ اپنے آپ کو والدین کے بوجھ سے آزاد کرنے کے لیے ان ٹیسٹوں کے ذریعے فراہم کردہ ڈیٹا کی تردید کریں گے۔ یہ ان گنت سماجی مسائل کا باعث بنے گا جیسے ٹوٹے ہوئے خاندان اور واحد والدین کے گھر۔ اس قانون میں اس پیشین گوئی کو بھی مدنظر رکھا گیا کہ قریب قریب عورتوں کی آبادی اس حد تک بڑھ جائے گی کہ ہر ایک مرد کے مقابلے میں پچاس عورتیں ہو جائیں گی۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4045 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اسلام میں کوئی جبر نہیں ہے لہذا عورت کسی خاص شخص سے شادی سے انکار کرنے میں آزاد ہے۔ اس کے علاوہ، ایک آدمی کو ہمیشہ اپنی شریک بیویوں کے ساتھ یکساں اور احترام کے ساتھ پیش آنے کی نیت کرنی چاہیے، جس کا اس آیت میں حکم دیا گیا ہے۔

آخر میں، یہ انتہائی عجیب بات ہے کہ کس طرح کچھ لوگ ایک سے زیادہ بیویوں پر اعتراض کرتے ہیں پھر بھی ایک سے زیادہ گرل فرینڈز/ پارٹنرز کو قبول کرتے ہیں حالانکہ سابقہ مرد کو اپنی تمام بیویوں کے ساتھ یکساں سلوک کرنے پر مجبور کرتا ہے اور اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ وہ ان میں سے ہر ایک کے حقوق کو پورا کرتا ہے، جبکہ اس قسم کا اور منصفانہ سلوک صرف یہ کرتا ہے۔ موجود نہیں ہے جب ایک کی متعدد گرل فرینڈز ہوں۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ عدل اور مہربانی سے جڑی شادی پر اعتراض کرتے ہیں پھر بھی زنا سے خوش ہیں۔ شادی بچوں کے لیے مستحکم اور معاون گھروں کو جنم دیتی ہے جب کہ متعدد گرل فرینڈز/ پارٹنرز کا ہونا ٹوٹے ہوئے اور غیر معاون گھروں کی طرف لے جاتا ہے۔

خواتین کی عزت کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال، آپ نے زیارت)عمرہ(کرنے کے لیے مکہ کا رخ کیا، جیسا کہ گزشتہ سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے ساتھ اتفاق کیا گیا تھا۔ مکہ سے نکلتے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعاقب آپ کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے کیا۔ وہ مکہ چھوڑ کر مدینہ میں مسلمانوں کے درمیان رہنا چاہتی تھی۔ علی ابن ابی طالب نے اسے لے لیا اور اپنی بیوی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ وہ اسے اپنی نگرانی میں رکھیں گے۔ جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے استدلال کیا کہ وہ اسے اپنے زیر کفالت رکھنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں کیونکہ وہ ان کے چچا کی بیٹی تھی اور اس کی خالہ ان کی بیوی تھیں۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے استدلال کیا کہ وہ اسے اپنی نگرانی میں لینے کا زیادہ حق رکھتے ہیں کیونکہ اس کے والد اس کے بھائی تھے، اس ایمان کے بندھن کے ذریعے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برسوں پہلے بنائے تھے۔ .حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ دیا اور فرمایا کہ خالہ کا درجہ ماں کے برابر ہے۔ اس کے بعد آپ نے ان سب کو تسلی دی اور ان کی تعریف کی اور کہا کہ علی رضی اللہ عنہ ان سے تھے اور علی رضی اللہ عنہ ان سے تھے۔ اس نے جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ ظاہری شکل و صورت میں ان سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ اس نے زید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ ان کا آزاد کردہ غلام ہے اور اپنے بھائی کی طرح ہے۔ صحیح بخاری نمبر 4251 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

یہ ایک بہت ہی ناقابل یقین واقعہ ہے کیونکہ اس سے چند سال پہلے عرب لڑکیوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور انہیں اپنے گھر والوں کی لعنت کے طور پر دیکھتے تھے۔ اس کے نتیجے میں بہت سے عرب اپنی نوزائیدہ بچیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ اسلام میں بہت زیادہ تنقید کا رویہ۔ باب 16 النحل، آیات 58-59:

اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی پیدائش کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم کو دبا دیتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو لوگوں سے چھپاتا ہے اس بیماری کی وجہ سے جس کی اسے

اطلاع دی گئی ہے۔ اسے ذلت کے ساتھ رکھ دے یا زمین میں دفن کر دے۔ بلاشبہ وہ بری چیز ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔

عام طور پر دیکھا جائے تو اسلام سے پہلے عورتیں خود ایک ایسی چیز میں شمار ہوتی تھیں جو دوسروں کو وراثت میں ملتی تھیں۔ اسلام نے اس غیر منصفانہ روش کو ختم کیا اور انہیں ایسے حقوق دیے جو کسی بھی دوسرے معاشرے سے زیادہ تھے۔

عام بات یہ ہے کہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عورتوں کے لیے گھریلو استعمال کی اشیاء کے برابر ہونا عام رواج تھا۔ انہیں مویشیوں کی طرح خریدا اور بیچا جائے گا۔ عورت کو شادی کے حوالے سے کوئی حق نہیں تھا۔ اپنے رشتہ داروں کی طرف سے وراثت میں کچھ حصہ کی حقدار ہونے کے علاوہ، وہ خود کو وراثت کا ایک ٹکڑا سمجھا جاتا تھا جیسے گھر کے دیگر سامان۔ اسے مردوں کی ملکیت سمجھا جاتا تھا جبکہ اسے کسی چیز کی ملکیت کی اجازت نہیں تھی۔ اور وہ صرف مرد کی مرضی کے مطابق خرچ کر سکتی تھی۔ جبکہ مرد اپنی خواہش کے مطابق کوئی بھی مال خرچ کر سکتا ہے جو اس کا ہونا چاہیے، جیسے اجرت۔ اسے اس طریقہ پر سوال کرنے کا بھی حق نہیں تھا۔ یورپ کے کچھ گروہوں نے تو عورت کو انسان نہیں سمجھا اور اسے جانور کے برابر قرار دیا۔ عورت کو مذہب میں کوئی جگہ نہیں تھی۔ وہ عبادت کے لیے نااہل سمجھے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض نے عورتوں کو روح کی حامل نہیں قرار دیا۔ ایک باپ کے لیے اپنی نوزائیدہ یا جوان بیٹی کو قتل کرنا مکمل طور پر معمول سمجھا جاتا تھا کیونکہ اسے خاندان کے لیے شرمندگی کے طور پر دیکھا جاتا تھا۔ بعض کا یہ بھی ماننا تھا کہ عورت کو قتل کرنے والے کے خلاف کوئی انصاف نہیں کیا جائے گا۔ کچھ رسم و رواج نے تو مردہ شوہر کی بیوی کو بھی مار ڈالا کیونکہ وہ اس کے بغیر رہنے کے قابل نہیں تھی۔ بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ عورتوں کا مقصد صرف مردوں کی خدمت ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے انسان کو تمام لوگوں کا احترام کرنے کا درس دیا، عدل و انصاف کو قانون بنایا اور مردوں کو عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کے لیے ان کے اپنے حقوق کے متوازی ذمہ دار ٹھہرایا۔ .خواتین کو آزاد اور خود مختار بنایا گیا۔ وہ مردوں کی طرح اپنی جان و مال کی خود مالک بن گئی۔ کوئی مرد عورت کو زبردستی کسی سے شادی کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اگر اس کی رضامندی کے بغیر اسے مجبور کیا جاتا ہے تو یہ اس کا اختیار بنتا

ہے کہ وہ نکاح جاری رکھے یا اسے فسخ کرے۔ کسی مرد کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی ملکیت میں سے کچھ بھی اس کی رضامندی اور منظوری کے بغیر خرچ کرے۔ شوہر کی موت کے بعد یا طلاق کے بعد وہ خود مختار ہو جاتی ہے اور اسے کسی کی طرف سے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ذمہ داریوں کے مطابق مردوں کی طرح وراثت میں حصہ ملتا ہے۔ عورتوں پر خرچ کرنا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا اللہ تعالیٰ نے عبادت قرار دیا ہے۔ یہ تمام حقوق اور اس سے زیادہ عورتوں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے نہیں دیا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ آج خواتین کے حقوق کے لیے کھڑے ہونے والے اسلام پر تنقید کرتے ہیں حالانکہ اس نے خواتین کو صدیوں پہلے حقوق دیے تھے۔

ہجرت کے بعد آٹھواں سال

زندگی میں باطل

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے ایک غیر مسلم رئیس خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کا سفر کرنے اور اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے وضاحت کی کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اسلام کی تمنا ان کے دل میں ڈالی اور اسے اس پر غور و فکر کرنے کی صلاحیت عطا کی۔ اس کے بعد اس نے ذکر کیا کہ کس طرح اس نے سرزمین عرب کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف دیکھا حالانکہ ان غیر مسلموں نے اپنی سرزمین میں جو کچھ کیا وہ قابل مذمت تھا اور اسے ایسا محسوس ہوا کہ گویا وہ ان میں سے نہیں ہیں۔ .اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ جانتے تھے کہ سچائی یعنی اسلام، بالآخر غالب آئے گا اس لیے اس نے مدینہ کا رخ کرنے اور اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 323 میں بحث کی گئی ہے۔

جس چیز نے انہیں اسلام قبول کرنے کی مزید حوصلہ افزائی کی وہ وہ خط تھا جو انہیں اپنے بھائی ولید بن ولید رضی اللہ عنہ کی طرف سے موصول ہوا تھا۔ خط میں اس کے بھائی نے حیرت کا اظہار کیا کہ خالد جیسا شخص اسلام کی مخالفت کر کے اتنا ذہین اور اتنا جاہل کیسے ہو سکتا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں سوال بھی کیا اور فرمایا کہ ان جیسا شخص اسلام سے ناواقف نہ ہو اور اگر وہ اسلام کی مدد میں اپنی کوششیں لگادیں تو یہ اس کے لیے بہتر ہوگا اور وہ اسے لے آئے گا۔ رینک میں دوسروں سے آگے۔ اس کے بھائی نے اس پر زور دیا کہ وہ اس نیکی سے محروم نہ ہوں کیونکہ اس سے پہلے وہ بہت سی اچھی چیزوں سے محروم ہو چکا ہے۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1642-1643 میں بحث کی گئی ہے۔

ہر عمر میں بہت سے لوگ اپنی زندگی کے اندر سے اس قسم کے خالی پن کا تجربہ کرتے ہیں۔ کچھ لوگ اس احساس کو درمیانی زندگی کے بحران سے بھی جوڑتے ہیں۔ ایک شخص جو اس کا تجربہ کرتا ہے اکثر اپنے مقصد پر سوال اٹھاتا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ایک بہت بڑا خلا محسوس کرتا ہے حالانکہ اس کے پاس بہت سی چیزیں ہیں اور بہت ساری دنیاوی کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ ایسا اکثر ہوتا ہے کیونکہ یہ لوگ اپنی تخلیق کے اس مقصد کو پورا نہیں کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم حاصل کرنا ہے تاکہ وہ اس کی صحیح اطاعت اور عبادت کر سکیں۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو جدید ترین موبائل فون کا مالک ہے جس میں ابھی تک بہت سی خصوصیات ہیں، ایک خرابی کی وجہ سے وہ اپنے بنیادی مقصد کو پورا کرنے میں ناکام رہتا ہے جو کہ فون کال کرنا ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ یہ دیگر خصوصیات کتنی اچھی ہیں مالک ہمیشہ اس کے حوالے سے ایک خالی محسوس کرے گا کیونکہ فون اپنے وجود کا بنیادی مقصد پورا نہیں کرتا ہے۔ اسی طرح ایک شخص اپنی زندگی میں خلا محسوس کرے گا خواہ اس کے پاس بہت سی دنیاوی چیزیں ہوں۔ یہ احساس مسلمانوں اور غیر مسلموں کو متاثر کرتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ غیر مسلم ایسا کیوں محسوس کرتے ہیں کہ وہ اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کرنے سے آگے نہیں بڑھ سکتے ہیں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ وہ کچھ بھی حاصل کر لیں آخرکار وہ اپنی زندگی میں اس خلا کو محسوس کرتے ہیں۔ یہ ان مسلمانوں کو ہوتا ہے جو اپنے واجبات کو بھی پورا کرتے ہیں لیکن جب وہ اپنے مقصد کو صحیح طریقے سے پورا کرنے کے لیے ضروری علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو وہ اس خلا کا تجربہ کرتے ہیں۔ زیادہ تر معاملات میں وہ عربی زبان بھی نہیں سمجھتے ہیں اس لیے محض عبادت کرنے سے اس خلا کو پر نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی بھی اس خلا کو اس وقت تک پر نہیں کرے گا جب تک کہ وہ تخلیق کے اس مقصد کو پورا کرنے کی کوشش نہ کریں جو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی کے ہر لمحے اس کی صحیح اطاعت اور عبادت کر سکیں۔

عمرو بن عاص نے جنگ خندق کے بعد ایتھوپیا کی طرف ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا کیونکہ اسے لگتا تھا کہ عرب میں اسلام غالب ہو گا۔ اس نے تبصرہ کیا کہ اگر عرب میں اسلام غالب ہوتا ہے تو وہ ایتھوپیا کے بادشاہ نجاشی کے ماتحت رہنا پسند کرے گا جو اس کا دوست تھا اور اگر غیر مسلم اسلام پر غالب آجاتے ہیں تو ان کے ساتھ پہلے سے ہی مضبوط تعلقات ہیں۔ جب وہ حبشہ پہنچا تو اس نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو بادشاہ کے دربار سے نکلتے ہوئے دیکھا۔ پھر اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ اس شخص کو پھانسی کے لیے اس کے حوالے کر دیا جائے۔ بادشاہ کو اس پر غصہ آیا اور کہا کہ وہ کیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول کو پھانسی کے لیے دے سکتا ہے۔ بادشاہ نے پھر عمرو کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی کیونکہ یہ سچ تھا۔ پھر عمرو نے بادشاہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے کے لیے مدینہ جانے کا فیصلہ کیا۔ راستے میں وہ خالد بن ولید سے ٹکرا گیا جو اسلام قبول کرنے کے

لیے مدینہ جا رہا تھا۔ وہ دونوں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔
نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1639-1641 میں بحث کی گئی ہے۔

موتہ کی جنگ

درست ادراک

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے آٹھویں سال آپ نے جنگ موتہ میں حصہ لینے کے لیے ایک لشکر روانہ کیا۔ یہ لشکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کے طور پر روانہ کیا گیا، حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ، جو بصرہ کے حاکم کو خط پہنچا رہے تھے، کو گورنر نے پکڑ کر قتل کر دیا۔ بلقا، رومی بادشاہ کا حلیف۔ یہ عملاً مسلمانوں کے خلاف اعلانِ جنگ تھا، کیونکہ ہر دور میں سفیر کو قتل کرنا ہمیشہ سے حرام رہا ہے۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 382-383 میں بحث کی گئی ہے۔

حسب معمول جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر روانہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین فرمائی، خیانت سے گریز کریں، کسی بچے، عورت بوڑھے یا کسی کو قتل نہ کریں۔ اپنے آپ کو ایک خانقاہ میں الگ تھلگ کیا، درختوں کو نہ کاٹیں اور نہ ہی عمارتوں کو توڑ دیں۔ اس نے ان سے کہا کہ جب ان کا مقابلہ دشمن سے ہو تو وہ تین میں سے کسی ایک آپشن کی طرف دعوت دیں :اسلام قبول کرنا، ٹیکس)جزیہ (دینا یا جنگ کرنا۔ اس پر امام محمد السلّابی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرتِ نبوی، جلد 1، صفحہ 1651 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لشکر کے ایک کمانڈر اور یکے بعد دیگرے دو مزید جانشینوں کا نام دیا۔ لوگوں نے اس سے سمجھا کہ یہ مخصوص صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ ایک یہودی آدمی نے بھی سابقہ آسمانی تعلیمات سے تصدیق کی کہ جب بھی کسی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کمانڈر کے جانشین کا نام دیا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ضرور شہید ہوں گے۔ پہلے کمانڈر کے جانشینوں میں سے ایک عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تھے۔ عبداللہ بن

رواحہ رضی اللہ عنہ لوگوں کو الوداع کرتے ہوئے رو پڑے۔ جب اس سے اس کے عمل کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ اس کا رونا دنیا یا لوگوں کی محبت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اسے آخرت اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ یاد ہے کہ ہر ایک کو جہنم کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن اسے یقین نہیں تھا کہ وہ کیسے ہے؟ اس سے بچنے کے لئے جا رہا ہے .باب 19 مریم، آیت 71:

"اور تم میں سے کوئی نہیں ہے سوائے اس کے اس]جہنم [میں آئے گا۔ یہ تیرے رب پر لازم و ملزوم ہے۔"

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 326-327 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے رویہ پر دلالت کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ آخرت پر توجہ مرکوز رکھتے تھے اور مادی دنیا کی آسائشوں کو جمع کرنے اور جمع کرنے پر اس کی تیاری کو ترجیح دیتے تھے۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دنیا اور آخرت کی نوعیت کو سمجھ کر اس صحیح ادراک اور رویے کو اپنائیں۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4108 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں سمندر کے مقابلے میں پانی کے قطرے کی طرح ہے۔

درحقیقت یہ تمثیل اس لیے دی گئی تاکہ لوگ سمجھ سکیں کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں کتنی چھوٹی ہے۔ لیکن حقیقت میں ان کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مادی دنیا عارضی ہے جبکہ آخرت ابدی ہے۔ یعنی محدود کا لامحدود سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ مادی دنیا کو چار قسموں میں تقسیم کیا

جا سکتا ہے :شہرت، قسمت، اختیار اور کسی کی سماجی زندگی، جیسے ان کا خاندان اور دوست۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کسی کو کوئی بھی دنیاوی نعمت حاصل ہو جو ان گروہوں میں آتی ہے وہ ہمیشہ نامکمل، عارضی ہوگی اور موت انسان کو نعمتوں سے کاٹ دے گی۔ دوسری طرف آخرت کی نعمتیں پائیدار اور کامل ہیں۔ تو اس لحاظ سے مادی دنیا ایک نہ ختم ہونے والے سمندر کے مقابلے میں ایک قطرے سے زیادہ نہیں ہے۔

اس کے علاوہ، ایک شخص کو اس دنیا میں طویل زندگی کا تجربہ کرنے کی ضمانت نہیں ہے کیونکہ موت کا وقت نامعلوم ہے .جبکہ ہر ایک کو موت کا تجربہ کرنے اور آخرت تک پہنچنے کی ضمانت ہے۔ لہٰذا کسی کی ریٹائرمنٹ جیسے دن کے لیے کوشش کرنا بے وقوفی ہے، جس تک وہ آخرت کے لیے کوشش کرتے ہوئے کبھی نہ پہنچ سکے جس تک پہنچنے کی ان کی ضمانت ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی دنیا کو چھوڑ دے کیونکہ یہ ایک پل ہے جسے آخرت تک پہنچنے کے لیے عبور کرنا ضروری ہے۔ اس کے بجائے، ایک مسلمان کو اس مادی دنیا سے اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق بغیر فضول خرچی اور اسراف کے پورا کرنا چاہیے۔ اور پھر اپنی بقیہ کوششیں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے ابدی آخرت کی تیاری میں وقف کریں۔

ایک ذہین انسان نہ ختم ہونے والے سمندر پر پانی کے قطرے کو ترجیح نہیں دے گا اور ایک ذہین مسلمان دنیاوی مادی دنیا کو ابدی آخرت پر ترجیح نہیں دے گا۔

مندرجہ ذیل بہترین ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے آٹھویں سال آپ نے جنگ موتہ میں حصہ لینے کے لیے ایک لشکر روانہ کیا۔ اس لشکر میں ایک صحابی عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوج کو صبح سویرے نکلنے کا حکم دیا لیکن عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اپنی روانگی میں تاخیر کا فیصلہ کیا تاکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ سکیں۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اور پھر باقی لشکر کو پکڑو۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو مسجد میں نماز کے لیے موجود دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اعمال کے بارے میں سوال کیا۔ اس کی نیت معلوم ہونے کے بعد اس نے اسے بتایا کہ اسے جو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرنا ساری دنیا سے زیادہ ثواب ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 327 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ قرآن مجید کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر عمل پیرا ہونے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے، دوسری تعلیمات اور اعمال پر عمل کرنے کے بجائے، خواہ اسلام میں ان کو اچھا سمجھا جائے۔

سنن ابو داؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ ہر وہ معاملہ جس کی بنیاد اسلام پر نہ ہو اسے رد کر دیا جائے گا۔

اگر مسلمان دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں دائمی کامیابی چاہتے ہیں تو انہیں قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل کرنا چاہیے۔ اگرچہ بعض اعمال جو براہ راست ہدایت کے ان دو ذرائع سے نہیں کیے گئے ہیں ان کو پھر بھی ایک صالح عمل قرار دیا جا سکتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو باقی تمام چیزوں پر ترجیح دی جائے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں ذرائع سے نہ لینے والی چیزوں پر جتنا زیادہ عمل کرے گا

خواہ وہ عمل صالح ہی کیوں نہ ہو ہدایت کے ان دونوں ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ کتنے مسلمانوں نے اپنی زندگیوں میں ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جن کی رہنمائی کے ان دو ذرائع میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ ثقافتی عادات گناہ نہیں ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کو ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے سے روک دیا ہے کیونکہ وہ اپنے طرز عمل سے مطمئن ہیں۔ یہ ہدایت کے دو ذرائع سے ناواقفیت کا باعث بنتا ہے جس کے نتیجے میں صرف گمراہی ہی ہوتی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھے اور ان پر عمل کرے جو راہنماؤں کے ذریعہ قائم کیے گئے ہیں اور اس کے بعد ہی دوسرے رضاکارانہ اعمال صالحہ پر عمل کرنا چاہیے اگر اس کے پاس ایسا کرنے کے لیے وقت اور توانائی ہو۔ لیکن اگر وہ جاہلیت کا انتخاب کریں اور عمل کو اختیار کریں اگرچہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کے گناہ ہی کیوں نہ ہوں۔

ایمان میں مضبوطی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال آپ نے 3000 سپاہیوں کی ایک فوج کو جنگ موتہ میں شرکت کے لیے روانہ کیا۔ فوج نے موتہ کے قریب پہنچ کر پڑاؤ ڈالا جہاں انہیں اطلاع ملی کہ دشمن کی فوج دو لاکھ کے قریب ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر بحث کی کہ آیا اس مشن کو جاری رکھنا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجنا ہے، آپ کو صورتحال سے آگاہ کرنا ہے اور مزید احکامات کی درخواست کرنا ہے۔ لیکن عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اٹھے اور فوج کو یہ یاد دلاتے ہوئے لڑنے کی ترغیب دی کہ ان کی طاقت تعداد یا ہتھیاروں میں نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کی مخلصانہ اطاعت میں ہے۔ اس نے فوج کی شہادت یا فتح کا وعدہ کیا۔ فوج راضی ہو گئی اور ثابت قدمی کے ساتھ آگے بڑھی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 328 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو تقدیر کا بھی صبر کے ساتھ سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم وہ ہے جب کوئی اپنے اچھے کام دوسروں کے سامنے دکھاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہٰذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہے، بجائے اس کے کہ ہر وقت اپنے آپ کو یا دوسروں کی اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے نہ اپنی خواہشات کا علم ہونا چاہیے اور نہ ہی لوگ اسے اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہٰذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

‘‘...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو’’

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے)معمولی (گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، خواہ وہ اس پر عمل کریں۔ یہ مکمل طور پر کرنے کے قابل نہیں ہے .لہٰذا، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو جو صلاحیت عطا کی گئی ہے اسے پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا، بغیر اپنے دل کی صفائی کے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور اگر لوگوں کے حقوق کا تعلق ہو تو ان سے استغفار کرنا چاہیے۔ باب 46 الاحقاف، آیت 13:

’’بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔‘‘

شاندار حکمت عملی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال آپ نے 3000 سپاہیوں کی ایک فوج کو جنگ موتہ میں شرکت کے لیے روانہ کیا۔ فوج نے موتہ کے قریب پہنچ کر پڑاؤ ڈالا جہاں انہیں اطلاع ملی کہ دشمن کی فوج دو لاکھ کے قریب ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لشکر کے ایک کمانڈر اور یکے بعد دیگرے دو مزید جانشینوں کا نام دیا۔ لوگوں نے اس سے سمجھا ،کہ یہ مخصوص صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو جائیں گے۔ پہلے سپہ سالار زید بن حارثہ شہید ہوئے اس کے بعد جعفر بن ابو طالب اور پھر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ۔ پھر لشکر نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار مقرر کیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ لڑتے رہنا اس کے آدمیوں کی تباہی کا باعث بنے گا، جسے وہ قبول نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ ایک حکمت عملی سے پسپائی سب سے بہتر ہوگی کیونکہ رومیوں کے دلوں میں خوف اور خوف پیدا کرنے کا ان کا مقصد اس وقت حاصل ہو گیا تھا جب انہوں نے ایک چھوٹی فوج کو اس کے سائز سے 66 گنا زیادہ چیلنج کیا۔ اس نے پہلے اپنے فوجی یونٹوں کو دوبارہ ترتیب دیا تاکہ یہ تاثر دیا جا سکے کہ کمک پہنچ گئی ہے۔ اس کی وجہ سے رومی سپاہیوں کو پیچھے ہٹنا پڑا، ایک بار پھر لڑائی شروع ہو گئی، کیونکہ وہ مسلمانوں کو کمک حاصل کرنے کے خیال سے روکے گئے تھے۔ اس سے مسلم فوج کو کم سے کم جانی نقصان، تقریباً نقصانات کے ساتھ حکمت عملی کے ساتھ پیچھے ہٹنے کا کافی وقت ملا۔ چونکہ رومی فوج نے 10 سب سے پہلے پسپائی اختیار کی تھی اس لیے مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی جیسا کہ صحیح بخاری ،نمبر 1246 کی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذکر فرمایا ہے۔ سللابی کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم زندگی، جلد 1، صفحات 1656-1658۔

یہ تمام سپر پاورز اور عرب کے غیر مسلم قبائل کو واضح پیغام دینے کے لیے کافی تھا کہ اسلام یہاں باقی ہے۔ اس جنگ نے بہت سے عرب قبائل کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی اور بہت سے دشمنان اسلام نے مسلمانوں کے خلاف دشمنی کا مظاہرہ کرنا چھوڑ دیا کیونکہ ان کے دلوں میں خوف اور خوف کی ایک نئی تہہ جم گئی تھی۔

دوسروں کو تسلی دینا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال آپ نے 3000 سپاہیوں کی ایک فوج کو جنگ موتہ میں شرکت کے لیے روانہ کیا۔ فوج نے موتہ کے قریب پہنچ کر پڑاؤ ڈالا جہاں انہیں اطلاع ملی کہ دشمن کی فوج دو لاکھ کے قریب ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے لیکن وہ ثابت قدم رہے۔ ان کے ایک کمانڈر جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کی اطلاع مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے ہی دے دی۔ جب وہ جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کے پاس گئے اور انہیں ان کی شہادت کی خبر دی تو ان کے گھر والے غم زدہ ہونے لگے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تسلی دی اور لوگوں سے یہ کہتے ہوئے گھر سے نکلے کہ جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کے پاس حاضری دیں اور انہیں کھانا کھلائیں جیسا کہ وہ ان کے نقصان پر غمگین تھے۔ .اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 339 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 1601 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ غم زدہ کی تسلی کرنے والے کو قیامت کے دن عزت کا لباس پہنایا جائے گا۔

چونکہ مشکلات کا سامنا کرنا ان سب باتوں کی ضمانت ہے یہ ایک عظیم اجر حاصل کرنے کا ایک انتہائی آسان طریقہ ہے جس میں زیادہ وقت، توانائی یا پیسے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس میں اپنے ذرائع کے مطابق مشکل کا سامنا کرنے والے خاندان کی مدد کرنے کی کوشش کرنا شامل ہے، جیسے کہ جذباتی، مالی اور جسمانی مدد۔ ایک مسلمان کو مشکل کا سامنا کرنے والوں کو پوری آزمائش کے دوران صبر کرنے کی ترغیب دینی چاہیے اور انہیں قرآن پاک کی آیات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث یاد دلانی چاہیے، جو صبر کی اہمیت اور اجر عظیم کے بارے میں بتاتی ہیں۔ انہیں یہ یاد دلاتے ہوئے مثبت بات کرنی چاہئے کہ چیزیں صرف اچھی وجہ سے ہوتی ہیں یہاں تک کہ اگر لوگ ان کے پیچھے کی حکمت کو سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں۔ درحقیقت اس نیک عمل کو انجام دینے کے لیے کسی شخص کو عالم نہیں بننا چاہیے کیونکہ اکثر صورتوں میں مدد کے چند مہربان الفاظ کسی مشکل کا سامنا کرنے والے کو بہتر محسوس کرنے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ اور بعض صورتوں

میں صرف جسمانی طور پر موجود ہونا ہی انہیں سہارا دینے کے لیے کافی ہوتا ہے چاہے کوئی لفظ نہ بولے۔

آخر میں، یہ ضروری ہے کہ مسلمان اس نیک عمل کو انجام دیتے وقت اپنی نیت کو درست کریں، اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کریں، اور اپنے رشتہ داروں جیسے دوسروں کو دکھانے کے لیے ایسا نہ کریں، اور نہ ہی خوف کی وجہ سے کریں۔ دوسروں کی طرف سے تنقید کا نشانہ بننا اگر وہ ایسا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ دوسروں کی خاطر عمل کرنے والوں کو قیامت کے دن بتایا جائے گا کہ وہ ان کاموں سے اپنا اجر حاصل کریں جس کے لیے وہ عمل نہیں کر سکے گا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

دوسروں کے لیے ماتم کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال آپ نے 3000 سپاہیوں کی ایک فوج کو جنگ موتہ میں شرکت کے لیے روانہ کیا۔ فوج نے موتہ کے قریب پہنچ کر پڑاؤ ڈالا جہاں انہیں اطلاع ملی کہ دشمن کی فوج دو لاکھ کے قریب ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے لیکن وہ ثابت قدم رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کی اطلاع مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے ہی دے دی۔ مدینہ کے کچھ لوگوں کو جب شہید ہونے والوں کی خبر ملی تو وہ غم سے گریہ کرنے لگے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے لوگوں سے کہا کہ انہیں ایسا کرنے سے منع کریں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 340 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 3127 میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نوحہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

بدقسمتی سے، کچھ کا خیال ہے کہ مشکل کے وقت رونے کی اجازت نہیں ہے، جیسے کہ کسی عزیز کو کھونا۔ یہ غلط ہے کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی موقعوں پر جب کسی کا انتقال ہوا تو روئے تھے۔ مثال کے طور پر جب ان کے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو وہ رو پڑے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 3126 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

درحقیقت کسی کی موت پر رونا رحمت کی نشانی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں جگہ دی ہے۔ اور صرف وہی لوگ جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں اللہ کی طرف سے رحم کیا جائے گا .صحیح بخاری نمبر 1284 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ اسی حدیث میں واضح طور پر ذکر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نواسے پر روئے جو فوت ہو گیا۔

صحیح مسلم نمبر 2137 میں موجود ایک حدیث میں بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کو کسی کی موت پر رونے یا اپنے دل میں ہونے والے غم پر عذاب نہیں دیا جائے گا۔ لیکن ان کو سزا کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب کے بارے میں اپنی بے صبری کا اظہار کرتے ہوئے الفاظ بولیں۔

واضح رہے کہ دل میں غم محسوس کرنا یا آنسو بہانا اسلام میں منع نہیں ہے۔ جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے وہ ہیں رونا، قول و فعل سے بے صبری کا اظہار کرنا، جیسے کپڑے پھاڑنا یا غم میں سر منڈوانا۔ وہ اس طرح کام کرنے والوں کے خلاف سخت انتباہ ہیں۔ اس لیے ان کاموں سے ہر حال میں اجتناب کرنا چاہیے۔ اس طرح کے کام کرنے پر نہ صرف کسی شخص کو سزا کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے بلکہ اگر مرنے والے نے چاہا اور دوسروں کو اس طرح کرنے کا حکم دیا جب وہ مر گیا تو ان کا بھی جوابدہ ہو گا۔ لیکن اگر مرحوم نے یہ خواہش نہ کی ہو تو وہ کسی قسم کے احتساب سے پاک ہیں۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1006 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ سمجھنا عام فہم ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی دوسرے کے فعل کی وجہ سے عذاب نہیں دے گا جب کہ سابقہ نے اسے اس طرح عمل کرنے کی نصیحت نہیں کی۔ باب 35 فاطر، آیت 18:

"...اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا"

دونوں جہانوں میں خدائی حفاظت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال آپ نے 3000 سپاہیوں کی ایک فوج کو جنگ موتہ میں شرکت کے لیے روانہ کیا۔ فوج نے موتہ کے قریب پہنچ کر پڑاؤ ڈالا جہاں انہیں اطلاع ملی کہ دشمن کی فوج دو لاکھ کے قریب ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے لیکن وہ ثابت قدم رہے۔ ان کے ایک کمانڈر جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کی اطلاع مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے ہی دے دی۔ جب وہ جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کے پاس گئے اور انہیں ان کی شہادت کی خبر دی تو ان کے گھر والے غم زدہ ہونے لگے۔ جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی بیوی نے اپنے یتیم بچوں اور ان کی کفالت کی کمی کے بارے میں کہنا شروع کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ وہ اپنے گھر والوں کی فکر کیسے کر سکتی ہے جب کہ وہ دنیا اور آخرت میں ان کا محافظ ہے۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 341 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ایک مسلمان اس دنیا میں اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوص نیت سے اطاعت کر کے الٰہی حمایت حاصل کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر سنن ابن ماجہ نمبر 1081 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی کہ ان کے رزق میں برکت، الٰہی مدد اور اپنی حالت و حالت میں بہتری کیسے لائی جائے۔

پہلی چیز یہ ہے کہ انسان مرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرے۔ چونکہ موت کا وقت معلوم نہیں یہ حدیث درحقیقت خلوص دل سے توبہ کرنے کی طرف اشارہ کرتی ہے جب بھی کوئی گناہ کرتا ہے یعنی بغیر تاخیر کے توبہ کرنا۔ یہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے پر مشتمل ہے، اور جس کے ساتھ بھی ظلم ہوا ہے، ندامت محسوس کرنا، دوبارہ ایسا یا ایسا ہی گناہ نہ کرنے کا پختہ وعدہ کرنا۔ اور آخر میں، اگر ممکن ہو تو، اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہیں ان کی تلافی کرنا۔

اس کے بعد جو اہم حدیث میں نصیحت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کو ذمہ داریوں، بیماری یا کسی مشکل میں مشغول ہونے سے پہلے اپنے وقت کا استعمال کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کر کے یہ حاصل کر سکتا ہے۔ ان کو چاہیے کہ وہ اپنی وساطت کے مطابق عمل صالح کرنے میں جلدی کرے اور جس کل کی انہیں امید ہے وہ کبھی نہ آئے۔ امید کی جاتی ہے کہ اس طرح کا برتاؤ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ملے گی جب کہ حالات کی تبدیلی کی وجہ سے وہ مزید اعمال صالحہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔

اس کے بعد جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا رشتہ مضبوط کرنا چاہیے اور اس کا ذکر کثرت سے کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا حقیقی ذکر تین درجوں پر مشتمل ہے۔ پہلا داخلی ذکر ہے، اس کے لیے اخلاص۔ دوسرا درجہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے، اچھی بات کہنے اور لغو اور گناہ کی باتوں سے اجتناب پر مشتمل ہے۔ اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنے اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کی جائے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔

اصل حدیث میں جو آخری چیز مذکور ہے وہ پوشیدہ اور کھلا کثرت سے صدقہ دینا ہے۔ اس میں واجب اور رضاکارانہ صدقہ دونوں شامل ہیں۔ غور کرنا ضروری ہے، اس کا مطلب ہے صدقہ دینا اپنے وسیلہ کے مطابق دینا چاہے زیادہ ہو یا تھوڑا۔ اللہ تعالیٰ مقدار کا مشاہدہ نہیں کرتا ہے وہ معیار کے معنی، اخلاص کی بنیاد پر اعمال کا مشاہدہ اور فیصلہ کرتا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس سے مسلمانوں کو اپنے وسائل کے مطابق صدقہ دینے کے علاوہ کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ صدقہ ایک بار کی بجائے باقاعدگی سے دیا جائے کیونکہ معمول کے اعمال اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب ہیں خواہ وہ تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں۔ صحیح بخاری نمبر 6465 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ آخر میں جو لوگ دوسروں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دینا چاہتے ہیں وہ اسے کھلے عام دے سکتے ہیں۔ اس سے انہیں وہی اجر ملے گا جو ان لوگوں کو ملے گا جو ان کی تحریک کی وجہ سے عطیہ کرتے ہیں۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ لیکن جو لوگ دکھاوے سے ڈرتے ہیں جس سے ان کا اجر منسوخ ہو جاتا ہے تو وہ نجی طور پر ایسا کریں۔ اسلام نے مسلمانوں کو بہت زیادہ اجر حاصل کرنے کے بہت سے اختیارات اور مواقع فراہم کیے ہیں جو دونوں جہانوں میں ان کے بوجھ کو ہٹانے کا باعث بنتے ہیں۔

آخر میں، ایک مسلمان آخرت میں الہٰی حمایت حاصل کر سکتا ہے جیسے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4308 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ وہ پہلا شخص ہے جس کی شفاعت ہوگی اور وہ پہلا شخص ہے جس کی شفاعت قیامت کے دن اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔ دن

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے لائق بنانے کی کوشش کرے، ان اعمال کو انجام دے جس کے نتیجے میں اذان کی آواز سن کر اس کے لیے دعا کرنا شامل ہے۔ سنن نسائی نمبر 679 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ گھر میں پڑھنے کے بجائے باقاعدگی سے مسجد میں پڑھے۔ سب سے بڑا عمل جو شفاعت کا باعث بنے گا وہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اس فرض سے انکار کر کے غفلت میں نہ رہے اور پھر قیامت کے دن شفاعت کی امید رکھے کیونکہ یہ خواہش مندانہ سوچ کے زیادہ قریب ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے حقیقی امید کے مقابلے میں قابل ملامت ہے اور اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

بدقسمتی سے کچھ مسلمان جنہوں نے اس خواہش مندانہ سوچ کو اختیار کیا ہے وہ اس شفاعت کے ذریعے جنت حاصل کرنے کی امید رکھتے ہیں حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتے، اس کے احکام کی تعمیل کرتے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے اور مقدس روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان مسلمانوں کو یہ جان لینا چاہیے کہ اگرچہ شفاعت ایک حقیقت ہے کچھ مسلمان جن کی شفاعت سے ان کے عذاب میں تخفیف ہو جائے گی وہ پھر بھی جہنم میں داخل ہوں گے۔ جہنم میں ایک لمحہ بھی واقعی ناقابل برداشت ہے۔ لہٰذا خواہش مندانہ سوچ کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں عملی طور پر کوشش کرتے ہوئے سچی امید کو اپنانا چاہیے۔

قائدین کا احترام

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال آپ نے 3000 سپاہیوں کی ایک فوج کو جنگ موتہ میں شرکت کے لیے روانہ کیا۔ اس جنگ کے دوران ایک مسلمان سپاہی نے ایک رومی سپاہی کو قتل کر کے اس کا بہت قیمتی مال اپنے قبضے میں لے لیا۔ دشمن کے سپاہی کو قتل کرنے کے بعد مسلمان سپاہی کے لیے وہ مال لینا جائز ہے جو دشمن کے سپاہی کے پاس تھا۔ جنگ ختم ہونے کے بعد سپہ سالار خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان میں سے کچھ قیمتی اموال مسلم سپاہ سے چھین لیے اور اسے غنیمت میں شامل کر لیا، جو اسلام کے بتائے ہوئے طریقوں سے تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس کا ایک حصہ جنگ میں موجود تمام سپاہیوں کو جاتا ہے۔ عوف بن مالک نے، جو ایک اور مسلمان سپاہی تھا، نے خالد رضی اللہ عنہ کو خبردار کیا کہ وہ تمام قیمتی مال غنیمت اس مسلمان سپاہی کو واپس کر دیں جس نے رومی سپاہی کو قتل کیا تھا، لیکن بعد میں آنے والے نے انکار کر دیا۔ جب وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس آئے تو حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے آپ سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ تمام قیمتی مال غنیمت واپس کر دیں۔ مسلمان سپاہی .اس کے بعد عوف نے کھلے عام تنقید کی اور ،خالد رضی اللہ عنہ کو حقیر سمجھا۔ اس سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غصہ آیا جنہوں نے پھر خالد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مسلمان سپاہی سے جو قیمتی مال غنیمت لے گیا ہے اسے واپس نہ کریں۔ اس کے بعد اس نے مسلمانوں کو خبردار کیا کہ وہ اپنے مقرر کردہ قائدین کو حقیر نہ سمجھیں اور ان کی توہین نہ کریں کیونکہ یہ صرف دوسروں کو ان کے اختیار کو چیلنج کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1663-1665 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ اپنے لیڈروں کا احترام کرنے اور ان کے خلاف نرم اور اچھے انداز میں تعمیری تنقید کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام معاشرے کے قائدین کے لیے اخلاص ہے۔ اس میں انہیں بہترین مشورے کی پیشکش

کرنا اور ان کے اچھے فیصلوں میں کسی بھی ضروری طریقے سے مدد کرنا شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جسمانی مدد۔ امام مالک کی موطا، کتاب نمبر 56، حدیث نمبر 20 میں موجود ایک حدیث کے مطابق اس فرض کو ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ باب 4 النساء آیت 59:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہیں..."

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاشرے کے سربراہان کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں اگر یہ خالق کی نافرمانی کا باعث بنے۔ اس طرح کے معاملات میں لیڈروں کے خلاف بغاوت کرنے سے گریز کیا جانا چاہیے کیونکہ اس سے صرف معصوم لوگوں کا ہی نقصان ہوتا ہے۔ اس کے بجائے قائدین کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی سے نیکی اور برائی سے منع کرنا چاہیے۔ دوسروں کو اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کرنی چاہیے اور ہمیشہ راہنماؤں سے صحیح راستے پر چلنے کی دعا کرنی چاہیے۔ لیڈر سیدھے رہیں گے تو عوام بھی سیدھے رہیں گے۔

لیڈروں کے ساتھ دھوکہ کرنا منافقت کی علامت ہے جس سے ہر وقت بچنا چاہیے۔ اخلاص میں ان معاملات میں ان کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے جو معاشرے کو بھلائی پر اکٹھا کرتے ہیں اور ہر اس چیز سے تنبیہ کرتے ہیں جو معاشرے میں خلل پیدا کرے۔

رومی شہنشاہ

جھوٹ بولتے ہوئے شرم آتی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال میں رومی شہنشاہ ہرقل نے ایک خواب دیکھا جس میں اس بات کی نشاندہی کی گئی کہ آخرکار اس کی سلطنت پر ایک اجنبی قوم غالب آجائے گی۔ جب اس نے تحقیق کی تو اسے شبہ ہوا کہ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے۔ اس وقت وہ یروشلم میں تھے اور انہوں نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ ایک ایسے شخص کو اپنے پاس لے آئیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ہو جس سے وہ سوال کر سکیں۔ اس وقت ابو سفیان ایک تجارتی مہم پر تھا۔ وہ اور اس کے آدمی مل گئے اور ہرقل کے پاس لائے گئے۔ ہرقل نے ابو سفیان کو اپنے سامنے بیٹھنے کو کہا اور ابو سفیان کے ساتھیوں کو اپنے پیچھے بٹھایا اور انہیں حکم دیا کہ اگر ابو سفیان سے جو سوال پوچھا گیا ان میں سے کوئی جھوٹ بولے تو اعتراض کریں۔ ابو سفیان جو بعد میں مسلمان ہوا، بیان کرتا ہے کہ اگر اس نے جھوٹ بھی بولا تو اس کے آدمی کبھی اس کی تردید نہ کرتے لیکن پھر بھی اس نے سچ کہا کیونکہ وہ عزت اور وقار کا آدمی تھا اس لیے اسے جھوٹ بولنے پر شرم آتی تھی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 354-356 میں بحث کی گئی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اس وقت ابو سفیان مسلمان نہیں ہوا تھا پھر بھی جھوٹ بولنا ناپسند کرتا تھا۔ جھوٹ ناقابل قبول ہے چاہے وہ چھوٹا جھوٹ ہو جسے اکثر سفید جھوٹ کہا جاتا ہے یا جب کوئی مذاق کے طور پر جھوٹ بولتا ہے۔ ان تمام قسم کے جھوٹ حرام ہیں۔ درحقیقت وہ جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے، اس کا مقصد کسی کو دھوکہ دینا نہ ہو، جامع ترمذی نمبر 2315 میں موجود ایک حدیث میں اس پر تین مرتبہ لعنت آئی ہے۔

ایک اور مشہور جھوٹ جو لوگ اکثر یہ مانتے ہوئے بولتے ہیں کہ یہ کوئی گناہ نہیں ہے جب وہ بچوں سے جھوٹ بولتے ہیں۔ بلاشبہ یہ حدیث کے مطابق گناہ ہے جیسا کہ سنن ابوداؤد نمبر 4991 میں ہے۔ بچوں سے جھوٹ بولنا صریح حماقت ہے کیونکہ وہ اس گناہ کی عادت صرف بڑے سے ہی اپنائیں گے جو ان سے جھوٹ بولے گا۔ اس طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ بچوں کا جھوٹ بولنا قابل قبول ہے جب کہ یہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق قابل قبول نہیں ہے۔ صرف انتہائی نایاب اور انتہائی صورتوں میں جھوٹ بولنا قابل قبول ہے، مثال کے طور پر، کسی بے گناہ کی جان کی حفاظت کے لیے جھوٹ بولنا۔

جھوٹ سے بچنا بہت ضروری ہے جیسا کہ جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ دوسرے گناہوں کا باعث بنتا ہے جیسے غیبت اور لوگوں کا مذاق اڑانا۔ یہ طرز عمل جہنم کے دروازوں کی طرف لے جاتا ہے۔ جب کوئی شخص مسلسل جھوٹ بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑا جھوٹا لکھتا ہے۔ یہ پیشین گوئی کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے کہ قیامت کے دن اس شخص کے ساتھ کیا ہو گا جسے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا جھوٹا لکھا ہے۔

تمام مسلمان فرشتوں کی صحبت کے خواہش مند ہیں لیکن جب کوئی جھوٹ بولتا ہے تو وہ اس کی صحبت سے محروم ہو جاتا ہے۔ درحقیقت جھوٹے کے منہ سے نکلنے والی بدبو فرشتوں کو ان سے ایک میل دور کر دیتی ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1972 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

جھوٹ بولنا جو معاشرے میں دوسروں تک پھیل جائے اتنا بڑا گناہ ہے کہ صحیح بخاری نمبر 7047 میں موجود حدیث کے مطابق اگر کوئی شخص ایسا کرے اور توبہ نہ کرے تو اسے موت کے بعد اس حد تک سزا دی جائے گی کہ ایک لوہے کے برابر۔ ان کے منہ میں کانٹا لگا دیا جائے گا اور ان کے چہرے کی جلد پھاڑ دی جائے گی۔ ان کا چہرہ فوری طور پر دوبارہ بن جائے گا اور اس عمل کو دہرایا جائے گا۔ یہ سلسلہ قیامت تک ہوتا رہے گا۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، تمام مسلمانوں کو ہر قسم کے جھوٹ سے بچنا چاہیے، قطع نظر اس کے کہ وہ کس سے بات کر رہے ہیں۔

نبوت کا ثبوت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال میں رومی شہنشاہ ہرقل نے ایک خواب دیکھا جس میں اس بات کی نشاندہی کی گئی کہ آخرکار اس کی سلطنت پر ایک اجنبی قوم غالب آجائے گی۔ جب اس نے تحقیق کی تو اسے شبہ ہوا کہ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے۔ اس وقت وہ یروشلم میں تھے اور انہوں نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ ایک ایسے شخص کو اپنے پاس لے آئیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ہو جس سے وہ سوال کر سکیں۔ اس وقت ابو سفیان ایک تجارتی مہم پر تھا۔ وہ اور اس کے آدمی مل گئے اور ہرقل کے پاس لائے گئے۔ ہرقل نے ابو سفیان کو اپنے سامنے بیٹھنے کو کہا اور ابو سفیان کے ساتھیوں کو اپنے پیچھے بٹھایا اور انہیں حکم دیا کہ اگر ابو سفیان سے جو سوال پوچھا گیا ان میں سے کوئی جھوٹ بولے تو اعتراض کریں۔ ابو سفیان جو بعد میں مسلمان ہوا، بیان کرتا ہے کہ اگر اس نے جھوٹ بھی بولا تو اس کے آدمی کبھی اس کی تردید نہ کرتے لیکن پھر بھی اس نے سچ کہا کیونکہ وہ عزت اور وقار کا آدمی تھا اس لیے اسے جھوٹ بولنے پر شرم آتی تھی۔ ابو سفیان سے سوال کرنے کے بعد ہرقل نے کہا :تم)ابو سفیان (کہتے ہو کہ وہ)حضور صلی اللہ علیہ وسلم (تمہارے سب سے پاکیزہ نسب میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو اس طرح چنتا ہے۔ وہ صرف مردوں کو ان کے لوگوں میں خالص ترین لائنوں سے لیتا ہے۔ میں نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ)صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کے اہل و عیال میں سے کوئی اور بھی اسی طرح کی باتیں کہہ رہا ہے یعنی وہ ان کی نقل کر رہا ہے، آپ)ابو سفیان (نے فرمایا نہیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا اس کے پاس کوئی جائیداد ہے جس پر آپ نے قبضہ کر لیا ہے اور تجویز کیا کہ وہ یہ کہہ رہا ہے کہ وہ آپ کو اسے واپس کرنے کے لیے کیا چاہتا ہے۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے آپ سے ان کے پیروکاروں کے بارے میں پوچھا اور آپ کہتے ہیں کہ وہ نوجوان، بے اختیار اور غریب ہیں۔ ہر دور میں انبیاء علیہم السلام کے پیروکار اسی طرح ہوتے ہیں۔ میں نے تم سے پوچھا کہ جو لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں وہ اسے پسند کرتے ہیں اور اس کی عزت کرتے ہیں یا اسے حقیر سمجھتے ہیں اور اسے چھوڑ دیتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ شاذ و نادر ہی کوئی اس کی پیروی کرتا ہے پھر اسے چھوڑ دیتا ہے۔ ایسے حالات میں ایمان کی مٹھاس بندے کے دل میں داخل نہیں ہوتی تو پھر چھوڑ دیتے ہیں۔ میں نے آپ سے آپ دونوں کے درمیان جنگ کے بارے میں پوچھا۔ آپ)ابو سفیان (نے جواب دیا کہ کبھی یہ آپ پر احسان کرتا ہے، کبھی آپ)صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کا۔ انبیاء علیہم السلام کے لیے جنگ یوں ہی ہے، پھر بھی وہ آخر کار جیت جاتے ہیں۔ میں نے آپ سے پوچھا کہ کیا اس نے اپنی بات میں خیانت کی اور آپ نے کہا کہ اس نے ایسا نہیں کیا۔ اگر تم نے سچ کہا ہے تو وہ میرے پاؤں کے نیچے کی زمین کو فتح کرے گا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 356-357 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ایمان کو مضبوط کرنے کی کوشش کریں تاکہ وہ ایمان تمام مسلمان اسلام پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ان کے ایمان کی مضبوطی ہر کے یقین تک پہنچ جائیں۔ شخص میں مختلف ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر، وہ جو اسلام کی تعلیمات پر عمل کرتا ہے کیونکہ ان کے خاندان نے انہیں بتایا تھا کہ وہ اس جیسا نہیں ہے جو ثبوت کے ذریعے اس پر یقین رکھتا ہے۔ جس شخص نے کسی چیز کے بارے میں سنا ہے وہ اس پر اس طرح یقین نہیں کرے گا جس طرح وہ اپنی آنکھوں سے اس چیز کو دیکھ چکا ہے۔

جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود حدیث سے ثابت ہے کہ مفید علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ ایک بہترین طریقہ ہے کہ ایک مسلمان اسلام پر اپنے ایمان کو مضبوط کر سکتا ہے۔ اس کا تعاقب کرنا ضروری ہے کیونکہ جس کے ایمان پر یقین جتنا زیادہ مضبوط ہوتا ہے اس کے صحیح راستے پر ثابت قدم رہنے کا موقع اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے، خاص طور پر جب مشکلات کا سامنا ہو۔ اس کے علاوہ سنن ابن ماجہ کی حدیث نمبر 3849 میں یقین کا یقین رکھنے کو بہترین چیزوں میں سے ایک قرار دیا گیا ہے۔ یہ علم قرآن پاک اور حدیث نبوی کا مطالعہ کرکے حاصل کیا جانا چاہیے، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ایک معتبر ذریعہ سے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نہ صرف ایک حقیقت کا اعلان کیا بلکہ مثالوں کے ذریعے اس کا ثبوت بھی دیا۔ نہ صرف وہ مثالیں جو ماضی کی قوموں میں پائی جاتی ہیں بلکہ ایسی مثالیں جو کسی کی اپنی زندگی میں رکھی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے یہ نصیحت کی ہے کہ بعض اوقات انسان کسی چیز سے محبت کرتا ہے حالانکہ اگر وہ اسے حاصل کر لیتا ہے تو وہ اسے پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح وہ کسی چیز سے نفرت کر سکتے ہیں جبکہ اس میں ان کے لیے بہت سی بھلائیاں پوشیدہ ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

. کچھ مسلمانوں کا خیال تھا حدیبیہ تاریخ میں اس سچائی کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جیسے معاہدہ کہ یہ معاہدہ، جو مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ کیا گیا تھا، مؤخر الذکر گروہ کی مکمل حمایت کرے گا۔ اس کے باوجود تاریخ صاف بتاتی ہے کہ اس نے اسلام اور مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری نمبر 2731 اور 2732 میں موجود احادیث میں مذکور ہے۔

اگر کوئی اپنی زندگی پر غور کرے تو انہیں بہت سی ایسی مثالیں ملیں گی جب وہ یقین کرتے تھے کہ کوئی چیز اچھی تھی جب وہ ان کے لیے بری تھی اور اس کے برعکس۔ یہ مثالیں اس آیت کی صداقت کو ثابت کرتی ہیں اور ایمان کو مضبوط کرنے میں مدد کرتی ہیں۔

:ایک اور مثال باب 79 عن نازیات، آیت 46 میں ملتی ہے

جس دن وہ)قیامت کے دن (کو دیکھیں گے کہ گویا وہ اس دنیا میں ایک دوپہر یا صبح کے سوا باقی'' ''نہیں رہے تھے۔

تاریخ کے اوراق پلٹیں تو صاف نظر آئے گا کہ کتنی بڑی سلطنتیں آئیں اور گئیں۔ لیکن جب وہ چلے گئے تو ان کا اس طرح انتقال ہو گیا گویا وہ ایک لمحے کے لیے زمین پر ہیں۔ ان کی چند نشانیوں کے ،علاوہ باقی سب ایسے مٹ گئے ہیں جیسے وہ زمین پر پہلے کبھی موجود ہی نہیں تھے۔ اسی طرح جب کوئی اپنی زندگی پر غور کرے گا تو وہ محسوس کرے گا کہ چاہے وہ کتنے ہی بوڑھے کیوں نہ ہوں اور اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ ان کی مجموعی زندگی کتنی ہی سست محسوس ہوئی ہو گی۔ اس آیت کی سچائی کو سمجھنا انسان کے یقین کو مضبوط کرتا ہے اور اس سے انہیں تحریک ملتی ہے کہ وہ وقت ختم ہونے سے پہلے آخرت کی تیاری کریں۔

قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ لہٰذا انسان کو ان الہٰی تعلیمات کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ یقین کو اپنا سکے۔ جو اس کو حاصل کر لے گا وہ کسی بھی مشکل سے متزلزل نہیں ہوگا اور اس راستے پر ثابت قدم رہے گا جو جنت کے دروازوں کی طرف جاتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53:

’’ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ یہ حق ہے‘‘۔

حق پر سمجھوتہ کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال میں رومی شہنشاہ ہرقل نے ایک خواب دیکھا جس میں اس بات کی نشاندہی کی گئی کہ آخرکار اس کی سلطنت پر ایک اجنبی قوم غالب آجائے گی۔ جب اس نے تحقیق کی تو اسے شبہ ہوا کہ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے۔ اس وقت وہ یروشلم میں تھے اور انہوں نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ ایک ایسے شخص کو اپنے پاس لے آئیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ہو جس سے وہ سوال کر سکیں۔ مکہ کے غیر مسلم رہنما ابو سفیان سے پوچھ گچھ کے بعد وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعویٰ کی صداقت پر مزید قائل ہو گئے۔ آخرکار ہرقل کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ایک خط موصول ہوا جس میں انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی۔ ہیریکلیس نے ایک عیسائی عالم سے سوال کیا جو اپنے خیالات کے بارے میں عبرانی پڑھ سکتا تھا۔ عالم نے ہرقل کو بتایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعی آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے جن کا وہ انتظار کر رہے تھے۔ ہرقل اسلام کا قائل ہو گیا اور پھر اپنی قوم کے لیڈروں کو اپنے دارالخلافہ میں بلایا جبکہ وہ خود ان کے خوف سے ایک اونچے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے ان سے کہا کہ وہ سب کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرنی چاہئے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں، ان کے آسمانی صحیفوں میں تفصیل سے بتایا گیا ہے۔ اس نے ان پر زور دیا کہ وہ اسے قبول کریں تاکہ وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوں۔ لیکن تمام قائدین نے ان کی درخواست مسترد کر دی اور ایوان سے باہر جانے لگے۔ اس نے انہیں واپس بلایا اور پھر اعلان کیا کہ وہ صرف ان کے ایمان اور اس کے ساتھ ان کی وفاداری کا امتحان لے رہا ہے۔ پھر وہ خوشی سے اس کے سامنے سجدہ ریز ہو کر چلے گئے۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 357 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا
والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔“

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخرکار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو ایک مسلمان کی دنیا اور آخرت میں تمام مشکلات سے باحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی عارضی چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں ایک مسلمان اور کسی خاص طریقے سے لباس پہن اسکارف اتار دیا عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا لیا تو وہ کام پر زیادہ عزت دار ہو گی اور کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی سے چڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد کسی پب یا کلب میں مدعو کر سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور ذکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش

قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں راستوں پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کس کو ترجیح دی جائے اور کس کا انتخاب کیا جائے۔

آخر تک وفادار

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال میں رومی شہنشاہ ہرقل نے ایک خواب دیکھا جس میں اس بات کی نشاندہی کی گئی کہ آخرکار اس کی سلطنت پر ایک اجنبی قوم غالب آجائے گی۔ جب اس نے تحقیق کی تو اسے شبہ ہوا کہ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے۔ اس وقت وہ یروشلم میں تھے اور انہوں نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ ایک ایسے شخص کو اپنے پاس لے آئیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ہو جس سے وہ سوال کر سکیں۔ مکہ کے غیر مسلم رہنما ابو سفیان سے پوچھ گچھ کے بعد وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعویٰ کی صداقت پر مزید قائل ہو گئے۔ آخرکار ہرقل کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ایک خط موصول ہوا جس میں انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی۔ ہیریکلیس نے ایک عیسائی عالم سے سوال کیا جو اپنے خیالات کے بارے میں عبرانی پڑھ سکتا تھا۔ عالم نے ہرقل کو بتایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعی آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے جن کا وہ انتظار کر رہے تھے۔ ہرقل نے دحیہ بن خلیفہ رضی اللہ عنہ سے جو مسلمان سفیر ہیں جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پہنچایا تھا، بتایا کہ وہ اسلام کا قائل ہے لیکن اپنی جان کا خوف رکھتا ہے۔ ہرقل نے دحیہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ ایک ممتاز بشپ صغاتیر سے ملنے جائے جسے لوگ بہت زیادہ سمجھتے تھے۔ جب صغاتیر کو اس خط کی اطلاع ملی تو انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی کی تصدیق کی کیونکہ ان کے بارے میں ان کے آسمانی صحیفوں میں تفصیلی نشانات موجود ہیں۔ صغاتیر اس کے بعد ایک چرچ گیا جہاں اس نے کھلے عام اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا اور وہاں کے لوگوں سے اس کی پیروی کرنے کی تاکید کی لیکن انہوں نے حملہ کر کے اسے ہلاک کر دیا۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 362 میں بحث کی گئی ہے۔

صغاتیر نے قبول کیا اور اپنے ایمان کا اعلان کیا، حالانکہ وہ جانتا تھا کہ یہ اس کے لیے مصیبت کا باعث بنے گا۔

صحیح مسلم نمبر 7400 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص بڑے فتنوں اور فتنوں کے دوران اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہے وہ

اس شخص کی طرح ہے جس نے ہجرت کی ہو۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہجرت کا ثواب بہت بڑا عمل تھا۔ درحقیقت، صحیح مسلم نمبر 321 میں موجود حدیث کے مطابق اس سے پچھلے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتے رہیں، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرتے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرتے رہیں۔

ظاہر ہے کہ اس حدیث میں جس وقت کا ذکر ہے وہ آچکا ہے۔ اسلام کی تعلیمات سے گمراہ ہونا بہت آسان ہو گیا ہے کیونکہ مسلمان قوم پر دنیاوی خواہشات کے دروازے کھل گئے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان سے غافل نہ ہوں اور متنازعہ مسائل اور لوگوں سے اجتناب کریں اور اپنی زندگی کے ہر پہلو میں اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہیں اگر وہ اس حدیث میں مذکور ثواب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

اچھا یا برا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے آٹھویں سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذوالسلسل کی طرف ایک لشکر روانہ کیا۔ اس نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو بلایا اور بتایا کہ وہ انہیں اس مہم کا انچارج مقرر کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں فتح اور بہت زیادہ دولت عطا کرے گا۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے اسلام دولت کمانے کے لیے قبول نہیں کیا، بلکہ اس لیے کہ یہ حق تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کی خواہش تھی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ نیک)حلال (مال صالح کے ہاتھ میں اچھی چیز ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی حدیث المفرد نمبر 299 میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ وہ دنیاوی تعریفوں کے مطابق کسی صورت حال کو اچھے یا برے کے طور پر متعین نہ کریں۔ مثال کے طور پر، دنیاوی تعریف کے مطابق امیر ہونا اچھا ہے جبکہ غریب ہونا برا ہے۔ اس کے بجائے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اچھے اور برے واقعات اور چیزوں کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق قرار دیں۔ یعنی ہر وہ چیز جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے قریب لے جائے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنے کی صورت میں وہ اچھی ہے خواہ دنیوی نقطہ نظر سے اسے برا ہی کیوں نہ دیکھا جائے۔ .اور ہر وہ چیز جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے دور کر دے وہ بری ہے خواہ وہ اچھی ہی کیوں نہ ہو۔

اسلام کی تمام تعلیمات میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جو اس بات کو ظاہر کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر قارون ایک انتہائی دولت مند شخص تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں رہتا تھا۔ اس وقت اور اب بہت سے لوگ اس کی دولت کو اچھی چیز سمجھتے ہیں لیکن جیسا کہ اس نے اسے غرور تک پہنچایا یہ اس کی تباہی کا ذریعہ بن گیا۔ تو اس کے معاملے میں دولت مند ہونا بری بات تھی۔ باب 28 القصص، آیات 79-81۔

پس وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی زینت کے ساتھ نکلا۔ جو لوگ دنیاوی زندگی کے خواہش مند تھے “ انہوں نے کہا کہ کاش ہم بھی ویسا ہی ہوتے جو قارون کو دیا گیا تھا، بیشک وہ بڑے خوش نصیبوں میں سے ہے، لیکن جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہنے لگے :تم پر افسوس !اللہ کا اجر اس کے لیے بہتر ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔ اور یہ صبر کے سوا کسی کو نہیں ملتا۔ "اور ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا، اور اس کے لیے اللہ کے سوا اس کی مدد کرنے والی کوئی "جماعت نہ تھی اور نہ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنا دفاع کر سکتے تھے۔

دوسری طرف اسلام کے تیسرے صحیح ہدایت یافتہ خلیفہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی دولت مند تھے لیکن انہوں نے اپنی دولت کا صحیح استعمال کیا۔ درحقیقت ایک بار کثیر مال عطیہ کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بتایا کہ اس دن کے بعد ان کے ایمان کو کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 3701 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ پس اس کے معاملے میں مال ایک اچھی چیز تھی۔

آخر میں، ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ ہر مشکل کا سامنا کرتا ہے اس کے پیچھے حکمتیں ہوتی ہیں، خواہ وہ ان کا مشاہدہ نہ کرے۔ اس لیے انہیں دنیاوی نقطہ نظر سے کسی چیز کے اچھے یا برے ہونے پر یقین نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی اگر وہ چیز ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف ترغیب :دے تو یہ اچھی ہے خواہ بُری لگے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند "ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اتحاد تلاش کریں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے آٹھویں سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ایک لشکر روانہ کیا۔ . جب وہ ذوالسلسل پہنچے تو اس نے دشمن کا نمبر نوٹ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ کمک کی درخواست کی۔ اس نے ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ایک اور لشکر روانہ کیا۔ جب دوسری فوج ذو الصلسیل پہنچی تو دونوں فوجوں میں اس بات پر اختلاف ہو گیا کہ ان کی قیادت کون کرے گا اور اعلان کیا کہ ہر فوج کی الگ الگ قیادت کی جائے۔ لیکن ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ خوش اخلاق اور نرم مزاج آدمی تھے اس لیے انہوں نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو دونوں افواج کا حکم دینے پر اتفاق کیا، جیسا کہ وہ متحد کرنا چاہتے تھے۔ مرد اور بحث کرنے سے گریز کریں۔ جب یہ خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے حضرت ابو عبیدہ بن حرہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا کی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 370-372 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6541 میں موجود ایک حدیث میں معاشرے کے اندر اتحاد پیدا کرنے کے بعض پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے حسد نہ کرنے کی تلقین کی۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اس نعمت کو حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہے جس کا کوئی دوسرا معنی رکھتا ہے، وہ اس نعمت سے محروم ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ اور اس میں اس حقیقت کو ناپسند کرنا شامل ہے کہ مالک کو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے یہ نعمت دی تھی۔ کچھ صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے بغیر ان کے عمل یا تقریر کے ذریعہ۔ اگر وہ اپنی سوچ اور احساس کو ناپسند کرتے ہیں تو امید کی جاتی ہے کہ ان کی حسد کی وجہ سے ان کا احتساب نہیں کیا جائے گا۔ بعض اپنے قول و فعل سے کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے سے نعمت چھین لیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ بدترین قسم وہ ہے جب کوئی شخص نعمت کو مالک سے دور کرنے کی کوشش کرے خواہ حسد کرنے والے کو نعمت نہ ملے۔

حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہ کرے، ان کے احساس کو ناپسند کرے اور اگر وہ اس جیسی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کے پاس موجود نعمت کو کھوئے بغیر اس کے مالک کی طرف سے کوئی نعمت حاصل نہ ہو۔ اگر چہ یہ قسم گناہ گار نہیں ہے پھر بھی یہ ناپسندیدہ ہے اگر حسد کسی دنیوی نعمت پر ہو اور صرف اس صورت میں قابل تعریف ہے جب اس میں دینی نعمت شامل ہو۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 میں ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ جب کوئی شخص حلال مال حاصل کرنے اور خرچ کرنے والے سے حسد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی شخص اس شخص سے حسد کرتا ہے جو اپنی حکمت اور علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔

حسد کی بری قسم، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، براہ راست اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ حسد کرنے والا ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے کسی اور کو خاص نعمت دے کر غلطی کی ہو۔ اس لیے یہ کبیرہ گناہ ہے۔ درحقیقت جیسا کہ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ لہٰذا ایک غیرت مند مسلمان کو چاہیے کہ وہ جس شخص سے حسد کرتے ہیں اس کے ساتھ حسن سلوک اور مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کرے، جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہاں تک کہ ان کی حسد ان کے لیے محبت بن جائے۔

ایک اور چیز جو شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں نصیحت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے نفرت نہ کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو صرف اسی صورت میں ناپسند کرنا چاہئے جب اللہ تعالیٰ اسے ناپسند کرے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث میں اسے ایمان کی تکمیل کے پہلو کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو اپنی خواہشات کے مطابق چیزوں یا لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی اپنی خواہشات کے مطابق دوسرے کو ناپسند کرتا ہے تو اسے کبھی بھی اپنے قول و فعل پر اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہیے کیونکہ یہ گناہ ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسرے کے ساتھ اسلام کی تعلیمات کے مطابق احترام اور مہربانی کے ساتھ سلوک کرتے ہوئے احساس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ دوسرے لوگ بالکل اسی طرح کامل نہیں ہیں جس طرح وہ کامل نہیں ہیں۔ اور اگر دوسروں میں کوئی بری خصلت ہے تو وہ بھی بلاشبہ اچھی صفات کے مالک ہوں گے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرے کہ وہ اپنی برائیاں چھوڑ دیں لیکن ان میں جو اچھی صفات ہیں ان سے محبت کرتے رہیں۔

اس موضوع پر ایک اور نکتہ بیان کرنا ضروری ہے۔ ایک مسلمان جو کسی خاص عالم کی پیروی کرتا ہے جو کسی مخصوص عقیدے کی حمایت کرتا ہے اسے متعصب کی طرح کام نہیں کرنا چاہئے اور اپنے عالم کو ہمیشہ صحیح ماننا چاہئے اس لئے ان لوگوں سے نفرت کرنا چاہئے جو ان کے علماء کی رائے کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز/کسی کو ناپسند کرنے والا نہیں ہے۔ جب تک علماء کے درمیان جائز اختلاف موجود ہے ایک مسلمان کو کسی خاص عالم کی پیروی کرنا چاہئے اور اس کا احترام کرنا چاہئے اور دوسرے لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہئے جو اس کے ماننے والے عالم سے مختلف ہوں۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے منہ نہ پھیریں۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں دنیاوی مسائل پر دوسرے مسلمانوں سے تعلقات منقطع نہیں کرنے چاہئیں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کی حمایت سے انکار کر دینا چاہیے۔ صحیح بخاری نمبر 6077 میں موجود حدیث کے مطابق ایک مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ تعلق منقطع رکھنا ناجائز ہے۔ درحقیقت کسی دنیوی مسئلہ میں ایک سال سے زائد عرصہ تک تعلقات منقطع کرنے والا دوسرے مسلمان کو قتل کرنے والے کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4915 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ دوسروں کے ساتھ تعلقات منقطع کرنا صرف ایمان کے معاملات میں جائز ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کو خلوص دل سے

توبہ کرنے کی تلقین کرتے رہنا چاہیے اور صرف اس صورت میں ان کی صحبت سے گریز کرنا چاہیے جب وہ بہتر کے لیے تبدیلی سے انکار کر دیں۔ جب بھی ان سے ایسا کرنے کی درخواست کی جائے تو انہیں حلال چیزوں میں ان کا ساتھ دینا چاہیے کیونکہ یہ احسان مندانہ عمل انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔

زیر بحث مرکزی حدیث میں ایک اور بات کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے جب وہ اس حدیث میں دی گئی سابقہ نصیحت پر عمل کریں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسرے مسلمانوں کے تئیں اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کریں، جیسے کہ بھلائی کے معاملات میں دوسروں کی مدد کرنا اور برائیوں سے خبردار کرنا۔ باب 5 المائدة، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

صحیح بخاری نمبر 1240 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمانوں کے درج ذیل حقوق ادا کرنے چاہئیں :وہ سلام کا جواب دینا، بیماروں کی عیادت کرنا، ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا اور ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا۔ چھینکنے والا جو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو وہ تمام حقوق سیکھنے اور پورے کرنے چاہئیں جو دوسرے لوگوں خصوصاً دوسرے مسلمانوں کے ان پر ہیں۔

زیر بحث اہم حدیث میں ایک اور بات کا ذکر ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرنا چاہیے، اسے ترک نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی اس سے نفرت کرنی چاہیے۔ انسان کے گناہوں سے نفرت ہونی چاہیے لیکن گناہ گار ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کسی بھی وقت صدق دل سے توبہ کر لے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4884 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کو ذلیل کرے گا اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل کرے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کو ذلت سے بچاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے گا۔

شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں مذکور منفی خصوصیات اس وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب کوئی شخص غرور اختیار کر لے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث کے مطابق تکبر اس وقت ہوتا ہے جب انسان دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔ مغرور شخص خود کو کامل دیکھتا ہے جبکہ دوسروں کو نامکمل دیکھتا ہے۔ یہ انہیں دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے روکتا ہے اور دوسروں کو ناپسند کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

ایک اور بات جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ حقیقی تقویٰ انسان کی ظاہری شکل و صورت میں نہیں ہے جیسا کہ خوبصورت لباس پہننا، بلکہ یہ ایک باطنی صفت ہے۔ یہ باطنی خصلت ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اسی لیے صحیح مسلم کی حدیث نمبر 4094 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب روحانی قلب پاک ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے لیکن جب روحانی قلب فاسد ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے۔ کرپٹ ہو جاتا ہے .یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری صورتوں مثلاً مال و دولت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی نیتوں اور اعمال پر غور کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6542 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے باطنی تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرے تاکہ یہ ظاہری طور پر اس طرح ظاہر ہو جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعامل کرتے ہیں۔ تخلیق.

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے بغض رکھنا گناہ ہے۔ اس نفرت کا اطلاق دنیاوی چیزوں پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر دوسروں کو ناپسند نہیں کرنا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور بغض رکھنا ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔ اس کی تصدیق

سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو ہر حال میں دوسروں کا احترام کرنا چاہیے اور اس شخص سے نفرت کیے بغیر صرف ان کے گناہوں کو ناپسند کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ، ان کی ناپسندیدگی انہیں کبھی بھی اسلامی تعلیمات کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہیں کرے گی کیونکہ اس سے یہ ثابت ہو گا کہ ان کی نفرت ان کی اپنی خواہشات پر مبنی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ دنیاوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کو حقیر سمجھنے کی اصل وجہ تکبر ہے۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ایک ایٹم کا فخر کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس کے بعد جو بات اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کی جان، مال اور عزت سب مقدس ہیں۔ ایک مسلمان کو بغیر کسی جواز کے ان حقوق میں سے کسی کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ غیر مسلموں سمیت دیگر لوگوں کو ان کے شر سے محفوظ نہ رکھے۔ نقصان دہ تقریر اور اعمال .اور سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کی برائیوں کو دور رکھے۔ ان حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو قیامت کے دن انصاف قائم ہو گا جس کے تحت مظلوم کو ظالم کی نیکیاں ملیں گی اور ضرورت پڑنے پر مظلوم کے گناہ ظالم کو ملیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ یہ ایک فرد کے لیے بہت زیادہ برکتوں کا باعث بنے گا اور اس کے معاشرے میں اتحاد پیدا ہوگا۔

شک کا فائدہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے آٹھویں سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ایک لشکر روانہ کیا۔ ، ذو الصلسیل تک۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ سمیت بہت سے دوسرے بزرگ صحابہ کو عام سپاہیوں کی طرح اس مہم میں شامل ہونے کا حکم دیا گیا۔ ایک سرد رات میں عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ آگ نہ جلائیں کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ دشمن انہیں دیکھ لے۔ اس کے نتیجے میں دشمن کا غیر متوقع حملہ ہو سکتا تھا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے آپ کے حکم کے پیچھے کی حکمت کو نہ سمجھا اور آپ سے ناراض ہو گئے، جیسے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں تسلی دی اور انہیں یاد دلایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو رضی اللہ عنہ کو ان کا قائد مقرر کیا ہے کیونکہ وہ جنگ کے ماہر تھے۔ جب لشکر واپس آیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو رضی اللہ عنہ کے اس عمل کو قبول فرمایا۔ اس پر امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، صفحہ 136-137 اور امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 1671 میں بحث کی گئی ہے۔

ابوبکر نے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دوسروں کے بارے میں مثبت سوچنے کی اہمیت یاد دلائی۔

سنن ابو داؤد نمبر 4993 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت کی کہ لوگوں کے بارے میں اچھا گمان کرنا اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ایک پہلو ہے۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک پہلو ہے۔

چیزوں کو منفی انداز میں بیان کرنا اکثر غیبت اور غیبت جیسے گناہوں کا باعث بنتا ہے۔ ہر صورت میں ایک مسلمان کو چاہیے کہ جہاں ممکن ہو مثبت انداز میں چیزوں کی تشریح کرے تاکہ شک کا فائدہ دوسروں تک پہنچایا جا سکے۔ بدقسمتی سے، منفی سوچ کو اپنانے سے خاندانی یونٹ سے لے کر قومی سطح تک لوگوں پر اثر پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک قوم کتنی بار ایک مفروضے اور شک پر جنگ میں گئی ہے؟ میڈیا میں پائے جانے والے اسکینڈلز کی اکثریت مفروضوں پر مبنی ہے۔ یہاں تک کہ ایسے قوانین بھی بنائے گئے ہیں جو مفروضوں اور شبہات کے استعمال کی حمایت کرتے ہیں۔ یہ اکثر ٹوٹنے اور ٹوٹنے والے رشتوں کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ اس ذہنیت کے حامل لوگ ہمیشہ یہ مانتے ہیں کہ دوسرے ان کے الفاظ یا اعمال کے ذریعے ان پر تنقید کر رہے ہیں۔ یہ کسی کو دوسروں سے مشورہ لینے سے روکتا ہے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ صرف مشورہ دینے والے کی طرف سے ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے اور یہ ایک کو مشورہ دینے سے روکتا ہے کیونکہ اسے یقین ہے کہ دوسرا شخص ان کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دے گا۔ اور ایک شخص اس منفی ذہنیت کے حامل شخص کو نصیحت کرنے سے گریز کرے گا کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ صرف ایک دلیل کا باعث بنے گا۔ یہ دیگر منفی خصلتوں کی طرف جاتا ہے جیسے تلخی۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگر وہ یہ فرض کر لیں کہ کوئی ان پر تنقید کر رہا ہے تو پھر بھی ان کی نصیحت کو قبول کرنا چاہیے اگر یہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر مبنی ہے۔ انہیں کوشش کرنی چاہیے کہ جہاں ممکن ہو ان چیزوں کی مثبت انداز میں تشریح کریں جو مثبت ذہنیت کا باعث بنے۔ اور ایک مثبت ذہنیت صحت مند تعلقات اور احساسات کا باعث بنتی ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

"...اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت زیادہ گمان سے بچو۔ بے شک کچھ گمان گناہ ہوتا ہے"

فتح مکہ

معاہدوں کو برقرار رکھنے میں ناکامی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک ایسے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 377 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ وعدہ خلافی منافقت کا ایک پہلو ہے۔

ایک مسلمان کا سب سے بڑا وعدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، جو اس کی سچی اطاعت کرنا ہے۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ لوگوں کے ساتھ کیے گئے دیگر تمام وعدوں کو بھی برقرار رکھا جانا چاہیے جب تک کہ کسی کے پاس کوئی معقول عذر نہ ہو، خاص طور پر جو والدین بچوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ وعدوں کی خلاف ورزی بچوں کو صرف برے کردار کی تعلیم دیتی ہے اور انہیں یہ ماننے کی ترغیب دیتی ہے کہ دھوکے باز ہونا ایک قابل قبول خصوصیت ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2227 میں موجود حدیث وعدہ کرے اور پھر بغیر کسی عذر کے اسے پر میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ جو اس کے نام توڑ دے وہ اس کے خلاف ہو گا۔ جس کے خلاف اللہ تعالیٰ ہے وہ قیامت کے دن کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟

کے ذریعے چیزیں سوچنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک ایسے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ جب مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کو معلوم ہوا کہ یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو انہوں نے اپنے ایک رہنما ابو سفیان کو مدینہ روانہ کیا تاکہ وہ اس معاہدے کی توثیق کریں اور اس میں توسیع کریں کیونکہ وہ بہت زیادہ ہو گئے تھے۔ ان کی غداری کے نتائج کے بارے میں فکر مند .امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 379 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2012 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ غور و فکر کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جب کہ جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔

یہ ایک انتہائی اہم تعلیم ہے جس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے مسلمان جو بہت زیادہ نیک اعمال انجام دیتے ہیں اکثر انہیں جلد بازی سے تباہ کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر، وہ غصے میں کچھ برے الفاظ کہہ سکتے ہیں جس کی وجہ سے وہ قیامت کے دن جہنم میں جا سکتے ہیں۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 2314 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

زیادہ تر گناہ اور مشکلات، جیسے دلائل، اس لیے پیش آتے ہیں کیونکہ لوگ چیزوں کو سوچنے میں ناکام رہتے ہیں اور اس کے بجائے جلد بازی میں کام کرتے ہیں۔ ذہانت کی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی بولنے یا عمل کرنے سے پہلے سوچتا ہے اور صرف اس وقت آگے آتا ہے جب وہ جانتا ہو کہ اس کی بات یا عمل دنیاوی یا دینی معاملات میں اچھا اور فائدہ مند ہے۔

اگر چہ ایک مسلمان کو اعمال صالحہ میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے، پھر بھی ان کو انجام دینے سے پہلے غوروفکر کرنا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی نیک عمل کا بدلہ محض اس لیے نہیں ملتا کہ اس کی شرائط اور آداب جلد بازی کی وجہ سے پورے نہ ہوئے ہوں۔ اس سلسلے میں، کسی بھی معاملے میں سوچنے کے بعد ہی آگے بڑھنا چاہیے۔

جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ نہ صرف اپنے گناہوں کو کم کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کرے گا بلکہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں پیش آنے والی مشکلات مثلاً جھگڑے اور اختلاف کو کم کر دے گا۔

فرمانبرداری پہلے آتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک دوسرے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ جب مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کو معلوم ہوا کہ یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو انہوں نے اپنے ایک رہنما ابو سفیان کو مدینہ روانہ کیا تاکہ وہ اس معاہدے کی توثیق کریں اور اس میں توسیع کریں کیونکہ وہ بہت زیادہ ہو گئے تھے۔ ان کی غداری کے نتائج کے بارے میں فکر مند .ابو سفیان اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی عیادت کے لیے گئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ بھی تھیں۔ مؤخر الذکر نے اس سے شادی کی تاکہ مکہ کے غیر مسلموں کے دل اپنے اور اسلام کی طرف نرم ہو جائیں۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد کو قالین پر بیٹھنے سے روکا اور اسے تہہ کر دیا۔ ابو سفیان نے تبصرہ کیا کہ مجھے نہیں معلوم کہ وہ اس کے لیے بہت اچھا ہے یا قالین اس کے لیے بہت اچھا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قالین پر بیٹھیں گے اس لیے وہ کسی مشرک کو اس کے استعمال کی اجازت نہیں دیں گی۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب حیاتِ نبوی، جلد 3، صفحہ 379 اور امام صفی الرحمن کی، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 388-389 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان خصوصیات کی نصیحت فرمائی جو مسلمان کے ایمان کو کامل کرتی ہیں۔

ان خصلتوں میں سے ایک خصلت اللہ تعالیٰ کے لیے بغض رکھنا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ انسان کو ان چیزوں کو ناپسند کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں جیسے اس کی نافرمانی۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں سے نفرت کرنی چاہیے کیونکہ لوگ سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے توبہ کر سکتے ہیں۔ اس کے بجائے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ خود اس گناہ کو ناپسند کرے جو ان سے ثابت ہے کہ اس سے بچنا اور دوسروں کو بھی اس سے خبردار کرنا۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ دوسروں سے تعلق توڑنے کے بجائے نصیحت کرتے رہیں کیونکہ یہ احسان

مندی انہیں سچے دل سے توبہ کرنے کا باعث بن سکتی ہے۔ اس میں اپنے جذبات کی بنیاد پر چیزوں کو ناپسند کرنا شامل ہے، جیسے کوئی عمل، جو کہ جائز ہے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسندیدگی کا ثبوت یہ ہے کہ جب وہ اپنے قول و فعل سے ناپسندیدگی کا اظہار کریں گے تو یہ ہرگز اس طرح نہیں ہوگا جو اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہو۔ یعنی کسی چیز کے لیے ان کی ناپسندیدگی ان سے کبھی گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گی کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی چیز سے ان کی ناپسندیدگی ان کے اپنے لیے ہے۔

سب سے پہلے اسلام کے لیے اخلاص

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک دوسرے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ جب مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کو معلوم ہوا کہ یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو انہوں نے اپنے ایک رہنما ابو سفیان کو مدینہ روانہ کیا تاکہ وہ اس معاہدے کی توثیق کریں اور اس میں توسیع کریں کیونکہ وہ بہت زیادہ ہو گئے تھے۔ ان کی غداری کے نتائج کے بارے میں فکر مند .ابو سفیان نے بہت سے بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بات کی اور ان سے درخواست کی کہ وہ اپنی طرف سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شفاعت کریں۔ اس نے ان کے ساتھ مختلف وابستگیوں کو درج کیا تاکہ ان پر فتح حاصل کی جاسکے، جیسے کہ قبائلی اور رشتہ داریاں، لیکن ان سب نے اسی طرح جواب دیا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کے لیے اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے سے انکار کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معاہدے کی تجدید یا تجدید نہ کرنے پر راضی کرنے کی خواہش نہیں کی۔ اس کے بجائے انہوں نے فیصلہ اپنے رہنما پر چھوڑ دیا کہ وہ اس کی خدائی رہنمائی شدہ انتخاب پر بھروسہ کرے۔ جب وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملے تو بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محض اس سے منہ موڑ لیا اور اس بات پر بحث نہیں کی کہ معاہدہ کی تجدید کی جائے یا نہیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرتِ نبوی، جلد 3، صفحہ 381-382 اور امام محمد السلّابی کی، نبی کی زندگی، جلد 1، صفحہ 1678-1679 میں بحث کی گئی ہے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔“

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخرکار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو ایک مسلمان کی دنیا اور آخرت میں تمام مشکلات سے باحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی عارضی چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں ایک مسلمان اور کسی خاص طریقے سے لباس پہن اسکارف اتار دیا عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا لیا تو وہ کام پر زیادہ عزت دار ہو گی اور کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی سے چڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد کسی پب یا کلب میں مدعو کر سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور ذکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں راستوں پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کس کو ترجیح دی جائے اور کس کا انتخاب کیا جائے۔

خفیہ گفتگو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک ایسے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ وہ اکثر مدینہ شہر کی حفاظت کے لیے عام لوگوں سے فوجی حکمت عملی کی معلومات چھپاتا تھا، اس لیے اس نے اپنی اہلیہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اطلاع دی کہ وہ اپنی مہم کے لیے کھانا تیار کریں لیکن ان سے کہا کہ اسے پوشیدہ رکھیں۔ جب ان کے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے جب کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر پر نہیں تھے۔ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو کھانا تیار کرتے دیکھا۔ اس نے اس کی حرکتوں پر سوال کیا لیکن وہ خاموش رہی۔ وہ پوچھتا رہا کہ کیا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی مہم پر روانہ ہونے کا حکم دیا گیا تھا اور کئی مقامات کی فہرست دی گئی تھی۔ لیکن عائشہ رضی اللہ عنہا خاموش رہیں۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 382 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1959 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ نجی گفتگو ایک امانت ہے جس کی حفاظت ضروری ہے۔

بدقسمتی سے، بہت سے لوگوں کو لوگوں کی نجی گفتگو کو دوسروں تک پہنچانے کی بری عادت ہے۔ یہ ایک ناقابل یقین حد تک بری خصوصیت ہے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان کے رویے سے متصادم ہے۔ بہت سے لوگ اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ ایسا کرتے ہیں کہ یہ قابل قبول ہے جب کہ یہ واضح طور پر نہیں ہے۔ ایک مسلمان کو بات چیت میں کہے گئے الفاظ کو ہمیشہ خفیہ رکھنا چاہیے جب تک کہ اسے پوری طرح یقین نہ ہو کہ جس شخص سے اس نے بات کی ہے اسے کسی تیسرے فریق کو بتائے جانے والی معلومات پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو یہ ان کے ساتھ خیانت کرے گا جو ان کے مخلص ہونے کے خلاف ہے۔ سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث

میں دوسروں کے لیے مخلص ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ بنیادی حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ غیبت اور گپ شپ جیسے گناہوں سے روکتی ہے اور ایک دوسرے کے لیے منفی جذبات پیدا ہونے سے روکتی ہے۔ یہ سب صرف ٹوٹنے اور ٹوٹے ہوئے رشتوں کا باعث بنتے ہیں۔ اگر کوئی ان کی زندگی پر ایمانداری سے غور کرے تو انہیں احساس ہوگا کہ جن لوگوں کے بارے میں انہوں نے منفی جذبات کا اظہار کیا ہے ان کی اکثریت اس وجہ سے ہوئی ہے کہ انہیں ان کے بارے میں کیا بتایا گیا تھا نہ کہ ان کے بارے میں جو انہوں نے براہ راست دیکھا تھا۔ نجی گفتگو کا انکشاف کرنا لوگوں خصوصاً رشتہ داروں کے درمیان اتحاد کو روکتا ہے۔ اور اسلام کی بہت سی تعلیمات میں اتحاد کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 6065 میں موجود حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ باب 4 النساء آیت 58:

‘‘بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے سپرد کرو۔’’

رحم کے ساتھ دوسروں کا مشاہدہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک ایسے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ حاطب ابن ابی بلتہ رضی اللہ عنہ نے ایک خاتون قاصد کو مکہ کی طرف ایک خط کے ساتھ روانہ کیا جس میں غیر مسلموں کو اطلاع دی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کی طرف جارہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خط کی الہی اطلاع ملی اور اس کے نتیجے میں علی ابن ابی طالب، مقداد بن عمرو اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم کو بھیجا کہ وہ ان کو روکیں اور واپس لے آئیں۔ مکہ پہنچنے سے پہلے خط منصوبہ کامیاب ہوا اور وہ خط حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واپس کر دیا گیا، آپ نے پھر حاطب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے ان کے خط کے متعلق سوال کیا۔ حاطب رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ اس نے نہ تو مرتد کیا ہے اور نہ ہی کفر کو اسلام پر ترجیح دی ہے بلکہ اس نے خط صرف اس لیے لکھا ہے کہ مکہ میں ان کے پاس کوئی نہیں تھا جو وہاں اپنے اہل و عیال کی حفاظت کر سکے اور اسے یقین تھا کہ اس خط کے ذریعے اسے فائدہ ہو گا۔ ان کا احسان اور اس کے نتیجے میں وہ اس کے خاندان اور املاک کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تصدیق فرمائی کہ آپ نے سچ فرمایا ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے غداری کے جرم میں حاطب رضی اللہ عنہ کو پھانسی دینے کی اجازت چاہی لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ وہ جنگ بدر میں لڑ چکے ہیں اور اللہ عزوجل پہلے ہی اس کو قتل کر چکا ہے۔ جنگ بدر کے تمام شرکاء کو بخش دیا۔ اس کا تذکرہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 379 اور صحیح بخاری نمبر 3007 میں موجود حدیث میں کیا گیا ہے۔

اے ایمان والو، میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، ان کے ساتھ محبت کرو، جب کہ وہ اس" بات کا انکار کر چکے ہیں جو تمہارے پاس حق آیا ہے، اس لیے کہ تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اپنے آپ کو نکال دیا ہے۔ "، تیرا رب۔ اگر تم میری راہ میں لڑنے اور میری ،رضا کے حصول کے لیے نکلے ہو، تو]انہیں دوست نہ بناؤ[. تم ان سے محبت کا اظہار کرتے ہو لیکن جو کچھ تم نے چھپا رکھا ہے اور جو تم نے ظاہر کیا ہے، میں سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ اور تم "میں سے جو بھی ایسا کرے گا وہ یقیناً راہ کی درستگی سے بھٹک گیا ہے۔

اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1684-1685 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ حاطب رضی اللہ عنہ کے ارادے برے نہیں تھے کیونکہ وہ اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرنا چاہتے تھے اور بخوبی جانتے تھے کہ غیر مسلموں کے نام ان کے خط سے مکہ کی منصوبہ بند فتح میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جیسا کہ مکہ کے غیر مسلم پہلے ہی سے اس واقعہ کے قائل تھے، اس لیے انہیں چاہیے تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخلص رہتے اور اپنے اہل و عیال کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے۔ اس ایک غلطی کی سزا دینے کے بجائے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے قربان کرتے ہوئے دیکھی اور اس لیے اس ایک غلطی کو نظر انداز کر دیا۔

تمام مسلمانوں کو امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ غلطیوں اور گناہوں کو ایک طرف رکھے گا، نظر انداز کرے گا اور معاف کر دے گا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہی مسلمانوں میں سے اکثر جو اس کی امید اور دعا کرتے ہیں وہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے۔ مطلب، وہ اکثر دوسروں کی ماضی کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں اور انہیں اپنے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ ان غلطیوں کی طرف اشارہ نہیں ہے جن کا اثر حال یا مستقبل پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ڈرائیور کی وجہ سے ہونے والا کار حادثہ جو کسی دوسرے شخص کو جسمانی طور پر معذور کر دیتا ہے، ایک غلطی ہے جو حال اور مستقبل میں شکار کو متاثر کرے گی۔ اس قسم کی غلطی کو چھوڑنا اور نظر انداز کرنا سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن بہت سے مسلمان اکثر دوسروں کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں جو کسی بھی طرح سے مستقبل کو متاثر نہیں کرتی ہیں، جیسے کہ زبانی توہین۔ اگرچہ غلطی ختم ہو چکی ہے لیکن یہ لوگ موقع ملنے پر اسے زندہ کرنے اور دوسروں کے خلاف استعمال کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی افسوسناک ذہنیت ہے جیسا کہ کسی کو سمجھنا چاہئے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ کم از کم ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے اپنی ماضی کی غلطیوں سے درگزر کرنے کی امید رکھتا ہے اسے دوسروں کی ماضی کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ جو لوگ اس طرح برتاؤ کرنے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کے زیادہ تر تعلقات ٹوٹ چکے ہیں کیونکہ کوئی بھی رشتہ مکمل نہیں ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اختلاف کا شکار رہیں گے جو ہر رشتے میں غلطی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ تنہا ہو جائے گا کیونکہ ان

کی بری ذہنیت انہیں دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ تنہا رہنے سے نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسا رویہ اپناتے ہیں جو دوسروں کو ان سے دور کرتا ہے۔ یہ منطق اور عقل کی نفی کرتا ہے۔ تمام لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہتے ہوئے اور ان کے انتقال کے بعد ان سے محبت اور احترام کیا جائے لیکن یہ رویہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں تو لوگ ان سے تنگ آ جاتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو لوگ انہیں سچے پیار اور محبت سے یاد نہیں کرتے۔ اگر وہ انہیں یاد کرتے ہیں تو یہ محض رواج سے باہر ہے۔

ماضی کو جانے دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں کے ساتھ حد سے زیادہ اچھا سلوک کرنے کی ضرورت ہے لیکن اسلام کی تعلیمات کے مطابق سب سے کم احترام کرنا ہے۔ اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا اور اس کے لیے تھوڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ درگزر کرنا سیکھے اور لوگوں کی ماضی کی غلطیوں کو جانے دیا جائے تو شاید اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی پچھلی غلطیوں کو درگزر فرمائے گا۔ باب 24 النور، آیت 22:

"... اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کر دیں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

دوسروں پر رحم کرنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک ایسے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ مکہ کے راستے میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بزرگ اور رشتہ دار، مکہ کے غیر مسلموں میں سے، ابو سفیان بن حارث)وہ ابو سفیان بن حرب نہیں جو غیر مسلموں کے سردار تھے۔)مسلم (اور عبداللہ بن امیہ، مسلمانوں کے لشکر کے پاس پہنچے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے کی اجازت طلب کی۔ ابتداء میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیکھنے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو بدترین دشمنوں میں سے تھے۔ ابو سفیان بن حارث نے عرض کیا کہ اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے نہ ملے تو وہ اپنے چھوٹے بچے کو اپنے ساتھ لے جائیں گے اور وہ دونوں صحرا میں بھوکے رہیں گے یہاں تک کہ وہ مر جائیں۔ .اس سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمدردی اور رحمت پیدا ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے کی اجازت دی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو عزت بخشی اور اس کے نتیجے میں دونوں نے اسلام قبول کیا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1691-1692 میں بحث کی گئی ہے۔

قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں مسلمانوں کو دوسروں پر رحم کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر جامع ترمذی نمبر 1924 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت ہے کہ مخلوق پر رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم کرے گا۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، کہ رحم کرنا صرف اپنے اعمال سے نہیں ہے، جیسے غریبوں کو دولت ،عطیہ کرنا۔ یہ درحقیقت کسی کی زندگی کے ہر پہلو اور دوسروں کے ساتھ تعامل کا احاطہ کرتا ہے جیسے کہ کسی کے الفاظ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خبردار کرتا ہے جو صدقہ دے کر

دوسروں پر رحم کرتے ہیں کہ ان کی گفتگو کے ذریعے رحم نہ کرنا، جیسے کہ دوسروں پر کیے گئے احسانات کو شمار کرنا، ان کے اجر کو منسوخ کر دیتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 264:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے صدقات کو نصیحت یا ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو۔"

حقیقی رحم ہر چیز میں ظاہر ہوتا ہے :کسی کے چہرے کے تاثرات، کسی کی نظر اور اس کی گفتگو کا لہجہ۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل رحمت تھی اور اس لیے مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ رحم کرنا اس قدر ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واضح کر دیا ہے کہ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان گنت خوبصورت اور اعلیٰ صفات کے حامل تھے، لیکن وہ جس نے ان کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ لوگوں کے دل ان کی طرف اور اسلام کی طرف رحمت تھے۔ باب 3 علی عمران، آیت 159:

"پس اللہ کی رحمت سے،]اے محمد[، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور دل میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔''

یہ واضح طور پر متنبہ کرتا ہے کہ بغیر رحم کے لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھاگ جاتے۔ اگر ان کے بارے میں یہ معاملہ تھا حالانکہ وہ ان گنت خوبصورت صفات کے مالک تھے تو وہ مسلمان جو ایسی اعلیٰ صفات کے حامل نہیں ہیں، وہ سچی رحم دلی کے بغیر دوسروں جیسے کہ ان کے بچوں پر مثبت اثرات کی امید کیسے رکھ سکتے ہیں؟

سیدھے الفاظ میں مسلمانوں کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں جو کہ بلاشبہ سچی اور مکمل رحمت ہے۔

عظمت پیروی میں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک ایسے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ فوج رمضان کے مقدس مہینے میں چلی گئی تو وہ سب روزے سے تھے۔ چونکہ سفر لمبا اور دشوار گزار تھا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ روزے کی تکلیف میں ہیں لیکن وہ انتظار کر رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھلے عام پانی کا برتن منگوا کر اور اس میں سے پی کر افطار کیا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کی اور روزہ بھی افطار کیا لیکن بعض نے روزہ رکھا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزے رکھنے والوں ،کو تنقید کا نشانہ بنایا کیونکہ انہوں نے اپنے کیے پر عمل نہیں کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3، صفحہ 388 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ روزہ توڑنا یا جاری رکھنا گناہ نہیں تھا، لیکن جو لوگ روزہ رکھتے تھے ان پر تنقید کی جاتی تھی۔ اس لیے کہ قرآن کریم کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل کرنے میں برتری مضمر ہے۔

سنن ابو داؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ ہر وہ معاملہ جس کی بنیاد اسلام پر نہ ہو اسے رد کر دیا جائے گا۔

اگر مسلمان دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں دائمی کامیابی چاہتے ہیں تو انہیں قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل کرنا چاہیے۔ اگرچہ بعض اعمال جو براہ راست ہدایت کے ان دو ذرائع سے نہیں کیے گئے ہیں ان کو پھر بھی ایک صالح عمل قرار دیا جا سکتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو باقی تمام چیزوں پر ترجیح دی جائے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں ذرائع سے نہ لینے والی چیزوں پر جتنا زیادہ عمل کرے گا خواہ وہ عمل صالح ہی کیوں نہ ہو ہدایت کے ان دونوں ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ کتنے مسلمانوں نے اپنی زندگیوں میں ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جن کی رہنمائی کے ان دو ذرائع میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ ثقافتی عادات گناہ نہیں ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کو ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے سے روک دیا ہے کیونکہ وہ اپنے طرز عمل سے مطمئن ہیں۔ یہ ہدایت کے دو ذرائع سے ناواقفیت کا باعث بنتا ہے جس کے نتیجے میں صرف گمراہی ہی ہوتی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھے اور ان پر عمل کرے جو راہنماؤں کے ذریعہ قائم کیے گئے ہیں اور اس کے بعد ہی دوسرے رضاکارانہ اعمال صالحہ پر عمل کرنا چاہیے اگر اس کے پاس ایسا کرنے کے لیے وقت اور توانائی ہو۔ لیکن اگر وہ جاہلیت کا انتخاب کریں اور عمل کو اختیار کریں اگرچہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کے گناہ ہی کیوں نہ ہوں۔

برتری ظاہری شکل میں نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک ایسے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ فوج نے مکہ پہنچنے سے پہلے کئی رکے اور ان میں سے ایک مقام العقبہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ آدمیوں کو مقامی درختوں سے پھل لینے کے لیے روانہ ،کیا۔ ایک صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک درخت پر پھل لینے کے لیے چڑھ رہے تھے کچھ آدمیوں نے ان کی چھوٹی اور پتلی ٹانگیں دیکھ کر ان کا مذاق اڑایا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کی پتلی ٹانگیں قیامت کے ترازو میں احد پہاڑ سے زیادہ وزنی ہوں گی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 390 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6543 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ ان کے ظاہری شکل وصورت یا مال کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی باطنی نیت کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔ اور ان کے جسمانی اعمال۔

سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی کوئی بھی کام کرتے ہیں تو ہمیشہ اپنی نیت کو درست کرنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اسے صرف اس صورت میں اجر دے گا جب وہ اس کی رضا کے لیے عمل صالح کریں گے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں اور چیزوں کی خاطر اعمال انجام دیتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ حدیث اسلام میں مساوات کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک شخص دنیاوی چیزوں جیسے اس کی نسل یا دولت کے لحاظ سے دوسروں سے برتر نہیں ہے۔ حالانکہ بہت سے مسلمانوں نے سماجی ذاتوں اور فرقوں جیسی یہ رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں اس طرح بعض کو دوسروں سے بہتر مانتے ہوئے اسلام نے واضح طور پر اس تصور کو رد کر دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اسلام کی نظر میں اس لحاظ سے تمام لوگ برابر ہیں۔ صرف ایک چیز جو ایک مسلمان کو دوسرے پر فضیلت بخشتی ہے وہ ہے ان کی تقویٰ کا مطلب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو کتنا پورا کرتے ہیں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

”بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے“۔

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے آپ کو مشغول رکھ کر اس کے حقوق اور لوگوں کے حقوق ادا کرے اور اس بات پر یقین نہ کرے کہ جو چیز ان کے پاس ہے یا اس سے تعلق رکھتی ہے وہ کسی طرح انہیں عذاب سے بچا لے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ جس مسلمان میں اعمال صالحہ کی کمی ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ ان کے نسب کی وجہ سے درجہ بندی .حقیقت میں، یہ تمام دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دولت، نسل، جنس یا سماجی بھائی چارے اور ذات پات۔

عوام سے اخلاص

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک ایسے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ راستے میں مسلمانوں کی فوج کا سامنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ وہ یہ تمام عرصہ مکہ میں ہی رہا تاکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر مکہ کے غیر مسلموں کی جاسوسی کرتا رہے۔ جب عباس رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے عظیم لشکر یعنی 10,000 سپاہیوں کا مشاہدہ کیا تو وہ سمجھ گئے کہ اگر وہ مکہ میں داخل ہو جائیں اس سے پہلے کہ مکہ کے غیر مسلم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے اپنی حفاظت کی ضمانت دے دیں۔ پھر فوج ان سب کو ختم کر سکتی ہے۔ وہ مکہ کے غیر مسلموں کی حفاظت کی امید کے ساتھ مسلم فوج کی طرف بھاگا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1692-1693 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ وہ غیر مسلم تھے، عباس رضی اللہ عنہ نے یہ ظاہر کیا کہ کس طرح تمام لوگوں کے لیے اخلاص کا ہونا چاہیے، خواہ ان کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے‘‘۔’’

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے‘‘-’’

پناہ گاہ انتقام نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک ایسے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ فوج نے مکہ پہنچنے سے پہلے کئی رکے اور ان میں سے ایک مقام مر الظہران تھا جو مکہ کے قریب تھا۔ مکہ کے بعض بزرگوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سفر کیا اور اسلام قبول کیا۔ ان میں سے ایک ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ مکہ کے غیر مسلموں میں سے جو کوئی مکہ کے ان بزرگوں کے گھروں میں داخل ہو گا وہ مسلمانوں کی فوج سے محفوظ رہے گا۔ اور جو اپنے گھروں میں داخل ہو کر اپنے دروازے بند کر لے گا وہ محفوظ رہے گا اور آخر کار جو اللہ کے گھر، کعبہ میں پناہ مانگے گا وہ مسلمانوں کے لشکر سے محفوظ رہے گا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 391-392 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات سے بدلہ نہیں لیا بلکہ معاف کر دیا اور نظر انداز کیا۔

مسلمانوں کو مناسب اور معقول طریقے سے اپنا دفاع کرنے کی اجازت دی گئی ہے جب ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا ہے۔ لیکن انہیں کبھی بھی لائن سے اوپر نہیں جانا چاہئے کیونکہ یہ ایک گناہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190:

"اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہیں کرتے۔ بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

چونکہ نشان پر قدم رکھنے سے بچنا مشکل ہے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ صبر و تحمل سے کام لے، دوسروں کو نظر انداز کرے اور معاف کرے کیونکہ یہ نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی لے جاتی ہے۔ ان کے گناہوں کو معاف کرنا .باب 24 النور، آیت 22:

‘‘اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟..."

دوسروں کو معاف کرنا بھی دوسروں کے کردار کو مثبت انداز میں بدلنے میں زیادہ کارگر ہے جو کہ اسلام کا مقصد ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے کیونکہ بدلہ لینا ہی ملوث افراد کے درمیان مزید دشمنی اور غصے کا باعث بنتا ہے۔

آخر میں وہ لوگ جو دوسروں کو معاف نہ کرنے کی بری عادت رکھتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی ہمیشہ کینہ پرور رہتے ہیں، انہیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ ان کے ہر چھوٹے گناہ کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چیزوں کو جانے دینا سیکھنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں معافی اور ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔

اسلام مخلصانہ اطاعت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک ایسے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ فوج نے مکہ پہنچنے سے پہلے کئی رکے اور ان میں سے ایک مقام مر الظہران تھا جو مکہ کے قریب تھا۔ یہاں مکہ کے بعض بزرگوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سفر کیا اور اسلام قبول کیا۔ ان میں سے ایک ابو سفیان رضی اللہ عنہ تھے۔ اس دورے کے دوران ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے باجماعت نماز میں شریک ہوئے۔ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کچھ بھی کریں گے یا نہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم !اور اس پر درود و سلام کا حکم دیا گیا۔ عباس رضی اللہ عنہ نے اثبات میں جواب دیا اور مزید کہا کہ اگر وہ انہیں کھانا پینا ترک کرنے کا حکم دیں تو وہ اس کی اطاعت کریں گے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ بچ جانے والے وضو کے پانی کے لیے اس سے برکت حاصل کرنے کے لیے تڑپتے تھے۔ اس کی گواہی دیتے ہوئے ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ اس سے پہلے میں نے فارس یا رومی بادشاہوں کے محلات میں بھی ایسا کچھ نہیں دیکھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 394 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

نافرمانی ناکامی کی طرف لے جاتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک ایسے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ جب مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا تو مکہ کے ایک سردار ابو سفیان رضی اللہ عنہ ان کی طاقت اور تعداد پر حیران رہ گئے۔ اس نے تبصرہ کیا کہ اس نے بہت سے ایسے چہرے دیکھے ہیں جنہیں وہ نہیں پہچانتا تھا جو فتح مکہ کے لیے آئے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ یہ تو صرف غیر مسلموں کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ جب مکہ کے غیر مسلموں نے اسے جھوٹا کہا تو مسلمانوں کی فوج نے اس پر یقین کیا اور جب مکہ کے غیر مسلموں نے اسے جلاوطن کیا تو انہوں نے اس کی مدد کی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 393 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے ایک سادہ مگر گہرے سبق کو سمجھنا ضروری ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے دنیا و آخرت میں دنیاوی یا دینی معاملات میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ طلوع آفتاب سے لے کر اس زمانے تک اور آخر زمانہ تک کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے نہ کبھی حقیقی کامیابی حاصل ہوئی اور نہ ہی کبھی نصیب ہوگی۔ تاریخ کے اوراق پلٹنے پر یہ بات بالکل عیاں ہے۔ لہٰذا جب کوئی مسلمان ایسی حالت میں ہو جس سے وہ ایک مثبت اور کامیاب نتیجہ حاصل کرنا چاہتا ہو تو اسے کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا انتخاب نہیں کرنا چاہیے، خواہ یہ کتنا ہی آسان اور آزمائشی کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ اگر کسی کو ان کے قریبی دوستوں اور رشتہ داروں کی طرف سے ایسا کرنے کا مشورہ دیا جائے کیونکہ مخلوق کی اطاعت نہیں ہے اگر اس کا مطلب خالق کی نافرمانی ہے۔ اور درحقیقت وہ انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے عذاب سے نہ دنیا میں بچا سکیں گے نہ آخرت میں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کامیابی عطا کرتا ہے جو اس کی اطاعت کرتے ہیں وہ اس کی نافرمانی کرنے والوں سے ایک کامیاب نتیجہ نکال دیتا ہے خواہ اس ہٹانے میں وقت لگے۔ ایک مسلمان کو بے وقوف نہیں بنانا چاہیے کیونکہ یہ جلد یا بدیر ہو جائے گا۔ قرآن کریم نے یہ بات بالکل واضح کر دی ہے کہ برائی کا منصوبہ یا عمل صرف کرنے والے کو ہی گھیرتا ہے خواہ اس سزا میں تاخیر ہی کیوں نہ ہو۔
باب 35 فاطر، آیت 43:

‘‘لیکن شیطانی تدبیر اپنے لوگوں کو نہیں گھیرتی۔’’

لہٰذا حالات اور انتخاب خواہ کتنے ہی مشکل کیوں نہ ہوں مسلمانوں کو چاہیے کہ دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا انتخاب کریں کیونکہ یہی کامیابی دونوں جہانوں میں حقیقی کامیابی کا باعث بنے گی خواہ یہ کامیابی فوری طور پر ظاہر نہ ہو۔

آسانی اور کامیابی میں اطاعت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک ایسے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ جب مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا تو سب پر ظاہر تھا کہ وہ اس دن مکہ فتح کر لیں گے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ یہ دن عظیم جنگ کا دن ہے جس میں ان کے دشمنوں کے لیے پناہ کی اجازت نہیں ہے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے اپنے الفاظ کی تصحیح کرتے ہوئے یہ اعلان فرمایا کہ آج کا دن درحقیقت اللہ تعالیٰ اپنے گھر کعبہ کی تسبیح فرماتا ہے، جس دن کعبہ کو اللہ عزوجل کی مخلصانہ عبادت کے ساتھ معنوی آراستہ ہو۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 394 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اعلان مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ انہیں آسانی اور کامیابی کے وقت اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کرنی چاہیے۔ مسلمان اکثر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مشکل کے وقت مزید روحانی اضافہ کرتے ہیں، جیسے کہ نماز باجماعت کے لیے مساجد میں جانا یا ۔ لیکن آسانی کے وقت وہ اکثر آرام کرتے ہیں اور سست ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ نوٹ کرنا مشقیں کرنا ضروری ہے کہ عام طور پر مشکل کے وقت آسانی کے وقت زیادہ چوکس رہنا اور اطاعت میں اضافہ کرنا زیادہ ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر اوقات مشکل سے زیادہ آسانی کے اوقات میں گناہ زیادہ ہوتے ہیں، جیسے اپنے واجبات کو چھوڑ دینا۔ اگر کوئی تاریخ میں مختلف گمراہ لوگوں مثلاً فرعون اور قرون کا جائزہ لے تو معلوم ہوگا کہ ان کے گناہ صرف آسانی کے وقت ہی بڑھتے ہیں۔ جو شخص کسی مشکل کا سامنا کر رہا ہو جہاں وہ پھنس گیا ہو اور اس کے لیے صبر کے ساتھ راحت کا انتظار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو اس کے گناہ کا امکان کم ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنی مشکل سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جبکہ آرام کے وقت کا تجربہ کرنے والا شخص لطف اندوز ہونے اور دنیاوی چیزوں میں زیادہ مشغول رہنے کے لیے بہتر پوزیشن میں ہو گا جو اکثر گناہوں کا باعث بنتے ہیں۔ مثال کے طور پر، غربت کا سامنا کرنے والے شخص کے گناہ کا امکان کم ہوتا ہے کیونکہ بہت سے گناہوں کے لیے دولت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جبکہ، ایک امیر شخص ان گناہوں کا ارتکاب کرنے کے لیے آسان پوزیشن میں ہوتا ہے، جیسے شراب یا منشیات کی خریداری۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس کا

خیال رکھنا چاہیے اور اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ آسانی کے وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو برقرار رکھیں یا اس میں اضافہ کریں تاکہ وہ گناہوں اور نافرمانیوں میں مبتلا نہ ہوں۔

اس کے علاوہ جو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہے، اس کے احکام کو بجا لا کر اور آسانی کے وقت اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے، اسے مشکل کے وقت اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل ہوگی جو ان پر کامیابی کے ساتھ قابو پانے میں ان کی مدد کرے گی۔ .باب 47 محمد، آیت 7:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ کا ساتھ دو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمائے گا۔"

عاجزی کی انتہا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک ایسے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ جب مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا تو سب پر ظاہر تھا کہ وہ اس دن مکہ فتح کر لیں گے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار ہو کر خانہ کعبہ کے قرب میں تشریف لے گئے تو آپ اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی سے اس قدر جھک گئے کہ آپ کا چہرہ تقریباً اس کی زین کو چھونے لگا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 397 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ باب 25 الفرقان آیت 63 سے مربوط ہے:

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آسانی سے چلتے ہیں‘‘۔’’

نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کے پاس جو بھی خوبی ہے وہ صرف اور صرف اس اللہ تعالیٰ کے بندوں لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا ہے۔ اور جس برائی سے وہ بچ گئے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی۔ جو چیز کسی کی نہیں اس پر فخر کرنا کیا حماقت نہیں؟ بالکل اسی طرح ان سے تعلق نہیں رکھتا مسلمانوں کو یہ جیسے کوئی شخص کسی اسپورٹس کار پر فخر نہیں کرتا جو نہیں سمجھنا چاہیے کہ حقیقت میں کچھ بھی ان کا نہیں ہے۔ یہ رویہ یقینی بناتا ہے کہ انسان ہر وقت عاجز رہے۔ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے صحیح بخاری نمبر 5673 میں موجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث پر مکمل یقین رکھتے ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کے اعمال صالحہ انہیں جنت میں نہیں لے جائیں گے۔ .صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی اس کا سبب بن

سکتی ہے۔ اس لیے کہ ہر عمل صالح اسی وقت ممکن ہے جب اللہ تعالیٰ اس کو انجام دینے کے لیے کی رحمت اللہ علم، طاقت، موقع اور الہام عطا فرمائے۔ یہاں تک کہ عمل کی قبولیت بھی منحصر ہے۔ پر .جب کوئی اس کو ذہن میں رکھتا ہے تو یہ انہیں غرور سے بچاتا ہے اور انہیں عاجزی اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ عاجز ہونا کمزوری کی علامت نہیں ہے کیونکہ اسلام نے ضرورت پڑنے پر اپنے دفاع کی ترغیب دی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام مسلمانوں کو کمزوری کے بغیر عاجزی کا درس دیتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اٹھائے گا۔ پس حقیقت میں عاجزی دونوں جہانوں میں عزت کا باعث بنتی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے مخلوق میں سے سب سے زیادہ حلیم پر غور کرنے کی ضرورت ہے، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے واضح طور پر لوگوں کو اس اہم صفت کو اپنانے کا حکم دے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے۔ باب 26 اشعرا، آیت 215:

"اور اپنے بازو کو نیچے رکھو]یعنی مہربانی کرو [مومنوں میں سے جو تمہاری پیروی کرتے ہیں۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاجزانہ زندگی گزاری۔ مثال کے طور پر، اس نے خوشی سے گھر میں گھریلو فرائض انجام دیے اور یہ ثابت کیا کہ یہ کام صنفی غیر جانبدار ہیں۔ اس کی تصدیق امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 538 میں ہوتی ہے۔

باب 25 الفرقان، آیت 63، ظاہر کرتی ہے کہ عاجزی ایک باطنی خصوصیت ہے جو باہر کی طرف ظاہر ہوتی ہے جیسے کہ چلنے کا راستہ۔ اس پر ایک اور آیت باب 31 لقمان، آیت 18 میں بحث کی گئی ہے۔

"اور اپنا رخسار لوگوں کی طرف مت پھیرو اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو۔"

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ جنت ان عاجز بندوں کے لیے ہے جن میں غرور کا کوئی نشان نہیں ہے۔ باب 28 القصص، آیت 83:

آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لیے مقرر کیا ہے جو زمین میں بلندی اور فساد نہیں چاہتے۔ اور ”[انجام نیک لوگوں کے لیے ہے۔]بہترین“

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1998 میں موجود ایک حدیث کی تصدیق فرمائی ہے کہ جس کے پاس ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ فخر کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کیونکہ وہ پوری کائنات کا خالق، پالنے والا اور مالک ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، فخر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں اور جب سچائی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو اسے مسترد کر دیتا ہے کیونکہ وہ سچائی کو اس کی تصدیق سنن طرف سے آتا ہے ۔ ان کے علاوہ کسی اور کی قبول کرنا ناپسند کرتے ہیں جب وہ ابوداؤد نمبر 4092 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

چیزوں کو آسان بنائیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک ایسے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ جب مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا تو سب پر ظاہر تھا کہ وہ اس دن مکہ فتح کر لیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے بزرگ والد کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئے تاکہ وہ اسلام قبول کر سکیں۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آتے دیکھا تو فرمایا کہ بہتر ہوتا کہ اپنے بوڑھے والد کو گھر پر چھوڑ کر خود ان سے ملنے جاتے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ان کے والد کے لیے یہ زیادہ مناسب تھا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں، پھر دوسری طرف۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 398-399 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سچ کہا تھا، لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا۔ بدقسمتی سے، کچھ مسلمان ہمیشہ اپنے مکمل حقوق اور دوسروں سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آج کے دور میں جہالت کی وجہ سے والدین جیسے لوگوں کے حقوق ادا کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ اگرچہ ایک مسلمان کے پاس کوئی عذر نہیں ہے لیکن ان کو پورا کرنے کی کوشش کرنا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ صلہ رحمی کریں۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 6655 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت ہے کہ اللہ تعالیٰ دوسروں پر رحم کرنے والوں پر رحم کرتا ہے۔

اس رحمت کا ایک پہلو مسلمان کے لیے یہ ہے کہ وہ دوسروں سے اپنے پورے حقوق کا مطالبہ نہ کرے۔ اس کے بجائے، انہیں اپنی جسمانی یا مالی طاقت جیسے ذرائع کو اپنی مدد اور دوسروں کے

لیے آسان بنانے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ بعض صورتوں میں، جب کوئی مسلمان دوسروں سے اپنے مکمل حقوق کا مطالبہ کرتا ہے اور وہ انہیں پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو یہ ان کی سزا کا باعث بن سکتا ہے۔ دوسروں پر رحم کرنے کے لیے انہیں صرف بعض صورتوں میں اپنے حقوق کا مطالبہ کرنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان کو دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرے جن پر ان کے حقوق ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک والدین اپنے بالغ بچے کو گھر کے کسی خاص کام سے معافی دے سکتے ہیں اور اگر وہ اپنے آپ کو پریشان کیے بغیر ایسا کرنے کے ذرائع رکھتے ہیں تو وہ خود کر سکتے ہیں، خاص طور پر اگر وہ بچہ کام سے تھک کر گھر لوٹتا ہے۔ یہ نرمی اور رحم نہ صرف اللہ تعالیٰ کو ان پر زیادہ رحم کرنے کا باعث بنے گا بلکہ اس سے لوگوں میں ان کے لیے محبت اور احترام بھی بڑھے گا۔ جو ہمیشہ اپنے پورے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے وہ گنہگار نہیں ہے لیکن اگر وہ اس طرح کا برتاؤ کریں گے تو وہ اس اجر و ثواب سے محروم ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کریں اور امید رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے دنیا اور آخرت میں آسانیاں پیدا کرے گا۔

ہمدردی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک ایسے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ جب مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا تو سب پر ظاہر تھا کہ وہ اس دن مکہ فتح کر لیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے اعلان فرمایا تھا کہ مکہ کے غیر مسلموں میں سے جو بھی ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہو گا وہ مسلمانوں کے لشکر سے محفوظ رہے گا۔ اور جو اپنے گھروں میں داخل ہو کر اپنے دروازے بند کر لے گا وہ محفوظ رہے گا اور آخر کار جو اللہ کے گھر، کعبہ میں پناہ مانگے گا وہ مسلمانوں کے لشکر سے محفوظ رہے گا۔ اس نے فوج کو حکم دیا کہ وہ صرف ان لوگوں سے لڑے جو ان سے لڑے لیکن چند لوگوں کی فہرست دی جنہیں اگر مل جائے تو پھانسی دے دی جائے۔ ان لوگوں کو سیکورٹی میں توسیع نہیں دی گئی کیونکہ ان کے جرائم بہت زیادہ تھے، جیسے کہ غداری، جو کہ اس دن اور عمر میں بھی ایک بڑا جرم ہے۔ مثال کے طور پر چند سال پہلے میقیاس بن صبا اسلام کا دعویٰ کرتے ہوئے مدینہ پہنچے۔ اس نے اپنے مسلمان بھائی ہشام بن صبغہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مالی معاوضہ کی درخواست کی، جو ایک جنگ کے دوران غلطی سے ایک مسلمان کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ یہ رقم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے بعد اس نے اس مسلمان سپاہی کو قتل کر دیا جس نے غلطی سے اپنے بھائی کو قتل کر دیا تھا۔ میقیاس پھر مکہ بھاگ گیا جہاں اس نے مرتد ہو گیا۔ مکیاس کو فتح مکہ کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موت کی سزا سنائی تھی کیونکہ اس نے دو سنگین جرائم کا ارتکاب کیا تھا، دونوں کے لیے پھانسی کی ضمانت دی گئی تھی۔ پہلا مسلمان سپاہی کو خاص طور پر مالی معاوضہ لینے کے بعد قتل کرنا تھا اور دوسرا اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہونا تھا۔ اسے مکہ میں پایا اور قتل کر دیا گیا۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء آیت نمبر 93 نازل فرمائی۔

”لیکن جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوا اور اس پر لعنت کی اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

ایک اور شخص عبد العزہ بن خطل نے شروع میں اسلام قبول کیا اور جب اسے ایک گاؤں سے صدقہ فطر جمع کرنے کے لیے بھیجا گیا تو اس نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا، جب ان کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ اس کے بعد وہ مرتد ہو کر غیر مسلموں کے پاس بھاگ گیا اور یہاں تک کہ دو خواتین گلوکاروں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں توہین آمیز اشعار لکھنے کے لیے ملازم رکھا۔

اس کے علاوہ جب مسلمانوں کی فوج مکہ میں داخل ہوئی تو اسلام سے ارتداد کے جرم میں موت کی سزا پانے والے افراد میں سے ایک عبداللہ ابن سعد بھاگ کر ایک صحابی عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گیا اور ان سے حفاظت کی درخواست کی۔ وہ جواباً اس شخص کو لے کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا اور اپنی طرف سے التجا کی۔ اگرچہ اس کے جرائم سنگین تھے، پھر بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے معاف کر دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرتِ نبوی، جلد 3، صفحہ 212-213 اور 402، امام صفی الرحمن کی، مہربند نیکٹر، صفحہ 396-397 اور امام واحدی کی، اصباب النزول، 4 میں بحث کی گئی ہے۔ 93، صفحہ 59۔

قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں مسلمانوں کو دوسروں پر رحم کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر جامع ترمذی نمبر 1924 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت ہے کہ مخلوق پر رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم کرے گا۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، کہ رحم کرنا صرف اپنے اعمال سے نہیں ہے، جیسے غریبوں کو دولت ،عطیہ کرنا۔ یہ درحقیقت کسی کی زندگی کے ہر پہلو اور دوسروں کے ساتھ تعامل کا احاطہ کرتا ہے جیسے کہ کسی کے الفاظ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خبردار کرتا ہے جو صدقہ دے کر دوسروں پر رحم کرتے ہیں کہ ان کی گفتگو کے ذریعے رحم نہ کرنا، جیسے کہ دوسروں پر کیے :گئے احسانات کو شمار کرنا، ان کے اجر کو منسوخ کر دیتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 264

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے صدقات کو نصیحت یا ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو۔"

حقیقی رحم ہر چیز میں ظاہر ہوتا ہے :کسی کے چہرے کے تاثرات، کسی کی نظر اور اس کی گفتگو کا لہجہ۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل رحمت تھی اور اس لیے مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ رحم کرنا اس قدر ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واضح کر دیا ہے کہ ،اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان گنت خوبصورت اور اعلیٰ صفات کے حامل تھے لیکن وہ جس نے ان کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ لوگوں کے دل ان کی طرف اور اسلام کی طرف رحمت :تھے۔ باب 3 علی عمران، آیت 159

"پس اللہ کی رحمت سے،]اے محمد[، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور دل ‘‘میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔

یہ واضح طور پر متنبہ کرتا ہے کہ بغیر رحم کے لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھاگ جاتے۔ اگر ان کے بارے میں یہ معاملہ تھا حالانکہ وہ ان گنت خوبصورت صفات کے مالک تھے تو وہ مسلمان جو ایسی اعلیٰ صفات کے حامل نہیں ہیں، وہ سچی رحم دلی کے بغیر دوسروں جیسے کہ ان کے بچوں پر مثبت اثرات کی امید کیسے رکھ سکتے ہیں؟

سیدھے الفاظ میں مسلمانوں کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں جو کہ بلاشبہ سچی اور مکمل رحمت ہے۔

معاف کرنا اور آگے بڑھنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک ایسے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ جب مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا تو سب پر ظاہر تھا کہ وہ اس دن مکہ فتح کر لیں گے۔ اسلام کا ایک کٹر دشمن جس نے روز اول سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچانے کا ہر موقع استعمال کیا، عکرمہ بن ابو جہل فتح مکہ کے دن فرار ہو گیا۔ ان کی اہلیہ نے اسلام قبول کر لیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی حفاظت کی درخواست کی جو آپ نے قبول کر لی۔ اس نے عکرمہ کو پایا اور اسے بتایا کہ کیا ہوا ہے۔ اگرچہ اسے یقین کرنا مشکل ہو گیا تھا، وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس آئے اور اسلام قبول کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے خلاف اپنے سابقہ رویے کو نظر انداز کیا اور معاف کر دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 403-404 میں بحث کی گئی ہے۔

تمام مسلمانوں کو امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ غلطیوں اور گناہوں کو ایک طرف رکھے گا، نظر انداز کرے گا اور معاف کر دے گا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہی مسلمانوں میں سے اکثر جو اس کی امید اور دعا کرتے ہیں وہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے۔ مطلب، وہ اکثر دوسروں کی ماضی کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں اور انہیں اپنے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ ان غلطیوں کی طرف اشارہ نہیں ہے جن کا اثر حال یا مستقبل پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ڈرائیور کی وجہ سے ہونے والا کار حادثہ جو کسی دوسرے شخص کو جسمانی طور پر معذور کر دیتا ہے، ایک غلطی ہے جو حال اور مستقبل میں شکار کو متاثر کرے گی۔ اس قسم کی غلطی کو چھوڑنا اور نظر انداز کرنا سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن بہت سے مسلمان اکثر دوسروں کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں جو کسی بھی طرح سے مستقبل کو متاثر نہیں کرتی ہیں، جیسے کہ زبانی توہین۔ اگرچہ غلطی ختم ہو چکی ہے لیکن یہ لوگ موقع ملنے پر اسے زندہ کرنے اور دوسروں کے خلاف استعمال کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی افسوسناک ذہنیت ہے جیسا کہ کسی کو سمجھنا چاہئے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ کم از کم ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے اپنی ماضی کی غلطیوں سے درگزر کرنے کی امید رکھتا ہے اسے دوسروں کی ماضی کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ جو لوگ اس

طرح برتاؤ کرنے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کے زیادہ تر تعلقات ٹوٹ چکے ہیں کیونکہ کوئی بھی رشتہ مکمل نہیں ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اختلاف کا شکار رہیں گے جو ہر رشتے میں غلطی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ تنہا ہو جائے گا کیونکہ ان کی بری ذہنیت انہیں دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ تنہا رہنے سے نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسا رویہ اپناتے ہیں جو دوسروں کو ان سے دور کرتا ہے۔ یہ منطق اور عقل کی نفی کرتا ہے۔ تمام لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہتے ہوئے اور ان کے انتقال کے بعد ان سے محبت اور احترام کیا جائے لیکن یہ رویہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں تو لوگ ان سے تنگ آ جاتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو لوگ انہیں سچے پیار اور محبت سے یاد نہیں کرتے۔ اگر وہ انہیں یاد کرتے ہیں تو یہ محض رواج سے باہر ہے۔

ماضی کو جانے دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں کے ساتھ حد سے زیادہ اچھا سلوک کرنے کی ضرورت ہے لیکن اسلام کی تعلیمات کے مطابق سب سے کم احترام کرنا ہے۔ اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا اور اس کے لیے تھوڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ درگزر کرنا سیکھے اور لوگوں کی ماضی کی غلطیوں کو جانے دیا جائے تو شاید اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی پچھلی غلطیوں کو درگزر فرمائے گا۔ باب 24 النور، آیت 22:

"... اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کر دیں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے"۔

برتری اور کامیابی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک ایسے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ جب مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا تو سب پر ظاہر تھا کہ وہ اس دن مکہ فتح کر لیں گے۔ اس وقت خانہ کعبہ کے گرد 360 بت رکھے گئے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر ایک کو اپنی لاٹھی مارتے ہوئے اعلان کیا کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ حق آچکا تھا اور باطل بے اختیار تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 408-409 میں بحث کی گئی ہے۔

وقت کے ساتھ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے کے باوجود ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی طاقت میں کمی آئی ہے۔ ہر مسلمان اپنے عقیدے کی مضبوطی سے قطع نظر قرآن پاک کی صداقت پر یقین رکھتا ہے کیونکہ اس سے ان کا ایمان ختم ہو جائے گا۔ درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے برتری اور کامیابی حاصل کرنے کی کنجی بتائی ہے جس سے دنیا بھر کے مسلمان اس کمزوری اور غم کو دور کر دیں گے۔ باب 3 علی عمران، آیت 139:

پس تم کمزور نہ ہو اور غم نہ کرو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو“۔ ”

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ مسلمانوں کو اس برتری اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے صرف سچے مومن بننے کی ضرورت ہے۔ حقیقی عقیدہ میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر سے کرنا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے لیے فرائض شامل ہیں، جیسے کہ دوسروں کے لیے وہی محبت کرنا جو اپنے لیے پسند کرتا ہے جس کی نصیحت جامع

ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث میں آئی ہے۔ تعلیمات اس رویہ کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کامیابی اور برتری حاصل ہوئی۔ اور اگر مسلمان اس کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اس راہ راست پر واپس آنا چاہیے۔ جیسا کہ مسلمان قرآن پاک پر یقین رکھتے ہیں انہیں اس سادہ تعلیم کو سمجھنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔

کعبہ کی چابیاں

اسلام نرمی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک ایسے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ جب مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا تو سب پر ظاہر تھا کہ وہ اس دن مکہ فتح کر لیں گے۔ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ غیر مسلم سے لینے کے بعد خانہ کعبہ کی چابیاں لے کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس سے پہلے عثمان بن طلحہ چابیاں کے انچارج تھے۔ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے چابیاں اپنے پاس رکھنے کی درخواست کی تاکہ وہ کعبہ کا متولی بن سکیں۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان بن طلحہ کو بلوایا اور چابیاں واپس کر دیں اور بتایا کہ یہ دن تقویٰ اور نیک نیتی کا دن ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 408 میں بحث کی گئی ہے۔

امام واحدی کی، اصباب النزول، 4:58، صفحہ 54 کے مطابق، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان کو چابیاں واپس کردیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے باب 4 النساء آیت 58 نازل فرمائی:

’’بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حقداروں کو واپس کرو۔ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ اللہ کی طرف سے آپ کے لیے کیا ہی عمدہ حکم ہے !بے شک اللہ سب کچھ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔‘‘

اس کے جواب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا۔

جامع ترمذی نمبر 2701 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

یہ ایک اہم خصوصیت ہے جسے تمام مسلمانوں کو اپنانا چاہیے۔ اسے اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں استعمال کیا جانا چاہیے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ نرم مزاجی سے خود مسلمان کو کسی اور سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتیں اور اجر و ثواب حاصل کریں گے اور گناہوں کی مقدار کو کم کریں گے، کیونکہ ایک شریف آدمی اپنے قول و فعل سے گناہوں کا امکان کم رکھتا ہے، بلکہ اس سے انہیں دنیاوی معاملات میں بھی فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، جو شخص اپنے شریک حیات کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے وہ بدلے میں زیادہ پیار اور عزت حاصل کرے گا اگر وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ جب بچوں کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کیا جاتا ہے تو بچے اپنے والدین کی فرمانبرداری اور احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ کام پر موجود ساتھی اس کی مدد کرنے کا زیادہ امکان رکھتے ہیں جو ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے۔ مثالیں لامتناہی ہیں۔ صرف انتہائی شاذ و نادر ہی صورتوں میں سخت رویہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ تر معاملات میں، نرم رویہ سخت رویہ سے کہیں زیادہ موثر ہوگا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی نرمی کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے کیونکہ یہ ایک اہم جز ہے جو دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کے لیے ضروری ہے۔ باب 3 آل عمران، آیت 159:

"پس اللہ کی رحمت سے،]اے محمد[، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور دل میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔''

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کبھی بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ شخص جس کے ساتھ وہ بات چیت کرتے ہیں وہ فرعون سے بدتر ہو گا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم دیا تھا۔ فرعون کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ باب 20 طہٰ، آیت 44:

اور اس سے نرمی سے بات کرو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ سے ڈرے‘‘۔’’

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام معاملات میں نرمی اختیار کرے کیونکہ اس سے بہت زیادہ اجر ملتا ہے اور دوسروں جیسے کہ اپنے خاندان پر مثبت اثر پڑتا ہے۔

اسلامی تعلیمات پر عمل کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک ایسے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ جب مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا تو سب پر ظاہر تھا کہ وہ اس دن مکہ فتح کر لیں گے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ نے فرشتوں اور لوگوں کی جسمانی نمائندگی کا مشاہدہ کیا۔ اس نے دیکھا کہ کس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک آسمانی تیر پکڑ کر کھینچا گیا تھا جس کا تعلق شرک سے ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غصے میں آگئے اور اعلان فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ان چیزوں سے کوئی تعلق نہیں اور وہ نہ عیسائی ہیں اور نہ یہودی۔ انہوں نے مزید کہا کہ وہ ایک سیدھے سادھے مسلمان تھے اور مشرک نہیں تھے۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان جسمانی نمایشوں کو ختم کرنے کا حکم دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 408 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو غیر مسلموں کے رسم و رواج کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔ مسلمان جتنا زیادہ ایسا کریں گے وہ قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر اتنا ہی کم عمل کریں گے۔ یہ اس دور اور دور میں بالکل واضح ہے کیونکہ بہت سے مسلمانوں نے دوسری قوموں کے ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جس کی وجہ سے وہ اسلام کی تعلیمات سے دور ہو گئے ہیں۔ مثال کے طور پر، کسی کو صرف جدید مسلم شادی کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ دیکھا جا سکے کہ مسلمانوں نے کتنے غیر مسلم ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے۔ جو چیز اس سے بدتر بناتی ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے مسلمان قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات اور غیر مسلموں کے ثقافتی طریقوں پر مبنی اسلامی طریقوں میں فرق نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ سے غیر مسلم بھی ان میں تفریق نہیں کر سکتے جس کی وجہ سے اسلام کے لیے بہت زیادہ مسائل پیدا ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر غیرت کے نام پر قتل ایک ثقافتی عمل ہے جس کا ابھی تک اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں کی جہالت اور غیر مسلم ثقافتی طریقوں کو اپنانے کی ان کی عادت کی وجہ سے جب بھی معاشرے میں غیرت کے نام پر قتل ہوتا ہے تو اسلام کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو متحد کرنے کے لیے ذات پات اور بھائی چارے کی شکل میں سماجی رکاوٹوں کو دور کیا لیکن جاہل ،مسلمانوں نے غیر مسلموں کے ثقافتی طریقوں کو اپنا کر انہیں زندہ کیا ہے۔ سیدھے الفاظ میں

مسلمان جتنے زیادہ ثقافتی طریقوں کو اپنائیں گے، وہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر اتنا ہی کم عمل کریں گے۔

حقیقی شرافت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک ایسے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ جب مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا تو سب پر ظاہر تھا کہ وہ اس دن مکہ فتح کر لیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھلم کھلا اعلان فرمایا کہ اس دن ہر قسم کی دنیاوی شرافت اور نسب میں تکبر ان کے قدموں تلے کچل دیا گیا تھا۔ آپ نے باب 49 الحجرات، آیت 13 کی تلاوت بھی کی۔

’’بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔

اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 3، صفحہ 411 اور امام صفی الرحمن کی، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 394-395 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 5116 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ شرافت کسی کے نسب میں نہیں ہے کیونکہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اور وہ خاک سے بنا تھا۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور نسب پر فخر کرنا چھوڑ دیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگرچہ بعض جاہل مسلمانوں نے ذاتیں اور فرقے بنا کر دوسری قوموں کا رویہ اختیار کر لیا ہے اور ان گروہوں کی بنیاد پر اسلام نے برتری کا ایک سادہ معیار قرار دیا ہے، یعنی تقویٰ۔ یعنی مسلمان جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ اتنا ہی بلند درجہ کا ہوتا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

’’بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔

یہ آیت دیگر تمام معیارات کو ختم کر دیتی ہے جو جاہل لوگوں نے بنائے ہیں جیسے کہ کسی کی نسل، نسل، دولت، صنف یا سماجی حیثیت۔

مزید برآں، اگر کسی مسلمان کو اپنے نسب میں کسی متقی شخص پر فخر ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور ان کے نقش قدم پر چل کر اس عقیدے کا صحیح مظاہرہ کرنا چاہیے۔ دوسروں کے نقش قدم پر چلے بغیر ان پر فخر کرنا اس دنیا یا آخرت میں کسی کے کام نہیں آئے گا۔ یہ بات جامع ترمذی نمبر 2945 میں موجود حدیث میں واضح ہو چکی ہے۔

آخر میں، جو دوسروں پر فخر کرتا ہے لیکن ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہتا ہے وہ بالواسطہ طور پر ان کی بے عزتی کر رہا ہے کیونکہ باہر کی دنیا ان کے برے کردار کو دیکھے گی اور یہ سمجھے گی کہ ان کے صالح آباؤ اجداد نے اسی طرح برتاؤ کیا تھا۔ ان لوگوں کو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری روایات اور نصیحتوں کو اپناتے ہیں، جیسے کہ داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا، ان کے باطن کو اپنانے میں ناکام رہتے ہیں۔ بیرونی دنیا صرف اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منفی سوچے گی جب وہ ان مسلمانوں کے برے کردار کو دیکھیں گے۔

اسلام میں نسل پرستی نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک ایسے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ جب مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا تو سب پر ظاہر تھا کہ وہ اس دن مکہ فتح کر لیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ خانہ کعبہ کی چھت سے اذان کا اعلان کریں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 411 میں بحث کی گئی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ ایک حبشی اور سابق غلام تھے اس لیے اس وقت کے معاشرے کے مطابق ان کو پست اور حقیر سمجھا جاتا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسانی سے کسی ایسے شخص کو دے سکتے تھے جسے اس زمانے کا معاشرہ معزز سمجھا جاتا تھا، پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر بلال رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا۔

صحیح مسلم نمبر 6543 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ ان کے ظاہری شکل وصورت یا مال کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی باطنی نیت کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔ اور ان کے جسمانی اعمال۔

سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی کوئی بھی کام کرتے ہیں تو ہمیشہ اپنی نیت کو درست کرنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اسے صرف اس صورت میں اجر دے گا جب وہ اس کی رضا کے لیے عمل صالح کریں گے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں اور چیزوں کی خاطر اعمال انجام دیتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن

کے لیے انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ حدیث اسلام میں مساوات کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک شخص دنیاوی چیزوں جیسے اس کی نسل یا دولت کے لحاظ سے دوسروں سے برتر نہیں ہے۔ حالانکہ بہت سے مسلمانوں نے سماجی ذاتوں اور فرقوں جیسی یہ رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں اس طرح بعض کو دوسروں سے بہتر مانتے ہوئے اسلام نے واضح طور پر اس تصور کو رد کر دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اسلام کی نظر میں اس لحاظ سے تمام لوگ برابر ہیں۔ صرف ایک چیز جو ایک مسلمان کو دوسرے پر فضیلت بخشتی ہے وہ ہے ان کی تقویٰ کا مطلب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو کتنا پورا کرتے ہیں، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

’’بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے آپ کو مشغول رکھ کر اس کے حقوق اور لوگوں کے حقوق ادا کرے اور اس بات پر یقین نہ کرے کہ جو چیز ان کے پاس ہے یا اس سے تعلق رکھتی ہے وہ کسی طرح انہیں عذاب سے بچا لے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ جس مسلمان میں اعمال صالحہ کی کمی ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ ان کے نسب کی وجہ سے درجہ بندی .حقیقت میں، یہ تمام دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دولت، نسل، جنس یا سماجی بھائی چارے اور ذات پات۔

معاف کرنا بلندی کی طرف لے جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک ایسے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ جب مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا تو سب پر ظاہر تھا کہ وہ اس دن مکہ فتح کر لیں گے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ کے دروازے پر پہنچے تو آپ نے مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں سے سوال کیا کہ وہ آپ سے کیا امید رکھتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ ان سے اچھے سلوک کی امید رکھتے ہیں کیونکہ وہ ان کا نیک بھائی اور ایک شریف آدمی کا بیٹا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کیا کہ وہ بغیر کسی نقصان کے چھوڑنے کے لیے آزاد ہیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 407-408 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ باب 12 یوسف، آیت 92 سے مربوط ہے:

اس نے کہا آج تجھ پر کوئی گناہ نہیں، اللہ تجھے بخش دے اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت میں ایک ناقابل یقین حد تک اہم خصوصیت کو اپنانے کا ذکر ہے۔ یہ برداشت کرنا ہے جب کسی کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے خاص طور پر لوگوں کی طرف سے مشکلات۔ برائی کا جواب برائی سے ہرگز نہیں دینا چاہئے کیونکہ یہ ایک کامیاب مسلمان کے طرز عمل کے خلاف ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 34:

"اور اچھے اور برے کام برابر نہیں ہیں۔ برائی کو اس]عمل [سے دفع کرو جو بہتر ہو۔ پھر جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ گویا ایک مخلص دوست ہو گا۔

اچھائی کا جواب اچھے سے دینا کوئی خاص بات نہیں کیونکہ جانور بھی احسان کے بدلے مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ برائی کے جواب میں اچھائی کا مظاہرہ کیا جائے، خاص طور پر جب کوئی شخص انتقام لینے کی پوزیشن میں ہو، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔ درحقیقت، اس مثبت انداز میں برتاؤ کرنے سے اپنے آپ کو فائدہ ہوتا ہے کیونکہ جو شخص چیزوں کو چھوڑنا اور دوسروں کو معاف کرنا سیکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتا ہے۔ باب 24 النور، آیت 22:

"...اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟''

درحقیقت جیسا کہ اس عظیم واقعہ سے ثابت ہے کہ جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں کو معاف کر دے گا اللہ تعالیٰ اسے عزت کے ساتھ اٹھائے گا۔

اس کے علاوہ، یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ کسی شخص کو یہ نہیں ماننا چاہیے کہ وہ ان لوگوں سے برتر ہیں جنہیں اس نے معاف کیا ہے۔ جیسا کہ حقیقت میں افضل وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4174 کی حدیث کے مطابق جو شخص اس قسم کا غرور اختیار کرے اور توبہ نہ کرے وہ جہنم میں جائے گا۔

آخر میں یہ آیت اشارہ کرتی ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ جب تک کوئی مسلمان سچے دل سے توبہ کرتا ہے اور بہتر ہونے کی کوشش کرتا ہے تو اسے معافی کی امید رکھنی چاہیے۔ لیکن ایک مسلمان کو بدلنے کی کوشش کیے بغیر گناہ کرتے رہنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے ان کی معافی کی امید نہیں رکھنی چاہیے کیونکہ یہ امید نہیں ہے یہ محض خواہش مندانہ سوچ ہے۔

،سچی توبہ میں ندامت کا احساس، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور اگر ضروری ہو تو لوگوں سے اسی یا اس جیسے گناہ کی طرف نہ لوٹنے کا خلوص دل سے وعدہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کے احترام میں جو حقوق پامال ہوئے ہیں ان کی تلافی کرنا شامل ہے۔ لوگ

خواتین کا عہد

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک ایسے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ جب مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا تو سب پر ظاہر تھا کہ وہ اس دن مکہ فتح کر لیں گے۔ فتح مکہ کے بعد اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھلے عام غیر مسلموں کو معاف کر دیا، وہ سب اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہاں تک کہ عورتیں بھی اسلام سے بیعت کرنے کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں۔ ان عورتوں میں سے ایک ہند بنت عتبہ تھیں جو ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ ہند وہ تھا جس نے جنگ احد کے بعد حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے جسم کو مسخ کیا اور ان کے جگر کو چبا بھی دیا۔ اس نے ابتداء میں اپنی شناخت شرم اور خوف کی وجہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چھپائی۔ لیکن عہد کے دوران، اس نے بعض معاملات کو واضح کرنے کے لیے کچھ سوالات کیے اور یہاں تک کہ جب ان عورتوں کو زنا یا زنا نہ کرنے کا حکم دیا گیا تو یہ تبصرہ بھی کیا کہ آزاد عورت کبھی ایسا کام نہیں کرے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گفتگو کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں پہچان لیا اور انہوں نے اپنے سابقہ اعمال کی معافی مانگی اور اسلام قبول کر لیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے معاف کر دیا اور اس کی بیعت کو قبول کیا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی تصنیف دی نوبل لائف آف نبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 1715-1714 میں بحث کی گئی ہے۔

اسلام قبول کرنے سے پہلے، ہند ایک مشرک تھی لیکن اس نے ڈھٹائی کے ساتھ تبصرہ کیا کہ کوئی بھی آزاد عورت کبھی زنا یا زنا نہیں کرے گی کیونکہ اسے صرف بے شرم عورتیں ہی کرتی ہیں۔ یہ شرمناک ہے کہ اس دور اور دور کے لوگ، جو آگے کے مفکر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، اس کے برعکس کیسے یقین کرتے ہیں۔

یہ باب 25 الفرقان آیت 68 سے مربوط ہے:

"اور غیر قانونی جنسی تعلقات کا ارتکاب نہ کریں۔ اور جو بھی ایسا کرے گا اسے سزا ملے گی۔..."

اللہ تعالیٰ کے سچے بندے ہر قسم کے ناجائز تعلقات سے بچتے ہیں۔ اس آیت میں زنا کو شرک کے بعد رکھا گیا ہے اور ایک بے گناہ کو قتل کرنا اس کی شدت پر دلالت کرتا ہے۔

مسلمانوں کو غیر قانونی تعلقات کے لالچ میں آنے سے بچنے کے لیے احتیاط کرنی چاہیے۔ سب سے پہلے، انہیں اپنی نظریں نیچی کرنا سیکھنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو ہمیشہ اپنے جوتوں کو گھورنا چاہئے لیکن اس کا مطلب ہے کہ انہیں غیر ضروری طور پر ارد گرد دیکھنے سے گریز کرنا چاہئے خاص طور پر عوامی مقامات پر۔ انہیں دوسروں کو گھورنے سے گریز کرنا چاہئے اور مخالف جنس کا احترام برقرار رکھنا چاہئے۔ جس طرح ایک مسلمان یہ پسند نہیں کرے گا کہ کوئی اپنی بہن یا بیٹی کو گھورے اسے دوسرے لوگوں کی بہنوں اور بیٹیوں کو نہیں دیکھنا چاہیے۔ باب 24 النور، آیت 30:

"مومن مردوں سے کہو کہ وہ اپنی بصارت میں کچھ کمی کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے..."

جب بھی ممکن ہو ایک مسلمان کو مخالف جنس کے ساتھ اکیلے وقت گزارنے سے گریز کرنا چاہیے جب تک کہ ان کا تعلق اس طرح سے نہ ہو جس سے شادی کی ممانعت ہو۔ صحیح بخاری نمبر 1862 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تلقین فرمائی ہے۔

مسلمانوں کو لباس پہننا چاہیے اور شائستگی سے پیش آنا چاہیے۔ معمولی لباس پہننا اجنبیوں کی نظروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے سے گریز کرتا ہے اور شائستہ برتاؤ کسی کو ابتدائی قدم اٹھانے سے روکتا ہے جو غیر قانونی تعلقات کا باعث بن سکتا ہے جیسے کہ مخالف جنس سے غیر ضروری بات کرنا۔

غیر قانونی تعلقات سے بچنے کی برکات کو سمجھنا خود کو ان سے بچانے کا ایک اور طریقہ ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان اور عفت کی حفاظت کرنے والے کو جنت کی ضمانت دی ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2408 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

غیر قانونی تعلقات میں ملوث ہونے کی سزا کے خوف سے بھی ایک مسلمان کو ان سے بچنے میں مدد ملے گی۔ مثال کے طور پر، ایمان اس شخص سے دور ہو جائے گا جو زنا کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4690 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

حقیقت میں، ایک مسلمان کو غیر قانونی تعلقات کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ اسلام شادی کا حکم دیتا ہے۔ جو لوگ شادی کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے وہ کثرت سے روزہ رکھیں کیونکہ اس سے خواہشات اور اعمال پر قابو پانے میں بھی مدد ملتی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 3398 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

ختم نبوت کے دوست

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک ایسے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ جب مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا تو سب پر ظاہر تھا کہ وہ اس دن مکہ فتح کر لیں گے۔ اس عظیم فتح کا مشاہدہ کرنے کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے افسوس کے ساتھ ایک دوسرے سے سوال کیا کہ کیا اب آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہیں گے یا ان کے ساتھ مدینہ واپس آئیں گے؟ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بتایا کہ جہاں وہ رہیں گے وہیں رہیں گے اور جہاں مریں گے وہاں مریں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 415-416 میں بحث کی گئی ہے۔

،یہ اس عظیم محبت کا مظہر تھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کے اصحاب، مددگاروں خاص طور پر اللہ تعالیٰ سے تھی۔ انہوں نے اس کی مدد کی اور اس کی مدد کی جب اس کے اپنے رشتہ داروں نے اس کی طرف رجوع کیا۔ جب اس کے اپنے لوگوں نے اسے جلاوطن کر دیا تو انہوں نے اسے اپنے شہر میں سلامتی اور پناہ گاہ کی پیشکش کی۔ مسلمانوں کو ان صفات کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہیں، اگر وہ ان عظیم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنا چاہتے ہیں۔

جامع ترمذی نمبر 2347 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اس کا حقیقی دوست وہ ہے جس میں درج ذیل خصوصیات ہوں۔

پہلی خصلت یہ ہے کہ وہ اپنی ضرورتوں اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کوشش کرتے ہیں اور صرف وہی حاصل کرتے ہیں جو اسراف، فضول خرچی اور اسراف سے بچتے ہیں۔

اگلی خصوصیت جو مرکزی حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ نماز میں ان کا اچھا حصہ ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اپنی فرض نمازوں کو ان کی تمام شرائط اور آداب کے ساتھ صحیح طریقے سے ادا کرتے ہوئے قائم کرتے ہیں، جیسے کہ وقت پر پڑھنا۔ اس میں نفلی عبادات کا قیام بھی شامل ہے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات پر مبنی ہیں، جیسے کہ رات کی نماز۔ سنن نسائی نمبر 1614 میں موجود حدیث کے مطابق یہ فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نماز ہے۔

زیر بحث مرکزی حدیث میں اگلی جو خصوصیت بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتا ہے۔ اس پر، عوامی اور نجی طور پر۔ تنہائی میں ایسا کرنا کسی شخص کے اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کی نشاندہی کرتا ہے، یعنی وہ صرف اس کی خاطر اعمال صالحہ کرتے ہیں۔ یہ وہ ہے جو مضبوطی سے یاد رکھتا ہے کہ ان کی ذات کے باطنی اور ظاہری پہلو کہیں بھی ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی اس عقیدہ پر قائم رہے تو وہ ایمان کی فضیلت اختیار کرے گا جس کا ذکر صحیح مسلم نمبر 99 میں موجود حدیث میں ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ عمل کرتے ہیں، جیسے نماز پڑھنا، گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں، ان کو دیکھ رہے ہیں۔ یہ عمل صالح کی ترغیب دیتا ہے اور گناہوں سے روکتا ہے۔

دوسری خصوصیت جو مرکزی حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ وہ کسی قسم کی شہرت یا سماجی عزت حاصل کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ خواہش مسلمان کے ایمان کے لیے اس تباہی سے زیادہ تباہ کن ہے جو دو بھوکے بھیڑیوں کی بکریوں کے ریوڑ کو ہو جاتے ہیں۔ کسی شخص کی شہرت اور رتبے کی خواہش اس کے ایمان کے لیے دولت کی خواہش سے زیادہ تباہ کن ہے۔ یہاں تک کہ ایک شخص اپنی محبوب دولت کو شہرت اور وقار کے حصول پر خرچ کرے گا۔

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص مقام و شہرت حاصل کر کے صحیح راستے پر قائم رہے جس کے تحت وہ مادی دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 6723 میں موجود ایک حدیث میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص معاشرے میں قیادت جیسے مقام کی تلاش میں ہے اسے خود اس سے نمٹنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا لیکن جو بغیر مانگے اسے حاصل کرے گا اس کی مدد اللہ تعالیٰ کرے گا۔ اعلیٰ، اس کے فرمانبردار رہنے میں۔ صحیح بخاری کی ایک اور حدیث نمبر 7148 میں متنبہ کیا گیا ہے کہ لوگ مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے خواہش مند ہوں گے لیکن یہ ان کے لیے قیامت کے دن بڑی پشیمانی ہوگی۔

یہ ایک خطرناک خواہش ہے کیونکہ یہ انسان کو اس کو حاصل کرنے کے لیے شدید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے اور پھر اسے برقرار رکھنے کے لیے مزید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے خواہ یہ ظلم اور دیگر گناہوں کی ترغیب دے۔

رتبہ کی خواہش کی بدترین قسم وہ ہے جب کوئی اسے مذہب کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 2654 میں حدیث ہے کہ یہ شخص جہنم میں جائے گا۔

لہٰذا مسلمان کے لیے زیادہ مال و دولت کی خواہش سے بچنا زیادہ محفوظ ہے کیونکہ یہ دو چیزیں ہیں جو آخرت کی تیاری سے غافل ہو کر اس کے ایمان کی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔

،اصل حدیث میں جو آخری خصوصیت بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی موت جلدی آتی ہے ان کے سوگوار کم ہوتے ہیں اور جو وراثت وہ چھوڑتے ہیں وہ کم ہے۔

ان کے ماتم کرنے والے کم ہیں کیونکہ انہوں نے سماجی عزت کی تلاش سے گریز کیا اور گمنام رہنے کو ترجیح دی کیونکہ وہ اپنے اعمال صالحہ کو دوسروں کے سامنے ظاہر کرنے سے ڈرتے

تھے۔ لیکن ان کے پاس جو چند سوگوار ہیں وہ بہت سے امیروں اور مشہور لوگوں سے کہیں بہتر ہیں۔ ان کے چند سوگوار اپنے غم میں مخلص ہوتے ہیں اور سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں جب کہ بہت سے امیروں اور مشہور لوگوں کے ماتم کرنے والے اس طرح کا برتاؤ نہیں کرتے۔

ان کی وراثت بہت کم ہے کیونکہ انہوں نے اپنی نعمتوں کی اکثریت کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے استعمال کر کے آخرت کی طرف منتقل کیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ جو کچھ بھی انہوں نے چھوڑا ہے وہ دوسروں کے ہاتھ میں آجائے گا جو نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے جبکہ وہ، میت، اس کے حصول کے لیے جوابدہ ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 2379 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ کسی شخص کا اہل و عیال اس کی قبر پر چھوڑ دیتے ہیں اور تنہا قبر میں اس کے اعمال ہی اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے ہوئے اعمال صالحہ حاصل کرنے پر توجہ مرکوز کرتے ہیں اور ان کا غلط استعمال کرتے ہوئے گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ وراثت کے طور پر بہت کم چھوڑ جاتے ہیں درحقیقت وہ اپنے ساتھ آخرت کے لیے بہت کچھ لے جاتے ہیں تاکہ اپنی ضرورت کے وقت خود کو سہارا دے سکیں۔ باب 59 الحشر، آیت 18:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو۔ اور ہر نفس کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل کے لیے کیا پیش کیا ہے۔‘‘

عوام کے لیے اخلاص

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آٹھویں سال مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور فتح مکہ کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو قبیلہ بنو جذیمہ کی طرف دعوت دینے کے لیے بھیجا گیا۔ انہیں اسلام کی طرف .اگرچہ وہ اسلام قبول کر چکے تھے، لیکن ایک غلط فہمی کی وجہ سے ان کے کچھ قبائلی قتل ہو گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو قبیلہ کی غلطی کی تلافی کے لیے روانہ کیا۔ اس نے مرنے والوں کے لیے معاوضہ ادا کیا اور مال کے نقصان کا معاوضہ دیا اور یہاں تک کہ ایک کتے کے پانی کے پیالے تک بھی۔ حتیٰ کہ اس نے ان کو بقیہ مال بھی دے دیا جو اس کے پاس تھا اگر ان کی تلافی میں غلطی ہو جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل کی توثیق فرمائی۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 190 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے‘‘۔’’

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے‘‘۔’’

انصاف سب کے لیے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ شہر فتح ہوا۔ جب وہ مکہ میں ہی تھے کہ ایک معزز گھرانے کی ایک عورت چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی جو کہ اسلام کی قانونی سزا کے لیے کافی سنگین تھی۔ شریف خاندان نے ایک صحابی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے رابطہ کیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ ان کی طرف سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شفاعت کریں۔ جب یہ واقعہ پیش آیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت ناراض ہوئے اور انہوں نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو قانونی سزا کم کرنے کی کوشش کرنے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بعد کمیونٹی سے خطاب پر تنقید کا نشانہ بنایا۔ کیا اور انہیں متنبہ کیا کہ پچھلی قومیں تباہ ہو گئی تھیں کیونکہ حکام کمزوروں کو سزا دیتے تھے جب وہ قانون توڑتے تھے لیکن امیر اور بااثر کو معاف کر دیتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سربراہ مملکت ہونے کے ناطے اعلان کیا کہ اگر ان کی اپنی بیٹی نے کوئی جرم کیا تو وہ اس پر پوری قانونی سزا نافذ کریں گے۔ پھر اس نے حکم دیا کہ عورت کو قانون کے صحیح اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 348-349 اور مطابق سزا دی جائے۔ بخاری نمبر 6787 میں موجود حدیث میں بحث ہوئی ہے۔

معاشرہ تنزلی کا شکار نظر آنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے انصاف کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اگرچہ عوام الناس کے ارکان اس پوزیشن میں نہیں ہوں گے کہ وہ اپنے قائدین کو صرف اپنے اعمال پر قائم رہنے کا مشورہ دے سکیں لیکن وہ اپنے تمام معاملات اور اعمال میں انصاف سے کام لے کر ان پر بالواسطہ اثر ڈال سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو اپنے زیر کفالت افراد جیسے کہ ان کے بچوں کے ساتھ برابری کا سلوک کرتے ہوئے انصاف سے کام لینا چاہیے۔ سنن ابوداؤد نمبر 3544 میں موجود حدیث میں خاص طور پر اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ انہیں چاہئے کہ وہ اپنے تمام کاروباری معاملات میں عدل و انصاف سے کام لیں خواہ وہ کسی کے ساتھ معاملہ کریں۔ اگر لوگ انفرادی سطح پر انصاف کے ساتھ کام کریں تو کمیونٹیز بہتر طور پر بدل سکتی ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ لوگ جو بااثر عہدوں پر ہیں، جیسے کہ سیاست دان، چاہے وہ چاہیں یا نہ چاہیں، انصاف سے کام لیں گے۔

کوشش اور نیک نیت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ شہر فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ مکہ سے اب کوئی ہجرت باقی نہیں رہی۔ یعنی وہاں سے ہجرت اب مسلمانوں پر فرض نہیں رہی کیونکہ اب یہ اسلام کا مسکن بن چکا تھا۔ لیکن صرف اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد اور ایک مسلمان کا ارادہ باقی تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 433 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے کی اہمیت کی یاد دلاتا ہے جب بھی ان پر ان کے دشمنوں یعنی شیطان، ان کے باطنی شیطان اور ان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دینے والے حملہ آور ہوتے ہیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی ان دشمنوں کے فتنے میں مبتلا ہو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ نہ پھیرے۔ اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ ان جگہوں، چیزوں اور لوگوں سے اجتناب کرنے سے حاصل ہوتا ہے جو انہیں گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے اور فتنہ میں ڈالتے ہیں۔ شیطان کے جال سے بچنا صرف اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح راستے میں پھنسنے سے صرف اسی طرح علم رکھنے سے بچا جاتا ہے۔ شیطان کے جال سے بچنے کے لیے اسلامی علم کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان قرآن پاک کی تلاوت میں زیادہ وقت صرف کر سکتا ہے لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے وہ غیبت جیسے گناہوں کے ذریعے اپنے اعمال صالحہ کو سمجھے بغیر برباد کر سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو ان حملوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ان کے لیے تیاری کریں اور اس کے بدلے میں بے شمار اجر حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس راہ میں جدوجہد کرنے والوں کے لیے صحیح رہنمائی کی ضمانت دی ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 69:

"اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔"

جبکہ جہالت اور نافرمانی کے ساتھ ان حملوں کا سامنا کرنا دونوں جہانوں میں مشکلات اور رسوائی کا باعث بنے گا۔ اسی طرح ایک سپاہی جس کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں وہ شکست کھا جائے گا۔ ان حملوں کا سامنا کرتے وقت ایک جاہل مسلمان کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں ہوگا جس کے نتیجے میں ان کی شکست ہوگی۔ جبکہ باشعور مسلمان کو وہ طاقتور ترین ہتھیار مہیا کیا جاتا ہے جس پر قابو نہیں پایا جا سکتا اور نہ مارا جا سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت۔ یہ صرف خلوص نیت سے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ اس واقعہ میں نیت کی اہمیت بھی واضح کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جو لوگ اللہ کی خوشنودی کے بجائے دکھاوے جیسے کام لوگوں کی خاطر کرتے ہیں۔ ، عالی مقام کو کہا جائے گا کہ قیامت کے دن ان لوگوں سے ان کا اجر حاصل کریں جن کے لئے انہوں نے عمل کیا جو حقیقت میں ممکن نہیں ہے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تمام اعمال کی بنیاد حتیٰ کہ اسلام خود انسان کی نیت ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس پر اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ صحیح بخاری نمبر 1 کی حدیث کے مطابق کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام دینی اور مفید دنیوی اعمال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دے، تاکہ وہ اس سے دونوں جہانوں میں اجر حاصل کرو۔ اس صحیح ذہنیت کی علامت یہ ہے کہ یہ شخص نہ تو یہ توقع رکھتا ہے اور نہ ہی چاہتا ہے کہ لوگ ان کے اعمال کی تعریف کریں یا ان کا شکریہ ادا کریں۔ اگر کوئی یہ چاہتا ہے تو یہ اس کی غلط نیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

اس کے علاوہ، صحیح نیت کے ساتھ عمل کرنا اداسی اور تلخی کو روکتا ہے کیونکہ جو شخص لوگوں کی خاطر کام کرتا ہے وہ آخرکار ناشکرے لوگوں کا سامنا کرے گا جو انہیں ناراض اور تلخ کر دیں گے کیونکہ انہیں لگتا ہے کہ انہوں نے اپنی محنت اور وقت ضائع کیا ہے۔ بدقسمتی سے، والدین اور رشتہ داروں میں یہ دیکھا جاتا ہے کیونکہ وہ اکثر اللہ تعالی کی رضا کے بجائے ان کی خاطر اپنے بچوں اور رشتہ داروں کے بارے میں اپنے فرائض ادا کرتے ہیں۔ لیکن جو

شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتا ہے، وہ دوسروں کے لیے اپنے تمام فرائض کو پورا کرے گا جیسے کہ ان کے بچے اور جب وہ ان کا شکر ادا کرنے میں ناکام ہوں گے تو وہ کبھی تلخ یا ناراض نہیں ہوں گے۔ یہ رویہ ذہنی سکون اور عمومی خوشی کا باعث بنتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے نیک عمل سے پوری طرح واقف ہے اور انہیں اس کا اجر دے گا۔ تمام مسلمانوں کو یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے ورنہ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔

انجام کی نشاندہی کرنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک ایسے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ جب مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا تو سب پر ظاہر تھا کہ وہ اس دن مکہ فتح کر لیں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 415-416 میں بحث کی گئی ہے۔

اس عظیم فتح کے نتیجے میں عربوں کی اکثریت نے اسلام قبول کیا۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے نازل کیا باب 110 نصر آیات 1 تا 3:

"جب اللہ کی فتح آ گئی اور فتح۔ اور تم لوگوں کو دیکھتے ہو کہ اللہ کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہو رہے ہیں۔ پھر اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو اور اس سے بخشش مانگو۔ بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔''

صحیح بخاری نمبر 4430 میں موجود حدیث کے مطابق عظیم صحابہ عمر بن خطاب اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا اعلان فرمایا۔ ان آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمتیں نازل ہوں، جیسا کہ ان کا مشن اپنے عروج کو پہنچ چکا تھا۔

یہ آیات مرتے دم تک اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت اور ذکر پر ثابت قدم رہنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں۔

صحیح بخاری نمبر 6407 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے اور نہ کرنے والے کے درمیان فرق زندہ آدمی جیسا ہے۔ ایک مردہ شخص.

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک مضبوط تعلق قائم کرنا چاہتے ہیں، تاکہ وہ دنیا اور آخرت کی تمام مشکلات پر کامیابی سے کامیابی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ سے زیادہ یاد کریں۔ سادہ الفاظ میں، وہ جتنا زیادہ اسے یاد کریں گے، اتنا ہی وہ اس اہم مقصد کو حاصل کریں گے۔

یہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے تین درجوں پر عملاً عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ پہلا درجہ اللہ تعالیٰ کو اندرونی اور خاموشی سے یاد کرنا ہے۔ اس میں اپنی نیت کو درست کرنا بھی شامل ہے تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کرے۔ دوسرا اللہ تعالیٰ کو زبان سے یاد کرنا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط کرنے کا سب سے اعلیٰ اور مؤثر طریقہ عملاً اسے اعضاء کے ساتھ یاد کرنا ہے۔ یہ اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے لیے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے جو کہ دونوں جہانوں میں تمام بھلائیوں اور کامیابیوں کی جڑ ہے۔

پہلے دو درجوں پر رہنے والوں کو ان کی نیت کے اعتبار سے ثواب ملے گا لیکن ان کے ایمان اور تقویٰ میں اس وقت تک اضافہ ہونے کا امکان نہیں ہے جب تک کہ وہ ذکر الٰہی کے تیسرے اور اعلیٰ درجے تک نہ پہنچ جائیں۔

یہ مراحل دونوں جہانوں میں امن اور کامیابی کی کنجی ہیں۔ باب 13 الرعد، آیت 28:

‘‘بلاشبہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔’’

حنین کی جنگ

کرپشن کا خاتمہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ شہر فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک غیر مسلم صفوان بن امیہ سے درخواست کی کہ وہ جنگ کے لیے مسلم فوج کے ہتھیار اور زرہ بکتر ادھار دیں۔ صفوان نے پوچھا کہ کیا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سامان کو زبردستی لینے کا ارادہ کر رہے تھے جیسا کہ اب ان کا مکہ پر کنٹرول ہے۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے وعدہ کیا کہ یہ صرف قرض ہے اور وہ اسے سب کچھ واپس کر دیں گے۔ جنگ ختم ہونے کے بعد اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 439-440 میں بحث کی گئی ہے۔

جب عوام ایک دوسرے ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ سنن ابن ماجہ نمبر 4019 میں موجود کو مالی طور پر دھوکہ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر جابر سردار مقرر کر کے انہیں عذاب دیتا ہے۔ اس ظلم کا ایک پہلو بدعنوانی ہے جس کی وجہ سے عام لوگوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اسی حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب عام لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے عہد کو توڑ دیں گے تو ان پر ان کے دشمن غالب آجائیں گے جو ان کے مال و جائیداد کو ناجائز طور پر چھین لیں گے۔ ایک بار پھر، یہ بدعنوانی کا ایک پہلو ہے جہاں اثر و رسوخ رکھنے والے لوگ، جیسے کہ سرکاری اہلکار، نتائج کے خوف کے بغیر دوسروں کا سامان آزادانہ طور پر لے جاتے ہیں۔ جب عام لوگ کرپٹ ہو جاتے ہیں تو ان کے لیڈر اور دوسرے بااثر سماجی عہدوں پر فائز افراد بھی اسی طرح کام کرنے کی ترغیب دیتے ہیں جس پر یقین رکھتے ہوئے عام لوگ اس طرز عمل کو قبول کرتے ہیں۔ اس سے قومی سطح پر کرپشن بڑھ رہی ہے۔ لیکن اگر عام لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور بدعنوانی کے ذریعے دوسروں کے ساتھ بدسلوکی سے گریز کرتے ہیں تو ان کے قائدین اور بااثر سماجی عہدوں پر فائز افراد بدعنوانی کی جرأت نہیں کریں گے اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ عام عوام اس کی حمایت نہیں کریں گے۔ اور اس سے پہلے نقل کی گئی حدیث کے مطابق اگر

عام لوگ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہیں تو وہ ان لوگوں کو بااثر عہدوں پر تعینات کر کے بدعنوان اہلکاروں سے بچائے گا جو اپنے معاملات میں انصاف کرتے ہیں۔

مسلمانوں کو دنیا میں پھیلی بدعنوانی کے لیے دوسروں کو مورد الزام ٹھہرانے کی نادانی کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے صحیح معنوں میں اپنے طرز عمل پر غور کرنا چاہیے اور اگر ضروری ہو تو اپنا رویہ درست کرنا چاہیے۔ ورنہ معاشرے میں کرپشن وقت کے ساتھ ساتھ بڑھے گی۔ کسی کو یہ یقین نہیں کرنا چاہئے کہ وہ ایک بااثر سماجی حیثیت میں نہیں ہیں ان کا معاشرے میں ہونے والی بدعنوانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ جیسا کہ اس بحث سے ثابت ہے کہ بدعنوانی عام لوگوں کے منفی رویے کی وجہ سے ہوتی ہے اور اس لیے اسے عام لوگوں کے اچھے رویے سے ہی دور کیا جا سکتا ہے۔ باب 13 الرعد، آیت 11:

”بے شک اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنے اندر کی حالت نہ بدلیں“۔

اسلام کی پاکیزگی کو برقرار رکھیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ شہر فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ حنین کے راستے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تھے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مکہ فتح کیا، جنہوں نے حال ہی میں فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا۔ یہ نئے مذہب تبدیل کرنے والے ایک عظیم سبز درخت کی تعظیم کرتے تھے جسے دھت انوت کہتے ہیں۔ وہ ہر سال اس کا سفر کرتے اور اس پر اپنے ہتھیار لٹکاتے، اس کے قریب قربانیاں کرتے اور وہیں دن گزارتے۔ جب یہ مسلمان حنین کے راستے میں ایک بڑے سبز درخت کے پاس سے گزرے تو انہیں دھت انوات یاد آ گئی اور انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ ان کے لیے اسلام میں ایک ایسا درخت لگا دیں جو دشت انوات جیسا ہو۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر تنقید کی اور انہیں متنبہ کیا کہ ان قدیم ثقافتی اور مذہبی رسومات کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 441 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

سنن ابو داؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ ہر وہ معاملہ جس کی بنیاد اسلام پر نہ ہو اسے رد کر دیا جائے گا۔

اگر مسلمان دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں دائمی کامیابی چاہتے ہیں تو انہیں قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل کرنا چاہیے۔ اگرچہ بعض اعمال جو براہ راست ہدایت کے ان دو ذرائع سے نہیں کیے گئے ہیں ان کو پھر بھی ایک صالح عمل قرار دیا جا سکتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو باقی تمام چیزوں پر ترجیح دی جائے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں ذرائع سے نہ لینے والی چیزوں پر جتنا زیادہ عمل کرے گا خواہ وہ عمل صالح ہی کیوں نہ ہو ہدایت کے ان دونوں ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ کتنے مسلمانوں نے اپنی زندگیوں میں ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جن کی رہنمائی کے ان دو ذرائع میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ ثقافتی عادات گناہ نہیں ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کو ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر

عمل کرنے سے روک دیا ہے کیونکہ وہ اپنے طرز عمل سے مطمئن ہیں۔ یہ ہدایت کے دو ذرائع سے ناواقفیت کا باعث بنتا ہے جس کے نتیجے میں صرف گمراہی ہی ہوتی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھے اور ان پر عمل کرے جو راہنماؤں کے ذریعہ قائم کیے گئے ہیں اور اس کے بعد ہی دوسرے رضاکارانہ اعمال صالحہ پر عمل کرنا چاہیے اگر اس کے پاس ایسا کرنے کے لیے وقت اور توانائی ہو۔ لیکن اگر وہ جاہلیت کا انتخاب کریں اور عمل کو اختیار کریں اگرچہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کے گناہ ہی کیوں نہ ہوں۔

اطاعت میں فتح

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ شہر فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ جنگ کے دوران مسلمانوں کا لشکر مغلوب ہو گیا اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہ میدان جنگ سے عارضی طور پر پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن جب انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر بلایا گیا تو وہ سب آگے بڑھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرما دی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 451 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ ابتدائی مشکل اس وقت پیش آئی جب بعض چھوٹے صحابہ رضی اللہ عنہ نے جنگ سے پہلے اعلان کیا کہ ان کی بڑی فوج کو شکست نہیں ہوگی۔ باب 9 توبہ، آیات 25-26:

’’اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہت سے علاقوں میں فتح عطا فرمائی ہے اور حنین کے دن بھی، جب تمہاری کثیر تعداد نے تمہیں خوش کیا، لیکن وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی، اور زمین تمہارے لیے محدود ہوگئی۔ اس کی وسعت پھر تم بھاگتے ہوئے واپس لوٹ گئے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنین پر اپنی تسکین نازل فرمائی اور ایسے لشکر بھیجے جنہیں تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو عذاب دیا۔ اور یہ کافروں کی سزا ہے۔"

یہ واقعہ اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حقیقی کامیابی صرف انہی کو ملتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت پر ثابت قدم رہتے ہیں جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب، تقدیر کا مقابلہ روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا شامل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ حقیقی کامیابی کا تعلق دنیاوی مال، بڑی تعداد یا جسمانی طاقت سے نہیں ہے۔

اگرچہ آزمائشوں اور آزمائشوں نے مومنین کو ازل سے ہی متاثر کیا ہے خاص طور پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، لیکن ایسا لگتا ہے کہ جدید دور کے امتحانات مسلمانوں کے لیے مزید مشکلات اور ذلت کا باعث بنتے ہیں۔ جبکہ نیک پیشواؤں کو جن آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا وہ دونوں جہانوں میں عزت کا باعث بنے۔ امتحانات کے نتائج اور نتائج میں اس فرق کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جب صالح پیش رووں کو درحقیقت دورِ حاضر کے مسلمانوں سے بڑے امتحانات کا سامنا کرنا پڑا، جس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 4023 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے، تو انہوں نے ان امتحانات کا سامنا کیا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات کو پورا کرنے اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر پر صبر کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتے ہوئے آزمائشیں اور مشکلات۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بحفاظت امتحان پاس کر گئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دونوں جہانوں میں بڑی عزت و عنایت حاصل کی۔ جبکہ اس دور میں بہت سے مسلمان آزمائشوں کا سامنا کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہتے۔ وہ یہ سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں کہ امتحان میں کامیابی اور عزت صرف انہی کو ملتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہتے ہیں جبکہ نافرمانی صرف رسوائی کا باعث بنتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کنارے پر نہ کریں جہاں وہ آسانی کے وقت صرف اس کے فرمانبردار ہوں اور مشکل کے وقت غصے اور نافرمانی سے اس سے منہ موڑ لیں۔ یہ حقیقی بندگی یا اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہے۔ سیدھے الفاظ میں، کوئی بھی عمل طویل مدت میں مسلمانوں کی مدد نہیں کرے گا اگر وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مبنی نہ ہو۔ نافرمانی صرف ایک مشکل سے دوسری مشکل کی طرف لے جائے گی، ایک سے دوسری رسوائی۔ باب 4 النساء، آیت 147:

‘‘اللہ تمہارے عذاب کا کیا کرے گا اگر تم شکر گزار ہو اور ایمان لاؤ؟’’

مشکل میں ثابت قدم رہنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ شہر فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ جنگ کے دوران مسلمانوں کا لشکر مغلوب ہو گیا اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہ میدان جنگ سے عارضی طور پر پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن جب انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر بلایا گیا تو وہ سب آگے بڑھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرما دی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 451 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ ابتدائی مشکل اس وقت پیش آئی جب بعض چھوٹے صحابہ رضی اللہ عنہ نے جنگ سے قبل اعلان کیا کہ ان کی بڑی فوج کو شکست نہیں ہوگی۔ باب 9 توبہ، آیات 25-26:

’’اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہت سے علاقوں میں فتح عطا فرمائی ہے اور حنین کے دن بھی، جب تمہاری کثیر تعداد نے تمہیں خوش کیا، لیکن وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی، اور زمین تمہارے لیے محدود ہوگئی۔ اس کی وسعت پھر تم بھاگتے ہوئے واپس لوٹ گئے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنین پر اپنی تسکین نازل فرمائی اور ایسے لشکر بھیجے جنہیں تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو عذاب دیا۔ اور یہ کافروں کی سزا ہے۔"

صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو تقدیر کا بھی صبر کے ساتھ سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم وہ ہے جب کوئی اپنے اچھے کام دوسروں کے سامنے دکھاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہٰذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہے، بجائے اس کے کہ ہر وقت اپنے آپ کو یا دوسروں کی اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے نہ اپنی خواہشات کا علم ہونا چاہیے اور نہ ہی لوگ اسے اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہٰذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

‘‘...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو’’

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے)معمولی (گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، خواہ وہ اس پر عمل کریں۔ یہ مکمل طور پر کرنے کے قابل نہیں ہے .لہٰذا، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو جو صلاحیت عطا کی گئی ہے اسے پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا، بغیر اپنے دل کی صفائی کے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور اگر لوگوں کے حقوق کا تعلق ہو تو ان سے استغفار کرنا چاہیے۔ باب 46 الاحقاف، آیت 13:

’’بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔‘‘

عادل ہونا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ شہر فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ جنگ کے دوران مسلمانوں کا لشکر مغلوب ہو گیا اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہ میدان جنگ سے عارضی طور پر پیچھے ہٹ گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی بنیاد پر قائم رکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ آخرکار جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر ان کو بلایا گیا تو وہ سب آگے بڑھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرما دی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 451 اور امام محمد السلبی کی سیرت ابو بکر صدیق صفحہ 141 میں بحث کی گئی ہے۔

جنگ کے دوران ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے دشمن کے ایک سپاہی کو قتل کر دیا۔ فتح کے بعد، انہیں بتایا گیا کہ جو بھی یہ ثابت کر سکتا ہے کہ اس نے دشمن کے سپاہی کو مارا ہے، اسے ان کا سامان، جیسے ان کے ہتھیار لینے کی اجازت ہوگی۔ ابتدا میں کسی نے بھی ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے قصے کی تصدیق نہیں کی، یہاں تک کہ کسی دوسرے نے تصدیق کر دی کہ دشمن کے جس سپاہی کو اس نے مارا تھا اس کا مال اس کے پاس تھا۔ اس شخص نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ مال ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کرنے کے بجائے اپنے پاس رکھنے کی اجازت دیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مداخلت کی اور تبصرہ کیا کہ جب وہ حق کے طور پر اللہ تعالیٰ کے شیروں میں سے کسی ایک کے ہیں، یعنی ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کا مال رکھنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 142-143 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ استدلال ان کی عدل و انصاف پر واضح طور پر دلالت کرتا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 4721 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ انصاف کے ساتھ کام کرنے والے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ اس میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے خاندانوں اور ان کی دیکھ بھال اور اختیار کے تحت اپنے فیصلوں میں صرف ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر موقع پر انصاف سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انصاف کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے۔ انہیں ان تمام نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا چاہیے جو انہیں دی گئی ہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق۔ اس میں کھانے اور آرام کے حقوق کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ہر عضو کو اس کے حقیقی مقصد کے مطابق استعمال کرتے ہوئے اپنے جسم اور دماغ کے لیے صرف ہونا شامل ہے۔ اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ وہ اپنے جسم اور دماغ کو اپنی حدود سے باہر دھکیلیں جس سے وہ خود کو نقصان پہنچائے۔

کسی کو لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے لوگوں پر ظلم کر کے اسلام کی تعلیمات پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کا ایک بڑا سبب ہو گا جس کی طرف صحیح مسلم نمبر 6579 کی حدیث میں آیا ہے۔

انہیں صرف اس صورت میں بھی رہنا چاہئے جب یہ ان کی خواہشات اور ان کے پیاروں کی خواہشات سے متصادم ہو۔ باب 4 النساء، آیت 135:

"اے ایمان والو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ کوئی امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں کا زیادہ حقدار ہے۔ [1] پس [ذاتی] جھکاؤ کی پیروی نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ تم انصاف پسند نہ بنو۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کے حقوق اور ضروریات کو پورا کرتے ہوئے اپنے محتاجوں کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے جس کی نصیحت سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ انہیں نظر انداز نہ کیا جائے اور نہ ہی انہیں کسی دوسرے کے حوالے کیا جائے جیسے کہ اسکول اور مسجد۔ اساتذہ کسی شخص کو یہ ذمہ داری نہیں اٹھانی چاہئے اگر وہ ان کے بارے میں انصاف کے ساتھ کام کرنے میں بہت سست ہو۔

آخر میں، کوئی بھی شخص انصاف کے ساتھ کام کرنے سے آزاد نہیں ہے جیسا کہ کم از کم اللہ تعالیٰ اور اپنے آپ کے ساتھ انصاف کے ساتھ کام کرنا ہے۔

طائف کا محاصرہ

ذلت آمیز غلامی سے آزادی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ شہر فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ حنین کی فتح کے بعد کچھ غیر مسلم دشمن طائف شہر کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر طائف کی طرف ایک مہم کی قیادت کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمن کو اعلان فرمایا کہ ہر وہ غلام جو دشمن کو چھوڑ کر اسلام قبول کرے گا ان کی غلامی سے آزاد ہو گا۔ دشمن کے کچھ غلام طائف سے نکل کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا۔ درحقیقت غلاموں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت یہ اس کا معمول تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 471 میں بحث کی گئی ہے۔

لوگ حقیقت میں اسے تسلیم کرنا چاہیں یا نہ کریں، ہر شخص کسی نہ کسی چیز کا غلام/خادم ہے۔ کچھ دوسروں کے نوکر ہوتے ہیں، جیسے کہ ہالی ووڈ کے ایگزیکٹوز اور جو کچھ وہ انہیں کرنے کا حکم دیتے ہیں وہ کرتے ہیں چاہے اس سے حیا اور شرمندگی کو چیلنج ہو۔ دوسرے اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے نوکر ہوتے ہیں اور ان کو خوش کرنے کے لیے جو کچھ کرنا پڑتا ہے کرتے ہیں۔ دوسروں کی اپنی خواہشات کے غلام بن کر بدتر ہوتے ہیں کیونکہ یہ ان جانوروں کا رویہ ہے جو عموماً اپنے آپ کو خوش کرنے کے لیے کام کرتے ہیں۔ بندگی کی بہترین اور اعلیٰ ترین صورت اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونا ہے۔ تاریخ کے اوراق پلٹیں تو یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بندے تھے مثلاً انبیاء علیہم السلام کو اس دنیا .میں سب سے زیادہ عزت و تکریم سے نوازا گیا ہے اور آئندہ بھی ہوگا۔ اگلے میں یہ عطا کیا صدیاں اور ہزار سال گزر چکے ہیں لیکن ان کے نام تاریخ کے ستونوں اور میناروں کے طور پر یاد کیے جاتے ہیں۔ جب کہ جو لوگ خاص طور پر دوسروں کے بندے بن گئے ان کی اپنی خواہشات آخر کار اس دنیا میں رسوا ہو گئیں خواہ انہیں کوئی دنیاوی حیثیت حاصل ہو گئی اور وہ تاریخ میں محض حاشیہ بن گئے۔ میڈیا بمشکل ان لوگوں کو یاد کرتا ہے جو چند دن سے زیادہ گزر جاتے ہیں اس سے پہلے کہ وہ اگلے شخص پر رپورٹ کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ اپنی زندگی کے دوران یہ لوگ آخرکار اداس، تنہا، افسردہ اور خودکشی تک کا شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ اپنی روح اور

شرافت کو اپنے دنیاوی آقاؤں کے سامنے بیچنے سے انہیں وہ اطمینان نہیں ملتا جس کی وہ تلاش کر رہے تھے۔ اس واضح حقیقت کو سمجھنے کے لیے کسی کو عالم ہونے کی ضرورت نہیں۔ پس اگر لوگوں کو بندے بننا چاہیے تو اللہ عزوجل کے بندے بنیں کیونکہ دائمی عزت، عظمت اور حقیقی کامیابی اسی میں ہے۔

دو چہرے ہونے کے خطرات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ شہر فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ حنین کی فتح کے بعد کچھ غیر مسلم دشمن طائف شہر کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر طائف کی طرف ایک مہم کی قیادت کی۔ جب طائف کا محاصرہ کیا گیا تو ایک شخص نے درخواست کی اور اسے اہل طائف سے بات کرنے اور انہیں اسلام کی دعوت دینے کی اجازت دی گئی۔ اس شخص نے بجائے طائف کے لوگوں کو یہ کہہ کر اسلام سے غداری کی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ڈٹے رہیں۔ جب وہ مسلمانوں کے کیمپ میں واپس آیا تو اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا کہ میں نے طائف کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ڈانٹا اور بیان فرمایا۔ اس نے اصل میں کیا کہا .اس شخص نے حقیقت کو سمجھا اور سچے دل سے توبہ کی اور یقین کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 473 میں بحث کی گئی ہے۔

دو رخا ہونا تب ہوتا ہے جب کوئی شخص اپنے رویے کو اس بات پر منحصر کرتا ہے کہ وہ کس ،کے ساتھ بات چیت کر رہا ہے تاکہ وہ اسے خوش کرنے کے لیے دنیاوی چیزیں حاصل کر سکے جیسے عزت اور شہرت۔ سنن ابوداؤد نمبر 4873 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ جو شخص دو چہروں والی ذہنیت اختیار کرے گا اس کی قیامت کے دن آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے قول و فعل میں دیانتداری اور مستقل مزاجی سے کام لے اور اپنے تمام کاموں میں صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرے۔ جو شخص اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ اللہ عزوجل کی طرف سے کسی بھی طویل مدتی منفی اثرات سے محفوظ رہے گا جو مستقل ایمانداری کے نتیجے میں ہو سکتے ہیں۔ لیکن جو منافقین کی راہ پر چلے گا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور حفاظت سے محروم ہو جائے گا اور گمراہی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ جلد یا بدیر ان کے برے عزائم ان لوگوں کے سامنے آشکار ہو جائیں جن کو وہ خوش کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ دنیاوی نعمتوں کے حصول سے محروم ہو جائیں اور اپنے معاشرے سے نفرت کا شکار ہو جائیں۔ یہ دنیاوی سزا آخرت میں ان کے لیے مختص کی گئی سزا کے مقابلے میں چھوٹی ہے جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔

نرمی اور دوسرا امکان

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ شہر فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ حنین کی فتح کے بعد کچھ غیر مسلم دشمن طائف شہر کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر طائف کی طرف ایک مہم کی قیادت کی۔ طائف کے غیر مسلموں نے تقریباً 30 دن تک محاصرہ کیا لیکن فتح نہیں ہوئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کی فوج کو طائف سے پیچھے ہٹنے کا حکم دیا اور ان کی رہنمائی کے لیے دعا کی۔ غالباً اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو طائف کو فتح کرنے سے برسوں پہلے، مدینہ کی طرف ہجرت سے پہلے، جہاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طائف کے لوگوں کو تباہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا، کی وجہ سے روک دیا تھا۔ اس کے ساتھ ان کے ناروا سلوک کا۔ لیکن اس نے اس اختیار کو ٹھکرا دیا اور اس کے بجائے تبصرہ صحیح بخاری نمبر 3231 میں موجود کیا کہ اسے امید ہے کہ وہ بالآخر اسلام قبول کر لیں گے۔ تحفظ کا یہ انتخاب جاری رہا اور مسلمانوں کو طائف کو ایک حدیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ فتح کرنے سے روک دیا۔

مزید برآں طائف کے لوگوں نے آخرکار اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو یہ دوسرا موقع دیا کہ انہوں نے حق کو قبول کر لیا اور ایک وفد مدینہ منورہ بھیجا تاکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کریں اور اسلام قبول کریں۔ .اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 476 میں بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نرمی کی وجہ سے اس کے لیے عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔ اس کے بجائے وہ انہیں خلوص دل سے توبہ کرنے اور اپنے طرز عمل کو درست کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ جو مسلمان اس بات کو سمجھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی امید نہیں چھوڑے گا، بلکہ حد سے تجاوز نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر خواہش مندانہ سوچ اختیار کرے گا، انہیں کبھی عذاب نہیں دے گا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ سزا میں صرف تاخیر ہوتی ہے جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہیں کرتے۔ پس یہ الہی نام ایک مسلمان میں امید اور خوف پیدا کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو اس تاخیر کو توبہ کرنے اور نیک کاموں کی طرف جلدی کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

ایک مسلمان کو اس الٰہی صفت پر لوگوں کے ساتھ نرمی برتتے ہوئے عمل کرنا چاہیے، خاص طور پر جب وہ برے کردار کا مظاہرہ کریں۔ انہیں دوسروں کے ساتھ نرمی کا مظاہرہ کرنا چاہئے ان کی غفلت کے لمحات میں ان کے ساتھ نرمی برتنے کی خواہش جس طرح وہ اللہ تعالیٰ سے رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں اپنی بری خصوصیات کے ساتھ نرمی نہیں برتنی چاہئے یہ جانتے ہوئے کہ گناہوں کی سزا میں تاخیر ہوتی ہے جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کر لیں تب تک ہمیشہ کے لئے ترک نہیں کیا جاتا۔ انہیں بھی چاہیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق برائی کا جواب اچھائی سے دیتے ہوئے نرمی پر ثابت قدم رہیں۔ باب 41 فصیلات، آیت 34:

"اور اچھے اور برے کام برابر نہیں ہیں۔ برائی کو اس]عمل [سے دفع کرو جو بہتر ہو۔ پھر جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ گویا ایک مخلص دوست ہو گا۔

انتہائی مہربانی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ شہر فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ حنین کی فتح کے بعد کچھ غیر مسلم دشمن طائف شہر کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر طائف کی طرف ایک مہم کی قیادت کی۔ ایک شخص نے بیان کیا کہ اس مہم کے بعد وہ بھاری جوتے پہنے ہوئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار تھے۔ ان کا اونٹ اتفاقاً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ٹکرا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ٹانگ پر آپ کا پیر مارا اور چوٹ لگی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کے پاؤں کو اپنے کوڑے سے تھپتھپا کر اس سے کہا کہ وہ اس سے دور ہو جائے کیونکہ اس نے اسے تکلیف دی تھی۔ اگلے دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آدمی کو بلوایا اور بتایا کہ اس نے اپنے کوڑے سے اس کے پاؤں کو تھپتھپا دیا تھا، اس لیے اس نے اسے معاوضہ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ پھر اس نے اس آدمی کو 80 بھیڑیں تحفے میں دیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 481-482 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 7376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرے گا جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا۔

اسلام بہت سادہ مذہب ہے۔ اس کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک اس قدر سادہ ہے کہ ان پڑھ لوگ بھی ان کو سمجھ سکتے ہیں اور اس پر عمل کر سکتے ہیں، یعنی لوگ دوسروں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا۔ مثال کے طور پر جو لوگ دوسروں کی غلطیوں کو درگزر کرنا اور معاف کرنا سیکھتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ باب النور، آیت 22 24:

اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر..." دے؟‘‘

جو لوگ فائدہ مند دنیاوی اور دینی معاملات میں دوسروں کی مدد کرتے ہیں جیسے کہ جذباتی یا مالی امداد اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کی مدد کرے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4893 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ یہی حدیث نصیحت کرتی ہے کہ جو دوسروں کے عیب چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیب چھپاتا ہے۔

سیدھے الفاظ میں، اگر کوئی اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک اور احترام کا سلوک کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں ان کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ ایسا ہی سلوک کرے گا، خواہ وہ فرض نمازوں جیسے واجبات کو پورا کرتے ہوں۔ یہ اس لیے ہے کہ ایک مسلمان کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے دونوں فرائض کو پورا کرنا چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے لیے فرائض۔

آخر میں، یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ صرف اللہ کی طرف سے حسن سلوک کیا جائے گا، اگر وہ اس کی خاطر دوسروں سے حسن سلوک سے پیش آئے۔ اگر وہ اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے ایسا کرتے ہیں تو بلاشبہ ان تعلیمات میں مذکور اجر کو ضائع کر دیں گے۔ تمام عبادات اور اسلام کی بنیاد خود انسان کی نیت ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

حرام سے بچنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ شہر فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ حنین کی فتح کے بعد کچھ غیر مسلم دشمن طائف شہر کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر طائف کی طرف ایک مہم کی قیادت کی۔ طائف کو فتح کے بغیر چھوڑنے کے بعد، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کی طرف لوٹے اور جنگ حنین کا مال غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے اعلان کیا کہ کوئی مسلمان سپاہی جنگ کے مال غنیمت میں سے کچھ نہ لے، تقسیم ہونے سے پہلے۔ اسلامی قانون کے مطابق خواہ وہ جو چیز لے گئے وہ دھاگہ یا سوئی ہی کیوں نہ ہو۔ انہوں نے مزید کہا کہ اس طرح کا برتاؤ دونوں جہانوں میں رسوائی، آگ اور شرمندگی ہے۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1790-1792 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو حرام کو استعمال کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اس میں غیر قانونی دولت کا استعمال، غیر قانونی اشیاء کا استعمال اور غیر قانونی کھانا کھانا شامل ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اسلام نے جن مخصوص چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جیسے کہ شراب صرف وہی چیزیں نہیں ہیں جو حرام ہیں۔ درحقیقت حلال چیزیں بھی حرام ہو سکتی ہیں اگر وہ حرام چیزوں سے حاصل کی گئی ہوں۔ مثال کے طور پر، حلال کھانا حرام ہو سکتا ہے اگر اسے حرام مال سے خریدا جائے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ صرف حلال چیزوں سے نمٹتے ہیں کیونکہ یہ کسی کو برباد کرنے کے لیے حرام کا صرف ایک عنصر لیتا ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 2346 کی ایک حدیث میں ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص ناجائز استعمال کرے گا اس کی تمام دعائیں رد ہوں گی۔ اگر اللہ تعالیٰ سے ان کی دعائیں رد ہو جائیں تو کیا ان کی کوئی نیکی قبول ہونے کی امید رکھی جا سکتی ہے؟ درحقیقت اس کا جواب صحیح بخاری نمبر 1410 میں موجود ایک اور حدیث میں دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ صرف حلال کو قبول کرتا ہے۔ لہٰذا ہر وہ عمل جس کی بنیاد ناجائز ہو مثلاً حرام مال کے ساتھ حج کرنا مردود ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 3118 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ اس قسم کے آدمی کو قیامت کے دن جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 188:

’’ اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ ہی اسے حکمرانوں کے پاس بھیجو تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ میں کھاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ حرام ہے۔ ["

آپ کیا ڈھونڈتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ شہر فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ حنین کی فتح کے بعد کچھ غیر مسلم دشمن طائف شہر کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر طائف کی طرف ایک مہم کی قیادت کی۔ اس مہم کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کی طرف لوٹ گئے۔ مال غنیمت کی تقسیم کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر نئے مسلمان ہونے والے مسلمانوں کو ان کے دلوں کو مضبوط کرنے کے لیے زیادہ دیتے تھے۔ مدینہ کے بعض چھوٹے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس خاص معاملے میں کوتاہی محسوس کی۔ جب یہ خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بلوایا اور سوال کیا کہ کیا وہ اس بات سے مطمئن نہیں ہیں کہ جب دوسرے لوگ اپنے گھر کا مال غنیمت لے جائیں گے تو وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھر لے جائیں گے۔ اس پر ہو انہوں نے یک زبان ہو کر جواب دیا کہ وہ اس سے مطمئن ہیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 483 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ان کی اللہ تعالیٰ کی عبادت کیوں کی جاتی ہے کیونکہ یہ وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافے کا سبب بن سکتی ہے یا بعض صورتوں میں نافرمانی کا باعث بن سکتی ہے۔ جب کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اس سے حلال دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کے لیے اس کی نافرمانی کا خطرہ مول لے لیتا ہے۔ اس قسم کے شخص کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ باب 22 الحج، آیت 11:

"اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو جاتی ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔''

جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں تو دنیاوی نعمتوں کو حاصل کرنے کے لیے جب وہ ان کو حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا کسی مشکل کا سامنا کرتے ہیں تو وہ اکثر ناراض ہو جاتے ہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے دور کر دیتا ہے۔ یہ لوگ اکثر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نافرمانی کرتے ہیں، اس صورت حال کے مطابق جس کا وہ سامنا کر رہے ہیں جو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی حقیقی بندگی کے خلاف ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ سے حلال دنیوی چیزوں کی خواہش کرنا اسلام میں قابل قبول ہے، لیکن اگر کوئی اس رویہ پر قائم رہے تو وہ اس آیت میں مذکور کی طرح ہو سکتے ہیں۔ آخرت میں نجات پانے اور جنت حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا افضل ہے۔ مشکلات کا سامنا کرتے وقت یہ شخص اپنے رویے کو تبدیل کرنے کا امکان نہیں رکھتا ہے۔ لیکن سب سے اعلیٰ اور بہترین وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے، صرف اس لیے کہ وہ ان کا رب اور کائنات کا رب ہے۔ یہ مسلمان اگر مخلص ہو گا تو ہر حال میں ثابت قدم رہے گا اور اس اطاعت کے ذریعے انہیں دنیاوی اور دینی دونوں نعمتیں حاصل ہوں گی جو دنیاوی نعمتوں سے بڑھ کر پہلی قسم کے انسان کو حاصل ہوں گی۔

آخر میں، مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی نیت پر غور کریں اور اگر ضروری ہو تو اس کی اصلاح کریں تاکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی ترغیب ملے۔ ، تمام حالات میں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے محبت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ شہر فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ حنین کی فتح کے بعد کچھ غیر مسلم دشمن طائف شہر کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر طائف کی طرف ایک مہم کی قیادت کی۔ اس مہم کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کی طرف لوٹ گئے۔ مال غنیمت کی تقسیم کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر نئے مسلمان ہونے والے مسلمانوں کو ان کے دلوں کو مضبوط کرنے کے لیے زیادہ دیتے تھے۔ مدینہ کے بعض چھوٹے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس خاص معاملے میں کوتاہی محسوس کی۔ جب یہ خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بلوایا اور سوال کیا کہ کیا وہ اس بات سے مطمئن نہیں ہیں کہ جب دوسرے لوگ اپنے گھر کا مال غنیمت لے جائیں گے تو وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھر لے جائیں گے۔ اس پر ہو انہوں نے یک زبان ہو کر جواب دیا کہ وہ اس سے مطمئن ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا کہ اگر میں مدینہ کی طرف ہجرت کرکے وہاں سے ہجرت نہ کرتا تو وہ مدینہ کے مددگاروں میں سے ہوتا، اللہ ان سے راضی ہوتا۔ اور اگر دنیا ایک وادی کا سفر کرے اور مدینہ سے مدد کرنے والے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو کر ایک الگ وادی میں اترے تو وہ ضرور اس وادی کا سفر کرے گا جس سے مدینہ کے مددگاروں نے سفر کیا تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 483 اور سیرت ابن ہشام صفحہ 237-238 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ کے صحابہ سے اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی کتنی محبت تھی۔

ان تمام لوگوں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقی محبت کی نشانی سے محبت کرنا جو اللہ عزوجل اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے لیے، خواہ یہ ان کے بارے میں کسی کی ذاتی رائے کے خلاف ہو۔ اس محبت میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے الفاظ کے ذریعے اور زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اپنے اعمال کے ذریعے محبت کا اعلان کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ بات سب پر ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کے تمام اہل بیت رضی اللہ عنہم، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور صالحین اس سچی محبت کے حامل تھے۔ پس ان میں سے ہر ایک سے محبت اس شخص پر فرض ہے جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرے۔ یہ بہت سی احادیث سے ثابت ہے جیسے کہ صحیح بخاری نمبر 17 میں موجود ہے۔ اس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مددگاروں سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ کے مقدس شہر کے رہنے والوں سے محبت ہے۔ ایمان کا حصہ اور ان سے نفرت منافقت کی نشانی ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3862 میں موجود ایک اور حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو واضح طور پر تنبیہ فرمائی ہے کہ وہ کسی بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید نہ کریں کیونکہ ان سے محبت کرنا اس کی علامت ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنا اور ان سے بغض رکھنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ تعالیٰ سے بغض رکھنے کی علامت ہے۔ یہ شخص اس وقت تک کامیاب نہیں ہو گا جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کرے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 143 میں موجود ایک حدیث میں اپنے مبارک گھر والوں کے بارے میں اسی طرح کا بیان فرمایا ہے۔

اگر کوئی مسلمان کسی ایسے مسلمان پر بلاجواز تنقید کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے تو اس سے ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی کمی ثابت ہوتی ہے۔ اگر کوئی مسلمان گناہ کرتا ہے تو دوسرے مسلمانوں کو اس گناہ سے نفرت کرنی چاہیے لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے پھر بھی گناہ گار مسلمان کے لیے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کی وجہ سے اس سے محبت رکھنا چاہیے۔ اس پر درود ہو۔ دوسروں سے محبت کرنے کی علامت ان کے ساتھ حسن سلوک اور احترام سے پیش آنا ہے۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جیسا وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو ان تمام لوگوں کو ناپسند کرنا چاہیے جو ان لوگوں کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، خواہ وہ شخص رشتہ دار ہو یا اجنبی۔ ایک مسلمان کے جذبات انہیں اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت کے اس نشان کو پورا کرنے سے کبھی نہیں روک سکتے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان کو نقصان پہنچائیں بلکہ ان پر واضح کر دیں کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں سے عداوت ناقابل قبول ہے۔ اگر وہ اس منحرف رویے پر قائم رہیں تو جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کر لیں ان سے الگ ہو جانا چاہیے۔

آزادی کے لیے جدوجہد کریں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ شہر فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ حنین کی فتح کے بعد کچھ غیر مسلم دشمن طائف شہر کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر طائف کی طرف ایک مہم کی قیادت کی۔ اس مہم کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ واپس تشریف لے گئے۔ مال غنیمت کی تقسیم کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر نئے مسلمان ہونے والے مسلمانوں کو ان کے دلوں کو مضبوط کرنے کے لیے زیادہ دیتے تھے۔ جب بعض لوگوں نے اس کی شکایت کی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ان لوگوں کو دیا جن کے بارے میں اندیشہ تھا کہ وہ بے صبری اور ناراضگی کا شکار ہوں گے اور آپ نے ان لوگوں کو دینے سے گریز کیا جو خود کفیل تھے اور جن کی نیکی پر الہام ہوا تھا۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ بعد کے متقی گروہ میں سے ایک شخص عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ تھا۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 490-491 اور صحیح بخاری نمبر 3145 میں موجود ایک حدیث میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6470 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص دوسروں سے مانگنے سے باز رہے گا اسے آزادی دی جائے گی۔ اور جو شخص سچے دل سے صبر کرنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے صبر عطا کرتا ہے۔ اور جو اس کے پاس ہے اس پر راضی ہو گا وہ خود کفیل ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ صبر سے بڑا کوئی تحفہ نہیں ہے۔

ضرورت پڑنے پر دوسروں سے مدد مانگنے میں کوئی حرج نہیں لیکن مسلمان کو یہ عادت نہیں ڈالنی چاہیے کیونکہ اس سے عزت نفس کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ یہ خطرناک ہو سکتا ہے کیونکہ جو شخص عزت نفس کھو دیتا ہے اس کے گناہوں کا زیادہ امکان ہوتا ہے کیونکہ وہ اس بات کی پرواہ کرنا چھوڑ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے ان کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو دوسروں کی مدد کے لیے رجوع کرنے سے پہلے ان تمام ذرائع کو بروئے کار لانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا اسے اللہ تعالیٰ لوگوں کی آزادی عطا فرمائے گا۔ ایک مسلمان کو اپنے اوپر خاص طور پر مشکل کے وقت صبر پر مجبور کرنا چاہیے۔ اس کے حصول کا بہترین طریقہ اسلامی علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ مثال کے طور پر جو شخص اللہ تعالیٰ کو جانتا ہے کہ وہ صبر کرنے والے مسلمان کو بے شمار اجر دے گا اس سے زیادہ صبر کرنے کا امکان اس شخص سے زیادہ ہے جو اس حقیقت سے ناواقف ہے۔ باب 39 از زمر، آیت 10:

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا]یعنی حد[..."

حقیقی امیر وہ ہے جو محتاج اور چیزوں کا لالچی نہ ہو۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی اس پر راضی ہو جاتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے، جو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی صحیح طور پر یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لامحدود علم کے مطابق ہر ایک کو بہترین چیز دیتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

یہ شخص واقعی امیر ہے جب کہ جو ہمیشہ چیزوں کا لالچی اور محتاج رہتا ہے وہ غریب ہے خواہ اس کے پاس بہت زیادہ دولت ہو۔ صحیح مسلم نمبر 2420 کی حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

آخر میں صبر کو اپنانا ضروری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ہر عنصر میں اس کی ضرورت ہے۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ آسان الفاظ میں دنیاوی یا دینی معاملات میں کامیابی صبر کے بغیر ممکن نہیں۔

برائی کے خلاف اچھا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ شہر فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ ساتھ چل رہے تھے کہ ایک اعرابی آپ کے پاس آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر کو اس قدر کھینچا کہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کندھے پر نشان رہ گیا۔ .اس اعرابی نے بدتمیزی کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ مال دینے کا مطالبہ کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور اعرابی کو کچھ مال دینے کا حکم دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 489 میں بحث کی گئی ہے۔

برائی کا برائی سے جواب دینا آسان ہے۔ لیکن جو چیز ایک مسلمان کو خاص بناتی ہے وہ یہ ہے کہ جب وہ برائی کا جواب اچھائی سے دیتے ہیں۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس طرح برتاؤ کرنے سے کسی بھی شخص کے درجے میں کبھی کمی نہیں آئے گی۔ ورنہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح عمل نہ کرتے۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 2029 میں ایک حدیث پائی گئی ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ جب کوئی برائی کا جواب اچھائی سے دیتا ہے، جیسے کہ دوسروں کو معاف کرنا، تو اللہ تعالیٰ ان کی عزت بلند کرتا ہے۔ لہٰذا یہ رویہ نہ صرف دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے بلکہ اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے :کہ یہ خود مسلمانوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 34

اور اچھے اور برے کام برابر نہیں ہیں۔ برائی کو اس]عمل [سے دفع کرو جو بہتر ہو۔ پھر جس " کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ گویا ایک مخلص دوست ہو گا۔

اس کے علاوہ، جیسا کہ اس آیت میں نصیحت کی گئی ہے کہ اگر کوئی یہ رویہ اختیار کرے گا تو وہ پائیں گے کہ جو لوگ ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے وہ آخر کار اپنے عمل پر شرمندہ ہو جائیں گے اور اپنا رویہ بدل لیں گے۔ یہاں تک کہ سخت ترین دل بھی بالآخر متاثر ہو جاتے ہیں جب اس طریقے سے علاج کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، جب شوہر اپنی بیوی سے بدتمیزی کرتا

ہے تو اس کے لیے بہتر ہے کہ وہ منفی جواب سے اوپر اٹھ کر اس کے بجائے اچھے انداز میں جواب دے۔ اس سے شوہر اپنی بیوی سے زیادہ عزت اور محبت کرے گا۔ جب کام پر کوئی ساتھی برے رویے کا مظاہرہ کرتا ہے تو اسے اچھے اخلاق سے جواب دے کر ایک سچے مسلمان کی خوبی دکھانا بہتر ہے۔ جب کوئی اس طرح کا برتاؤ کرے گا تو اس کے آس پاس کے لوگ ان کا احترام اور پیار کریں گے جس کی وجہ سے ان کی زندگی آسان ہو جائے گی۔ لیکن جب کوئی شخص برائی کا جواب برائی سے دیتا ہے تو اسے ہمیشہ دوسروں کی طرف سے مزید برائیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس سے دونوں جہانوں میں اس کی زندگی مشکل ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی ایک لمحے کے لیے اس پر غور کرے تو یہ بالکل واضح ہے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ جب دوسرے حد سے تجاوز کرتے ہیں تو پھر کسی کو اپنا دفاع کرنا چاہئے اور اس شخص سے الگ ہونا چاہئے۔ لیکن اکثر صورتوں میں برے کردار کا جواب اچھے کردار سے دینا چاہیے۔

مسائل کو چھوٹا بنائیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ شہر فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ حنین کی فتح کے بعد کچھ غیر مسلم دشمن طائف شہر کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر طائف کی طرف ایک مہم کی قیادت کی۔ اس مہم کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ واپس تشریف لے گئے۔ مال غنیمت کی تقسیم کے دوران ایک جاہل نے تبصرہ کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس تقسیم میں اللہ تعالیٰ کی بندگی کے خواہاں نہیں تھے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ غصے میں آگئے اور پھر اللہ تعالیٰ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحمت کی دعا کی اور پھر یہ تبصرہ فرمایا کہ مجھے تکلیف ہوئی ہے۔ اپنی قوم سے زیادہ تکلیف ہوئی لیکن پھر بھی صبر کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 492 اور صحیح بخاری نمبر 4335 میں موجود حدیث میں بحث ہوئی ہے۔

مشکلات میں صبر کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اپنی مشکل کا ہمیشہ سخت اور سخت مشکلات سے موازنہ کیا جائے۔ جب کوئی ایسا کرے گا تو اس سے ان کا مسئلہ چھوٹا اور کم اہم معلوم ہوگا۔ توجہ میں یہ تبدیلی ایک مسلمان کو صبر کرنے اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہنے میں مدد دے سکتی ہے۔ اس کی وضاحت ایک دنیاوی مثال کے ذریعے کی جا سکتی ہے۔ شدید درد شقیقہ میں مبتلا شخص کو اس طرح متاثر کیا جاسکتا ہے کہ اسے لگتا ہے کہ دنیا ان کے گرد سمٹ رہی ہے۔ لیکن اگر یہی شخص کسی ایسے جہاز پر تھا جو برف کے تودے سے ٹکرا کر منجمد سمندر کے بیچ میں ڈوبنے والا ہے تو ان کا شدید درد شقیقہ کوئی بڑی بات نہیں لگتی۔ درحقیقت، وہ شاید اس سے بالکل بھی متاثر نہیں ہوں گے کیونکہ ان کی ساری توجہ جان لیوا خطرے یعنی ڈوبتے ہوئے جہاز کی طرف مبذول ہو جائے گی۔ مشکل کے وقت مسلمان کو ایسا ہی سلوک کرنا چاہیے۔ جب انہیں کسی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو انہیں یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ بہت زیادہ خراب ہو سکتی تھی اور وہ ان مشکلات پر توجہ مرکوز کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن کا انہیں سامنا ہو سکتا تھا۔ یہ دوسروں کا مشاہدہ کرکے حاصل کیا جاسکتا ہے جو ان سے زیادہ مشکل حالات میں ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک شخص جو کمر کے درد میں مبتلا ہے وہ اس شخص پر غور کر سکتا ہے جو جسمانی طور پر معذور ہے۔ یا وہ موت اور یومِ جزا جیسی بہت بڑی مشکلات پر غور کر سکتے ہیں۔ یہ موازنہ ان کی مشکل اور اس کے اثرات کی اہمیت کو کم کر دے گا، جس کے نتیجے میں انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر اور ثابت قدم رہنے میں مدد ملے گی، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔

مستقبل کے باغی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ شہر فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ حنین کی فتح کے بعد کچھ غیر مسلم دشمن طائف شہر کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر طائف کی طرف ایک مہم کی قیادت کی۔ اس مہم کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ واپس تشریف لے گئے۔ مال غنیمت کی تقسیم کے دوران ذوالخواصیرہ نامی ایک منافق نے تبصرہ کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عدل و انصاف سے کام نہیں لے رہے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غصے میں آگئے اور جواب دیا کہ اگر میں نے انصاف نہیں کیا تو کون کرے گا؟ جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس صریح منافق کو قتل کرنے کی اجازت چاہی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ شخص آخر کار ایک باغی گروہ کی قیادت کرے گا جو داخل ہو کر نکلے گا۔ اسلام کا ایمان بالکل اسی طرح جیسے تیر اپنے نشانے سے داخل ہو کر نکلتا ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 492-493 میں بحث کی گئی ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ کی آیت نمبر 58 نازل فرمائی:

اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو صدقات کی]تقسیم [کے بارے میں آپ پر تنقید کرتے ہیں۔" اگر ان کی طرف سے دیا جائے تو وہ منظور کرتے ہیں۔ لیکن اگر ان سے نہ دیا جائے تو وہ فوراً ناراض ہو جاتے ہیں۔

اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 9:58، صفحہ 88 میں بحث کی گئی ہے۔

کوئی بھی حدیث مثلاً صحیح بخاری نمبر 6934 میں ان باغیوں پر بحث کریں۔ ان باغیوں نے M اسلام کے چوتھے صحیح رہنما خلیفہ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی قیادت کو چیلنج کیا۔ یہ حدیث بھی بہت سی دوسری چیزوں کی طرح اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ باغی اکثر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے تھے لیکن جس چیز کی وجہ سے وہ اسلام کی حقیقی تعلیمات سے منحرف ہوئے وہ ان کی جہالت تھی۔ انہوں نے احمقانہ طور پر عبادت کو اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے زیادہ اہمیت دی۔ ان کی جہالت کی وجہ سے وہ اسلام کی تعلیمات کی غلط تشریح کر رہے تھے جس کی وجہ سے ان کے کبیرہ گناہ ہوئے۔ اگر ان کے پاس صحیح علم ہوتا تو ایسا نہ ہوتا۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ علم کس طرح گناہوں کو روک سکتا ہے، خاص طور پر دوسروں کے لیے، جیسے گھریلو زیادتی۔ ایک شخص صرف اس وقت دوسروں پر ظلم کرنے سے گریز کرتا ہے جب وہ اپنے اعمال کے نتائج سے ڈرتا ہو، یعنی دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جوابدہ اور سزا پانے کا۔ لیکن اپنے اعمال کے نتائج کے خوف کی بنیاد اور جڑ علم ہے۔ علم کے بغیر انسان اپنے اعمال کے نتائج سے کبھی نہیں ڈرتا۔ اس سے ان کی جہالت انہیں گناہوں اور دوسروں پر ظلم کرنے کی ترغیب دے گی۔

اگر معاشرہ لوگوں کے خلاف گھریلو زیادتیوں اور دیگر جرائم کے واقعات کو کم کرنا چاہتا ہے تو اسے علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کو ترجیح دینی چاہیے کیونکہ صرف عبادت ہی ایسا نہیں ہو گی جس طرح اس نے باغیوں کو اسلام سے منحرف ہونے اور بڑی تکلیف پہنچانے سے نہیں روکا۔ معصوم لوگوں کے لیے .باب 35 فاطر، آیت 28:

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں‘‘۔’’

قرآن پاک کو ناکام کرنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ شہر فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ حنین کی فتح کے بعد کچھ غیر مسلم دشمن طائف شہر کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر طائف کی طرف ایک مہم کی قیادت کی۔ اس مہم کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ واپس تشریف لے گئے۔ مال غنیمت کی تقسیم کے دوران ذوالخواصیرہ نامی ایک منافق نے تبصرہ کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عدل و انصاف سے کام نہیں لے رہے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غصے میں آگئے اور جواب دیا کہ اگر میں نے انصاف نہیں کیا تو کون کرے گا؟ جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس صریح منافق کو قتل کرنے کی اجازت چاہی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ شخص آخر کار ایک باغی گروہ کی قیادت کرے گا جو داخل ہو کر باہر نکلے گا۔ اسلام کا ایمان بالکل اسی طرح ہے جیسے تیر اپنے نشانے سے داخل ہو کر نکلتا ہے۔ انہوں نے نتیجہ اخذ کیا کہ جب یہ لوگ قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں تو یہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتا، ان کے روحانی دلوں تک نہیں پہنچتا۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 493 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اس کا مطلب ہے کہ وہ قرآن پاک کی تعلیمات کو صحیح طور پر سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں ناکام رہے۔

امام منذری کی بیداری اور اندیشہ نمبر 30 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قرآن کریم قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس پر عمل کرتے ہیں انہیں قیامت کے دن جنت میں لے جایا جائے گا۔ لیکن جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس کو نظرانداز کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ یہ انہیں قیامت کے دن جہنم میں دھکیل دے گا۔

قرآن پاک ہدایت کی کتاب ہے۔ یہ محض تلاوت کی کتاب نہیں ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کے تمام پہلوؤں کو پورا کرنے کی کوشش کریں تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ پہلا پہلو اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا پہلو اسے سمجھنا ہے۔ اور آخری پہلو یہ ہے کہ اس کی تعلیمات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کیا جائے۔ ایسا سلوک کرنے والوں کو دنیا کی ہر مشکل سے راہنمائی اور قیامت کے دن اس کی شفاعت کی بشارت دی جاتی ہے۔ لیکن جیسا کہ اس حدیث سے متنبہ کیا گیا ہے کہ قرآن کریم صرف ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اس کے پہلوؤں پر صحیح طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس کی غلط تشریح کرتے ہیں اور دنیاوی چیزوں مثلاً شہرت حاصل کرنے کے لیے اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرتے ہیں، وہ قیامت کے دن اس صحیح ہدایت اور اس کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔ درحقیقت دونوں جہانوں میں ان کا مکمل نقصان اس وقت تک بڑھے گا جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

”اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔“

رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ شہر فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ حنین کی فتح کے بعد کچھ غیر مسلم دشمن طائف شہر کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر طائف کی طرف ایک مہم کی قیادت کی۔ اس مہم کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ واپس تشریف لے گئے۔ اس جنگ کے اسیران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن شمع رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔ جب وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچی تو ،اس نے ثابت کر دیا کہ وہ کون ہے، کیونکہ انہیں ایک ساتھ رہتے ہوئے کئی دہائیاں گزر چکی تھیں انہیں اپنی پیٹھ پر کاٹنے کے نشان کی یاد دلاتے ہوئے، جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر، جب وہ بچپن میں تھے۔ پھر اس نے اپنی چادر اس کے بیٹھنے کے لیے پھیلا دی اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔ اس نے اسلام قبول کیا اور اس نے اسے اپنے ساتھ رہنے کا اختیار دیا، جہاں وہ اس کی بہت عزت کرے گا، یا وہ تحفے اور سامان کے ساتھ اپنے لوگوں کے پاس واپس آسکتی ہے۔ اس نے مؤخر الذکر آپشن کا انتخاب کیا اور اس لیے اسے اعزاز اور تحائف کے ساتھ رہا کر دیا گیا۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 494 میں بحث کی گئی ہے۔

رشتہ داری کو برقرار رکھنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے جسے اگر کوئی کامیابی چاہتا ہے تو اسے دونوں جہانوں میں ایمان کی حقیقی نشانی یہ نہیں ہے کہ سارا دن مسجد میں ترک نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی ہے۔ مخلوق کے سب سے اہم حقوق میں سے ایک رشتہ داری کو برقرار رکھنا ہے۔ کوئی کو دھوکہ نہیں دے سکتا لیکن اللہ تعالیٰ شخص اسلامی لباس پہن کر تقویٰ کا دعویٰ کر سکتا ہے تاریخ کے اوراق ہمیشہ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں نے رشتہ ۔ جب کوئی مڑتا ہے۔ داریوں کو نبھایا۔ یہاں تک کہ جب ان کے رشتہ داروں نے ان کے ساتھ بدسلوکی کی تب بھی انہوں نے مہربانی سے جواب دیا۔ باب 41 فصیلات، آیت 34:

"اور اچھے اور برے کام برابر نہیں ہیں۔ برائی کو اس]عمل [سے دفع کرو جو بہتر ہو۔ پھر جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ گویا ایک مخلص دوست ہو گا۔

صحیح مسلم نمبر 6525 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص رشتہ داریوں کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے لیے ہمیشہ اس کی مدد کرتا ہے خواہ اس کے رشتہ دار مشکلات کا شکار ہوں.

مومن مخلص اچھائی کا جواب اچھائی سے دینا کوئی خاص بات نہیں جبکہ برائی کا اچھا جواب دینا کوئی زیادہ تر معاملات میں، جب کی نشانی ہے۔ سابقہ رویہ جانوروں میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ میں کسی جانور کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے تو اس کے بدلے میں پیار واپس آتا ہے۔ صحیح بخاری برقرار نمبر 5991 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ رشتہ داری کو صحیح معنوں میں حضور نبی رکھنے والا وہ ہے جو رشتہ داروں سے قطع تعلق کرتے ہوئے بھی رشتہ قائم رکھے۔ اکثر رشتہ داروں کی طرف سے لیکن اپنے اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل دہشت زدہ تھے۔ اس نے ہمیشہ ان کے ساتھ شفقت کا مظاہرہ کیا۔

یہ بات عام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے بغیر کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا ۔ لیکن صحیح بخاری نمبر 5987 میں موجود ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اعلان کیا ہے کہ جو شخص دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داریاں توڑے گا اس سے وہ رشتہ توڑ دے گا۔ ذہن میں عبادات کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کی جیسی فرض نماز رکھو، یہ قطع نظر سچ ہے ادائیگی کے لیے کتنی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی مسلمان سے رشتہ منقطع کر دے تو وہ اس کا قرب اور ابدی کامیابی کیسے حاصل کر سکتا ہے؟

لوگوں کو موقع دینے اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں اللہ تعالیٰ عذاب میں تاخیر کرتا ہے۔ توبہ کرنا لیکن دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داری کو توڑنے کی سزا بہت کے لیے گناہوں کا جلد ملتی ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 4212 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

بدقسمتی سے آج دنیا میں تعلقات منقطع کرنے کا رواج عام دیکھا جاتا ہے۔ لوگ چھوٹی موٹی دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داریوں کو آسانی سے توڑ دیتے ہیں۔ وہ کسی بھی نقصان کو پہچاننے میں جو مادی دنیا میں ہوتا ہے وہ عارضی ہوتا ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق ناکام رہتے ہیں۔ منقطع ہو جائے تو دونوں جہانوں میں انہیں طویل مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

جب کوئی اپنے پیشے کے ذریعے وجہ جو اسلامی معاشرے میں عام طور پر دیکھی جاتی ہے۔ کی اعلیٰ سماجی مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ انہیں اپنے رشتہ داروں کو ترک کرنے کی ترغیب دیتا جیسا کہ انہیں یقین ہے کہ وہ اب ان کے ساتھ بات چیت کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اپنی دولت ہے۔ حیثیت سے ان کی محبت انہیں بے حیائی کے دروازے پر دھکیل دیتی ہے جو انہیں سماجی اور صرف ان سے ان کی دولت چھیننا چاہتے ہیں۔ یقین دلاتی ہے کہ ان کے رشتہ دار

،قرآن کریم بتاتا ہے کہ ان بندھنوں کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔ باب 4 النساء :آیت 1

اور اس اللہ سے ڈرو جس کے ذریعے تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رحم سے۔ بے شک" "اللہ تم پر ہمیشہ دیکھنے والا ہے۔

برقرار رکھے بغیر تقویٰ یہ آیت بھی واضح طور پر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رشتہ داری کو وہ اسے زیادہ عبادت کے ذریعے حاصل کر سکتے تو جو لوگ ایمان لائے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اپنے رویے کو بدلنا چاہیے۔ اور روزے غلط ثابت ہوئے ہیں ہیں۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کی ان معاملات میں مدد کر کے تمام رشتہ داریوں کو برقرار رکھیں جو جب بھی اور جہاں بھی ممکن ہو اچھے ہوں۔ انہیں ایک تعمیری ذہنیت معاشرے کے فائدے کی بجائے رشتہ داروں کو متحد کرتا ہے۔ جو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے

سنن ابوداؤد نمبر 4919 میں ایک تباہ کن ذہنیت جو صرف خاندانوں میں تقسیم کا باعث بنتی ہے۔ موجود ایک حدیث کے مطابق لوگوں میں تفرقہ ڈالنا تباہی کا باعث بنتا ہے۔

:رشتہ توڑنے والوں پر قرآن پاک میں لعنت کی گئی ہے۔ باب 47 محمد، آیات 22-23

تو کیا تم اگر منہ موڑو گے تو زمین میں فساد برپا کرو گے اور اپنے تعلقات کو توڑ دو گے؟]ایسا'' ''کرنے والے [وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے۔

دنیا میں یا آخرت اور اس کی رحمت سے محروم ہوں تو اللہ تعالیٰ کی لعنت میں گھرے ہوئے ہوں میں کوئی اپنی جائز خواہشات کیسے حاصل کرسکتا ہے ؟

حکم نہیں دیتا اور نہ ہی یہ ان اپنے رشتہ داروں کی کفالت میں اپنی وسعت سے تجاوز کرنے کا سے یہ کہتا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے لیے اللہ تعالیٰ کی حدود کو قربان کر دیں کیونکہ اگر خالق کی نافرمانی اس کی تصدیق سنن ابوداؤد اس کا مطلب ہے تو مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔ نمبر 2625 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا کبھی بھی اپنے رشتہ داروں کو برائیوں میں اپنے رشتہ داروں کو نیکی کا ایک مسلمان کو چاہئے ، شامل نہیں کرنا چاہیے۔ اس صورت میں :کا احترام کرتے ہوئے انہیں برائی سے نرمی سے روکیں۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2 حکم دیں اور ان

''اور نیکی اور پرہیزگاری میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔ ''

اللہ کی رضا حاصل کیا جاتا ہے۔ کے ذریعہ رشتہ داری کو برقرار رکھنے والے بے شمار فوائد کے لیے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو

بندہ جوڑتا ہے اس کے رزق میں اور ان کی زندگی میں اضافی فضل ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 1693 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا رزق خواہ .اور جسم سکون ملے گا۔ ہی کم کیوں نہ ہو ان کے لیے کافی ہو گا اور اس سے انہیں ذہنی کتنا زندگی میں فضل کا مطلب ہے کہ وہ اپنے تمام دینی اور دنیاوی فرائض کو پورا کرنے کے لیے مسلمان اپنی ساری زندگی اور مال حاصل کرنے کی کوشش میں وقت نکالیں گے۔ یہ دو نعمتیں ہیں۔ صرف کرتے ہیں لیکن بہت سے لوگ اس بات کو پہچاننے میں ناکام رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان رشتہ داریوں کو برقرار رکھنے میں دونوں کو رکھا ہے۔

کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں ہے رشتہ داریاں نبھانا اس قدر ضروری رشتہ داروں کے ساتھ بھی اس اہم فرض کو پورا کریں ۔ اس کی تلقین اپنے غیر مسلم کو حکم دیا۔ کرنے والی ایک حدیث صحیح مسلم نمبر 2324 میں موجود ہے۔

شیطان کے پھندے میں سے ایک یہ ہے کہ وہ رشتہ داروں اور معاشرے میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتا اور سماجی تقسیم .اس کا حتمی مقصد اسلام کو بحیثیت قوم ہے جس سے خاندان ٹوٹ جاتے ہیں۔ کمزور کرنا ہے۔ بدقسمتی سے، کچھ لوگ رنجشوں کو پناہ دینے کے لیے بدنام ہو گئے ہیں جو کئی اور نسل در نسل منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ ایک شخص دہائیوں تک کسی تک جاری رہتے ہیں دہائیوں ان سے دوبارہ کبھی وہ رشتہ دار کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا لیکن ایک غلطی اور دلیل کے بعد بات نہیں کرے گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6526 میں ہے کہ ایک مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ تعلقات منقطع رکھنا ناجائز ہے۔ اگر غیر رشتہ داروں سے رشتہ توڑنے کا یہ حکم ہے تو کیا رشتہ داروں سے رشتہ توڑنے کی سنگینی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟ صحیح بخاری نمبر 5984 میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ یہ سوال وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا ہے کہ جو شخص کسی رشتہ دار سے دنیوی وجوہات کی بناء پر تعلق توڑے گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

اس اہم موضوع پر بحث کرنے والی آیات و احادیث پر غور کرنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ اگر اللہ عشرہ کے گناہوں کے بعد بھی اپنے دروازے بند نہیں کرتا اور لوگوں کے ساتھ اپنے سرور کا واسطہ نہیں رکھتا تو لوگ چھوٹی دنیا میں اپنے رشتہ داروں سے اتنی آسانی سے کیوں منہ موڑ

لیتے ہیں۔ مسائل؟ اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے ان کے تعلق کو برقرار رکھنا چاہتا ہے تو اسے تبدیل ہونا چاہیے۔

اچھا کر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ شہر فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ حنین کی فتح کے بعد کچھ غیر مسلم دشمن طائف شہر کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر طائف کی طرف ایک مہم کی قیادت کی اور بالآخر اسے ناقابل شکست چھوڑ دیا۔ جنگِ حنین کے مال غنیمت سمیت تمام مالِ غنیمت کی تقسیم کے بعد قبیلہ حوازن نے ایک وفد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبولِ اسلام کا اعلان کیا اور ان میں سے کچھ کا مطالبہ کیا۔ مال غنیمت، جو ان سے واپس کرنے کے لیے لیا گیا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا وہ اپنے مال یا رشتہ داروں کو ترجیح دیتے ہیں جنہیں جنگی قیدی بنا لیا گیا تھا۔ ہوازن کے وفد نے جواب دیا کہ وہ اپنے رشتہ داروں کی رہائی کو ترجیح دیتے ہیں۔ پھر آپ نے انہیں نصیحت کی کہ نماز باجماعت کے بعد اٹھیں اور عوامی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تاکید کریں کہ وہ اپنے گرفتار کیے گئے رشتہ داروں کو ان کے حوالے کر دیں۔ جب انہوں نے ہدایت کے مطابق کیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً جواب دیا کہ مال غنیمت میں سے جو بھی قیدی ان کے حصے میں آئیں گے انہیں فوراً واپس کر دیا جائے گا۔ مکہ اور مدینہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فوراً اپنے اسیروں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا کہ وہ ان کے ساتھ جیسا چاہیں کریں۔ نئے تبدیل ہونے والے مسلمانوں میں سے کچھ نے اپنے اسیروں کو ہوازن وفد کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر ان سب کو اپنی خواہش کی تعمیل کرنے کی تاکید کی اور اگلی جنگ میں ان کو ملنے والے مال غنیمت میں بہت زیادہ حصہ دینے کا وعدہ کیا۔ آخرکار تمام مسلمانوں نے اسیروں کو رہا کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا کہ وہ واپس ہوازن وفد کو بھیج دیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرتِ نبوی، جلد 3، صفحہ 493 اور امام صفی الرحمن کی، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 414-415 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ باب 3 علی عمران، آیت 92 سے مربوط ہے:

تم اس وقت تک نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ" نہ کرو۔ اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو، یقیناً اللہ اس کو جانتا ہے۔

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ کوئی شخص سچا مومن نہیں ہو سکتا، یعنی وہ اپنے ایمان میں نقص رکھتا ہے، جب تک کہ وہ اپنی پسند کی چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ اگرچہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ اس آیت کا اطلاق دولت پر ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس کا مطلب بہت زیادہ ہے۔ اس میں ہر وہ نعمت شامل ہے جسے ایک مسلمان پسند اور پسند کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، مسلمان اپنے قیمتی وقت کو ان چیزوں پر صرف کرنے میں خوش ہوتے ہیں جو انہیں خوش کرتی ہیں۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ان فرضی فرائض سے ہٹ کر وقت دینے سے انکار کرتے ہیں جو ایک دن میں بمشکل ایک یا دو گھنٹے لگتے ہیں۔ لاتعداد مسلمان ابھی تک مختلف خوشگوار سرگرمیوں میں اپنی جسمانی طاقت کو وقف کرنے پر خوش ہیں، ان میں سے بہت سے لوگ اسے ان چیزوں کے لیے وقف کرنے سے انکار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرتی ہیں، جیسے کہ رضاکارانہ روزہ۔ عام طور پر لوگ ان چیزوں میں کوشش کرنے میں خوش ہوتے ہیں جن کی وہ خواہش رکھتے ہیں جیسے کہ ضرورت سے زیادہ دولت حاصل کرنا جس کی انہیں ضرورت نہیں ہے خواہ اس کا مطلب یہ ہو کہ انہیں اوور ٹائم کرنا پڑے اور اپنی نیندیں ترک کرنی پڑیں پھر بھی کتنے لوگ اس راہ میں اللہ کی اطاعت میں کوشش کرتے ہیں۔ اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے باز رہنے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے سے سربلند؟ کتنے لوگ نماز ادا کرنے کے لیے اپنی قیمتی نیند ترک کر دیتے ہیں؟

یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان ابھی تک حلال دنیاوی اور دینی نعمتوں کے خواہاں ہیں، ایک سادہ سی حقیقت کو نظر انداز کرتے ہیں۔ کہ یہ چیزیں انہیں تب ہی حاصل ہوں گی جب وہ اپنے پاس موجود نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کریں گے۔ وہ کیسے کم سے کم چیزیں اس کے لیے وقف کر سکتے ہیں اور پھر بھی اپنے تمام خوابوں کو حاصل کرنے کی توقع رکھتے ہیں؟ یہ رویہ واقعی عجیب ہے۔

ایک کامیاب حج

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ شہر فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ حنین کی فتح کے بعد کچھ غیر مسلم دشمن طائف شہر کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر طائف کی طرف ایک مہم کی قیادت کی۔ اس مہم کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرہ کیا اور پھر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 500 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 1773 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ قبول شدہ حج کا ثواب جنت کے سوا کچھ نہیں۔

حج اور عمرہ کا اصل مقصد مسلمانوں کو آخرت کے آخری سفر کے لیے تیار کرنا ہے۔ جس طرح ایک مسلمان اپنے گھر، کاروبار، دولت، خاندان، دوست احباب اور سماجی حیثیت کو حج مقدس کرنے کے لیے چھوڑتا ہے، یہ اس کی موت کے وقت اس وقت ہو گا جب وہ آخرت کی طرف آخری سفر پر نکلے گا۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 2379 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ کسی شخص کا اہل و عیال ان کی قبر پر چھوڑ دیتے ہیں اور ان کے ساتھ صرف اس کے اچھے اور برے اعمال ہی ہوتے ہیں۔

جب کوئی مسلمان اپنے حج کے دوران اس بات کو ذہن میں رکھے گا تو وہ اس فرض کے تمام پہلوؤں کو صحیح طریقے سے ادا کرے گا۔ یہ مسلمان ایک بدلے ہوئے شخص کے گھر واپس آئے گا کیونکہ وہ اس مادی دنیا کے اضافی پہلوؤں کو جمع کرنے کے بجائے آخرت کے اپنے آخری سفر کی تیاری کو ترجیح دے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں جدو جہد کریں گے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کریں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے

ساتھ تقدیر کا سامنا کریں گے، جس میں ان کی تکمیل کے لیے اس دنیا سے لے جانا بھی شامل ہے۔
ضرورتیں اور ان کے زیر کفالت افراد کی ضرورتیں بغیر فضول خرچی یا اسراف کے۔

مسلمانوں کو حج کو تعطیل اور خریداری کی جگہ نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ یہ رویہ اس کے مقصد کو ختم کر دیتا ہے۔ یہ مسلمانوں کو ان کے آخرت کے آخری سفر کی یاد دلاتا ہے جس کی واپسی اور کوئی دوسرا موقع نہیں ہے۔ صرف اسی سے انسان کو حج کی صحیح تکمیل اور آخرت کے لیے مناسب تیاری کرنے کی ترغیب ملے گی۔

خطرے کا سامنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ شہر فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ حنین کی فتح کے بعد کچھ غیر مسلم دشمن طائف شہر کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طائف کی طرف ایک مہم کی قیادت کی اور کچھ دنوں کے بعد شہر کو فتح کیے بغیر اسے چھوڑ دیا۔ کچھ عرصہ بعد طائف کے کچھ باشندوں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا، کیونکہ یہ جزیرہ نما عرب پر غالب تھا۔ ان باشندوں میں سے ایک عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے جو طائف کے لوگوں میں سے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے قبیلہ بنو ثقیف کو اسلام کی طرف بلانے کی اجازت چاہی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خبردار کیا کہ وہ اسے قتل کر دیں گے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کا قبیلہ کتنا ضدی اور خطرناک ہے۔ لیکن اس نے جواب دیا کہ اس کا قبیلہ اس سے محبت کرتا ہے اور اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ جب وہ گھر واپس آیا اور اپنے قبیلے کو کھلے عام اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے اس پر تیروں سے حملہ کر کے اسے شہید کر دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب حیاتِ نبوی، جلد 3، صفحہ 500 اور امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 1777-1778 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے ان مشکلات پر قابو پانے کا مطالبہ نہیں کرتا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے برداشت کیں۔ مثال کے طور پر، وہ مکہ سے مدینہ ہجرت کر گئے جہاں انہوں نے اپنے گھر والوں، گھروں، کاروباروں کو پیچھے چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کی خاطر ایک اجنبی سرزمین کی طرف ہجرت کی۔

اس کے مقابلے میں مسلمانوں کو اس وقت جن مشکلات کا سامنا ہے وہ اتنا مشکل نہیں جتنا کہ صالح پیشروؤں کو درپیش تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کو شکر گزار ہونا چاہیے کہ ان سے صرف چند چھوٹی قربانیاں کرنے کی ضرورت ہے، جیسے فرض فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے کچھ نیند کی قربانی اور فرض صدقہ کرنے کے لیے کچھ مال۔ اللہ تعالیٰ ان کو یہ حکم نہیں دے رہا ہے کہ

وہ اپنے گھر اور اہل و عیال کو اس کی خاطر چھوڑ دیں۔ اس شکر کو عملی طور پر ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے ظاہر کیا جانا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ، جب کسی مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے ان مشکلات کو یاد رکھنا چاہیے جو نیک پیشرووں کو پیش آئیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی سے ان پر کیسے قابو پایا، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ علم ایک مسلمان کو اپنی مشکلات پر قابو پانے کی طاقت فراہم کر سکتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ صالح پیش رو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب تھے، پھر بھی انہوں نے صبر کے ساتھ زیادہ سخت مشکلات کو برداشت کیا۔ درحقیقت سنن ابن ماجہ نمبر 4023 میں موجود ایک حدیث اس بات کی نصیحت کرتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے سخت ترین امتحانات کو برداشت کیا اور وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

اگر کوئی مسلمان نیک پیشرووں کی ثابت قدمی کی پیروی کرتا ہے تو امید ہے کہ وہ آخرت میں ان کے ساتھ ہو گا۔

ایک سادہ زندگی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ شہر فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ حنین کی فتح کے بعد کچھ غیر مسلم دشمن طائف شہر کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر طائف کی طرف ایک مہم کی قیادت کی۔ اس مہم کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرہ کیا اور پھر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مکہ سے نکلتے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا انچارج مقرر کیا اور انہیں چاندی کا ایک سکہ یومیہ تنخواہ دیا۔ عتاب رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اگر وہ ایک دن میں چاندی کے ایک سکے سے سیر نہ ہو جائے تو وہ بھوکا اور لالچی رکھے۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ اس دن کے بعد اسے دولت کمانے کے سلسلے میں کسی کی ضرورت نہیں رہی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 500-501 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4118 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔

اسلام مسلمانوں کو اپنی تمام دولت اور جائز خواہشات کو ترک کرنے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ یہ ان کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں جیسے کہ ان کی خوراک، لباس، رہائش اور کاروبار میں سادہ طرز زندگی اپنانے کی تعلیم دیتا ہے تاکہ وہ انہیں فارغ وقت فراہم کریں۔ آخرت کے لیے مناسب طریقے سے تیاری کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ اس سادہ زندگی میں اس دنیا میں کوشش کرنا بھی شامل ہے تاکہ کسی کی ضرورتوں اور ان کے محتاجوں کی ضرورتوں کو بغیر زیادتی، فضول خرچی اور اسراف کے پورا کیا جا سکے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ جتنی سادہ زندگی گزاریں گے، وہ دنیاوی چیزوں پر اتنا ہی کم دباؤ ڈالیں گے اور اسی لیے وہ آخرت کے لیے اتنا ہی زیادہ کوشش کر سکیں گے، جس سے ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل ہو گا۔ لیکن ایک شخص کی زندگی جتنی زیادہ پیچیدہ ہوگی وہ اتنا ہی زیادہ دباؤ ڈالے گا، مشکلات کا سامنا کرے گا اور اپنی آخرت کے لیے کم کوشش کرے گا کیونکہ دنیاوی چیزوں سے ان کی مصروفیات کبھی ختم ہوتی نظر نہیں آئیں گی۔ یہ رویہ انہیں ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔

سادگی دنیا میں آسودگی کی زندگی اور قیامت کے دن سیدھا حساب کتاب کا باعث بنتی ہے۔ جب کہ ایک پیچیدہ اور عیش و عشرت کی زندگی صرف ایک دباؤ والی زندگی اور قیامت کے دن سخت اور مشکل حساب کتاب کا باعث بنے گی۔

ہجرت کے بعد نواں سال

حلال کی پابندی کرنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال آپ نے چند آدمیوں کو مختلف علاقوں میں صدقہ فطر جمع کرنے کے لیے روانہ کیا۔ ان میں سے ایک شخص واپس آیا اور اس نے جو فرض صدقہ جمع کیا تھا وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کر دیا، پھر بھی کچھ مال اپنے پاس رکھ لیا اور کہا کہ یہ اسے بطور تحفہ دیا گیا ہے۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا جس میں آپ نے اس شخص کا نام نہیں لیا تاکہ وہ شرمندہ نہ ہوں لیکن اس کے اعمال پر بحث کی۔ انہوں نے اپنے کیے پر کڑی تنقید کی اور واضح کیا کہ یہ تحفہ انہیں صرف اس لیے دیا گیا تھا کہ وہ صدقہ فطر جمع کر رہے تھے۔ انہوں نے واضح کیا کہ لیڈر کی طرف سے خیرات جمع کرنے والے کو صرف وہی دولت الاٹ کی گئی ہے جو ان کے لیے حلال ہے۔ اس کا تذکرہ صحیح بخاری نمبر 7174 اور امام محمد السلّابی رحمۃ اللہ علیہ، جلد 1 صفحہ 1798-1800 میں موجود ہے۔

اس صورت حال میں تحفہ لینا رشوت سمجھا جاتا ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1337 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں ملعون ہیں۔

لعنت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو ختم کرنا شامل ہے۔ جب ایسا ہو جائے تو دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں حقیقی دائمی کامیابی ممکن نہیں۔ رشوت کے ذریعے دولت جیسی جو بھی دنیاوی کامیابی حاصل ہوتی ہے وہ دونوں جہانوں میں بڑی مشکل اور عذاب کا باعث بنتی ہے بشرطیکہ کوئی سچے دل سے توبہ نہ کرے۔

اس کے علاوہ، اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر ایمان کے تین پہلوؤں کا صحیح طور پر پورا ہونا ممکن نہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا۔

گناہ دنیا کے تمام حصوں میں بہت عام ہو گیا ہے۔ رشوت کا بڑا اس دن اور دور میں ،بدقسمتی سے فرق صرف یہ ہے کہ تیسری دنیا کے ممالک میں یہ کھلے عام اور زیادہ ترقی یافتہ ممالک میں خفیہ طور پر کیا جاتا ہے۔ زیادہ تر معاملات میں، رشوت میں ایک شخص شامل ہوتا ہے جو بااثر لوگوں کو تحفہ پیش کرتا ہے، جیسے کہ جج، کچھ حاصل کرنے کے لیے جو ان کی نہیں ہے۔ صرف اس وقت رشوت کو گناہ کے طور پر درج نہیں کیا جائے گا جب کسی کو اپنی جائیداد کی واپسی کے لیے رشوت دینے پر مجبور کیا جائے۔ اس معاملے میں لعنت ہے رشوت لینے والے پر۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اگر مسلمان بحیثیت مجموعی رشوت خوری اور دیگر بدعنوانی کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو انہیں خود ان سے بچنا چاہیے۔ جب یہ درست رویہ انفرادی سطح پر اپنایا جائے گا تو اس کا اثر سماجی اور سیاسی عہدوں پر فائز افراد پر پڑے گا۔ ان لوگوں کے اس طرح کام کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ معاشرے کو بذات خود بدعنوانی پر عمل کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ لیکن اگر انفرادی سطح پر معاشرہ ان طریقوں کو مسترد کر دے تو سماجی یا سیاسی اثر و رسوخ کا حامل کوئی بھی فرد اس طرح کام کرنے کی ہمت نہیں کرے گا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ لوگ اس کے ساتھ کھڑے نہیں ہوں گے۔

تبوک کی جنگ

آسانی اور مشکل میں اطاعت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت گرمی اور تکلیف کے دور میں جنگ تبوک کی تیاری کرنے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ یہ سفر طویل اور انتہائی مشکل ہوگا۔ اس مہم میں کل 30,000 سپاہی اس کے ساتھ شامل ہوئے لیکن کچھ نے غفلت یا منافقت کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر تنقید کرتے ہوئے قرآن پاک کی بہت سی آیات نازل کیں، جیسے کہ باب 9 توبہ، آیت 38:

’’اے ایمان والو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین پر جم جاتے ہو؟ کیا تم آخرت کی بجائے دنیا کی زندگی سے مطمئن ہو؟ لیکن آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کا مزہ کیا ہے سوائے تھوڑے کے۔"

9:38، اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 1 اور امام واحدی کی، اصباب النزول، صفحہ 87 میں بحث کی گئی ہے۔

زندگی میں ایک مسلمان کو ہمیشہ یا تو آسانی کے وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا پھر مشکل کا۔ کوئی بھی شخص کچھ مشکلات کا سامنا کیے بغیر صرف آسانی کے اوقات کا تجربہ نہیں کرتا ہے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اگرچہ تعریف کے اعتبار سے مشکلات کا مقابلہ کرنا مشکل ہے وہ درحقیقت

اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت اور بندگی کو حاصل کرنے اور اس کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں لوگ زندگی کے اہم اسباق سیکھتے ہیں جب انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر جب وہ آسانی کے وقت کا سامنا کرتے ہیں۔ اور لوگ اکثر آسانی کے اوقات کے مقابلے مشکل کے وقت کا سامنا کرنے کے بعد بہتر کے لیے بدل جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے صرف اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت، اگر کوئی قرآن پاک کا مطالعہ کرے تو وہ سمجھے گا کہ زیر بحث واقعات کی اکثریت، جیسے کہ اس میں مشکلات شامل ہیں۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حقیقی عظمت ہمیشہ آسانی کے اوقات کا تجربہ کرنے میں مضمر نہیں ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے مشکلات کا سامنا کرنا، اس کے احکام کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا ہے۔ یہ اس حقیقت سے ثابت ہے کہ اسلامی تعلیمات میں جن بڑی مشکلوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کا خاتمہ ان لوگوں کے لیے حتمی کامیابی پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ لہٰذا ایک مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنے کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ صرف ان کے لیے چمکنے کے لمحات ہیں اور سچی اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں حتمی کامیابی کی کلید ہے۔

برکات کا استعمال

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت گرمی اور تکلیف کے دور میں جنگ تبوک کی تیاری کرنے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ یہ سفر طویل اور انتہائی مشکل ہوگا۔ اس مہم میں کل 30,000 سپاہی اس کے ساتھ شامل ہوئے لیکن کچھ نے غفلت یا منافقت کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر تنقید کرتے ہوئے قرآن پاک کی بہت سی آیات نازل کیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 1 میں بحث کی گئی ہے۔

بعض نے اپنی دنیاوی مصروفیات اور وسائل کی کمی کی وجہ سے اپنے آپ کو مہم میں شامل ہونے سے معذرت کرنے کی کوشش کی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے توبہ کی آیت نمبر 41 میں باب 9 نازل کیا۔

"نکلو ہلکے ہوں یا بھاری اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔''

اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 9:41، صفحہ 87 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ انسان کو اپنے وسائل کی کمی کی فکر نہیں کرنی چاہیے بلکہ اس کے پاس جو کچھ ہے اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

بدقسمتی سے، کچھ مسلمانوں نے ایک کمزور خصوصیت اختیار کر لی ہے جو انہیں بہتر کرنے میں صرف رکاوٹ ہے۔ یعنی وہ اپنے حالات اور حالات کا موازنہ دوسروں سے کرتے ہیں جو آسان حالات کا سامنا کر رہے ہیں اور اس کو بہانے کے طور پر استعمال کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ نہ کریں، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر ،کا صبر کے ساتھ سامنا کر کے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات۔ مثال کے طور پر ایک شخص جو کل وقتی کام کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنی کوشش کی کمی کا عذر کرتا ہے، اپنا موازنہ کسی ایسے شخص سے کرتا ہے جو پارٹ ٹائم کام کرتا ہے اور محض یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کرنا آسان ہے۔ کیونکہ ان کے پاس زیادہ فارغ وقت ہے۔ یا ایک غریب مسلمان زیادہ مال رکھنے والوں کو دیکھ کر اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مالدار ان سے زیادہ آسانی سے صدقہ دے سکتا ہے۔ وہ یہ سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں کہ یہ بہانے ان کی روح کو بہتر محسوس کر سکتے ہیں لیکن یہ ان کی دنیا یا آخرت میں مدد نہیں کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ لوگ دوسروں کے وسیلہ کے مطابق عمل کریں وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ لوگ اپنے اسباب کے مطابق اس کی اطاعت پر عمل کریں۔ مثال کے طور پر جو شخص کل وقتی کام کرتا ہے وہ اپنے پاس جو بھی فارغ وقت رکھتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے وقف کر سکتا ہے، خواہ وہ جز وقتی کام کرنے والے سے کم ہی کیوں نہ ہو۔ اس سلسلے میں پارٹ ٹائمر جو کچھ کرتا ہے اس کا کل وقتی کام کرنے والے پر کوئی اثر نہیں ہوتا اس لیے انہیں زیادہ محنت نہ کرنے کے بہانے کے طور پر استعمال کرنا محض ایک لنگڑا بہانہ ہے۔ غریب مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق صدقہ دے خواہ وہ مالدار سے کم ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا فیصلہ کرے گا اور دوسرے مسلمانوں کے اعمال کے مطابق ان کا فیصلہ نہیں کرے گا۔

مسلمانوں کو ان فضول عذروں کو ترک کر دینا چاہیے اور بس اپنے اپنے ذرائع کے مطابق اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے۔

غریب بہانے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ منافقین نے اس مشکل جنگ میں حصہ لینے سے باز رہنے کے لیے بہت سے لغو اور ناقص بہانے بنائے حالانکہ ان پر جواب دینا اور حصہ لینا واجب تھا۔ مثال کے طور پر، ایک شخص نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ اس میں شرکت سے معذرت کر لیں کیونکہ وہ ڈرتا تھا کہ وہ بازنطینی عورتوں کا مقابلہ نہ کر پائیں گے جن کا وہ سفر کے دوران سامنا کریں گے۔ چونکہ یہ آدمی واضح طور پر ایک ذمہ داری ہو گا نہ کہ مہم کا اثاثہ، اس لیے اسے شرکت کرنے سے معذرت کر دی گئی۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ 9 آیت 49 نازل فرمائی:

"اور ان میں سے وہ ہے جو کہتا ہے کہ مجھے]گھر میں رہنے کی [اجازت دو اور مجھے آزمائش میں نہ ڈالو۔ "بلاشبہ، وہ آزمائش میں گر گئے ہیں .اور یقیناً جہنم کافروں کو گھیرے گی۔''

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 2 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دنیاوی کاموں کے لیے کسی بھی فرض پر سمجھوتہ نہ کریں کیونکہ یہ چیزیں آخرکار ان کے لیے بوجھ بن جائیں گی اور اگر وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں تو آخرت میں ان کے لیے آخرت میں جو عذاب آنے والا ہے اسے چھوڑ دیں۔

کسی مسلمان کو یہ یقین کرنے میں دھوکہ نہیں دینا چاہئے کہ اگر وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں ناکام رہے تو وہ کسی نہ کسی طرح اللہ تعالیٰ کے عذاب اور عذاب سے نکلنے کا راستہ تلاش کر لیں گے۔ محض کسی کی نافرمانی اور قیامت کی حقیقت کو نظر انداز کرنے سے وہ دور نہیں ہوگا۔ جب کسی نے اسلام کو اپنے عقیدے کے طور پر قبول کیا اور مسلمان ہو گیا تو اس میں اسلام کے ساتھ فرائض کی ادائیگی کی ذمہ داری قبول کرنا بھی شامل ہے۔ ایک شخص جو تعریف کے مطابق ملازمت کو قبول کرتا ہے اس کے ساتھ آنے والے فرائض کو قبول کرتا ہے۔ اگر وہ محض اپنی ذمہ داریاں نبھانے سے انکار کرتے ہیں تو بلاشبہ انہیں برطرف کردیا جائے گا۔ اسی طرح جو شخص اسلام کو اپنا دین ماننے کے بعد اپنے فرائض کی ادائیگی سے انکار کرتا ہے وہ دونوں جہانوں میں عذاب اور مشکلات میں گھرا ہو سکتا ہے۔

درحقیقت واجبات بہت زیادہ نہیں ہیں اور اس میں زیادہ وقت یا محنت کی ضرورت نہیں ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واضح کر دیا ہے کہ وہ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

لہٰذا جو بھی فرض کسی شخص پر واجب ہو وہ ان کے ذریعے ادا کیا جا سکتا ہے۔ یہ صرف ان کی انتہائی سستی اور ناقص فیصلہ ہے جو انہیں ایسا کرنے سے روکتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنا رویہ بدلیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق اپنے فرائض کی ادائیگی کریں۔

دوسروں کو بیوقوف بنانا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ منافقین نے اس مشکل جنگ میں حصہ لینے سے باز رہنے کے لیے بہت سے لغو اور ناقص بہانے بنائے حالانکہ ان پر جواب دینا اور حصہ لینا واجب تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے دوسروں کو اس مہم میں شامل ہونے سے روک کر گمراہ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ 9 توبہ، آیات 81-82 نازل فرمائی:

"جو لوگ پیچھے رہ گئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد]گھر میں [رہنے پر خوش ہوئے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے کو ناپسند کرتے تھے اور کہا :گرمی میں نہ نکلو۔ "کہہ دو کہ "جہنم کی آگ گرمی میں زیادہ شدید ہے "- کاش وہ سمجھتے۔ پس وہ تھوڑا ہنسیں اور)پھر (زیادہ روئیں اس کے بدلے میں جو وہ کماتے تھے۔

اس پر سیرت ابن ہشام صفحہ 241-242 میں بحث ہوئی ہے۔

منافقت کا ایک حصہ یہ ہے کہ انسان نہ صرف خود برے کام کرتا ہے اور عمل صالح سے باز رہتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی ان کی طرح اسی کشتی میں سوار ہوں تاکہ انہیں اپنے برے کردار میں کچھ سکون ملے۔ وہ نہ صرف خود ڈوبتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایک شخص ہر دوسرے شخص کے لیے جوابدہ ہوگا جو ان کی دعوت کی وجہ سے گناہ کرتا ہے۔ اس شخص کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے گا جیسے اس نے گناہ کیا ہے اگرچہ اس نے صرف دوسروں کو اس کی طرف دعوت دی۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 203 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ اسی لیے بعض نے کہا ہے کہ مبارک ہے وہ شخص جس کی برائی ان کے ساتھ مر

جائے کیونکہ اگر دوسرے ان کی برائی کی نصیحت پر عمل کریں تو اس کے گناہ بڑھ جائیں گے، حالانکہ وہ زیادہ نہیں ہیں۔ زندہ

یہ واقعہ بری صحبت سے بھی خبردار کرتا ہے۔

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ سچی محبت کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتا ہے، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ اس لیے کہ اطاعت دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی اور سلامتی کا باعث بنتی ہے۔ جو شخص کسی شخص کے لیے حفاظت اور کامیابی کا خواہاں نہیں ہے وہ کبھی بھی ان سے حقیقی محبت نہیں کر سکتا چاہے وہ کیا دعویٰ کرے یا دوسرے شخص کے ساتھ کیسا سلوک کرے۔ جس طرح بندہ اس وقت خوش ہوتا ہے جب اس کے محبوب کو دنیاوی کامیابی ملتی ہے، جیسے نوکری کی، وہ بھی اپنے محبوب سے آخرت کی کامیابی کی تمنا کرے گا۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی حفاظت اور کامیابی کی پرواہ نہیں کرتا ہے خاص طور پر اگلے جہان میں تو وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔

ایک سچا عاشق اپنے محبوب کو دنیا یا آخرت میں مشکلات اور عذاب کا سامنا کرتے ہوئے جاننا اور دیکھنا برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتے۔ اگر کوئی شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کے بجائے کسی دوسرے کو اپنے ذاتی مفاد یا دوسروں کے مفاد کی طرف لے جائے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں رکھتے۔ یہ تمام رشتوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دوستی اور رشتہ دار۔

لہٰذا ایک مسلمان کو یہ اندازہ لگانا چاہیے کہ آیا اس کی زندگی میں وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو یہ ان کے لیے ان کی محبت کی واضح علامت ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں کرتے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

‘‘اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔’’

غداری کی سزا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ منافقین نے اس مشکل جنگ میں حصہ لینے سے باز رہنے کے لیے بہت سے لغو اور ناقص بہانے بنائے حالانکہ ان پر جواب دینا اور حصہ لینا واجب تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے دوسروں کو اس مہم میں شامل ہونے سے روک کر گمراہ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ 9 توبہ، آیات 81-82 نازل فرمائی:

"جو لوگ پیچھے رہ گئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد [گھر میں] رہنے پر خوش ہوئے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے کو ناپسند کرتے تھے اور کہا: گرمی میں نہ نکلو۔ "کہہ دو کہ "جہنم کی آگ گرمی میں زیادہ شدید ہے "- کاش وہ سمجھتے۔ پس وہ تھوڑا ہنسیں اور (پھر) زیادہ روئیں اس کے بدلے میں جو وہ کماتے تھے۔

اس پر سیرت ابن ہشام صفحہ 241-242 میں بحث ہوئی ہے۔

منافقین نے ایک غیر مسلم سویلم کے گھر ایک جلسہ منعقد کیا تاکہ لوگوں کو غزوہ تبوک میں حصہ لینے سے ان کے فرض سے باز رکھا جا سکے۔ جب ان کی غداری کا واقعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاضرین کے بارے میں تحقیق کرنے اور انہیں پھانسی پر چڑھانے کے بجائے تمام منافقین کو پیغام دینے کا انتخاب کیا اور اسی لیے سویلم کے گھر کو جلانے کے لیے کسی کو روانہ کیا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1822-1823 میں بحث کی گئی ہے۔

اگر کوئی شخص دوسروں کی بھلائی میں مدد نہیں کر سکتا تو کم از کم وہ غیر جانبدار رہنا ہے۔

مسلمان اکثر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ چونکہ وہ اپنی دنیاوی سرگرمیوں میں بہت مصروف ہیں، انہیں رضاکارانہ نیک اعمال کرنے میں مشکل پیش آتی ہے، خاص طور پر وہ کام جو لوگوں سے متعلق ہیں، جیسے کسی کی جسمانی مدد کرنا۔ اگرچہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ رضاکارانہ عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جس سے ان کو دونوں جہانوں میں فائدہ پہنچے گا جبکہ ان کی دنیاوی سرگرمیاں انہیں اس دنیا میں ہی فائدہ پہنچائیں گی، کم از کم ان مسلمانوں کو غیر جانبدارانہ ذہنیت اختیار کرنی چاہئے۔ دوسرے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان دوسروں کی مدد نہیں کرسکتا تو اسے ان کے حلال اور اچھے کاموں میں رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہیے۔ اگر وہ دوسروں کو خوش نہیں کر سکتے تو انہیں غمگین نہ کریں۔ اگر وہ دوسروں کو نہیں ہنسا سکتے تو انہیں رونا نہیں چاہیے۔ اس کا اطلاق بے شمار منظرناموں پر کیا جا سکتا ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ بہت سے مسلمان دوسروں کے ساتھ بھلائی کر سکتے ہیں، جیسے کہ انہیں جذباتی مدد فراہم کرتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ لوگوں کی طرف منفی رویہ اختیار کر کے اپنے اچھے اعمال کو تباہ کر دیتے ہیں۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اگر کوئی مسلمان دوسروں کے بارے میں حد سے زیادہ منفی رویہ اختیار کرتا ہے تو یہ اسے قیامت کے دن جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ غیر جانبدارانہ ذہنیت کا ہونا دراصل ایک نیک عمل ہے جب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا جائے۔ صحیح مسلم نمبر 250 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا بہتر ہے جو کہ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث کے مطابق ایک سچے مومن کی علامت ہے۔ غیر جانبدار طریقہ .جیسا کہ دوسروں کے ساتھ منفی سلوک کرنا کسی کی تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔

مفید دولت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے مہم کے لیے چندہ دینے کی تاکید کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی طاقت کے مطابق ان کی مدد کی اور عثمان بن میں موجود حدیث ذرا بھی پیچھے نہ ہٹے۔ مثال کے طور پر جامع ترمذی نمبر 3701 سونے کے سکے 1000 اس سے خوش ہو کر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کرتی ہے۔ عفان اور رحمت ہو اس پر، جس نے ۔ عطیہ کئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں ان کو انڈیل دیا کہ اس کے بعد سے کوئی چیز اس کے ایمان کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اس پر امام تبصرہ کیا ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 3 میں بحث کی گئی ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا مال صدقہ کر دیا۔ جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال خیرات کر دیا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں نے ان کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3675 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

عبد الرحمن رضی اللہ عنہ نے چاندی کے چار ہزار سکے عطیہ کئے۔ منافقوں نے اس پر دکھاوے کا الزام لگایا اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کی آیت 79 میں باب 9 نازل کیا۔

"جو لوگ مومنین میں سے صدقات میں حصہ ڈالنے والوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور جو لوگ اپنی کوشش کے سوا کچھ نہیں پاتے تو وہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ ان کا مذاق اڑائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 192 اور امام واحدی کی، اصباب النزول، 9:79، صفحہ 91 میں بحث ہوئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6444 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ دنیا میں جو امیر ہیں وہ آخرت میں غریب ہی رہیں گے جب تک کہ وہ اپنا مال صحیح طریقے سے خرچ نہ کریں لیکن یہ لوگ تعداد میں تھوڑے ہیں۔ .

اس کا مطلب یہ ہے کہ دولت مندوں کی اکثریت غلط طریقے سے اپنا مال ان چیزوں پر خرچ کرتے ہیں جو یا تو فضول ہیں اور اس وجہ سے انہیں آخرت میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا یا وہ ایسے گناہوں پر خرچ کرتے ہیں جو ان کے لیے دونوں جہانوں میں بوجھ بن جائیں یا وہ خرچ کرتے ہیں۔ حلال چیزوں پر اس طرح سے جس کو اسلام ناپسند کرتا ہے جیسے فضول خرچی یا اسراف۔ ان وجوہات کی بنا پر قیامت کے دن امیر غریب ہو جائیں گے کیونکہ ان کا حساب ہوگا اور ان پر سزا بھی دی جائے گی۔

اس کے علاوہ جو لوگ اپنا مال صحیح طریقے سے خرچ نہیں کر پاتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کا مال انہیں ان کی قبر پر چھوڑ دیتا ہے اور وہ آخرت کو خالی ہاتھ مفلس کی طرح پہنچ جائیں گے۔ جامع ترمذی نمبر 2379 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ میت دوسروں کے لیے مال چھوڑے گا جب تک کہ وہ اس کے لیے جوابدہ ہوں۔

آخر کار، جیسا کہ دولت مند اپنی دولت کمانے، ذخیرہ اندوزی کرنے، محفوظ کرنے اور بڑھانے میں مشغول ہوتے ہیں، یہ انہیں اعمال صالحہ سے غافل کر دیتے ہیں جو کہ قیامت کے دن کسی کو امیر بنا دے گی۔ درحقیقت، اس سے محروم ہونے سے وہ غریب ہو جائیں گے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ دولت کو صحیح طریقے سے خرچ کرنا نہ صرف صدقہ کرنا ہے بلکہ اس میں فضول خرچی یا اسراف کے بغیر ان کی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پر خرچ کرنا بھی شامل ہے۔

حقیقی امیر وہ ہے جو اپنی دولت کا صحیح استعمال کرے جیسا کہ اسلام نے بتایا ہے۔ یہ شخص دنیا اور آخرت میں امیر ہوگا۔ اور یہ رویہ زیادہ دولت رکھنے پر منحصر نہیں ہے۔ دولت کا جتنی بھی مقدار صحیح طریقے سے استعمال کی جائے وہ امیر بننے کا سبب بنے گی چاہے اس کے پاس بہت کم دولت ہو۔ درحقیقت یہ شخص اپنی دولت اپنے ساتھ آخرت تک لے جاتا ہے اور یہ رویہ انہیں فارغ وقت فراہم کرتا ہے جس سے وہ نیک اعمال انجام دیتا ہے جس سے آخرت میں ان کی دولت میں اضافہ ہوتا ہے۔

معیار کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے مہم کے لیے چندہ دینے کی تاکید کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی طاقت کے مطابق ان کی مدد کی اور ذرا بھی پیچھے نہ ہٹے۔

ابو عقیل رضی اللہ عنہ نے ساری رات کام میں گزاری اور اس کے نتیجے میں مٹھی بھر کھجوریں اس مہم کے لیے عطیہ کیں۔ منافقین نے اس کے عطیہ کا مذاق اڑایا اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے توبہ میں باب 9، آیت 79 نازل کی۔

"جو لوگ مومنین میں سے صدقات میں حصہ ڈالنے والوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور جو لوگ اپنی کوشش کے سوا کچھ نہیں پاتے تو وہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ ان کا مذاق اڑائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

اس پر امام محمد کاندھلوی کی، حیات صحابہ، جلد 2، صفحہ 191-192 اور امام واحدی کی، اصباب النزول، 9:79، صفحہ 91 میں بحث کی گئی ہے۔

یہاں تک کہ خواتین نے بھی اس مہم کے لیے جتنا وہ کر سکتے تھے عطیہ کیا، جیسے کہ اپنے زیورات۔ اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب مہربند نیکٹر صفحہ 426 میں بحث ہوئی ہے۔

یہ واقعہ مقدار سے زیادہ معیار کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 1417 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مسلمان کو جہنم سے بچنا چاہیے خواہ نصف کھجور صدقہ کر کے۔

یہ حدیث اسلام کی بہت سی دوسری تعلیمات کی طرح مقدار پر معیار کی اہمیت کی نشاندہی کرتی ہے۔ شیطان اکثر مسلمانوں کو اعمال صالحہ کرنے سے روکتا ہے اور ان کو یہ یقین دلاتا ہے کہ عمل بہت چھوٹا ہے اور اس لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیر ہے۔ ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس جال میں نہ پھنسے اور اس کے بجائے تمام نیک کاموں کو انجام دینے کی کوشش کرے، چھوٹے یا بڑے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بلا شبہ کسی کے معیار کو دیکھتا ہے اور اسی کی بنیاد پر لوگوں کا فیصلہ کرتا ہے۔ اس خوبی کا ایک پہلو اس کا ارادہ ہے کہ کیا وہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کر رہے ہیں یا کسی اور وجہ سے مثلاً دکھاوے کے لیے؟ ایک مسلمان کو سب سے پہلے اپنے عمل کے معیار کو درست کرنے پر توجہ دینی چاہیے جیسے کہ اچھی نیت رکھنا اور اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ نیک عمل کا ذریعہ، جیسے صدقہ دینا، حلال ذریعہ سے ہو کیونکہ کوئی بھی ایسا عمل جس کی بنیاد حرام پر ہو۔ قبول کیا جائے .جامع ترمذی نمبر 661 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اس کے بعد ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے اسباب اور طاقت کے مطابق تمام نفلی اعمال بجا لائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 6465 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اعمال وہ ہیں چاہے وہ چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں۔

اس کے علاوہ، باقاعدگی سے اچھے کام کرنے سے ایک مسلمان کو بلیو مون میں ایک بار بڑا کام کرنے سے بہتر کرنے کا زیادہ امکان ہے۔ رضاکارانہ صدقہ کے سلسلے میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق باقاعدگی سے صدقہ دے خواہ وہ ایک پاؤنڈ ہی کیوں نہ ہو اور اس پر پختہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ثواب کے پہاڑ میں بدل دے گا۔ درحقیقت اس کا وعدہ جامع ترمذی نمبر 662 میں موجود حدیث میں کیا گیا ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، ایک مسلمان کو مقدار سے زیادہ معیار پر توجہ دینی چاہیے اور اپنے وسائل کے مطابق اعمال کو باقاعدگی سے انجام دینا چاہیے۔

حقیقی اخلاص

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ کچھ زیادہ غریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس اس طویل اور دشوار گزار مہم میں حصہ لینے کے لیے وسائل نہیں تھے اور بعض صورتوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وسائل نہیں تھے۔ انہیں بھی دو .حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کو معاف کر دیا تھا لیکن وہ اس قدر غمگین تھے کہ وہ اس مہم میں شریک نہ ہونے پر روتے تھے۔ باب 9 توبہ آیت 92:

اور نہ ہی ان لوگوں پر الزام ہے جو جب وہ آپ کے پاس آپ کو لے جانے کے لیے آئے تو آپ" نے کہا، "مجھے آپ کو لے جانے کے لیے کچھ نہیں ملا۔ "وہ پلٹ گئے جب کہ ان کی آنکھیں اس غم سے آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں کہ ان کے پاس خرچ کرنے کے لیے کچھ نہ تھا۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 5 میں بحث کی گئی ہے۔

ان کا غم اور رونا صرف اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص کی وجہ سے تھا۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف سے دیے گئے تمام فرائض کو احکام و ممنوعات کی صورت میں ادا کرنا، صرف اس کی رضا کے لیے۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ سب ان کی نیت سے پرکھیں گے۔ پس اگر کوئی نیک عمل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص نہ ہو تو اسے نہ دنیا میں اجر ملے گا اور نہ آخرت میں۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جن لوگوں نے گستاخیاں کیں ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اجر طلب کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ باب 98 البیینہ، آیت 5۔

اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لیے خالص "ہو کر۔"

اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ اخلاص کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ صدق دل سے توبہ کریں اور ان سب کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر کبھی بھی ایسے فرائض کا بوجھ نہیں ڈالتا جو وہ انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی نبھا سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286۔

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

کے لیے مخلص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی اور دوسروں کی خوشنودی پر اس کی رضا کو پسند کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ ان اعمال کو ترجیح دینی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ دوسروں سے محبت کرے اور اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسند کرے نہ کہ اپنی خواہشات کے لیے۔ جب وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں یا گناہوں میں حصہ لینے سے انکار کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔ جس نے اس ذہنیت کو

اپنایا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخلاص میں آپ کی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

ہدایت کا انعام

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ کچھ زیادہ غریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس اس طویل اور دشوار گزار مہم میں حصہ لینے کے لیے وسائل نہیں تھے اور بعض صورتوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وسائل نہیں تھے۔ انہیں بھی دو .حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کو معاف کر دیا تھا لیکن وہ اس قدر غمگین تھے کہ وہ اس مہم میں شریک نہ ہونے پر روتے تھے۔ باب 9 توبہ آیت 92:

اور نہ ہی ان لوگوں پر الزام ہے جو جب وہ آپ کے پاس آپ کو لے جانے کے لیے آئے تو آپ" نے کہا، "مجھے آپ کو لے جانے کے لیے کچھ نہیں ملا۔ "وہ پلٹ گئے جب کہ ان کی آنکھیں اس غم سے آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں کہ ان کے پاس خرچ کرنے کے لیے کچھ نہ تھا۔

ان میں سے دو غریب صحابہ رضی اللہ عنہ کو ایک اور ابن یامین رضی اللہ عنہ نے روتے ہوئے دیکھا۔ ابن یامین رضی اللہ عنہ نے پھر انہیں اپنا اونٹ دیا اور کچھ کھجوریں فراہم کیں تاکہ وہ اس مہم میں شامل ہو سکیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 5 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ دوسروں کو نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والے کو ان کی نصیحت پر عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کو گناہوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں ان سے ایسا حساب لیا جائے گا جیسے انہوں نے گناہ کیے ہوں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ دوسروں کو نصیحت اور رہنمائی کرتے وقت احتیاط برتیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نیکی کے کاموں میں صرف اس لیے نصیحت کرے کہ وہ اس سے ثواب حاصل کریں اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نصیحت کرنے سے گریز کریں۔ ایک شخص قیامت کے دن محض یہ دعویٰ کر کے عذاب سے نہیں بچ سکے گا کہ وہ صرف دوسروں کو گناہوں کی طرف دعوت دے رہا ہے چاہے اس نے خود گناہ کیوں نہ کیے ہوں۔ اللہ تعالیٰ رہنما اور پیروکار دونوں کو ان کے اعمال کے لیے جوابدہ ٹھہرائے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کو دوسروں کو صرف وہی کام کرنے کی تلقین کرنی چاہیے جو وہ خود کریں گے۔ اگر وہ اپنے نامہ اعمال میں کسی عمل کو ناپسند کرتے ہیں تو انہیں دوسروں کو اس عمل کی تلقین نہیں کرنی چاہیے۔

اس اسلامی اصول کی وجہ سے مسلمانوں کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے مناسب علم حاصل کریں کیونکہ اگر وہ دوسروں کو غلط نصیحت کرتے ہیں تو وہ آسانی سے اپنے گناہوں کو بڑھا سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ، یہ اصول مسلمانوں کے لیے ان کاموں کا اجر حاصل کرنے کا ایک انتہائی آسان طریقہ ہے جو وہ خود اسباب کی کمی کی وجہ سے انجام نہیں دے سکتے، جیسے کہ دولت۔ مثال کے طور پر، ایک شخص جو مالی طور پر صدقہ دینے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے وہ دوسروں کو ایسا کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ صدقہ کرنے والے کے برابر ثواب حاصل کرے گا۔

نیت میں خالص

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ کچھ زیادہ غریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس اس طویل اور دشوار گزار مہم میں حصہ لینے کے لیے وسائل نہیں تھے اور بعض صورتوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وسائل نہیں تھے۔ انہیں بھی دو .حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کو معاف کر دیا تھا لیکن وہ اس قدر غمگین تھے کہ وہ اس مہم میں شریک نہ ہونے پر روتے تھے۔ باب 9 توبہ آیت 92:

"اور نہ ہی ان لوگوں پر الزام ہے جو جب وہ آپ کے پاس آپ کو لے جانے کے لیے آئے تو آپ نے کہا، "مجھے آپ کو لے جانے کے لیے کچھ نہیں ملا۔ "وہ پلٹ گئے جب کہ ان کی آنکھیں اس غم سے آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں کہ ان کے پاس خرچ کرنے کے لیے کچھ نہ تھا۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 5 میں بحث کی گئی ہے۔

واثلہ بن اقصی رضی اللہ عنہ ان غریب آدمیوں میں سے ایک تھے جنہوں نے مال غنیمت میں سے اپنا حصہ کسی ایسے شخص کو پیش کیا جو اس کی فوج میں شامل ہونے میں مدد کرنا چاہتا تھا۔ ایک پرانے صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنے سواری کا جانور اور کھانا ان کے ساتھ بانٹنے کی پیشکش کی تاکہ وہ اس مہم میں شامل ہو سکیں۔ بعد کی ایک مہم میں واثلہ رضی اللہ عنہ نے غنیمت کا کچھ سامان حاصل کیا اور اسے پرانے صحابی رضی اللہ عنہ کو پیش کیا، جس نے اسے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں صرف اللہ سے اجر چاہتا ہوں، سربلند اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1818-1819 میں بحث کی گئی ہے۔

اس سے اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص ہونے کی اہمیت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جو لوگ اللہ کی خوشنودی کے بجائے دکھاوے جیسے کام لوگوں کی خاطر کرتے ہیں۔ ، عالی مقام کو کہا جائے گا کہ قیامت کے دن ان لوگوں سے ان کا اجر حاصل کریں جن کے لئے انہوں نے عمل کیا جو حقیقت میں ممکن نہیں ہے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تمام اعمال کی بنیاد حتیٰ کہ اسلام خود انسان کی نیت ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس پر اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ صحیح بخاری نمبر 1 کی حدیث کے مطابق کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام دینی اور مفید دنیوی اعمال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دے، تاکہ وہ اس سے دونوں جہانوں میں اجر حاصل کرو۔ اس صحیح ذہنیت کی علامت یہ ہے کہ یہ شخص نہ تو یہ توقع رکھتا ہے اور نہ ہی چاہتا ہے کہ لوگ ان کے اعمال کی تعریف کریں یا ان کا شکریہ ادا کریں۔ اگر کوئی یہ چاہتا ہے تو یہ اس کی غلط نیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

اس کے علاوہ، صحیح نیت کے ساتھ عمل کرنا اداسی اور تلخی کو روکتا ہے کیونکہ جو شخص لوگوں کی خاطر کام کرتا ہے وہ آخرکار ناشکرے لوگوں کا سامنا کرے گا جو انہیں ناراض اور تلخ کر دیں گے کیونکہ انہیں لگتا ہے کہ انہوں نے اپنی محنت اور وقت ضائع کیا ہے۔ بدقسمتی سے، والدین اور رشتہ داروں میں یہ دیکھا جاتا ہے کیونکہ وہ اکثر اللہ تعالی کی رضا کے بجائے ان کی خاطر اپنے بچوں اور رشتہ داروں کے بارے میں اپنے فرائض ادا کرتے ہیں۔ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتا ہے، وہ دوسروں کے لیے اپنے تمام فرائض کو پورا کرے گا جیسے کہ ان کے بچے اور جب وہ ان کا شکر ادا کرنے میں ناکام ہوں گے تو وہ کبھی تلخ یا ناراض نہیں ہوں گے۔ یہ رویہ ذہنی سکون اور عمومی خوشی کا باعث بنتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے نیک عمل سے پوری طرح واقف ہے اور انہیں اس کا اجر دے گا۔ تمام مسلمانوں کو یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے ورنہ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔

بہت باتیں چھوٹی ایکشن

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے روانہ ہوئے اور ثنیات الوداع میں کیمپ لگایا۔ منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی اور اس کے پیروکار مسلمانوں کی فوج کے ساتھ تھے لیکن مرکزی کیمپ سے دور کیمپ لگا دیا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوبارہ روانہ ہوئے تو عبداللہ بن ابی چوری چھپے منافقین کے ساتھ رہ گئے اور ان کے وعدے کے مطابق اس مہم میں شامل نہ ہوئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 7 میں بحث کی گئی ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات مثلاً باب 9 توبہ آیت 47:

اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے تو تم میں انتشار کے سوا کوئی اضافہ نہ کرتے اور وہ تمہارے درمیان" فتنہ)یعنی انتشار اور انتشار (کی تلاش میں سرگرداں رہتے۔ اور تم میں سے ان کو سننے والے بھی ہیں۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔"

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 9:42-47، صفحہ 87-88 میں بحث کی گئی ہے۔

منافقت کا ایک پہلو یہ ہے کہ جب کوئی زبانی طور پر دوسروں اور ان کے اچھے منصوبوں جیسے کہ مسجد کی تعمیر کے لیے حمایت کا اظہار کرتا ہے لیکن جب اس منصوبے میں حصہ لینے کا وقت آتا ہے، جیسے کہ دولت عطیہ کرنا، وہ غائب دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح، جب لوگ اچھے

وقت کا سامنا کر رہے ہوتے ہیں تو وہ زبانی طور پر ان کی حمایت کرتے ہیں اور دوسروں کو ان کی وفاداری کی یاد دلاتے ہیں۔ لیکن جس وقت عوام کو مشکلات کا سامنا ہوتا ہے یہ منافق کوئی جذباتی یا جسمانی سہارا نہیں دیتے۔ اس کے بجائے وہ ان پر تنقید کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافقین کا یہی رویہ تھا۔ باب 4 النساء آیت 62:

’’تو کیسا ہو گا جب ان کے ہاتھوں کے آگے بڑھنے کی وجہ سے ان پر کوئی آفت آجائے اور پھر وہ اللہ کی قسم کھا کر آپ کے پاس آئیں کہ ہم نے حسن سلوک اور رہائش کے سوا کچھ نہیں چاہا۔‘‘

پریشانی پیدا کرنے والے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنے گھر والوں کی دیکھ بھال کے لیے پیچھے چھوڑ دیا۔ منافقین نے ان کے پیچھے رہنے کی وجہ سے جھوٹ پھیلایا اور دعویٰ کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو پیچھے چھوڑ دیا ہے، جیسا کہ وہ ان کو ناپسند کرتے تھے۔ علی رضی اللہ عنہ اس سے پریشان ہوئے اور پھر مدینہ چھوڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور آپ سے اس مسئلہ پر گفتگو کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تسلی دی اور اپنے خاندان کی دیکھ بھال کے لیے مدینہ واپس آنے کو کہا۔ اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ علی رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ اسی طرح تھے جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام کو ان کے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معزول کیا تھا۔ واضح فرق یہ تھا کہ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہو گا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 7-8 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 290 کی حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ بدگمانی پھیلانے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

یہ وہ ہے جو گپ شپ پھیلاتا ہے چاہے یہ سچ ہو یا نہیں اور اس سے لوگوں کے درمیان مسائل، ٹوٹے ہوئے اور ٹوٹے ہوئے رشتے ہوتے ہیں۔ یہ ایک خبیث خصلت ہے اور جو لوگ اس طرح کا سلوک کرتے ہیں وہ درحقیقت انسان کے شیطان ہیں کیونکہ یہ ذہنیت شیطان کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہے کیونکہ وہ ہمیشہ لوگوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایسے شخص پر لعنت فرمائی ہے۔ باب 104 الحمزہ، آیت 1:

"ہر طعنہ زنی کرنے والے اور ٹھٹھا کرنے والے کے لیے تباہی ہے۔"

اگر یہ لعنت ان کو گھیرے ہوئے ہے تو اللہ تعالیٰ سے ان کے مسائل حل کرنے اور انہیں نعمتوں سے نوازنے کی امید کیسے کی جا سکتی ہے؟ صرف وہی وقت قابل قبول ہے جب کوئی دوسروں کو خطرے سے خبردار کر رہا ہو۔

ایک مسلمان پر فرض ہے کہ وہ کسی کہانی سنانے والے کی طرف توجہ نہ کرے کیونکہ وہ بدکار لوگ ہیں جن پر بھروسہ یا یقین نہیں کیا جانا چاہیے۔ باب 49 الحجرات، آیت 6:

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لو، ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو جہالت کی وجہ سے نقصان پہنچا دو۔‘‘

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ کہانی سنانے والے کو اس بری صفت کو جاری رکھنے سے روکے اور انہیں سچے دل سے توبہ کرنے کی تلقین کرے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں حکم دیا گیا ہے کہ ایک مسلمان کو اس شخص کے خلاف کوئی بری خواہش نہیں رکھنی چاہئے جس نے ان کے بارے میں کوئی بری بات کہی ہو۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت زیادہ گمان سے بچو۔ بے شک کچھ گمان گناہ ہوتا ہے..."

یہی آیت مسلمانوں کو سکھاتی ہے کہ وہ دوسروں کی جاسوسی کر کے کہانی کے علمبردار کو ثابت یا غلط ثابت کرنے کی کوشش نہ کریں۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

‘‘...اور جاسوسی نہ کرو’’

بجائے اس کے کہ کہانی بیان کرنے والے کو نظر انداز کر دیا جائے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ کہانی سنانے والے کی طرف سے دی گئی معلومات کا کسی دوسرے شخص سے ذکر نہ کرے اور نہ ہی کہانی سنانے والے کا ذکر کرے کیونکہ اس سے وہ بھی کہانی سنانے والا بن جائے گا۔

مسلمانوں کو قصہ گوئی اور افسانہ نگاروں کی صحبت سے بچنا چاہیے کیونکہ وہ اس وقت تک بھروسہ یا صحبت کے لائق نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔

ایمان کا مذاق اڑانا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ سفر کے دوران ایک منافق نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تنقید کی اور شام کو فتح کرنے کے اسلام کے دعوے کا مذاق اڑایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی اور جب اس منافق سے سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ یہ تو صرف فضول باتیں اور مذاق میں مشغول ہیں۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کی آیت نمبر 9، آیات 65-66 نازل فرمائی:

اور اگر تم ان سے پوچھو تو وہ ضرور کہیں گے کہ ہم تو صرف باتیں اور کھیل رہے تھے۔ کہو کیا اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کا تم مذاق اڑاتے تھے؟ کوئی عذر نہ کریں؛ تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا۔ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف کر دیں تو دوسرے گروہ کو سزا دیں گے کیونکہ وہ مجرم تھے۔

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 9:65، صفحہ 89 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر ان آیات میں بیان کردہ نتائج کا سامنا اس وقت ہو سکتا ہے جب وہ خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں ناکام رہتے ہیں۔

حالانکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت لامحدود ہے اور تمام گناہوں کو مٹا سکتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی لامحدود رحمت سے امید ترک کرنے کو باب 12 یوسف آیت 87 میں کفر سے تعبیر کیا گیا ہے:

بے شک اللہ کی راحت سے کافروں کے سوا کوئی مایوس نہیں ہوتا''۔

اس کے باوجود مسلمانوں کے لیے ایک حقیقت کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ یعنی کسی مسلمان کو اپنے ایمان کے ساتھ اس دنیا سے جانے کی ضمانت نہیں دی گئی ہے، ایک مسلمان کو غیر مسلم کی حیثیت سے موت کا خطرہ ہے۔ یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ شخص آخرت میں کہاں رہے گا۔ یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب کوئی مسلمان گناہوں پر قائم رہے، خاص طور پر کبیرہ گناہوں، جیسے شراب پینا اور اپنی فرض نمازیں ادا کرنے میں ناکام رہنا اور اپنے گناہوں سے سچی توبہ کیے بغیر اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے تمام گناہوں سے سچے دل سے توبہ کریں اور اپنے تمام واجبات کو ادا کرنے کی کوشش کریں کیونکہ یہ ایک ایسا کام ہے جسے وہ بلا شبہ پورا کر سکتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

انہیں یہ یقین کرنے میں دھوکہ نہیں دیا جانا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں حقیقی امید کے طور پر، اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے، اعمال کے ذریعے مدد ملتی ہے۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ ایسا نہ کرنا اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کی امید رکھنا، اس کی رحمت سے امید نہیں، یہ محض خواہش مندانہ سوچ ہے جس کا کوئی وزن یا اہمیت نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر اس کی تنبیہ فرمائی ہے۔

کمال کی کوئی طلب نہیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سستی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے۔ ان میں سے ایک ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ تھے۔ فوج کے جانے کے کئی دن بعد، وہ گھر واپس آیا اور اس کے لیے ٹھنڈے مشروبات اور کھانا تیار کیا۔ اس نے اپنے آپ کو اس مشکل کو یاد کرتے ہوئے ملامت کی جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مہم میں گھر پر آرام فرما رہے تھے۔ اس نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی روانگی کی تیاری کریں اور جلد بازی میں اس مہم میں شامل ہو گئے جس نے تبوک میں کیمپ لگا رکھا تھا۔ جب ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف سے دعا کی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 8-9 میں بحث کی گئی ہے۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہٰذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ صبر کے ساتھ کرنا چاہیے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات اور اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کرنا۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

"...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو"

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے)معمولی (گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، خواہ وہ اس پر عمل کریں۔ یہ مکمل طور پر کرنے کے قابل نہیں ہے .لہٰذا، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو جو صلاحیت عطا کی گئی ہے اسے پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

اسلام میں فضیلت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت گرمی اور تکلیف کے دور میں جنگ تبوک کی تیاری کرنے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ یہ سفر طویل اور انتہائی مشکل ہوگا۔ اس مہم میں کل 30,000 سپاہی اس کے ساتھ شامل ہوئے لیکن کچھ نے غفلت یا منافقت کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئے۔ مہم کے دوران جب بھی کوئی لشکر سے پیچھے ہو جاتا تو لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی اطلاع دیتے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخبر سے کہہ دیتے کہ غائب شخص کو اکیلا چھوڑ دو اور اگر ان میں بھلائی ہوتی تو اللہ تعالیٰ انہیں فوج میں شامل ہونے کی ترغیب دیتا ورنہ فوج کو فارغ کر دیا جاتا۔ وہ شخص اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 9 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک اپنے اسلام کو بہترین نہیں بنا سکتا جب تک کہ وہ ان چیزوں سے اجتناب نہ کرے جن سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

اس حدیث میں ایک ہمہ گیر نصیحت ہے جس کا اطلاق زندگی کے ہر پہلو پر ہونا چاہیے۔ اس میں ایک شخص کی تقریر کے ساتھ ساتھ ان کے دیگر جسمانی اعمال بھی شامل ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مسلمان اپنے ایمان کو کامل کرنا چاہتا ہے اسے ایسی باتوں سے اجتناب کرنا چاہیے، قول و فعل کے ذریعے، جن سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اس کے بجائے وہ خود کو ان کاموں میں مشغول رکھیں جو کرتے ہیں۔ انسان کو ان باتوں کو بہت سنجیدگی سے لینا چاہیے جو ان کے ساتھ ہیں اور ان ذمہ داریوں کو نبھانے کی کوشش کریں جو اسلام کی تعلیمات کے مطابق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہیں۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی سوچ یا خواہشات کے مطابق چیزوں سے گریز کرے تو وہ اپنا ایمان مکمل نہیں کر سکے گا۔ لیکن جو اپنا ایمان کامل کرتا ہے وہ ان چیزوں سے اجتناب کرتا ہے جن سے بچنے کی اسلام نے نصیحت کی ہے۔ یعنی اپنے تمام فرائض کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، تمام گناہوں اور اسلام میں

ناپسندیدہ چیزوں سے بچنا چاہیے اور غیر ضروری حلال چیزوں کے زیادہ استعمال سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ اس فضیلت کو حاصل کرنا ایمان کی فضیلت کی ایک خصوصیت ہے جس کا ذکر صحیح مسلم نمبر 99 کی حدیث میں ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرتا ہے کہ گویا وہ اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے یا وہ کم از کم اللہ سے پوری طرح واقف ہو جاتا ہے۔ ان کے ہر خیال اور عمل کا مشاہدہ کرنے والا۔ اس الٰہی نگرانی سے آگاہ ہونا ایک مسلمان کو ہمیشہ گناہوں سے پرہیز کرنے اور اعمال صالحہ کی طرف جلدی کرنے کی ترغیب دے گا۔ جو ان چیزوں سے پرہیز نہیں کرتا جن سے کوئی سروکار نہیں وہ اس درجہ فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا۔

ان چیزوں سے اجتناب کرنے کا ایک بڑا پہلو جن سے انسان کو کوئی سروکار نہیں ہوتا اس کا تعلق تقریر سے ہے۔ گناہوں کی کثرت اس وقت ہوتی ہے جب انسان ایسے الفاظ کہے جن سے کوئی تعلق نہ ہو، جیسے غیبت اور غیبت۔ فضول گفتگو کی تعریف یہ ہے کہ جب کوئی شخص ایسے الفاظ کہے جو گناہ کے تو نہ ہوں لیکن بیکار ہوں اور اس لیے ان کی فکر نہ ہو۔ جیسا کہ صحیح بخاری ،نمبر 2408 میں موجود حدیث سے ثابت ہے کہ لغو بات اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ لاتعداد دلائل لڑائیاں اور یہاں تک کہ جسمانی نقصان بھی صرف اس لیے ہوا ہے کہ کسی نے ایسی بات کی جس سے انہیں کوئی سروکار نہ ہو۔ کئی خاندان تقسیم ہو چکے ہیں۔ بہت سی شادیاں ختم ہو چکی ہیں کیونکہ کسی کو ان کے کاروبار پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مفید کلام کی مختلف اقسام کی نصیحت فرمائی ہے جس سے لوگوں کو فکر مند ہونا چاہیے۔ باب 4 النساء، آیت 114:

ان کی زیادہ تر نجی گفتگو میں کوئی بھلائی نہیں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو صدقہ کرنے کا" حکم دیتے ہیں یا جو حق ہے یا لوگوں کے درمیان صلح کرواتے ہیں۔ اور جس نے یہ کام اللہ کی رضامندی کے لیے کیا تو ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔

درحقیقت ایسے الفاظ کا بولنا جو انسان کے لیے فکرمند نہ ہوں، لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی بنیادی وجہ ہو گی۔ جامع ترمذی نمبر 2616 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2412 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی کہ تمام تقریریں شمار ہوں گی۔ کسی شخص کے خلاف جب تک کہ اس کا تعلق نیکی کی نصیحت، برائی سے منع کرنے یا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نہ ہو۔ اس کا

مطلب یہ ہے کہ تقریر کی دیگر تمام شکلیں کسی شخص کی فکر نہیں ہیں کیونکہ ان سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اچھی نصیحت کرنا ہر اس چیز کو شامل کرتا ہے جو کسی کی دنیاوی اور مذہبی زندگی میں فائدہ مند ہو، جیسے کہ وہ پیشہ۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے قول و فعل کے ذریعے ان باتوں سے بچنے کی کوشش کریں جن سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے تاکہ وہ اپنے ایمان کو مکمل کر سکیں۔ سیدھے الفاظ میں، جو شخص ان چیزوں کے لیے وقت لگاتا ہے جن سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، وہ ان چیزوں میں ناکام ہو جاتا ہے جو ان سے متعلق ہیں۔ اور جو اپنے آپ کو ان چیزوں میں مشغول رکھتا ہے جو ان سے متعلق ہیں وہ ان چیزوں پر خرچ کرنے کے لئے وقت نہیں پائے گا جو ان سے متعلق نہیں ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کریں گے۔

ایک اجنبی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت گرمی اور تکلیف کے دور میں جنگ تبوک کی تیاری کرنے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ یہ سفر طویل اور انتہائی مشکل ہوگا۔ اس مہم میں کل 30,000 سپاہی اس کے ساتھ شامل ہوئے لیکن کچھ نے غفلت یا منافقت کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئے۔ مہم کے دوران ابوذر رضی اللہ عنہ اپنے اونٹ کی سست رفتار کی وجہ سے لشکر سے پیچھے رہ گئے۔ اس نے اپنا سامان اونٹ سے اتارا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جانے کے لیے چل دیا۔ جب لشکر نے پڑاؤ ڈالا تو ان لوگوں نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو کیمپ کی طرف اکیلے چلتے ہوئے دیکھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا فرمائی اور فرمایا کہ وہ اکیلے چلتے تھے، اکیلے ہی مرتے تھے اور اکیلے ہی زندہ کیے جاتے تھے۔ برسوں بعد عثمان بن عفان کے دور خلافت میں ابوذر رضی اللہ عنہ ایک دور دراز مقام پر مقیم ہوئے اور وہیں انتقال کر گئے۔ اس پر سیرت ابن ہشام صفحہ 245-246 میں بحث ہوئی ہے۔

ابوذر رضی اللہ عنہ اس دنیا میں ایک اجنبی اور مسافر کی طرح رہتے تھے۔

صحیح بخاری نمبر 6416 میں موجود حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنے صحابی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اس دنیا میں اجنبی یا مسافر کی طرح رہنے کی نصیحت کی۔ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نصیحت کرتے تھے کہ جب آدمی شام کو پہنچے تو صبح کے زندہ ہونے کی امید نہ رکھے۔ اور اگر وہ صبح کو پہنچ جائیں تو شام کو زندہ ہونے کی امید نہ رکھیں۔ اور یہ کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ بیماری کا سامنا کرنے سے پہلے اپنی اچھی صحت سے استفادہ کرے اور موت سے پہلے اپنی زندگی کا اچھا استعمال کرے۔

یہ حدیث مسلمانوں کو لمبی عمر کے لیے اپنی امید کو محدود کرنے کا درس دیتی ہے جو کہ آخرت کی تیاری میں ناکامی کا سب سے بڑا سبب ہے جب کہ اپنی پوری کوشش کو مادی دنیا کے لیے وقف کرنا ہے کیونکہ یہ ایک مسلمان کو قائل کرتی ہے کہ آخرت کی تیاری کے لیے ان کے پاس کافی وقت ہے۔ اس کے علاوہ ایک مسلمان کو اس عارضی دنیا کو اپنا مستقل گھر نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس کے بجائے، انہیں کسی ایسے شخص کی طرح برتاؤ کرنا چاہئے جو اسے چھوڑنے والا ہے، کبھی واپس نہ آنے والا ہے۔ اس سے انسان کو ترغیب ملے گی کہ وہ اپنی کوششوں کی اکثریت کو اپنی آخری منزل یعنی آخرت کی تیاری میں وقف کردے اور مادی دنیا کے حصول میں اپنی کوششوں کو محدود کردے جو ان کی ضرورت اور ذمہ داریوں سے باہر ہے۔ اس تصور پر پورے قرآن پاک اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں بحث ہوئی ہے، مثال کے طور پر باب 40 غافر، آیت 39:

’’یہ دنیوی زندگی تو محض]عارضی [لطف اندوزی ہے، اور درحقیقت آخرت - یہی]مستقل [ٹھکانے کا گھر ہے۔‘‘

جامع ترمذی کے نمبر 2377 میں زیر بحث مرکزی حدیث سے ملتی جلتی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا میں اپنے آپ کو ایک سوار کے طور پر بیان فرمایا جو اس کے سائے میں تھوڑا سا آرام کرتا ہے۔ ایک درخت اور پھر تیزی سے آگے بڑھتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا کی دنیاوی نوعیت کو ظاہر کرنے کے لیے اس کا موازنہ سایہ سے کیا جو کہ سب جانتے ہیں کہ ظاہری طور پر مستقل ہونے کے باوجود زیادہ دیر تک نہیں رہتی۔ کچھ لوگوں کو مادی دنیا اس طرح ظاہر ہو سکتی ہے۔ وہ ایسا برتاؤ کرتے ہیں جیسے دنیا ہمیشہ باقی رہے گی جبکہ حقیقت میں یہ بہت جلد ختم ہو جائے گی۔

اس کے علاوہ اس حدیث میں سوار کا ذکر ہے نہ کہ پیدل چلنے والے کا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سوار پیدل سفر کرنے والے کے مقابلے میں نمایاں طور پر کم آرام کرے گا۔ اس سے مزید معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا اس دنیا میں قیام بہت مختصر ہے۔ یہ سب پر بالکل واضح ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ بوڑھے ہو جاتے ہیں وہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کی زندگی ایک جھلک میں گزر گئی۔ تو درحقیقت چاہے کوئی بڑھاپے کو پہنچے یا نہ پہنچے زندگی صرف ایک لمحہ ہے۔ باب 79 نزیات، آیت 46:

جس دن وہ اسے دیکھیں گے، گویا وہ اس دنیا میں باقی نہیں رہے تھے سوائے ایک دوپہر یا صبح کے‘‘۔

درحقیقت مادی دنیا ایک پل کی مانند ہے جسے عبور کرنا ہے نہ کہ مستقل گھر کے طور پر۔ جس طرح کوئی شخص بس اسٹیشن کو اپنا گھر نہیں سمجھتا یہ جانتے ہوئے کہ وہ وہاں تھوڑے ہی عرصے کے لیے ٹھہرے گا، اسی طرح ابدی آخرت تک پہنچنے سے پہلے دنیا ایک مختصر پڑاؤ ہے۔

جب کوئی زندگی بھر کی چھٹیوں میں ایک بار جاتا ہے، تو زیادہ تر معاملات میں، وہ عیش و آرام کی گھریلو اشیاء، جیسے کہ ایک وسیع اسکرین ٹیلی ویژن پر اپنے اخراجات کو محدود کر دیتے ہیں اور اس کے بجائے ان کا ہوٹل جو بھی خدمات پیش کرتا ہے اس کے ساتھ کام کرتا ہے۔ وہ اس طرح برتاؤ کرتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہوٹل میں ان کا قیام مختصر ہو گا اور جلد ہی وہ واپس جانے کے لیے واپس نہیں جائیں گے۔ یہ ذہنیت انہیں چھٹیوں کی منزل کو اپنے مستقل گھر کے طور پر لینے سے روکتی ہے۔ اسی طرح لوگوں کو زمین پر ایک مقصد کے لیے بھیجا گیا تھا جو یقینی طور پر اسے اپنا مستقل ٹھکانہ بنانا نہیں تھا۔ اس کے بجائے انہیں اس سے رزق لینے کے لیے بھیجا گیا تاکہ وہ اپنے مستقل گھر یعنی آخرت تک بحفاظت پہنچ سکیں۔

جب بھی کوئی شخص سفر کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ سب سے پہلے وہ سامان حاصل کرتا ہے جس کی اسے ضرورت ہوتی ہے تاکہ سفر کو آرام دہ اور کامیاب بنایا جاسکے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بتایا گیا ہے کہ آخرت کا بہترین سامان تقویٰ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 197:

‘‘بے شک بہترین رزق اللہ سے ڈرنا ہے۔’’

یہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے اس یقین کے ساتھ کہ وہ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ دنیا سے آخرت تک کا سفر مکمل کرنے کے لیے دوسرے رزق جیسے خوراک کی ضرورت ہے۔ لیکن جس رزق کو ترجیح دی جائے وہ تقویٰ ہے کیونکہ یہ واحد رزق ہے جو کسی کو دنیا اور آخرت دونوں میں فائدہ پہنچاتا ہے۔ جبکہ رزق کی باقی تمام اقسام مثلاً کھانا، مال اور مکان کسی کو اس دنیا میں فائدہ دے گا جب تک کہ آخرت کے لیے وقف نہ ہو، جیسے صدقہ کرنا، لیکن یہ درحقیقت تقویٰ کا حصہ ہے۔

چونکہ مادی دنیا کسی شخص کا مستقل ٹھکانہ نہیں ہے لہٰذا ان کو چاہیے کہ زیر بحث مرکزی حدیث پر عمل کریں اور یا تو اجنبی یا مسافر کی طرح زندگی گزاریں۔

اجنبی ہونے کی پہلی حالت وہ ہے جو اپنے دل و دماغ کو اپنے عارضی گھر سے نہیں لگاتا۔ ان کا مقصد صرف اتنا ہے کہ کافی سامان اکٹھا کریں تاکہ وہ اپنے مستقل گھر یعنی آخرت میں بحفاظت واپس لوٹ سکیں۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو کام کے ویزے پر کسی بیرونی ملک میں رہتا ہے۔ ان کے کام کی جگہ ان کا گھر نہیں ہے۔ صرف پیسہ کمانے کی جگہ تاکہ وہ اس کے ساتھ اپنے وطن واپس لوٹ سکیں۔ یہ شخص کبھی بھی اجنبی ملک کو اپنا گھر نہیں سمجھے گا۔ اس کے بجائے، وہ صرف ضروری چیزوں پر خرچ کرتے ہیں اور اپنی دولت کو بچانے پر توجہ دیتے ہیں تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ دولت واپس اپنے حقیقی اور مستقل گھر میں لے جائیں۔ اگر اس شخص نے اپنی ساری یا زیادہ تر دولت بیرون ملک خرچ کر دی اور خالی ہاتھ اپنے وطن واپس آ گیا تو بلاشبہ ان کے رشتہ داروں کے نزدیک وہ قابل ملامت تصور کیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ورک ویزا پر کسی دوسرے ملک میں رہنے کے اپنے مشن اور مقصد میں ناکام رہے ہیں۔ اسی طرح ایک مسلمان کو چاہیے کہ اپنی کوششوں کی اکثریت رزق کے حصول میں وقف کر دے تاکہ آخرت کی طرف لے جائے۔ انہیں مادی دنیا کی آسائشوں کے لیے دوسروں کے ساتھ مقابلہ نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے بجائے، انہیں ابدی آخرت کے حصول کے لیے اپنے مشن پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔ اگر وہ اپنے عارضی گھر کو سنوارنے میں بہت زیادہ محنت کریں گے تو وہ آخرت میں بغیر تیاری اور خالی ہاتھ داخل ہوں گے اور اس لیے اپنے اس مشن میں ناکام ہوں گے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں سونپا ہے۔ ایک مسلمان کو اپنے ساتھ ایماندار ہونا چاہیے اور اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ وہ دن کے کتنے گھنٹے مادی دنیا اور آخرت کی تیاری کے لیے وقف کرتے ہیں۔ یہ خود غور و فکر انہیں دکھائے گا کہ ان کی ذہنیت صحیح ہے یا نہیں اور آخرت پر ان کا ایمان کتنا مضبوط ہے۔ باب 87 العلا، آیات 16-17:

"لیکن تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ جب کہ آخرت بہتر اور پائیدار ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی نوع انسان کی طرف اس وقت بھیجا گیا جب وہ سب سے ذلیل تھے اور ان کی اکثریت گناہوں کی زندگی گزار رہی تھی جس کی وجہ سے وہ جہنم میں داخل ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واضح دلائل کے ساتھ راہ حق کی طرف بلایا۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے اس کے واضح پیغام کو قبول کیا اور اس کی پیروی کی۔ اس نے ان سے وعدہ کیا کہ اسلام بہت سی قوموں کو فتح کرے گا اور مسلمانوں کو بہت زیادہ دولت حاصل ہوگی۔ لیکن اس نے انہیں متنبہ کیا کہ وہ مادی دنیا کی آسائشوں میں مشغول نہ ہوں۔ اس تنبیہ کی ایک مثال سنن ابن ماجہ نمبر 3997 میں موجود ایک حدیث میں مذکور ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ کیا ہے کہ مادی دنیا کی غیر ضروری آسائشوں کے لیے مقابلہ کرنا انسانوں کو تباہ کر دے گا۔ اس لیے انہوں نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ وہ اپنی ذمہ داریوں اور ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بنیادی ضروریات پر قناعت کریں اور آخرت کی تیاری پر توجہ دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے جو وعدہ کیا تھا وہ سب پورا ہوا۔ جب مسلمانوں کے لیے دنیا کھول دی گئی تو ان کی اکثریت مسابقت، جمع، ذخیرہ اندوزی اور مادی دنیا کی زیادتی سے لطف اندوز ہونے میں مصروف ہوگئی۔ چنانچہ انہوں نے آخرت کی تیاری صحیح طریقے سے ترک کر دی جیسا کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ صرف چند لوگوں نے ان کی نصیحت کو قبول کیا اور اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے مادی دنیا سے صرف وہی لیا اور اپنی زیادہ تر کوششیں ابدی آخرت کی تیاری میں وقف کر دیں۔ یہ چھوٹی سی جماعت، یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اور نیک پیشرو، آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل گئے اور عملی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت اور نقش قدم پر چلتے رہے۔ دوسری طرف، اکثریت اپنی غفلت میں مادی دنیا کا پیچھا کرتی رہی یہاں تک کہ موت نے انہیں بغیر تیاری کے پکڑ لیا۔

دوسری ذہنیت جو مسلمانوں کو اختیار کرنی چاہیے جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں نصیحت کی گئی ہے وہ مسافر کی ہے۔ یہ شخص اس مادی دنیا کو اپنا گھر نہیں سمجھتا بلکہ اپنے حقیقی گھر یعنی آخرت کی طرف سفر کرتا ہے۔ یہ ذہنیت ایک بیک پیکر جیسی ہے جو مختلف شہروں میں سو سکتا ہے لیکن انہیں کبھی اپنا گھر نہیں سمجھتا۔ وہ اپنے ساتھ صرف وہی سامان لے جاتے ہیں جو وہ معنی، لوازم لے سکتے ہیں۔ اس میں وہ چیزیں شامل ہیں جن کی انہیں زندہ رہنے کے لیے ضرورت ہے اور یہ انھیں اپنی منزل تک محفوظ طریقے سے پہنچنے میں مدد کرے گی۔ ایک

بیک پیکر کبھی بھی غیر ضروری اشیاء کو پیک نہیں کرے گا یہ جانتے ہوئے کہ یہ چیزیں ان کے لئے صرف ایک بوجھ ہوں گی۔ اور نہ ہی وہ اپنے سفر کو محفوظ طریقے سے مکمل کرنے کے لیے ضروری سامان پیک کرنے میں ناکام رہیں گے۔ اسی طرح ایک ذہین مسلمان صرف اس مادی دنیا سے اعمال اور قول کے حوالے سے اعمال جمع کرتا ہے جو اسے آخرت میں محفوظ طریقے سے پہنچنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔ وہ ان تمام افعال و کلام سے منہ موڑ لیں گے جو ان کے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں بوجھ بن جائیں گے۔ سنن ابن ماجہ، نمبر 4104 میں موجود ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنانے کی تلقین کی۔ :

”بے شک ہم نے جو کچھ زمین پر ہے اس کو اس کی زینت بنایا ہے تاکہ ہم ان کو آزمائیں کہ ان میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے۔ اور جو کچھ اس پر ہے ہم اسے ایک بنجر زمین بنا دیں گے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ دن اور رات صرف مختصر مراحل ہیں جن میں لوگ سفر کرتے ہیں، مرحلہ وار، آخرت تک پہنچنے تک۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ ہر مرحلہ کو اعمال صالحہ کی صورت میں آگے کا رزق بھیج کر استعمال کریں۔ انہیں مسلسل آگاہ رہنا چاہیے کہ سفر بہت جلد ختم ہونے والا ہے اور وہ آخرت تک پہنچ جائیں گے۔ یہاں تک کہ اگر سفر لمبا لگتا ہے تو یہ بالآخر ایک لمحے کی طرح محسوس ہوگا لہذا اسے ختم ہونے سے پہلے اسے اطاعت کا لمحہ بنانا چاہئے جب کہ وہ تیار نہیں ہیں۔ باب 79 نزیات، آیت 46:

”جس دن وہ اسے دیکھیں گے، گویا وہ اس دنیا میں باقی نہیں رہے تھے سوائے ایک دوپہر یا صبح کے“۔

ہر سانس کے ساتھ دنیا کو پیچھے چھوڑ کر آخرت کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اگر چہ بظاہر کوئی حرکت نہیں کرتا لیکن حقیقت میں دن اور رات ان کی آمدورفت کا کام کرتے ہیں جو انہیں تیزی سے بغیر توقف کے، اگلی دنیا میں لے جاتے ہیں۔

مسلمانوں کو یہ جان لینا چاہیے کہ چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، جلد ہی ایک دن آئے گا جب وہ اس کی طرف لوٹیں گے۔ جب وہ واپس آئیں گے تو انہیں پوچھ گچھ کے لیے روک دیا جائے گا۔ اس لیے انہیں اس تفتیش کے لیے کچھ اچھی تیاری کرنی چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کریں، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کریں اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کریں۔ لیکن اگر وہ غافل رہیں اور تیاری میں ناکام رہیں تو ان سے جو کچھ ہو چکا ہے اور جو باقی ہے اس کے لیے ان سے کارروائی کی جائے گی۔

صحابی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی نصیحت کی طرف چلتے ہیں جس کا ذکر زیر بحث مرکزی حدیث میں ہے۔ اس کا پہلا حصہ اس دنیا میں لمبی زندگی کی امید کو مختصر کرنے کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو یہ یقین نہیں کرنا چاہئے کہ وہ اس دنیا میں طویل عرصے تک رہیں گے کیونکہ وہ کسی بھی وقت مر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی کئی سال تک زندہ رہتا ہے تو پھر بھی لگتا ہے کہ زندگی ایک جھٹکے میں چلی گئی ہے۔ یہ وہی ہے جو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہوئے اشارہ کیا ہے کہ اگر وہ شام کو پہنچیں تو وہ صبح کو زندہ ہوں گے۔ یہ ذہنیت دنیاوی ذمہ داریوں کو نبھانے اور آخرت کی تیاری کے لیے مادی دنیا سے صرف اس چیز کو لینے کی بنیادی وجہ ہے۔ جب کہ لمبی عمر کی امید رکھنا اس کے مخالف معنی کی اصل وجہ ہے، اس سے انسان کو اعمال صالحہ اور گناہوں سے باز رہنے کے ذریعے آخرت کی تیاری میں تاخیر ہوتی ہے اور اسے اس پر یقین رکھتے ہوئے مادی دنیا کو جمع اور ذخیرہ کرنے کی ترغیب ملتی ہے۔ بہت طویل ہو جائے گا.

اس کے علاوہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی مسلمانوں کو بیماری کا سامنا کرنے سے پہلے اپنی اچھی صحت کا صحیح استعمال کرنے کی نصیحت کی۔ بدقسمتی سے اکثر لوگ اچھی صحت کی قدر صرف اس کے کھو جانے کے بعد کرتے ہیں جس کی تنبیہ صحیح بخاری نمبر 6412 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔ اچھی صحت کے استعمال کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اپنی جسمانی اور ذہنی طاقت کو اطاعت میں استعمال کرے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیک اعمال کرنے اور گناہوں سے پرہیز کرنے سے قبل اس کے کہ وہ اس وقت تک پہنچ جائیں جب وہ نیک اعمال کرنے کی خواہش رکھتے ہوں لیکن خرابی صحت کی وجہ سے اب نہیں کر سکتے۔ ان کی اچھی صحت کا صحیح استعمال کرنے والے کو ان نیک اعمال کا اجر دیا جائے گا جو انہوں نے اپنی صحت کے دوران کیے تھے، یہاں تک کہ جب وہ بیماری کا سامنا کریں اور انہیں مزید نہ کر سکیں۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 2996 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جبکہ جو شخص اپنی صحت کا صحیح استعمال نہیں کرتا وہ بیمار ہونے پر اس ممکنہ اجر سے محروم ہو جاتا ہے۔ درحقیقت ان کے پاس پشیمانی کے سوا کچھ نہیں بچے گا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے دی گئی نصیحت کا آخری حصہ یہ ہے کہ انسان کو موت سے پہلے اپنی زندگی کا اچھا استعمال کرنا چاہیے۔ اس میں ان تمام چیزوں کا استعمال شامل ہے جو اعمال صالحہ کی طرف لے جاتی ہیں، جیسے کہ مال، اور ان تمام چیزوں سے اجتناب کرنا جو نیک کاموں سے روکتی ہیں، جیسے کہ غیر ضروری مصروفیات۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے وقت کا صحیح استعمال کریں اس سے پہلے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں میں مشغول ہو جائیں جو فطری طور پر وقت گزرنے کے ساتھ ہوتی ہیں، جیسے کہ شادی۔ اور اپنی مالی ذمہ داریوں میں اضافے سے پہلے اپنی دولت کا خوب استعمال کریں۔

جیسا کہ جامع ترمذی کی حدیث نمبر 2403 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ تمام لوگوں کو موت کے وقت ندامت ہوگی۔ نیکی کرنے والے پچھتائیں گے کہ انہوں نے مرنے سے پہلے مزید نیکیاں نہیں کیں۔ گنہگار شخص پچھتائے گا کہ اس نے اپنی موت سے پہلے سچے دل سے توبہ نہیں کی۔ اس دنیا میں لوگوں کو اکثر دوسرا موقع دیا جاتا ہے مثال کے طور پر، ڈرائیونگ ٹیسٹ کو دوبارہ کرنا، لیکن ایک شخص کے مرنے کے بعد کوئی کام نہیں ہوتا۔ پشیمانی ان کے کسی کام نہیں آئے گی۔ اس کے بجائے، یہ صرف ان کے درد اور تکلیف میں اضافہ کرے گا .لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ جو وقت انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جدوجہد کے لیے دیا گیا ہے، اس سے پہلے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے اس لمحے کو استعمال کریں۔ کاموں کو کل تک موخر کرنے کی ذہنیت کو ترک کر دینا چاہیے کیونکہ اکثر معاملات میں یہ کل کبھی نہیں آتا۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ آج پر توجہ مرکوز کرے اور اس لیے وہ کام کرے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو، جیسا کہ کل اس دنیا میں آئے گا لیکن وہ اس کی گواہی دینے کے لیے زندہ نہ ہوں۔

حق کے اندھے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت گرمی اور تکلیف کے دور میں جنگ تبوک کی تیاری کرنے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ یہ سفر طویل اور انتہائی مشکل ہوگا۔ اس مہم میں کل 30,000 سپاہی اس کے ساتھ شامل ہوئے لیکن کچھ نے غفلت یا منافقت کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئے۔ سفر کے دوران فوج کو شدید بھوک اور پیاس کا سامنا کرنا پڑا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست کی گئی۔ اس سے پہلے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا سے ہاتھ نیچے کرتے بارش شروع ہو گئی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نوٹ کیا کہ بارش صرف ان کے پڑاؤ پر پڑی تھی اس سے آگے نہیں۔ جب ایک منافق سے پوچھا گیا کہ کیا اس کے بعد بھی وہ اسلام کی مزید دلیل چاہتے ہیں تو اس نے جواب دیا کہ یہ تو بادل ہی ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 10-11 میں بحث کی گئی ہے۔

بعض لوگ مادی دنیا میں اس قدر غرق ہیں کہ کوئی نصیحت کہ قرآن پاک انسانوں کو سکھاتا ہے ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوگی۔ قرآن پاک بیان کرتا ہے کہ لوگوں کے اس گروہ کے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 74:

"...پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے، پتھر کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے"

چاہیے کہ وہ اس قسم کے لوگوں سے الگ جو لوگ اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں انہیں اس وقت معاملے میں بھی اس لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ۔ پر توجہ مرکوز کریں دوسروں ہو کر

ایک مسلمان کو گناہگاروں کے ساتھ ہمیشہ اچھے کردار کا مظاہرہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ کسی بھی وقت توبہ کر سکتے ہیں۔ الفرقان، آیت 25 باب 63:

''اور جب جاہل ان سے [سختی سے [خطاب کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہیں۔ ''

جب حد ۔ اعلیٰ، مشورہ دیتا ہے فرمایا اسی طرح قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے جھوٹے ہو جائے تو بہتر ہے کہ الگ ہو جائیں اور ضدی اور گمراہ لوگوں کو چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ عقائد پر۔ بلاشبہ ایک دن آئے گا جب اللہ ،اعلیٰ تعالیٰ انسانوں کو آگاہ کرے گا۔ کون سیدھی راہ پر اندھیرے میں تھا اور کون گمراہ تھا۔ القصص، آیت 55 باب 28:

"اور جب وہ بری بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال، تم پر سلامتی ہو، ہم جاہلوں کی تلاش نہیں کرتے۔"

جب ان کی اچھی نصیحت دوسروں پر اثر انداز نہ ہو تو مسلمانوں کو کبھی مایوس اور الجھن میں نہیں پڑنا چاہیے۔ کچھ معاملات میں، یہ لوگ گناہوں میں اس حد تک غرق ہو جاتے ہیں کہ ان ہیں ایک کے دل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ یہ پردہ ان پر اثر انداز ہونے والی اچھی نصیحتوں کو روکتا ہے۔ ایک حدیث ۔میں مثبت انداز ملی ماجہ ابن سنن ہے گئی کی وضاحت کی بات اس میں 4244 نمبر کہ گناہ کیسے ہوتا ہے ۔ اس ہی اتنا ہے کرتا گناہ کوئی جتنا ۔ہے جاتا بن دھبہ سیاہ پر دل روحانی روحانی دل اس تاریکی میں مگن ہوتا جاتا ہے۔ المطففین، آیت 14 کا باب 83:

"نہیں !بلکہ داغ ان کے دلوں پر چھا گیا ہے جو وہ کما رہے تھے۔ "

کان، آنکھیں ان کے اعلان کرتا ہے کہ ،بلند نے یہ ایک اور آیت سے ملتا جلتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ
باب 2 ۔ حق کی طرف رہنمائی نہیں کر سکتے سچائی سے پردہ پڑا ہوا ہے اس لیے وہ اور دل
:البقرہ، آیت 7

‘‘اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی بصارت پر پردہ ہے۔ ’’

قصور اسلام کے پیغام میں نہیں بلکہ گمراہوں کے دلوں میں ہے۔ جیسے عیب ایک اندھے کی
اس کا ضدی رویہ ایک وسیع مسئلہ بن ،بدقسمتی سے آنکھوں میں ہوتا ہے روشن سورج کا نہیں۔
معاشرے کے اندر .ان میں سے کچھ لوگ اسلام کو ماننے کے باوجود اپنے دل و دماغ کو گیا ہے۔
اور ۔ قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے لیے بند کر چکے ہیں
وہ کسی بھی اچھی نصیحت کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں جس سے انہیں اس پر درود ہو۔
فائدہ ہو۔ دونوں جہانوں میں

جو لوگ اسلام کے کلام کو پھیلانے کا انتخاب کرتے ہیں انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ لوگ دو طرح
کے ذہنوں کو اپنا سکتے ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ جب کوئی کسی مسئلے کے بارے میں پہلے ہی اپنا ذہن
کے پہلے سے طے جو اس بناتا ہے اور پھر صرف وہی چیزیں تلاش کرتا ہے اور قبول کرتا ہے
شدہ عقیدے کی تائید کرتی ہیں۔ جبکہ صحیح رویہ یہ ہے کہ مختلف مسائل کے حوالے سے مضبوط
پہلی ذہنیت صرف ذاتی سطح سے ۔ شواہد تلاش کر کے کھلے ذہن کے ساتھ زندگی گزاری جائے
.میڈیا کے کام کی لے کر قومی سطح تک مسائل پیدا کرے گی۔ بدقسمتی سے، اس طرح کچھ پہلوؤں
وہ معلومات جو وہ شائع کرنا چاہیں گے، کمزور معاون ثبوت کے وہ پہلے سے طے کرتے ہیں۔
اسلام کی تبلیغ کرنے اور پھر اسے دنیا کے دیکھنے کے تناسب سے اڑا دیں۔ بٹس تلاش کریں۔
والوں کو چاہیے کہ وہ پہلی قسم کے لوگوں سے بچیں اور دوسرے گروہ کو حق کی طرف دعوت
دینے پر توجہ دیں۔

صبر اور قناعت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت گرمی اور تکلیف کے دور میں جنگ تبوک کی تیاری کرنے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ یہ سفر طویل اور انتہائی مشکل ہوگا۔ اس مہم میں کل 30,000 سپاہی اس کے ساتھ شامل ہوئے لیکن کچھ نے غفلت یا منافقت کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئے۔ سفر کے دوران فوج کو شدید بھوک اور پیاس کا سامنا کرنا پڑا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے پانی سے گزرنے والے اونٹوں کو ذبح کرنے اور کھانے کی اجازت طلب کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ایسا کرنے کی اجازت دے دی لیکن اس سے پہلے کہ وہ کر سکیں، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ اس سے ٹرانسپورٹ کی قلت ہو جائے گی۔ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ دیا کہ تمام دستیاب کھانے کو جمع کریں اور اللہ تعالیٰ سے اس میں برکت کی دعا کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اس تجویز پر اتفاق کیا اور معجزانہ طور پر کھانے کی تھوڑی سی مقدار ان کے تمام برتنوں میں بھر گئی اور سب نے اطمینان سے کھا لیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 11-12 میں بحث کی گئی ہے۔

غور طلب باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اونٹوں کو خود ذبح کرنے کے بجائے آسانی سے دعا کرنے کا مشورہ دے سکتے تھے۔ اس کے طرز عمل کے پیچھے حکمتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب اور فیصلوں پر قناعت کی اہمیت سکھائی جائے۔

صبر اور قناعت میں فرق یہ ہے کہ صبر کرنے والا کسی صورت حال سے شکایت نہیں کرتا بلکہ حالت بدلنے کی خواہش اور دعا بھی کرتا ہے۔ جبکہ قناعت کرنے والا اپنی پسند پر اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو ترجیح دیتا ہے اور اس لیے حالات کو بدلنے کی خواہش نہیں رکھتا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹوں کو ذبح کرنے کی اجازت دینے کے بجائے اللہ تعالیٰ سے آسانی سے دعا کر سکتے تھے۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ممکنہ طور پر متصادم نہیں ہونا چاہتا تھا،

جیسا کہ اللہ تعالیٰ، غالباً یہ چاہتا تھا کہ وہ مطمئن رہے۔ اگرچہ ایک دعا جائز ہوتی پھر بھی اس نے اللہ تعالیٰ کی مکمل بندگی کی خواہش کی اور اس لیے اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر بھروسہ کرتے ہوئے خاموش رہا۔ ایسا کرنے کی درخواست کے بعد ہی اس نے دعا کی۔ سیکھنے کا سبق یہ ہے کہ اگرچہ کچھ حالات ظاہر ہوتے ہیں اور طویل عرصے میں تکلیف دہ محسوس کرتے ہیں، جو چیزیں رونما ہوتی ہیں وہ ایک مسلمان کے لیے اس کی خواہش سے بہتر ہوتی ہیں، خواہ وہ ان کے پیچھے موجود حکمت کو فوری طور پر نہ دیکھیں۔ شاید مشکل کا سامنا کرنا ایک مسلمان کو جنت میں داخل کرنے کی وجہ ہو سکتا ہے۔ پس یہ ضروری ہے کہ کم از کم صبر کیا جائے اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے فرمان پر راضی نہیں ہو سکتا۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے..."

ایک مسلمان کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جس نے ان کے لیے حالات کا انتخاب کیا، یعنی اللہ تعالیٰ ہی ان کو اس سے محفوظ طریقے سے نکال سکتا ہے۔ یہ صرف اس کی اطاعت سے اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

‘‘اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔’’

مشاہدہ کرنے والا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ سفر کے دوران یہ مہم ایک بہت ہی طاقتور قدیم قوم ثمود کے پرانے ویران مکانات سے گزری۔ ان کی اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانی، اور آخری تباہی پر اسلامی تعلیمات میں بحث کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوج کو حکم دیا کہ وہ اپنے آپ کو نقصان پہنچانے والوں کے ویران گھروں میں داخل نہ ہوں جب تک کہ وہ روتے ہوئے ایسا نہ کریں، ورنہ ثمود پر اس عذاب کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4 صفحہ 12 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں محتاط رہے اور اپنے دنیوی معاملات میں بہت زیادہ مشغول ہونے سے گریز کرے تاکہ وہ اپنے اردگرد ہونے والی چیزوں سے اور ان چیزوں سے غافل ہو جائے جو پہلے ہو چکی ہیں۔ یہ ایک اہم خوبی ہے کیونکہ یہ کسی کے ایمان کو مضبوط کرنے کا ایک بہترین طریقہ ہے جس کے نتیجے میں انسان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مدد ملتی ہے۔ مثال کے طور پر، جب کوئی مسلمان کسی بیمار کو دیکھتا ہے تو اسے نہ صرف اس کی مدد کرنی چاہیے، چاہے وہ صرف ایک دعا ہی کیوں نہ ہو، بلکہ اسے اپنی صحت پر غور کرنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ بھی آخر کار اپنی صحت سے محروم ہو جائیں گے۔ بیماری، بڑھاپے یا موت سے بھی۔ اس سے انہیں اپنی اچھی صحت کے لیے شکر گزار ہونے کی ترغیب دینی چاہیے اور دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں ان کی اچھی صحت سے فائدہ اٹھا کر اپنے عمل سے یہ ظاہر کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔

جب وہ کسی امیر کی موت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو انہیں نہ صرف میت اور اس کے گھر والوں کے لیے غمگین ہونا چاہیے بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ ایک دن وہ بھی مر جائے گا جو ان کے لیے نامعلوم ہے۔ انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح امیر کو ان کی قبر پر دولت، شہرت اور خاندان چھوڑ دیا گیا تھا، اسی طرح وہ بھی قبر میں صرف ان کے اعمال کے ساتھ رہ جائیں گے۔ اس سے انہیں اپنی قبر اور آخرت کی تیاری کا حوصلہ ملے گا۔

یہ رویہ ان تمام چیزوں پر لاگو کیا جا سکتا ہے اور کیا جانا چاہیے ایک مسلمان کو اپنے اردگرد کی ہر چیز سے سبق سیکھنا چاہیے جس کی نصیحت قرآن پاک میں کی گئی ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 191:

اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بارے میں سوچو، "اے ہمارے رب، تو نے اسے بے مقصد پیدا نہیں کیا، تو بہت بلند ہے، تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔"

جو لوگ اس طرح کا برتاؤ کرتے ہیں ان کا ایمان روزانہ کی بنیاد پر مضبوط ہوتا جائے گا جبکہ جو لوگ اپنی دنیاوی زندگی میں بہت زیادہ مشغول ہیں وہ غافل رہیں گے جو ان کی تباہی کا باعث بن سکتے ہیں۔

سوالات

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ سفر کے دوران یہ مہم ایک بہت ہی طاقتور قدیم قوم ثمود کے پرانے ویران مکانات سے گزری۔ ان کی اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانی، اور آخری تباہی پر اسلامی تعلیمات میں بحث کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ نشانیوں (معجزات) کی طلب نہ کریں جیسا کہ قوم ثمود نے کیا تھا۔ ثمود نے اس کے بعد کفر کیا جب انہیں نشانیاں دی گئیں اور اس طرح وہ ہلاک ہو گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 13 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 3257 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت زیادہ سوالات کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ گزشتہ امتوں کی تباہی کا باعث بنی۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق جس چیز کا انہیں حکم دیا گیا ہے وہ کریں اور جس چیز سے انہیں منع کیا گیا ہے اس سے پرہیز کریں۔

مسلمانوں کو اس ذہنیت کو نہیں اپنانا چاہئے کیونکہ جن لوگوں کو بہت زیادہ سوالات کرنے کی عادت ہوتی ہے وہ اکثر اپنے فرائض کو پورا کرنے اور فائدہ مند علم حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں کیونکہ وہ کم اہم اور بعض اوقات غیر متعلقہ معلومات کے بارے میں پوچھنے اور تحقیق کرنے میں بہت زیادہ مصروف ہوتے ہیں۔ یہ ذہنیت کسی شخص کو اس قسم کے مسائل پر بحث اور بحث کرنے کی ترغیب دے سکتی ہے۔ بدقسمتی سے آج مسلمانوں میں یہ رویہ کافی پھیل چکا ہے کیونکہ وہ اکثر اپنے فرائض کی ادائیگی پر توجہ دینے کے بجائے غیر واجب اور کم اہم مسائل پر بحث کرتے ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قائم کردہ روایات کا صحیح معنیٰ، پورا کرنا۔ ان کے مکمل آداب اور شرائط کے ساتھ

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ایسے موضوعات پر تحقیق اور استفسار کرے جو دنیوی اور دینی دونوں معاملات کے لیے ضروری اور سمجھنے کے لیے ضروری ہیں ورنہ وہ اس حدیث میں مذکور لوگوں کے نقش قدم پر چلیں گے اور اپنی زندگی کو مزید مشکل میں ڈال دیں گے۔

اللہ کے لیے ناراض ہونا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ سفر کے دوران ایک صحابی عمرہ بن حزم رضی اللہ عنہ نادانستہ اپنی سواری ایک منافق زید ابن لثیت رضی اللہ عنہ کے ساتھ بانٹ رہے تھے۔ جب فوج نے کیمپ لگایا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی غائب ہو گئی اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہ اس کی تلاش میں نکل پڑے۔ زید نے اپنے کیمپ میں آرام کرتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذاق اڑایا، یہ تبصرہ کرتے ہوئے کہ اس نے دعویٰ کیا کہ مجھے آسمانوں سے خبریں موصول ہوئی ہیں لیکن یہ نہیں معلوم کہ اس کا اونٹ کہاں ہے۔ اسی وقت، عمرہ رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے، جب انہیں زید کے کہنے کی الٰہی اطلاع ملی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبصرہ فرمایا کہ انہیں آسمانوں سے خبریں ملی ہیں، بشمول ان کے کھوئے ہوئے اونٹ کے ٹھکانے کی بھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ اسے واپس لے لیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ذکر نہیں کیا کہ زید نے ان کے بارے میں یہ تبصرہ کیا ہے۔ جب عمرہ رضی اللہ عنہ اپنے کیمپ میں واپس آئے تو انہوں نے جو کچھ ہوا اس کا ذکر کیا اور بتایا گیا کہ زید رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ کہے تھے۔ عمرہ رضی اللہ عنہ نے زید کو پکڑ لیا اور اپنے کیمپ سے نکال دیا۔ اس پر سیرت ابن ہشام صفحہ 244-245 میں بحث ہوئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان خصوصیات کی نصیحت فرمائی جو مسلمان کے ایمان کو کامل کرتی ہیں۔

ان خصلتوں میں سے ایک اللہ تعالیٰ کے لیے بغض رکھنا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ انسان کو ان چیزوں کو ناپسند کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں جیسے اس کی نافرمانی۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں سے نفرت کرنی چاہیے کیونکہ لوگ سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے توبہ کر سکتے ہیں۔ اس کے بجائے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ خود اس گناہ کو ناپسند کرے جو ان سے ثابت ہے کہ اس سے بچنا اور دوسروں کو بھی اس سے خبردار

کرنا۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ دوسروں سے تعلق توڑنے کے بجائے نصیحت کرتے رہیں کیونکہ یہ احسان مندی انہیں سچے دل سے توبہ کرنے کا باعث بن سکتی ہے۔ اس میں اپنے جذبات کی بنیاد پر چیزوں کو ناپسند کرنا شامل ہے، جیسے کوئی عمل، جو کہ جائز ہے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسندیدگی کا ثبوت یہ ہے کہ جب وہ اپنے قول و فعل سے ناپسندیدگی کا اظہار کریں گے تو یہ ہرگز اس طرح نہیں ہوگا جو اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہو۔ یعنی کسی چیز کے لیے ان کی ناپسندیدگی ان سے کبھی گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گی کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی چیز سے ان کی ناپسندیدگی ان کے اپنے لیے ہے۔

تبوک میں خطبہ نبوی

ایک جامع مشورہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے ،حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ جب غزوہ تبوک پہنچا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تقریر فرمائی'' :لوگو، سب سے زیادہ سچی تقریر اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ بندوں میں سب سے مضبوط لفظ)ایمان کی گواہی (ہے۔ سب سے افضل دین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ زندگی کے بہترین طریقے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات ہیں۔ سب سے افضل کلام اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ سب سے بہترین روایت قرآن پاک ہے۔ بہترین اعمال وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منظور کیے گئے ہیں۔ بدتر طرز عمل وہ ہیں جو اختراع شدہ ہیں۔ بہترین رہنمائی انبیاء علیہم السلام کی ہے۔ مرنے والوں میں سب سے افضل شہید کے طور پر مارا جا رہا ہے۔ سب سے اندھی چیز ہدایت کے بعد گمراہی ہے۔ بہترین اعمال وہ ہیں جو نفع بخش ہوں۔ بہترین ہدایت وہ ہے جس کی پیروی کی جائے)بدعت نہیں(۔ بدتر اندھا پن)روحانی (دل کا ہے۔ اوپر والا ہاتھ)صدقہ دینے والا(نیچے والے ہاتھ)صدقہ لینے والے (سے بہتر ہے۔ جو تھوڑا ہے لیکن کافی ہے وہ اس سے بہتر ہے جو بہت ہے لیکن فضول ہے۔ بدترین معافی وہ ہے جب موت قریب ہو۔ قیامت کے دن بدترین توبہ ہے۔ وہ لوگ ہیں جو صرف اس کے آخر میں جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں۔ ایسے لوگ ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر بے فائدہ کرتے ہیں۔ گناہوں میں سے بدتر جھوٹی زبان ہے۔ بہترین مال وہ ہے جو نفس کی)قناعت (ہے۔ بہترین صفات تقویٰ ہے۔ حکمت کی انتہا اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ دل کی بہترین خوبی یقین)ایمان (ہے۔ شک کرنا کفر میں سے ہے۔ ماتم میں نوحہ کرنا زمانہ جاہلیت)قبل از اسلام (کا عمل ہے۔ دھوکہ جہنم میں پھیلی ہوئی مٹی کا ہے۔)زیادہ تر (شاعری شیطان کی طرف سے آتی ہے۔ شراب گناہوں کا مجموعہ ہے۔ عورتیں)مردوں کے لیے اور مرد عورتوں کے لیے (شیطان کے پھندے ہیں۔ جوانی جنون کی ایک شاخ ہے)کنٹرول نہ ہونے کی وجہ سے(۔ بدتر آمدنی سود سے ہوتی ہے۔ بدترین کھانا یتیموں کا مال کھا رہا ہے۔ خوش نصیب وہ ہے جسے دوسروں کے اعمال سے ڈرایا جائے۔ تم میں سے کسی کو آخرت کی طرف لے جانے کے لیے معاملہ)موت(کے لیے صرف چار بازو دور جانا ہے۔ کسی عمل کی بنیاد اس کے نتائج سے طے ہوتی ہے۔ حکایتوں میں بدتر وہ ہیں جو جھوٹی ہیں۔ جو کچھ آنے والا ہے وہ قریب ہی ہے۔ مومن کو گالی دینا غضب ہے۔ مومن سے لڑنا کفر ہے۔ اس کا گوشت کھانا)غیبت (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ اس کے

مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کے برابر ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہے، اس نے اس کو جھوٹا کہا۔ جو اس کی بخشش مانگے گا اسے بخش دیا جائے گا۔ جو معاف کرے گا اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔ جو غصے کو دبائے گا اللہ تعالیٰ اس کا اجر دے گا۔ جو مصیبت پر ثابت قدم رہے گا اللہ تعالیٰ اس کی تلافی کرے گا۔ جو شہرت چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے رسوا کر دے گا۔ جو ثابت قدم رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کو دوگنا اجر دے گا۔ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا، اللہ تعالیٰ عذاب دے گا۔ اے اللہ عزوجل مجھے اور میری امت کو بخش دے۔ اے اللہ عزوجل مجھے اور میری امت کو بخش دے۔ اے اللہ عزوجل مجھے اور میری امت کو بخش دے۔ میں اپنے لیے اور تمہارے لیے معافی چاہتا ہوں۔ ‘‘اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 16-17 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک مبارک قبر

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ غزوہ کے دوران ایک صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ وہ ایک مرتبہ آدھی رات کو اٹھے اور روشنی دیکھی۔ جب وہ تحقیق کے لیے اس کے پاس گیا تو اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ایک صحابی ذی الحجہ کی قبر کھودتے ہوئے پایا۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو، جو انتقال کر گئے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر میں تھے جب کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے ذی الحجہ رضی اللہ عنہ کے جسد خاکی کو قبر میں اتارا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جسم کو صحیح طریقے سے قبر میں رکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے اس طرح راضی ہونے کی درخواست کی جس طرح وہ آپ سے راضی تھے۔ اس واقعہ کو دیکھنے کے بعد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اکثر کہا کرتے تھے کہ کاش یہ ان کی قبر ہو۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 22-23 میں بحث کی گئی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی آیات اور احادیث قبر کے بارے میں بتاتی ہیں جس کا سامنا تمام لوگوں کو کسی نہ کسی شکل میں کرنا پڑے گا۔ چونکہ یہ ناگزیر ہے مسلمانوں کو اس کے لیے تیاری کرنی چاہیے کیونکہ قبر کی روشنی یا اندھیرا قبر سے ہی نہیں آتا۔ یہ اس کے اعمال ہیں جو یا تو اس کی قبر کو تاریک یا روشن کر دیتے ہیں۔ اسی طرح یہ اس کا عمل ہے جو اس بات کا تعین کرے گا کہ اسے قبر میں عذاب یا رحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کی تیاری کا واحد طریقہ تقویٰ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا ہے۔

مسلمان اکثر اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو دفنانے کے لیے قبرستانوں کا سفر کرتے ہیں۔ لیکن بہت کم لوگوں کو یہ احساس ہوتا ہے کہ ایک دن، جلد یا بدیر، ان کی باری آئے گی۔ حالانکہ مسلمانوں کی اکثریت اپنی کوششوں کی اکثریت اپنے اہل و عیال کو راضی کرنے اور دولت کمانے کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے وقف کرتی ہے، لیکن ایک حدیث جامع ترمذی

نمبر 2379 میں ہے کہ مسلمان ان دو چیزوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کو ان کی قبر پر چھوڑ دیں گے اور ان کے ساتھ صرف ان کے اعمال باقی رہیں گے۔ لہٰذا ایک مسلمان کے لیے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کی خوشنودی کے لیے اعمال صالحہ کو ترجیح دے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی اپنے خاندان اور مال کو چھوڑ دے۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے خاندان کے لیے اپنے فرض کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق پورا کریں اور اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے فرائض سے غفلت برتتے ہوئے صرف وہی دولت حاصل کریں جس کی انہیں ضرورت ہے۔ جب یہ صحیح طریقے سے کیا جائے تو یہ بھی ایک نیک عمل بن جاتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 4006 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ کسی کو اپنے اہل و عیال یا مال کی خاطر اللہ تعالیٰ کے ذمہ اپنے فرائض کو کبھی نہیں چھوڑنا چاہیے کیونکہ یہ صرف تنہا، تنہا اور تاریک قبر کی طرف لے جائے گا۔

فتح اطاعت میں ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ جب مسلم فوج تبوک پہنچی تو بازنطینی فوج لڑنے سے بہت خوفزدہ تھی اور اس کے بجائے اپنے علاقے میں مزید پیچھے ہٹ گئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ دن وہاں رہے اور پھر مدینہ واپس تشریف لے گئے۔ اگر چہ کوئی لڑائی نہیں ہوئی، لیکن اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی ہیبت اور خوف ان کے دشمنوں کے دلوں میں مزید گھر کر گیا اور بہت سے غیر مسلموں کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی، کیونکہ انہوں نے پہچان لیا کہ اس پر قابو نہیں پایا جا سکتا۔ درحقیقت بہت سے قبائل جو بازنطینی سلطنت کی سرحد پر رہتے تھے اور ان کے ساتھ اتحاد کر چکے تھے، انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 429-430 میں بحث کی گئی ہے۔

وقت کے ساتھ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے کے باوجود ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی طاقت میں کمی آئی ہے۔ ہر مسلمان اپنے عقیدے کی مضبوطی سے قطع نظر قرآن پاک کی صداقت پر یقین رکھتا ہے کیونکہ اس سے ان کا ایمان ختم ہو جائے گا۔ درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے برتری اور کامیابی حاصل کرنے کی کنجی بتائی ہے جس سے دنیا بھر کے مسلمان اس کمزوری اور غم کو دور کر دیں گے۔ باب 3 علی عمران، آیت 139:

پس تم کمزور نہ ہو اور غم نہ کرو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو''۔ ''

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ مسلمانوں کو اس برتری اور دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے صرف سچے مومن بننے کی ضرورت ہے۔ حقیقی عقیدہ میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

،روایات کے مطابق صبر سے کرنا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے لیے فرائض شامل ہیں جیسے کہ دوسروں کے لیے وہی محبت کرنا جو اپنے لیے پسند کرتا ہے جس کی نصیحت جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث میں آئی ہے۔ تعلیمات اس رویہ کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کامیابی اور برتری حاصل ہوئی۔ اور اگر مسلمان اس کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اس راہ راست پر واپس آنا چاہیے۔ جیسا کہ مسلمان قرآن پاک پر یقین رکھتے ہیں انہیں اس سادہ تعلیم کو سمجھنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔

منافقین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی کوشش کی

برائی کے خلاف معافی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ اس مہم سے واپسی پر منافقین کے ایک گروہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جب وہ ایک تنگ سی چوٹی پر سفر کر رہے تھے۔ منافقین نے اپنے چہرے چھپا لیے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دھکیلنے کی کوشش کی لیکن دونوں صحابہ رضی اللہ عنہم نے انہیں بھگا دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے شیطانی منصوبے اور ان کے ناموں سے آگاہ کیا گیا۔ اس نے منافقوں کو سزا نہیں دی بلکہ ان کے سنگین گناہ پر پردہ ڈالا۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 4، صفحہ 23-24 میں بحث کی گئی ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کی آیت 74 میں باب 9 نازل فرمایا:

"وہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے [پیغمبر اکرم) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کے خلاف کچھ نہیں کہا [جب کہ انہوں نے کلمہ کفر کہا تھا اور اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے تھے اور وہ منصوبہ بنایا تھا جو انہیں حاصل نہیں ہونا تھا۔ ..."

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 9:74، صفحہ 89-90 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات سے بدلہ نہیں لیا بلکہ معاف کر دیا اور نظر انداز کیا۔

مسلمانوں کو مناسب اور معقول طریقے سے اپنا دفاع کرنے کی اجازت دی گئی ہے جب ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا ہے۔ لیکن انہیں کبھی بھی لائن سے اوپر نہیں جانا چاہئے کیونکہ یہ ایک گناہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190:

"اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہیں کرتے۔ بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

چونکہ نشان پر قدم رکھنے سے بچنا مشکل ہے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ صبر و تحمل سے کام لے، دوسروں کو نظر انداز کرے اور معاف کرے کیونکہ یہ نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی لے جاتی ہے۔ ان کے گناہوں کو معاف کرنا .باب النور، آیت 22 24:

"اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر... دے؟‘‘

دوسروں کو معاف کرنا بھی دوسروں کے کردار کو مثبت انداز میں بدلنے میں زیادہ کارگر ہے جو کہ اسلام کا مقصد ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے کیونکہ بدلہ لینا ہی ملوث افراد کے درمیان مزید دشمنی اور غصے کا باعث بنتا ہے۔

آخر میں وہ لوگ جو دوسروں کو معاف نہ کرنے کی بری عادت رکھتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی ہمیشہ کینہ پرور رہتے ہیں، انہیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ ان کے ہر چھوٹے گناہ کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چیزوں کو جانے دینا سیکھنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں معافی اور ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔

نقصان پہنچانے کے لیے مسجد

ایک فاؤنڈیشن جو برائی پر بنائی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ اس مہم سے واپسی کے وقت اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ قباء کے قریب ایک عمارت جو منافقین نے تعمیر کی تھی ڈھا دیں۔ انہوں نے اسے مسجد کہا جبکہ ان کا ارادہ ایک ایسا اڈہ بنانا تھا جہاں وہ مل سکیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محفوظ محسوس کرتے ہوئے اسلام کے خلاف سازش کر سکیں۔ وہ قبیلہ قبا کے اندر تفرقہ پیدا کرنا چاہتے تھے تاکہ مقامی مسلمانوں کو اسلام سے دور کر دیا جائے۔ اس منصوبے کا سرغنہ ابو عامر نامی ایک بدکار شخص تھا جس نے اسلام سے انکار کیا اور مکہ کی طرف ہجرت کی جہاں اس نے انہیں جنگ پر اکسایا۔ جب یہ ناکام ہوا تو اس نے بازنطینی بادشاہ کے پاس سفر کیا اور اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ ان منافقین نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خواہش کی کہ اس عمارت کے اندر نماز پڑھ کر برکت عطا فرمائیں۔ اس عمل سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس کے اندر نماز پڑھنے کی ترغیب ملتی جس سے منافقین کو گمراہ کرنے کا موقع ملتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے اندر کھڑے ہونے سے منع فرمایا اور اس کے بجائے عمارت کو ڈھانے کا حکم دیا۔ باب 9 توبہ، آیات 107-110:

"اور وہ]منافقین [ہیں جنہوں نے اپنے لیے مسجد کو نقصان پہنچانے اور کفر اور اہل ایمان میں تفرقہ ڈالنے کے لیے اور ان لوگوں کے لیے جو اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کر چکے ہیں، کے لیے ٹھکانہ بنا لیا ہے۔ اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے صرف بہترین کا ارادہ کیا تھا۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ اس کے اندر ہرگز کھڑے نہ ہو، اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔"

اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 4، صفحہ 26-27 میں بحث کی گئی ہے۔

منافقت کی نشانی یہ ہے کہ انسان معاشرے میں فساد پھیلاتا ہے۔ یہ منفی خصوصیت خاندانی اکائی سے شروع ہوکر بین الاقوامی سطح پر ختم ہونے والی تمام سماجی سطحوں کو متاثر کرتی ہے۔ اس قسم کے لوگ لوگوں کو اچھائی پر متحد ہوتے دیکھنا ناپسند کرتے ہیں کیونکہ اس سے دوسروں کی دنیاوی حیثیت ان کے اپنے سے بڑھ جاتی ہے۔ یہ انہیں غیبت اور غیبت کی طرف لے جاتا ہے تاکہ لوگ ایک دوسرے کے خلاف ہو جائیں۔ ان کا برا رویہ ان کے اپنے رشتے داروں کو تباہ کر دیتا ہے اور جب وہ دوسرے خاندانوں کو دیکھتے ہیں جو خوش ہوتے ہیں تو یہ انہیں ان کی خوشیوں کو بھی تباہ کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ فالٹ فائنڈر ہیں جو اپنا وقت دوسروں کی غلطیوں کی نقاب کشائی کرنے کے لیے وقف کرتے ہیں تاکہ ان کی سماجی حیثیت کو نیچے لے جا سکیں۔ وہ پہلے لوگ ہیں جنہوں نے دوسروں کے بارے میں گپ شپ شروع کی اور جب بھی اچھی بات کی جائے تو بہرے کام کرتے ہیں۔ امن اور سکون انہیں پریشان کرتا ہے لہذا وہ اپنے آپ کو تفریح کرنے کے لئے مسائل پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ سنن ابن ماجہ نمبر 2546 میں موجود حدیث کو یاد کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ یہ نصیحت کرتی ہے کہ جو شخص دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا۔ لیکن جو شخص دوسروں کے عیب تلاش کرتا ہے اور ان کی پردہ پوشی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو لوگوں پر ظاہر کر دیتا ہے۔ تو درحقیقت، اس قسم کے افراد معاشرے کے سامنے صرف اپنے عیبوں کی پردہ پوشی کر رہے ہوتے ہیں حالانکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ دوسروں کے عیبوں کو بے نقاب کر رہے ہیں۔

بہترین مقامات

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے ،حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ اس مہم سے واپسی کے وقت اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ قباء کے قریب ایک عمارت جو منافقین نے تعمیر کی تھی ڈھا دیں۔ انہوں نے اسے مسجد کہا جبکہ ان کا ارادہ ایک ایسا اڈہ بنانا تھا جہاں وہ مل سکیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محفوظ محسوس کرتے ہوئے اسلام کے خلاف سازش کر سکیں۔ وہ قبیلہ قبا کے اندر تفرقہ پیدا کرنا چاہتے تھے تاکہ مقامی مسلمانوں کو اسلام سے دور کر دیا جائے۔ اس منصوبے کا سرغنہ ابو عامر نامی ایک بدکار شخص تھا جس نے اسلام سے انکار کیا اور مکہ کی طرف ہجرت کی جہاں اس نے انہیں جنگ پر اکسایا۔ جب یہ ناکام ہوا تو اس نے بازنطینی بادشاہ کے پاس سفر کیا اور اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ ان منافقین نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خواہش کی کہ اس عمارت کے اندر نماز پڑھ کر برکت عطا فرمائیں۔ اس عمل سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس کے اندر نماز پڑھنے کی ترغیب ملتی جس سے منافقین کو گمراہ کرنے کا موقع ملتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے اندر کھڑے ہونے سے منع فرمایا اور اس کے بجائے عمارت کو ڈھانے کا حکم دیا۔ مزید برآں، اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بالواسطہ تمام مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے حقیقی گھروں، برگزیدہ، مساجد پر قبضہ کرنے کی ترغیب دی ہے، جن کی بنیاد تقویٰ یعنی سچی اطاعت پر رکھی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا۔ باب 9 توبہ، آیات 107-110:

اور وہ]منافقین [ہیں جنہوں نے اپنے لیے مسجد کو نقصان پہنچانے اور کفر اور اہل ایمان میں" تفرقہ ڈالنے کے لیے اور ان لوگوں کے لیے جو اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کر چکے ہیں، کے لیے ٹھکانہ بنا لیا ہے۔ اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے صرف بہترین کا ارادہ کیا تھا۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ اس کے اندر]نماز کے لیے [کھڑے نہ ہوں - ہمیشہ۔ پہلے دن سے نیکی پر قائم ہونے والی مسجد تمہارے لیے زیادہ اس لائق ہے کہ اس میں کھڑے ہو جاؤ۔ اور اللہ پاک صاف رہنے والوں سے محبت کرتا ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 4، صفحہ 26-27 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 1528 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب جگہیں مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہیں بازار ہیں۔

اسلام مسلمانوں کو مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ جانے سے منع نہیں کرتا۔ اور نہ ہی یہ انہیں ہمیشہ مساجد میں رہنے کا حکم دیتا ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ باجماعت نمازوں کے لیے مساجد میں جانے اور مذہبی اجتماعات میں شرکت کو غیر ضروری طور پر بازاروں میں جانے سے زیادہ ترجیح دیں۔

،جب ضرورت پیش آئے تو دوسری جگہوں مثلاً شاپنگ سینٹرز میں جانے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن مسلمان کو چاہیے کہ وہ بلا ضرورت وہاں جانے سے گریز کرے کیونکہ یہ وہ جگہیں ہیں جہاں گناہ زیادہ ہوتے ہیں۔ جبکہ مساجد سے مراد گناہوں سے پناہ گاہ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے ایک آرام دہ جگہ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ جس طرح ایک طالب علم لائبریری سے استفادہ کرتا ہے جیسا کہ یہ مطالعہ کے لیے ایک ماحول ہے، اسی طرح مسلمان بھی مساجد سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں کیونکہ ان کا مقصد مسلمانوں کو مفید علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دینا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر سکیں۔

ایک مسلمان کو نہ صرف مساجد کو دوسری جگہوں پر ترجیح دینی چاہیے بلکہ انہیں دوسروں جیسے کہ اپنے بچوں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دینی چاہیے۔ درحقیقت یہ نوجوانوں کے لیے گناہوں، جرائم اور بری صحبت سے بچنے کے لیے بہترین جگہ ہے جس سے دونوں جہانوں میں مصیبت اور پشیمانی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اپنے ذرائع استعمال کریں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ اس مہم سے واپسی اور مدینہ منورہ کے قریب پہنچتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ مدینہ میں ایسے لوگ ہیں جو اس مہم کے دوران , ٹھہرے لیکن ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تھے۔ جنہوں نے اس مہم میں حصہ لیا کیونکہ ان کے پاس ان میں شامل نہ ہونے کا معقول عذر تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 28 میں بحث کی گئی ہے۔

بدقسمتی سے، کچھ مسلمانوں نے ایک کمزور خصوصیت اختیار کر لی ہے جو انہیں بہتر کرنے میں صرف رکاوٹ ہے۔ یعنی وہ اپنے حالات اور حالات کا موازنہ دوسروں سے کرتے ہیں جو آسان حالات کا سامنا کر رہے ہیں اور اس کو بہانے کے طور پر استعمال کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ نہ کریں، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کر کے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات، مثال کے طور پر ایک شخص جو کل وقتی کام کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنی کوشش کی کمی کا عذر کرتا ہے، اپنا موازنہ کسی ایسے شخص سے کرتا ہے جو پارٹ ٹائم کام کرتا ہے اور محض یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کرنا آسان ہے۔ کیونکہ ان کے پاس زیادہ فارغ وقت ہے۔ یا ایک غریب مسلمان زیادہ مال رکھنے والوں کو دیکھ کر اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مالدار ان سے زیادہ آسانی سے صدقہ دے سکتا ہے۔ وہ یہ سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں کہ یہ بہانے ان کی روح کو بہتر محسوس کر سکتے ہیں لیکن یہ ان کی دنیا یا آخرت میں مدد نہیں کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ لوگ دوسروں کے وسیلہ کے مطابق عمل کریں وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ لوگ اپنے اسباب کے مطابق اس کی اطاعت پر عمل کریں۔ مثال کے طور پر جو شخص کل وقتی کام کرتا ہے وہ اپنے پاس جو بھی فارغ وقت رکھتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے وقف کر سکتا ہے، خواہ وہ جز وقتی کام کرنے والے سے کم ہی کیوں نہ ہو۔ اس سلسلے میں پارٹ ٹائمر جو کچھ کرتا ہے اس کا کل وقتی کام کرنے والے پر کوئی اثر نہیں ہوتا اس لیے انہیں زیادہ محنت نہ کرنے کے بہانے کے طور پر استعمال کرنا محض ایک لنگڑا بہانہ ہے۔ غریب مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق صدقہ دے خواہ وہ مالدار سے بہت کم کیوں نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی نیت اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اس کے مطابق ان کا فیصلہ نہیں کرے گا۔

مسلمانوں کو ان فضول عذروں کو ترک کر دینا چاہیے اور بس اپنے اپنے ذرائع کے مطابق اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے۔

نرم رویہ بہترین ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو جو لوگ اس مہم میں حصہ نہ لے سکے وہ اپنے عذر دہراتے ہوئے اور آپ کی بیعت کا اعلان کرتے ہوئے آپ کے پاس آئے۔ اس نے ان کے تمام عذر قبول کیے اور ان کی طرف سے دعا کی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 30 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2701 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

یہ ایک اہم خصوصیت ہے جسے تمام مسلمانوں کو اپنانا چاہیے۔ اسے اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں استعمال کیا جانا چاہیے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ نرم مزاجی سے خود مسلمان کو کسی اور سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتیں اور اجر و ثواب حاصل کریں گے اور گناہوں کی مقدار کو کم کریں گے، کیونکہ ایک شریف آدمی اپنے قول و فعل سے گناہوں کا امکان کم رکھتا ہے، بلکہ اس سے انہیں دنیاوی معاملات میں بھی فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، جو شخص اپنے شریک حیات کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے وہ بدلے میں زیادہ پیار اور عزت حاصل کرے گا اگر وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ جب بچوں کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کیا جاتا ہے تو بچے اپنے والدین کی فرمانبرداری اور احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ کام پر موجود ساتھی اس کی مدد کرنے کا زیادہ امکان رکھتے ہیں جو ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے۔ مثالیں لامتناہی ہیں۔ صرف انتہائی شاذ و نادر ہی صورتوں میں سخت رویہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ تر معاملات میں، نرم رویہ سخت رویہ سے کہیں زیادہ موثر ہوگا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی نرمی کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے کیونکہ یہ ایک اہم جز ہے جو دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کے لیے ضروری ہے۔ باب 3 آل عمران، آیت 159:

"پس اللہ کی رحمت سے،]اے محمد[، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور دل میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔''

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کبھی بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ شخص جس کے ساتھ وہ بات چیت کرتے ہیں وہ فرعون سے بدتر ہو گا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم دیا تھا۔ فرعون کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ باب 20 طٰہٰ، آیت 44:

اور اس سے نرمی سے بات کرو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ سے ڈرے''۔

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام معاملات میں نرمی اختیار کرے کیونکہ اس سے بہت زیادہ اجر ملتا ہے اور دوسروں جیسے کہ اپنے خاندان پر مثبت اثر پڑتا ہے۔

ظاہری رویے کو مثبت طور پر قبول کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو جو لوگ اس مہم میں حصہ نہ لے سکے وہ اپنے عذر دہراتے ہوئے اور آپ کی بیعت کا اعلان کرتے ہوئے آپ کے پاس آئے۔ اس نے ان کے تمام عذر قبول کیے اور ان کی طرف سے دعا کی اور ان کے پوشیدہ ارادوں کو ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان چھوڑ دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 30 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابو داؤد نمبر 4993 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت کی کہ لوگوں کے بارے میں اچھا گمان کرنا اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ایک پہلو ہے۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک پہلو ہے۔

چیزوں کو منفی انداز میں بیان کرنا اکثر غیبت اور غیبت جیسے گناہوں کا باعث بنتا ہے۔ ہر صورت میں ایک مسلمان کو چاہیے کہ جہاں ممکن ہو مثبت انداز میں چیزوں کی تشریح کرے تاکہ شک کا فائدہ دوسروں تک پہنچایا جا سکے۔ بدقسمتی سے، منفی سوچ کو اپنانے سے خاندانی یونٹ سے لے کر قومی سطح تک لوگوں پر اثر پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک قوم کتنی بار ایک مفروضے اور شک پر جنگ میں گئی ہے؟ میڈیا میں پائے جانے والے اسکینڈلز کی اکثریت مفروضوں پر مبنی ہے۔ یہاں تک کہ ایسے قوانین بھی بنائے گئے ہیں جو مفروضوں اور شبہات کے استعمال کی حمایت کرتے ہیں۔ یہ اکثر ٹوٹنے اور ٹوٹنے والے رشتوں کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ اس ذہنیت کے حامل لوگ ہمیشہ یہ مانتے ہیں کہ دوسرے ان کے الفاظ یا اعمال کے ذریعے ان پر تنقید کر رہے ہیں۔ یہ کسی کو دوسروں سے مشورہ لینے سے روکتا ہے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ صرف مشورہ دینے والے کی طرف سے ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے اور یہ ایک کو مشورہ دینے سے روکتا ہے کیونکہ اسے یقین ہے کہ دوسرا شخص ان کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دے گا۔ اور ایک شخص اس منفی ذہنیت کے حامل شخص کو نصیحت کرنے سے گریز کرے گا کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ صرف ایک دلیل کا باعث بنے گا۔ یہ دیگر منفی خصلتوں کی طرف جاتا ہے جیسے تلخی۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگر وہ یہ فرض کر لیں کہ کوئی ان پر تنقید کر رہا ہے تو پھر بھی ان کی نصیحت کو قبول کرنا چاہیے اگر یہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر مبنی ہے۔ انہیں کوشش کرنی چاہیے کہ جہاں ممکن ہو ان چیزوں کی مثبت انداز میں تشریح کریں جو مثبت ذہنیت کا باعث بنے۔ اور ایک مثبت ذہنیت صحت مند تعلقات اور احساسات کا باعث بنتی ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

"...اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت زیادہ گمان سے بچو۔ بے شک کچھ گمان گناہ ہوتا ہے"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ جو جنگ تبوک میں شامل ہونے میں ناکام رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو جو لوگ اس مہم میں حصہ نہ لے سکے وہ اپنے عذر دہراتے ہوئے اور آپ کی بیعت کا اعلان کرتے ہوئے آپ کے پاس آئے۔ اس نے ان کے تمام عذر قبول کیے اور ان کی طرف سے دعا کی اور ان کے پوشیدہ ارادوں کو ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان چھوڑ دیا۔ ایک صحابی کعب بن مالک رضی اللہ عنہ صرف غفلت اور سستی کی وجہ سے پیچھے رہے۔ اگرچہ اس نے دیکھا کہ دوسروں کو عذر کرتے ہوئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے معافی دی گئی، لیکن پھر بھی انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حق کا اعلان کیا، یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو یقینی بنائے گا۔ جھوٹ بولنے پر اس پر غصہ آیا، خواہ وہ جھوٹ بول کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی سے وقتی طور پر بچ جائے۔ دو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی حق کا اقرار کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے حالات کا فیصلہ کرے گا۔ اہل مدینہ سے کہا گیا کہ جب تک ان کے بارے میں فیصلہ نہیں ہو جاتا ان تینوں کا سماجی بائیکاٹ کریں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 31-32 میں بحث کی گئی ہے۔

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو تین آدمیوں کا سماجی بائیکاٹ کرنے کا حکم دیا تو ان کے پیارے دوستوں اور رشتہ داروں میں سے کسی نے بھی ان سے بات نہیں کی۔ یہ سخت معلوم ہو سکتا ہے، لیکن تمام مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کے لیے واضح پیغام دینا ضروری تھا، اور یہ ان تینوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس آزمائش کا حصہ تھا جس کا سامنا کرنا پڑا۔ اس حکم پر لوگوں کا ردعمل ظاہر کرتا ہے کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کس قدر محبت اور خلوص رکھتے تھے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

کنارے پر اطاعت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو جو لوگ اس مہم میں حصہ نہ لے سکے وہ اپنے عذر دہراتے ہوئے اور آپ کی بیعت کا اعلان کرتے ہوئے آپ کے پاس آئے۔ اس نے ان کے تمام عذر قبول کیے اور ان کی طرف سے دعا کی اور ان کے پوشیدہ ارادوں کو ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان چھوڑ دیا۔ ایک صحابی کعب بن مالک رضی اللہ عنہ صرف غفلت اور سستی کی وجہ سے پیچھے رہے۔ اگرچہ اس نے دیکھا کہ دوسروں کو عذر کرتے ہوئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے معافی دی گئی، لیکن پھر بھی انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حق کا اعلان کیا، یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو یقینی بنائے گا۔ جھوٹ بولنے پر اس پر غصہ آیا، خواہ وہ جھوٹ بول کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی سے وقتی طور پر بچ جائے۔ دو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی حق کا اقرار کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے حالات کا فیصلہ کرے گا۔ اہل مدینہ سے کہا گیا کہ جب تک ان کے بارے میں فیصلہ نہیں ہو جاتا ان تینوں کا سماجی بائیکاٹ کریں۔ اس دوران ایک غیر مسلم حکمران نے کعب رضی اللہ عنہ کو خط بھیجا جس میں ان کو مشورہ دیا گیا کہ ان کے ساتھ سخت سلوک کیا جا رہا ہے اور وہ مدینہ چھوڑ کر ان کے پاس آجائیں جہاں ان کے ساتھ بڑی عزت و تکریم کی جائے گی۔ احترام کعب رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ یہ امتحان ہے اور خط کو جلا دیا۔
اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 31-32 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ان کی اللہ تعالیٰ کی عبادت کیوں کی جاتی ہے کیونکہ یہ وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافے کا سبب بن سکتی ہے یا بعض صورتوں میں نافرمانی کا باعث بن سکتی ہے۔ جب کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اس سے حلال دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کے لیے اس کی نافرمانی کا خطرہ مول لے لیتا ہے۔ اس قسم کے شخص کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ باب 22 الحج، آیت 11:

اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو جاتی" ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا ''اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔

جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں تو دنیاوی نعمتوں کو حاصل کرنے کے لیے جب وہ ان کو حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا کسی مشکل کا سامنا کرتے ہیں تو وہ اکثر ناراض ہو جاتے ہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے دور کر دیتا ہے۔ یہ لوگ اکثر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نافرمانی کرتے ہیں، اس صورت حال کے مطابق جس کا وہ سامنا کر رہے ہیں جو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی حقیقی بندگی کے خلاف ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ سے حلال دنیوی چیزوں کی خواہش کرنا اسلام میں قابل قبول ہے، لیکن اگر کوئی اس رویہ پر قائم رہے تو وہ اس آیت میں مذکور کی طرح ہو سکتے ہیں۔ آخرت میں نجات پانے اور جنت حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا افضل ہے۔ مشکلات کا سامنا کرتے وقت یہ شخص اپنے رویے کو تبدیل کرنے کا امکان نہیں رکھتا ہے۔ لیکن سب سے اعلیٰ اور بہترین وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے، صرف اس لیے کہ وہ ان کا رب اور کائنات کا رب ہے۔ یہ مسلمان اگر مخلص ہو گا تو ہر حال میں ثابت قدم رہے گا اور اس اطاعت کے ذریعے انہیں دنیاوی اور دینی دونوں نعمتیں حاصل ہوں گی جو دنیاوی نعمتوں سے بڑھ کر پہلی قسم کے انسان کو حاصل ہوں گی۔

آخر میں، مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی نیت پر غور کریں اور اگر ضروری ہو تو ،اس کی اصلاح کریں تاکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے، اس کے احکام کی تعمیل اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی ترغیب ملے۔ ، تمام حالات میں۔

سچائی کامیابی کی طرف لے جاتی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو جو لوگ اس مہم میں حصہ نہ لے سکے وہ اپنے عذر دہراتے ہوئے اور آپ کی بیعت کا اعلان کرتے ہوئے آپ کے پاس آئے۔ اس نے ان کے تمام عذر قبول کیے اور ان کی طرف سے دعا کی اور ان کے پوشیدہ ارادوں کو ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان چھوڑ دیا۔ ایک صحابی کعب بن مالک رضی اللہ عنہ صرف غفلت اور سستی کی وجہ سے پیچھے رہے۔ اگرچہ اس نے دیکھا کہ دوسروں کو عذر کرتے ہوئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے معافی دی گئی، لیکن پھر بھی انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حق کا اعلان کیا، یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو یقینی بنائے گا۔ جھوٹ بولنے پر اس پر غصہ آیا، خواہ وہ جھوٹ بول کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی سے وقتی طور پر بچ جائے۔ دو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی حق کا اقرار کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے حالات کا فیصلہ کرے گا۔ اہل مدینہ سے کہا گیا کہ جب تک ان کے بارے میں فیصلہ نہیں ہو جاتا ان تینوں کا سماجی بائیکاٹ کریں۔ 50 مشکل دنوں کے بعد، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی بخشش نازل فرمائی، خاص طور پر حق پر قائم رہنے کے لیے ان کے لیے ایک خاص نعمت ہے۔ باب 9 توبہ آیت 118:

اور ان تینوں کو بھی معاف کر دیا جو اکیلے رہ گئے تھے]یعنی بائیکاٹ کیا گیا، اپنی غلطی پر افسوس کرتے ہوئے [یہاں تک کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر بند ہو گئی اور ان کی روحوں نے انہیں محدود کر دیا اور وہ یقین ہے کہ اللہ کے سوا کوئی پناہ نہیں۔ پھر وہ ان کی طرف متوجہ ہوا تاکہ وہ توبہ کریں۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔''

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 30-33 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی اکثریت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر خوشامد اٹھانے یا غلط بیانی کے۔ اسلام کی تعلیمات جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتب کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

ذرائع کے مطابق متوازن خرچ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو جو لوگ اس مہم میں حصہ نہ لے سکے وہ اپنے عذر دہراتے ہوئے اور آپ کی بیعت کا اعلان کرتے ہوئے آپ کے پاس آئے۔ اس نے ان کے تمام عذر قبول کیے اور ان کی طرف سے دعا کی اور ان کے پوشیدہ ارادوں کو ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان چھوڑ دیا۔ ایک صحابی کعب بن مالک رضی اللہ عنہ صرف غفلت اور سستی کی وجہ سے پیچھے رہے۔ اگرچہ اس نے دیکھا کہ دوسروں کو عذر کرتے ہوئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے معافی دی گئی، لیکن پھر بھی انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حق کا اعلان کیا، یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو یقینی بنائے گا۔ جھوٹ بولنے پر اس پر غصہ آیا، خواہ وہ جھوٹ بول کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی سے وقتی طور پر بچ جائے۔ دو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی حق کا اقرار کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے حالات کا فیصلہ کرے گا۔ اہل مدینہ سے کہا گیا کہ جب تک ان کے بارے میں فیصلہ نہیں ہو جاتا ان تینوں کا سماجی بائیکاٹ کریں۔ 50 مشکل دنوں کے بعد، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی بخشش نازل فرمائی، خاص طور پر حق پر قائم رہنے کے لیے ان کے لیے ایک خاص نعمت ہے۔ باب 9 توبہ آیت 118:

اور ان تینوں کو بھی معاف کر دیا جو اکیلے رہ گئے تھے]یعنی بائیکاٹ کیا گیا، اپنی غلطی پر افسوس کرتے ہوئے [یہاں تک کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر بند ہو گئی اور ان کی روحوں نے انہیں محدود کر دیا اور وہ یقین ہے کہ اللہ کے سوا کوئی پناہ نہیں۔ پھر وہ ان کی طرف متوجہ ہوا تاکہ وہ توبہ کریں۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔"

کعب رضی اللہ عنہ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، آپ نے باقی مدینہ کے ساتھ آپ کو مبارکباد دی۔ کعب رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنا سارا مال صدقہ کر دیا۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں

بتایا کہ یہ بہتر ہے کہ وہ صرف چندہ دے دیں اور باقی رکھ لیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 30-33 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 2376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرتا ہے اس کو اس کے مطابق اجر دیا جائے گا۔ اور اس نے خبردار کیا کہ ذخیرہ اندوزی نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کو روک دے گا۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ انسان کو صرف حلال مال حاصل کرنا اور خرچ کرنا ہے کیونکہ ہر وہ نیک عمل جس کی بنیاد حرام پر ہو اللہ تعالیٰ اسے رد کر دے گا، خواہ اس کی نیت کچھ بھی ہو۔ صحیح مسلم نمبر 2342 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ خرچ صرف خیرات کے ذریعے نہیں ہوتا بلکہ اس میں فضول خرچی، اسراف یا اسراف کے بغیر اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات پر خرچ کرنا شامل ہے۔ صحیح بخاری نمبر 4006 میں موجود حدیث کے مطابق یہ درحقیقت ایک نیک عمل ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ وہ متوازن طریقے سے خرچ کرے جس سے وہ خود محتاج نہ ہو کر دوسروں کی مدد کرے۔ باب 17 الاسراء، آیت 29:

’’اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے نہ باندھو اور نہ ہی اسے پوری طرح پھیلا دو اور [اس طرح] ملامت اور دیوالیہ بن جاؤ۔‘‘

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق باقاعدگی سے صدقہ دے چاہے وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کسی کے معیار کے معنی، ان کے اخلاص کو دیکھتا ہے، نہ کہ عمل کی مقدار کو۔ باقاعدگی کے ساتھ تھوڑا سا صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بہتر اور زیادہ محبوب ہے،

اس سے کہ ایک بار زیادہ صدقہ کیا جائے۔ صحیح بخاری نمبر 6465 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب کوئی اپنی وسعت کے مطابق دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے لامحدود درجہ کے مطابق بدلہ دیتا ہے۔ لیکن جو روکے گا اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا ہی جواب ملے گا۔ اگر کوئی مسلمان اپنا مال جمع کرتا ہے تو وہ اسے دوسروں کے لیے چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ اس کے لیے جوابدہ ہوں گے۔ اگر وہ اپنی دولت کا غلط استعمال کریں گے تو یہ ان کے لیے دنیا میں لعنت اور بوجھ اور آخرت میں عذاب بن جائے گا۔

بخشش حاصل کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو جو لوگ اس مہم میں حصہ نہ لے سکے وہ اپنے عذر دہراتے ہوئے اور آپ کی بیعت کا اعلان کرتے ہوئے آپ کے پاس آئے۔ اس نے ان کے تمام عذر قبول کیے اور ان کی طرف سے دعا کی اور ان کے پوشیدہ ارادوں کو ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان چھوڑ دیا۔ سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو غفلت کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے، انہوں نے عذر پیش نہیں کیا اور توبہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ستونوں سے باندھ لیا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ انہوں نے کیا کیا ہے تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا۔ بالآخر، اللہ تعالیٰ نے توبہ میں باب 9، آیت 102 نازل کی، جس میں ان کی توبہ کی قبولیت کی طرف اشارہ کیا گیا:

"اور]اور بھی ہیں [جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا ہے۔ انہوں نے ایک نیک عمل کو دوسرے برے کے ساتھ ملا دیا تھا۔ شاید اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔‘‘

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 34 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 3540 میں موجود ایک الہامی حدیث اللہ تعالیٰ کی بخشش کی اہمیت اور وسعت کی تلقین کرتی ہے۔ حدیث کا پہلا حصہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ جب تک کوئی مسلمان سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے اور اس کی رحمت پر امید رکھتا ہے تو وہ اسے بخش دیتا ہے۔

یہ جواب درحقیقت قرآن پاک میں تمام جائز دعاؤں کی ضمانت دی گئی ہے نہ صرف استغفار کے لیے۔ باب 40 غافر، آیت 60:

‘‘اور تمہارا رب کہتا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔’’

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کا تذکرہ فرمایا اور اعلان فرمایا کہ دعا عبادت کے معنیٰ ایک نیک عمل ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 1479 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3604 میں موجود ایک حدیث میں بتایا گیا ہے کہ ہر دعا مختلف طریقوں سے قبول ہوتی ہے جب تک کہ وہ حلال ہو۔ اس شخص کو یا تو وہ عطا کر دیا جاتا ہے جو اس نے مانگی تھی یا آخرت میں ان کے لیے اجر محفوظ کر دیا جائے گا یا اس کے برابر گناہ معاف کر دیا جائے گا۔ لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ مثبت جواب حاصل کرنے کے لیے ایک مسلمان کو دعا کی شرائط اور آداب کو پورا کرنا چاہیے۔

ایک مسلمان جو سب سے بڑی دعا مانگ سکتا ہے وہ استغفار ہے کیونکہ یہ نعمتیں حاصل کرنے، دنیا کی مشکلات سے بچنے اور جنت حاصل کرنے اور اگلی دنیا میں جہنم سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ باب 71 نوح، آیات 10-12:

اور کہا اپنے رب سے معافی مانگو۔ بے شک وہ ہمیشہ کے لیے معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے بارش برسائے گا۔ اور تمہیں مال اور اولاد میں اضافہ کرے گا اور تمہارے لیے باغات مہیا کرے گا اور تمہارے لیے نہریں جاری کرے گا۔"

،جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی لامحدود رحمت کی امید رکھنا جب دعا مانگنا استغفار کی شرط ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی اپنی رائے کے مطابق عمل کرتا ہے جس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود ایک آسمانی حدیث سے ہوئی ہے۔

بخشش کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ جب ایک مسلمان صرف اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہے کہ وہ انہیں مکمل طور پر معاف کر دے گا، یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی انہیں معاف یا عذاب سے بچانے والا نہیں ہے۔

اس کے بعد جو اہم حدیث زیر بحث ہے وہ یہ ہے کہ انسان کتنے ہی گناہوں کا ارتکاب کر لے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش اس سے زیادہ ہے۔ درحقیقت یہ لامحدود ہے اس لیے انسان کے محدود گناہ کبھی بھی اس پر قابو نہیں پا سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ وہ جس چیز کے لیے دعا کرتے ہیں اس کی بڑائی کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی چیز اتنی بڑی نہیں ہے کہ وہ عطا کرے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6812 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

زیر بحث مرکزی حدیث کا اگلا حصہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے استغفار کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کا تذکرہ بہت سی آیات اور دیگر احادیث میں آیا ہے۔ استغفار کا یہ عمل مخلصانہ توبہ کا حصہ ہے۔ یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ استغفار کرنا زبان کا عمل ہے جبکہ باقی سچی توبہ میں اعمال کے ذریعے گناہ سے منہ موڑنا شامل ہے۔ اس میں حقیقی پشیمانی کا احساس، دوبارہ گناہ نہ کرنے کا پختہ وعدہ کرنا اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہیں ان کی تلافی بھی شامل ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ ایک ہی گناہ پر اڑے نہ رہنا توبہ کے قبول ہونے کی شرط ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 135:

"اور وہ لوگ جو جب کوئی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہیں یا اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو معاف کر سکتا ہے؟ - اور]جو [اپنے کیے پر اڑے نہیں رہتے جبکہ وہ جانتے ہیں

ایک مسلمان کے لیے استغفار میں ثابت قدم رہنا انتہائی ضروری ہے کیونکہ یہ ہر پریشانی سے نجات، ہر مشکل سے نکلنے کا راستہ اور ایسی جگہوں سے مدد کا باعث بنتا ہے جہاں سے کسی کی توقع نہ ہو۔ سنن ابوداؤد نمبر 1518 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

اگلی بات جو زیر بحث مرکزی حدیث میں مذکور ہے وہ بخشش کا سب سے بڑا سبب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کی دو قسمیں ہیں :بڑا شرک اور چھوٹا شرک۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے یا اس کے علاوہ۔ معمولی ورژن یہ ہے کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی خاطر کام کرتا ہے، جیسے دکھاوا کرنا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے۔ درحقیقت لوگوں کی بھلائی کے لیے کام کرنے والے کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بتائے گا کہ وہ ان لوگوں سے ان کا اجر طلب کرے گا جن کے لیے انہوں نے عمل کیا ہے۔ جو کہ ممکن نہیں ہو گا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جو شخص اس طرح عمل کرے گا وہ آخر کار اس دنیا میں بے نقاب ہو جائے گا اور وہ دوسروں کے ساتھ کتنا ہی اچھا سلوک کرے اسے کبھی ان کی حقیقی محبت یا عزت نہیں ملے گی۔ ان کی بری نیت کی وجہ سے۔ صحیح مسلم نمبر 6705 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

جب کسی کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا احساس ہوتا ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے سوچتے ہیں، عمل کرتے ہیں اور بولتے ہیں، اس کے خوف اور محبت سے۔ یہ طرز عمل گناہوں کے ارتکاب کے امکانات کو کم کرتا ہے اور جو بھی گناہ سرزد ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 3797 میں موجود ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تمام برائیوں کو دور کر دیتا ہے۔

یہی طرز عمل تمام مسلمانوں کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر پر صبر کرنا ہے۔

غمگین

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال آپ کے اٹھارہ ماہ کے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 436 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 3127 میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نوحہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

بدقسمتی سے، کچھ کا خیال ہے کہ مشکل کے وقت رونے کی اجازت نہیں ہے، جیسے کہ کسی عزیز کو کھونا۔ یہ غلط ہے کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی موقعوں پر جب کسی کا انتقال ہوا تو روئے تھے۔ مثال کے طور پر جب ان کے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو وہ رو پڑے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 3126 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

درحقیقت کسی کی موت پر رونا رحمت کی نشانی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں جگہ دی ہے۔ اور صرف وہی لوگ جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں اللہ کی طرف سے رحم کیا جائے گا .صحیح بخاری نمبر 1284 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ اسی حدیث میں واضح طور پر ذکر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نواسے پر روئے جو فوت ہو گیا۔

صحیح مسلم نمبر 2137 میں موجود ایک حدیث میں بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کو کسی کی موت پر رونے یا اپنے دل میں ہونے والے غم پر عذاب نہیں دیا جائے گا۔ لیکن ان کو سزا کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب کے بارے میں اپنی بے صبری کا اظہار کرتے ہوئے الفاظ بولیں۔

واضح رہے کہ دل میں غم محسوس کرنا یا آنسو بہانا اسلام میں منع نہیں ہے۔ جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے وہ ہیں رونا، قول و فعل سے بے صبری کا اظہار کرنا، جیسے کپڑے پھاڑنا یا غم میں سر منڈوانا۔ وہ اس طرح کام کرنے والوں کے خلاف سخت انتباہ ہیں۔ اس لیے ان کاموں سے ہر حال میں اجتناب کرنا چاہیے۔ اس طرح کے کام کرنے پر نہ صرف کسی شخص کو سزا کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے بلکہ اگر مرنے والے نے چاہا اور دوسروں کو اس طرح کرنے کا حکم دیا جب وہ مر گیا تو ان کا بھی جوابدہ ہو گا۔ لیکن اگر مرحوم نے یہ خواہش نہ کی ہو تو وہ کسی قسم کے احتساب سے پاک ہیں۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1006 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ سمجھنا عام فہم ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی دوسرے کے فعل کی وجہ سے عذاب نہیں دے گا جب کہ سابقہ نے اسے اس طرح عمل کرنے کی نصیحت نہیں کی۔ باب 35 فاطر، آیت 18:

"...اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا"

ثقیف قبیلے نے اسلام قبول کیا۔

سمجھوتہ ناکامی کی طرف لے جاتا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال، غیر مسلم قبیلہ ثقیف کا ایک وفد اسلام قبول کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن ان کے قبول اسلام میں کچھ شرائط شامل تھیں جن کے قبول کرنے کی وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے توقع رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ وہ اپنے ایک بت کو تین سال تک اپنی سرزمین میں رکھنا چاہتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شرط سے صاف انکار کر دیا حالانکہ وہ مدت کم کرتے رہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 38-39 میں بحث کی گئی ہے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135:

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔‘‘

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخرکار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو ایک مسلمان کی دنیا اور آخرت میں تمام مشکلات سے باحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی عارضی چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں اور کسی خاص طریقے اسکارف اتار دیا ایک مسلمان عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا سے لباس پہن لیا تو وہ کام پر زیادہ عزت دار ہو گی اور کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی سے چڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد کسی پب یا کلب میں مدعو کر سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور ذکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں راستوں پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کس کو ترجیح دی جائے اور کس کا انتخاب کیا جائے۔

نمازیں جنت کی طرف لے جاتی ہیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال، غیر مسلم قبیلہ ثقیف کا ایک وفد اسلام قبول کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن ان کے قبول اسلام میں کچھ شرائط شامل تھیں جن کے قبول کرنے کی وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے توقع رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ وہ پانچ وقت کی فرض نمازوں کی ادائیگی سے مستثنیٰ ہوں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ ایمان میں کوئی ایسی نیکی نہیں جو نماز سے خالی ہو۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 39 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری کی حدیث نمبر 574 میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ وصیت فرمائی کہ جو شخص دو ٹھنڈی نمازیں قائم کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔

دو ٹھنڈی فرض نمازوں سے مراد فجر اور ظہر کی فرض نمازیں ہیں کیونکہ ان دونوں اوقات میں موسم دیگر اوقات کی نسبت ٹھنڈا ہوتا ہے یعنی سورج نکلنے سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے۔

فرض نمازوں کو قائم کرنے میں ان کی تمام شرائط اور آداب کو صحیح طریقے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق پورا کرنا شامل ہے، جیسے کہ انہیں وقت پر ادا کرنا۔ درحقیقت ان کے پیش آنے کے ساتھ ہی پیش کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین اعمال میں سے ایک ہے۔ صحیح مسلم نمبر 252 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

اگرچہ پانچ فرض نمازیں ہیں جن کا ابھی قائم ہونا ضروری ہے لیکن زیر بحث مرکزی حدیث میں صرف دو کا ذکر ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں نمازیں غالباً قائم کرنا مشکل ترین ہیں۔ فجر کی فرض نماز ایسے وقت میں ہوتی ہے جب اکثر لوگ سو رہے ہوتے ہیں۔ لہذا، اسے صحیح

طریقے سے پیش کرنے کے لیے اپنے آرام دہ بستر کو چھوڑنے کے لیے بہت زیادہ توانائی اور حوصلہ افزائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ظہر کی فرض نماز زیادہ تر ایسے وقت میں ہوتی ہے جب زیادہ تر لوگ اپنے کام کا دن مکمل کر چکے ہوتے ہیں اور تھکے ہارے گھر لوٹ چکے ہوتے ہیں۔ لہٰذا فرض نماز کو صحیح طور پر ادا کرنے کے لیے تھکا دینے والے اور حتیٰ کہ دباؤ والے دن کے بعد آرام چھوڑنا مشکل ہے۔ لہٰذا اگر کوئی ان دونوں نمازوں کو صحیح طور پر قائم کر لے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوسری فرض نمازوں کو ادا کرنے میں آسانی پیدا کر دے گا جو عام طور پر زیادہ آسان اوقات میں ہوتی ہیں۔

لہٰذا مسلمانوں کو اپنی تمام فرض نمازوں کو قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ یہ اسلام کی اصل ہے اور یہ حقیقت میں عقیدہ کو کفر سے الگ کرتی ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2618 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

ایک محفوظ گھر اور معاشرہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال، غیر مسلم قبیلہ ثقیف کا ایک وفد اسلام قبول کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن ان کے قبول اسلام میں کچھ شرائط شامل تھیں جن کے قبول کرنے کی وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے توقع رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ انہیں زنا کرنے کی اجازت ہوگی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ زنا کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب حیاتِ نبوی، جلد 4، صفحہ 39 اور امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 1899 میں بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ اسی وجہ سے نکاح کی ترغیب دیتا ہے اور ناجائز تعلقات سے منع کرتا ہے۔ جب ایک جوڑے ایک شادی شدہ جوڑے کی طرح ایک دوسرے کے لیے حقیقی معنوں میں وقف نہیں ہوتے ہیں تو پھر انہیں درپیش کوئی بھی حقیقی مشکلات جوڑے کے لیے زیادہ جذباتی تناؤ کا باعث بنتی ،ہیں کیونکہ وہ ایک دوسرے کا صحیح طریقے سے ساتھ دینے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی بھی بچہ جو تعلق سے غیر ارادی طور پر پیدا ہوتا ہے وہ ان کے تعلقات پر مزید دباؤ ڈالتا ہے جس کے نتیجے میں اکثر وہ الگ ہوجاتے ہیں کیونکہ وہ بچے کی پرورش کی ذمہ داری بانٹنا نہیں چاہتے۔ اس سے بچے کے بڑے ہونے کے لیے ایک ٹوٹا پھوٹا گھر بنتا ہے جہاں انہیں والدین دونوں کی حمایت اور نگرانی حاصل نہیں ہوتی، جو اکثر اس پریشانی کا باعث بنتی ہے جس کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔ بچے کی صحیح طریقے سے پرورش کرنا جب کوئی بچہ چاہتا ہے تو بہت مشکل ہوتا ہے، پھر کیا کوئی بچے کی صحیح پرورش کے جذباتی دباؤ کا تصور کر سکتا ہے جب کہ والدین پہلے بچے کی خواہش نہیں رکھتے تھے؟ یہ بچے کی پرورش پر منفی اثر ڈالتا ہے اور اکثر پہلے بیان کردہ مسائل کا باعث بنتا ہے۔ یہ تناؤ اکثر واحد والدین کی طرف سے بچے کو پرورش یا گود لینے کے لیے ترک کر دیتا ہے، جس کے زیادہ تر معاملات میں بچے پر نقصان دہ منفی اور طویل مدتی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس سے بچے کے گمراہ ہونے کے امکانات مزید بڑھ جاتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اصل مسئلہ کو حل کر کے، ناجائز تعلقات کو ممنوع قرار دے کر اور شادی کی ترغیب دی جس کے تحت دونوں جوڑے اپنے آپ کو ایک دوسرے اور اپنے بچوں کے لیے مخلصانہ طور پر وقف کر دیں۔

قرآن پاک میں نکاح، طلاق اور اولاد کے تصور کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ایک کامیاب معاشرے کی کنجی عطا فرمائی ہے۔ جب خاندان کے افراد، خواہ ایک ساتھ ہوں یا طلاق یافتہ، ایک دوسرے کے حقوق کو پورا کرتے ہیں اور بچوں کے لیے ایک مستحکم اور خوش حال گھر بناتے ہیں، اس سے پورے معاشرے میں مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب ایک خاندان ناخوش ہوتا ہے اور ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے میں ناکام رہتا ہے تو اس سے معاشرے میں منفی لہر پھیل جاتی ہے۔

بہت سے مفکرین آئے اور چلے گئے جنہوں نے لوگوں اور معاشرے کو درپیش مسائل کو حل کیا ہے لیکن چونکہ یہ حل برانچ کے مسائل کو نشانہ بناتے ہیں ان حلوں کا فائدہ کم ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے بنیادی مسائل کے حل کے اس طریقے کے ذریعے جو فرد اور معاشرے کو متاثر کرتے ہیں، تمام چیزوں کو واضح کر دیا ہے تاکہ لوگ دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کر سکیں۔ باب 16 النحل، آیت 89:

اور ہم نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کی وضاحت اور ہدایت اور رحمت ہے‘‘۔’’

سود سے بچنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال، غیر مسلم قبیلہ ثقیف کا ایک وفد اسلام قبول کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن ان کے قبول اسلام میں کچھ شرائط شامل تھیں جن کے قبول کرنے کی وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے توقع رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ انہیں سود)مالی سود (پر عمل کرنے کی اجازت ہوگی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ سود حرام ہے۔ ،اس پر امام ابن کثیر کی کتاب حیاتِ نبوی، جلد 4، صفحہ 39 اور امام محمد السلّابی کی کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم زندگی، جلد 1، صفحہ 1899-1900 میں بحث کی گئی ہے۔

مالیاتی سود اس رقم کی نشاندہی کرتا ہے جو قرض دہندہ قرض لینے والے سے سود کی ایک مقررہ شرح پر وصول کرتا ہے۔ قرآن مجید کے نزول کے وقت سودی لین دین کی کئی صورتیں رائج تھیں۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ فروش نے ایک مضمون فروخت کیا اور قیمت کی ادائیگی کے لیے ایک وقت کی حد مقرر کی، یہ شرط رکھی کہ اگر خریدار مقررہ مدت کے اندر ادائیگی کرنے میں ناکام رہا تو وہ وقت کی حد کو بڑھا دے گا لیکن مضمون کی قیمت میں اضافہ کر دے گا۔ دوسرا یہ تھا کہ ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو ایک رقم ادھار دی اور یہ شرط رکھی کہ قرض لینے والے کو ایک مقررہ مدت کے اندر قرض کی رقم سے زائد رقم واپس کرنی چاہیے۔ سود کے لین دین کی ایک تیسری شکل یہ تھی کہ قرض لینے والے اور وینڈر نے اس بات پر اتفاق کیا کہ سابقہ قرض ایک مقررہ حد کے اندر ایک مقررہ شرح سود پر ادا کرے گا، اور یہ کہ اگر وہ اس حد کے اندر ایسا کرنے میں ناکام رہے تو قرض دہندہ وقت کی حد بڑھا دے گا لیکن ایک ہی وقت میں سود کی شرح میں اضافہ کرے گا .یہ ایسے لین دین ہیں جن پر یہاں مذکور احکام لاگو ہوتے ہیں۔

جو لوگ اس پر یقین رکھتے ہیں وہ حلال سرمایہ کاری اور مالی مفاد سے حاصل ہونے والے منافع میں فرق کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس الجھن کے نتیجے میں بعض لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ اگر کسی کاروبار میں لگائی گئی رقم سے منافع حلال ہے تو قرض سے حاصل ہونے والے منافع کو کیوں حرام قرار دیا جائے؟ وہ دلیل دیتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی دولت کی سرمایہ کاری کرنے کے بجائے اسے کسی ایسے شخص کو قرض دیتا ہے جو بدلے میں اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ ایسے حالات میں قرض خواہ قرض خواہ کو منافع کا حصہ کیوں ادا نہ کرے؟ وہ یہ تسلیم کرنے میں ناکام رہتے ہیں کہ کوئی بھی کاروباری منصوبہ خطرے سے محفوظ نہیں ہے۔ کوئی بھی منصوبہ منافع

کی مطلق ضمانت نہیں رکھتا۔ لہٰذا یہ مناسب نہیں ہے کہ اکیلے فنانسر کو ہر حال میں ایک مقررہ شرح پر منافع کا حقدار سمجھا جائے اور اسے نقصان کے کسی بھی امکان سے محفوظ رکھا جائے۔ یہ انصاف کا حصہ نہیں ہے کہ جو لوگ اپنے وسائل وقف کرتے ہیں انہیں کسی بھی مقررہ شرح پر منافع کی ضمانت نہیں دی جاتی جبکہ جو لوگ اپنی دولت کو قرض دیتے ہیں وہ نقصان کے تمام خطرات سے مکمل طور پر محفوظ ہوتے ہیں اور ایک مقررہ شرح پر منافع کی ضمانت دی جاتی ہے۔

ایک عام حلال لین دین میں خریدار اس چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے جسے وہ بیچنے والے سے خریدتا ہے۔ بیچنے والے کو شے بنانے میں لگائی گئی محنت اور وقت کا معاوضہ ملتا ہے۔ دوسری طرف سود سے متعلق لین دین میں، فوائد کا تبادلہ منصفانہ طور پر نہیں ہوتا ہے۔ سود وصول کرنے والے فریق کو اپنے دیئے گئے قرض کی ادائیگی کے طور پر ایک مقررہ رقم ملتی ہے اور اس طرح ان کا فائدہ محفوظ ہوجاتا ہے۔ دوسرا فریق قرضے میں دیے گئے فنڈز کا استعمال کر سکتا ہے لیکن یہ ہمیشہ منافع نہیں دے سکتا۔ اگر ایسا شخص ادھار کی رقم کسی ضرورت پر خرچ کرے تو کوئی نفع نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر فنڈز کی سرمایہ کاری کی جاتی ہے تب بھی کسی کو نفع یا نقصان دونوں کا موقع ملتا ہے۔ اس لیے سود سے متعلق لین دین ایک طرف نقصان اور دوسری طرف منافع یا ایک طرف یقینی اور مقررہ منافع اور دوسری طرف غیر یقینی منافع کا سبب بنتا ہے۔ اس لیے حلال تجارت مالی سود کے برابر نہیں ہے۔

اس کے علاوہ، سود کا بوجھ قرض لینے والوں کے لیے قرض کی واپسی کو انتہائی مشکل بنا دیتا ہے۔ اصل قرض اور سود کی ادائیگی کے لیے انہیں کسی اور ذریعے سے قرض بھی لینا پڑ سکتا ہے۔ سود کے کام کرنے کے طریقے کی وجہ سے ان پر واجب الادا رقم اکثر قرض کی ادائیگی کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ یہ مالی دباؤ لوگوں کو اپنے اور اپنے خاندان کے لیے ضروریات زندگی حاصل کرنے سے روک سکتا ہے۔ یہ تناؤ بہت سے جسمانی اور ذہنی مسائل کا باعث بن سکتا ہے۔

بالآخر، اس قسم کے نظام میں صرف امیر امیر تر ہوتے ہیں جبکہ غریب غریب تر ہوتے جاتے ہیں۔

اگرچہ مالی مفادات سے نمٹنا ظاہری طور پر ایسا لگتا ہے کہ کسی شخص کو دولت حاصل ہوتی ہے لیکن حقیقت میں اس سے ان کا مجموعی نقصان ہی ہوتا ہے۔ یہ نقصان کئی شکلیں لے سکتا ہے۔ مثال کے طور پر، یہ انہیں اچھے اور حلال کاروباری معاملات کو کھونے کا باعث بن سکتا ہے جو وہ حاصل کر سکتے تھے اگر وہ مالی مفاد سے نمٹتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے مال کو ایسے طریقوں سے استعمال کرنے پر مجبور کر سکتا ہے جو ان کو پسند نہ ہوں۔ مثال کے طور پر، ان کو جسمانی بیماریوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی قیمتی غیر قانونی دولت کو اس طرح خرچ کرتے ہیں کہ اس کو ان طریقوں سے استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو انہیں خوش کرتے ہیں۔ مجموعی نقصان کا ایک روحانی پہلو بھی ہے۔ وہ جتنا زیادہ مالی سود کا سودا کرتے ہیں ان کا لالچ اتنا ہی زیادہ معنی خیز ہوتا جاتا ہے، ان کی دنیاوی چیزوں کی حرص کبھی پوری نہیں ہوتی جو تعریف کے اعتبار سے انہیں غریب بنا دیتی ہے خواہ ان کے پاس بہت زیادہ دولت ہو۔ یہ لوگ دن بھر ایک دنیاوی مسئلے سے دوسرے مسئلے میں جائیں گے اور قناعت حاصل کرنے میں ناکام رہیں گے کیونکہ وہ اس فضل سے محروم رہیں گے جو حلال کاروبار اور دولت کے ساتھ ہے۔ یہ انہیں مالی مفاد اور دیگر ذرائع سے مزید غیر قانونی دولت حاصل کرنے کی طرف دھکیل سکتا ہے۔ آخرت کا نقصان زیادہ واضح ہے۔ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ چھوڑے جائیں گے کیونکہ کوئی نیک عمل جو حرام سے جڑا ہوا ہو مثلاً حرام مال سے صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوتا۔ یہ طے کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے کہ اس شخص کا قیامت کے دن کہاں تک پہنچنے کا امکان ہے۔

حلال کاروباری لین دین اور سود سے متعلق لین دین میں بہت فرق ہے۔ سابقہ معاشرہ میں فائدہ مند ،کردار ادا کرتا ہے جبکہ بعد والا اس کے زوال کا باعث بنتا ہے۔ اپنی فطرت کے مطابق مفاد لالچ خود غرضی، بے حسی اور دوسروں کے ساتھ ظلم کو جنم دیتا ہے۔ یہ دولت کی عبادت کی طرف لے جاتا ہے اور دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور اتحاد کو ختم کرتا ہے۔ اس طرح یہ معاشرے کو معاشی اور اخلاقی دونوں لحاظ سے تباہ کر سکتا ہے۔

دوسری طرف صدقہ، سخاوت اور ہمدردی کا نتیجہ ہے۔ باہمی تعاون اور خیرسگالی سے معاشرہ مثبت طور پر ترقی کرے گا جس سے سب کو فائدہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی ایسا معاشرہ ہو جس کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ معاملات میں خود غرض ہوں، جس میں امیروں کے مفادات عام لوگوں کے مفادات کے بالواسطہ مخالف ہوں تو وہ معاشرہ مستحکم بنیادوں پر قائم نہیں رہتا۔ ایسے معاشرے میں محبت اور ہمدردی کی بجائے باہمی رنجش اور تلخی بڑھنے لگتی ہے۔

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب لوگ اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری کریں گے اور پھر اپنی زائد دولت سے خیراتی طریقوں سے خرچ کریں گے یا باہمی طور پر حلال کاروبار میں حصہ لیں گے تو ایسے معاشرے میں تجارت، صنعت اور زراعت میں بہتری آئے گی۔ معاشرے کے اندر زندگی کا معیار بلند ہو گا اور اس میں پیداوار ان معاشروں کی نسبت بہت زیادہ ہو گی جہاں معاشی سرگرمیاں مالی مفاد کی وجہ سے محدود ہیں۔

بدی کی ماں

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال، غیر مسلم قبیلہ ثقیف کا ایک وفد اسلام قبول کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن ان کے قبول اسلام میں کچھ شرائط شامل تھیں جن کے قبول کرنے کی وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے توقع رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ انہیں شراب پینے کی اجازت ہوگی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ شراب کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب حیاتِ نبوی، جلد 4، صفحہ 39 اور امام محمد السلّابی کی کتاب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم زندگی، جلد 1، صفحہ 1900 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 3371 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مسلمان کو ہرگز شراب نہیں پینا چاہئے کیونکہ یہ تمام برائیوں کی کنجی ہے۔

بدقسمتی سے مسلمانوں میں یہ کبیرہ گناہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا ہے۔ یہ تمام برائیوں کی کنجی ہے کیونکہ یہ دوسرے گناہوں کو جنم دیتی ہے۔ یہ بالکل واضح ہے کیونکہ شرابی اپنی زبان اور جسمانی افعال پر قابو کھو دیتا ہے۔ صرف اس خبر کو دیکھنے کی ضرورت ہے کہ شراب پینے سے کتنا جرم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ اعتدال سے پیتے ہیں وہ صرف اپنے جسم کو نقصان پہنچاتے ہیں، جسے سائنس نے ثابت کیا ہے۔ الکحل سے منسلک جسمانی اور ذہنی بیماریاں بے شمار ہیں اور نیشنل ہیلتھ سروس اور ٹیکس دہندگان پر بھاری بوجھ کا باعث بنتی ہیں۔ یہ تمام برائیوں کی کلید ہے کیونکہ یہ انسان کے تینوں پہلوؤں یعنی ان کے جسم، دماغ اور روح پر منفی اثر ڈالتی ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 90:

”اے ایمان والو، بے شک نشہ، جوا، پتھروں پر قربانی کرنا، اور طاغوت کے تیر شیطان کے کام سے ناپاک ہیں، لہٰذا اس سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔“

حقیقت یہ ہے کہ شراب پینے کو اس آیت میں ان چیزوں کے ساتھ رکھا گیا ہے جن کا تعلق شرک سے ہے اس سے بچنا کتنا ضروری ہے۔

یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 3376 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ شراب باقاعدگی سے پینے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

سنن ابن ماجہ، نمبر 68 کی ایک حدیث کے مطابق امن کے اسلامی سلام کو پھیلانا جنت کے حصول کی کلید ہے۔ پھر بھی، امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 1017 میں پائی جانے والی ایک حدیث مسلمانوں کو مشورہ دیتی ہے کہ وہ ایسے شخص کو سلام نہ کریں جو باقاعدگی سے شراب پیتا ہو۔ شراب.

شراب ایک انوکھا کبیرہ گناہ ہے کیونکہ سنن ابن ماجہ نمبر 3380 میں موجود ایک حدیث میں دس مختلف طریقوں سے اس پر لعنت کی گئی ہے۔ ان میں شراب خود، اسے بنانے والا، اس کے پیدا کرنے والا، جس کے لیے تیار کیا جاتا ہے، شامل ہیں۔ اسے بیچنے والا، اسے خریدنے والا، اسے اٹھانے والا، جس تک پہنچایا جائے، وہ جو اسے بیچ کر حاصل کردہ مال کو استعمال کرے، اسے پینے والا اور اس کو ڈالنے والا۔ جو شخص ایسی لعنت کا معاملہ کرے گا وہ اس وقت تک حقیقی کامیابی حاصل نہیں کرے گا جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کرے۔

سمجھوتہ کے بغیر لچک

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال، غیر مسلم قبیلہ ثقیف کا ایک وفد اسلام قبول کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن ان کے قبول اسلام میں کچھ شرائط شامل تھیں جن کے قبول کرنے کی وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے توقع رکھتے تھے۔ ان میں سے دو شرطیں یہ تھیں کہ ان کے قبیلے کو لڑائیوں میں حصہ لینے کی ضرورت نہیں ہوگی اور کسی دوسرے قبیلے کے کسی فرد کو ان کے قبیلے کا انچارج نہیں بنایا جائے گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں شرائط کو قبول فرمایا۔ تاہم اس نے بعد میں تبصرہ کیا کہ ایک بار جب وہ سچے مسلمان ہو گئے تو وہ بلاشبہ اپنی مرضی سے لڑائیوں میں حصہ لیں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 39 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ دونوں شرطیں اس لیے قبول کی گئیں کہ وہ اتنی اہم نہیں تھیں اور نہ ہی اسلام کی بنیادی تعلیمات کو چیلنج کرتی تھیں۔ اس کے علاوہ ان کی بعض شرائط کو قبول کرنا انہیں اسلام قبول کرنے کی ترغیب دینے کا بہترین طریقہ تھا۔

بعض دنیوی معاملات میں ہٹ دھرمی اختیار کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے کردار میں بہتری نہیں لاتے۔ اس کے بجائے، وہ اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ یہ کسی نہ کسی طرح ان کی عظیم طاقت اور دانشمندی کی علامت ہے۔ ایمان کے معاملات میں ثابت قدمی ایک قابل تعریف رویہ ہے لیکن اکثر دنیاوی معاملات میں اسے صرف ضد کہا جاتا ہے جو کہ قابل ملامت ہے۔

بدقسمتی سے، کچھ کا خیال ہے کہ اگر وہ اپنا رویہ بدلتے ہیں تو یہ کمزوری کو ظاہر کرتا ہے یا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کر رہے ہیں اور اس وجہ سے وہ ضد کے ساتھ بہتر کے لیے تبدیل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ بالغ لوگ یہ مان کر نادان بچوں کی طرح برتاؤ کرتے ہیں کہ

اگر وہ اپنا رویہ بدل لیتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ہار گئے ہیں جبکہ دوسرے جو اپنے رویے پر ثابت قدم رہتے ہیں وہ جیت گئے ہیں۔ یہ محض بچگانہ ہے۔

درحقیقت ایک ذہین آدمی ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہے گا لیکن دنیاوی معاملات میں جب تک گناہ نہ ہو اپنی زندگی کو آسان بنانے کے لیے اپنا رویہ بدلے گا۔ لہٰذا اپنی زندگی کو سنوارنے کے لیے بدلنا کمزوری کی علامت نہیں بلکہ دراصل ذہانت کی علامت ہے۔

بہت سے معاملات میں، ایک شخص اپنا رویہ تبدیل کرنے سے انکار کرتا ہے اور اپنی زندگی میں دوسروں سے توقع کرتا ہے کہ وہ اپنا رویہ بدلیں، جیسے کہ ان کے رشتہ دار۔ لیکن جو اکثر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ضد کی وجہ سے سب ایک ہی حالت میں رہتے ہیں جس سے باقاعدہ اختلاف اور جھگڑے ہی ہوتے ہیں۔ ایک عقلمند شخص یہ سمجھتا ہے کہ اگر اس کے ارد گرد کے لوگ اس سے بہتر نہیں ہوتے جو ان کی ضرورت سے بہتر ہوتی ہے۔ یہ تبدیلی ان کی زندگی کے معیار اور دوسروں کے ساتھ ان کے تعلقات کو بہتر بنائے گی جو لوگوں کے ساتھ سرکلر بحث کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ یہ مثبت رویہ بالآخر دوسروں کو ان کا احترام کرنے کا سبب بنے گا کیونکہ کسی کے کردار کو بہتر بنانے کے لیے حقیقی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔

جو لوگ ضدی رہتے ہیں وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ ناراض پاتے ہیں جس سے ان کی زندگی سے سکون ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں مزید مشکلات پیدا ہوں گی، جیسے کہ ان کی ذہنی صحت۔ لیکن جو لوگ بہتر کے لیے اپناتے اور بدلتے ہیں وہ ہمیشہ امن کے ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے ہیں۔ اگر کوئی یہ امن حاصل کر لیتا ہے تو کیا اس سے واقعی کوئی فرق پڑتا ہے اگر دوسرے یہ مانتے ہیں کہ وہ صرف اس لیے بدل گئے کہ وہ غلط تھے؟

آخر میں قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ثابت قدم رہنا قابل تعریف ہے۔ لیکن دنیاوی معاملات میں اور ایسے معاملات میں جہاں کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو انسان کو اپنا رویہ بدلنا سیکھنا چاہیے تاکہ وہ اس دنیا میں سکون حاصل کر سکے۔

سچا اچھا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال، غیر مسلم قبیلہ ثقیف کا ایک وفد اسلام قبول کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے قبیلوں میں سے ایک عثمان بن ابو العاص رضی اللہ عنہ کو اپنا سپہ سالار مقرر کیا۔ اس نے ایسا کیا حالانکہ وہ سب سے کم عمر مردوں میں سے ایک تھا، کیونکہ اس نے قرآن پاک کو سمجھنے کے لیے بے حد شوق ظاہر کیا تھا۔ آخرکار وہ قرآن پاک کا ماہر بن گیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بہت پسند کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 40 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2645 میں موجود حدیث میں نصیحت فرمائی کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو بھلائی دینا چاہتا ہے تو اسے اسلامی علم عطا کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلمان اپنے ایمان کی مضبوطی سے قطع نظر دونوں جہانوں کی بھلائی چاہتا ہے۔ اگرچہ بہت سے مسلمان یہ غلط سمجھتے ہیں کہ یہ خیر جس کی وہ خواہش کرتے ہیں وہ شہرت، دولت، اختیار، صحبت اور اپنے کیریئر میں مضمر ہے، یہ حدیث اس بات کو واضح کرتی ہے کہ اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ہی حقیقی دیرپا بھلائی ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ دینی علم کی ایک شاخ مفید دنیاوی علم ہے جس کے ذریعے انسان اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری کرنے کے لیے حلال رزق کماتا ہے۔ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ کہاں کہاں بھلائی ہے لیکن یہ شرم کی بات ہے کہ کتنے مسلمان اس کی قدر نہیں کرتے۔ وہ زیادہ تر معاملات میں اپنے واجبات کو پورا کرنے کے لیے صرف اسلامی علم کا کم سے کم حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات جیسی مزید چیزوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس کے بجائے وہ دنیاوی چیزوں پر اپنی کوششیں وقف کرتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ وہاں حقیقی اچھائی پائی جاتی ہے۔ بہت سے مسلمان اس بات کی تعریف کرنے میں ناکام رہتے ہیں کہ نیک پیشروؤں کو صرف ایک آیت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سیکھنے کے لیے ہفتوں تک سفر کرنا پڑا، جب کہ آج کوئی اپنا گھر چھوڑے بغیر اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود، بہت سے لوگ اس نعمت کو استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو جدید دور کے مسلمانوں کو دی گئی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی

بے پایاں رحمت سے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نہ صرف یہ بتا دیا ہے کہ سچی بھلائی کہاں ہے بلکہ اس نیکی کو انگلی کے اشارے پر بھی رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو بتا دیا ہے کہ ایک ابدی دفن خزانہ کہاں ہے جو دونوں جہانوں میں پیش آنے والے تمام مسائل کو حل کر سکتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کو یہ بھلائی تبھی ملے گی جب وہ اسے حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی جدوجہد کریں گے۔

ایک اچھا لیڈر

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال، غیر مسلم قبیلہ ثقیف کا ایک وفد اسلام قبول کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے قبیلوں میں سے ایک عثمان بن ابو العاص رضی اللہ عنہ کو اپنا سپہ سالار مقرر کیا۔ اس نے ایسا کیا حالانکہ وہ سب سے کم عمر مردوں میں سے ایک تھا کیونکہ اس نے قرآن پاک کو سمجھنے کے لیے بے حد شوق ظاہر کیا تھا۔ آخرکار وہ قرآن پاک کا ماہر بن گیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بہت پسند کیا۔ مدینہ سے روانہ ہوتے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ نماز میں اختصار کرو اور لوگوں کو ان کے کمزور ترین رکن سے جانچو کیونکہ ان میں بوڑھے، جوان سب شامل ہوں گے۔ ، کمزور اور ضرورت مند۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 40 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2409 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ ہر شخص اپنی زیر نگرانی چیزوں کا محافظ اور ذمہ دار ہے۔

سب سے بڑی چیز جس کا ایک مسلمان محافظ ہے وہ ان کا ایمان ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کریں۔

اس ولایت میں ہر وہ نعمت بھی شامل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے جس میں ظاہری چیزیں شامل ہیں جیسے مال اور اندرونی چیزیں جیسے کہ جسم۔ ایک مسلمان کو ان چیزوں کو اسلام کے بتائے ہوئے طریقے سے استعمال کرتے ہوئے ان کی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو اپنی آنکھیں صرف حلال چیزوں کو دیکھنے کے لیے اور اپنی زبان کو صرف حلال اور مفید الفاظ کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

یہ سرپرستی کسی کی زندگی میں دوسروں جیسے رشتہ داروں اور دوستوں تک بھی پھیلتی ہے۔ ایک مسلمان کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اس ذمہ داری کو اپنے حقوق کی ادائیگی اور نرمی سے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے جیسے حقوق کو پورا کرتے ہوئے پورا کرنا چاہیے، کسی کو دوسروں سے خاص طور پر دنیاوی مسائل میں کٹنا نہیں چاہیے۔ اس کے بجائے انہیں اس امید پر ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا جاری رکھنا چاہیے کہ وہ بہتر کے لیے بدل جائیں گے۔ اس سرپرستی میں کسی کے بچے بھی شامل ہیں۔ ایک مسلمان کو مثال کے طور پر رہنمائی کرتے ہوئے ان کی رہنمائی کرنی چاہیے کیونکہ یہ بچوں کی رہنمائی کا سب سے مؤثر طریقہ ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے اور اپنے بچوں کو بھی ایسا ہی کرنا سکھائیں۔

نتیجہ اخذ کرنا کہ اس حدیث کے مطابق ہر ایک پر کوئی نہ کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ علم حاصل کریں اور ان پر عمل کریں تاکہ ان کی تکمیل ہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک حصہ ہے۔

چیزوں کو آسان بنائیں

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال، غیر مسلم قبیلہ ثقیف کا ایک وفد اسلام قبول کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے قبیلوں میں سے ایک عثمان بن ابو العاص رضی اللہ عنہ کو اپنا سپہ سالار مقرر کیا۔ اس نے ایسا کیا حالانکہ وہ سب سے کم عمر مردوں میں سے ایک تھا کیونکہ اس نے قرآن پاک کو سمجھنے کے لیے بے حد شوق ظاہر کیا تھا۔ آخرکار وہ قرآن پاک کا ماہر بن گیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بہت پسند کیا۔ مدینہ سے روانہ ہوتے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جب وہ نماز جماعت کی امامت کرتے تھے تو قرآن مجید کے چھوٹے چھوٹے ابواب کی تلاوت کریں تاکہ لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا ہوں۔ .اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 40 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6125 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ وہ دوسروں کے لیے مشکل بنانے کے بجائے آسانی پیدا کریں۔ اور دوسروں کو خوشخبری دینا اور نہ ڈرانا۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ اسلامی علوم کو سیکھ کر اور اس پر عمل کر کے اپنے لیے سب سے پہلے چیزوں کو آسان بنائے تاکہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کر سکے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ روایات پر عمل کر سکے، اور اپنی ضروریات کو پورا کر سکے۔ ان کے انحصار کرنے والوں کی ضروریات۔ اس سے انہیں فضول خرچی یا اسراف کے بغیر حلال چیزوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے کافی وقت ملے گا۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق عمل صالح کے لیے کرے نہ کہ اپنے اوپر بوجھ ڈالے کیونکہ اسلام میں یہ ناپسندیدہ ہے۔ صحیح بخاری نمبر 6465 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ متوازن طرز عمل ہمیشہ بہترین ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے لیے خاص طور پر مذہبی معاملات میں آسانیاں پیدا کریں تاکہ لوگ اسلام کو ایک بوجھل مذہب سمجھتے ہوئے اس سے نفرت نہ کریں جب کہ یہ حقیقت میں ایک سادہ اور آسان مذہب ہے۔ اس کی تصدیق امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ دوسروں کو، خصوصاً بچوں کو سکھانا ضروری ہے۔ 287 اگر بچے غلط طور پر مانتے ہیں کہ اسلام ایک مشکل مذہب ہے تو وہ بڑے ہو کر اس سے منہ موڑ لیں گے۔ بچوں کو یہ سکھایا جائے کہ اسلام میں کچھ ذمہ داریاں ہیں جنہیں پورا کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگتا اور اچھے طریقے سے تفریح کرنے کے لیے ان کے لیے کافی وقت رہ جاتا ہے۔

لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ دینی معاملات میں اپنے لیے یا دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان سست ہو جائے اور دوسروں کو سست ہونا سکھائے کیونکہ کم از کم ذمہ داریوں کو ہر وقت پورا کرنا ضروری ہے جب تک کہ اسلام اس سے مستثنیٰ نہ ہو۔ سستی کرنے والا اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتا، صرف اپنی خواہشات کو مانتا ہے۔

دوسروں کے لیے چیزوں کو آسان بنانے کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسروں سے اپنے مکمل حقوق کا مطالبہ نہیں کرتا ہے۔ اس کے بجائے، انہیں اپنی جسمانی یا مالی طاقت جیسے ذرائع کو اپنی مدد اور دوسروں کے لیے آسان بنانے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ بعض صورتوں میں دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں ناکامی سزا کا باعث بنتی ہے۔ دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کے لیے ایک مسلمان کو صرف بعض صورتوں میں اپنے حقوق کا مطالبہ کرنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان کو دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرے جن پر ان کے حقوق ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک والدین اپنے بالغ بچے کو گھر کے کسی خاص کام سے معافی دے سکتے ہیں اور اگر ان کے پاس بغیر کسی پریشانی کے ایسا کرنے کا ذریعہ ہے خاص طور پر اگر وہ بچہ کام سے تھک کر گھر لوٹتا ہے۔ یہ نرمی اور رحم نہ صرف اللہ تعالیٰ کو ان پر زیادہ رحم کرنے کا باعث بنے گا بلکہ اس سے لوگوں میں ان کے لیے محبت اور احترام بھی بڑھے گا۔ جو ہمیشہ اپنے پورے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے وہ گنہگار نہیں ہے لیکن اگر وہ اس طرح کا برتاؤ کریں گے تو وہ اس اجر و ثواب سے محروم ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کریں اور امید رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے دنیا اور آخرت میں آسانیاں پیدا کرے گا۔ لیکن جو لوگ دوسروں کے لیے مشکلیں پیدا کرتے ہیں وہ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے دونوں جہانوں میں مشکلیں پیدا کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو اپنے آپ کو اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی ان گنت نعمتوں اور عظیم انعامات کی یاد دلانا چاہیے جو وہ مسلمانوں کو اس دنیا اور آخرت میں عطا کرتا ہے جو اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرتے ہوئے اور تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ یہ طریقہ زیادہ تر معاملات میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف ترغیب دینے میں زیادہ کارگر ہے۔ صرف بعض صورتوں میں جب کوئی شخص خواہش مندانہ سوچ میں مبتلا ہو اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر رہا ہو، اس امید کے ساتھ کہ وہ کامیاب ہو جائے گا، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ انہیں ان کے اعمال کے نتائج سے خبردار کرے، ان میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرے۔

ایک توازن بہترین ہے جس کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ پر امید رکھتا ہے، اس کی اطاعت اور اس سے ڈرنے کی ترغیب دیتا ہے تاکہ گناہوں سے بچا جا سکے۔ اور جب بھی کوئی عدم توازن محسوس کرتا ہے یا دوسروں کو دیکھتا ہے جو عدم توازن کا شکار ہو چکے ہیں تو ایک مسلمان کو اپنے آپ کو اور دوسروں کو صحیح درمیانی راستے پر لانے کے لیے مناسب طریقے سے عمل کرنا چاہیے۔

معاف کرو اور بھول جاؤ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال، غیر مسلم قبیلہ ثقیف کا ایک وفد اسلام قبول کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وحشی وہ شخص جس نے جنگ احد میں حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا، اس وفد میں شامل ہوا تاکہ اس کی حفاظت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اسلام قبول کر سکے۔ اسے جب وہ مدینہ منورہ پہنچے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا اس کے بارے میں پوچھا اور ان کے ایمان کی گواہی کو قبول کر لیا لیکن ان سے پوچھا کہ کیا آپ ان سے غیر ضروری طور پر ملنے سے بچ سکتے ہیں؟ مستقبل، جیسا کہ اسے دیکھ کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل اور مسخ کرنے کی یاد تازہ ہو گئی۔ صحیح بخاری نمبر 4072 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اگرچہ وحشی کے گناہ معاف کر دیے گئے، جیسا کہ اس نے اسلام قبول کر لیا، پھر بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے درخواست کی کہ وہ بلا ضرورت اس سے ملنے سے گریز کریں۔ سب سے پہلے تو یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی انسانی فطرت پر دلالت کرتا ہے۔ اس نے وہی احساسات محسوس کیے جو کوئی دوسرا انسان محسوس کرے گا، جیسے غصہ اور غم۔ اس کے علاوہ، یہ درخواست مسلم کمیونٹی کے لیے ایک بڑی راحت تھی کیونکہ اس سے مسلمانوں کے لیے معاملات آسان ہو گئے تھے۔ اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا برتاؤ کرتے جیسے وحشی نے کچھ نہ کیا ہو تو تمام مسلمانوں کو اس طرح کا برتاؤ کرنے پر مجبور کر دیتا جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ وہ، واجب ہے .باب 3 31 علی عمران، آیت:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

مسلمانوں کی اکثریت دوسروں کے ساتھ اس طرح کا سلوک نہیں کر سکے گی۔ چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی درخواست نے ان کے لیے آسانیاں پیدا کر دیں۔ یہ معاف کرنے اور بھول جانے کے غلط تصور کو درست کرتا ہے۔ یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ انسان کمپیوٹر نہیں ہیں، جو ذہنوں سے یادیں مٹا دیں۔ لوگوں سے یہ توقع نہیں کی جاتی کہ وہ دوسروں کے اعمال کو بھول جائیں، بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی خاطر دوسروں کو معاف کرنے اور دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ باب 24 النور، آیت 22:

"...اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟''

اسی لیے صحیح بخاری کی حدیث نمبر 6133 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی ہے کہ مومن کو ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔ مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو دوسروں کو معاف کرنا چاہیے اور ان کے حقوق ادا کرنے چاہییں، لیکن دوسروں پر اندھا بھروسہ نہیں کرنا چاہیے، خاص کر جب ماضی میں ان پر ظلم ہوا ہو۔ دوسروں کے ماضی کے اعمال کو نظر انداز کرنا انہیں مستقبل میں اسی طرح برتاؤ کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس واقعہ سے سبق حاصل کرنا چاہیے اور دوسروں کو معاف کرنا سیکھنا چاہیے اور اپنے حقوق کی ادائیگی کے لیے جدوجہد کرنا چاہیے لیکن ان سے یہ توقع نہیں کی جاتی کہ وہ دوسروں کے اعمال کو بھول جائیں اور نہ ہی ان پر اندھا اعتماد کریں۔

رحمت کی امید

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال، غیر مسلم قبیلہ ثقیف کا ایک وفد اسلام قبول کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وحشی وہ شخص جس نے جنگ احد میں حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا، اس وفد میں شامل ہوا تاکہ اس کی حفاظت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اسلام قبول کر سکے۔ اسے صحیح بخاری نمبر 4072 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

جب وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ آپ کی توبہ قبول کرے گا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ چیزوں کو شریک کیا، لوگوں کو ناحق قتل کیا اور زنا کیا۔ اس کے جواب میں، اللہ تعالیٰ، باب 25 الفرقان، آیات 68-70:

"اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے یا اس جان کو قتل کرتے ہیں جسے اللہ نے حرام کیا ہے، سوائے حق کے، اور نہ ہی ناجائز مباشرت کرتے ہیں۔ اور جو ایسا کرے گا اسے سزا ملے گی۔ قیامت کے دن اس کے لیے عذاب دوگنی ہے اور وہ اس میں ذلیل ہو کر رہے گا۔ سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کریں، ایمان لائیں اور نیک کام کریں۔ ان کے لیے اللہ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔ اور اللہ ہمیشہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

وحشی نے مشاہدہ کیا کہ توبہ اسی صورت میں قبول کی جائے گی جب وہ نیک کام جاری رکھے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے باب 4 النساء آیت 48 نازل فرمائی:

''بے شک اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ شرک کو معاف نہیں کرتا لیکن اس سے کم جس کے لیے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔ اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اس نے یقیناً بہت بڑا گناہ باندھا۔

وحشی نے تبصرہ کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق معافی کی شرط کو متعین کرتا ہے اور اگر وہ اس سے خارج ہو تو کیا ہوگا؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر آیت نمبر 39 نازل فرمائی:

"کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے، بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔"

یہ آیت سن کر اس نے اسلام قبول کر لیا۔

اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 68:25-70، صفحہ 122-123 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحمت الٰہی سے حقیقی امید اور خواہش مندانہ سوچ کے درمیان فرق بیان فرمایا۔ حقیقی امید وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ کر اپنی روح کو قابو میں رکھے اور آخرت کی تیاری کے لیے سرگرم جدوجہد کرے۔ جبکہ احمق خواہش مند مفکر ان کی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت اور ان کی خواہشات کی تکمیل کی توقع رکھتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ان دونوں رویوں میں خلط ملط نہ کریں تاکہ وہ ایک خواہش مند مفکر کے طور پر جینے اور مرنے سے بچیں کیونکہ اس شخص کے اس دنیا یا آخرت میں کامیاب ہونے کا بہت زیادہ امکان نہیں ہے۔ خواہش مند سوچ ایک کسان کی طرح ہے جو پودے لگانے کے لیے زمین کو تیار کرنے میں ناکام رہتا ہے، بیج لگانے میں ناکام رہتا ہے، زمین کو

پانی دینے میں ناکام رہتا ہے اور پھر بڑی فصل کی کٹائی کی توقع رکھتا ہے۔ یہ صریح حماقت ہے اور اس کسان کے کامیاب ہونے کا امکان بہت کم ہے۔ جبکہ حقیقی امید ایک کسان کی طرح ہے جو زمین کو تیار کرتا ہے، بیج لگاتا ہے، زمین کو پانی دیتا ہے اور پھر یہ امید رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بڑی فصل سے نوازے گا۔ اہم فرق یہ ہے کہ جو شخص سچی امید رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی پوری کوشش کرتا ہے، اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز رہتا ہے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق ہوتا ہے۔ اس پر اور جب بھی پھسلتے ہیں تو سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ جبکہ خواہش مند مفکر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سرگرداں نہیں ہو گا بلکہ ان کی خواہشات کی پیروی کرے گا اور پھر بھی اللہ تعالیٰ سے یہ امید رکھے گا کہ وہ انہیں معاف کر دے گا اور ان کی خواہشات کو پورا کرے گا۔

لہٰذا مسلمانوں کو اس اہم فرق کو سیکھنا چاہیے تاکہ وہ خواہش مندانہ سوچ کو ترک کر سکیں اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ سے سچی امید اختیار کر سکیں جو ہمیشہ دونوں جہانوں میں بھلائی اور کامیابی کے سوا کچھ نہیں دیتی۔ صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

خواہش مندانہ سوچ کی ایک خاص قسم جس نے ماضی کی قوموں اور حتیٰ کہ مسلم قوم کو بھی متاثر کیا جب کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام و ممنوعات کو نظر انداز کر سکتا ہے اور قیامت کے دن کوئی نہ کوئی ان کی شفاعت کرے گا اور انہیں بچا لے گا۔ نرک سے. حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ایک حقیقت ہے اور بہت سی احادیث میں اس پر بحث کی گئی ہے، جیسا کہ سنن ابن ماجہ، نمبر 4308 میں موجود ہے، کچھ بھی نہیں، حتیٰ کہ آپ کی شفاعت سے بعض مسلمان جس کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی وہ پھر بھی جہنم میں داخل ہوگا۔ جہنم میں ایک لمحہ بھی واقعی ناقابل برداشت ہے۔ لہٰذا خواہش مندانہ سوچ کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں عملی طور پر کوشش کرتے ہوئے سچی امید کو اپنانا چاہیے۔

شیطان ان لوگوں کو جو قیامت پر یقین نہیں رکھتے ہیں کہ اگر ایسا ہو بھی جائے تو وہ اس دن یہ دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ سے صلح کر لیں گے کہ وہ اتنے برے نہیں تھے کہ انہوں نے قتل جیسے بڑے جرائم سے اجتناب کیا۔ انہوں نے اپنے آپ کو یہ باور کرایا ہے کہ ان کی درخواستیں قبول کی جائیں گی اور انہیں جنت میں بھیج دیا جائے گا اگرچہ انہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران

اللہ تعالیٰ سے کفر کیا۔ یہ ناقابل یقین حد تک احمقانہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرے گا جو اس پر ایمان لایا اور اس کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنے والے کی طرح اس کے ساتھ کفر کیا۔ ایک آیت نے اس قسم کی خواہش مند سوچ کو مٹا دیا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 85:

" اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔"

چیزوں کو چھوڑنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت کے نویں سال میں بالی کے غیر مسلم قبیلے کا ایک وفد مدینہ آیا اور اسلام قبول کیا۔ ان کے سردار ابو ادیب رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سلسلہ وار سوالات کئے۔ ان میں سے ایک اس بارے میں تھا کہ آوارہ اونٹ کے بارے میں کیا کیا جائے جو کسی کو ملے۔ مؤخر الذکر نے جواب دیا کہ کھویا ہوا اونٹ اس کا کوئی کام نہیں ہے اور اسے چاہیے کہ اسے اپنے لیے لینے کے بجائے مالک کو تلاش کرنے کی کوشش کرے۔ اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب مہربند نیکٹر صفحہ 446 میں بحث ہوئی ہے۔

عام طور پر، یہ کسی کے کاروبار کو ذہن میں رکھنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک اپنے اسلام کو بہترین نہیں بنا سکتا جب تک کہ وہ ان چیزوں سے اجتناب نہ کرے جن سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

اس حدیث میں ایک ہمہ گیر نصیحت ہے جس کا اطلاق زندگی کے ہر پہلو پر ہونا چاہیے۔ اس میں ایک شخص کی تقریر کے ساتھ ساتھ ان کے دیگر جسمانی اعمال بھی شامل ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مسلمان اپنے ایمان کو کامل کرنا چاہتا ہے اسے ایسی باتوں سے اجتناب کرنا چاہیے، قول و فعل کے ذریعے، جن سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اس کے بجائے وہ خود کو ان کاموں میں مشغول رکھیں جو کرتے ہیں۔ انسان کو ان باتوں کو بہت سنجیدگی سے لینا چاہیے جو ان کے ساتھ ہیں اور ان ذمہ داریوں کو نبھانے کی کوشش کریں جو اسلام کی تعلیمات کے مطابق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہیں۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی سوچ یا خواہشات کے مطابق چیزوں سے گریز کرے تو وہ اپنا ایمان مکمل نہیں کر سکے گا۔ لیکن جو اپنا ایمان کامل کرتا ہے وہ ان چیزوں سے اجتناب کرتا ہے جن سے بچنے کی اسلام نے نصیحت کی ہے۔ یعنی اپنے تمام فرائض کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، تمام گناہوں اور اسلام میں ناپسندیدہ چیزوں سے بچنا چاہیے اور غیر ضروری حلال چیزوں کے زیادہ استعمال سے بھی پرہیز

کرنا چاہیے۔ اس فضیلت کو حاصل کرنا ایمان کی فضیلت کی ایک خصوصیت ہے جس کا ذکر صحیح مسلم نمبر 99 کی حدیث میں ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرتا ہے کہ گویا وہ اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے یا وہ کم از کم اللہ سے پوری طرح واقف ہو جاتا ہے۔ ان کے ہر خیال اور عمل کا مشاہدہ کرنے والا۔ اس الٰہی نگرانی سے آگاہ ہونا ایک مسلمان کو ہمیشہ گناہوں سے پرہیز کرنے اور اعمال صالحہ کی طرف جلدی کرنے کی ترغیب دے گا۔ جو ان چیزوں سے پرہیز نہیں کرتا جن سے کوئی سروکار نہیں وہ اس درجہ فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا۔

ان چیزوں سے اجتناب کرنے کا ایک بڑا پہلو جن سے انسان کو کوئی سروکار نہیں ہوتا اس کا تعلق تقریر سے ہے۔ گناہوں کی کثرت اس وقت ہوتی ہے جب انسان ایسے الفاظ کہے جن سے کوئی تعلق نہ ہو، جیسے غیبت اور غیبت۔ فضول گفتگو کی تعریف یہ ہے کہ جب کوئی شخص ایسے الفاظ کہے جو گناہ کے تو نہ ہوں لیکن بیکار ہوں اور اس لیے ان کی فکر نہ ہو۔ جیسا کہ صحیح بخاری ،نمبر 2408 میں موجود حدیث سے ثابت ہے کہ لغو بات اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ لاتعداد دلائل لڑائیاں اور یہاں تک کہ جسمانی نقصان بھی صرف اس لیے ہوا ہے کہ کسی نے ایسی بات کی جس سے انہیں کوئی سروکار نہ ہو۔ کئی خاندان تقسیم ہو چکے ہیں۔ بہت سی شادیاں ختم ہو چکی ہیں کیونکہ کسی کو ان کے کاروبار پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مفید کلام کی مختلف اقسام کی نصیحت فرمائی ہے جس سے لوگوں کو فکر مند ہونا چاہیے۔ باب 4 النساء، آیت 114:

"ان کی زیادہ تر نجی گفتگو میں کوئی بھلائی نہیں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو صدقہ کرنے کا حکم دیتے ہیں یا جو حق ہے یا لوگوں کے درمیان صلح کرواتے ہیں۔ اور جس نے یہ کام اللہ کی رضامندی کے لیے کیا تو ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔

درحقیقت ایسے الفاظ کا بولنا جو انسان کے لیے فکرمند نہ ہوں، لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی بنیادی وجہ ہو گی۔ جامع ترمذی نمبر 2616 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2412 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی کہ تمام تقریریں شمار ہوں گی۔ کسی شخص کے خلاف جب تک کہ اس کا تعلق نیکی کی نصیحت، برائی سے منع کرنے یا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تقریر کی دیگر تمام شکلیں کسی شخص کی فکر نہیں ہیں کیونکہ ان سے انہیں

کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اچھی نصیحت کرنا ہر اس چیز کو شامل کرتا ہے جو کسی کی دنیاوی اور مذہبی زندگی میں فائدہ مند ہو، جیسے کہ وہ پیشہ۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے قول و فعل کے ذریعے ان باتوں سے بچنے کی کوشش کریں جن سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے تاکہ وہ اپنے ایمان کو مکمل کر سکیں۔ سیدھے الفاظ میں، جو شخص ان چیزوں کے لیے وقت لگاتا ہے جن سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، وہ ان چیزوں میں ناکام ہو جاتا ہے جو ان سے متعلق ہیں۔ اور جو اپنے آپ کو ان چیزوں میں مشغول رکھتا ہے جو ان سے متعلق ہیں وہ ان چیزوں پر خرچ کرنے کے لئے وقت نہیں پائے گا جو ان سے متعلق نہیں ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کریں گے۔

منافقوں کے سردار کی موت

استقامت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوگیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی آخری بیماری کے دوران باقاعدگی سے ان کی عیادت کرتے تھے اس امید پر کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں گے اور سچے مسلمان بن جائیں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 45 میں بحث کی گئی ہے۔

جو شخص اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ دوسروں کو نیکی کی کثرت سے یاد دلانے کی کوشش کرے۔ لوگ جلدی سے غافل ہو سکتے ہیں اس لیے انہیں مسلسل یاد دلانا ضروری ہے۔ باب 28 القصص، آیت 51:

"اور ہم نے ان تک کلام]یعنی قرآن [پہنچایا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ "

بالکل ایسے طلباء کی طرح جو اس کے علم کو تقویت دینے کے لیے اپنے نوٹوں پر بار بار نظر ثانی کرتے ہیں۔ اسلام کے حقیقی لفظ کا کسی ان کے ذہنوں میں بار بار یاد دلانے سے فائدہ ہوگا۔ اچھے الفاظ کو صرف ایک بار اچھا مشورہ نہیں دینا چاہئے اور پھر ترک نہیں کرنا چاہئے۔ ڈھانچے میں دہرانا پانی کے مسلسل قطروں کی طرح ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ گھس جاتا ہے۔ مثال کے پر درود و سلام انبیاء علیہم السلام تمام ۔ سب سے مشکل .یہ اللہ تعالیٰ کی روایت ہے ۔ طور پر، اعلیٰ اللہ، کی دینے کا حکم قائم کرنے کو ایک بار نمازوں کو فرض مسلمانوں صرف ضرورت تھی، لیکن اس نے قرآن پاک میں کئی بار ایسا کیا ہے۔

تقریباً 950 سال لگاتار اپنی قوم میں ایمان کی بات پھیلانے میں گزارے۔ علیہ السلام نے حضرت نوح
باب 29 العنکبوت، آیت 14:

اور یقیناً ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ ان میں ایک ہزار سال کم پچاس سال ’’
رہے‘‘۔

ہر لمحہ اسلام کی تبلیغ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وسلم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ رضی اللہ عنہم کو اسلامی تعلیمات پر استعمال کیا اور اپنے آخری لمحات میں بھی صحابہ کرام ۔ کاربند رہنے کی تلقین فرمائی۔ یہ سنن ابن ماجہ نمبر 2697 میں موجود ایک حدیث میں درج ہے اور چند مواقع کے بعد نصیحت کرنا چھوڑ کر شیطان کے رویہ اختیار کرنا چاہیے انسان کو یہ لہٰذا وسوسوں کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ جو مسلمان دوسروں کو اسلام کی دعوت دیتا ہے اس کا فرض لیکن اس کا اثر لوگوں کے دلوں پر پڑتا ہے یا نہیں؟ یہ ہے کہ وہ اسے مسلسل کرے

لیکن اس بات پر زور دینا ضروری ہے کہ باقاعدگی سے رہنے اور دوسروں کو مارنے میں فرق ہے۔ ایک مسلمان کو مسلسل دوسروں کو نیکی کا حکم نہیں دینا چاہیے کیونکہ یہ دوسروں کے لیے دبنگ اور بوجھ بن سکتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت زیادہ لیکچر دینے سے پرہیز کیا کیونکہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہیں چاہتے تھے کہ وہ بور اور بوجھل ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صرف جمعرات کو ہی خطبہ دیا حالانکہ ان سے زیادہ دینے کی درخواست کی گئی تھی۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 7127 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

سب کا شکریہ ادا کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوگیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی آخری بیماری کے دوران باقاعدگی سے ان کی عیادت کرتے تھے اس امید پر کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں گے اور سچے مسلمان بن جائیں گے۔ تاہم اس نے توبہ نہیں کی اور منافق کی موت واقع ہوئی۔ ان کے صاحبزادے عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قمیص کی درخواست کی تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے والد کے جسم کو اس سے لپیٹ لیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے ان سے اپنے والد کی نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قمیص دی اور نماز جنازہ کی امامت کے لیے اٹھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف اپنے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ جو ایک مخلص صحابی رضی اللہ عنہ کی خواہش پوری فرمائی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن کے احسان کا بدلہ بھی دیا۔ غزوہ بدر کے بعد جب ابی نے اپنی قمیص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس بن مطلب رضی اللہ عنہ کو دے دی، جیسا کہ کوئی اور قمیض ان کے لیے موزوں نہیں تھی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 46-47 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1954 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔

اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام نعمتوں کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے، لیکن لوگوں کا شکر ادا کرنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی شخص کو دوسروں کی مدد کے لیے استعمال کرتا ہے جیسے کہ اس کے والدین۔ جیسا کہ اسباب اللہ تعالیٰ نے بنائے اور استعمال کیے، ان کا شکر ادا کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے۔ لہٰذا، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اچھے کردار کا مظاہرہ کریں اور دوسروں کی طرف سے ملنے والی کسی بھی امداد یا حمایت کے لیے ہمیشہ قدردانی کا مظاہرہ کریں، چاہے اس کا حجم کچھ بھی ہو۔ انہیں چاہیے کہ نعمتوں کو اس کے حکم کے مطابق استعمال کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کیونکہ وہ نعمت کا سرچشمہ ہے اور اس شخص کا شکر ادا کریں کیونکہ یہ وہ وسیلہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تخلیق اور منتخب کیا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ زبانی طور پر لوگوں کا شکر ادا کرے اور عملی طور پر ان کے احسان کا بدلہ ان کی وسعت کے مطابق ادا کرے خواہ یہ ان کی

طرف سے صرف دعا ہی کیوں نہ ہو۔ امام بخاری کی کتاب ادب المفرد نمبر 216 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا سچا شکر ادا نہیں کر سکتا، اس لیے اسے نعمتوں میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

اگر کوئی مسلمان نعمتوں میں اضافے کا خواہاں ہے تو اسے شکر گزاری کے دونوں پہلوؤں کو پورا کرنا چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ اور لوگوں کا۔

رحمت کامیابی کی طرف لے جاتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوگیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی آخری بیماری کے دوران باقاعدگی سے ان کی عیادت کرتے تھے اس امید پر کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں گے اور سچے مسلمان بن جائیں گے۔ تاہم اس نے توبہ نہیں کی اور منافق کی موت واقع ہوئی۔ ان کے صاحبزادے عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قمیص کی درخواست کی تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے والد کے جسم کو اس سے لپیٹ لیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے ان سے اپنے والد کی نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قمیص دی اور نماز جنازہ کی امامت کے لیے اٹھے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنا گاؤن پکڑا اور اس شخص کی نماز جنازہ نہ پڑھانے کی تاکید کی جو اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تباہ کرنے کی کوشش میں کسی چیز سے باز نہیں آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں تک کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ آیت یاد دلائی جس میں واضح طور پر لکھا ہے کہ اگر آپ منافقین کے لیے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف نہیں کرے گا۔ باب 9 توبہ آیت 80:

"ان کے لیے استغفار کرو، یا ان کے لیے استغفار نہ کرو۔ اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ استغفار کریں تو اللہ انہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ میں اس کے لیے ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا۔ پھر اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اللہ تعالیٰ نے پھر اسے آئندہ ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ باب 9 توبہ آیت 84:

"اور ان میں سے جو کبھی فوت ہو گیا ہو اس کی [نماز جنازہ [نہ پڑھو اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو۔ بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور نافرمانی کی حالت میں ہی مرے۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 46-47 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 7376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرے گا جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا۔

اسلام بہت سادہ مذہب ہے۔ اس کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک اس قدر سادہ ہے کہ ان پڑھ لوگ بھی ان کو سمجھ سکتے ہیں اور اس پر عمل کر سکتے ہیں، یعنی لوگ دوسروں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا۔ مثال کے طور پر جو لوگ دوسروں کی غلطیوں کو درگزر کرنا اور معاف کرنا سیکھتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ باب النور، آیت 22 24:

"...اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟''

جو لوگ فائدہ مند دنیاوی اور دینی معاملات میں دوسروں کی مدد کرتے ہیں جیسے کہ جذباتی یا مالی امداد اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کی مدد کرے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4893 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ یہی حدیث نصیحت کرتی ہے کہ جو دوسروں کے عیب چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیب چھپاتا ہے۔

سیدھے الفاظ میں، اگر کوئی اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک اور احترام کا سلوک کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرے گا۔ اور جو لوگ دوسروں

کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں ان کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ ایسا ہی سلوک کرے گا، خواہ وہ فرض نمازوں جیسے واجبات کو پورا کرتے ہوں۔ یہ اس لیے ہے کہ ایک مسلمان کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے دونوں فرائض کو پورا کرنا چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے لیے فرائض۔

آخر میں، یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ صرف اللہ کی طرف سے حسن سلوک کیا جائے گا، اگر وہ اس کی خاطر دوسروں سے حسن سلوک سے پیش آئے۔ اگر وہ اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے ایسا کرتے ہیں تو بلاشبہ ان تعلیمات میں مذکور اجر کو ضائع کر دیں گے۔ تمام عبادات اور اسلام کی بنیاد خود انسان کی نیت ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

مقدس زیارت کو پاک کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ اس میں صرف ایک مسلمان ہی حصہ لے سکتا ہے۔ اس سال کے بعد مقدس زیارت۔ اس سے پہلے غیر مسلم اپنے اپنے گمراہ کن رسم و رواج کے مطابق حج کرتے تھے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 48-49 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 1773 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ قبول شدہ حج کا ثواب جنت کے سوا کچھ نہیں۔

حج کا اصل مقصد مسلمانوں کو آخرت کے آخری سفر کے لیے تیار کرنا ہے۔ جس طرح ایک مسلمان اپنے گھر، کاروبار، دولت، خاندان، دوست احباب اور سماجی حیثیت کو حج مقدس کرنے کے لیے چھوڑتا ہے، یہ اس کی موت کے وقت اس وقت ہو گا جب وہ آخرت کی طرف آخری سفر پر نکلے گا۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 2379 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ کسی شخص کا اہل و عیال ان کی قبر پر چھوڑ دیتے ہیں اور ان کے ساتھ صرف اس کے اچھے اور برے اعمال ہی ہوتے ہیں۔

جب کوئی مسلمان اپنے حج کے دوران اس بات کو ذہن میں رکھے گا تو وہ اس فرض کے تمام پہلوؤں کو صحیح طریقے سے ادا کرے گا۔ یہ مسلمان ایک بدلے ہوئے شخص کے گھر واپس آئے گا کیونکہ وہ اس مادی دنیا کے اضافی پہلوؤں کو جمع کرنے کے بجائے آخرت کے اپنے آخری سفر کی تیاری کو ترجیح دے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں جدو جہد کریں گے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کریں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کریں گے، جس میں ان کی تکمیل کے لیے اس دنیا سے لے جانا بھی شامل ہے۔ ضرورتیں اور ان کے زیر کفالت افراد کی ضرورتیں بغیر فضول خرچی یا اسراف کے۔

مسلمانوں کو حج کو تعطیل اور خریداری کی جگہ نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ یہ رویہ اس کے مقصد کو ختم کر دیتا ہے۔ یہ مسلمانوں کو ان کے آخرت کے آخری سفر کی یاد دلاتا ہے جس کی واپسی اور کوئی دوسرا موقع نہیں ہے۔ صرف اسی سے انسان کو حج کی صحیح تکمیل اور آخرت کے لیے مناسب تیاری کرنے کی ترغیب ملے گی۔

غربت سے مت ڈرو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ مشرکین مکہ میں خانہ کعبہ کے اطراف مقدس میں داخل نہ ہوں۔ ، حج کے دوران یا دوسرے اوقات میں۔ مکہ کے کچھ لوگ پریشان ہو گئے کیونکہ وہ حج کے موسم میں تجارت کے لیے مسلم اور غیر مسلم حاجیوں پر انحصار کرتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر حال میں رزق دینے کا وعدہ کیا۔ باب 9 توبہ آیت 28:

"اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، بے شک مشرک]روحانی [ناپاک ہیں، لہٰذا وہ اس سال کے بعد مسجد الحرام کے قریب نہ جائیں۔ اور اگر تم محرومی سے ڈرتے ہو تو اللہ چاہے گا تم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا..."

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 1 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے تمام مخلوقات کے لیے رزق جیسی تمام چیزیں مختص کر دیں۔ اور زمین.

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تمام حالات کے حوالے سے دو پہلو ہوتے ہیں، جیسے رزق حاصل کرنا۔ پہلا پہلو وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے معنی، تقدیر کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ واقع ہو گا اور تخلیق میں کوئی بھی چیز اسے ہونے سے نہیں روک سکتی۔ چونکہ یہ ایک شخص کے ہاتھ سے باہر ہے اس پہلو پر دباؤ ڈالنا کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ ان کا تقدیر پر کوئی اثر نہیں ہوتا چاہے وہ یا کوئی اور کرتا ہو۔

دوسرا پہلو اس کی اپنی کوشش ہے۔ اس پہلو پر ایک شخص کا مکمل اختیار ہے اور اس لیے انہیں اس پہلو پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جو انہیں فراہم کیے گئے ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے ان کی جسمانی طاقت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے وہ صبر جس پر ان کا کوئی اختیار نہیں، روایات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق۔ اس میں حرام، زیادتی، فضول خرچی اور اسراف سے بچتے ہوئے ان کی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے حلال رزق حاصل کرنے کی کوشش کرنا شامل ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو ان چیزوں پر دباؤ ڈالنے میں کبھی بھی وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے جن پر اس کا کوئی کنٹرول یا اثر نہیں ہے، بلکہ وہ اپنے پاس موجود ذرائع کو استعمال کرے اور ان چیزوں پر عمل کرے جن پر اس کا اختیار ہے، اسلام کی تعلیمات کے مطابق۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کا حکم دیا ہے۔

اخلاص میں سچا ۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ اس میں صرف ایک مسلمان ہی حصہ لے سکتا ہے۔ اس سال کے بعد مقدس زیارت۔ اس سے پہلے غیر مسلم اپنے اپنے گمراہ کن رسم و رواج کے مطابق حج کرتے تھے۔ اس اعلان سے پہلے اور اسی سال حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حج کا انچارج مقرر فرمایا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 48-49 اور امام محمد السلبی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 150-151 میں بحث کی گئی ہے۔

اس اعلان کو عام کرنے کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو حجاج میں شامل ہونے کے لیے روانہ کیا۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سے ملے تو انہوں نے فوراً دریافت کیا کہ کیا آپ کو ان سے قیادت سنبھالنے کے لیے بھیجا گیا ہے یا کوئی پیغام پہنچانے کے لیے؟ علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وہ صرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ سنن نسائی نمبر 2996 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تبدیل کرنے میں کوئی پریشانی نہیں تھی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص تھے۔ یعنی اسے قیادت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی بلکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اطاعت کرنا چاہتا تھا۔ یہ اخلاص ایمان کا جوہر ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب، معانی، قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اخلاص ہے۔ اس پر درود ہو۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف سے دیے گئے تمام فرائض کو احکام و ممنوعات کی صورت میں ادا کرنا، صرف اس کی رضا کے لیے۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ سب ان کی نیت سے پرکھیں گے۔ پس اگر کوئی نیک عمل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص نہ ہو تو اسے نہ دنیا میں اجر ملے گا اور نہ آخرت میں۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جن لوگوں نے گستاخیاں کیں ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اجر طلب کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ باب 98 البیینہ، آیت 5۔

"اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لیے خالص ہو کر۔"

اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ اخلاص کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ صدق دل سے توبہ کریں اور ان سب کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر کبھی بھی ایسے فرائض کا بوجھ نہیں ڈالتا جو وہ انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی نبھا سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286۔

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

کے لیے مخلص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی اور دوسروں کی خوشنودی پر اس کی رضا کو پسند کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ ان اعمال کو ترجیح دینی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ دوسروں سے محبت کرے اور اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسند کرے نہ کہ اپنی خواہشات کے لیے۔ جب وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں یا گناہوں میں حصہ لینے سے انکار کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔ جس نے اس ذہنیت کو اپنایا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

قرآن پاک کے ساتھ اخلاص میں اللہ تعالیٰ کے کلام کے لیے گہرا احترام اور محبت شامل ہے۔ یہ اخلاص اس وقت ثابت ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن کریم کے تین پہلوؤں کو پورا کرتا ہے۔ سب سے پہلے اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا اس کی تعلیمات کو معتبر ذریعہ اور استاد کے ذریعے سمجھنا ہے۔ آخری پہلو یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات پر اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے مقصد سے عمل کیا جائے۔ مخلص مسلمان اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کو اپنی خواہشات پر عمل کرنے پر ترجیح دیتا ہے جو قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ اپنے کردار کو قرآن پاک پر ڈھالنا اللہ کی کتاب کے ساتھ سچے اخلاص کی علامت ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے جس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 1342 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی چیز جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے وہ ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

''اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔''

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

”کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔“

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

ایک اچھے مہمان بنیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرنے آیا۔ یہ لوگ جلدی سے پہنچے اور اس کے اپارٹمنٹ کے پیچھے سے اونچی آواز میں اسے پکارا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجرات 49 آیات 4 تا 5 نازل فرمائی:

’’بے شک وہ لوگ جو تمہیں کوٹھریوں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے۔ اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ان کے پاس آتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا۔ لیکن اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔‘‘

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 60 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ثواب کے حصول کے لیے اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کی زیارت کے آداب اور شرائط کو پورا کرے۔ انہیں زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا چاہیے، جس سے میزبان اور ان کے رشتہ داروں کو پریشانی ہو۔ اس دن اور عمر میں میزبان اور ان کے اہل خانہ سے پہلے سے رابطہ کرنا آسان ہے تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ وہ مناسب وقت پر ان سے ملیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنے اعمال اور گفتار پر قابو رکھیں تاکہ وہ ہر قسم کے گناہوں جیسے کہ گپ شپ، غیبت اور دوسروں کی غیبت سے بچیں۔ انہیں دنیا اور آخرت کے فائدے والے امور پر بحث کرنی چاہیے۔ جب کوئی اس طرح کا برتاؤ کرے گا تو اسے وہ ثواب ملے گا جو احادیث نبوی میں بیان کیا گیا ہے۔ اگر وہ اس میں ناکام رہتے ہیں تو انہیں یا تو کوئی اجر نہیں ملے گا یا پھر ان کے برتاؤ کے لحاظ سے گناہوں کے ساتھ چھوڑ دیا جائے گا۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اس نیک عمل کو انجام دینے سے لطف اندوز ہوتے ہیں لیکن اس کی شرائط کو صحیح طریقے سے پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ باب 4 النساء، آیت 114:

ان کی زیادہ تر نجی گفتگو میں کوئی بھلائی نہیں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو صدقہ کرنے کا" حکم دیتے ہیں یا جو حق ہے یا لوگوں کے درمیان صلح کرواتے ہیں۔ اور جس نے یہ کام اللہ کی رضامندی کے لیے کیا تو ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔

دو بابرکت صفات

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرنے آیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ کر ایک آدمی کے سوا باقی سب نے اپنی سواریوں سے چھلانگ لگا دی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف تیزی سے چل پڑے۔ وہ آدمی جو پیچھے رہ گیا، اشج منذر بن عامر رضی اللہ عنہ نے نیچے اتر کر اپنا اونٹ باندھا۔ پھر اس نے باہر نکال کر دو سفید کپڑے پہن لیے جو اس نے اپنے سامان میں رکھے تھے۔ اس کے بعد اس نے دوسرے مندوبین کے اونٹوں کو باندھا اور پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے کے لیے آگے بڑھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان میں دو خصلتیں تھیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند تھیں، یعنی فہم و فراست اور تدبر۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 63 میں بحث کی گئی ہے۔

حقیقی فہم صرف اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ان کا دنیاوی علم خواہ ان کے پاس کتنا ہی کیوں نہ ہو ان کی دینی زندگی میں کامیابی کے لیے کافی نہیں ہے۔ اگرچہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق مفید دنیوی علم حاصل کرنا قابل تعریف ہے کیونکہ یہ اپنے اور اپنے زیر کفالت افراد کے لیے حلال رزق حاصل کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے، لیکن یہ ان کی مذہبی زندگی میں محفوظ طریقے سے رہنمائی کے لیے کافی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر، زیادہ تر معاملات میں، دنیاوی علم کسی کو یہ نہیں سکھائے گا کہ کس طرح کسی مشکل یا امتحان میں محفوظ طریقے سے اس طریقے سے سفر کیا جائے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو، تاکہ وہ دونوں جہانوں میں اجر حاصل کر سکے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واجب فرائض اور روایات پر کوئی ایسا مسلمان عمل نہیں کر سکتا جس کے پاس صرف دنیاوی علم ہو۔ درحقیقت دینی علم دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف رہنمائی کرنے کی طاقت رکھتا ہے جبکہ دنیاوی علم صرف اس دنیا میں کسی کی مدد کرے گا۔ دینی علم رکھنے والا اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہے گا جس کے نتیجے میں ایسی برکتیں اور فضل ہوں گے کہ وہ دونوں جہانوں میں کامیابی پائے گا۔ جبکہ دنیوی علم انسان کو ہدایت پر عمل کرنے کے بجائے دین میں اپنا راستہ نکالنے کی ترغیب دے گا، یعنی نیک پیشروؤں کی تعلیمات کے مطابق۔ مذہب اپنا راستہ خود بنانا نہیں ہے بلکہ صرف اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا ہے۔

بدقسمتی سے دنیاوی علم رکھنے والے بہت سے مسلمان اس اہم نکتے کو نہیں سمجھتے جس کی وجہ سے ان کے دونوں جہانوں میں کامیابی کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ اگر وہ دونوں جہانوں میں کامیابی چاہتے ہیں تو دینی اور مفید دنیوی علم حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ یہی وجہ ہے کہ سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود حدیث کے مطابق مفید علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔

جامع ترمذی اس کے علاوہ غور و فکر کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ یہ گناہوں سے روکتا ہے۔ نمبر 2012 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ غور و فکر کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جب کہ جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔

یہ ایک انتہائی اہم تعلیم ہے جس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے مسلمان جو بہت زیادہ نیک اعمال انجام دیتے ہیں اکثر انہیں جلد بازی سے تباہ کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر، وہ غصے میں کچھ برے الفاظ کہہ سکتے ہیں جس کی وجہ سے وہ قیامت کے دن جہنم میں جا سکتے ہیں۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 2314 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

زیادہ تر گناہ اور مشکلات، جیسے دلائل، اس لیے پیش آتے ہیں کیونکہ لوگ چیزوں کو سوچنے میں ناکام رہتے ہیں اور اس کے بجائے جلد بازی میں کام کرتے ہیں۔ ذہانت کی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی بولنے یا عمل کرنے سے پہلے سوچتا ہے اور صرف اس وقت آگے آتا ہے جب وہ جانتا ہو کہ اس کی بات یا عمل دنیاوی یا دینی معاملات میں اچھا اور فائدہ مند ہے۔

اگر چہ ایک مسلمان کو اعمال صالحہ میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے، پھر بھی ان کو انجام دینے سے پہلے غوروفکر کرنا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی نیک عمل کا بدلہ محض اس لیے نہیں ملتا کہ اس کی شرائط اور آداب جلد بازی کی وجہ سے پورے نہ ہوئے ہوں۔ اس سلسلے میں، کسی بھی معاملے میں سوچنے کے بعد ہی آگے بڑھنا چاہیے۔

جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ نہ صرف اپنے گناہوں کو کم کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کرے گا بلکہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں پیش آنے والی مشکلات مثلاً جھگڑے اور اختلاف کو کم کر دے گا۔

مسیلمہ، جھوٹا۔

دنیاوی فائدے کے حصول کے لیے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرنے آیا۔ ان میں ایک جھوٹی مسیلمہ بھی تھی جس نے مدینہ پہنچ کر کہا کہ وہ صرف اسی صورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے گا جب ان کے بعد انہیں ملت اسلامیہ کا سربراہ مقرر کیا جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں ڈرایا گیا کہ مسیلمہ، جھوٹی، آخرکار نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سزا دینے کے بجائے سخت تنبیہ فرمائی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 66 میں بحث کی گئی ہے۔

جب مسیلمہ، جھوٹا، یمامہ واپس آیا، تو اس نے آخرکار نبوت کا اعلان کیا اور دنیاوی چیزوں کے لالچ میں، اس کے بہت سے لوگوں نے اسے قبول کیا۔ اس کے بعد اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خط لکھ کر اپنے اعلان سے آگاہ کیا اور آپ سے سمجھوتہ کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے کہا کہ وہ حکمرانی کے معاملے میں شریک ہوں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باب 7 الاعراف آیت 128 کا حوالہ دیتے ہوئے انہیں ایک خط واپس بھیجا:

بے شک زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے۔ اور..." ‘‘]بہترین [انجام نیک لوگوں کے لیے ہے۔

اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 452-454 میں بحث کی گئی ہے۔

مسیلمہ، جھوٹا، نے قرآن پاک سے مماثل آیات تحریر کرنے کی کوشش کی اور دوسروں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ بھی الہی وحی حاصل کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام آیت نمبر 93 نازل فرمائی۔

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا کہے کہ یہ میری طرف وحی کی'' گئی ہے، حالانکہ اس کی طرف کوئی وحی نہیں کی گئی ہے، اور وہ شخص جو کہتا ہے کہ میں وحی کروں گا جیسا کہ اللہ نے نازل کیا ہے۔ "اور کاش تم دیکھ سکتے کہ جب ظالم موت کی سخت اذیت میں ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اپنی جانوں کو نکالو آج تم کو اس کی رسوائی کی سزا دی جائے گی جو تم کہتے تھے۔ حق کے سوا اللہ کے خلاف اور تم اس "کی آیات کی طرف متکبر تھے۔

جب اس نے یہ کوشش کی تو عقل رکھنے والوں پر اس کی بے وقوفی زیادہ عیاں ہو گئی کیونکہ اس کی تحریر کردہ شاعری بے مقصد باتوں پر مبنی تھی جس سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اس نے اندھی وفاداری کے ذریعے پیروکاروں کو حاصل کیا اور ان سے دولت اور اختیار جیسی دنیاوی چیزوں کا وعدہ کیا۔ اس پر امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 480 اور امام واحدی کی، اصباب النزول، 6:93، صفحہ 77-78 میں بحث کی گئی ہے۔

اپنی خلافت کے دوران، ابوبکر نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ، جھوٹے کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ واشی جبیر بن مطعم کا آزاد کردہ غلام تھا۔ غزوہ احد کے دوران جو کہ تیسرے سال پیش آئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی، واشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حمزہ ابن عبدالمطلب کو قتل کر دیا۔ اللہ اس سے راضی ہو۔ برسوں بعد، واشی نے اسلام قبول کیا اور مسیلمہ، جھوٹے کے خلاف مہم میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔ اس نے بہترین انسان کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے زمین پر بدترین انسان کو مارنا چاہا۔ جنگ کے دوران، واشی نے مسیلمہ، جھوٹے پر نیزہ چلایا، اور اسے جان لیوا زخمی کر دیا۔ ایک اور صحابی ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے پھر مسیلمہ کو جھوٹا ختم کر دیا۔ صحیح بخاری نمبر 4072 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

مسیلمہ، جھوٹے کی طرح، ایک شخص کو تمام حلال حدوں کو پار کرنے کی ترغیب دی جا سکتی ہے جب وہ دولت اور سماجی حیثیت سے شدید محبت رکھتا ہو۔

جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مال و دولت کی خواہش ایمان کے لیے دو بھوکے بھیڑیوں کی ہلاکت سے زیادہ تباہ کن ہے۔ بھیڑوں کا ایک ریوڑ.

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہی کسی مسلمان کا ایمان محفوظ رہے اگر وہ دنیا میں دولت اور شہرت کی تمنا کرے جس طرح شاید ہی کسی بھیڑ کو دو بھوکے بھیڑیوں سے نجات ملے۔ لہٰذا اس عظیم مثال میں دنیا میں زیادہ دولت اور سماجی حیثیت کے بعد حرص کی برائی کے خلاف سخت تنبیہ ہے۔

دولت کی طلب کی پہلی قسم وہ ہے جب کسی کو دولت سے شدید محبت ہو اور وہ اسے حلال ذرائع سے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اس طرح کا برتاؤ عقلمند شخص کی علامت نہیں ہے کیونکہ ایک مسلمان کو پختہ یقین رکھنا چاہئے کہ ان کے رزق کی ضمانت ہے اور یہ تقسیم کبھی نہیں بدل سکتی۔ درحقیقت خلقت کا رزق زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مختص کیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ شخص بلا شبہ اپنے فرائض میں کوتاہی کرے گا کیونکہ وہ دولت کے حصول میں بہت زیادہ مشغول ہے۔ جو جسم دولت کے حصول میں بہت مصروف ہو وہ آخرت کے لیے کبھی بھی مناسب تیاری نہیں کر سکتا۔ درحقیقت یہ شخص دولت کے حصول کے لیے اتنی محنت کرے گا کہ اسے اس سے لطف اندوز ہونے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ اس کے بجائے، وہ اس دنیا کو چھوڑ دیں گے اور اسے دوسرے لوگوں کے لئے لطف اندوز کرنے کے لئے چھوڑ دیں گے، اگرچہ اس کے لئے انہیں جوابدہ کیا جائے گا .یہ شخص حلال طریقے سے دولت حاصل کر سکتا ہے لیکن پھر بھی اسے ذہنی سکون نہیں ملے گا کیونکہ وہ جتنا بھی حاصل کر لیں وہ صرف اور کی خواہش کرے گا۔ یہ شخص محتاج ہے اور اس لیے حقیقی مفلس ہے خواہ اس کے پاس بہت زیادہ مال ہو۔

ایک ہی خواہش جو فائدہ مند ہے وہ ہے حقیقی دولت جمع کرنے کی خواہش، یعنی اعمال صالحہ تاکہ واپسی کے دن کی تیاری ہو۔

دوسری قسم کی دولت کی طلب پہلی قسم کی طرح ہے لیکن اس کے علاوہ یہ قسم کے لوگ ناجائز ذرائع سے مال حاصل کرتے ہیں اور لوگوں کے حقوق مثلاً صدقہ فطر ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد احادیث میں اس کے خلاف تنبیہ فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر صحیح مسلم نمبر 6576 میں موجود ایک حدیث میں آپ نے تنبیہ کی کہ اس رویے نے پچھلی امتوں کو تباہ کر دیا کیونکہ انہوں نے حرام چیزوں کو حلال کیا، دوسروں کے حقوق کو روکا اور مال کی زیادتی کی خاطر دوسروں کو قتل کیا۔ یہ شخص اس دولت کے لیے کوشش کرتا ہے جس کا وہ حقدار نہیں ہے جس سے بے شمار کبیرہ گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ جب کوئی یہ رویہ اختیار کرتا ہے تو وہ شدید لالچی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ کیا ہے کہ جامع ترمذی نمبر 1961 میں موجود ایک حدیث میں لالچی شخص اللہ تعالیٰ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور اور جہنم کے قریب ہوتا ہے۔ درحقیقت سنن نسائی میں موجود ایک حدیث نمبر 3114 میں خبردار کیا گیا ہے کہ ایک سچے مسلمان کے دل میں شدید لالچ اور سچا ایمان کبھی جمع نہیں ہو سکتا۔

اگر کوئی مسلمان اس قسم کی حرص کو اختیار کرے تو اس کا شدید خطرہ ان پڑھ مسلمان پر بھی واضح ہے۔ یہ ان کے ایمان کو تب تک تباہ کر دے گا جب تک کہ تھوڑی سی چیز کے سوا کچھ باقی نہ رہے جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ کسی کے ایمان کی یہ تباہی دو بھوکے بھیڑیوں کی تباہی سے زیادہ شدید ہے جنہیں بکریوں کے ریوڑ پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ مسلمان اپنی موت کے وقت اپنے پاس موجود تھوڑے سے ایمان کو کھونے کا خطرہ رکھتا ہے، جو کہ سب سے بڑا نقصان ہے۔ ایک شخص کی شہرت اور رتبے کی خواہش اس کے ایمان کے لیے زیادہ دولت کی خواہش سے زیادہ تباہ کن ہے۔ ایک شخص اکثر اپنی محبوب دولت کو شہرت اور وقار کے حصول پر خرچ کرتا ہے۔

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص مقام و شہرت حاصل کر کے صحیح راستے پر قائم رہے جس کے تحت وہ مادی دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 6723 میں موجود ایک حدیث میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص معاشرے میں قیادت جیسے مقام کی تلاش میں ہے اسے خود اس سے نمٹنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا لیکن اگر کوئی اسے مانگے بغیر حاصل

کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا۔ اعلیٰ، اس کے فرمانبردار رہنے میں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایسے شخص کا تقرر نہیں کرتے تھے جو کسی منصب پر فائز ہونے کی درخواست کرتا ہو یا اس کی خواہش بھی ظاہر کرتا ہو۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6923 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ صحیح بخاری نمبر 7148 میں موجود ایک اور حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ لوگ مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے خواہش مند ہوں گے لیکن قیامت کے دن ان کے لیے یہ بڑی پشیمانی ہوگی۔ یہ ایک خطرناک خواہش ہے کیونکہ یہ انسان کو اس کو حاصل کرنے کے لیے شدید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے اور پھر اسے برقرار رکھنے کے لیے مزید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے خواہ یہ ظلم اور دیگر گناہوں کی ترغیب دے۔

رتبہ کی خواہش کی بدترین قسم وہ ہے جب کوئی اسے مذہب کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2654 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ شخص جہنم میں جائے گا۔

لہٰذا ایک مسلمان کے لیے زیادہ مال و دولت اور اعلیٰ سماجی رتبے کی خواہش سے بچنا زیادہ محفوظ ہے کیونکہ یہ دو چیزیں ہیں جو آخرت کی تیاری سے غافل ہو کر اس کے ایمان کی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔

حقیقی خوبصورتی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرنے آیا۔ وفد میں دو آدمی شامل تھے جنہوں نے مدینہ پہنچ کر اپنے سفری کپڑے مہنگے اور اسراف کے لیے بدلے اور سونے کی انگوٹھیاں بھی پہنائیں۔ جب انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا اور نہ ہی ان سے بات کی۔ اس کے بعد مندوبین نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے سوال کیا، جنہوں نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ اپنے سفری لباس میں واپس آجائیں اور سونے کی انگوٹھیاں اتار دیں۔ جب انہوں نے ایسا کیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب دیا اور ان سے بات کی۔ اس نے انہیں بتایا کہ جب وہ پہلی بار اپنے اسراف لباس میں اس کے پاس آئے تو شیطان ان کے ساتھ تھا اس لیے اس نے انہیں نظر انداز کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 72 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1999 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ حسن کو پسند کرتا ہے۔

اسلام کسی مسلمان کو اپنے آپ کو سنوارنے میں توانائی، وقت اور پیسہ خرچ کرنے سے منع نہیں کرتا کیونکہ یہ اس کے جسم کے حقوق کو پورا کرنے والا سمجھا جا سکتا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 5199 میں موجود حدیث میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اہم چیز جو اس طرز عمل کو ناپسندیدہ یا حتیٰ کہ گناہ کے عمل سے الگ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی اپنے آپ کو سنوارتے وقت حد سے زیادہ، فضول خرچی یا اسراف کرے۔ اس کا تعین کرنے کا ایک اچھا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنوارنے سے اللہ تعالیٰ یا لوگوں کے لیے اپنے فرض کو پورا کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے جسے اسلامی علم حاصل کیے بغیر پورا کرنا ممکن نہیں۔ اور درحقیقت کسی کی جسمانی شکل کو درست کرنا تاکہ وہ صاف ستھرا اور ہوشیار نظر آئے، مہنگا نہیں ہے اور نہ ہی اس میں زیادہ وقت لگتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ سمجھنا زیادہ ضروری ہے کہ حقیقی خوبصورتی جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے، اس کا تعلق اندرونی حسن یعنی کردار سے ہے۔ یہ خوبصورتی دونوں جہانوں میں قائم رہے گی جبکہ ظاہری خوبصورتی وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو جائے گی۔ اس لیے اس حقیقی حسن کو ظاہری خوبصورتی پر حاصل کرنے کو اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے ترجیح دینی چاہیے تاکہ وہ اپنے کردار سے حسد جیسی بری خصلت کو ختم کر کے سخاوت جیسی اچھی خصوصیات کو اپنا لے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے میں مدد ملے گی، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ ہو گا اور ان کی مدد کرے گا۔ لوگوں کے حقوق کی تکمیل میں، جیسے کہ ان کے زیر کفالت۔

عیسائی وفد کا مدینہ منورہ کا دورہ

اعلیٰ ترین درجہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک عیسائی وفد نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیادت کی۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت پر اپنے عقیدہ کے بارے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بحث و مباحثہ کرتے ہوئے کافی وقت گزارا۔ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر الزام لگایا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بندہ کہہ کر ان کی توہین کی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونا میرے لیے باعث شرم نہیں ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء آیت 172 نازل فرمائی۔

مسیح اللہ کے بندے ہونے سے کبھی ناگوار نہیں ہوں گے اور نہ ہی فرشتے]اس کے [قریب ہوں" گے۔ اور جو کوئی اس کی عبادت کو حقیر سمجھے اور تکبر کرے تو وہ ان سب کو اپنے پاس جمع کرے گا۔

اس پر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ، اصباب النزول، 4:172، صفحہ 65 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسان جس بلند ترین مقام پر پہنچ سکتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا مخلص بندہ۔ اگر اس سے بڑا کوئی درجہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف رجوع فرماتے۔ اس کی تائید بہت سی احادیث سے ہوئی ہے، جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 851 میں موجود ہے، جہاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رسالت کا اعلان کرنے سے پہلے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا بندہ کہا ہے۔ یہ تمام مسلمانوں کے لیے ایک واضح سبق ہے کہ اگر وہ آخری کامیابی اور دونوں جہانوں میں اعلیٰ مقام چاہتے ہیں تو انہیں اللہ تعالیٰ کے

سچے بندے بننا چاہیے۔ یہ اللہ کے سب سے بڑے بندے، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ بندگی کا حصول کسی اور طریقے سے ممکن نہیں۔
باب 3 علی عمران، آیت 31:

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور’’
تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

واضح حقیقت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک عیسائی وفد نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیادت کی۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت پر اپنے عقیدہ کے بارے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بحث و مباحثہ کرتے ہوئے کافی وقت گزارا۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ 3 علی عمران، آیات 59-61 نازل فرمائی:

’’بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے۔ اس کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اس نے اس سے کہا کہ ہو جا اور وہ ہو گیا۔ حق تیرے رب کی طرف سے ہے پس شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔ پھر جو کوئی اس کے بارے میں تم سے جھگڑے اس کے بعد کہ تمہارے پاس علم آجائے، تو کہہ دو کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں اور تمہارے بیٹوں کو، اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اپنے آپ کو اور اپنے آپ کو بلائیں، پھر دل سے دعا کریں اور دعا کریں جھوٹوں پر اللہ کی لعنت۔"

اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 450-452 میں بحث کی گئی ہے۔

قرآن کریم نے عیسائیوں کے لیے یہ ثابت کیا ہے کہ ان کی کوئی بھی وجہ صحیح نہیں تھی جس سے ان کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت پر ایمان پیدا ہوا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام وہ انسان تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایک خاص اور منفرد انداز میں پیدا کیا اور اپنی نبوت کے ثبوت کے لیے بعض معجزات کرنے کی طاقت عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب ہونے سے بچایا اور اپنی طرف اٹھا لیا۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام الٰہی ہوتے تو ایسا کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی کیونکہ کسی ہستی کو موت نہیں آتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ اپنی مرضی کے مطابق برتاؤ کرتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ غیر معمولی سلوک کس طرح اس نتیجے کو درست ثابت کر سکتا ہے کہ آپ الٰہی ہیں؟

اس کے علاوہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت بھی وہی ہے جو تمام انبیاء کرام علیہم السلام بشمول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہے۔

آخر کار قرآن کریم نے یہاں تک قائم کر دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معراج کے بعد آپ کے شاگردوں کا مذہب وہی رہا، یعنی اسلام، جس کی تائید اب قرآن کریم نے کی ہے۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو ترک کر دیا اور ان کے لائے ہوئے دین میں بدعات متعارف کرائیں۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تاکہ حالات کو درست کریں اور انسانیت کو اس صراط مستقیم پر گامزن کریں جو پچھلے انبیاء کرام علیہم السلام نے بتائی تھی۔ اہل کتاب کے لیے یہ بات واضح تھی کیونکہ قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے آسمانی صحیفوں میں بیان کیا گیا تھا لیکن پھر بھی انہوں نے دولت کے لالچ اور سماجی رتبے کی وجہ سے ان کا انکار کیا۔ ان کے ایمان پر سمجھوتہ باب 6 الانعام، آیت 20:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

”جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں“۔

ان مسائل پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کے بعد بھی نجران کے عیسائی وفد نے حق کو جھٹلایا۔ ان کی ضد کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ان کے عقیدہ کی مزید تردید کرتے ہوئے انہیں باہمی اجتماع میں مدعو کیا جہاں دونوں فریق جھوٹ بولنے والے گروہ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت بھیجیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہل و عیال علی بن ابو طالب،

ان کی اہلیہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے دو بیٹوں حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بلوایا۔ اللہ ان سب سے راضی ہو۔ یہ دیکھنے کے بعد عیسائی وفد نے اس اجتماع میں شرکت سے انکار کر دیا کیونکہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچ بول رہے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ باہمی عداوت پر راضی ہو جاتے تو ان پر آگ برستی۔ اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 3:61، صفحہ 33 میں بحث کی گئی ہے۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 2، صفحہ 179-180 میں نقل کی گئی ایک اور حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر وہ سب اللہ تعالیٰ کی لعنت کے لیے دعا کریں، جھوٹوں پر پھر جب وہ گھر لوٹتے تو انہیں ان کی جائیداد یا خاندان کا پتہ نہیں ہوتا۔

جب انہوں نے اس باہمی تعطل میں حصہ لینے سے انکار کر دیا تو سب پر یہ بات واضح ہو گئی کہ نجران میں عیسائیت کے پادری اور رہنما، جن کی اپنے عقیدے کے لیے لگن بہت مشہور تھی، ان عقائد کی پیروی کرتے تھے جن پر وہ خود بھی مکمل یقین نہیں رکھتے تھے۔

دنیا کے غلام

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرنے آیا۔ اس عیسائی وفد نے اسلام قبول نہیں کیا لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صلح کا معاہدہ کیا۔ جب وفد مدینہ سے نکلا تو دو بھائی ابو حارثہ اور کرز بن علقمہ ایک دوسرے کے قریب سوار تھے۔ ابو حارثہ کے خچر نے ٹھوکر کھائی اور کرز نے مایوسی کے عالم میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بالواسطہ سرزنش کی۔ ابو حارثہ نے جواب میں اسے ڈانٹا۔ جب کرز نے ان کے جواب کے بارے میں پوچھا تو ابو حارثہ نے بتایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلاشبہ آخری نبی ہیں، وہ انتظار کر رہے تھے اور جن کا بیان ان کی کتاب میں کیا گیا ہے۔ آسمانی صحیفے جب کرز نے اس سے پوچھا کہ اس نے اسلام کو حقیقت جاننے کے باوجود کیوں رد کیا تو ابو حارثہ نے جواب دیا کہ میں نے ایسا اس لیے کیا کیونکہ ان کے لوگوں نے انہیں عزت، دولت اور اختیار دیا تھا اور اسے ڈر تھا کہ اگر اس نے اسلام قبول کر لیا تو وہ سب کچھ کھو دے گا۔ .کرز نے ابو حارثہ کی باتوں پر بہت غور کیا اور آخر کار مدینہ واپس آکر اسلام قبول کر لیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 75-76 میں بحث کی گئی ہے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔“

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخرکار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو ایک مسلمان کی دنیا اور آخرت میں تمام مشکلات سے باحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی

عارضی چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں اور کسی خاص طریقے اسکارف اتار دیا ایک مسلمان عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا سے لباس پہن لیا تو وہ کام پر زیادہ عزت دار ہو گی اور کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی سے چڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد کسی پب یا کلب میں مدعو کر سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور ذکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں راستوں پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کس کو ترجیح دی جائے اور کس کا انتخاب کیا جائے۔

امانتدار

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرنے آیا۔ نجران کے اس وفد نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کے سوالوں کا جواب دینے کے لیے ایک قابل اعتماد شخص کو ان کے پاس بھیجیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ شخص بننا چاہا لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو چن لیا اور آپ کو سب سے زیادہ امانت دار قرار دیا۔ اس کی قوم میں .اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 71 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ امانتوں میں خیانت منافقت کا ایک پہلو ہے۔

اس میں وہ تمام امانتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی طرف سے ہیں۔ ہر نعمت اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے۔ ان امانتوں کو پورا کرنے کا واحد طریقہ نعمتوں کو اس طریقے سے استعمال کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ مزید برکات حاصل کریں گے کیونکہ یہ سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

لوگوں کے درمیان اعتماد کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ جسے کسی دوسرے کے سپرد کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ اس کا غلط استعمال نہ کرے اور مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ لوگوں

کے درمیان سب سے بڑا اعتماد بات چیت کو خفیہ رکھنا ہے جب تک کہ دوسروں کو مطلع کرنے میں کوئی واضح فائدہ نہ ہو۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں اس کو اکثر نظر انداز کیا جاتا ہے۔

برے منصوبے بیک فائر

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال بنو عامر کے ایک وفد نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیادت کی۔ تین آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خیانت کرنے اور شہید کرنے کے ارادے سے آئے۔ عامر بن طفیل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ ہٹانے کا منصوبہ بنایا تاکہ اپنے بدکار دوست العربد کو آپ پر حملہ کرنے کا موقع فراہم کر سکے۔ جب العربد حملہ کرنے میں ناکام رہا تو امیر بن طفیل نے سازش ترک کر دی اور اس کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زبانی دھمکی دی، جس نے بدلے میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ اپنی طرف سے امیر بن طفیل کی دیکھ بھال کرے۔ .دونوں کے مدینہ سے نکلنے کے بعد، امیر نے العربد کو حملہ نہ کرنے پر ڈانٹا لیکن اس نے جواب دیا کہ جب بھی اس نے حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تو وہ صرف امیر کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا دیکھ سکتا ہے۔ یہ درحقیقت خدائی حفاظت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ گھر کے راستے میں، عامر کو اس کی گردن میں انفیکشن ہوگیا جو بالآخر اس کی موت کا باعث بنا۔ الارباد کو بالآخر آسمانی بجلی گرا اور وہ مر گیا۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرعد، آیت 13 نازل فرمائی:

اور گرج اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے - اور فرشتے بھی اس کے خوف سے - اور وہ" بجلی بھیجتا ہے اور جس پر چاہتا ہے مارتا ہے جب کہ وہ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ "اور وہ "حملہ میں سخت ہے۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 66-80 میں بحث کی گئی ہے۔

کسی کو کبھی بھی برے کام کرنے کی سازش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ ہمیشہ، کسی نہ کسی طرح، ان پر الٹا فائر ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر یہ نتائج اگلے جہان تک موخر کر دیے جائیں تو آخرکار ان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو نقصان پہنچانا چاہا جیسا کہ وہ اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت، احترام اور پیار

چاہتے تھے۔ لیکن یہ واضح ہے کہ ان کی تدبیریں انہیں اپنی خواہش سے دور کر دیتی ہیں۔ باب یوسف، آیت 18 12:

اور وہ اس کی قمیض پر جھوٹا خون لے آئے۔]یعقوب [نے کہا، "بلکہ تمہاری روحوں نے تمہیں کسی چیز پر آمادہ کیا ہے، اس لیے صبر سب سے زیادہ مناسب ہے۔"

جتنی زیادہ برائی کی تدبیریں کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مقصد سے دور کر دے گا۔ خواہ وہ ظاہری طور پر اپنی خواہش پوری کر لیں، اللہ تعالیٰ جس چیز کی خواہش کی تھی وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے لعنت بن جائے گا الا یہ کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

"...لیکن شیطانی سازش اپنے لوگوں کے علاوہ کسی کو نہیں گھیرتی۔ پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے راستے]یعنی تقدیر [کے سوا انتظار کرتے ہیں؟‘‘

نیک کردار جنت کی طرف لے جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک غیر مسلم قبیلہ کو جنگی قیدی بنا کر مدینہ لایا گیا۔ حاتم الطائی کی بیٹی بھی ان میں شامل تھی۔ جب اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چلتے ہوئے دیکھا تو آپ سے درخواست کی کہ وہ اسے چھوڑ دیں اور عرب قبائل کی بدتمیزی سے بچائیں کیونکہ وہ اپنی قوم کے سردار کی بیٹی تھیں۔ اس کے بعد اس نے اپنے والد کی کچھ خوبیوں کا تذکرہ کیا :وہ ان کی مقدس چیزوں کے محافظ تھے، وہ مصیبت زدوں کو راحت دیتے تھے، بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے، ننگے لوگوں کو کپڑے پہناتے تھے، فراخدلی سے مہمان نوازی کرتے تھے، بہترین کھانا فراہم کرتے تھے، انہوں نے امن پھیلایا تھا اور کبھی بھی ان کی درخواست کو رد نہیں کیا تھا۔ ضرورت مند حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ یہ واقعی ایک سچے مومن کا بیان ہے حالانکہ حاتم الطائی مسلمان نہیں تھا۔ اس کے بعد اس نے اپنی بیٹی کی رہائی کا اعلان کیا اور تبصرہ کیا کہ اس کے والد ایک ایسے شخص تھے جو اعلیٰ کردار کے خصائل سے محبت کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو اعلیٰ کردار کی خصلتوں سے محبت ہے۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ جنت میں کوئی نہیں جائے گا سوائے اعلیٰ کردار کے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 92 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2003 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قیامت کے ترازو میں سب سے بھاری چیز حسن اخلاق ہوگی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن سلوک، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ اس میں لوگوں کے ساتھ اچھے کردار کا مظاہرہ بھی شامل ہے۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اللہ تعالیٰ کے حوالے سے واجبات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرکے دوسرے پہلو کو نظرانداز کرتے ہیں۔ وہ اس کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ یعنی جس طرح انسان کے ساتھ حسن سلوک کی خواہش ہوتی ہے اسے چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آئے ورنہ وہ کامیاب نہیں ہوگا کیونکہ حقیقی کامیاب لوگ صرف مومن ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ، کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی زبانی اور جسمانی نقصان کو دوسروں اور ان کے مالوں سے دور نہ رکھے، خواہ اس کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 3318 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی کہ ایک عورت جہنم میں جائے گی کیونکہ اس نے بلی کے ساتھ بدسلوکی کی جس سے اس کی موت واقع ہوئی۔ اور سنن ابوداؤد نمبر 2550 میں ایک اور حدیث ملتی ہے کہ ایک آدمی کو پیاسے کتے کو کھانا کھلانے کی وجہ سے معاف کر دیا گیا۔ اگر یہ اچھا کردار دکھانے کا نتیجہ ہے اور جانوروں کو برے کردار دکھانے کا نتیجہ ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟ درحقیقت زیر بحث مرکزی حدیث اس نصیحت کے ساتھ ختم ہوتی ہے کہ اچھے کردار والے کو اس مسلمان کی طرح اجر ملے گا جو اللہ تعالیٰ کی مسلسل عبادت کرتا ہے اور باقاعدگی سے روزے رکھتا ہے۔

عاجزی میں حقیقی عزت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نویں سال مدینہ ہجرت فرمائی، ایک مشہور عیسائی عالم، جو بالآخر مسلمان ہو گئے، عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ، اسلام قبول کرنے سے پہلے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ ان سے ملاقات کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اپنے گھر لے گئے۔ راستے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بوڑھی معذور عورت نے روکا۔ وہ کافی دیر تک اس کے ساتھ کھڑا رہا اور اس کا مسئلہ حل کرتا رہا۔ اس طویل گفتگو کے دوران عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو بتایا کہ یہ کسی دنیاوی بادشاہ کا طرز عمل نہیں تھا۔ اپنے گھر پہنچنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدی رضی اللہ عنہ کو تکیے پر بیٹھنے کی تاکید کی جب کہ وہ خود فرش پر بیٹھے ہوئے تھے۔ عدی رضی اللہ عنہ نے پھر اپنے آپ کو بتایا کہ یہ کسی دنیاوی بادشاہ کا طرز عمل نہیں تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 87-88 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ باب 25 الفرقان آیت 63 سے مربوط ہے:

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آسانی سے چلتے ہیں‘‘۔’’

نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کے پاس جو بھی خوبی ہے وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے بندوں اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا ہے۔ اور جس برائی سے وہ بچ گئے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی۔ جو چیز کسی کی نہیں اس پر فخر کرنا کیا حماقت نہیں؟ بالکل ان سے تعلق نہیں رکھتا اسی طرح جیسے کوئی شخص کسی اسپورٹس کار پر فخر نہیں کرتا جو مسلمانوں کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ حقیقت میں کچھ بھی ان کا نہیں ہے۔ یہ رویہ یقینی بناتا ہے کہ انسان ہر وقت عاجز رہے۔ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے صحیح بخاری نمبر 5673 میں موجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث پر مکمل یقین رکھتے ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کے اعمال صالحہ انہیں جنت میں نہیں لے جائیں گے۔ .صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی اس کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لیے کہ ہر عمل صالح اسی وقت ممکن ہے جب اللہ تعالیٰ

اس کو انجام دینے کے لیے علم، طاقت، موقع اور الہام عطا فرمائے۔ یہاں تک کہ عمل کی قبولیت پر .جب کوئی اس کو ذہن میں رکھتا ہے تو یہ انہیں غرور سے کی رحمت اللہ بھی منحصر ہے۔ بچاتا ہے اور انہیں عاجزی اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ عاجز ہونا کمزوری کی علامت نہیں ہے کیونکہ اسلام نے ضرورت پڑنے پر اپنے دفاع کی ترغیب دی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام مسلمانوں کو کمزوری کے بغیر عاجزی کا درس دیتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اٹھائے گا۔ پس حقیقت میں عاجزی دونوں جہانوں میں عزت کا باعث بنتی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے مخلوق میں سے سب سے زیادہ حلیم پر غور کرنے کی ضرورت ہے، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے واضح طور پر لوگوں کو اس اہم صفت کو اپنانے کا حکم دے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے۔ باب 26 اشعرا، آیت 215:

"اور اپنے بازو کو نیچے رکھو [یعنی مہربانی کرو] مومنوں میں سے جو تمہاری پیروی کرتے ہیں۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاجزانہ زندگی گزاری۔ مثال کے طور پر، اس نے خوشی سے گھر میں گھریلو فرائض انجام دیے اور یہ ثابت کیا کہ یہ کام صنفی غیر جانبدار ہیں۔ اس کی تصدیق امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 538 میں ہوتی ہے۔

باب 25 الفرقان، آیت 63، ظاہر کرتی ہے کہ عاجزی ایک باطنی خصوصیت ہے جو باہر کی طرف ظاہر ہوتی ہے جیسے کہ چلنے کا راستہ۔ اس پر ایک اور آیت باب 31 لقمان، آیت 18 میں بحث کی گئی ہے۔

"اور اپنا رخسار لوگوں کی طرف مت پھیرو اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو۔"

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ جنت ان عاجز بندوں کے لیے ہے جن میں غرور کا کوئی نشان نہیں ہے۔ باب 28 القصص، آیت 83:

آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لیے مقرر کیا ہے جو زمین میں بلندی اور فساد نہیں چاہتے۔'' ''اور]بہترین [انجام نیک لوگوں کے لیے ہے۔

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1998 میں موجود ایک حدیث کی تصدیق فرمائی ہے کہ جس کے پاس ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ فخر کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کیونکہ وہ پوری کائنات کا خالق، پالنے والا اور مالک ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، فخر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں اور جب سچائی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو اسے مسترد کر دیتا ہے کیونکہ وہ اس طرف سے آتا ہے ۔ ان کے علاوہ کسی اور کی قبول کرنا ناپسند کرتے ہیں جب وہ سچائی کو کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4092 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

مسلمانوں کے حقوق

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال میں جریر بن عبداللہ البجلی نامی ایک شخص مدینہ آیا اور اسلام قبول کیا۔ اسلام قبول کرتے وقت، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے یہ عہد کرنے کو کہا کہ وہ فرض نمازیں ادا کریں گے، فرض زکوٰۃ ادا کریں گے اور تمام مسلمانوں کے ساتھ وفادار رہیں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 106 میں بحث کی گئی ہے۔

اس دن اور دور میں مسلمان اکثر اس عہد میں مذکور پہلی دو چیزوں پر بہت زیادہ توجہ دیتے ہیں، یعنی فرض نماز اور فرض صدقہ، لیکن وہ اکثر تمام مسلمانوں کے ساتھ مخلص اور وفادار ہونے کو نظر انداز کرتے ہیں۔ یہ حقیقت کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو اسلام کے دو ستونوں کے ساتھ ادا کیا ہے، اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اسے پورا کرنا کتنا ضروری ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو ہمیشہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات کو برقرار رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ تمام مسلمانوں پر لاگو ہوتا ہے خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں اور اگر وہ ایک دوسرے کو جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔ قرآن پاک اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمانوں کے بہت سے حقوق بیان ہوئے ہیں اور ہر مسلمان کو ان کو سیکھنے اور پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 1240 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق درج کیے ہیں۔

اس سے بھی اہم بات اول تو سلام کا جواب دینا ہے خواہ جواب دینا ان کی خواہش کے خلاف ہو۔ یہ ہے کہ ایک مسلمان کو اپنی گفتگو اور عمل کے ذریعے دوسروں کے ساتھ امن اور مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے عملی طور پر امن کے اسلامی سلام کو پورا کرنا چاہیے۔ اسلامی سلام کا صحیح مفہوم یہی ہے۔

ایک مسلمان کو بیمار مسلمانوں کی عیادت کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ ان کی جسمانی اور نفسیاتی مدد کی جا سکے۔ تمام بیمار مسلمانوں کی عیادت کرنا مشکل ہوگا لیکن اگر ہر مسلمان کم ہر قسم از کم اپنے بیمار رشتہ داروں کی عیادت کرے تو بیماروں کی اکثریت کو یہ سہارا ملے گا۔ کی فضول یا گناہ والی باتوں اور کاموں سے پرہیز کرنا چاہیے جیسے کہ گپ شپ کرنا ورنہ مسلمان برکت کے بجائے گناہ ہی کمائے گا۔

ایک مسلمان کو جب ممکن ہو دوسرے مسلمانوں کے جنازے میں شرکت کرنی چاہیے کیونکہ ہر شریک میت کے لیے مغفرت کی دعا کرتا ہے۔ اس لیے جتنے زیادہ مسلمان حاضر ہوں گے اتنا ہی بہتر ہے۔ جس طرح کوئی چاہتا ہے کہ دوسرے ان کے جنازے میں شرکت کریں اور ان کے لیے دعا کریں وہ بھی دوسروں کے لیے ایسا کرے۔ اس خاص عمل میں ایک مسلمان کے لیے ایک اچھی یاد دہانی ہے کہ وہ بھی آخرکار مریں گے۔ امید ہے کہ اس سے ان کے طرز عمل میں بہتری اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے آئے گی تاکہ وہ ہوئے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے اپنی موت کے لیے بہتر طور پر تیاری کریں۔

کو کھانے اور اجتماعی اگلی بات جو زیر بحث مرکزی حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں تقریبات کی دعوت اس وقت تک قبول کرنی چاہیے جب تک کہ کوئی غیر شرعی یا ناپسندیدہ کام انجام نہ دیا جائے جو کہ اس زمانے میں بہت کم ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ بعض مسلمان ایسے سماجی پروگراموں میں شرکت کرتے ہیں جہاں غیر قانونی یا ناپسندیدہ چیزیں پیش آتی ہیں اور اپنے اعمال کی تائید کے لیے اس حدیث کا حوالہ دیتے ہیں۔ کسی کو اپنی خواہشات کی تکمیل کے یہ صریح گمراہی اور عذاب الٰہی کی کیونکہ لیے آسمانی تعلیمات کی غلط تشریح نہیں کرنی چاہیے دعوت ہے۔

آخر میں، مرکزی حدیث مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہوئے ختم ہوتی ہے کہ وہ مسلمان کے لیے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے ۔ دعا کریں جو چھینک آنے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 2714 میں موجود ایک حدیث میں ایک انتہائی اہم فرض کی طرف اشارہ کیا ہے جو کہ دوسرے مسلمانوں کو اچھی اور مخلصانہ نصیحت کرنا ہے۔

سب سے پہلے، یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اچھی نصیحت سب کو پیش کی جانی چاہئے چاہے وہ کسی بھی مذہب سے ہوں۔ سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں واضح طور پر اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو اس طرح نصیحت کریں جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ انہیں نصیحت کریں۔ کسی کو بھی اپنے جذبات کو اس فرض کی ادائیگی سے باز نہیں آنا چاہیے کیونکہ جو شخص جان بوجھ کر برا مشورہ دیتا ہے اسے لوگ غلط مشورہ دیتے ہیں۔ مخلصانہ نصیحت کرنا اس قدر ضروری ہے کہ جیسا کہ جامع ترمذی نمبر 1925 میں ایک حدیث میں مذکور ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے فرض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اس فرض کو ادا کرنے کا عہد لیتے تھے۔ نماز کے طور پر .حقیقت یہ ہے کہ مخلصانہ طور پر دوسروں کو نصیحت کرنا ان واجبات کے ساتھ رکھا گیا ہے اس کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان کو اس حقیقت سے کبھی چشم پوشی نہیں کرنی چاہیے۔

ہر شخص خواہ کسی بھی عقیدے سے تعلق رکھتا ہو، ان چیزوں کو حاصل کرنا پسند کرتا ہے جو اسے فائدہ پہنچاتی ہیں اور نقصان دہ چیزوں سے محفوظ رکھتی ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث میں واضح طور پر اعلان فرمایا کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ دوسروں کو ان چیزوں کو حاصل کرنے کو یقینی بنانے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے اعمال کے ذریعے ظاہر کیا جانا چاہئے جو ان کے لئے دستیاب کسی بھی ذریعہ سے وہ اپنے لئے پسند کرتے ہیں۔ ایک مسلمان کو محض اپنے الفاظ سے یہ دعویٰ نہیں کرنا چاہیے۔

حق یہ ہے کہ ان کے لیے صدق دل سے دعا کرے۔ یہ ایک دوسرے پر رحم کرنے کا ایک اور ایک پہلو ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ باب 48 الفتح، آیت 29:

...محمد اللہ کے رسول ہیں؛ اور جو اس کے ساتھ ہیں وہ آپس میں مہربان ہیں "

درحقیقت جب ایک مسلمان دوسرے کے لیے دعا کرتا ہے تو وہ خود اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6927 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جب ایک مسلمان دوسرے مسلمانوں کے لیے چپکے سے دعا کرتا ہے تو فرشتہ ان کے لیے دعا کرتا ہے۔

دوسرا اہم حق یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمانوں کے لیے وہی محبت اور نفرت کرے جو وہ اپنے لیے پسند اور نفرت کرتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود ایک حدیث میں صدق دل سے اس کو شرط قرار دیا ہے۔

ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کی حلال خوشی پر خوش ہونا چاہیے اور امید رکھنی چاہیے کہ یہ ان کے لیے باقی رہے گی۔ جب کسی دوسرے مسلمان کو کوئی مشکل پیش آئے تو انہیں غمگین ہونا چاہیے اور اس میں ان کی مدد کرنا چاہیے، چاہے یہ ان کی طرف سے صرف دعا ہی کیوں نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 6011 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی کہ مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں۔ جسم کا کوئی حصہ بیمار ہو تو باقی جسم درد میں شریک ہوتا ہے۔

کسی مسلمان کو اپنے قول و فعل سے کسی دوسرے مسلمان یا غیر مسلم کو بلا جواز نقصان نہیں پہنچانا چاہیے کیونکہ جامع ترمذی کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مسلمان کی یہی تعریف فرمائی ہے۔ ,نمبر 2627۔ درحقیقت لوگوں کو کسی کے نقصان سے محفوظ رکھنا ایک صدقہ ہے جو انسان اپنے لیے کرتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 250 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ یہ اپنے آپ پر صدقہ ہے کیونکہ یہ انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچاتا ہے۔

دوسرے مسلمانوں کے حقوق میں ان کے راستے کی رکاوٹوں کو ہٹانا بھی شامل ہے۔ اس میں جسمانی رکاوٹوں کے ساتھ ساتھ علامتی رکاوٹیں بھی شامل ہیں جو انہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ درحقیقت صحیح مسلم نمبر 6670 میں موجود ایک حدیث میں بتایا گیا ہے کہ ایک شخص کو اس درخت کو ہٹانے پر جنت دی جائے گی جو ساتھی مسلمانوں کے راستے میں رکاوٹ تھا۔

یہ ایک مسلمان کا حق ہے کہ دوسرے مسلمان جب ان پر کسی بھی طرح سے ظلم ہو تو ان کی مدد کریں جیسے کہ مالی مدد، اور ان مسلمانوں کی مدد کریں جو ظلم کرتے ہیں انہیں اس طرز عمل کے نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6952 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ غور کرنا ضروری ہے کہ مشورہ صرف اسی صورت میں دیا جائے جب مشورہ دینے والا ظالم کے نقصان سے محفوظ ہو۔

ایک مسلمان کو اجازت نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے مسلمان سے کسی دنیوی وجہ سے تین دن سے زیادہ تعلق منقطع کرے۔ یہ بات بہت سی احادیث میں واضح ہو چکی ہے جیسے کہ جامع ترمذی نمبر 1932 میں موجود ہے۔ دوسرے مسلمان سے اس طرح منہ موڑنا اتنا سنگین مسئلہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار تنبیہ فرمائی۔ سنن ابن ماجہ نمبر 1740 میں موجود ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر پیر اور جمعرات کو تمام مسلمانوں کو معاف کر دیتا ہے سوائے ان کے جنہوں نے کسی دوسرے مسلمان کو چھوڑ دیا ہو یہاں تک کہ وہ صلح کر لیں۔

دوسرا حق یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمانوں کے ساتھ تکبر سے پیش نہ آئے۔ اس کے بجائے، انہیں عاجزی کا مظاہرہ کرنا چاہئے جو معاشرے میں ہمیشہ پیار اور محبت کے پھیلاؤ کا باعث بنتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4895 میں ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کے برعکس تکبر اور غرور صرف معاشرتی رکاوٹوں اور معاشروں کی علیحدگی کا باعث بنتے ہیں۔ اگر کسی مسلمان کے ساتھ تکبر کا برتاؤ کیا جائے تو انہیں اس طرح جواب نہیں دینا چاہئے بلکہ صبر اور درگزر سے کام لینا چاہئے۔

درحقیقت دوسروں کے لیے ان کی سماجی حیثیت سے قطع نظر انکساری آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ جیسا کہ سنن نسائی نمبر 1415 میں موجود حدیث میں آتا ہے کہ

آپ غریبوں اور مسکینوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ان کے ساتھ چلنے کو کبھی ناپسند نہیں کرتے تھے۔

ایک مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے بارے میں افواہوں یا گپ شپ پر کبھی دھیان نہ دے کیونکہ زیادہ تر معاملات میں وہ یا تو مکمل طور پر جھوٹے ہوتے ہیں یا کچھ حقائق پر مشتمل افسانے کے ساتھ ملایا جاتا ہے۔ بہت سے معاملات میں، کسی کی بری خواہشات کی تکمیل کے لیے سچائی کو بھی سیاق و سباق سے ہٹ کر توڑ مروڑ دیا گیا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ کہی گئی باتوں کو نظر انداز کرے اور گپ شپ کرنے والے کو سچے دل سے توبہ کرنے کی تلقین کرے۔ انہیں کبھی بھی دوسروں سے گپ شپ نہیں دہرانی چاہئے اور نہ ہی دوسروں سے گپ شپ کا ذکر کرنا چاہئے۔ اس کو چھپا کر انہیں امید رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو دونوں جہانوں میں چھپائے گا۔ جامع ترمذی نمبر 1930 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ کسی مسلمان کو کبھی بھی دوسرے مسلمانوں کی غیبت یا غیبت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ درحقیقت صحیح مسلم نمبر 290 میں موجود ایک حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ کہنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے وسائل میں رہتے ہوئے دوسرے مسلمانوں کی کسی بھی مصیبت میں مدد کرنے کی کوشش کرے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 225 میں ایک حدیث سے ثابت ہے کہ جو بھی ایسا کرے گا قیامت کے دن اس کی سختی سے نجات ملے گی۔ یہی حدیث نصیحت کرتی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کا مالی بوجھ ہلکا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے دونوں جہانوں میں راحت عطا فرمائے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کو ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے جو ان کے مقروض ہیں۔

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمانوں پر ایک اور حق یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان پر ظلم کرے اور پھر ان سے معافی مانگے تو مظلوم اسے اللہ تعالیٰ کے لیے معاف کر دے۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کے شکار کو معاف کر دے گا۔ باب 24 النور، آیت 22:

اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کر دیں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟"...''

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6592 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت فرمائی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دوسروں کو معاف کرے گا اسے زیادہ عزت نصیب ہوگی۔

اس کے علاوہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ان کی حیثیت کے مطابق سلوک کرنا چاہیے جس کی نصیحت جامع ترمذی نمبر 1921 میں موجود حدیث میں آئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بزرگوں کے ساتھ احترام اور چھوٹے کے ساتھ رحم کیا جائے۔ یہ حدیث متنبہ کرتی ہے کہ جو لوگ اس طرح کا برتاؤ نہیں کرتے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے تعلق نہیں رکھتے۔ درحقیقت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ادب المفرد نمبر 357 میں ایک حدیث یہ نصیحت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا ایک حصہ بزرگوں کا احترام کرنا ہے۔ تمام لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا حصہ ہیں، لہٰذا اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کا احترام کرنا درحقیقت خالق یعنی اللہ تعالیٰ کا احترام کرنا ہے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ جو دیتے ہیں وہی انہیں ملے گا۔ جامع ترمذی نمبر 2022 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جب کوئی نوجوان کسی بوڑھے کی اس کی عمر کی وجہ سے تعظیم و تکریم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی بزرگی کے لیے کسی کو مقرر کرے گا۔

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمانوں کا دوسرا حق یہ ہے کہ جب تک گناہوں سے اجتناب کیا جائے ان کے ساتھ خوش دلی سے پیش آئے۔ درحقیقت دوسرے مسلمان کو تسلی دینے کے لیے مسکرانا صدقہ ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1956 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

دوسرے مسلمانوں کے ساتھ نرمی اور نرم رویہ رکھنے والے کو جامع ترمذی نمبر 2488 کی حدیث میں جہنم کی آگ سے حفاظت کی بشارت دی گئی ہے۔ دوسرے یہ اس قدر اہم ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 7512 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ یہ وہ عمل ہے جو جہنم کی آگ سے بچاتا ہے۔ درحقیقت اس پر عمل کرنے والے کو جامع ترمذی نمبر 1984 کی حدیث میں جنت میں ایک خوبصورت کوٹھی کا وعدہ کیا گیا ہے۔

مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے درمیان مسائل کو اپنی استطاعت کے مطابق درست کریں۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2509 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی کہ ایسا کرنا نفلی نماز، روزہ یا صدقہ سے افضل ہے۔

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمانوں پر دوسرا حق یہ ہے کہ اپنے عیبوں کو چھپائے ۔ جامع ترمذی نمبر 1930 میں ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مسلمان کے عیبوں پر پردہ ڈال دے گا جو اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں کے عیب چھپاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 2546 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص دوسروں کے عیبوں کو ظاہر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیبوں کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان دوسروں کے گناہوں کو نظر انداز کرے۔ لیکن اس کا مطلب ہے کہ انہیں نرمی سے اور نجی طور پر گنہگار کو خلوص دل سے توبہ کرنے اور دوسروں کے سامنے اپنے گناہ کا ذکر نہ کرنے کی تلقین کرنی چاہیے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مسلمان دوسروں کو ایسا گناہ نہ کرنے کی تعلیم دینا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرے اور لوگوں کا نام لیے بغیر دوسروں کو نصیحت کرے۔ اس کی مثال صحیح بخاری نمبر 6979 میں موجود ایک حدیث میں درج ہے، اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے عیبوں کی پردہ پوشی کرے جس طرح اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں اور دوسروں کی غلطیوں پر پردہ ڈالتا ہے۔

ایک مسلمان کو ہمیشہ ایسی صورت حال سے بچنا چاہیے جس سے دوسرے مسلمانوں کے ذہن میں شکوک و شبہات پیدا ہوں۔ یہ ان کو ان گناہوں سے بچانے کے لیے ہے جن کا ارتکاب دوسرے مشتبہ ہیں جیسے غیبت اور غیبت۔ اس تحفظ کو دوسرے مسلمانوں تک پہنچانا ان کے لیے بھلائی

کا ایک حصہ ہے جس طرح کوئی اپنے لیے بھلائی کو پسند کرتا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 3101 میں موجود حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ رات کے وقت اپنی بیوی سے ملے۔ اسی وقت دو صحابہ رضی اللہ عنہ تیزی سے چل پڑے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بلایا اور بتایا کہ وہ اپنی بیوی سے مل رہے ہیں نہ کہ کوئی اجنبی عورت۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے واضح کیا کہ ان کے ذہن میں غلط خیال بھی نہیں آتا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو یہ تعلیم دینے کے لیے صرف اس انداز میں جواب دیا کہ کسی بھی ایسی سرگرمی کو واضح کرنا چاہیے جو دوسرے مسلمانوں کے افکار کی حفاظت کے لیے مشکوک نظر آئے۔

اس کا تعلق ایک اور نیک صفت سے ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب کوئی ایسے کاموں سے اجتناب کرتا ہے جو حلال ہیں تاکہ دوسرے مسلمانوں کو برا نہ لگے۔ مثال کے طور پر، ایک شوہر دوسرے مسلمانوں جیسے کہ اس کی بہن کے سامنے اپنی بیوی سے محبت کا اظہار نہیں کرتا۔ اگرچہ یہ مکمل طور پر حلال ہے لیکن اپنی بہن کے سامنے ایسا کرنے سے اسے برا لگے خصوصاً اگر اس کا شوہر اس کے ساتھ ایسی حرکت نہ کرے۔ یہ اعلیٰ درجہ کا اعلیٰ کردار ہے جو واجب نہیں بلکہ بہت بڑی فضیلت ہے۔

مسلمانوں کا دوسرے مسلمانوں پر ایک اور حق یہ ہے کہ ان کا استقبال اسلامی سلام کے ساتھ کیا جائے۔ اس میں وہ مسلمان شامل ہوں جو ایک جانتا ہے اور جو مسلمان نہیں جانتے۔ بہت سی احادیث میں اس نیک عمل کی اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر، سنن ابن ماجہ، نمبر 68 میں پائی جانے والی ایک حدیث، دوسرے مسلمانوں کے لیے سلامتی کے پیغام کو جنت میں داخل ہونے سے جوڑتی ہے۔ باب 4 النساء آیت 86:

" اور جب تمھیں سلام کیا جائے تو اس سے بہتر سلام دو یا]کم از کم [اسے]اسی طرح [واپس کرو۔"

جامع ترمذی نمبر 2706 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان سے ملے اور جب وہ اسے چھوڑے تو سلام کرے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ امن کا اسلامی سلام اس بات کا اشارہ ہے کہ ایک مسلمان کو نہ صرف کسی مسلمان کا پرامن الفاظ سے استقبال کرنا چاہئے بلکہ ہر گفتگو کے دوران اچھے الفاظ کو برقرار رکھنا چاہئے۔ اس کے علاوہ امن کے اس پھیلاؤ کو صرف الفاظ سے نہیں بلکہ ایک مسلمان کے عمل سے ظاہر کیا جانا چاہیے۔ یہ دوسروں تک اسلامی سلام کا پیغام پہنچانے کا صحیح مفہوم ہے۔

ایک مسلمان کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت پر عمل کرنا چاہیے، جب وہ دوسرے مسلمانوں کو سلام پیش کرتے ہیں تو ان سے مصافحہ کرتے ہوئے درحقیقت جو مسلمان ایسا کرتے ہیں اور گفتگو کے دوران گناہوں سے بچتے ہیں ان کے چھوٹے گناہ الگ ہونے سے پہلے ہی معاف کر دیے جائیں گے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 5212 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

تمام مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے حقوق کا حتی الامکان دفاع کریں، بغیر کسی گناہ کے یا خود کو نقصان پہنچائے۔ مثال کے طور پر انہیں دوسرے مسلمانوں کی عزت کی حفاظت کرنی چاہیے جو اکثر ان کی پیٹھ پیچھے غیبت اور غیبت کی صورت میں پامال ہوتی ہیں۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1931 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کی عزت کی حفاظت کرے گا وہ قیامت کے دن جہنم کی آگ سے محفوظ رہے گا۔

اگر کوئی دوسرا مسلمان برے رویے کا مظاہرہ کرتا ہے تو دوسرے مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ اس کے علاوہ، انہیں ذاتی طور پر مشورہ دینا چاہئے کہ وہ اپنے کردار کو بہتر سے بہتر بنائیں۔ عوامی سطح پر ایسا کرنا ان کی شرمندگی کا باعث بن سکتا ہے اور یہ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کو شرمندہ نہ کرے۔ اس کے علاوہ، شرمندہ ہونے والا شخص زیادہ غصے میں آجائے گا اور اس لیے وہ اس اچھی نصیحت کو قبول کرنے کا امکان کم ہے جو انہیں دیا گیا ہے۔

چیزوں کو جانے دینا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال یمن میں حضرموت کے ایک شہزادے وائل بن حجر نے مدینہ آکر اسلام قبول کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر انہیں حضرموت کے دوسرے شہزادوں کا سپہ سالار مقرر کیا اور ایک مخصوص علاقہ کا انچارج مقرر کیا۔ اس نے صحابی معاویہ بن ابو سفیان کو وائل رضی اللہ عنہ کے ساتھ گھر روانہ کیا۔ معاویہ کے پاس سواری کے لیے کوئی اونٹ نہیں تھا اور وہ اپنے اونٹ پر سوار ہوتے ہوئے وائل رضی اللہ عنہ کے ساتھ چلنے پر مجبور تھے۔ اس نے وائل رضی اللہ عنہ کے پیچھے سوار ہونے کو کہا، لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ بادشاہوں کے پیچھے سواری کے قابل نہیں ہیں۔ برسوں بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اسلام کے خلیفہ بنے اور جب وائل رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے تو آپ نے ان کی بہت عزت کی اور طنزیہ انداز میں ان کو یاد دلایا کہ اس سفر میں آپ نے کیا کہا تھا۔ .اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 108 میں بحث کی گئی ہے۔

تمام مسلمانوں کو امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ غلطیوں اور گناہوں کو ایک طرف رکھے گا، نظر انداز کرے گا اور معاف کر دے گا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہی مسلمانوں میں سے اکثر جو اس کی امید اور دعا کرتے ہیں وہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے۔ مطلب، وہ اکثر دوسروں کی ماضی کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں اور انہیں اپنے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ ان غلطیوں کی طرف اشارہ نہیں ہے جن کا اثر حال یا مستقبل پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ڈرائیور کی وجہ سے ہونے والا کار حادثہ جو کسی دوسرے شخص کو جسمانی طور پر معذور کر دیتا ہے، ایک غلطی ہے جو حال اور مستقبل میں شکار کو متاثر کرے گی۔ اس قسم کی غلطی کو چھوڑنا اور نظر انداز کرنا سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن بہت سے مسلمان اکثر دوسروں کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں جو کسی بھی طرح سے مستقبل کو متاثر نہیں کرتی ہیں، جیسے کہ زبانی توہین۔ اگرچہ غلطی ختم ہو چکی ہے لیکن یہ لوگ موقع ملنے پر اسے زندہ کرنے اور دوسروں کے خلاف استعمال کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی افسوسناک ذہنیت ہے جیسا کہ کسی کو سمجھنا چاہئے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ کم از کم ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے اپنی ماضی کی غلطیوں سے درگزر کرنے کی امید رکھتا ہے اسے دوسروں کی ماضی کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ جو لوگ اس طرح برتاؤ کرنے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کے زیادہ تر تعلقات ٹوٹ چکے ہیں کیونکہ کوئی بھی رشتہ مکمل نہیں ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اختلاف کا شکار رہیں گے جو ہر رشتے میں غلطی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ تنہا ہو جائے گا کیونکہ ان کی بری ذہنیت انہیں دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ تنہا رہنے سے نفرت

کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسا رویہ اپناتے ہیں جو دوسروں کو ان سے دور کرتا ہے۔ یہ منطق اور عقل کی نفی کرتا ہے۔ تمام لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہتے ہوئے اور ان کے انتقال کے بعد ان سے محبت اور احترام کیا جائے لیکن یہ رویہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں تو لوگ ان سے تنگ آ جاتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو لوگ انہیں سچے پیار اور محبت سے یاد نہیں کرتے۔ اگر وہ انہیں یاد کرتے ہیں تو یہ محض رواج سے باہر ہے۔

ماضی کو جانے دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں کے ساتھ حد سے زیادہ اچھا سلوک کرنے کی ضرورت ہے لیکن اسلام کی تعلیمات کے مطابق سب سے کم احترام کرنا ہے۔ اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا اور اس کے لیے تھوڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ درگزر کرنا سیکھے اور لوگوں کی ماضی کی غلطیوں کو جانے دیا جائے تو شاید اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی پچھلی غلطیوں کو درگزر فرمائے گا۔ باب 24 النور، آیت 22:

"... اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کر دیں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے"۔

قیادت میں اخلاص

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک خاندان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر ایک گورنر مقرر کیا ہے۔ انہوں نے گورنر پر الزام لگایا کہ وہ ان کے ساتھ منفی رویہ رکھتے ہیں کیونکہ اسلام کے آنے سے پہلے ان کے ایک دوسرے کے ساتھ مسائل تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تب تبصرہ فرمایا کہ ایک سچے مومن کے لیے حکم رکھنے میں کوئی مادی دنیاوی فائدہ نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک سچا مومن دنیاوی وجوہات کی بنا پر اپنے اختیارات سے فائدہ نہیں اٹھائے گا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 113 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 4721 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ انصاف کے ساتھ کام کرنے والے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ اس میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے خاندانوں اور ان کی دیکھ بھال اور اختیار کے تحت اپنے فیصلوں میں صرف ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر موقع پر انصاف سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انصاف کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے۔ انہیں ان تمام نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا چاہیے جو انہیں دی گئی ہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق۔ اس میں کھانے اور آرام کے حقوق کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ہر عضو کو اس کے حقیقی مقصد کے مطابق استعمال کرتے ہوئے اپنے جسم اور دماغ کے لیے صرف ہونا شامل ہے۔ اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ وہ اپنے جسم اور دماغ کو اپنی حدود سے باہر دھکیلیں جس سے وہ خود کو نقصان پہنچائے۔

کسی کو لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے لوگوں پر ظلم کر کے اسلام کی تعلیمات پر کبھی

سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کا ایک بڑا سبب ہو گا جس کی طرف صحیح مسلم نمبر 6579 کی حدیث میں آیا ہے۔

انہیں صرف اس صورت میں بھی رہنا چاہئے جب یہ ان کی خواہشات اور ان کے پیاروں کی خواہشات سے متصادم ہو۔ باب 4 النساء، آیت 135:

''اے ایمان والو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ کوئی امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں کا زیادہ حقدار ہے۔ [1] پس [ذاتی]جھکاؤ کی پیروی نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ تم انصاف پسند نہ بنو۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کے حقوق اور ضروریات کو پورا کرتے ہوئے اپنے محتاجوں کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے جس کی نصیحت سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ انہیں نظر انداز نہ کیا جائے اور نہ ہی انہیں کسی دوسرے کے حوالے کیا جائے جیسے کہ اسکول اور مسجد۔ اساتذہ کسی شخص کو یہ ذمہ داری نہیں اٹھانی چاہئے اگر وہ ان کے بارے میں انصاف کے ساتھ کام کرنے میں بہت سست ہو۔

آخر میں، کوئی بھی شخص انصاف کے ساتھ کام کرنے سے آزاد نہیں ہے جیسا کہ کم از کم اللہ تعالیٰ اور اپنے آپ کے ساتھ انصاف کے ساتھ کام کرنا ہے۔

آزاد

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ یہ نصیحت فرمائی کہ جو لوگ بلا ضرورت دوسروں سے بھیک مانگتے ہیں ان کے سر میں درد ہوتا ہے۔ پیٹ میں درد .اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 113 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 7432 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت کرتا ہے جو مخلوق سے بے نیاز ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کیے گئے اسباب مثلاً اپنی جسمانی طاقت کو پوری طرح استعمال کرے۔ انہیں سستی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے اور لوگوں سے چیزیں طلب کرنا چاہئے کیونکہ یہ عادت ان پر انحصار کا باعث بنتی ہے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کم کردیتی ہے۔ انسان کو اس بات پر پختہ یقین ہونا چاہیے کہ جو کچھ بھی ہو جائے ان کا رزق ان کے لیے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مختص کر دیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ ایک مسلمان کو اپنی کوششوں پر توجہ مرکوز رکھنی چاہیے اور اس بات پر بھروسہ رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں وہ عطا فرمائے گا جو ان کے لیے بہتر ہے۔

اللہ اور لوگوں کی محبت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک غیر مسلم وفد مدینہ آیا۔ ان میں سے ایک شخص عبدالرحمٰن بن ابو عقیل نے کہا کہ مدینہ تشریف لانے سے پہلے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی سے نفرت نہیں کرتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے بعد انہوں نے آپ سے زیادہ محبت کسی سے نہیں کی۔ .اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 116 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4102 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کی محبت حاصل کرنے کا طریقہ بتایا۔

ایک مسلمان اپنے دنیوی مال سے بچ کر اور اس کی خواہش کر کے لوگوں کی محبت حاصل کر سکتا ہے۔ حقیقت میں، ایک شخص دوسروں کے ساتھ صرف اس وقت منفی رویہ اختیار کرتا ہے جب وہ محسوس کرتا ہے کہ دوسرے فعال طور پر ان کے مال کی خواہش رکھتے ہیں یا جب دوسرے دنیاوی چیزوں کے لیے سرگرمی سے مقابلہ کرتے ہیں جن کی وہ خود خواہش کرتے ہیں۔ یعنی اپنے پاس جو کچھ ہے اسے کھونے اور ان چیزوں کو کھونے کا خوف جو دوسروں کے ساتھ مقابلے کے ذریعے اس کی خواہش دوسروں کے تئیں منفی جذبات کا باعث بن سکتی ہے۔ اگر کوئی مسلمان اس حدیث کے پہلے حصے پر عمل کرنے کے بجائے اپنے آپ کو مشغول کر لے تو یہ انہیں فاضل دنیاوی چیزوں کا مقابلہ کرنے سے روک دے گا جن کی دوسروں کی خواہش ہوتی ہے کیونکہ ان خواہشات کی اکثریت غیر ضروری دنیاوی چیزوں کے لیے ہوتی ہے۔ اور اگر کوئی مسلمان دوسروں کے نفس اور مال سے اپنے نقصان کو دور رکھے جو سنن نسائی نمبر 4998 کی حدیث کے مطابق ایک سچے مومن کی نشانی ہے تو وہ لوگوں کی محبت بھی حاصل کر لے گا۔

شفاعت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک وفد اسلام قبول کرنے کے لیے مدینہ آیا۔ ایک آدمی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے ایسی جسمانی بادشاہی کیوں نہیں مانگی جیسی حضرت سلیمان علیہ السلام نے مانگی تھی۔ باب غم، آیت 35 38:

اس نے کہا اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما جو میرے بعد کسی کی نہ ہو، بے شک تو ہی عطا کرنے والا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہنس کر جواب دیا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ درجہ دیا ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے مرتبے سے بلند ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر خصوصی دعا فرمائی۔ ان میں سے ہر ایک نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اپنی خصوصی دعا کا استعمال کیا لیکن اس نے اپنی دعا کو قیامت کے دن کے لیے محفوظ کر رکھا تھا جب وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا کہ وہ اسے اپنی قوم کے حق میں شفاعت کی اجازت دے سکے۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 116 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4308 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ وہ پہلا شخص ہے جس کی شفاعت ہوگی اور وہ پہلا شخص ہے جس کی شفاعت قیامت کے دن اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔ دن

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے لائق بنانے کی کوشش کرے، ان اعمال کو انجام دے جس کے نتیجے میں اذان کی آواز سن کر اس کے لیے دعا کرنا شامل ہے۔ سنن نسائی نمبر 679 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ گھر میں پڑھنے کے بجائے باقاعدگی سے مسجد میں پڑھے۔ سب سے بڑا عمل جو شفاعت کا باعث بنے گا وہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اس فرض سے انکار کر کے غفلت میں نہ رہے اور پھر قیامت کے دن شفاعت کی امید رکھے کیونکہ یہ خواہش مندانہ سوچ کے زیادہ قریب ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے حقیقی امید کے مقابلے میں قابل ملامت ہے اور اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

بدقسمتی سے کچھ مسلمان جنہوں نے اس خواہش مندانہ سوچ کو اختیار کیا ہے وہ اس شفاعت کے ذریعے جنت حاصل کرنے کی امید رکھتے ہیں حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتے، اس کے احکام کی تعمیل کرتے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے اور مقدس روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان مسلمانوں کو یہ جان لینا چاہیے کہ اگرچہ شفاعت ایک حقیقت ہے کچھ مسلمان جن کی شفاعت سے ان کے عذاب میں تخفیف ہو جائے گی وہ پھر بھی جہنم میں داخل ہوں گے۔ جہنم میں ایک لمحہ بھی واقعی ناقابل برداشت ہے۔ لہٰذا خواہش مندانہ سوچ کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں عملی طور پر کوشش کرتے ہوئے سچی امید کو اپنانا چاہیے۔

زندگی کے تمام پہلوؤں میں ایمانداری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال طارق بن عبداللہ نامی ایک شخص اور اس کے ساتھی کھجور کی خریداری کے لیے مدینہ تشریف لائے۔ جب وہ مدینہ پہنچے تو ایک اجنبی نے ان کا استقبال کیا اور ان کے سفر کے بارے میں پوچھا۔ پھر اجنبی نے کھجور کے بدلے اپنا اونٹ خریدنے کی پیشکش کی۔ طارق بیچنے پر راضی ہو گیا اور اجنبی اونٹ لے گیا اور کہا کہ وہ جلد ہی ان کے پاس کھجوریں لے آئے گا۔ جب اجنبی ان کی نظروں سے پرے چلا گیا تو انہیں شک ہونے لگا کہ انہیں قید کر دیا گیا ہے۔ لیکن ان کے ساتھ ایک خاتون نے تبصرہ کیا کہ وہ اپنے آپ کو مورد الزام نہ ٹھہرائیں کیونکہ اجنبی کا چہرہ پورے چاند سے زیادہ خوبصورت تھا اور وہ دھوکے باز نہیں لگتا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ اجنبی دوبارہ نمودار ہوا اور ان کے سامنے اعلان کیا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس کے بعد اس نے انہیں جتنی کھجوریں چاہیں کھانے کی دعوت دی اور وہ پورا پیمانہ لیں جس پر وہ پہلے راضی ہوئے تھے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 117 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 2146 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ تاجروں کو قیامت کے دن فاسقوں کے طور پر اٹھایا جائے گا سوائے ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، نیک عمل کرتے ہیں اور بولتے ہیں۔ سچائی

اس حدیث کا اطلاق ان تمام لوگوں پر ہوتا ہے جو تجارتی لین دین میں حصہ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، اس کے احکام پر عمل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ کاروباری لین دین کے سلسلے میں ایک مسلمان کو اپنی بات میں ایماندار ہونا چاہیے اور اس لین دین کی تمام تفصیلات جو اس میں شامل ہیں ان کو بتا دیں۔ صحیح بخاری نمبر 2079 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب مسلمان مالی لین دین میں چیزوں کو چھپاتے ہیں، جیسے کہ ان کے سامان میں خرابیاں، تو یہ نعمتوں میں نقصان کا باعث بنتی ہے۔

راستبازی سے کام کرنے میں یہ شامل ہے کہ دوسروں کو سامان کی ضرورت سے زیادہ قیمت ادا کرنے پر مجبور کرنے کی کوشش نہ کریں۔ ایک مسلمان کو صرف دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جیسا کہ وہ ایمانداری اور مکمل انکشاف کے ساتھ معنی خیز سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح ایک مسلمان یہ پسند نہیں کرے گا کہ مالی معاملات میں اس کے ساتھ بدسلوکی کی جائے وہ دوسروں کے ساتھ بدسلوکی نہ کرے۔

کاروبار کرنے والوں کو ہمیشہ جھوٹ بولنے سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ بے حیائی کی طرف لے جاتا ہے اور فانی جہنم میں لے جاتا ہے۔ درحقیقت ایک شخص جھوٹ بولتا اور اس پر عمل کرتا رہے گا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا درج نہ ہو جائے۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

مخالف مسیح کی کہانی

آزمائشوں سے نمٹنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال میں تمیم الداری رضی اللہ عنہ نامی ایک ، صحابی مدینہ تشریف لائے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس کے عجیب سفر کے بارے میں۔ تمیم رضی اللہ عنہ ایک جہاز پر سفر کر رہے تھے کہ وہ اڑ گیا۔ عملے کو ایک نامعلوم جزیرے پر ڈالا جا رہا تھا۔ وہ پینے کے پانی کی تلاش میں جہاز سے نکلے اور آخرکار ایک آدمی سے ملے جو زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ قیدی نے ان سے پوچھا کہ یہ کون ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ عرب ہیں۔ قیدی نے ان سے پوچھا کہ کیا کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا اعلان کرتا ہوا آیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایسا ہوا ہے اور لوگ اس پر ایمان لے رہے ہیں، اس کی پیروی کر رہے ہیں اور اسے سچا سمجھ رہے ہیں۔ قیدی نے تبصرہ کیا کہ یہ ان کے لیے بہترین ہے۔ اس کے بعد حجاز میں عین زر کے مقام کی خبر پوچھی۔ آدمیوں نے اسے بتایا اور قیدی بہت خوش ہو گیا۔ اس کے بعد قیدی نے پوچھا کہ کیا ال یمامہ میں واقع بایسن میں کھجوریں پھل دے رہی ہیں؟ مردوں نے جواب دیا کہ وہ ہیں اور وہ پھر سے خوش ہو گیا۔ قیدی نے آخر میں تبصرہ کیا کہ اگر اسے ایسا کرنے کی اجازت دی گئی تو وہ طیبہ کی زمین کے علاوہ زمین کا سفر کرے گا۔ تمیم رضی اللہ عنہ کے بعد یہ قصہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنایا اور فرمایا کہ قیدی مخالف مسیح تھا اور طیبہ کی سرزمین مدینہ تھی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 119 میں بحث کی گئی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سنن ابن ماجہ نمبر 4077 میں موجود ایک حدیث میں مخالف مسیح کی آزمائش کو مسلمانوں کو زمین پر اپنی زندگی کے دوران سب سے بڑی آزمائش کے طور پر بیان کیا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو مستقبل کے اس واقعے سے کچھ اہم سبق سیکھنا چاہیے۔ پہلا مضبوط ایمان رکھنے کی اہمیت ہے۔ کمزور ایمان والے ہی اس سے گمراہ ہوں گے۔ مضبوط ایمان انتہائی ضروری ہے کیونکہ یہ ہر آزمائش یا مشکل کے خلاف ایک ہتھیار ہے جس کا سامنا زندگی کے دوران ہوتا ہے۔ پختہ ایمان رکھنے والا ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہر مشکل کو ثواب اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی سے دور کرتا ہے کیونکہ وہ اس طرز عمل کو سمجھتے ہیں جس کا انہیں ہر حال میں مظاہرہ کرنا چاہیے۔ جبکہ کمزور عقیدہ رکھنے والے آسانی سے گمراہ

ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے دور ہو جاتے ہیں، ان آزمائشوں اور آزمائشوں سے جن کا ان کی زندگی میں سامنا کرنا پڑتا ہے بالکل اسی طرح جیسے کمزور ایمان والے مخالف مسیح سے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ باب 22 الحج، آیت 11:

اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو جاتی ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔"

مضبوط ایمان حاصل کرنے کا بہترین طریقہ اسلامی علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ اس سے ایک مسلمان آزمائشوں اور آزمائشوں کی وجہ اور حکمت کو سمجھ سکے گا۔ اس کے نتیجے میں وہ ان پر کامیابی سے قابو پا سکیں گے۔

اس عظیم واقعہ سے سیکھنے کی دوسری چیز مشکوک چیزوں سے بچنے کی اہمیت ہے۔ جس طرح ایک شخص جو کسی سرحد کے قریب سے سفر کرتا ہے اس کے اسے عبور کرنے کا زیادہ امکان ہوتا ہے اسی طرح ایک مسلمان جو فتنوں میں گھرا ہوا ہے اس کے گمراہ ہونے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ جو ان جگہوں اور چیزوں سے بچتا ہے جو اسے گناہوں کی طرف مائل کرتی ہیں وہ اس کے ایمان اور عزت کی حفاظت کرے گا۔ یہ نصیحت جامع ترمذی نمبر 1205 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے ایمان کی حفاظت کرتے ہوئے ان چیزوں، مقامات اور لوگوں سے بچیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے ہیں یا فتنہ میں ڈالتے ہیں، اور ان کے کفیلوں کو یقینی بناتے ہیں۔ جیسا کہ ان کے بچے بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔

اپنے آپ کو پسند کرنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال بنو اسد کا ایک وفد اسلام قبول کرنے کے لیے مدینہ آیا۔ ان کے کمانڈر نے ایک تبصرہ کیا جس میں یہ تجویز کیا گیا کہ وہ اسلام قبول کرکے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان کر رہے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ الحجرات آیت نمبر 49 نازل فرمائی:

"وہ اس کو تم پر احسان سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ کہہ دو کہ تم اپنے اسلام کو مجھ پر احسان نہ سمجھو، بلکہ اللہ نے تم پر احسان کیا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی طرف رہنمائی کی ہے، اگر تم سچے ہو۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 120 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جب وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں، جیسے کہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا حقیقت میں ان کے لیے فائدہ مند ہے نہ کہ دوسروں کو۔ اس لیے کہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور اس اہم فرض کو پورا کرنے سے ایک اجر ملتا ہے۔

اس کے علاوہ، جب کوئی دوسروں کے ساتھ مہربان ہوتا ہے تو وہ زندہ رہتے ہوئے ان کے لیے دعا کرتا ہے جس سے انہیں فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6929 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ کسی شخص کے لیے پوشیدہ طور پر کی گئی دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ لوگ ان کے انتقال کے بعد ان کے لیے دعائیں کریں گے جس کا جواب ضرور ملتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں درج ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 10:

یہ کہتے ہوئے کہ اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ایمان میں ہم سے پہلے تھے...

آخر کار جو شخص دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے وہ قیامت کے دن اپنی شفاعت حاصل کرے گا، جس دن لوگ دوسروں کی شفاعت کے لیے بے چین ہوں گے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 7439 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے باوجود دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں وہ ان فوائد سے محروم رہیں گے جن کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔ اور قیامت کے دن وہ پائیں گے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ نہ کرنے کا انتخاب کریں تو ظالم کی نیکیاں ان کے شکار کو دی جائیں گی اور اگر ضرورت پڑی تو مظلوم کے گناہ ان کے مظلوم کو دے دیے جائیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے اپنے آپ پر رحم کرے، کیونکہ حقیقت میں وہ دنیا اور آخرت میں اپنے آپ کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔ باب 29 العنکبوت آیت 6:

‘‘...اور جو کوشش کرتا ہے وہ صرف اپنے لیے ہی کوشش کرتا ہے’’

جہاں عظمت مضمر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک وفد مدینہ آیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بڑے بڑے تحفے عطا فرمائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ایک نوجوان سے پوچھا کہ وہ کون سا تحفہ چاہتا ہے؟ نوجوان نے جواب دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، ان کی مغفرت فرمائیں، رحمت عطا فرمائیں اور ان کے دل میں دولت یعنی قناعت رکھ دیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی حاجت پوری فرمائی اور نوجوان سب سے زیادہ متقی اور متقی بن گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 127 میں بحث کی گئی ہے۔

عظمت اور حقیقی کامیابی کا تعلق دنیاوی چیزوں سے نہیں ہے، جیسے کہ دولت یا شہرت۔ انسان کو ان چیزوں کے ذریعے دنیاوی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے لیکن تاریخ کے اوراق پلٹیں تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس قسم کی کامیابی بہت عارضی ہوتی ہے اور آخرکار انسان کے لیے بوجھ اور ندامت بن جاتی ہے۔ ایک مسلمان کو ہرگز یہ نہیں ماننا چاہیے کہ برتری ان چیزوں میں مضمر ہے اور اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے لیے اپنے فرائض سے غفلت برتتے ہوئے انہیں حاصل کرنے کے لیے خود کو وقف کر دیتی ہے۔ اور نہ ہی انہیں دوسروں کو نیچا دیکھنا چاہئے جن کے پاس یہ دنیاوی چیزیں نہیں ہیں یہ سمجھتے ہوئے کہ ان کی کوئی قدر و اہمیت نہیں ہے کیونکہ یہ رویہ اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 6071 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت فرمائی ہے کہ اہل جنت وہ ہیں جنہیں معاشرہ حقیر سمجھتا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اگر انہوں نے حلف اٹھایا۔ اللہ تعالیٰ اس کو ان کے لیے پورا کرے گا۔

دنیا اور آخرت میں حقیقی عزت، کامیابی اور عظمت صرف تقویٰ میں ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرنے کی جس قدر خلوص نیت سے کوشش کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، وہ اتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں خواہ وہ ظاہر ہوں۔ معاشرے کے لیے غیر معمولی .باب
:الحجرات آیت 13 49

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ” پرہیزگار ہے“۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ اس میں حقیقی کامیابی تلاش کرے اور دنیاوی چیزوں میں اس کی تلاش میں اپنا وقت اور محنت ضائع نہ کرے ورنہ وہ آخرت میں بڑے خسارے میں پہنچ سکتا ہے۔ باب 18 الکہف، آیات 103-104:

کہہ دیجئے کہ کیا ہم تمہیں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والوں کے بارے میں بتائیں گے؟”

سچی عقیدت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک غیر مسلم وفد مدینہ آیا اور اسلام قبول کیا۔ ان کے سابقہ عقیدے کے مطابق انہیں ایک مخصوص قسم کا گوشت کھانے سے منع کیا گیا تھا جو اسلام میں حلال تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس گوشت کو پکا کر اپنے پیشوا کو پیش کیا اور فرمایا کہ جب تک وہ کھانا نہ کھائیں تمہارا ایمان مکمل نہیں ہو گا۔ قائد نے کچھ ہچکچاہٹ ظاہر کرنے کے باوجود گوشت کھایا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 127 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو غیر مسلموں کے رسم و رواج کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔ مسلمان جتنا زیادہ ایسا کریں گے وہ قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر اتنا ہی کم عمل کریں گے۔ یہ اس دور اور دور میں بالکل واضح ہے کیونکہ بہت سے مسلمانوں نے دوسری قوموں کے ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جس کی وجہ سے وہ اسلام کی تعلیمات سے دور ہو گئے ہیں۔ مثال کے طور پر، کسی کو صرف جدید مسلم شادی کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ دیکھا جا سکے کہ مسلمانوں نے کتنے غیر مسلم ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے۔ جو چیز اس سے بدتر بناتی ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے مسلمان قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات اور غیر مسلموں کے ثقافتی طریقوں پر مبنی اسلامی طریقوں میں فرق نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ سے غیر مسلم بھی ان میں تفریق نہیں کر سکتے جس کی وجہ سے اسلام کے لیے بہت زیادہ مسائل پیدا ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر غیرت کے نام پر قتل ایک ثقافتی عمل ہے جس کا ابھی تک اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں کی جہالت اور غیر مسلم ثقافتی طریقوں کو اپنانے کی ان کی عادت کی وجہ سے جب بھی معاشرے میں غیرت کے نام پر قتل ہوتا ہے تو اسلام کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو متحد کرنے کے لیے ذات پات اور بھائی چارے کی شکل میں سماجی رکاوٹوں کو دور کیا لیکن جاہل مسلمانوں نے غیر مسلموں کے ثقافتی طریقوں کو اپنا کر انہیں زندہ کیا ہے۔ سیدھے الفاظ میں مسلمان جتنے زیادہ ثقافتی طریقوں کو اپنائیں گے، وہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر اتنا ہی کم عمل کریں گے۔

سچا عقیدہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال اسلام قبول کرنے کے بعد ایک وفد مدینہ آیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ وہ کیا ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ مومن ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے جواب دیا کہ ہر سچے قول کی تائید ثبوت سے ہوتی ہے تو ان کے بیان اور ایمان کے دعویٰ کی کیا دلیل تھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ پندرہ چیزیں ہیں جن پر انہوں نے عمل کیا۔ پانچ چیزیں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندوں نے انہیں ایمان لانے کا حکم دیا، پانچ چیزیں جن پر عمل کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا اور پانچ چیزیں جو انہوں نے اسلام قبول کرنے سے پہلے خود تیار کی تھیں جن کا وہ حکم دینے کی صورت میں ہی چھوڑ دیتے تھے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ان پندرہ چیزوں کے نام رکھنے کو کہا۔ انہوں نے جواب دیا کہ انہیں جن پانچ چیزوں پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے وہ یہ ہیں کہ اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، ان پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاؤ۔ ان کو جن پانچ چیزوں پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا وہ یہ تھے کہ زبانی اعلان کریں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، فرض نمازیں پڑھنا، صدقہ فطر ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور اگر کوئی ہو تو حج ادا کرنا۔ کرنے کے قابل .اسلام قبول کرنے سے پہلے جو آخری پانچ چیزیں انہوں نے خود پیدا کیں وہ خوشحالی کے وقت شکر گزاری، مشکل کے وقت بردباری، تقدیر کے ہر کام پر راضی رہنا، اجتماعات میں سچا ہونا اور دشمنوں کو برا بھلا کہنے سے پرہیز کرنا تھیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر ان کی بہت تعریف فرمائی اور پھر ان کو مزید پانچ چیزیں بتائیں جن پر عمل کر کے کل بیس بنانے چاہئیں۔ اس نے ان سے کہا کہ وہ اسے جمع نہ کریں جو وہ خود استعمال نہیں کریں گے، جس چیز میں وہ آباد نہیں ہوں گے اسے نہ بنائیں، ان کے لیے اس چیز کا مقابلہ نہ کریں جو وہ جلد ہی اس دنیا میں چھوڑ جائیں گے، اللہ تعالیٰ سے ڈریں، جس کے پاس وہ ہوں گے۔ آخرت میں واپس آنا اور جس کے سامنے وہ بے نقاب ہوں گے اور اس جگہ کی شدید خواہش رکھتے ہیں جس کی طرف وہ جا رہے تھے اور ہمیشہ رہے گا یعنی آخرت میں۔ اس کے بعد وفد مدینہ سے چلا گیا اور اس مشورے پر عمل کر کے عملاً اپنا ایمان ثابت کر دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 128 میں بحث کی گئی ہے۔

بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا عقیدہ اور اپنے خدا کی اطاعت ان کے دلوں میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر اس کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بدقسمتی سے، اس احمقانہ ذہنیت نے بہت سے مسلمانوں کو متاثر کیا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک خالص وفادار دل کے مالک ہیں حالانکہ وہ اسلام کے واجبات کو ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر

اعلان فرمایا ہے کہ جب کسی کا دل پاک ہوتا ہے تو جسم بھی پاک ہوتا ہے یعنی اس کے اعمال درست ہوجاتے ہیں۔ لیکن اگر کسی کا دل فاسد ہو تو جسم فاسد ہو جاتا ہے یعنی اس کے اعمال فاسد اور غلط ہوں گے۔ لہٰذا جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اپنے فرائض کو عملی طور پر ادا نہیں کرتا وہ کبھی بھی پاک دل نہیں ہوسکتا۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا عملی طور پر مظاہرہ کرنا ان کا ثبوت اور شہادت ہے جو قیامت کے دن جنت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔ اس عملی ثبوت کا نہ ہونا اتنا ہی احمقانہ ہے جتنا ایک طالب علم جو اپنے استاد کو خالی امتحانی پرچہ واپس دے دیتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ ان کا علم ان کے ذہن میں ہے اس لیے انہیں امتحان کے سوالات کے جوابات دے کر اسے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ طالب علم جس طرح ناکام ہو گا اسی طرح وہ شخص جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کے بغیر اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے قیامت تک پہنچے گا، خواہ وہ اس پر ایمان رکھتا ہو۔ ان کا دل.

امن کا سلام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے نویں سال، الصادف کے ایک مسلمان وفد نے مدینہ کا دورہ کیا۔ وہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے منبر پر خطبہ دے رہے تھے۔ سلام کا اسلامی سلام دیے بغیر بیٹھ گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا وہ مسلمان ہیں جس کا انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ اس کے بعد انہوں نے پوچھا کہ کیا وہ سلام کا اسلامی سلام کہیں گے؟ وہ اٹھے اور سب کو سلام کا اسلامی سلام پیش کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 129 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 12 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام میں پائے جانے والے ایک اچھے معیار کی نصیحت کی۔ یعنی سلام کا اسلامی سلام ان لوگوں تک پہنچانا جن کو وہ جانتا ہے اور جن کو وہ نہیں جانتے۔

اس اچھی خصوصیت پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ آج کل مسلمان اکثر صرف ان لوگوں کو امن کا اسلامی سلام پھیلاتے ہیں جنہیں وہ جانتے ہیں۔ اسے سب تک پہنچانا ضروری ہے کیونکہ اس سے لوگوں میں محبت پیدا ہوتی ہے اور اسلام مضبوط ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ خصوصیت صحیح مسلم نمبر 194 میں موجود حدیث کے مطابق جنت کی طرف لے جاتی ہے۔

ایک مسلمان کو یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ دوسروں کو بھیجے جانے والے ہر سلام کے لیے کم از کم دس انعامات حاصل کریں گے چاہے دوسرے ان کا جواب نہ دیں۔ سنن ابوداؤد نمبر 5195 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی زبانی اور جسمانی نقصان کو دوسروں کے نفس اور مال سے دور رکھ کر اپنی دوسری تقریر اور عمل میں اس امن کا مظاہرہ کرتے ہوئے سلامتی کے اسلامی سلام کو صحیح طریقے سے پورا کرے۔ یہ حقیقت میں سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث کے مطابق سچے مسلمان اور مومن کی تعریف ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا

آخرت پر احسان کرنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے نویں سال، بعض علاقوں کی فتح کے بعد اسلام کے لیے چیزیں آسان ہو گئیں۔ نتیجتاً، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض ازواجِ مطہرات نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ خواہش کی کہ وہ اپنی دنیاوی زندگی کو زیادہ آرام دہ بنا دیں۔ انہوں نے اس طرح برتاؤ کیا جیسا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشاہدہ کرنے، آرام دہ زندگی گزارنے کی خواہش رکھتے تھے۔ وہ دنیا کی شان و شوکت کی خواہش نہیں رکھتے تھے کیونکہ ان میں سے کسی نے بھی اللہ تعالیٰ کی اس پیشکش کو قبول نہیں کیا جو باب 33 الاحزاب آیت 28-29 میں نازل ہوئی ہے:

”اے نبیؐ، اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تمہیں کچھ دے دوں گا اور تمہیں اچھی طرح چھوڑ دوں گا، لیکن اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور اہل بیت کی خواہش کرو۔ آخرت تو یقیناً اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والوں کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔“

تفسیر ابن کثیر، جلد 7، صفحہ 672-675، اور صحیح مسلم، نمبر 3690 اور جامع ترمذی، نمبر 3204 میں موجود احادیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ، وہ صرف تھوڑا سا سکون چاہتے تھے کیونکہ وہ سب انتہائی غربت میں رہ رہے تھے۔ مثال کے طور پر اکثر تین مہینے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں کے بغیر گزر جاتے اور کھانا پکانے کے لیے آگ جلاتے۔ وہ اس کے بجائے کھجور اور پانی پر زندہ رہیں گے۔ صحیح بخاری نمبر 6459 کی ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

لہٰذا مسلمانوں کو ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مادی دنیا کی آسائشوں پر آخرت کو ترجیح دینا اور اس کی تیاری کرنی چاہیے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو صرف ایک دل دیا ہے۔ اس لیے اس کے اندر دو متضاد چیزیں بیک وقت نہیں رہ سکتیں جس طرح آگ اور برف ایک برتن میں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ یہ اسی طرح ہے کہ کس طرح مشرق کی طرف جانے والا مسافر لامحالہ مغرب سے مزید دور جاتا ہے۔ اسی طرح آخرت اور مادی دنیا دو متضاد ہیں۔ اس لیے وہ ایک ہی وقت میں کسی ایک شخص کے دل میں نہیں رہ سکتے۔ مادی دنیا سے جتنی زیادہ محبت اور عملی طور پر کوشش کرے گا وہ آخرت کے لیے اتنی ہی کم محبت اور عملی طور پر کوشش کرے گا۔ یہ ایک ناگزیر حقیقت ہے۔ ایک مسلمان کو یہ یقین کرنے میں خود کو بیوقوف نہیں بنانا چاہئے کہ یہ ممکن ہے۔ دونوں کبھی ایک دل میں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ ایک ہمیشہ دوسرے پر غالب آئے گا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی یہ مانتا ہے کہ وہ اس مادی دنیا کی حلال زیادتی میں ملوث ہو سکتا ہے تو اسے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ سب سے پہلے یہ ان کی آخرت کی تیاری سے توجہ ہٹا دے گا۔ دوسری بات یہ کہ یہ ان کو حرام سے اتنا قریب کر دے گا کیونکہ حلال چیزوں میں مشغول ہونا عموماً حرام اور گناہوں کی طرف پہلا قدم ہوتا ہے۔ اس ذہنیت سے بچنے والا اپنے ایمان اور عزت کی حفاظت کرے گا۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 1205 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ باب 87 الاعلیٰ، آیات 16-17:

"لیکن تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ جب کہ آخرت بہتر اور پائیدار ہے۔

ہجرت کے بعد 10 واں سال

نظر انداز کرنا اور معاف کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال اسلام قبول کرنے کے بعد ایک وفد مدینہ آیا۔ یہ قبیلہ ان لوگوں پر مشتمل تھا جنہوں نے حج کے موسموں میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ انتہائی سخت اور بدتمیزی کا سلوک کیا تھا جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو دعوت دینے کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ اسلام، مدینہ ہجرت سے پہلے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان آدمیوں میں سے ایک کو پہچانا جنہوں نے اس کے ساتھ ناروا سلوک کیا، پھر بھی اس پر کوئی تنقید نہیں کی۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 122 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات سے بدلہ نہیں لیا بلکہ معاف کر دیا اور نظر انداز کیا۔

مسلمانوں کو مناسب اور معقول طریقے سے اپنا دفاع کرنے کی اجازت دی گئی ہے جب ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا ہے۔ لیکن انہیں کبھی بھی لائن سے اوپر نہیں جانا چاہئے کیونکہ یہ ایک گناہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190:

"اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہیں کرتے۔ بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

چونکہ نشان پر قدم رکھنے سے بچنا مشکل ہے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ صبر و تحمل سے کام لے، دوسروں کو نظر انداز کرے اور معاف کرے کیونکہ یہ نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی لے جاتی ہے۔ ان کے گناہوں کو معاف کرنا .باب :النور، آیت 22 24

"...اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟‘‘

دوسروں کو معاف کرنا بھی دوسروں کے کردار کو مثبت انداز میں بدلنے میں زیادہ کارگر ہے جو کہ اسلام کا مقصد ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے کیونکہ بدلہ لینا ہی ملوث افراد کے درمیان مزید دشمنی اور غصے کا باعث بنتا ہے۔

آخر میں وہ لوگ جو دوسروں کو معاف نہ کرنے کی بری عادت رکھتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی ہمیشہ کینہ پرور رہتے ہیں، انہیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ ان کے ہر چھوٹے گناہ کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چیزوں کو جانے دینا سیکھنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں معافی اور ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔

دشمنوں پر قابو پانا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ نے ایک گروہ کو جس کی قیادت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کر رہے تھے، ایک غیر مسلم قبیلہ بنو العلٰی کی طرف روانہ کیا۔ حارث بن کعب نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور پھر ان کا ایک وفد مدینہ آیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے انہوں نے اپنے دشمنوں پر کیسے ثابت قدمی سے غلبہ حاصل کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ انہوں نے متحد رہ کر اور کبھی کسی کے ساتھ ناانصافی شروع نہ کر کے یہ حاصل کیا۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 135 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6541 میں موجود ایک حدیث میں معاشرے کے اندر اتحاد پیدا کرنے کے بعض پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے حسد نہ کرنے کی تلقین کی۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اس نعمت کو حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہے جس کا کوئی دوسرا معنی رکھتا ہے، وہ اس نعمت سے محروم ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ اور اس میں اس حقیقت کو ناپسند کرنا شامل ہے کہ مالک کو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے یہ نعمت دی تھی۔ کچھ صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے بغیر ان کے عمل یا تقریر کے ذریعہ۔ اگر وہ اپنی سوچ اور احساس کو ناپسند کرتے ہیں تو امید کی جاتی ہے کہ ان کی حسد کی وجہ سے ان کا احتساب نہیں کیا جائے گا۔ بعض اپنے قول و فعل سے کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے سے نعمت چھین لیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ بدترین قسم وہ ہے جب کوئی شخص نعمت کو مالک سے دور کرنے کی کوشش کرے خواہ حسد کرنے والے کو نعمت نہ ملے۔

حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہ کرے، ان کے احساس کو ناپسند کرے اور اگر وہ اس جیسی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کے پاس موجود نعمت کو کھوئے بغیر اس کے مالک کی طرف سے کوئی نعمت حاصل نہ ہو۔ اگر چہ یہ قسم گناہ گار

نہیں ہے پھر بھی یہ ناپسندیدہ ہے اگر حسد کسی دنیوی نعمت پر ہو اور صرف اس صورت میں قابل تعریف ہے جب اس میں دینی نعمت شامل ہو۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 میں ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ جب کوئی شخص حلال مال حاصل کرنے اور خرچ کرنے والے سے حسد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی شخص اس شخص سے حسد کرتا ہے جو اپنی حکمت اور علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔

حسد کی بری قسم، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، براہ راست اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ حسد کرنے والا ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے کسی اور کو خاص نعمت دے کر غلطی کی ہو۔ اس لیے یہ کبیرہ گناہ ہے۔ درحقیقت جیسا کہ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ لہٰذا ایک غیرت مند مسلمان کو چاہیے کہ وہ جس شخص سے حسد کرتے ہیں اس کے ساتھ حسن سلوک اور مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کرے، جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہاں تک کہ ان کی حسد ان کے لیے محبت بن جائے۔

ایک اور چیز جو شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں نصیحت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے نفرت نہ کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو صرف اسی صورت میں ناپسند کرنا چاہئے جب اللہ تعالیٰ اسے ناپسند کرے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث میں اسے ایمان کی تکمیل کے پہلو کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو اپنی خواہشات کے مطابق چیزوں یا لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی اپنی خواہشات کے مطابق دوسرے کو ناپسند کرتا ہے تو اسے کبھی بھی اپنے قول و فعل پر اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہیے کیونکہ یہ گناہ ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسرے کے ساتھ اسلام کی تعلیمات کے مطابق احترام اور مہربانی کے ساتھ سلوک کرتے ہوئے احساس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ دوسرے لوگ بالکل اسی طرح کامل نہیں ہیں جس طرح وہ کامل نہیں ہیں۔ اور اگر دوسروں میں کوئی بری خصلت ہے تو وہ بھی بلاشبہ اچھی صفات کے مالک ہوں گے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرے کہ وہ اپنی برائیاں چھوڑ دیں لیکن ان میں جو اچھی صفات ہیں ان سے محبت کرتے رہیں۔

اس موضوع پر ایک اور نکتہ بیان کرنا ضروری ہے۔ ایک مسلمان جو کسی خاص عالم کی پیروی کرتا ہے جو کسی مخصوص عقیدے کی حمایت کرتا ہے اسے متعصب کی طرح کام نہیں کرنا چاہئے اور اپنے عالم کو ہمیشہ صحیح ماننا چاہئے اس لئے ان لوگوں سے نفرت کرنا چاہئے جو ان کے علماء کی رائے کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز/کسی کو ناپسند کرنے والا نہیں ہے۔ جب تک علماء کے درمیان جائز اختلاف موجود ہے ایک مسلمان کو کسی خاص عالم کی پیروی کرنا چاہئے اور اس کا احترام کرنا چاہئے اور دوسرے لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہئے جو اس کے ماننے والے عالم سے مختلف ہوں۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے منہ نہ پھیریں۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں دنیاوی مسائل پر دوسرے مسلمانوں سے تعلقات منقطع نہیں کرنے چاہئیں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کی حمایت سے انکار کر دینا چاہیے۔ صحیح بخاری نمبر 6077 میں موجود حدیث کے مطابق ایک مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ تعلق منقطع رکھنا ناجائز ہے۔ درحقیقت کسی دنیوی مسئلہ میں ایک سال سے زائد عرصہ تک تعلقات منقطع کرنے والا دوسرے مسلمان کو قتل کرنے والے کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4915 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ دوسروں کے ساتھ تعلقات منقطع کرنا صرف ایمان کے معاملات میں جائز ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کو خلوص دل سے توبہ کرنے کی تلقین کرتے رہنا چاہیے اور صرف اس صورت میں ان کی صحبت سے گریز کرنا چاہیے جب وہ بہتر کے لیے تبدیلی سے انکار کر دیں۔ جب بھی ان سے ایسا کرنے کی درخواست کی جائے تو انہیں حلال چیزوں میں ان کا ساتھ دینا چاہیے کیونکہ یہ احسان مندانہ عمل انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔

زیر بحث مرکزی حدیث میں ایک اور بات کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے جب وہ اس حدیث میں دی گئی سابقہ نصیحت پر عمل کریں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسرے مسلمانوں کے تئیں اپنا فرض ادا

کرنے کی کوشش کریں، جیسے کہ بھلائی کے معاملات میں دوسروں کی مدد کرنا اور برائیوں سے خبردار کرنا۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

صحیح بخاری نمبر 1240 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمانوں کے درج ذیل حقوق ادا کرنے چاہئیں :وہ سلام کا جواب دینا، بیماروں کی عیادت کرنا، ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا اور ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا۔ چھینکنے والا جو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو وہ تمام حقوق سیکھنے اور پورے کرنے چاہئیں جو دوسرے لوگوں خصوصاً دوسرے مسلمانوں کے ان پر ہیں۔

زیر بحث اہم حدیث میں ایک اور بات کا ذکر ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرنا چاہیے، اسے ترک نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی اس سے نفرت کرنی چاہیے۔ انسان کے گناہوں سے نفرت ہونی چاہیے لیکن گناہ گار ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کسی بھی وقت صدق دل سے توبہ کر لے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4884 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کو ذلیل کرے گا اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل کرے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کو ذلت سے بچاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے گا۔

شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں مذکور منفی خصوصیات اس وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب کوئی شخص غرور اختیار کر لے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث کے مطابق تکبر اس وقت ہوتا ہے جب انسان دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔ مغرور شخص خود کو کامل

دیکھتا ہے جبکہ دوسروں کو نامکمل دیکھتا ہے۔ یہ انہیں دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے روکتا ہے اور دوسروں کو ناپسند کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

ایک اور بات جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ حقیقی تقویٰ انسان کی ظاہری شکل و صورت میں نہیں ہے جیسا کہ خوبصورت لباس پہننا، بلکہ یہ ایک باطنی صفت ہے۔ یہ باطنی خصلت ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اسی لیے صحیح مسلم کی حدیث نمبر 4094 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب روحانی قلب پاک ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے لیکن جب روحانی قلب فاسد ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے۔ کرپٹ ہو جاتا ہے .یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری صورتوں مثلاً مال و دولت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی نیتوں اور اعمال پر غور کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6542 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے باطنی تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرے .تاکہ یہ ظاہری طور پر اس طرح ظاہر ہو جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعامل کرتے ہیں۔ تخلیق

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے بغض رکھنا گناہ ہے۔ اس نفرت کا اطلاق دنیاوی چیزوں پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر دوسروں کو ناپسند نہیں کرنا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور بغض رکھنا ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو ہر حال میں دوسروں کا احترام کرنا چاہیے اور اس شخص سے نفرت کیے بغیر صرف ان کے گناہوں کو ناپسند کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ، ان کی ناپسندیدگی انہیں کبھی بھی اسلامی تعلیمات کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہیں کرے گی کیونکہ اس سے یہ ثابت ہو گا کہ ان کی نفرت ان کی اپنی خواہشات پر مبنی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ دنیاوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کو حقیر سمجھنے کی اصل وجہ تکبر ہے۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ایک ایٹم کا فخر کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس کے بعد جو بات اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کی جان، مال اور عزت سب مقدس ہیں۔ ایک مسلمان کو بغیر کسی جواز کے ان حقوق میں سے کسی کی خلاف ورزی نہیں

کرنی چاہیے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ غیر مسلموں سمیت دیگر لوگوں کو ان کے شر سے محفوظ نہ رکھے۔ نقصان دہ تقریر اور اعمال .اور سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کی برائیوں کو دور رکھے۔ ان حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو قیامت کے دن انصاف قائم ہو گا جس کے تحت مظلوم کو ظالم کی نیکیاں ملیں گی اور ضرورت پڑنے پر مظلوم کے گناہ ظالم کو ملیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ یہ ایک فرد کے لیے بہت زیادہ برکتوں کا باعث بنے گا اور اس کے معاشرے میں اتحاد پیدا ہوگا۔

اس کے علاوہ اس واقعہ میں دشمنوں پر قابو پانے کی خصوصیت کے طور پر کسی کے ساتھ ناانصافی شروع کرنے سے گریز کا بھی ذکر ہے۔

امام منذری کی بیداری اور اندیشہ نمبر 2556 میں موجود ایک حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاجزی رکھنے والے کو بشارت دی ہے جس کے معنی کمزوری کے بغیر ہیں۔ عاجز اللہ تعالیٰ کے احکام و ممنوعات پر سرتسلیم خم کرتا ہے، قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، اس طرح اس کی بندگی کا ثبوت دیتا ہے۔ جب سچائی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو وہ آسانی سے اسے قبول کرتے ہیں چاہے وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو اور اس سے قطع نظر کہ اسے کون ان تک پہنچاتا ہے۔ مطلب، وہ سچائی کو یہ سمجھتے ہوئے رد نہیں کرتے کہ وہ بہتر جانتے ہیں۔ وہ دوسروں کو حقیر نہیں سمجھتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کسی دنیاوی ،چیز کی وجہ سے جو ان کے پاس ہیں یا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے وہ ان سے برتر ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا آخری انجام یا دوسروں کا آخری نتیجہ ان کے لیے نامعلوم ہے۔ یعنی وہ مر سکتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی نہیں ہے۔ اس حقیقت کو انسان کو غرور کے مہلک گناہ سے روکنا چاہیے۔ ایک ایٹم کی قیمت کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ کمزوری کے بغیر

عاجزی کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان ہمیشہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرتا ہے لیکن ضرورت پڑنے پر اپنا دفاع کرنے سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی ان کی عاجزی ان کی بے عزتی اور بے عزتی کا باعث بنتی ہے۔

گورنروں کو یمن بھیجنا

آپ کے اختیار کے تحت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ نے ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے دو صوبوں پر حکومت کرنے کے لیے روانہ کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 135-136 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2409 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ ہر شخص اپنی زیر نگرانی چیزوں کا محافظ اور ذمہ دار ہے۔

سب سے بڑی چیز جس کا ایک مسلمان محافظ ہے وہ ان کا ایمان ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کریں۔

اس ولایت میں ہر وہ نعمت بھی شامل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے جس میں ظاہری چیزیں شامل ہیں جیسے مال اور اندرونی چیزیں جیسے کہ جسم۔ ایک مسلمان کو ان چیزوں کو اسلام کے بتائے ہوئے طریقے سے استعمال کرتے ہوئے ان کی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو اپنی آنکھیں صرف حلال چیزوں کو دیکھنے کے لیے اور اپنی زبان کو صرف حلال اور مفید الفاظ کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

یہ سرپرستی کسی کی زندگی میں دوسروں جیسے رشتہ داروں اور دوستوں تک بھی پھیلتی ہے۔ ایک مسلمان کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اس ذمہ داری کو اپنے حقوق کی ادائیگی اور نرمی سے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے جیسے حقوق کو پورا کرتے ہوئے پورا کرنا چاہیے، کسی کو دوسروں سے خاص طور پر دنیاوی مسائل میں کٹنا نہیں چاہیے۔ اس کے بجائے انہیں اس امید پر ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا جاری رکھنا چاہیے کہ وہ بہتر کے لیے بدل جائیں گے۔ اس سرپرستی میں کسی کے بچے بھی شامل ہیں۔ ایک مسلمان کو مثال کے طور پر رہنمائی کرتے ہوئے ان کی رہنمائی کرنی چاہیے کیونکہ یہ بچوں کی رہنمائی کا سب سے مؤثر طریقہ ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے اور اپنے بچوں کو بھی ایسا ہی کرنا سکھائیں۔

نتیجہ اخذ کرنا کہ اس حدیث کے مطابق ہر ایک پر کوئی نہ کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ علم حاصل کریں اور ان پر عمل کریں تاکہ ان کی تکمیل ہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک حصہ ہے۔

آسانی اور خوشخبری۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ نے ابو موسیٰ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے دو صوبوں پر حکومت کرنے کے لیے روانہ کیا۔ انہوں نے انہیں نصیحت کی کہ نرمی اختیار کریں، سختی نہ کریں اور خوشخبری سنائیں اور لوگوں کو خوفزدہ نہ کریں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 135-136 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ اسلامی علوم کو سیکھ کر اور اس پر عمل کر کے اپنے لیے سب سے پہلے چیزوں کو آسان بنائے تاکہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کر سکے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ روایات پر عمل کر سکے، اور اپنی ضروریات کو پورا کر سکے۔ ان کے انحصار کرنے والوں کی ضروریات۔ اس سے انہیں فضول خرچی یا اسراف کے بغیر حلال چیزوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے کافی وقت ملے گا۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق عمل صالح کے لیے کرے نہ کہ اپنے اوپر بوجھ ڈالے کیونکہ اسلام میں یہ ناپسندیدہ ہے۔ صحیح بخاری نمبر 6465 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ متوازن طرز عمل ہمیشہ بہترین ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے لیے خاص طور پر مذہبی معاملات میں آسانیاں پیدا کریں تاکہ لوگ اسلام کو ایک بوجھل مذہب سمجھتے ہوئے اس سے نفرت نہ کریں جب کہ یہ حقیقت میں ایک سادہ اور آسان مذہب ہے۔ اس کی تصدیق امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 287 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ دوسروں کو، خصوصاً بچوں کو سکھانا ضروری ہے۔ اگر بچے غلط طور پر مانتے ہیں کہ اسلام ایک مشکل مذہب ہے تو وہ بڑے ہو کر اس سے منہ موڑ لیں گے۔ بچوں کو یہ سکھایا جائے کہ اسلام میں کچھ ذمہ داریاں ہیں جنہیں پورا کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگتا اور اچھے طریقے سے تفریح کرنے کے لیے ان کے لیے کافی وقت رہ جاتا ہے۔

لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ دینی معاملات میں اپنے لیے یا دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان سست ہو جائے اور دوسروں کو سست ہونا سکھائے کیونکہ کم از کم ذمہ داریوں کو ہر وقت پورا کرنا ضروری ہے جب تک کہ اسلام اس سے مستثنیٰ نہ ہو۔ سستی کرنے والا اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتا، صرف اپنی خواہشات کو مانتا ہے۔

دوسروں کے لیے چیزوں کو آسان بنانے کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسروں سے اپنے مکمل حقوق کا مطالبہ نہیں کرتا ہے۔ اس کے بجائے، انہیں اپنی جسمانی یا مالی طاقت جیسے ذرائع کو اپنی مدد اور دوسروں کے لیے آسان بنانے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ بعض صورتوں میں دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں ناکامی سزا کا باعث بنتی ہے۔ دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کے لیے ایک مسلمان کو صرف بعض صورتوں میں اپنے حقوق کا مطالبہ کرنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان کو دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرے جن پر ان کے حقوق ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک والدین اپنے بالغ بچے کو گھر کے کسی خاص کام سے معافی دے سکتے ہیں اور اگر ان کے پاس بغیر کسی پریشانی کے ایسا کرنے کا ذریعہ ہے خاص طور پر اگر وہ بچہ کام سے تھک کر گھر لوٹتا ہے۔ یہ نرمی اور رحم نہ صرف اللہ تعالیٰ کو ان پر زیادہ رحم کرنے کا باعث بنے گا بلکہ اس سے لوگوں میں ان کے لیے محبت اور احترام بھی بڑھے گا۔ جو ہمیشہ اپنے پورے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے وہ گنہگار نہیں ہے لیکن اگر وہ اس طرح کا برتاؤ کریں گے تو وہ اس اجر و ثواب سے محروم ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کریں اور امید رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے دنیا اور آخرت میں آسانیاں پیدا کرے گا۔ لیکن جو لوگ دوسروں کے لیے مشکلیں پیدا کرتے ہیں وہ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے دونوں جہانوں میں مشکلیں پیدا کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو اپنے آپ کو اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی ان گنت نعمتوں اور عظیم انعامات کی یاد دلانا چاہیے جو وہ مسلمانوں کو اس دنیا اور آخرت میں عطا کرتا ہے جو اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرتے ہوئے اور تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ یہ طریقہ زیادہ تر معاملات میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف ترغیب دینے میں زیادہ کارگر ہے۔ صرف بعض صورتوں میں جب کوئی شخص خواہش مندانہ سوچ میں مبتلا ہو اور

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر رہا ہو، اس امید کے ساتھ کہ وہ کامیاب ہو جائے گا، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ انہیں ان کے اعمال کے نتائج سے خبردار کرے، ان میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرے۔

ایک توازن بہترین ہے جس کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ پر امید رکھتا ہے، اس کی اطاعت اور اس سے ڈرنے کی ترغیب دیتا ہے تاکہ گناہوں سے بچا جا سکے۔ اور جب بھی کوئی عدم توازن محسوس کرتا ہے یا دوسروں کو دیکھتا ہے جو عدم توازن کا شکار ہو چکے ہیں تو ایک مسلمان کو اپنے آپ کو اور دوسروں کو صحیح درمیانی راستے پر لانے کے لیے مناسب طریقے سے عمل کرنا چاہیے۔

نیکی میں مدد کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ نے ابو موسیٰ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے دو صوبوں پر حکومت کرنے کے لیے روانہ کیا۔ انہوں نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور آپس میں جھگڑا نہ کریں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 135-136 میں بحث کی گئی ہے۔

صالح پیشروؤں کے گزرنے کے بعد سے مسلم قوم کی طاقت ڈرامائی طور پر کمزور ہوئی ہے۔ یہ منطقی بات ہے کہ جتنے زیادہ لوگوں کی تعداد ایک گروہ میں ہوگی اتنا ہی وہ گروہ مضبوط ہوگا لیکن مسلمانوں نے کسی نہ کسی طرح اس منطق کی نفی کی ہے۔ مسلمانوں کی تعداد بڑھنے کے ساتھ ہی مسلم قوم کی طاقت میں کمی آئی ہے۔ اس کے پیش آنے کی ایک اہم وجہ قرآن کریم کی سورہ 5 المائدہ، آیت 2 سے مربوط ہے:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔ ’’

اللہ تعالیٰ واضح طور پر مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ کسی بھی اچھے معاملے میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور کسی برے معاملے میں ایک دوسرے کا ساتھ نہ دیں۔ اس پر نیک پیشواؤں نے عمل کیا لیکن بہت سے مسلمان ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہے ہیں۔ بہت سے مسلمان اب اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں اس کا مشاہدہ کرنے کے بجائے کون عمل کر رہا ہے۔ اگر وہ شخص ان سے جڑا ہوا ہے، مثال کے طور پر، کوئی رشتہ دار، تو وہ ان کا ساتھ دیتے ہیں چاہے بات اچھی نہ ہو۔ اسی طرح اگر اس شخص کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے تو وہ ان کی حمایت سے منہ موڑ لیتے ہیں خواہ بات اچھی ہو۔ یہ رویہ صالح پیشواؤں کی روایات کے بالکل خلاف ہے۔ وہ بھلائی میں دوسروں کی حمایت کریں گے قطع نظر اس کے کہ کون کر رہا ہے۔ درحقیقت وہ قرآن کریم کی اس آیت پر عمل کرتے ہوئے اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ وہ ان کی حمایت بھی کریں گے جب تک کہ یہ اچھی بات نہ ہو۔

اس سے جڑی دوسری چیز یہ ہے کہ بہت سے مسلمان ایک دوسرے کی اچھی مدد کرنے میں ناکام رہتے ہیں کیونکہ انہیں یقین ہے کہ جس شخص کی وہ حمایت کر رہے ہیں وہ ان سے زیادہ اہمیت حاصل کرے گا۔ اس صورتحال نے علماء اور اسلامی تعلیمی اداروں کو بھی متاثر کیا ہے۔ وہ دوسروں کی بھلائی میں مدد نہ کرنے کے لیے لنگڑے بہانے بناتے ہیں کیونکہ ان کا ان کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے اور انہیں ڈر ہے کہ ان کا اپنا ادارہ بھلا دیا جائے گا اور وہ جن کی مدد کریں گے وہ معاشرے میں مزید عزت حاصل کریں گے۔ لیکن یہ سراسر غلط ہے کیونکہ حقیقت کا مشاہدہ کرنے کے لیے صرف تاریخ کے اوراق پلٹنے پڑتے ہیں۔ جب تک کسی کی نیت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہو، دوسروں کی بھلائی میں مدد کرنے سے معاشرے میں اس کی عزت بڑھے گی۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف متوجہ کرے گا خواہ ان کا تعاون کسی اور ادارے، ادارے یا شخص کے لیے ہو۔ مثال کے طور پر جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آسانی سے خلافت کو چیلنج کر سکتے تھے اور ان کے حق میں کافی حمایت حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسلام کے پہلے خلیفہ کے طور پر نامزد کرنا صحیح ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اس بات کی فکر نہیں تھی کہ اگر وہ کسی دوسرے شخص کا ساتھ دیں تو معاشرہ اسے بھول جائے گا۔ اس کے بجائے اس نے پہلے بیان کی گئی آیت میں حکم کی تعمیل کی اور جو صحیح تھا اس کی تائید کی۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 3667 اور 3668 میں موجود احادیث سے ہوتی ہے۔ اس عمل سے معاشرے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی عزت و تکریم میں اضافہ ہی ہوا۔ یہ بات ان لوگوں پر واضح ہے جو اسلامی تاریخ سے واقف ہیں۔

مسلمانوں کو اس پر گہرائی سے غور کرنا چاہیے، اپنی ذہنیت کو بدلنا چاہیے اور دوسروں کی بھلائی میں مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، قطع نظر اس کے کہ یہ کام کون کر رہا ہے اور اس خوف سے پیچھے نہیں ہٹیں گے کہ ان کی حمایت انہیں معاشرے میں بھلا دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا۔ درحقیقت ان کی عزت و تکریم دونوں جہانوں میں ہی بڑھے گی۔

اندھیرے سے بچیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ نے ابو موسیٰ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے دو صوبوں پر حکومت کرنے کے لیے روانہ کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو کچھ احکام دیے۔ ان میں سے ایک مظلوم کی بددعا سے ڈرنا تھا کیونکہ ،ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4 صفحہ 136 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2447 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ ظلم قیامت کے دن اندھیروں میں بدل جائے گا۔

اس سے بچنا بہت ضروری ہے کیونکہ جو لوگ اپنے آپ کو اندھیرے میں ڈوبے ہوئے پاتے ہیں ان کے جنت کا راستہ تلاش کرنے کا امکان نہیں ہے۔ صرف وہی لوگ کامیاب ہوں گے جنہیں رہنمائی کی روشنی فراہم کی جائے گی۔

جبر کئی شکلیں لے سکتا ہے۔ پہلی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کرنے میں ناکام رہتا ہے اور اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے۔ اگرچہ اس کا اللہ تعالیٰ کی لامحدود حیثیت پر کوئی اثر نہیں ہوتا لیکن اس سے انسان دونوں جہانوں میں تاریکی میں ڈوب جائے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4244 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جب بھی انسان کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے روحانی قلب پر ایک سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے۔ جتنا وہ گناہ کریں گے اتنا ہی ان کا دل تاریکی میں گھرے گا۔ یہ انہیں اس دنیا میں حقیقی رہنمائی کو قبول کرنے اور اس کی پیروی کرنے سے روک دے گا جو آخر کار اگلی دنیا میں اندھیروں کی طرف لے جائے گا۔ باب 83 المطففین، آیت 14:

"نہیں !بلکہ داغ ان کے دلوں پر چھا گیا ہے جو وہ کما رہے تھے۔"

ظلم کی اگلی قسم وہ ہے جب کوئی شخص اپنے جسم اور دیگر دنیاوی نعمتوں کی صورت میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی امانت کو پورا نہ کر کے اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔ جس میں سب سے بڑا ایمان ہے۔ اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے اس کی حفاظت اور مضبوطی ہونی چاہیے۔

ظلم کی آخری قسم وہ ہے جب کوئی دوسرے کے ساتھ بدسلوکی کرے۔ اللہ تعالیٰ ان گناہوں کو اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ مظلوم ان کو پہلے معاف نہ کر دے۔ چونکہ لوگ اتنے مہربان نہیں ہیں ایسا ہونے کا امکان نہیں ہے۔ پھر قیامت کے دن انصاف قائم ہو گا جہاں ظالم کے اعمال صالحہ اس کے مظلوم کو ملیں گے اور ضرورت پڑنے پر مظلوم کے گناہ مظلوم کو دیے جائیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ جیسا سلوک کرنا چاہتے ہیں لوگ کریں۔ ایک مسلمان کو ہر قسم کے ظلم سے بچنا چاہیے اگر وہ دنیا اور آخرت میں رہنمائی کا خواہاں ہے۔

پیغمبرانہ صحبت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے ایک صوبے پر حکومت کرنے کے لیے روانہ کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے باہر نکلتے ہوئے اپنی کوہ طور کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ انہیں کچھ الوداعی نصیحتیں کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شاید اس سال کے بعد وہ ان سے دوبارہ نہ ملیں گے اور معاذ رضی اللہ عنہ اگلی بار ان کے پاس سے گزر جائیں گے۔ قبر ان کے تبصرے کے جواب میں معاذ رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں رو پڑے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 137 میں بحث کی گئی ہے۔

معاذ رضی اللہ عنہ نے عملی طور پر دونوں جہانوں میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی اپنی خواہش کو ثابت کر دیا اور اگر کوئی اس نبوی صحبت کا خواہاں ہے تو اسے ایسا ہی کرنا چاہیے۔

،ہر مسلمان کھلے عام اعلان کرتا ہے کہ وہ آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت کا خواہش مند ہے۔ وہ اکثر صحیح بخاری نمبر 3688 میں پائی جانے والی حدیث کا حوالہ دیتے ہیں، جو اس بات کی تلقین کرتی ہے کہ انسان آخرت میں ان کے ساتھ رہے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں سے اپنی محبت کا کھلم کھلا اعلان کرتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ اس نتیجہ کی خواہش کیسے کرتے ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، پھر بھی انہیں بمشکل جانتے ہیں کیونکہ وہ آپ کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ کرنے میں مصروف ہیں۔ یہ بے وقوفی کی بات ہے کہ کوئی کسی سے سچی محبت کیسے کر سکتا ہے جسے وہ جانتا تک نہیں ہے۔

اس کے علاوہ جب ان لوگوں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا ثبوت پوچھا جائے گا تو قیامت کے دن کیا کہیں گے؟ وہ کیا پیش کریں گے؟ اس اعلان کا ثبوت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ اور ان پر عمل کرنا ہے۔ اس دلیل کے بغیر اعلان اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔ یہ بالکل واضح ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہتر اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا اور ان کا یہ رویہ نہیں تھا۔ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اعلان کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عمل کے ذریعے اپنے دعوے کی تائید کی۔ اس لیے وہ آخرت میں اس کے ساتھ ہوں گے۔

جو لوگ یہ مانتے ہیں کہ محبت دل میں ہے اور اسے عمل سے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ اتنا ہی بے وقوف ہے جتنا وہ طالب علم جو امتحان کا خالی پرچہ اپنے استاد کو دے کر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ علم ان کے دماغ میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر لکھنے کی ضرورت نہیں۔ کاغذ پر نیچے اور پھر بھی پاس ہونے کی توقع ہے۔

ایسا سلوک کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے محبت نہیں کرتا، صرف اپنی خواہشات رکھتا ہے اور بلاشبہ انہیں شیطان نے دھوکا دیا ہے۔

آخر میں یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ناکام رہے وہ یقیناً قیامت کے دن ان کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ اگر کوئی ایک لمحے کے لیے اس حقیقت پر غور کرے تو یہ بالکل واضح ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے ایک صوبے پر حکومت کرنے کے لیے روانہ کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے باہر نکلتے ہوئے اپنی کوہ طور کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ ان کو کچھ الوداعی نصیحتیں کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اعلان کیا کہ جو لوگ آپ کے سب سے زیادہ قریب ہیں وہ متقی ہیں خواہ کوئی بھی ہو اور جہاں بھی ہو۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 137 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6543 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ ان کے ظاہری شکل وصورت یا مال کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی باطنی نیت کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔ اور ان کے جسمانی اعمال۔

سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی کوئی بھی کام کرتے ہیں تو ہمیشہ اپنی نیت کو درست کرنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اسے صرف اس صورت میں اجر دے گا جب وہ اس کی رضا کے لیے عمل صالح کریں گے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں اور چیزوں کی خاطر اعمال انجام دیتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ حدیث اسلام میں مساوات کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک شخص دنیاوی چیزوں جیسے اس کی نسل یا دولت کے لحاظ سے دوسروں سے برتر نہیں ہے۔ حالانکہ بہت سے مسلمانوں نے سماجی ذاتوں اور فرقوں جیسی یہ رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں اس طرح بعض کو دوسروں سے بہتر مانتے ہوئے اسلام نے واضح طور پر اس تصور کو رد کر دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اسلام کی نظر میں اس لحاظ سے تمام لوگ برابر ہیں۔ صرف ایک چیز جو ایک مسلمان کو دوسرے پر فضیلت بخشتی ہے وہ ہے ان کی تقویٰ کا مطلب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو کتنا پورا کرتے ہیں،

اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

”بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے“۔

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے آپ کو مشغول رکھ کر اس کے حقوق اور لوگوں کے حقوق ادا کرے اور اس بات پر یقین نہ کرے کہ جو چیز ان کے پاس ہے یا اس سے تعلق رکھتی ہے وہ کسی طرح انہیں عذاب سے بچا لے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ جس مسلمان میں اعمال صالحہ کی کمی ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ ان کے نسب کی وجہ سے درجہ بندی .حقیقت میں، یہ تمام دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دولت، نسل، جنس یا سماجی بھائی چارے اور ذات پات۔

اللہ اور لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے ایک صوبے پر حکومت کرنے کے لیے روانہ کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مندرجہ ذیل باتوں کی نصیحت فرمائی :اللہ تعالیٰ سے ڈرو، وہ جہاں بھی ہو، کسی گناہ کے بعد نیکی کرنا تاکہ اس سے پہلے کا خاتمہ ہو جائے اور آخرکار لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ اچھے کردار کے ساتھ .اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 138 میں بحث کی گئی ہے۔

پہلا ذکر تقویٰ کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا ہے۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے۔ یہ درحقیقت اسلام کی تمام تعلیمات اور فرائض کا احاطہ کرتا ہے۔ جب کوئی اس طریقے سے کوشش کرتا ہے تو بالآخر وہ ایمان کے اعلیٰ درجے تک پہنچ جاتا ہے جسے فضیلت کہتے ہیں۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی عمل کرتا ہے، جیسے کہ نماز پڑھنا، گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے، ان کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 99 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ اور مخلوق دونوں کے لیے اپنے فرائض کو پورا کرے۔

دوسری نصیحت یہ دی گئی ہے کہ مسلمان کو چاہیے کہ گناہ کے بعد نیک عمل کرے تاکہ اس سے گناہ مٹ جائے۔ اس سے مراد صرف چھوٹے گناہ ہیں کیونکہ بڑے گناہوں کے لیے سچی توبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کوئی اپنے عمل صالح میں سچے دل سے توبہ کا اضافہ کرے تو اس سے چھوٹے یا بڑے تمام گناہ مٹ جائیں گے۔ لیکن عمل صالح کا ایک حصہ یہ ہے کہ اس گناہ کو دوبارہ نہ دہرانے کی کوشش کی جائے کیونکہ عمل صالح کی نیت سے گناہ کرنا ایک خطرناک گمراہ کن ذہنیت ہے۔ کوشش کرنی چاہیے کہ گناہ نہ کیے جائیں اور جب وہ سرزد ہوں تو سچے دل سے توبہ کرے۔

آخر میں، آخری چیز جس کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں سے اچھے کردار کے ساتھ پیش آئیں۔ یہ بہت ضروری ہے کیونکہ حسن کردار قیامت کے ترازو میں سب سے بھاری چیز ہو گی۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2003 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اس کو سیکھ کر اور اس پر عمل کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنانا چاہیے۔ وہ لوگ جو دوسروں کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں خواہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے فرائض کو ادا کرتے ہوں، وہ قیامت کے دن پائیں گے کہ ان کی نیکیاں ان کے مظلوموں کو دی جائیں گی اور اگر ضرورت پڑی تو ان کے شکار کے گناہ ان کو دے دیے جائیں گے۔ یہ ان کو جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ سادہ لفظوں میں ایک مسلمان کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے جیسا وہ چاہتا ہے کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔

ایک پرتعیش زندگی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے ایک صوبے پر حکومت کرنے کے لیے روانہ کیا۔ جب وہ روانہ ہو رہا تھا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں عیش و عشرت سے بچو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بندے عیش و عشرت کی تلاش میں نہیں رہتے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 138 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4118 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔

اسلام مسلمانوں کو اپنی تمام دولت اور جائز خواہشات کو ترک کرنے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ یہ ان کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں جیسے کہ ان کی خوراک، لباس، رہائش اور کاروبار میں سادہ طرز زندگی اپنانے کی تعلیم دیتا ہے تاکہ وہ انہیں فارغ وقت فراہم کریں۔ آخرت کے لیے مناسب طریقے سے تیاری کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ اس سادہ زندگی میں اس دنیا میں کوشش کرنا بھی شامل ہے تاکہ کسی کی ضرورتوں اور ان کے محتاجوں کی ضرورتوں کو بغیر زیادتی، فضول خرچی اور اسراف کے پورا کیا جا سکے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ جتنی سادہ زندگی گزاریں گے، وہ دنیاوی چیزوں پر اتنا ہی کم دباؤ ڈالیں گے اور اسی لیے وہ آخرت کے لیے اتنا ہی زیادہ کوشش کر سکیں گے، جس سے ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل ہو گا۔ لیکن ایک شخص کی زندگی جتنی زیادہ پیچیدہ ہوگی وہ اتنا ہی زیادہ دباؤ ڈالے گا، مشکلات کا سامنا کرے گا اور اپنی آخرت کے لیے کم کوشش کرے گا کیونکہ دنیاوی چیزوں سے ان کی مصروفیات کبھی ختم ہوتی نظر نہیں آئیں گی۔ یہ رویہ انہیں ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔

سادگی دنیا میں آسودگی کی زندگی اور قیامت کے دن سیدھا حساب کتاب کا باعث بنتی ہے۔ جب کہ ایک پیچیدہ اور عیش و عشرت کی زندگی صرف ایک دباؤ والی زندگی اور قیامت کے دن سخت اور مشکل حساب کتاب کا باعث بنے گی۔

علم کا صحیح استعمال کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے ایک صوبے پر حکومت کرنے کے لیے روانہ کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رخصت کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ اگر آپ پر مقدمہ پیش کیا جائے تو آپ کیا کریں گے؟ معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں قرآن کریم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اگر قرآن پاک میں مقدمہ اور اس کا فیصلہ نہ ملے تو کیا ہو گا۔ اس کے بعد انہوں نے جواب دیا کہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اگر یہ مقدمہ اور اس کا فیصلہ اپنی روایات میں نہ ملے تو کیا ہو گا۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے آخر میں جواب دیا کہ وہ آزاد استدلال کے معنی استعمال کریں گے، ایک ایسا فیصلہ جو قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق ہو۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی کہ اس نے انہیں ایک ایسا نمائندہ دیا جس سے وہ خوش ہوں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 140-141 میں بحث کی گئی ہے۔

جب بھی کوئی عالم اسلام کے مختلف علوم پر عبور حاصل کرتا ہے تو وہ آزاد استدلال کہلانے والی سطح تک پہنچ سکتا ہے۔ اس سے وہ اسلام کے اندر حکم حاصل کرنے کے لیے اپنے پیشہ ورانہ غیرجانبدارانہ فیصلے کے ساتھ قرآن پاک کی تعلیمات، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو لاگو کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 4487 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جب یہ عالم غلط حکم دے گا تو ان کو ان کی کوشش کا ایک ہی مرتبہ اجر ملے گا۔ اگر وہ صحیح فیصلہ کرتے ہیں تو انہیں دوگنا اجر ملے گا۔

اس کے علاوہ صحیح نیت کے ساتھ علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 253 میں حدیث ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ جو شخص علمائے کرام کو دکھانے، دوسروں سے بحث کرنے یا اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے دینی علم حاصل کرتا ہے وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ نرک میں.

حالانکہ دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں تمام بھلائیوں کی بنیاد علم ہے مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ علم ان کو تب ہی فائدہ دے گا جب وہ سب سے پہلے اپنی نیت درست کریں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ باقی تمام وجوہات صرف اس صورت میں ثواب اور سزا کے نقصان کا باعث بنیں گی جب کوئی مسلمان سچے دل سے توبہ کرنے میں ناکام ہو جائے۔

حقیقت میں علم بارش کے پانی کی طرح ہے جو مختلف قسم کے درختوں پر گرتا ہے۔ کچھ درخت اس پانی سے اگتے ہیں تاکہ دوسروں کو فائدہ پہنچے جیسے کہ پھل کا درخت۔ جبکہ اس پانی سے دوسرے درخت اگتے ہیں اور دوسروں کے لیے مصیبت بن جاتے ہیں جیسے کانٹے دار درخت۔ اگرچہ بارش کا پانی دونوں صورتوں میں ایک جیسا ہے لیکن نتیجہ بہت مختلف ہے۔ اسی طرح دینی علم بھی لوگوں کے لیے یکساں ہے لیکن اگر کوئی غلط نیت اختیار کرے تو وہ ان کی تباہی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی صحیح نیت اختیار کرے تو یہ ان کی نجات کا ذریعہ بن جائے گا۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ تمام معاملات میں اپنی نیت درست کریں کیونکہ اس پر ان کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اور انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ جہنم میں داخل ہونے والے پہلے لوگوں میں سے ایک ایسا عالم ہوگا جس نے علم صرف دوسروں کو دکھانے کے لیے حاصل کیا ہو۔ صحیح مسلم نمبر 4923 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

نتیجہ اخذ کرنا، صحیح نیت کے ساتھ مفید علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا ہی حقیقی فائدہ مند علم ہے۔

ہر چیز سے ثواب حاصل کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ نے ابو موسیٰ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے دو صوبوں پر حکومت کرنے کے لیے روانہ کیا۔ ایک دفعہ معاذ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انہوں نے قرآن پاک کی تلاوت جیسے نیک اعمال پر بحث شروع کی۔ اپنے رات کے معمولات کا ذکر کرتے ہوئے معاذ رضی اللہ عنہ نے تبصرہ کیا کہ وہ رات کے پہلے حصے میں سوتے تھے پھر اٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ اس معمول سے وہ اپنے سونے اور تلاوت دونوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید رکھتا ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 136 میں بحث کی گئی ہے۔

اسے اس انعام کی امید تھی کیونکہ سونے کا مقصد اس کے جسم کو کافی آرام دینا تھا تاکہ وہ بعد میں رات کو جاگ کر قرآن پاک کی تلاوت کر سکے۔ اس نیک نیت نے اسے اپنے سونے اور تلاوت دونوں کا ثواب حاصل کیا۔

حقیقت میں، زیادہ تر معاملات میں اس مادی دنیا میں کوئی بھی چیز بذات خود اچھی یا بری نہیں ہے، جیسے کہ دولت۔ جو چیز کسی چیز کو اچھی یا بری بناتی ہے وہ اس کے استعمال کا طریقہ ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اس کا اصل مقصد یہی تھا کہ اس کا صحیح استعمال اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہو۔ جب کسی چیز کا صحیح استعمال نہ کیا جائے تو وہ حقیقت میں بیکار ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر، دولت دونوں جہانوں میں مفید ہے جب اس کا صحیح استعمال کیا جائے جیسے کہ کسی شخص اور اس کے زیر کفالت افراد کی ضروریات پر خرچ کیا جائے۔ لیکن اگر اسے صحیح طریقے سے استعمال نہ کیا جائے، مثلاً ذخیرہ اندوزی یا گناہ کی چیزوں پر خرچ کرنا، تو یہ بیکار اور اس کے اٹھانے والے کے لیے لعنت بھی بن سکتا ہے۔ محض دولت جمع کرنے سے دولت کی قدر و قیمت ختم ہوجاتی ہے۔ کاغذ اور دھاتی سکے ایک ٹک کے فاصلے پر کیسے کارآمد ہو سکتے ہیں؟ اس سلسلے میں، کاغذ کے ایک ٹکڑے اور پیسے کے نوٹ میں کوئی فرق نہیں ہے .یہ تب ہی مفید ہے جب اسے صحیح طریقے سے استعمال کیا جائے۔

لہٰذا اگر کوئی مسلمان یہ چاہتا ہے کہ ان کے تمام دنیاوی اموال دونوں جہانوں میں اس کے لیے نعمت بن جائیں تو اسے صرف یہ کرنا ہے کہ وہ قرآن پاک میں موجود تعلیمات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق ان کا صحیح استعمال کریں۔ اسے لیکن اگر وہ ان کا غلط استعمال کریں گے تو وہی نعمت ان کے لیے دونوں جہانوں میں بوجھ اور لعنت بن جائے گی۔ یہ اتنا ہی آسان ہے۔

انصاف کرو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ نے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں یمن کی طرف ایک مہم روانہ کی۔ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا کہ وہ جوان تھے اور علم سے محروم تھے کہ یمن میں جو مقدمات آپ کے پاس لائے گئے تھے ان کا صحیح فیصلہ کیسے کریں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ علی رضی اللہ عنہ کے سینے پر رکھا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کی زبان کو ثابت قدم رکھے اور ان کے دل کو ہدایت دے۔ اس کے بعد اس نے اسے نصیحت کی کہ اگر دو حریف اس کے پاس فیصلے کے لیے آئیں تو جب تک وہ دونوں طرف سے نہ سن لے فیصلہ نہ کرے۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ اس طرح برتاؤ کرنے سے اس پر چیزیں واضح ہو جائیں گی۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 147 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 4721 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ عدل کے ساتھ کام کرنے والے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ اس میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے خاندانوں اور ان کی دیکھ بھال اور اختیار کے تحت اپنے فیصلوں میں صرف ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر موقع پر انصاف سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انصاف کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے۔ انہیں ان تمام نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا چاہیے جو انہیں دی گئی ہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق۔ اس میں کھانے اور آرام کے حقوق کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ہر عضو کو اس کے حقیقی مقصد کے مطابق استعمال کرتے ہوئے اپنے جسم اور دماغ کے لیے صرف ہونا شامل ہے۔ اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ وہ اپنے جسم اور دماغ کو اپنی حدود سے باہر دھکیلیں جس سے وہ خود کو نقصان پہنچائے۔

کسی کو لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے لوگوں پر ظلم کر کے اسلام کی تعلیمات پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کا ایک بڑا سبب ہو گا جس کی طرف صحیح مسلم نمبر 6579 کی حدیث میں آیا ہے۔

انہیں صرف اس صورت میں بھی رہنا چاہئے جب یہ ان کی خواہشات اور ان کے پیاروں کی خواہشات سے متصادم ہو۔ باب 4 النساء، آیت 135:

اے ایمان والو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ کوئی امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں کا زیادہ حقدار ہے۔ [1] پس [ذاتی [جھکاؤ کی پیروی نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ تم انصاف پسند نہ بنو۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کے حقوق اور ضروریات کو پورا کرتے ہوئے اپنے محتاجوں کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے جس کی نصیحت سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ انہیں نظر انداز نہ کیا جائے اور نہ ہی انہیں کسی دوسرے کے حوالے کیا جائے جیسے کہ اسکول اور مسجد۔ اساتذہ کسی شخص کو یہ ذمہ داری نہیں اٹھانی چاہئے اگر وہ ان کے بارے میں انصاف کے ساتھ کام کرنے میں بہت سست ہو۔

آخر میں، کوئی بھی شخص انصاف کے ساتھ کام کرنے سے آزاد نہیں ہے جیسا کہ کم از کم اللہ تعالیٰ اور اپنے آپ کے ساتھ انصاف کے ساتھ کام کرنا ہے۔

بہترین بنیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے دسویں سال آپ نے یمن کی طرف ایک غزوہ روانہ کیا۔ ان میں سے ایک صحابی بریدہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جنہوں نے اعتراف کیا کہ اس وقت وہ ایک اور صحابی علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں بغض رکھتے تھے۔ اس مہم کے بعد غنیمت کی تقسیم ضروری تھی چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لیے روانہ کیا۔ اس واقعہ کے بعد بریدہ رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس آئے اور علی رضی اللہ عنہ پر تنقید کی، حالانکہ انہوں نے کوئی غلط کام نہیں کیا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بریدہ سے پوچھا کہ کیا وہ علی رضی اللہ عنہ کو ناپسند کرتے ہیں، جس کا جواب انہوں نے اثبات میں دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر ان سے فرمایا کہ اسے ناپسند نہ کرو اور اس کے بجائے اس سے محبت میں اضافہ کرو کیونکہ وہ اس کے لائق ہیں۔ اس تبصرے کے بعد بریدہ رضی اللہ عنہ نے خلوص کے ساتھ اعلان کیا کہ وہ علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی سے محبت نہیں کرتے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 142-143 میں بحث کی گئی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے بہترین گروہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے جسمانی طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی زندگی کے دوران دیکھا، یقیناً ایک عنصر ہے۔ لیکن جو کوئی ان کی زندگی اور ان کے اعمال صالحہ کے بارے میں جانتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ ان کی برتری صرف اس منفرد اور عظیم عمل سے زیادہ ہے۔

ان کی برتری کی ایک بڑی وجہ اس واقعہ میں اور صحابی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے متعلق ایک حدیث میں دکھائی گئی ہے جو کہ صحیح مسلم نمبر 6515 میں موجود ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک بار صحرا میں اپنی گاڑی پر سوار تھا کہ ایک اعرابی سے ملاقات ہوئی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اعرابی کو سلام کیا، اعرابی کے سر پر اپنی پگڑی رکھ دی اور اعرابی کو اپنی سواری پر سوار ہونے کی تاکید کی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ اس نے اعرابی کو جو سلام کیا وہ کافی سے زیادہ تھا کیونکہ اعرابی اس بات پر بہت خوش ہوا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم صحابی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سلام کیا۔ ، اسے سلام کیا۔ اس کے باوجود ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے بہت آگے جا کر بدویوں کا بہت احترام

کیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے ایسا صرف اس لیے کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار یہ نصیحت کی تھی کہ ایک شخص اپنے والدین کی عزت کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ محبت اور احترام کیا جائے۔ والدین کے رشتہ دار اور دوست۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مزید کہا کہ اعرابی کے والد اپنے والد امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دوست تھے۔

یہ واقعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے۔ وہ مکمل طور پر اسلام کی تعلیمات کے تابع تھے۔ انہوں نے نہ صرف فرض کی ادائیگی کی اور تمام گناہوں سے اجتناب کیا بلکہ ان تمام اعمال کو مکمل طور پر پورا کیا جن کی سفارش ان کے لیے ممکن حد تک ممکن تھی۔ ان کی سر تسلیم خم کرنے کی وجہ سے وہ اپنی خواہشات کو ایک طرف رکھ کر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ آسانی سے اعرابی کو نظر انداز کر سکتے تھے کیونکہ اس نے جو عمل کیا تھا ان میں سے کوئی بھی واجب نہیں تھا، اس عذر کو استعمال کرنے والے بہت سے مسلمانوں کے برعکس، اس نے مکمل طور پر اسلام کی تعلیمات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور جس طرح اس نے عمل کیا۔ .

اسلام کی تعلیمات کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کا ایمان کمزور ہوا ہے۔ بعض تو صرف واجبات کو پورا کرتے ہیں اور دوسرے اعمال صالحہ سے اعراض کرتے ہیں، مثلاً صدقہ، جو ان کی خواہشات کے خلاف یہ کہتے ہوئے کہ اعمال واجب نہیں ہیں۔ تمام مسلمان آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ختم ہونے کی خواہش رکھتے ہیں۔ لیکن اگر وہ ان کے راستے یا راستے پر نہ چلیں تو یہ کیسے ممکن ہے؟ اگر کوئی مسلمان ان کے سوا کسی اور راستے پر چلے گا تو وہ ان کے ساتھ کیسے جا سکتا ہے؟ ان کے ساتھ ختم ہونے کے لیے ان کے راستے پر چلنا چاہیے۔ لیکن یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب کوئی شخص اپنی خواہشات کے مطابق کام کرنے کی بجائے اسلام کی تعلیمات کو مکمل طور پر تسلیم کر لے جیسا کہ انہوں نے کیا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ نے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں یمن کی طرف ایک مہم روانہ کی۔ ایک صحابی عمرو بن شاس اسلمی رضی اللہ عنہ جو اس مہم میں شامل تھے، نے محسوس کیا کہ علی رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ سخت سلوک کیا ہے۔ جب عمرو مدینہ واپس آیا تو اس نے علی رضی اللہ عنہ پر، مختلف ملاقاتوں میں اور مختلف لوگوں سے جن سے اس نے بات کی، ان پر تنقید کی۔ ایک دن وہ مسجد میں داخل ہوا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھورتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھ گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر عمرو رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ اس نے مجھے نقصان پہنچایا ہے۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے اسے نقصان پہنچانے پر افسوس کا اظہار کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخر میں یہ تبصرہ فرمایا کہ جس نے علی رضی اللہ عنہ کو نقصان پہنچایا اس نے اسے نقصان پہنچایا۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 4 صفحہ 143 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

سب سے پہلے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کے غیر معمولی منفی رویے کو نظر انداز کریں۔ تمام مسلمان امید کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ غلطیوں اور گناہوں کو ایک طرف رکھے گا، نظر انداز کرے گا اور معاف کر دے گا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہی مسلمانوں میں سے اکثر جو اس کی امید اور دعا کرتے ہیں وہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے۔ مطلب، وہ اکثر دوسروں کی ماضی کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں اور انہیں اپنے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ ان غلطیوں کی طرف اشارہ نہیں ہے جن کا اثر حال یا مستقبل پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ڈرائیور کی وجہ سے ہونے والا کار حادثہ جو کسی دوسرے شخص کو جسمانی طور پر معذور کر دیتا ہے، ایک غلطی ہے جو حال اور مستقبل میں شکار کو متاثر کرے گی۔ اس قسم کی غلطی کو چھوڑنا اور نظر انداز کرنا سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن بہت سے مسلمان اکثر دوسروں کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں جو کسی بھی طرح سے مستقبل کو متاثر نہیں کرتی ہیں، جیسے کہ زبانی توہین۔ اگرچہ غلطی ختم ہو چکی ہے لیکن یہ لوگ موقع ملنے پر اسے زندہ کرنے اور دوسروں کے خلاف استعمال کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی افسوسناک ذہنیت ہے جیسا کہ کسی کو سمجھنا چاہئے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ کم از کم ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے اپنی ماضی کی غلطیوں سے درگزر کرنے کی امید رکھتا ہے اسے دوسروں کی ماضی کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ جو لوگ اس طرح برتاؤ کرنے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کے زیادہ تر تعلقات ٹوٹ چکے ہیں کیونکہ کوئی بھی رشتہ مکمل نہیں ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اختلاف کا شکار رہیں گے جو ہر رشتے میں غلطی کا باعث بن

سکتے ہیں۔ اس لیے جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ تنہا ہو جائے گا کیونکہ ان کی بری ذہنیت انہیں دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ تنہا رہنے سے نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسا رویہ اپناتے ہیں جو دوسروں کو ان سے دور کرتا ہے۔ یہ منطق اور عقل کی نفی کرتا ہے۔ تمام لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہتے ہوئے اور ان کے انتقال کے بعد ان سے محبت اور احترام کیا جائے لیکن یہ رویہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں تو لوگ ان سے تنگ آ جاتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو لوگ انہیں سچے پیار اور محبت سے یاد نہیں کرتے۔ اگر وہ انہیں یاد کرتے ہیں تو یہ محض رواج سے باہر ہے۔

ماضی کو جانے دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں کے ساتھ حد سے زیادہ اچھا سلوک کرنے کی ضرورت ہے لیکن اسلام کی تعلیمات کے مطابق سب سے کم احترام کرنا ہے۔ اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا اور اس کے لیے تھوڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ درگزر کرنا سیکھے اور لوگوں کی ماضی کی غلطیوں کو جانے دیا جائے تو شاید اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی پچھلی غلطیوں کو درگزر فرمائے گا۔ باب 24 النور، آیت 22:

اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کر دیں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟ ..." اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے"۔

اللہ عزوجل اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حقیقی محبت اس کے علاوہ یہ واقعہ ان تمام لوگوں سے محبت کرنا جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور :کی علامت کو نمایاں کرتا ہے، یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے لیے، خواہ یہ ان کے بارے میں کسی کی ذاتی رائے کے خلاف ہو۔ اس محبت میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے الفاظ کے ذریعے اور زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اپنے اعمال کے ذریعے محبت کا اعلان کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ بات سب پر ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہل بیت رضی اللہ عنہم، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور صالحین اس سچی محبت کے حامل تھے۔ پس ان میں سے ہر ایک سے محبت اس شخص پر فرض ہے جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرے۔ یہ بہت سی احادیث سے ثابت ہے جیسے کہ صحیح بخاری نمبر 17 میں موجود ہے۔ اس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مددگاروں سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ کے مقدس شہر کے رہنے والوں سے محبت ہے۔ ایمان کا حصہ اور ان سے

نفرت منافقت کی نشانی ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3862 میں موجود ایک اور حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو واضح طور پر تنبیہ فرمائی ہے کہ وہ کسی بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید نہ کریں کیونکہ ان سے محبت کرنا اس کی علامت ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنا اور ان سے بغض رکھنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ تعالیٰ سے بغض رکھنے کی علامت ہے۔ یہ شخص اس وقت تک کامیاب نہیں ہو گا جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کرے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 143 میں موجود ایک حدیث میں اپنے مبارک گھر والوں کے بارے میں اسی طرح کا بیان فرمایا ہے۔

اگر کوئی مسلمان کسی ایسے مسلمان پر بلاجواز تنقید کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے تو اس سے ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی کمی ثابت ہوتی ہے۔ اگر کوئی مسلمان گناہ کرتا ہے تو دوسرے مسلمانوں کو اس گناہ سے نفرت کرنی چاہیے لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے پھر بھی گناہ گار مسلمان کے لیے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کی وجہ سے اس سے محبت رکھنا چاہیے۔ اس پر درود ہو۔ دوسروں سے محبت کرنے کی علامت ان کے ساتھ حسن سلوک اور احترام سے پیش آنا ہے۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جیسا وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں۔

سچا ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ نے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں یمن کی طرف ایک مہم روانہ کی۔ اس مہم کے دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ضرورت مندوں کے لیے چند اونٹوں کو صدقہ کے طور پر منتخب کیا۔ اس کے کچھ آدمیوں نے پوچھا کہ کیا وہ ان اونٹوں پر سواری کر سکتے ہیں اور اپنے اونٹوں کو آرام دے سکتے ہیں۔ لیکن اس نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ چونکہ انہیں خیراتی عطیات کے لیے منتخب کیا گیا تھا، صرف وہی لوگ ان کا استعمال کر سکتے ہیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4 صفحہ 144 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں

ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے‘‘۔’’

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے‘‘۔’’

اعتماد دکھا رہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ نے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں یمن کی طرف ایک مہم روانہ کی۔ علی رضی اللہ عنہ نے سونے کا ایک ٹکڑا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واپس بھیجا جسے آپ نے چار لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ کسی نے تبصرہ کیا کہ سونے پر ان کا ان مردوں سے زیادہ حق ہے۔ جب یہ بات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے سوال کیا کہ کیا لوگ آپ پر بھروسہ کرتے ہیں اور مزید فرمایا کہ آپ پر اس ذات کا بھروسہ ہے جو آپ پر صبح و شام کی خبریں نازل کرتا ہے۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 146 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنا اعتماد ظاہر کرے، خلوص نیت سے آپ کی پیروی اور اطاعت کرتے ہوئے، چاہے آپ کی روایات کے پیچھے جو حکمتیں ہیں ان پر ظاہر نہ ہوں۔ صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

اعمال کا مثبت انداز میں فیصلہ کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ نے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں یمن کی طرف ایک مہم روانہ کی۔ علی رضی اللہ عنہ نے سونے کا ایک ٹکڑا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واپس بھیجا جسے آپ نے چار لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ کسی نے تبصرہ کیا کہ سونے پر ان کا ان مردوں سے زیادہ حق ہے۔ جب یہ بات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے سوال کیا کہ کیا لوگ آپ پر بھروسہ کرتے ہیں اور مزید فرمایا کہ آپ پر اس ذات کا بھروسہ ہے جو آپ پر صبح و شام کی خبریں نازل کرتا ہے۔ اس کے بعد ایک شخص نے بڑی بدتمیزی سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی سرزنش کرتے ہوئے اسے اور دوسروں کو یاد دلایا کہ وہ اللہ سے سب سے زیادہ ڈرتے ہیں۔ وہ آدمی پھر چلا گیا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو اس کی توہین کے جرم میں پھانسی دینے کی اجازت چاہی لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ یہ شخص فرض نماز پڑھنے والا ہو سکتا ہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے پھر تبصرہ کیا کہ وہ بہت سے لوگ تھے جو نماز پڑھتے تھے لیکن منافق تھے کیونکہ انہوں نے ایسی باتیں زبانی بیان کیں جو ان کے دلوں کے خلاف تھیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر جواب دیا کہ مجھے لوگوں کے دلوں کو تلاش کرنے کا حکم نہیں دیا گیا اور نہ ہی ان کی نیت کی تلاش میں ان کے پیٹ کاٹنے کا حکم دیا گیا ہے۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 146 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

سنن ابو داؤد نمبر 4993 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت کی کہ لوگوں کے بارے میں اچھا گمان کرنا اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ایک پہلو ہے۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک پہلو ہے۔

چیزوں کو منفی انداز میں بیان کرنا اکثر غیبت اور غیبت جیسے گناہوں کا باعث بنتا ہے۔ ہر صورت میں ایک مسلمان کو چاہیے کہ جہاں ممکن ہو مثبت انداز میں چیزوں کی تشریح کرے تاکہ شک کا فائدہ دوسروں تک پہنچایا جا سکے۔ بدقسمتی سے، منفی سوچ کو اپنانے سے خاندانی یونٹ سے لے کر قومی سطح تک لوگوں پر اثر پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک قوم کتنی بار ایک مفروضے اور شک پر جنگ میں گئی ہے؟ میڈیا میں پائے جانے والے اسکینڈلز کی اکثریت مفروضوں پر مبنی ہے۔ یہاں تک کہ ایسے قوانین بھی بنائے گئے ہیں جو مفروضوں اور شبہات کے استعمال کی

حمایت کرتے ہیں۔ یہ اکثر ٹوٹنے اور ٹوٹنے والے رشتوں کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ اس ذہنیت کے حامل لوگ ہمیشہ یہ مانتے ہیں کہ دوسرے ان کے الفاظ یا اعمال کے ذریعے ان پر تنقید کر رہے ہیں۔ یہ کسی کو دوسروں سے مشورہ لینے سے روکتا ہے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ صرف مشورہ دینے والے کی طرف سے ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے اور یہ ایک کو مشورہ دینے سے روکتا ہے کیونکہ اسے یقین ہے کہ دوسرا شخص ان کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دے گا۔ اور ایک شخص اس منفی ذہنیت کے حامل شخص کو نصیحت کرنے سے گریز کرے گا کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ صرف ایک دلیل کا باعث بنے گا۔ یہ دیگر منفی خصلتوں کی طرف جاتا ہے جیسے تلخی۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگر وہ یہ فرض کر لیں کہ کوئی ان پر تنقید کر رہا ہے تو پھر بھی ان کی نصیحت کو قبول کرنا چاہیے اگر یہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر مبنی ہے۔ انہیں کوشش کرنی چاہیے کہ جہاں ممکن ہو ان چیزوں کی مثبت انداز میں تشریح کریں جو مثبت ذہنیت کا باعث بنے۔ اور ایک مثبت ذہنیت صحت مند تعلقات اور احساسات کا باعث بنتی ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

"...اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت زیادہ گمان سے بچو۔ بے شک کچھ گمان گناہ ہوتا ہے"

الوداعی مقدس زیارت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 152 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 1773 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ قبول شدہ حج کا ثواب جنت کے سوا کچھ نہیں۔

حج کا اصل مقصد مسلمانوں کو آخرت کے آخری سفر کے لیے تیار کرنا ہے۔ جس طرح ایک مسلمان اپنے گھر، کاروبار، دولت، خاندان، دوست احباب اور سماجی حیثیت کو حج مقدس کرنے کے لیے چھوڑتا ہے، یہ اس کی موت کے وقت اس وقت ہو گا جب وہ آخرت کی طرف آخری سفر پر نکلے گا۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 2379 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ کسی شخص کا اہل و عیال ان کی قبر پر چھوڑ دیتے ہیں اور ان کے ساتھ صرف اس کے اچھے اور برے اعمال ہی ہوتے ہیں۔

جب کوئی مسلمان اپنے حج کے دوران اس بات کو ذہن میں رکھے گا تو وہ اس فرض کے تمام پہلوؤں کو صحیح طریقے سے ادا کرے گا۔ یہ مسلمان ایک بدلے ہوئے شخص کے گھر واپس آئے گا کیونکہ وہ اس مادی دنیا کے اضافی پہلوؤں کو جمع کرنے کے بجائے آخرت کے اپنے آخری سفر کی تیاری کو ترجیح دے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں جدو جہد کریں گے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کریں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کریں گے، جس میں ان کی تکمیل کے لیے اس دنیا سے لے جانا بھی شامل ہے۔ ضرورتیں اور ان کے زیر کفالت افراد کی ضرورتیں بغیر فضول خرچی یا اسراف کے۔

مسلمانوں کو حج کو تعطیل اور خریداری کی جگہ نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ یہ رویہ اس کے مقصد کو ختم کر دیتا ہے۔ یہ مسلمانوں کو ان کے آخرت کے آخری سفر کی یاد دلاتا ہے جس کی واپسی اور کوئی دوسرا موقع نہیں ہے۔ صرف اسی سے انسان کو حج کی صحیح تکمیل اور آخرت کے لیے مناسب تیاری کرنے کی ترغیب ملے گی۔

اعمال میں اخلاص

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے نکلے تو آپ ایک پھٹی ہوئی زین پر سوار تھے جس کے نیچے کپڑے کا ایک سستا ٹکڑا تھا۔ اس کا سارا سامان اس کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے تبصرہ کیا کہ مقدس زیارت کو دکھاوے اور شہرت کے حصول سے مبرا ہونا ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 155 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ ذرا سی بھی دکھاوا کرنا شرک ہے۔

یہ شرک کی ایک معمولی قسم ہے جس سے کسی کا ایمان ضائع نہیں ہوتا۔ اس کے بجائے یہ ثواب کے نقصان کا باعث بنتا ہے جیسا کہ اس مسلمان نے لوگوں کی خوشنودی کے لیے عمل کیا جب کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے عمل کرنا چاہیے تھا۔ درحقیقت قیامت کے دن ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ وہ اپنے اعمال کا بدلہ ان سے مانگیں جو کہ ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اگر شیطان کسی کو اعمال صالحہ سے نہیں روک سکتا تو وہ ان کی نیت کو خراب کرنے کی کوشش کرے گا جس سے ان کا اجر ضائع ہو جائے گا۔ اگر وہ ان کی نیت کو ظاہری طور پر خراب نہیں کر سکتا تو وہ باریک طریقے سے اسے خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس میں یہ بھی شامل ہے جب لوگ اپنے نیک اعمال کو دوسروں کے سامنے دکھاتے ہیں۔ بعض اوقات یہ اتنا لطیف ہوتا ہے کہ انسان خود بھی اس سے پوری طرح واقف نہیں ہوتا ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ جیسا کہ علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا سب پر فرض ہے، سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جہالت کا دعویٰ کرنا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن قبول نہیں کرے گا۔

باریک بینی کا مظاہرہ اکثر سوشل میڈیا اور کسی کی تقریر کے ذریعے ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان دوسروں کو مطلع کر سکتا ہے کہ وہ روزہ رکھ رہا ہے حالانکہ کسی نے ان سے براہ راست نہیں پوچھا کہ کیا وہ روزہ رکھتے ہیں۔ ایک اور مثال یہ ہے کہ جب کوئی عام طور پر دوسروں کے سامنے قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے اور دوسروں کو دکھاتا ہے کہ انہوں نے قرآن پاک حفظ کر لیا ہے۔ یہاں تک کہ عوامی طور پر خود پر تنقید کرنا بھی دوسروں کے سامنے اپنی عاجزی کا مظاہرہ سمجھا جا سکتا ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، نفاست سے دکھاوا ایک مسلمان کے اجر کو ختم کر دیتا ہے اور اپنے اعمال صالحہ کی حفاظت کے لیے اس سے بچنا چاہیے۔ یہ صرف اسلامی علم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ہی ممکن ہے، جیسے کہ اپنی بات کی حفاظت کیسے کی جائے۔

مقدس کیا ہے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ جب وہ وادی العقیق نامی وادی میں پہنچے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کیا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روح کی سیر حاصل ہوئی ہے، یعنی ایک فرشتہ، جس نے ان سے کہا کہ اس مقدس وادی میں نماز پڑھو۔ .امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 4 صفحہ 162 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

زیادہ تر مسلمان مقدس مقامات اور اسلامی نوادرات کا بہت احترام کرتے ہیں لیکن اکثر ان چیزوں کو نظرانداز کرتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مقدس قرار دیا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 67 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ اسلام میں مسلمان کا خون، مال اور عزت حرمت ہے۔

یہ حدیث، بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، مسلمانوں کو سکھاتی ہے کہ کامیابی صرف اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے حقوق، جیسے فرض نماز، اور لوگوں کے حقوق کو ادا کرے۔ ایک کے بغیر دوسرا کافی اچھا نہیں ہے۔

سچا مومن اور مسلمان وہ ہے جو دوسروں کے نفس اور مال سے ان کی زبانی اور جسمانی اذیت کو دور رکھے۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عمل یا الفاظ سے دوسروں کو نقصان نہ پہنچائیں۔

ایک مسلمان کو دوسروں کے مال کا احترام کرنا چاہیے اور انہیں غلط طریقے سے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، مثال کے طور پر، قانونی معاملے میں۔ صحیح مسلم نمبر 353 میں موجود ایک حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا وہ جہنم میں جائے گا اگرچہ اس نے حاصل کی ہوئی چیز درخت کی ٹہنی کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے مال کو صرف ان کی خواہش کے مطابق استعمال کریں اور انہیں اس طریقے سے واپس کریں کہ اس کے مالک کی خوشنودی ہو۔

غیبت یا غیبت جیسے فعل یا تقریر سے کسی مسلمان کی عزت کو پامال نہیں کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کی عزت کا دفاع کرے خواہ ان کی موجودگی میں ہو یا غیر موجودگی میں کیونکہ یہ جہنم کی آگ سے ان کی حفاظت کا باعث بنے گا۔ جامع ترمذی نمبر 1931 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، کسی کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرتے ہوئے اپنے نفس، مال یا عزت پر ظلم کرنے سے گریز کرنا چاہیے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ جس طرح کوئی اسے اپنے لیے پسند کرتا ہے اسے دوسروں کے لیے بھی پسند کرنا چاہیے اور اسے اپنے عمل اور تقریر سے ثابت کرنا چاہیے۔ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث کے مطابق یہ مومن کی نشانی ہے۔

عرفات میں خطبہ

ثقافت پر مذہب

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرفات کی سرزمین پر پہنچے تو آپ نے خطبہ دیا۔ اس نے جو باتیں کہی ان میں سے ایک یہ تھی کہ اس نے ان جاہلانہ طریقوں سے متعلق ہر چیز کو تباہ کر دیا ہے جو اسلام سے پہلے عام تھے۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 4، صفحہ 210-211 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو غیر مسلموں کے رسم و رواج کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔ مسلمان جتنا زیادہ ایسا کریں گے وہ قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر اتنا ہی کم عمل کریں گے۔ یہ اس دور اور دور میں بالکل واضح ہے کیونکہ بہت سے مسلمانوں نے دوسری قوموں کے ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جس کی وجہ سے وہ اسلام کی تعلیمات سے دور ہو گئے ہیں۔ مثال کے طور پر، کسی کو صرف جدید مسلم شادی کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ دیکھا جا سکے کہ مسلمانوں نے کتنے غیر مسلم ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے۔ جو چیز اس سے بدتر بناتی ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے مسلمان قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات اور غیر مسلموں کے ثقافتی طریقوں پر مبنی اسلامی طریقوں میں فرق نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ سے غیر مسلم بھی ان میں تفریق نہیں کر سکتے جس کی وجہ سے اسلام کے لیے بہت زیادہ مسائل پیدا ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر غیرت کے نام پر قتل ایک ثقافتی عمل ہے جس کا ابھی تک اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں کی جہالت اور غیر مسلم ثقافتی طریقوں کو اپنانے کی ان کی عادت کی وجہ سے جب بھی معاشرے میں غیرت کے نام پر قتل ہوتا ہے تو اسلام کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو متحد کرنے کے لیے ذات پات اور بھائی چارے کی شکل میں سماجی رکاوٹوں کو دور کیا لیکن جاہل ،مسلمانوں نے غیر مسلموں کے ثقافتی طریقوں کو اپنا کر انہیں زندہ کیا ہے۔ سیدھے الفاظ میں مسلمان جتنے زیادہ ثقافتی طریقوں کو اپنائیں گے، وہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر اتنا ہی کم عمل کریں گے۔

قانون سب پر لاگو ہوتا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرفات کی سرزمین پر پہنچے تو آپ نے خطبہ دیا۔ اس نے جو بات کہی ان میں سے ایک یہ تھی کہ اس نے سود کے ان الزامات کو ختم کر دیا ہے جن پر لوگ اسلام سے پہلے متفق تھے کیونکہ یہ غیر قانونی تھا۔ اس نے سب سے پہلے جس سود کو ختم کرنے کا اعلان کیا وہ ان کے اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 4، صفحہ 210-211 میں بحث کی گئی ہے۔

معاشرہ تنزلی کا شکار نظر آنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے انصاف کرنا چھوڑ دیا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 6787 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ تنبیہ کی ہے کہ پچھلی قومیں تباہ ہوئیں کیونکہ حاکم کمزوروں کو سزا دیتے تھے جب وہ قانون توڑتے تھے لیکن امیر اور بااثر کو معاف کر دیتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سربراہ مملکت ہونے کے ناطے اس حدیث میں یہاں تک اعلان فرمایا کہ اگر ان کی اپنی بیٹی نے کوئی جرم کیا تو وہ اس پر پوری قانونی سزا نافذ کریں گے۔ اگرچہ عوام الناس کے ارکان اس پوزیشن میں نہیں ہوں گے کہ وہ اپنے قائدین کو صرف اپنے اعمال پر قائم رہنے کا مشورہ دے سکیں لیکن وہ اپنے تمام معاملات اور اعمال میں انصاف سے کام لے کر ان پر بالواسطہ اثر ڈال سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو اپنے زیر کفالت افراد جیسے کہ ان کے بچوں کے ساتھ برابری کا سلوک کرتے ہوئے انصاف سے کام لینا چاہیے۔ سنن ابوداؤد نمبر 3544 میں موجود حدیث میں خاص طور پر اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ انہیں چاہئے کہ وہ اپنے تمام کاروباری معاملات میں عدل و انصاف سے کام لیں خواہ وہ کسی کے ساتھ معاملہ کریں۔ اگر لوگ انفرادی سطح پر انصاف کے ساتھ کام کریں تو کمیونٹیز بہتر طور پر بدل سکتی ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ لوگ جو بااثر عہدوں پر ہیں، جیسے کہ سیاست دان، چاہے وہ چاہیں یا نہ چاہیں انصاف سے کام لیں گے۔

مالیاتی سود اس رقم کی نشاندہی کرتا ہے جو قرض دہندہ سے سود کی ،اس کے علاوہ ایک مقررہ شرح پر وصول کرتا ہے۔ قرآن مجید کے نزول کے وقت سودی لین دین کی کئی صورتیں رائج تھیں۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ فروش نے ایک مضمون فروخت کیا اور قیمت کی ادائیگی

کے لیے ایک وقت کی حد مقرر کی، یہ شرط رکھی کہ اگر خریدار مقررہ مدت کے اندر ادائیگی کرنے میں ناکام رہا تو وہ وقت کی حد کو بڑھا دے گا لیکن مضمون کی قیمت میں اضافہ کر دے گا۔ دوسرا یہ تھا کہ ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو ایک رقم ادھار دی اور یہ شرط رکھی کہ قرض لینے والے کو ایک مقررہ مدت کے اندر قرض کی رقم سے زائد رقم واپس کرنی چاہیے۔ سود کے لین دین کی ایک تیسری شکل یہ تھی کہ قرض لینے والے اور وینڈر نے اس بات پر اتفاق کیا کہ سابقہ قرض ایک مقررہ حد کے اندر ایک مقررہ شرح سود پر ادا کرے گا، اور یہ کہ اگر وہ اس حد کے اندر ایسا کرنے میں ناکام رہے تو قرض دہندہ وقت کی حد بڑھا دے گا لیکن ایک ہی وقت میں سود کی شرح میں اضافہ کرے گا .یہ ایسے لین دین ہیں جن پر یہاں مذکور احکام لاگو ہوتے ہیں۔

جو لوگ اس پر یقین رکھتے ہیں وہ حلال سرمایہ کاری اور مالی مفاد سے حاصل ہونے والے منافع میں فرق کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس الجھن کے نتیجے میں بعض لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ اگر کسی کاروبار میں لگائی گئی رقم سے منافع حلال ہے تو قرض سے حاصل ہونے والے منافع کو کیوں حرام قرار دیا جائے؟ وہ دلیل دیتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی دولت کی سرمایہ کاری کرنے کے بجائے اسے کسی ایسے شخص کو قرض دیتا ہے جو بدلے میں اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ ایسے حالات میں قرض خواہ قرض خواہ کو منافع کا حصہ کیوں ادا نہ کرے؟ وہ یہ تسلیم کرنے میں ناکام رہتے ہیں کہ کوئی بھی کاروباری منصوبہ خطرے سے محفوظ نہیں ہے۔ کوئی بھی منصوبہ منافع کی مطلق ضمانت نہیں رکھتا۔ لہٰذا یہ مناسب نہیں ہے کہ اکیلے فنانسر کو ہر حال میں ایک مقررہ شرح پر منافع کا حقدار سمجھا جائے اور اسے نقصان کے کسی بھی امکان سے محفوظ رکھا جائے۔ یہ انصاف کا حصہ نہیں ہے کہ جو لوگ اپنے وسائل وقف کرتے ہیں انہیں کسی بھی مقررہ شرح پر منافع کی ضمانت نہیں دی جاتی جبکہ جو لوگ اپنی دولت کو قرض دیتے ہیں وہ نقصان کے تمام خطرات سے مکمل طور پر محفوظ ہوتے ہیں اور ایک مقررہ شرح پر منافع کی ضمانت دی جاتی ہے۔

ایک عام حلال لین دین میں خریدار اس چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے جسے وہ بیچنے والے سے خریدتا ہے۔ بیچنے والے کو شے بنانے میں لگائی گئی محنت اور وقت کا معاوضہ ملتا ہے۔ دوسری طرف سود سے متعلق لین دین میں، فوائد کا تبادلہ منصفانہ طور پر نہیں ہوتا ہے۔ سود وصول کرنے والے فریق کو اپنے دیئے گئے قرض کی ادائیگی کے طور پر ایک مقررہ رقم ملتی ہے اور اس طرح ان کا فائدہ محفوظ ہوجاتا ہے۔ دوسرا فریق قرضے میں دیے گئے فنڈز کا استعمال کر سکتا ہے لیکن یہ ہمیشہ منافع نہیں دے سکتا۔ اگر ایسا شخص ادھار کی رقم کسی ضرورت پر خرچ کرے تو کوئی نفع نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر فنڈز کی سرمایہ کاری کی جاتی ہے تب بھی کسی کو نفع یا نقصان دونوں کا موقع ملتا ہے۔ اس لیے سود سے متعلق لین دین ایک طرف نقصان اور دوسری طرف منافع یا

ایک طرف یقینی اور مقررہ منافع اور دوسری طرف غیر یقینی منافع کا سبب بنتا ہے۔ اس لیے حلال تجارت مالی سود کے برابر نہیں ہے۔

اس کے علاوہ، سود کا بوجھ قرض لینے والوں کے لیے قرض کی واپسی کو انتہائی مشکل بنا دیتا ہے۔ اصل قرض اور سود کی ادائیگی کے لیے انہیں کسی اور ذریعے سے قرض بھی لینا پڑ سکتا ہے۔ سود کے کام کرنے کے طریقے کی وجہ سے ان پر واجب الادا رقم اکثر قرض کی ادائیگی کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ یہ مالی دباؤ لوگوں کو اپنے اور اپنے خاندان کے لیے ضروریات زندگی حاصل کرنے سے روک سکتا ہے۔ یہ تناؤ بہت سے جسمانی اور ذہنی مسائل کا باعث بن سکتا ہے۔

بالآخر، اس قسم کے نظام میں صرف امیر امیر تر ہوتے ہیں جبکہ غریب غریب تر ہوتے جاتے ہیں۔

اگرچہ مالی مفادات سے نمٹنا ظاہری طور پر ایسا لگتا ہے کہ کسی شخص کو دولت حاصل ہوتی ہے لیکن حقیقت میں اس سے ان کا مجموعی نقصان ہی ہوتا ہے۔ یہ نقصان کئی شکلیں لے سکتا ہے۔ مثال کے طور پر، یہ انہیں اچھے اور حلال کاروباری معاملات کو کھونے کا باعث بن سکتا ہے جو وہ حاصل کر سکتے تھے اگر وہ مالی مفاد سے نمٹتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے مال کو ایسے طریقوں سے استعمال کرنے پر مجبور کر سکتا ہے جو ان کو پسند نہ ہوں۔ مثال کے طور پر، ان کو جسمانی بیماریوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی قیمتی غیر قانونی دولت کو اس طرح خرچ کرتے ہیں کہ اس کو ان طریقوں سے استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو انہیں خوش کرتے ہیں۔ مجموعی نقصان کا ایک روحانی پہلو بھی ہے۔ وہ جتنا زیادہ مالی سود کا سودا کرتے ہیں ان کا لالچ اتنا ہی زیادہ معنی خیز ہوتا جاتا ہے، ان کی دنیاوی چیزوں کی حرص کبھی پوری نہیں ہوتی جو تعریف کے اعتبار سے انہیں غریب بنا دیتی ہے خواہ ان کے پاس بہت زیادہ دولت ہو۔ یہ لوگ دن بھر ایک دنیاوی مسئلے سے دوسرے مسئلے میں جائیں گے اور قناعت حاصل کرنے میں ناکام رہیں گے کیونکہ وہ اس فضل سے محروم رہیں گے جو حلال کاروبار اور دولت کے ساتھ ہے۔ یہ انہیں مالی مفاد اور دیگر ذرائع سے مزید غیر قانونی دولت حاصل کرنے کی طرف دھکیل سکتا ہے۔ آخرت کا نقصان زیادہ واضح ہے۔ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ چھوڑے جائیں گے کیونکہ کوئی نیک عمل جو حرام سے جڑا ہوا ہو مثلاً حرام مال سے صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوتا۔ یہ طے کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے کہ اس شخص کا قیامت کے دن کہاں تک پہنچنے کا امکان ہے۔

حلال کاروباری لین دین اور سود سے متعلق لین دین میں بہت فرق ہے۔ سابقہ معاشرہ میں فائدہ مند ،کردار ادا کرتا ہے جبکہ بعد والا اس کے زوال کا باعث بنتا ہے۔ اپنی فطرت کے مطابق مفاد لالچ خود غرضی، بے حسی اور دوسروں کے ساتھ ظلم کو جنم دیتا ہے۔ یہ دولت کی عبادت کی طرف لے جاتا ہے اور دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور اتحاد کو ختم کرتا ہے۔ اس طرح یہ معاشرے کو معاشی اور اخلاقی دونوں لحاظ سے تباہ کر سکتا ہے۔

دوسری طرف صدقہ، سخاوت اور ہمدردی کا نتیجہ ہے۔ باہمی تعاون اور خیرسگالی سے معاشرہ مثبت طور پر ترقی کرے گا جس سے سب کو فائدہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی ایسا معاشرہ ہو جس کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ معاملات میں خود غرض ہوں، جس میں امیروں کے مفادات عام لوگوں کے مفادات کے بالواسطہ مخالف ہوں تو وہ معاشرہ مستحکم بنیادوں پر قائم نہیں رہتا۔ ایسے معاشرے میں محبت اور ہمدردی کی بجائے باہمی رنجش اور تلخی بڑھنے لگتی ہے۔

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب لوگ اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری کریں گے اور پھر اپنی زائد دولت سے خیراتی طریقوں سے خرچ کریں گے یا باہمی طور پر حلال کاروبار میں حصہ لیں گے تو ایسے معاشرے میں تجارت، صنعت اور زراعت میں بہتری آئے گی۔ معاشرے کے اندر زندگی کا معیار بلند ہو گا اور اس میں پیداوار ان معاشروں کی نسبت بہت زیادہ ہو گی جہاں معاشی سرگرمیاں مالی مفاد کی وجہ سے محدود ہیں۔

شادی میں ہم آہنگی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرفات کی سرزمین پر پہنچے تو آپ نے خطبہ دیا۔ ان کی ایک بات یہ تھی کہ مسلمانوں کو اپنی بیویوں کے ساتھ ہر وقت حسن سلوک کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 4 صفحہ 210-211 میں بحث کی گئی ہے۔

اگر عورت اور مرد دونوں کامیاب ازدواجی زندگی کا تجربہ کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اسلام کی تعلیمات پر مبنی شریک حیات تلاش کرنا ہوگا۔ اس اہم مشورے پر عمل نہ کرنا ایک اہم وجہ ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں گھریلو تشدد اور طلاق وقت کے ساتھ بڑھی ہے۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 5090 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ چار وجوہات کی بنا پر شادی کی جاتی ہے :مال، نسب، حسن یا تقویٰ۔ انہوں نے تنبیہ کرتے ہوئے نتیجہ اخذ کیا کہ آدمی کو تقویٰ کی خاطر شادی کرنی چاہیے ورنہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس حدیث میں مذکور پہلی تین چیزیں بہت عارضی اور ناقص ہیں۔ وہ کسی کو عارضی خوشی تو دے سکتے ہیں لیکن آخرکار یہ چیزیں ان کے لیے بوجھ بن جاتی ہیں کیونکہ ان کا تعلق مادی دنیا سے ہے نہ کہ اس چیز سے جو حتمی اور مستقل کامیابی عطا کرتی ہے یعنی ایمان۔ یہ سمجھنے کے لیے کہ دولت خوشی نہیں لاتی، صرف امیر اور مشہور کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت، امیر زمین پر سب سے زیادہ غیر مطمئن اور ناخوش لوگ ہیں۔ اپنے نسب کی خاطر کسی سے شادی کرنا بے وقوفی ہے کیونکہ یہ اس بات کی ضمانت نہیں دیتا کہ وہ شخص ایک اچھا شریک حیات بنائے گا۔ درحقیقت، اگر شادی کامیاب نہیں ہوتی ہے تو یہ خاندانی بندھن کو ختم کر دیتی ہے جو شادی سے پہلے دونوں خاندانوں کے پاس تھے۔ صرف خوبصورتی کے معنی کی خاطر شادی کرنا، محبت عقلمندی نہیں ہے کیونکہ یہ ایک چبھتا ہوا جذبہ ہے جو وقت کے ساتھ اور مزاج کے ساتھ بدل جاتا ہے۔ قیاس محبت میں ڈوب جانے والے کتنے جوڑے ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگے؟

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی ایسا شریک حیات تلاش کرے جو غریب ہو کیونکہ یہ ضروری ہے کہ کسی ایسے شخص سے شادی کی جائے جو خاندان کی مالی مدد کر سکے۔ نہ ہی اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو اپنے شریک حیات کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ ایک صحت مند شادی کا ایک اہم پہلو ہے۔ لیکن اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں کسی کی شادی کی بنیادی یا حتمی وجہ نہیں ہونی چاہئیں۔ ایک مسلمان کو شریک حیات میں جو بنیادی اور حتمی خوبی تلاش کرنی چاہیے وہ تقویٰ ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز رہتا ہے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے۔ سادہ لفظوں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اپنی شریک حیات کے ساتھ خوشی اور مشکل دونوں وقتوں میں اچھا سلوک کرے گا۔ دوسری طرف، جو لوگ بے دین ہیں وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ بدسلوکی کریں گے جب بھی وہ پریشان ہوں گے۔ حالیہ برسوں میں مسلمانوں میں گھریلو تشدد میں اضافے کی یہ ایک اہم وجہ ہے۔

آخر میں، اگر کوئی مسلمان شادی کرنا چاہتا ہے تو اسے سب سے پہلے اس سے متعلق علم حاصل کرنا چاہیے، جیسے کہ اس پر اپنی شریک حیات کے واجب الادا حقوق، جو حقوق اس پر اپنی شریک حیات سے واجب الادا ہیں اور مختلف حالات میں اپنی شریک حیات کے ساتھ صحیح سلوک کرنے کا طریقہ۔ بدقسمتی سے، اس سے لاعلمی بہت سے دلائل اور طلاقوں کا باعث بنتی ہے کیونکہ لوگ ایسی چیزوں کا مطالبہ کرتے ہیں جن کو پورا کرنے کے لیے ان کا شریک حیات پابند نہیں ہوتا۔ علم صحت مند اور کامیاب ازدواجی زندگی کی بنیاد ہے۔

اسلام خواتین کی عزت کرتا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرفات کی سرزمین پر پہنچے تو آپ نے خطبہ دیا۔ ان کی ایک بات یہ تھی کہ مسلمانوں کو اپنی بیویوں کے ساتھ ہر وقت ،حسن سلوک کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب زندگی، جلد 4 صفحہ 210-211 میں بحث کی گئی ہے۔

عام بات یہ ہے کہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عورتوں کے لیے گھریلو استعمال کی اشیاء کے برابر ہونا عام رواج تھا۔ انہیں مویشیوں کی طرح خریدا اور بیچا جائے گا۔ عورت کو شادی کے حوالے سے کوئی حق نہیں تھا۔ اپنے رشتہ داروں کی طرف سے وراثت میں کچھ حصہ کی حقدار ہونے کے علاوہ، وہ خود کو وراثت کا ایک ٹکڑا سمجھا جاتا تھا جیسے گھر کے دیگر سامان۔ اسے مردوں کی ملکیت سمجھا جاتا تھا جبکہ اسے کسی چیز کی ملکیت کی اجازت نہیں تھی۔ اور وہ صرف مرد کی مرضی کے مطابق خرچ کر سکتی تھی۔ جبکہ مرد اپنی خواہش کے مطابق کوئی بھی مال خرچ کر سکتا ہے جو اس کا ہونا چاہیے، جیسے اجرت۔ اسے اس طریقہ پر سوال کرنے کا بھی حق نہیں تھا۔ یورپ کے کچھ گروہوں نے تو عورت کو انسان نہیں سمجھا اور اسے جانور کے برابر قرار دیا۔ عورت کو مذہب میں کوئی جگہ نہیں تھی۔ وہ عبادت کے لیے نااہل سمجھے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض نے عورتوں کو روح کی حامل نہیں قرار دیا۔ ایک باپ کے لیے اپنی نوزائیدہ یا جوان بیٹی کو قتل کرنا مکمل طور پر معمول سمجھا جاتا تھا کیونکہ اسے خاندان کے لیے شرمندگی کے طور پر دیکھا جاتا تھا۔ بعض کا یہ بھی ماننا تھا کہ عورت کو قتل کرنے والے کے خلاف کوئی انصاف نہیں کیا جائے گا۔ کچھ رسم و رواج نے تو مردہ شوہر کی بیوی کو بھی مار ڈالا کیونکہ وہ اس کے بغیر رہنے کے قابل نہیں تھی۔ بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ عورتوں کا مقصد صرف مردوں کی خدمت ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے انسان کو تمام لوگوں کا احترام کرنے کا درس دیا، عدل و انصاف کو قانون بنایا اور مردوں کو عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کے لیے ان کے اپنے حقوق کے متوازی ذمہ دار ٹھہرایا۔ .خواتین کو آزاد اور خود مختار بنایا گیا۔ وہ مردوں کی طرح اپنی جان و مال کی خود مالک بن گئی۔ کوئی مرد عورت کو زبردستی کسی سے شادی کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اگر اس کی رضامندی کے بغیر اسے مجبور کیا جاتا ہے تو

یہ اس کا اختیار بنتا ہے کہ وہ نکاح جاری رکھے یا اسے فسخ کرے۔ کسی مرد کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی ملکیت میں سے کچھ بھی اس کی رضامندی اور منظوری کے بغیر خرچ کرے۔ شوہر کی موت کے بعد یا طلاق کے بعد وہ خود مختار ہو جاتی ہے اور اسے کسی کی طرف سے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ذمہ داریوں کے مطابق مردوں کی طرح وراثت میں حصہ ملتا ہے۔ عورتوں پر خرچ کرنا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا اللہ تعالیٰ نے عبادت قرار دیا ہے۔ یہ تمام حقوق اور اس سے زیادہ عورتوں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے نہیں دیا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ آج خواتین کے حقوق کے لیے کھڑے ہونے والے اسلام پر تنقید کرتے ہیں حالانکہ اس نے خواتین کو صدیوں پہلے حقوق دیے تھے۔

اسلام میں برتری

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرفات کی سرزمین پر پہنچے تو آپ نے خطبہ دیا۔ ان کی ایک بات یہ تھی کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں ہے اور نہ ہی کسی عجمی کو عربی پر۔ واحد خوبی جو کسی بھی شخص کو دوسروں پر برتر بناتی ہے وہ ہے تقویٰ۔ اس پر امام محمد السلّابی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1958 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6543 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ ان کے ظاہری شکل وصورت یا مال کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی باطنی نیت کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔ اور ان کے جسمانی اعمال۔

سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی کوئی بھی کام کرتے ہیں تو ہمیشہ اپنی نیت کو درست کرنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اسے صرف اس صورت میں اجر دے گا جب وہ اس کی رضا کے لیے عمل صالح کریں گے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں اور چیزوں کی خاطر اعمال انجام دیتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ حدیث اسلام میں مساوات کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک شخص دنیاوی چیزوں جیسے اس کی نسل یا دولت کے لحاظ سے دوسروں سے برتر نہیں ہے۔ حالانکہ بہت سے مسلمانوں نے سماجی ذاتوں اور فرقوں جیسی یہ رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں اس طرح بعض کو دوسروں سے بہتر مانتے ہوئے اسلام نے واضح طور پر اس تصور کو رد کر دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اسلام کی نظر میں اس لحاظ سے تمام لوگ برابر ہیں۔ صرف ایک چیز جو ایک مسلمان کو دوسرے پر فضیلت بخشتی ہے وہ ہے ان کی تقویٰ کا مطلب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو کتنا پورا کرتے ہیں،

اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ” پرہیزگار ہے“۔

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے آپ کو مشغول رکھ کر اس کے حقوق اور لوگوں کے حقوق ادا کرے اور اس بات پر یقین نہ کرے کہ جو چیز ان کے پاس ہے یا اس سے تعلق رکھتی ہے وہ کسی طرح انہیں عذاب سے بچا لے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ جس مسلمان میں اعمال صالحہ کی کمی ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ ان کے نسب کی وجہ سے درجہ بندی .حقیقت میں، یہ تمام دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دولت، نسل، جنس یا سماجی بھائی چارے اور ذات پات۔

کامیابی کو تھامے رکھیں

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرفات کی سرزمین پر پہنچے تو آپ نے خطبہ دیا۔ ان کی باتوں میں سے ایک یہ تھی کہ وہ ان کے لیے قرآن مجید اور اس کی روایات چھوڑ کر جا رہے ہیں، جو ان کی صحیح رہنمائی کرتے رہیں گے جب تک وہ ان پر قائم رہیں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرتِ نبوی، جلد 4، صفحہ 210-211 اور امام صفی الرحمن کی، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 464 میں بحث کی گئی ہے۔

ان کو تھامے رکھنے میں خلوص دل سے ہر وقت ان کی اطاعت اور پیروی کرنا شامل ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام قرآن مجید اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔

قرآن پاک کے ساتھ اخلاص میں اللہ تعالیٰ کے کلام کے لیے گہرا احترام اور محبت شامل ہے۔ یہ اخلاص اس وقت ثابت ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن کریم کے تین پہلوؤں کو پورا کرتا ہے۔ سب سے پہلے اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا اس کی تعلیمات کو معتبر ذریعہ اور استاد کے ذریعے سمجھنا ہے۔ آخری پہلو یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات پر اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے مقصد سے عمل کیا جائے۔ مخلص مسلمان اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کو اپنی خواہشات پر عمل کرنے پر ترجیح دیتا ہے جو قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ اپنے کردار کو قرآن پاک پر ڈھالنا اللہ کی کتاب کے ساتھ سچے اخلاص کی علامت ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے جس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 1342 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی چیز جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے وہ ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور’’ ‘‘تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت

کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

کوئی نقصان نہیں پہنچانا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حج کا ایک پہلو حجر اسود کو چھونا اور چومنا ہے جو خانہ کعبہ کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ مضبوط آدمی ہونے کے باوجود حجر اسود تک پہنچنے کے لیے جھپٹنا نہیں چاہیے کیونکہ اس سے نقصان ہو سکتا ہے۔ دوسرے اگر لوگوں کے رش کی وجہ سے حجر اسود تک جانے کا راستہ نہ مل سکے تو اسے دور سے سلام کرنا چاہیے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 228 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ حجر اسود تک پہنچنا ایک عبادت ہے پھر بھی ایک مسلمان کو اس عمل میں دوسروں کو نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ دوسروں کو نقصان پہنچانے سے باز رہنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچے مسلمان اور سچے مومن کی نشانیاں بتائی ہیں۔ ایک سچا مسلمان وہ ہے جو دوسروں کی زبانی اور جسمانی اذیت کو دور رکھے۔ اس میں درحقیقت تمام لوگ شامل ہیں خواہ ان کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس میں ہر قسم کے زبانی اور جسمانی گناہ شامل ہیں جو کسی دوسرے کو نقصان یا تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔ اس میں دوسروں کو بہترین نصیحت نہ کرنا بھی شامل ہے کیونکہ یہ دوسروں کے ساتھ اخلاص کے خلاف ہے جس کا حکم سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اس میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تلقین کرنا اور گناہوں کی طرف دعوت دینا بھی شامل ہے۔ .ایک مسلمان کو اس رویے سے بچنا چاہیے کیونکہ ہر اس شخص سے حساب لیا جائے گا جو ان کی بری نصیحت پر عمل کرے گا۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

جسمانی نقصان میں دوسرے لوگوں کی روزی روٹی کے لیے مسائل پیدا کرنا، دھوکہ دہی کا ارتکاب کرنا، دوسروں کو دھوکہ دینا اور جسمانی زیادتی شامل ہے۔ یہ تمام خصوصیات اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں اور ان سے بچنا چاہیے۔

زیر بحث اصل حدیث کے مطابق سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کے نقصان کو دور رکھے۔ ایک بار پھر، یہ تمام لوگوں پر لاگو ہوتا ہے قطع نظر ان کے عقیدے کے۔ اس میں چوری کرنا، غلط استعمال کرنا یا دوسروں کی املاک اور سامان کو نقصان پہنچانا شامل ہے۔ جب بھی کسی کو کسی دوسرے کی جائیداد سونپ دی جائے تو اسے یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اسے صرف مالک کی اجازت سے اور اس طریقے سے استعمال کریں جو مالک کو خوش اور راضی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 5421 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص جھوٹی قسم کے ذریعے کسی دوسرے کا مال ناجائز طور پر لے، چاہے وہ ایک ٹہنی کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ درخت جہنم میں جائے گا۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے زبانی اعلان کو عمل سے سپورٹ کرے کیونکہ یہ کسی کے عقیدے کا جسمانی ثبوت ہیں جو قیامت کے دن کامیابی حاصل کرنے کے لیے درکار ہوں گے۔ اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے بارے میں سچے عقیدے کی خصوصیات کو پورا کرنا چاہیے۔ لوگوں کے ساتھ اس کو حاصل کرنے کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں، جو کہ احترام اور امن کے ساتھ ہے۔

ایک شاندار انکشاف

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ عرفات کے دن، 9 ذی الحجہ کو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درج ذیل وحی نازل ہوئی :باب 5 المائدة، آیت 3:

”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا“۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 254 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام کا اخلاص ہے :اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب، معنی، قرآن پاک، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف۔ اور ان پر، معاشرے کے رہنماؤں اور عام لوگوں پر درود و سلام۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف سے دیے گئے تمام فرائض کو احکام و ممنوعات کی صورت میں ادا کرنا، صرف اس کی رضا کے لیے۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ سب ان کی نیت سے پرکھیں گے۔ پس اگر کوئی نیک عمل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص نہ ہو تو اسے نہ دنیا میں اجر ملے گا اور نہ آخرت میں۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جن لوگوں نے گستاخیاں کیں ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اجر طلب کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ باب 98 البیینہ، آیت 5۔

"اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لیے خالص ہو کر۔"

اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ اخلاص کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ صدق دل سے توبہ کریں اور ان سب کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر کبھی بھی ایسے فرائض کا بوجھ نہیں ڈالتا جو وہ انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی نبھا سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286۔

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

کے لیے مخلص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی اور دوسروں کی خوشنودی پر اس کی رضا کو پسند کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ ان اعمال کو ترجیح دینی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ دوسروں سے محبت کرے اور اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسند کرے نہ کہ اپنی خواہشات کے لیے۔ جب وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں یا گناہوں میں حصہ لینے سے انکار کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔ جس نے اس ذہنیت کو اپنایا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

قرآن پاک کے ساتھ اخلاص میں اللہ تعالیٰ کے کلام کے لیے گہرا احترام اور محبت شامل ہے۔ یہ اخلاص اس وقت ثابت ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن کریم کے تین پہلوؤں کو پورا کرتا ہے۔ سب سے پہلے اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا اس کی تعلیمات کو معتبر ذریعہ اور استاد کے ذریعے سمجھنا ہے۔ آخری پہلو یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات پر اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے مقصد سے عمل کیا جائے۔ مخلص مسلمان اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کو اپنی

خواہشات پر عمل کرنے پر ترجیح دیتا ہے جو قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ اپنے کردار کو قرآن پاک پر ڈھالنا اللہ کی کتاب کے ساتھ سچے اخلاص کی علامت ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے جس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 1342 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی چیز جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے وہ ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور’’ ‘‘تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

اگلی بات جو زیر بحث مرکزی حدیث میں مذکور ہے وہ جماعت کے قائدین کا مخلص ہونا ہے۔ اس میں انہیں بہترین مشورے کی پیشکش کرنا اور ان کے اچھے فیصلوں میں کسی بھی ضروری طریقے سے مدد کرنا شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جسمانی مدد۔ امام مالک کی موطا، کتاب نمبر 56، حدیث نمبر 20 میں موجود ایک حدیث کے مطابق اس فرض کو ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ باب 4 النساء آیت 59:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہیں..."

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاشرے کے سربراہان کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں اگر یہ خالق کی نافرمانی کا باعث بنے۔ اس طرح کے معاملات میں لیڈروں کے خلاف بغاوت کرنے سے گریز کیا جانا چاہیے کیونکہ اس سے صرف معصوم لوگوں کا ہی نقصان ہوتا ہے۔ اس کے بجائے قائدین کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی سے نیکی اور برائی سے منع کرنا چاہیے۔ دوسروں کو اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کرنی چاہیے اور ہمیشہ

راہنماؤں سے صحیح راستے پر چلنے کی دعا کرنی چاہیے۔ لیڈر سیدھے رہیں گے تو عوام بھی سیدھے رہیں گے۔

لیڈروں کے ساتھ دھوکہ کرنا منافقت کی علامت ہے جس سے ہر وقت بچنا چاہیے۔ اخلاص میں ان معاملات میں ان کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے جو معاشرے کو بھلائی پر اکٹھا کرتے ہیں اور ہر اس چیز سے تنبیہ کرتے ہیں جو معاشرے میں خلل پیدا کرے۔

زیر بحث مرکزی حدیث میں آخری چیز جو عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے‘‘۔’’

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے‘‘۔’’

ایمان پر قائم رہو

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ عرفات کے دن، 9 ذی الحجہ کو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درج ذیل وحی نازل ہوئی :باب 5 المائدۃ، آیت 3:

”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا“۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 309 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ سن کر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ جب ان سے ان کے ردعمل کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ کمال کے بعد زوال ہی آتا ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 3997 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ وہ مسلمان قوم کی غربت سے نہیں ڈرتے۔ اس کے بجائے وہ ڈرتا تھا کہ دنیا ان کے لیے آسان اور بہت زیادہ ہو جائے گی۔ اس سے وہ اس کا مقابلہ کریں گے جو ان کی تباہی کا باعث بنے گا کیونکہ اسی مقابلے نے پچھلی قوموں کو تباہ کیا تھا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس کا اطلاق صرف دولت پر نہیں ہوتا۔ لیکن یہ تنبیہ لوگوں کی دنیاوی خواہشات کے ان تمام پہلوؤں پر لاگو ہوتی ہے جن میں شہرت، دولت، اختیار اور کسی کی زندگی

کے سماجی پہلوؤں جیسے خاندان، دوست اور کیرئیر کی خواہش شامل ہو سکتی ہے۔ جب بھی کوئی ان چیزوں کے حصول سے اپنی خواہشات کو پورا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، چاہے وہ حلال ہی کیوں نہ ہوں، اس کی ضرورت سے بڑھ کر اسے آخرت کی تیاری سے غافل کر دے گا۔ یہ انہیں فضول خرچی اور اسراف جیسے برے کردار کی طرف لے جائے گا اور ان چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے انہیں گناہوں کی طرف بھی لے جا سکتا ہے۔ ان کو حاصل کرنے میں ناکامی بے صبری اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور نافرمانی کے دیگر اعمال کا باعث بن سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان خواہشات نے بہت سے مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے کیونکہ وہ مال حاصل کرنے یا چھٹیوں پر جانے کے لیے آدھی رات کو خوشی خوشی اٹھتے ہیں لیکن جب رضاکارانہ طور پر رات گزارنے کا مشورہ دیا جائے تو وہ ایسا کرنے میں ناکام رہیں گے۔ نماز پڑھنا یا صبح کی فرض نماز میں جماعت کے ساتھ شرکت کرنا۔

ان چیزوں کو حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ یہ حلال ہوں اور کسی شخص کی ضروریات اور اس کے محتاجوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ضروری ہوں۔ لیکن جب کوئی شخص اس سے آگے بڑھ جائے گا تو وہ اپنی آخرت کے نقصان میں مشغول ہو جائیں گے کیونکہ جتنا کوئی اپنی خواہشات کی پیروی کرے گا وہ آخرت کی تیاری میں اتنی ہی کم کوشش کرے گا۔ اس لیے اس حدیث میں جو تنبیہ دی گئی ہے وہ ان پر لاگو ہوگی۔

تقویٰ کیا ہے؟

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرفات سے روانہ ہوئے تو لوگ آپ کے پیچھے دوڑ پڑے۔ اس کے بعد کسی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بتائے کہ تقویٰ رفتار سے نہیں ماپا جاتا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 257 میں بحث کی گئی ہے۔

اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کیے بغیر تقویٰ حاصل نہیں کیا جا سکتا تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل ہو سکے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کیا جا سکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا پڑے۔ باب 35 فاطر، آیت 28:

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں''۔''

جامع ترمذی نمبر 2451 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کسی ایسی چیز سے اجتناب نہ کرے جو اس کے دین کے لیے نقصان دہ نہ ہو، اس احتیاط کے ساتھ کہ وہ کسی چیز کی طرف لے جائے۔ جو کہ نقصان دہ ہے .پس تقویٰ کا ایک پہلو یہ ہے کہ ان چیزوں سے بچنا جو مشتبہ ہوں نہ کہ حرام۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشتبہ چیزیں ایک مسلمان کو حرام سے ایک قدم اور قریب لے جاتی ہیں اور جتنا حرام کے قریب ہوتا ہے اس میں پڑنا اتنا ہی آسان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 1205 میں ایک حدیث ہے کہ جو حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچتا ہے وہ اپنے دین اور عزت کی حفاظت کرے گا۔ اگر معاشرے میں گمراہ ہونے والوں کا مشاہدہ کیا جائے تو اکثر صورتوں میں یہ اچانک نہیں بلکہ بتدریج ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حرام میں پڑنے سے پہلے وہ شخص پہلے مشکوک چیزوں میں ملوث ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنی زندگی میں غیر ضروری اور فضول چیزوں سے بچنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے کیونکہ وہ انہیں حرام کی طرف لے جا سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر، فضول اور فضول گفتگو جس کو اسلام نے گناہ کی

درجہ بندی نہیں کی ہے، اکثر بد کلامی کا باعث بنتی ہے، جیسے غیبت، جھوٹ اور غیبت۔ اگر کوئی شخص فضول باتوں میں مبتلا نہ ہو کر پہلے قدم سے بچتا ہے تو وہ بلا شبہ بد کلامی سے بچ جائے گا۔ یہ عمل ان تمام چیزوں پر لاگو کیا جا سکتا ہے جو فضول، غیر ضروری اور خاص طور پر مشکوک ہوں۔

صحیح طریقہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ جب وادی محسیر پہنچے تو اس نے جمرات پر کنکریاں پھینکیں اور لوگوں کو بھی ایسا ہی کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد اس نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ اس سے اپنی رسومات اختیار کرلیں کیونکہ اس سال کے بعد وہ اسے نہ دیکھیں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 264 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کے مناسک کا خاص طور پر ذکر کیا ہے لیکن آپ کے الفاظ کا بالواسطہ مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں ان کی روایات پر عمل کرنا چاہیے۔ یہ بات قرآن پاک اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے واضح ہو چکی ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

اور باب 59 الحشر، آیت 7:

’’اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔‘‘

اور باب 4 النساء آیت 80:

‘‘جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔’’

سنن ابو داؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ ہر وہ معاملہ جس کی بنیاد اسلام پر نہ ہو اسے رد کر دیا جائے گا۔

اگر مسلمان دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں دائمی کامیابی چاہتے ہیں تو انہیں قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل کرنا چاہیے۔ اگرچہ بعض اعمال جو براہ راست ہدایت کے ان دو ذرائع سے نہیں کیے گئے ہیں ان کو پھر بھی ایک صالح عمل قرار دیا جا سکتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو باقی تمام چیزوں پر ترجیح دی جائے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں ذرائع سے نہ لینے والی چیزوں پر جتنا زیادہ عمل کرے گا خواہ وہ عمل صالح ہی کیوں نہ ہو ہدایت کے ان دونوں ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ کتنے مسلمانوں نے اپنی زندگیوں میں ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جن کی رہنمائی کے ان دو ذرائع میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ ثقافتی عادات گناہ نہیں ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کو ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے سے روک دیا ہے کیونکہ وہ اپنے طرز عمل سے مطمئن ہیں۔ یہ ہدایت کے دو ذرائع سے ناواقفیت کا باعث بنتا ہے جس کے نتیجے میں صرف گمراہی ہی ہوتی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھے اور ان پر عمل کرے جو راہنماؤں کے ذریعہ قائم کیے گئے ہیں اور اس کے بعد ہی دوسرے رضاکارانہ اعمال صالحہ پر عمل کرنا چاہیے اگر اس کے پاس ایسا کرنے کے لیے وقت اور توانائی ہو۔ لیکن اگر وہ جاہلیت کا انتخاب کریں اور عمل کو اختیار کریں اگرچہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کے گناہ ہی کیوں نہ ہوں۔

فتنوں پر قابو پانا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منیٰ میں جانوروں کی قربانی کے مقام پر پہنچے تو آپ کے چھوٹے چچا زاد بھائی فضل ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اونٹ پر اپنے پیچھے بٹھایا۔ ایک نوجوان عورت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور آپ سے سوال کیا۔ اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے، اس نے جسمانی طور پر اپنے کزن کا سر نوجوان عورت سے پھیر دیا تاکہ وہ اسے دیکھ نہ سکے۔ جب اس سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ میں نے ایک نوجوان مرد اور عورت کو ایک دوسرے کے قریب دیکھا ہے اور وہ شیطان پر بھروسہ نہیں کر سکتا یعنی ان پر منفی اثر ڈال رہا ہے۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 265 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو غیر قانونی تعلقات کے لالچ میں آنے سے بچنے کے لیے احتیاط کرنی چاہیے۔ سب سے پہلے، انہیں اپنی نظریں نیچی کرنا سیکھنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو ہمیشہ اپنے جوتوں کو گھورنا چاہئے لیکن اس کا مطلب ہے کہ انہیں غیر ضروری طور پر ارد گرد دیکھنے سے گریز کرنا چاہئے خاص طور پر عوامی مقامات پر۔ انہیں دوسروں کو گھورنے سے گریز کرنا چاہئے اور مخالف جنس کا احترام برقرار رکھنا چاہئے۔ جس طرح ایک مسلمان یہ پسند نہیں کرے گا کہ کوئی اپنی بہن یا بیٹی کو گھورے اسے دوسرے لوگوں کی بہنوں اور بیٹیوں کو نہیں دیکھنا چاہیے۔ باب 24 النور، آیت 30:

"مومن مردوں سے کہو کہ وہ اپنی بصارت میں کچھ کمی کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے..."

جب بھی ممکن ہو ایک مسلمان کو مخالف جنس کے ساتھ اکیلے وقت گزارنے سے گریز کرنا چاہیے جب تک کہ ان کا تعلق اس طرح سے نہ ہو جس سے شادی کی ممانعت ہو۔ صحیح بخاری

نمبر 1862 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تلقین فرمائی ہے۔

مسلمانوں کو لباس پہننا چاہیے اور شائستگی سے پیش آنا چاہیے۔ معمولی لباس پہننا اجنبیوں کی نظروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے سے گریز کرتا ہے اور شائستہ برتاؤ کسی کو ابتدائی قدم اٹھانے سے روکتا ہے جو غیر قانونی تعلقات کا باعث بن سکتا ہے جیسے کہ مخالف جنس سے غیر ضروری بات کرنا۔

غیر قانونی تعلقات سے بچنے کی برکات کو سمجھنا خود کو ان سے بچانے کا ایک اور طریقہ ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان اور عفت کی حفاظت کرنے والے کو جنت کی ضمانت دی ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2408 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

غیر قانونی تعلقات میں ملوث ہونے کی سزا کے خوف سے بھی ایک مسلمان کو ان سے بچنے میں مدد ملے گی۔ مثال کے طور پر، ایمان اس شخص سے دور ہو جائے گا جو زنا کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4690 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

حقیقت میں، ایک مسلمان کو غیر قانونی تعلقات کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ اسلام شادی کا حکم دیتا ہے۔ جو لوگ شادی کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے وہ کثرت سے روزہ رکھیں کیونکہ اس سے خواہشات اور اعمال پر قابو پانے میں بھی مدد ملتی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 3398 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آسانی کا مذہب

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ قربانی کے دن کی صبح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا زاد بھائی فضل ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ ان کے لیے کچھ کنکریاں جمع کریں جو جمرات کو پتھر مارنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ مینا فضل رضی اللہ عنہ نے چھوٹی چھوٹی کنکریاں چن لیں جو ایک گولی میں استعمال کی جا سکتی تھیں اور انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے دیا، جو آپ کے انتخاب سے خوش ہوئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر نصیحت فرمائی کہ غلو سے بچو، کیونکہ یہ دین میں زیادتی تھی جس نے سابقہ امتوں کو تباہ کر دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 267 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 39 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ دین سادہ اور سیدھا ہے۔ اور مسلمان کو اپنے اوپر بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے کیونکہ وہ اسے برداشت نہیں کر سکے گا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو ہمیشہ سادہ دینی اور دنیاوی زندگی گزارنی چاہیے۔ اسلام مسلمانوں سے یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ وہ اعمال صالحہ کی ادائیگی میں اپنے اوپر بوجھ ڈالیں۔ لیکن درحقیقت یہ سادگی سکھاتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پیارا دین ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی، ادب المفرد، نمبر 287 میں موجود ایک حدیث کے مطابق، ایک مسلمان کو سب سے پہلے اپنے ان واجبات کو ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جو بلاشبہ اس کی طاقت میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی طرح پورا کرنا کسی مسلمان پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ اس کی تصدیق قرآن مجید کی سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 286 میں ہوتی ہے:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

اس کے بعد انہیں چاہیے کہ وہ اپنے دن میں سے کچھ وقت اسلامی تعلیمات کے مطالعہ کے لیے نکالیں تاکہ وہ اپنی طاقت کے مطابق قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ روایات پر عمل کر سکیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے جس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6502 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

اگر کوئی مسلمان اس طرز عمل پر قائم رہے تو ان پر ایسی رحمت نازل ہو گی کہ وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے تئیں اپنے تمام فرائض کو پورا کریں گے اور اس دنیا کی حلال لذتوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے وقت نکالیں گے، بغیر کسی فضول خرچی اور اسراف کے۔

اس طرح ایک مسلمان اپنے لیے آسانیاں پیدا کرتا ہے۔ اور اگر ان کے پاس زیر کفالت ہیں، جیسے کہ بچے، تو انہیں چاہیے کہ انہیں اس طرح سکھائیں، ان کے لیے بھی آسانیاں پیدا کریں۔ خود پر زیادہ بوجھ ڈالنا چیزوں کو مشکل بنا دیتا ہے اور کسی کو مکمل طور پر چھوڑنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ اور بہت زیادہ آرام کرنا چیزوں کو مشکل بنا دے گا کیونکہ انسان سستی کی وجہ سے دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جائے گا۔

سچی قربانی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حج کے لیے کل 100 اونٹوں کی قربانی دی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 209 میں بحث کی گئی ہے۔

قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک روایت ہے جسے مسلمان حج کے موسم میں نقل کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کریں۔ باب 37 صفات، آیت 102:

"اور جب وہ اس کے ساتھ مشقت کی عمر کو پہنچا تو اس نے کہا کہ اے میرے بیٹے، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھ پر قربان ہو جاؤں، تو دیکھو کہ تمہارا کیا خیال ہے۔" اس نے کہا اے میرے ابا جی جیسا آپ کو حکم دیا گیا ہے ویسا کرو، اللہ نے چاہا تو آپ مجھے ثابت قدم پائیں گے۔

سمجھنے کے لیے پہلا سبق یہ ہے کہ آزمائشوں اور آزمائشوں کا سامنا کرتے وقت صبر کی اہمیت ہے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان سے زیادہ محبوب یعنی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ان سے زیادہ سخت آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2472 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے لیے کسی کو آزمایا نہیں گیا۔

مسلمانوں کو یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ خواہ وہ کسی بھی صورت حال میں ہوں ان کے لیے فائدہ مند ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی مشکل کا سامنا کرے اور صبر کا مظاہرہ کرے تو اسے اس کا اجر ملے گا۔ اور اگر وہ آسانی کے وقت کا سامنا کرتے ہیں اور شکر گزار ہوتے ہیں تو انہیں اس کا اجر ملے گا۔ لہٰذا اس حدیث کے مطابق مسلمان کو ہر صورت فائدہ پہنچتی ہے، خواہ وہ اس کے پیچھے حکمت کا مشاہدہ نہ کرے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

مسلمانوں کو یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ایک ایسی صورت حال کا سامنا کریں گے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کر دیا ہے، چاہے وہ اس پر کس طرح کا ردعمل ظاہر کریں۔ اگر وہ صبر کے ساتھ اس کا مقابلہ کریں گے تو انہیں دنیا اور آخرت میں بے شمار اجر ملے گا۔ باب 39 از زمر، آیت 10:

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا]یعنی حد[..."

لیکن اگر وہ بے صبری سے اس کا سامنا کریں گے تو پھر انہیں مزید مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لہٰذا کسی بھی طرح سے انہیں مشکل کا سامنا کرنا پڑے تاکہ وہ اس سے فائدہ بھی اٹھا سکیں۔

مزید برآں، ایک مسلمان کو بے ہودہ نہیں ہونا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ دنیا جنت نہیں ہے۔ یہ دنیا بنی نوع انسان کو آزمانے کے لیے بنائی گئی ہے اس لیے یہ کبھی بھی آزمائشوں اور آزمائشوں سے پاک نہیں ہو سکتی۔ جب کوئی مسلمان مشکلات اور آزمائشوں کا سامنا کرتے ہوئے

اپنی فطری فطرت کو پہچان لیتا ہے تو وہ حیران نہیں ہوتا جیسا کہ وہ دنیا سے اس کی توقع رکھتے ہیں۔ جس طرح ایک شخص حملہ آور ہونے کی توقع رکھتا ہے اگر وہ اپنے آپ کو کسی جنگلی جانور کے ساتھ پاتا ہے تو اسے اس دنیا میں آزمائشوں اور آزمائشوں کی توقع کرنی چاہیے۔ اس طرح ذہنی طور پر تیاری کرنے سے ایک مسلمان کو پکڑے جانے سے بچ جائے گا جو کہ بے صبری کا سبب ہے۔

اس عظیم واقعہ سے ایک اور سبق یہ ہے کہ جس طرح انسان اس مادی دنیا میں چیزیں حاصل نہیں کر سکتا، جیسے کہ مال قربانی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی مسلمان قربانی کے بغیر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکتا ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 2:

"کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لائے ہیں اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی؟"

مسلمانوں کو شکر گزار ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان سے اتنی بڑی قربانیوں کا تقاضا نہیں کرتا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام نے کی تھیں۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ وہ اس طرح قربانی کریں جس طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ نے کی۔ انہوں نے اپنا مال، گھر، خاندان اور جانیں قربان کر دیں۔ اس کے بجائے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو چند فرضی فرائض سونپے ہیں جن کے لیے ان کے وقت، توانائی اور مال کی بہت کم قربانی درکار ہے۔ اگر کوئی جنت کی عظمت پر غور کرے تو اسے احساس ہو جائے گا کہ وہ قربانیاں دینے کی ترغیب دی گئی ہیں جو وعدے کے انعام کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کریں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی اس بات کی دلیل ہے کہ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنی خواہشات، محبت اور خواہشات کو قربان کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ

کی رضا کے لیے جانوروں کی قربانی کی رسم مسلمان ہر سال ادا کرتے ہیں۔ یہ صرف ایک جانور کی قربانی نہیں بلکہ بہت کچھ ہے۔ باب 22 الحج، آیت 37:

’’اللہ تک نہ ان کا گوشت پہنچے گا اور نہ ان کا خون، لیکن جو چیز اس تک پہنچے گی وہ تمہاری طرف سے تقویٰ ہے۔ اسی طرح ہم نے ان کو تمہارے تابع کر دیا ہے تاکہ تم اللہ کی اس بات پر تسبیح کرو جس کی طرف اس نے تمہیں ہدایت کی ہے۔‘‘

مسلمانوں کو چاہئے کہ اس آیت میں بیان کردہ تقویٰ کو پورا سال اپنائیں اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو اپنی خواہشات کے سامنے رکھیں۔ تب ہی وہ صحیح معنوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نقش قدم پر چل سکیں گے۔

اس عظیم واقعہ سے سیکھنے کا ایک اور اہم سبق اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے۔ اس عظیم واقعہ کی طرح ناگزیر اور تباہ کن حالات میں بھی ایک مسلمان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ مسلمانوں کو سمجھنا چاہیے کہ ان کا علم بہت محدود ہے اور وہ انتہائی کم نظر ہیں۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب کے پس پردہ حکمتوں کو پوری طرح نہیں جان سکتے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا علم اور الٰہی ادراک لامحدود ہے۔ لہٰذا، ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر بھروسہ کرنا چاہیے، جس طرح ایک نابینا شخص اپنے جسمانی رہنما کی رہنمائی پر بھروسہ کرتا ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ ایک مسلمان کا رویہ جو بھی ہو اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہو گا، اس لیے بہتر ہے کہ اس کی حکمت پر بھروسہ کیا جائے بجائے اس کے کہ وہ بے صبری کا مظاہرہ کرے جو مزید پریشانی کا باعث بنے۔

اس کے علاوہ اپنی زندگی کے اندر ان گنت مثالوں کو یاد رکھنا بھی ضروری ہے جب کوئی شخص کسی چیز کی خواہش کرتا ہے صرف اسے حاصل کرنے کے بعد پچھتاوا کرتا ہے۔ اور جب وہ کسی چیز کو ناپسند کرتے تھے تو صرف بعد میں اپنا خیال بدلنے کے لیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

چونکہ تقدیر لوگوں کے ہاتھ سے نکل چکی ہے، مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس چیز پر توجہ مرکوز کریں جو ان کے اختیار میں ہے اگر وہ مشکلات سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اس بات کی ضمانت دی ہے کہ وہ ایک مسلمان کو دونوں جہانوں کی تمام مشکلات سے بچا لے گا۔ انہیں صرف اس کی فرمانبرداری کرنا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

’’اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔‘‘

جو چیز کسی کے اختیار میں نہیں ہے اس کے معنی یعنی تقدیر پر زور دینا حماقت ہے اور جو چیز کسی کے اختیار میں ہے اس سے غافل رہنا یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا۔

محبت اعمال میں ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ قربانی کرنے کے بعد، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حجام کو حکم دیا کہ وہ اپنا سر دائیں جانب سے شروع کرے۔ اس کے بعد اس نے منڈوائے ہوئے بالوں کو لوگوں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت گھیر لیا جب آپ کا سر منڈوایا جا رہا تھا تاکہ آپ کا ایک بال بھی فرش پر نہ گرے۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 272 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ظاہر ہے کہ انہوں نے یہ رویہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور احترام کے پیش نظر رکھا تھا۔

،ہر مسلمان کھلے عام اعلان کرتا ہے کہ وہ آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت کا خواہش مند ہے۔ وہ اکثر صحیح بخاری نمبر 3688 میں پائی جانے والی حدیث کا حوالہ دیتے ہیں، جو اس بات کی تلقین کرتی ہے کہ انسان آخرت میں ان کے ساتھ رہے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں سے اپنی محبت کا کھلم کھلا اعلان کرتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ اس نتیجہ کی خواہش کیسے کرتے ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، پھر بھی انہیں بمشکل جانتے ہیں کیونکہ وہ آپ کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ کرنے میں مصروف ہیں۔ یہ بے وقوفی کی بات ہے کہ کوئی کسی سے سچی محبت کیسے کر سکتا ہے جسے وہ جانتا تک نہیں ہے۔

اس کے علاوہ جب ان لوگوں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا ثبوت پوچھا جائے گا تو قیامت کے دن کیا کہیں گے؟ وہ کیا پیش کریں گے؟ اس اعلان کا ثبوت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ اور ان پر عمل کرنا ہے۔ اس دلیل کے بغیر اعلان اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔ یہ بالکل واضح ہے کیونکہ صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم سے بہتر اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا اور ان کا یہ رویہ نہیں تھا۔ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اعلان کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عمل کے ذریعے اپنے دعوے کی تائید کی۔ اس لیے وہ آخرت میں اس کے ساتھ ہوں گے۔

جو لوگ یہ مانتے ہیں کہ محبت دل میں ہے اور اسے عمل سے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ اتنا ہی بے وقوف ہے جتنا وہ طالب علم جو امتحان کا خالی پرچہ اپنے استاد کو دے کر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ علم ان کے دماغ میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر لکھنے کی ضرورت نہیں۔ کاغذ پر نیچے اور پھر بھی پاس ہونے کی توقع ہے۔

ایسا سلوک کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے محبت نہیں کرتا، صرف اپنی خواہشات رکھتا ہے اور بلاشبہ انہیں شیطان نے دھوکا دیا ہے۔

آخر میں یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ناکام رہے وہ یقیناً قیامت کے دن ان کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ اگر کوئی ایک لمحے کے لیے اس حقیقت پر غور کرے تو یہ بالکل واضح ہے۔

درست طریقے سے ترجیح دینا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ سفر کے دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے پاس زمزم کے کنویں پر رکے۔ اس نے عبدالمطلب کے قبیلے کو حجاج کو کنویں سے پانی پلاتے ہوئے دیکھا جو انہوں نے کئی سالوں سے کیا تھا۔ انہوں نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ اسی طرح جاری رکھیں کیونکہ وہ صحیح کام کر رہے ہیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 277-278 میں بحث کی گئی ہے۔

اسلام انسانوں کو مادی دنیا کو ترک کرنے کا درس نہیں دیتا کیونکہ یہ وسائل کا ایک ذریعہ ہے جس کو صحیح طریقے سے استعمال کرنے کی ضرورت ہے تاکہ آخرت میں محفوظ طریقے سے پہنچ سکیں۔ اسلام مسلمانوں کو اپنی سرگرمیوں کو صحیح طریقے سے ترجیح دینے کا درس دیتا ہے تاکہ وہ دونوں جہانوں میں حقیقی امن حاصل کر سکیں۔

جامع ترمذی نمبر 2465 کی حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص آخرت کو مادی دنیا پر ترجیح دے گا اسے قناعت ملے گی، اس کے معاملات درست کر دیے جائیں گے اور ان کو اس کی نعمتیں حاصل ہوں گی۔ آسان طریقے سے ان کا مقدر رزق۔

اس نصف حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے بارے میں اپنے فرائض کو صحیح طریقے سے ادا کرے گا، جیسے کہ اس مادی دنیا کی زیادتی سے بچتے ہوئے اپنے اہل و عیال کو حلال طریقے سے مہیا کرنا، اسے قناعت ملے گی۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی لالچی ہوئے بغیر اور زیادہ دنیوی چیزیں حاصل کرنے کے لیے سرگرم کوشش کے بغیر اپنے پاس موجود چیزوں سے خوش ہوتا ہے۔ درحقیقت، جو شخص اپنے پاس موجود چیزوں پر راضی ہے وہ واقعی ایک امیر شخص ہے، خواہ اس کے پاس دولت کم ہی کیوں نہ ہو کیونکہ وہ چیزوں سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ کسی بھی چیز کی آزادی انسان کو اس کے حوالے سے امیر بناتی ہے۔

اس کے علاوہ، یہ رویہ کسی بھی دنیاوی مسائل سے آرام سے نمٹنے کی اجازت دے گا جو اس کی زندگی کے دوران پیدا ہوسکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مادی دنیا کے ساتھ جتنا کم میل جول رکھتا ہے اور آخرت پر توجہ مرکوز کرتا ہے وہ کم دنیاوی مسائل کا سامنا کرے گا۔ انسان کو جتنے کم دنیوی مسائل کا سامنا ہوگا اس کی زندگی اتنی ہی آرام دہ ہوگی۔ مثال کے طور پر، جس کے پاس ایک گھر ہے اس کے پاس اس کے حوالے سے کم مسائل ہوں گے، جیسے ٹوٹا ہوا ککر، دس مکان رکھنے والے کے مقابلے میں۔ آخر کار، یہ شخص آسانی سے اور خوشگوار طریقے سے اپنا حلال رزق حاصل کر لے گا۔ یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے رزق میں ایسا فضل ڈال دے گا کہ اس سے ان کی تمام ذمہ داریاں اور ضروریات پوری ہوں گی، ان کو اور ان کے زیر کفالت افراد کو تسکین ملے گی۔

لیکن جیسا کہ اس حدیث کے دوسرے نصف میں ذکر کیا گیا ہے کہ جو شخص مادی دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے، اپنے فرائض سے غفلت برتتا ہے یا اس مادی دنیا کی غیرضروری اور ضرورت سے زیادہ کوشش کرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ضرورت یعنی حرص دنیاوی چیزوں کے لیے ہے۔ کبھی مطمئن نہیں ہوتے جو تعریف کے مطابق انہیں غریب بنا دیتا ہے چاہے ان کے پاس بہت زیادہ دولت ہو۔ یہ لوگ دن بھر ایک دنیاوی مسئلے سے دوسرے مسئلے میں جائیں گے اور قناعت حاصل کرنے میں ناکام رہیں گے کیونکہ انہوں نے بہت سے دنیاوی دروازے کھول رکھے ہیں۔ اور انہیں ان کا مقدر دیا ہوا رزق مشکل سے ملے گا اور یہ انہیں اطمینان نہیں دے گا اور نہ ہی ان کے لالچ کو بھرنے کے لیے کافی ہوگا۔ یہاں تک کہ یہ انہیں حرام کی طرف دھکیل سکتا ہے جس سے دونوں جہانوں میں نقصان ہی ہوتا ہے۔

اپنی توانائی استعمال کریں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ سفر کے دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے پاس زمزم کے کنویں پر رکے۔ اس نے عبدالمطلب کے قبیلے کو حجاج کو کنویں سے پانی پلاتے ہوئے دیکھا جو انہوں نے کئی سالوں سے کیا تھا۔ انہوں نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ اسی طرح جاری رکھیں کیونکہ وہ صحیح کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے تبصرہ کیا کہ اگر یہ لوگ نہ ہوتے جو قبیلہ کو کنویں سے پانی نکالنے سے روکتے اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید کرتے تو وہ خود کنویں سے پانی نکال لیتے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 277-278 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 7432 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت کرتا ہے جو مخلوق سے بے نیاز ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کیے گئے اسباب مثلاً اپنی جسمانی طاقت کو پوری طرح استعمال کرے۔ انہیں سستی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے اور لوگوں سے چیزیں طلب کرنا چاہئے کیونکہ یہ عادت ان پر انحصار کا باعث بنتی ہے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کم کردیتی ہے۔ انسان کو اس بات پر پختہ یقین ہونا چاہیے کہ جو کچھ بھی ہو جائے ان کا رزق ان کے لیے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مختص کر دیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ ایک مسلمان کو اپنی کوششوں پر توجہ مرکوز رکھنی چاہیے اور اس بات پر بھروسہ رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں وہ عطا فرمائے گا جو ان کے لیے بہتر ہے۔

منیٰ میں خطبہ

صحیح علم پر گزرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایام منیٰ میں خطبہ دیا۔ ان کی ایک بات یہ تھی کہ حاضر اور سننے والے غیر حاضر ہونے والوں کو اطلاع دیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 280 میں بحث کی گئی ہے۔

معاشرے میں اسلام کی بیداری پھیلاتے وقت یہ یقینی بنانا ضروری ہے کہ صحیح علم کی منتقلی ہو۔ بصورت دیگر جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 206 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ کسی شخص کو نہ صرف غلط علم دینے پر سزا دی جائے گی بلکہ یہ سزا اس لحاظ سے بڑھ جائے گی کہ کتنی تعداد میں۔ لوگ اس پر عمل کرتے ہیں. بدقسمتی سے اس حدیث کو عام طور پر نظر انداز کیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں غیر معتبر اور غلط علم پھیلتا ہے۔ صحیح علم کی کمی کفر کا دروازہ کھول سکتی ہے۔ مثال کے طور پر، کچھ لوگ ہر اس چیز کو بدعت یا شرک کا لیبل لگاتے ہیں جسے وہ نہیں سمجھتے۔ یہاں تک کہ وہ صحیح مسلم نمبر 216 میں پائی جانے والی حدیث کو سمجھے بغیر مسلمانوں کو خوشی سے مرتد قرار دیتے ہیں۔ یہ واضح طور پر متنبہ کرتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان پر کفر کا جھوٹا الزام لگاتا ہے تو الزام لگانے والا اپنا ایمان کھو دیتا ہے۔ جہالت شیطان کے ہتھیاروں میں سے ایک ہتھیار ہے اور اس کو پھیلانے سے پہلے کسی معتبر عالم سے صحیح علم حاصل کر کے ہی اس سے بچ سکتا ہے۔ باب 39 از زمر، آیت 9:

"کہو، "کیا جاننے والے برابر ہیں جو نہیں جانتے؟..."

ضرر سے بچو

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایام منیٰ میں خطبہ دیا۔ ان کی ایک بات یہ تھی کہ مسلمان کا خون اور مال مقدس ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 280 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک مسلمان اس حکم کو دوسروں کے ساتھ سلوک کر کے پورا کر سکتا ہے جیسا کہ وہ خود چاہتا ہے کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں۔ صحیح بخاری نمبر 13 میں موجود حدیث کے مطابق یہ درحقیقت ایک سچے مومن کی نشانی ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس خصوصیت کو اپنانے میں ناکام رہے تو اپنا ایمان ختم کر دے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو گا جب تک وہ اس نصیحت پر عمل نہ کرے۔ یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ مسلمان اس وقت تک اپنا ایمان مکمل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے بھی وہ چیز ناپسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے ناپسند کرتا ہے۔ اس کی تائید صحیح مسلم نمبر 6586 میں موجود ایک اور حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ نصیحت کرتی ہے کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کے ایک حصے میں درد ہو تو باقی جسم درد میں شریک ہوتا ہے۔ اس باہمی احساس میں دوسروں کے لیے محبت اور نفرت شامل ہے جو کوئی اپنے لیے پسند کرتا ہے اور نفرت کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو یہ درجہ تبھی حاصل ہو سکتا ہے جب اس کا دل بُری خصلتوں سے پاک ہو، جیسے حسد۔ یہ بُری خصلتیں انسان کو ہمیشہ اپنے لیے بہتر کی خواہش کا باعث بنتی ہیں۔ پس درحقیقت یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو اچھی خصلتوں کو اپنا کر اپنے دل کو پاک کرنا چاہیے جیسا کہ معاف کرنے والا ہونا اور حسد جیسی بری خصلتوں کو ختم کرنا چاہیے۔ یہ صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ہی ممکن ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دوسروں کے لیے بھلائی کی خواہش کرنا انھیں اچھی چیزوں سے محروم کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے خزانے کی کوئی حد نہیں اس لیے خود غرضی اور لالچی ذہنیت اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔

دوسروں کے لیے بھلائی کی خواہش میں دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جذباتی مدد، اسی طرح ایک شخص چاہتا ہے کہ دوسروں کی ضرورت کے وقت ان کی مدد کریں۔ اس لیے اس محبت کو صرف الفاظ سے نہیں بلکہ عمل سے ظاہر کرنا چاہیے۔ یہاں تک کہ جب کوئی مسلمان برائی سے منع کرتا ہے اور ایسی نصیحت کرتا ہے جو دوسروں کی خواہش کے خلاف ہو تو اسے نرمی سے اس طرح کرنا چاہئے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے اسے نرمی سے نصیحت کریں۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، زیر بحث اہم حدیث ان تمام برے خصلتوں کو ختم کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے جو باہمی محبت اور نگہداشت سے متصادم ہوں، جیسا کہ حسد۔ حسد اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی خاص نعمت کا مالک ہونا چاہتا ہے جو صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب اسے کسی اور سے چھین لیا جائے۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب کردہ نعمتوں کی تقسیم کے لیے براہ راست چیلنج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کبیرہ گناہ ہے اور حسد کرنے والے کی نیکیوں کو برباد کرنے کا باعث ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اگر ایک مسلمان دوسرے کے پاس حلال چیزوں کی خواہش رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ وہ اسے وہی چیز عطا کرے جو دوسرے شخص کو ضائع نہ ہو۔ نعمت .اس قسم کی حسد جائز ہے اور مذہب کے پہلوؤں میں قابل تعریف ہے۔ صحیح مسلم نمبر 1896 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت کی ہے کہ مسلمانوں کو صرف اس دولت مند سے حسد کرنا چاہئے جو اپنی دولت کا صحیح استعمال کرے۔ اور ایک ایسے علم والے سے رشک کریں جو اپنے علم کو اپنے اور دوسروں کے فائدے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو نہ صرف دوسروں کے لیے دنیاوی نعمتوں کے حصول کے لیے محبت کرنی چاہیے بلکہ ان کے لیے دونوں جہانوں میں دینی برکات حاصل کرنے کے لیے بھی محبت کرنی چاہیے۔ درحقیقت جب کوئی دوسروں کے لیے یہ خواہش کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے احکام کی تعمیل کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اسلام میں اس قسم کے صحت مند مقابلے کا خیر مقدم کیا گیا ہے۔ باب المطففین، آیت 26 83:

"تو اس کے لیے حریفوں کو مقابلہ کرنے دیں۔..."

یہ حوصلہ افزائی ایک مسلمان کو اپنے کردار میں کسی بھی خامی کو تلاش کرنے اور اسے دور کرنے کے لیے اپنا جائزہ لینے کی ترغیب دے گی۔ جب یہ دونوں عناصر معنی کو یکجا کرتے ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کرتے ہیں، اور کردار کو پاک کرتے ہیں تو یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کا باعث بنتا ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں سے محبت کا دعویٰ نہ صرف زبانی طور پر کرے بلکہ اپنے عمل سے ظاہر کرے۔ امید ہے کہ جو اس طرح دوسروں کی فکر کرتا ہے اسے دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی فکر حاصل ہوگی۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 1930 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

سنو اور اطاعت کرو

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایام منیٰ میں خطبہ دیا۔ اس نے مسلمانوں کو جو کام کرنے کی تاکید کی ان میں سے ایک یہ تھا کہ وہ اپنے کمانڈر کو سنیں اور اس کی اطاعت کریں جس نے ان کی سماجی حیثیت سے قطع نظر قرآن پاک کے ذریعے ان کی رہنمائی کی، جیسے کہ غلام۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 282-283 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام معاشرے کے قائدین کے لیے اخلاص ہے۔ اس میں انہیں بہترین مشورے کی پیشکش کرنا اور ان کے اچھے فیصلوں میں کسی بھی ضروری طریقے سے مدد کرنا شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جسمانی مدد۔ امام مالک کی موطا، کتاب نمبر 56، حدیث نمبر 20 میں موجود ایک حدیث کے مطابق اس فرض کو ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ باب 4 النساء آیت 59:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہیں..."

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاشرے کے سربراہان کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں اگر یہ خالق کی نافرمانی کا باعث بنے۔ اس طرح کے معاملات میں لیڈروں کے خلاف بغاوت کرنے سے گریز کیا جانا چاہیے کیونکہ اس سے صرف معصوم لوگوں کا ہی نقصان ہوتا ہے۔ اس کے بجائے قائدین کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی سے نیکی اور برائی سے منع کرنا چاہیے۔ دوسروں کو اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کرنی چاہیے اور ہمیشہ راہنماؤں سے صحیح راستے پر چلنے کی دعا کرنی چاہیے۔ لیڈر سیدھے رہیں گے تو عوام بھی سیدھے رہیں گے۔

لیڈروں کے ساتھ دھوکہ کرنا منافقت کی علامت ہے جس سے ہر وقت بچنا چاہیے۔ اخلاص میں ان معاملات میں ان کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے جو معاشرے کو بھلائی پر اکٹھا کرتے ہیں اور ہر اس چیز سے تنبیہ کرتے ہیں جو معاشرے میں خلل پیدا کرے۔

خاندانی تعلقات

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایام منیٰ میں خطبہ دیا۔ اس نے مسلمانوں سے ایک کام کرنے کی تاکید کی تھی کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے ان پر جو حقوق رکھتے ہیں اسے خاص طور پر اپنی ماں، باپ، بہن، بھائی اور پھر اگلے قریبی رشتہ داروں کو درج کر کے پورا کریں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 284 میں بحث کی گئی ہے۔

رشتہ داری کو برقرار رکھنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے جسے اگر کوئی کامیابی چاہتا ہے تو اسے دونوں جہانوں میں ایمان کی حقیقی نشانی یہ نہیں ہے کہ سارا دن مسجد میں ترک نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی ہے۔ مخلوق کے سب سے اہم حقوق میں سے ایک رشتہ داری کو برقرار رکھنا ہے۔ کوئی کو دھوکہ نہیں دے سکتا لیکن اللہ تعالیٰ شخص اسلامی لباس پہن کر تقویٰ کا دعویٰ کر سکتا ہے تاریخ کے اوراق ہمیشہ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں نے رشتہ ۔ جب کوئی مڑتا ہے۔ داریوں کو نبھایا۔ یہاں تک کہ جب ان کے رشتہ داروں نے ان کے ساتھ بدسلوکی کی تب بھی انہوں نے مہربانی سے جواب دیا۔ باب 41 فصیلات، آیت 34:

اور اچھے اور برے کام برابر نہیں ہیں۔ برائی کو اس]عمل [سے دفع کرو جو بہتر ہو۔ پھر جس" کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ گویا ایک مخلص دوست ہو گا۔

صحیح مسلم نمبر 6525 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص رشتہ داریوں کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے لیے ہمیشہ اس کی مدد کرتا ہے خواہ اس کے رشتہ دار مشکلات کا شکار ہوں۔.

مومن مخلص اچھائی کا جواب اچھائی سے دینا کوئی خاص بات نہیں جبکہ برائی کا اچھا جواب دینا کوئی زیادہ تر معاملات میں، جب کی نشانی ہے۔ سابقہ رویہ جانوروں میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ میں کسی جانور کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے تو اس کے بدلے میں پیار واپس آتا ہے۔ صحیح بخاری برقرار نمبر 5991 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ رشتہ داری کو صحیح معنوں میں حضور نبی رکھنے والا وہ ہے جو رشتہ داروں سے قطع تعلق کرتے ہوئے بھی رشتہ قائم رکھے۔ اکثر رشتہ داروں کی طرف سے لیکن اپنے اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل دہشت زدہ تھے۔ اس نے ہمیشہ ان کے ساتھ شفقت کا مظاہرہ کیا۔

یہ بات عام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے بغیر کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ لیکن صحیح بخاری نمبر 5987 میں موجود ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اعلان کیا ہے کہ جو شخص دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داریاں توڑے گا اس سے وہ رشتہ توڑ دے گا۔ ذہن میں عبادات کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کی جیسی فرض نماز رکھو، یہ قطع نظر سچ ہے ادائیگی کے لیے کتنی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی مسلمان سے رشتہ منقطع کر دے تو وہ اس کا قرب اور ابدی کامیابی کیسے حاصل کر سکتا ہے؟

لوگوں کو موقع دینے اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں اللہ تعالیٰ عذاب میں تاخیر کرتا ہے۔ توبہ کرنا لیکن دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داری کو توڑنے کی سزا بہت کے لیے گناہوں کا جلد ملتی ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 4212 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

بدقسمتی سے آج دنیا میں تعلقات منقطع کرنے کا رواج عام دیکھا جاتا ہے۔ لوگ چھوٹی موٹی دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داریوں کو آسانی سے توڑ دیتے ہیں۔ وہ کسی بھی نقصان کو پہچاننے میں جو مادی دنیا میں ہوتا ہے وہ عارضی ہوتا ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق ناکام رہتے ہیں۔ منقطع ہو جائے تو دونوں جہانوں میں انہیں طویل مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

جب کوئی اپنے پیشے کے ذریعے وجہ جو اسلامی معاشرے میں عام طور پر دیکھی جاتی ہے۔ کی اعلیٰ سماجی مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ انہیں اپنے رشتہ داروں کو ترک کرنے کی ترغیب دیتا جیسا کہ انہیں یقین ہے کہ وہ اب ان کے ساتھ بات چیت کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اپنی دولت ہے۔ حیثیت سے ان کی محبت انہیں بے حیائی کے دروازے پر دھکیل دیتی ہے جو انہیں سماجی اور صرف ان سے ان کی دولت چھیننا چاہتے ہیں۔ یقین دلاتی ہے کہ ان کے رشتہ دار

،قرآن کریم بتاتا ہے کہ ان بندھنوں کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔ باب 4 النساء آیت 1:

اور اس اللہ سے ڈرو جس کے ذریعے تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رحم سے۔ بے شک" "اللہ تم پر ہمیشہ دیکھنے والا ہے۔

برقرار رکھے بغیر تقویٰ یہ آیت بھی واضح طور پر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رشتہ داری کو وہ اسے زیادہ عبادت کے ذریعے حاصل کر سکتے تو جو لوگ ایمان لائے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اپنے رویے کو بدلنا چاہیے۔ اور روزے غلط ثابت ہوئے ہیں ہیں۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کی ان معاملات میں مدد کر کے تمام رشتہ داریوں کو برقرار رکھیں جو جب بھی اور جہاں بھی ممکن ہو اچھے ہوں۔ انہیں ایک تعمیری ذہنیت معاشرے کے فائدے کی بجائے رشتہ داروں کو متحد کرتا ہے۔ جو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے سنن ابوداؤد نمبر 4919 میں ایک تباہ کن ذہنیت جو صرف خاندانوں میں تقسیم کا باعث بنتی ہے۔ موجود ایک حدیث کے مطابق لوگوں میں تفرقہ ڈالنا تباہی کا باعث بنتا ہے۔

رشتہ توڑنے والوں پر قرآن پاک میں لعنت کی گئی ہے۔ باب 47 محمد، آیات 22-23:

تو کیا تم اگر منہ موڑو گے تو زمین میں فساد برپا کرو گے اور اپنے تعلقات کو توڑ دو گے؟]ایسا’’ ‘‘کرنے والے [وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے۔

دنیا میں یا آخرت اور اس کی رحمت سے محروم ہوں تو اللہ تعالیٰ کی لعنت میں گھرے ہوئے ہوں میں کوئی اپنی جائز خواہشات کیسے حاصل کرسکتا ہے ؟

حکم نہیں دیتا اور نہ ہی یہ ان اپنے رشتہ داروں کی کفالت میں اپنی وسعت سے تجاوز کرنے کا سے یہ کہتا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے لیے اللہ تعالیٰ کی حدود کو قربان کر دیں کیونکہ اگر خالق کی نافرمانی اس کی تصدیق سنن ابوداؤد اس کا مطلب ہے تو مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔ نمبر 2625 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا کبھی بھی اپنے رشتہ داروں کو برائیوں میں اپنے رشتہ داروں کو نیکی کا ایک مسلمان کو چاہئے ، شامل نہیں کرنا چاہیے۔ اس صورت میں کا احترام کرتے ہوئے انہیں برائی سے نرمی سے روکیں۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2 حکم دیں اور ان:

‘‘اور نیکی اور پرہیزگاری میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔ ’’

اللہ کی رضا حاصل کیا جاتا ہے۔ کے ذریعہ رشتہ داری کو برقرار رکھنے والے بے شمار فوائد کے لیے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو بندہ جوڑتا ہے اس کے رزق میں اور ان کی زندگی میں اضافی فضل ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 1693 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا رزق خواہ .اور جسم سکون ملے گا۔ ہی کم کیوں نہ ہو ان کے لیے کافی ہو گا اور اس سے انہیں ذہنی کتنا زندگی میں فضل کا مطلب ہے کہ وہ اپنے تمام دینی اور دنیاوی فرائض کو پورا کرنے کے لیے مسلمان اپنی ساری زندگی اور مال حاصل کرنے کی کوشش میں وقت نکالیں گے۔ یہ دو نعمتیں ہیں۔ صرف کرتے ہیں لیکن بہت سے لوگ اس بات کو پہچاننے میں ناکام رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان رشتہ داریوں کو برقرار رکھنے میں دونوں کو رکھا ہے۔

کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں ہے رشتہ داریاں نبھانا اس قدر ضروری رشتہ داروں کے ساتھ بھی اس اہم فرض کو پورا کریں ۔ اس کی تلقین اپنے غیر مسلم کو حکم دیا۔ کرنے والی ایک حدیث صحیح مسلم نمبر 2324 میں موجود ہے۔

شیطان کے پھندے میں سے ایک یہ ہے کہ وہ رشتہ داروں اور معاشرے میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتا اور سماجی تقسیم .اس کا حتمی مقصد اسلام کو بحیثیت قوم ہے جس سے خاندان ٹوٹ جاتے ہیں۔ کمزور کرنا ہے۔ بدقسمتی سے، کچھ لوگ رنجشوں کو پناہ دینے کے لیے بدنام ہو گئے ہیں جو کئی اور نسل در نسل منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ ایک شخص دہائیوں تک کسی تک جاری رہتے ہیں دہائیوں ان سے دوبارہ کبھی وہ رشتہ دار کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا لیکن ایک غلطی اور دلیل کے بعد بات نہیں کرے گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6526 میں ہے کہ ایک مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ تعلقات منقطع رکھنا ناجائز ہے۔ اگر غیر رشتہ داروں سے رشتہ توڑنے کا یہ حکم ہے تو کیا رشتہ داروں سے رشتہ توڑنے کی سنگینی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟ صحیح بخاری نمبر 5984 میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ یہ سوال وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا ہے کہ جو شخص کسی رشتہ دار سے دنیوی وجوہات کی بناء پر تعلق توڑے گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

اس اہم موضوع پر بحث کرنے والی آیات و احادیث پر غور کرنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ اگر اللہ عشرہ کے گناہوں کے بعد بھی اپنے دروازے بند نہیں کرتا اور لوگوں کے ساتھ اپنے سرور کا واسطہ نہیں رکھتا تو لوگ چھوٹی دنیا میں اپنے رشتہ داروں سے اتنی آسانی سے کیوں منہ موڑ لیتے ہیں۔ مسائل؟ اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے ان کے تعلق کو برقرار رکھنا چاہتا ہے تو اسے تبدیل ہونا چاہیے۔

منافقت کی ایک شاخ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایام منیٰ میں خطبہ دیا۔ ان کی باتوں میں سے ایک بات یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی غلطیوں سے درگزر کر سکتا ہے سوائے اس شخص کے جو کسی مسلمان سے قرض کی ادائیگی نہ کرنے کی نیت سے مال لے۔ اس شخص کو بہت بڑا مسئلہ ہے اور وہ برباد ہو چکا ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 284 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ وعدہ خلافی منافقت کا ایک پہلو ہے۔

ایک مسلمان کا سب سے بڑا وعدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، جو اس کی سچی اطاعت کرنا ہے۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ لوگوں کے ساتھ کیے گئے دیگر تمام وعدوں کو بھی برقرار رکھا جانا چاہیے جب تک کہ کسی کے پاس کوئی معقول عذر نہ ہو، خاص طور پر جو والدین بچوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ وعدوں کی خلاف ورزی بچوں کو صرف برے کردار کی تعلیم دیتی ہے اور انہیں یہ ماننے کی ترغیب دیتی ہے کہ دھوکے باز ہونا ایک قابل قبول خصوصیت ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2227 میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ جو اس کے نام وعدہ کرے اور پھر بغیر کسی عذر کے اسے توڑ دے وہ اس کے خلاف ہو گا۔ جس کے خلاف اللہ تعالیٰ ہے وہ قیامت کے دن کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟

اللہ پر بھروسہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایام منیٰ میں خطبہ دیا۔ ان کی ایک بات یہ تھی کہ کوئی بیماری ایسی نہیں جس کا علاج اللہ تعالیٰ نے نہ کیا ہو سوائے بڑھاپے کے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 284 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کی ایک شاخ کی طرف اشارہ کرتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حلال اسباب پیدا کیے ہیں ان کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا۔ دوسری شاخ اس بات پر پختہ یقین رکھتی ہے کہ کسی بھی صورت حال کا نتیجہ، جسے اللہ تعالیٰ نے منتخب کیا ہے، اس میں شامل تمام لوگوں کے لیے بہترین ہے، چاہے کوئی اس انتخاب کے پیچھے موجود حکمتوں کا مشاہدہ کرنے میں ناکام رہے۔

جامع ترمذی نمبر 2344 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اگر لوگ واقعی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں تو وہ ان کو اسی طرح رزق دے گا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے۔ وہ اپنے گھونسلے صبح بھوکے چھوڑتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر واقعی بھروسہ وہ چیز ہے جو دل میں محسوس ہوتی ہے لیکن اعضاء سے ثابت ہوتی ہے، یعنی جب کوئی اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتا ہے، اس کے احکام کو بجا لا کر اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 3:

اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہے‘‘۔’’

توکل کا وہ پہلو جو داخلی ہے اس میں پختہ یقین رکھنا شامل ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے اور دنیاوی اور دینی معاملات میں نقصان دہ چیزوں سے بچا سکتا ہے۔ ایک مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی کو دے سکتا ہے، روک سکتا ہے، نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر صحیح معنوں میں بھروسہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اسباب مہیا کیے ہیں، مثلاً دوا استعمال کرنا چھوڑ دے۔ جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں واضح طور پر ذکر ہے کہ پرندے اپنے گھونسلے چھوڑ کر رزق کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ طاقت اور اسباب کو استعمال کرتا ہے تو وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق بلاشبہ اس کی اطاعت کرتا ہے۔ یہ دراصل اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا ظاہری عنصر ہے۔ یہ بات بہت سی آیات اور احادیث میں واضح ہو چکی ہے۔ باب 4 النساء، آیت 71:

‘‘اے ایمان والو احتیاط کرو۔’’

درحقیقت ظاہری عمل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باطنی کیفیت ہے۔ ظاہری روایت کو نہیں چھوڑنا چاہیے خواہ وہ باطنی اعتبار کا مالک ہو۔

اعمال اور اللہ کی طرف سے فراہم کردہ ذرائع کا استعمال، اس پر بھروسہ کرنے کا ایک پہلو ہے۔ اس سلسلے میں اعمال کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے اطاعت کے وہ اعمال ہیں جن کا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حکم دیتا ہے تاکہ وہ جہنم سے بچ سکیں اور جنت حاصل کر

سکیں۔ ان باتوں کو چھوڑ دینا یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے گا، محض خواہش مندانہ سوچ ہے اور اس لیے قابل ملامت ہے۔

دوسری قسم کے اعمال وہ اسباب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں لوگوں کے لیے اس لیے بنائے ہیں کہ وہ اس میں محفوظ رہیں، جیسے کہ بھوک کے وقت کھانا پینا، پیاس لگنے پر پینا اور سرد موسم میں گرم کپڑے پہننا۔ جو شخص ان کو ترک کر کے اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے وہ قابل ملامت ہے۔ البتہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے خاص قوت عطا کی ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو نقصان پہنچائے بغیر ان ذرائع سے بچ سکیں۔ مثال کے طور پر، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر کسی وقفے کے دنوں کے روزے رکھتے تھے لیکن دوسروں کو اس طرح کرنے سے منع کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بغیر خوراک کی ضرورت کے براہ راست مہیا کیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1922 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوتھے سیدنا خلیفہ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے خلاف نہ ہوں۔ ضرورت سے زیادہ سردی یا گرمی محسوس کرنا۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 117 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ان ذرائع سے منہ موڑ لے لیکن اسے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے فرائض میں کوتاہی کے بغیر صبر کرنے کی طاقت دی جائے تو یہ قابل قبول ہے۔ دوسری صورت میں یہ قابل الزام ہے.

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے سلسلے میں تیسری قسم کے اعمال وہ چیزیں ہیں جو ایک رسم کے طور پر مقرر کی گئی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بعض اوقات بعض لوگوں کے لیے توڑ دیتا ہے۔ اس کی مثال وہ لوگ ہیں جو بغیر دوا کے بیماری سے شفا پاتے ہیں۔ یہ خاص طور پر غریب ممالک میں کافی عام ہے جہاں دوائی حاصل کرنا مشکل ہے۔ اس کا تعلق سنن ابن ماجہ نمبر 2144 میں موجود ایک حدیث سے ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ اپنے لیے مختص کیے گئے ہر اونس کو استعمال نہ کر لے جو کہ صحیح مسلم کی ایک اور حدیث نمبر 6748 کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے۔ لہٰذا جو شخص اس حدیث کو صحیح معنوں میں سمجھتا ہے وہ شاید یہ جانتے ہوئے بھی رزق تلاش نہ کرے کہ جو کچھ ان کے لیے بہت پہلے مختص کیا گیا تھا وہ ان سے محروم نہیں ہو سکتا۔ پس اس شخص کے لیے رزق حاصل کرنے کا رواج جیسا کہ نوکری کے ذریعے حاصل کرنا اللہ تعالیٰ نے توڑ دیا ہے۔ یہ ایک اعلیٰ اور نادر درجہ ہے۔ صرف وہی شخص جو اس طرح کا رویہ اختیار کر سکتا ہے بغیر کسی شکایت یا گھبراہٹ کے اور نہ ہی لوگوں سے کسی چیز کی توقع رکھے اگر وہ یہ راستہ اختیار کرتا ہے۔ غور طلب ہے کہ حضور نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 1692 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ گناہ ہے کہ وہ اپنے کفیلوں کی کفالت میں کوتاہی کرے۔ وہ اس اعلیٰ عہدے پر ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ پر حقیقی بھروسہ، تقدیر پر راضی ہونے کا باعث بنتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے جو کچھ بھی منتخب کرتا ہے وہ بغیر شکایت اور تبدیلی کی خواہش کے بغیر قبول کرتا ہے کیونکہ انہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔
باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے بہتر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کی پیروی کی جائے، حلال ذرائع کے استعمال سے کسی کو یہ یقین دلایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، اور باطنی اعتبار سے صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ کیا گیا ہے۔ عالی مقام، فیصلہ کرے گا، جو بلاشبہ ہر فرد کے لیے بہترین انتخاب ہے چاہے وہ اس کا مشاہدہ کرے یا نہ کرے۔

آپس میں لڑنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ان ایام میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا۔ ان کی ایک بات یہ تھی کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مار کر دوبارہ کفر کی طرف نہ جائیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 284 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6541 میں موجود ایک حدیث میں معاشرے کے اندر اتحاد پیدا کرنے کے بعض پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے حسد نہ کرنے کی تلقین کی۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اس نعمت کو حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہے جس کا کوئی دوسرا معنی رکھتا ہے، وہ اس نعمت سے محروم ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ اور اس میں اس حقیقت کو ناپسند کرنا شامل ہے کہ مالک کو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے یہ نعمت دی تھی۔ کچھ صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے بغیر ان کے عمل یا تقریر کے ذریعہ۔ اگر وہ اپنی سوچ اور احساس کو ناپسند کرتے ہیں تو امید کی جاتی ہے کہ ان کی حسد کی وجہ سے ان کا احتساب نہیں کیا جائے گا۔ بعض اپنے قول و فعل سے کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے سے نعمت چھین لیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ بدترین قسم وہ ہے جب کوئی شخص نعمت کو مالک سے دور کرنے کی کوشش کرے خواہ حسد کرنے والے کو نعمت نہ ملے۔

حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہ کرے، ان کے احساس کو ناپسند کرے اور اگر وہ اس جیسی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کے پاس موجود نعمت کو کھوئے بغیر اس کے مالک کی طرف سے کوئی نعمت حاصل نہ ہو۔ اگر چہ یہ قسم گناہ گار نہیں ہے پھر بھی یہ ناپسندیدہ ہے اگر حسد کسی دنیوی نعمت پر ہو اور صرف اس صورت میں قابل تعریف ہے جب اس میں دینی نعمت شامل ہو۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 میں ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی

ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ جب کوئی شخص حلال مال حاصل کرنے اور خرچ کرنے والے سے حسد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی شخص اس شخص سے حسد کرتا ہے جو اپنی حکمت اور علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔

حسد کی بری قسم، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، براہ راست اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ حسد کرنے والا ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے کسی اور کو خاص نعمت دے کر غلطی کی ہو۔ اس لیے یہ کبیرہ گناہ ہے۔ درحقیقت جیسا کہ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ لہٰذا ایک غیرت مند مسلمان کو چاہیے کہ وہ جس شخص سے حسد کرتے ہیں اس کے ساتھ حسن سلوک اور مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کرے، جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہاں تک کہ ان کی حسد ان کے لیے محبت بن جائے۔

ایک اور چیز جو شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں نصیحت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے نفرت نہ کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو صرف اسی صورت میں ناپسند کرنا چاہئے جب اللہ تعالیٰ اسے ناپسند کرے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث میں اسے ایمان کی تکمیل کے پہلو کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو اپنی خواہشات کے مطابق چیزوں یا لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی اپنی خواہشات کے مطابق دوسرے کو ناپسند کرتا ہے تو اسے کبھی بھی اپنے قول و فعل پر اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہیے کیونکہ یہ گناہ ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسرے کے ساتھ اسلام کی تعلیمات کے مطابق احترام اور مہربانی کے ساتھ سلوک کرتے ہوئے احساس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ دوسرے لوگ بالکل اسی طرح کامل نہیں ہیں جس طرح وہ کامل نہیں ہیں۔ اور اگر دوسروں میں کوئی بری خصلت ہے تو وہ بھی بلاشبہ اچھی صفات کے

مالک ہوں گے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرے کہ وہ اپنی برائیاں چھوڑ دیں لیکن ان میں جو اچھی صفات ہیں ان سے محبت کرتے رہیں۔

اس موضوع پر ایک اور نکتہ بیان کرنا ضروری ہے۔ ایک مسلمان جو کسی خاص عالم کی پیروی کرتا ہے جو کسی مخصوص عقیدے کی حمایت کرتا ہے اسے متعصب کی طرح کام نہیں کرنا چاہئے اور اپنے عالم کو ہمیشہ صحیح ماننا چاہئے اس لئے ان لوگوں سے نفرت کرنا چاہئے جو ان کے علماء کی رائے کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز/کسی کو ناپسند کرنے والا نہیں ہے۔ جب تک علماء کے درمیان جائز اختلاف موجود ہے ایک مسلمان کو کسی خاص عالم کی پیروی کرنا چاہئے اور اس کا احترام کرنا چاہئے اور دوسرے لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہئے جو اس کے ماننے والے عالم سے مختلف ہوں۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے منہ نہ پھیریں۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں دنیاوی مسائل پر دوسرے مسلمانوں سے تعلقات منقطع نہیں کرنے چاہئیں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کی حمایت سے انکار کر دینا چاہیے۔ صحیح بخاری نمبر 6077 میں موجود حدیث کے مطابق ایک مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ تعلق منقطع رکھنا ناجائز ہے۔ درحقیقت کسی دنیوی مسئلہ میں ایک سال سے زائد عرصہ تک تعلقات منقطع کرنے والا دوسرے مسلمان کو قتل کرنے والے کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4915 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ دوسروں کے ساتھ تعلقات منقطع کرنا صرف ایمان کے معاملات میں جائز ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کو خلوص دل سے توبہ کرنے کی تلقین کرتے رہنا چاہیے اور صرف اس صورت میں ان کی صحبت سے گریز کرنا چاہیے جب وہ بہتر کے لیے تبدیلی سے انکار کر دیں۔ جب بھی ان سے ایسا کرنے کی درخواست کی جائے تو انہیں حلال چیزوں میں ان کا ساتھ دینا چاہیے کیونکہ یہ احسان مندانہ عمل انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔

زیر بحث مرکزی حدیث میں ایک اور بات کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے جب وہ اس حدیث میں دی گئی سابقہ نصیحت پر عمل کریں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسرے مسلمانوں کے تئیں اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کریں، جیسے کہ بھلائی کے معاملات میں دوسروں کی مدد کرنا اور برائیوں سے خبردار کرنا۔ باب 5 المائدة، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

صحیح بخاری نمبر 1240 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمانوں کے درج ذیل حقوق ادا کرنے چاہئیں :وہ سلام کا جواب دینا، بیماروں کی عیادت کرنا، ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا اور ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا۔ چھینکنے والا جو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو وہ تمام حقوق سیکھنے اور پورے کرنے چاہئیں جو دوسرے لوگوں خصوصاً دوسرے مسلمانوں کے ان پر ہیں۔

زیر بحث اہم حدیث میں ایک اور بات کا ذکر ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرنا چاہیے، اسے ترک نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی اس سے نفرت کرنی چاہیے۔ انسان کے گناہوں سے نفرت ہونی چاہیے لیکن گناہ گار ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کسی بھی وقت صدق دل سے توبہ کر لے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4884 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کو ذلیل کرے گا اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل کرے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کو ذلت سے بچاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے گا۔

شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں مذکور منفی خصوصیات اس وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب کوئی شخص غرور اختیار کر لے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث کے مطابق تکبر اس وقت ہوتا ہے جب انسان دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔ مغرور شخص خود کو کامل دیکھتا ہے جبکہ دوسروں کو نامکمل دیکھتا ہے۔ یہ انہیں دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے روکتا ہے اور دوسروں کو ناپسند کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

ایک اور بات جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ حقیقی تقویٰ انسان کی ظاہری شکل و صورت میں نہیں ہے جیسا کہ خوبصورت لباس پہننا، بلکہ یہ ایک باطنی صفت ہے۔ یہ باطنی خصلت ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اسی لیے صحیح مسلم کی حدیث نمبر 4094 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب روحانی قلب پاک ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے لیکن جب روحانی قلب فاسد ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے۔ کرپٹ ہو جاتا ہے .یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری صورتوں مثلاً مال و دولت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی نیتوں اور اعمال پر غور کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6542 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے باطنی تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرے .تاکہ یہ ظاہری طور پر اس طرح ظاہر ہو جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعامل کرتے ہیں۔ تخلیق

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے بغض رکھنا گناہ ہے۔ اس نفرت کا اطلاق دنیاوی چیزوں پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر دوسروں کو ناپسند نہیں کرنا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور بغض رکھنا ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو ہر حال میں دوسروں کا احترام کرنا چاہیے اور اس شخص سے نفرت کیے بغیر صرف ان کے گناہوں کو ناپسند کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ، ان کی ناپسندیدگی انہیں کبھی بھی اسلامی تعلیمات کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہیں کرے گی کیونکہ اس سے یہ ثابت ہو گا کہ ان کی نفرت ان کی اپنی خواہشات پر مبنی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ دنیاوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کو حقیر سمجھنے کی اصل وجہ تکبر ہے۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ایک ایٹم کا فخر کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس کے بعد جو بات اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کی جان، مال اور عزت سب مقدس ہیں۔ ایک مسلمان کو بغیر کسی جواز کے ان حقوق میں سے کسی کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ غیر مسلموں سمیت دیگر لوگوں کو ان کے شر سے محفوظ نہ رکھے۔ نقصان دہ تقریر اور اعمال .اور سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کی برائیوں کو دور رکھے۔ ان حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب

تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو قیامت کے دن انصاف قائم ہو گا جس کے تحت مظلوم کو ظالم کی نیکیاں ملیں گی اور ضرورت پڑنے پر مظلوم کے گناہ ظالم کو ملیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ یہ ایک فرد کے لیے بہت زیادہ برکتوں کا باعث بنے گا اور اس کے معاشرے میں اتحاد پیدا ہوگا۔

بچوں کی حفاظت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ان ایام میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا۔ ان کی ایک بات یہ تھی کہ مسلمان اپنے بچے کو نقصان نہ پہنچائے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 284-285 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1952 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ والدین اپنے بچے کو جو سب سے زیادہ نیک تحفہ دے سکتے ہیں وہ انہیں اچھے اخلاق سکھانا ہے۔

یہ حدیث مسلمانوں کو یاد دلاتی ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں جیسے کہ ان کے بچوں کے ایمان کے بارے میں زیادہ فکر مند رہیں، انہیں دولت اور جائیدادیں حاصل کرنے اور ان کو فراہم کرنے سے زیادہ۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دنیاوی ورثے آتے جاتے ہیں۔ کتنے امیر اور طاقتور لوگوں نے بڑی بڑی سلطنتیں صرف اس لیے بنائی ہیں کہ ان کے مرنے کے فوراً بعد انہیں توڑ دیا جائے اور انہیں بھلا دیا جائے۔ ان میں سے کچھ وراثت سے پیچھے رہ جانے والی چند نشانیاں صرف لوگوں کو ان کے نقش قدم پر نہ چلنے کی تنبیہ کرنے کے لیے پائی جاتی ہیں۔ ایک مثال فرعون کی عظیم سلطنت ہے۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اپنے بچوں کو سلطنت بنانے اور بہت زیادہ دولت اور جائیدادیں حاصل کرنے کا طریقہ سکھانے کے بارے میں اس قدر فکر مند ہیں کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت سکھانے میں کوتاہی کرتے ہیں، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ صبر اس میں اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے ساتھ حسن سلوک شامل ہے۔ ایک مسلمان کو یہ یقین کرنے میں بے وقوف نہیں بنایا جانا چاہئے کہ ان کے پاس اپنے بچوں کو اچھے اخلاق سکھانے کے لئے کافی وقت ہے کیونکہ ان کی موت کا لمحہ نامعلوم ہے اور اکثر غیر متوقع طور پر لوگوں پر حملہ کرتا ہے۔

اس کے علاوہ، جب بچے بڑے ہو جاتے ہیں اور اپنے طریقے پر قائم ہو جاتے ہیں تو انہیں اچھے اخلاق سکھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ آج وہ دن ہے جب ایک مسلمان کو واقعی اس تحفے پر غور کرنا چاہیے جو وہ اپنے بچوں اور رشتہ داروں کو دینا چاہتے ہیں۔ اس طرح ایک مسلمان آخرت کے لیے نیکی بھیجتا ہے لیکن نیک اولاد کی طرح اپنے پیچھے نیکی چھوڑ جاتا ہے جو اپنے فوت شدہ والدین کے لیے دعا کرتا ہے تو اس کے لیے فائدہ ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1376 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ امید ہے کہ اس طرح سے خیر میں گھرنے والے کو اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔

پیچھے ہٹیں اور اندازہ لگائیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ان ایام میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا۔ ان کی ایک بات یہ تھی کہ شیطان مایوس ہو گیا تھا کیونکہ عرب میں اب اس کی عبادت نہیں کی جائے گی لیکن مسلمان بعض ایسے کاموں میں اس کی اطاعت کریں گے جو ان کے نزدیک معمولی معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ اعمال شیطان کو خوش کرتے ہیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4 صفحہ 284-285 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ باب 29 العنکبوت آیت 38 سے مربوط ہے:

”اور شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال کو خوشنما بنا دیا تھا اور انہیں راستے سے روک دیا تھا“۔

جیسا کہ اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے کہ شیطان لوگوں کو گناہ کرنے اور غلط فیصلے کرنے کے لیے ان کے لیے غلط انتخاب کو خوبصورت بنا کر بے وقوف بناتا ہے۔ یہ ان حالات میں ہوتا ہے جب ایک شخص کو دو یا دو سے زیادہ اختیارات میں سے انتخاب کرنا چاہیے۔ یہ اس وقت بھی ہوتا ہے جب انتخاب حلال اور ناجائز اور یہاں تک کہ دو حلال اختیارات کے درمیان ہو۔ اگر شیطان کسی کو گناہ کی طرف رہنمائی نہیں کر سکتا تو وہ اسے کمتر اختیار کی طرف رہنمائی کرنے کی کوشش کرتا ہے، چاہے وہ حلال ہی کیوں نہ ہو، اس امید پر کہ یہ کسی قسم کے گناہ کا باعث بنے گا، جیسے کہ کوئی شخص زندگی اور تقدیر کے بارے میں شکایت کرتا ہے۔ شیطان کسی انتخاب کو اس کے ظاہری فائدے پر اس حد تک توجہ مرکوز کرنے کا باعث بناتا ہے کہ وہ بڑی تصویر اور انتخاب کے نتائج پر توجہ مرکوز کرنے سے محروم ہو جاتا ہے۔ ایک بالغ پھر ایک بچے کی طرح برتاؤ کرتا ہے جو اپنے اعمال کے نتائج پر غور کیے بغیر انتخاب کرتا ہے۔ یہ ایک اہم وجہ ہے جس کی وجہ سے لوگ گناہ کرتے ہیں۔ درحقیقت، اگر کوئی گناہوں کی سزا پر صحیح معنوں میں غور کرے تو وہ ان کا ارتکاب نہیں کرے گا۔

کچھ جو اس طرح کے حالات میں مدد کرتا ہے وہ ہے ذہنی طور پر ایک قدم پیچھے ہٹنا اور ان کے طویل مدتی فوائد اور نقصانات کا موازنہ کرکے اختیارات کا جائزہ لینا۔ صرف اس صورت میں جب کسی چیز کا حلال فائدہ نقصان سے زیادہ ہو جائے تو انسان کو آگے بڑھنا چاہیے۔ دوسری چیز جو مدد کرتی ہے وہ ہے ممکنہ اختیارات کے نتائج پر گہرائی سے غور کرنا۔ کچھ انتخاب جائز ہو سکتے ہیں لیکن اگر کوئی ان کے ساتھ آگے بڑھتا ہے تو یہ طویل مدت میں ان کی زندگی کو مشکل بنا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر، بعض اوقات لوگ کسی ایسے شخص کے ساتھ شادی میں جلدی کرتے ہیں جس سے وہ بظاہر محبت کرتے ہیں۔ وہ دیگر اہم پہلوؤں پر غور کرنے کے بجائے اپنے فیصلے کی بنیاد صرف اور صرف اپنے جذبات پر کرتے ہیں، مثلاً، اگر ان کا ممکنہ مستقبل کا شریک حیات ایک اچھا جیون ساتھی یا اچھا والدین بنائے گا اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ان کی مدد کرے گا۔ بہت سی شادیاں طلاق پر ختم ہو چکی ہیں کیونکہ جوڑے نے ممکنہ شادی کے طویل مدتی مضمرات پر غور نہیں کیا۔ بہت سے لوگ اکثر دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی شریک حیات شادی سے پہلے بہت مختلف تھی لیکن زیادہ تر معاملات میں وہ بالکل بھی نہیں بدلے ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ شادی سے پہلے انہوں نے ان کے ساتھ اتنا وقت نہیں گزارا تھا اس لیے انہوں نے کچھ ایسی خصوصیات کا مشاہدہ نہیں کیا جو شادی کے بعد ظاہر ہو گئیں۔

کچھ اکثر کارروائی میں جلدی کرتے ہیں اور بعد میں پچھتاوا ہوتے ہیں کیونکہ ان کے انتخاب نے انہیں مزید پریشانی کا سامنا کرنا پڑا اور بہت سے معاملات میں یہ مسئلہ پہلی جگہ کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ اس قسم کی کارروائی سے صرف اس صورت میں بچا جا سکتا ہے جب کوئی صورت حال پر غور کرے اور ایک قدم آگے بڑھانے کے وسیع تر اور طویل مدتی مضمرات اور نتائج کا مشاہدہ کرے۔

فیصلہ کرنے سے پہلے کسی کو صرف یہ اندازہ نہیں لگانا چاہیے کہ آیا کوئی چیز جائز ہے یا ناجائز۔ اگرچہ، یہ ابھی تک غور کرنے کی سب سے اہم چیز ہے، یہ واحد چیز نہیں ہے۔ جیسا کہ بہت سے جائز غلط انتخاب، جن کو شیطان نے خوبصورت بنایا ہے، زندگی میں مزید پریشانی کا باعث بن سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ کوئی بھی انتخاب کرنے سے پہلے ایک شخص کو ایک قدم پیچھے ہٹنا چاہیے اور قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی روشنی میں اس کے حلال ہونے اور اس کے ممکنہ طویل مدتی فوائد اور نقصانات پر گہرائی سے غور کرنا چاہیے۔ اس پر جو بھی اس طرح کام کرتا ہے وہ شاذ و نادر ہی غلط انتخاب کرے گا وہ بعد میں پچھتائے گا۔

غلط نہ کرو

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ان ایام میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا۔ ایک بات جو انہوں نے نصیحت کی وہ یہ ہے کہ مسلمان کو کوئی غلط کام نہیں کرنا چاہیے اور اس لیے ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 284-285 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2447 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ ظلم قیامت کے دن اندھیروں میں بدل جائے گا۔

اس سے بچنا بہت ضروری ہے کیونکہ جو لوگ اپنے آپ کو اندھیرے میں ڈوبے ہوئے پاتے ہیں ان کے جنت کا راستہ تلاش کرنے کا امکان نہیں ہے۔ صرف وہی لوگ کامیاب ہوں گے جنہیں رہنمائی کی روشنی فراہم کی جائے گی۔

جبر کئی شکلیں لے سکتا ہے۔ پہلی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کرنے میں ناکام رہتا ہے اور اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے۔ اگرچہ اس کا اللہ تعالیٰ کی لامحدود حیثیت پر کوئی اثر نہیں ہوتا لیکن اس سے انسان دونوں جہانوں میں تاریکی میں ڈوب جائے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4244 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جب بھی انسان کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے روحانی قلب پر ایک سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے۔ جتنا وہ گناہ کریں گے اتنا ہی ان کا دل تاریکی میں گھرے گا۔ یہ انہیں اس دنیا میں حقیقی رہنمائی کو قبول کرنے اور اس کی پیروی کرنے سے روک دے گا جو آخر کار اگلی دنیا میں اندھیروں کی طرف لے جائے گا۔ باب 83 المطففین، آیت 14:

"نہیں !بلکہ داغ ان کے دلوں پر چھا گیا ہے جو وہ کما رہے تھے۔"

ظلم کی اگلی قسم وہ ہے جب کوئی شخص اپنے جسم اور دیگر دنیاوی نعمتوں کی صورت میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی امانت کو پورا نہ کر کے اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔ جس میں سب سے بڑا ایمان ہے۔ اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے اس کی حفاظت اور مضبوطی ہونی چاہیے۔

ظلم کی آخری قسم وہ ہے جب کوئی دوسرے کے ساتھ بدسلوکی کرے۔ اللہ تعالیٰ ان گناہوں کو اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ مظلوم ان کو پہلے معاف نہ کر دے۔ چونکہ لوگ اتنے مہربان نہیں ہیں ایسا ہونے کا امکان نہیں ہے۔ پھر قیامت کے دن انصاف قائم ہو گا جہاں ظالم کے اعمال صالحہ اس کے مظلوم کو ملیں گے اور ضرورت پڑنے پر مظلوم کے گناہ مظلوم کو دیے جائیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ جیسا سلوک کرنا چاہتے ہیں لوگ کریں۔ ایک مسلمان کو ہر قسم کے ظلم سے بچنا چاہیے اگر وہ دنیا اور آخرت میں رہنمائی کا خواہاں ہے۔

ایک جسم

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ان ایام میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا۔ ان کی ایک بات یہ تھی کہ شیطان مایوس ہو چکا ہے کیونکہ عرب میں اب اس کی عبادت نہیں کی جائے گی لیکن پھر بھی وہ مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈالتا رہے گا۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 290 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6586 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کے کسی حصے میں درد ہو تو باقی جسم اس کے درد میں شریک ہوتا ہے۔

یہ حدیث، بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، اپنی زندگی میں اس قدر خودغرض نہ ہونے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اس طرح برتاؤ کرتی ہے کہ گویا کائنات ان کے اور ان کے مسائل کے گرد گھوم رہی ہے۔ شیطان ایک مسلمان کو اپنی زندگی اور اپنے مسائل پر اس قدر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ بڑی تصویر پر توجہ دینے سے محروم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ بے صبری کا باعث بنتا ہے اور وہ دوسروں سے غافل ہو جاتا ہے اور اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کرنے میں اپنا فرض ادا نہیں کرتا۔ ایک مسلمان کو یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے اور دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جہاں تک وہ کر سکتے ہیں۔ یہ مالی مدد سے آگے تک پھیلا ہوا ہے اور اس میں تمام زبانی اور جسمانی مدد شامل ہے جیسے کہ اچھا اور مخلصانہ مشورہ۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ خبروں کا باقاعدگی سے مشاہدہ کریں اور جو پوری دنیا میں مشکل حالات میں ہیں۔ یہ انہیں خودغرض بننے سے بچنے اور دوسروں کی مدد کرنے کی ترغیب دے گا۔ درحقیقت جس کو صرف اپنی فکر ہوتی ہے وہ جانور سے بھی کم تر ہے جیسا کہ وہ اپنی اولاد

کا خیال رکھتا ہے۔ درحقیقت ایک مسلمان کو عملاً اپنے خاندان سے بڑھ کر دوسروں کا خیال رکھتے ہوئے جانوروں سے بہتر ہونا چاہیے۔

اگرچہ ایک مسلمان دنیا کے تمام مسائل کو دور نہیں کر سکتا لیکن وہ اپنا کردار ادا کر سکتا ہے اور اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور توقع یہی ہے۔

ٹرسٹ کی ادائیگی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ان ایام میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا۔ ان کی ایک بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنی امانتوں کو پورا کرنا چاہیے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 291-292 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ امانتوں میں خیانت منافقت کا ایک پہلو ہے۔

اس میں وہ تمام امانتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی طرف سے ہیں۔ ہر نعمت اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے۔ ان امانتوں کو پورا کرنے کا واحد طریقہ نعمتوں کو اس طریقے سے استعمال کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ مزید برکات حاصل کریں گے کیونکہ یہ سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

لوگوں کے درمیان اعتماد کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ جسے کسی دوسرے کے سپرد کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ اس کا غلط استعمال نہ کرے اور مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ لوگوں کے درمیان سب سے بڑا اعتماد بات چیت کو خفیہ رکھنا ہے جب تک کہ دوسروں کو مطلع کرنے میں کوئی واضح فائدہ نہ ہو۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں اس کو اکثر نظر انداز کیا جاتا ہے۔

خطبہ غدیر خم

اسلام کے دو خزانے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ اس سے فارغ ہو کر مدینہ واپسی پر آپ نے غدیر خم میں خطبہ دیا۔ انہوں نے مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ ان دو خزانوں پر قائم رہیں جو وہ چھوڑے جا رہے ہیں، یعنی قرآن کریم اور ان کے خاندان، اللہ ان سے راضی ہیں۔ اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ قیامت کے دن اس کے آسمانی تالاب پر نہ پہنچ جائیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 301 میں بحث کی گئی ہے۔

امام منذری کی بیداری اور اندیشہ نمبر 30 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قرآن کریم قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس پر عمل کرتے ہیں انہیں قیامت کے دن جنت میں لے جایا جائے گا۔ لیکن جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس کو نظرانداز کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ یہ انہیں قیامت کے دن جہنم میں دھکیل دے گا۔

قرآن پاک ہدایت کی کتاب ہے۔ یہ محض تلاوت کی کتاب نہیں ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کے تمام پہلوؤں کو پورا کرنے کی کوشش کریں تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ پہلا پہلو اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا پہلو اسے سمجھنا ہے۔ اور آخری پہلو یہ ہے کہ اس کی تعلیمات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کیا جائے۔ ایسا سلوک کرنے والوں کو دنیا کی ہر مشکل سے راہنمائی اور قیامت کے دن اس کی شفاعت کی بشارت دی جاتی ہے۔ لیکن جیسا کہ اس حدیث سے متنبہ کیا گیا ہے کہ قرآن کریم صرف ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اس کے پہلوؤں پر صحیح طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس کی غلط تشریح کرتے ہیں اور دنیاوی چیزوں مثلاً شہرت حاصل کرنے کے لیے اپنی

خواہشات کے مطابق عمل کرتے ہیں، وہ قیامت کے دن اس صحیح ہدایت اور اس کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔ درحقیقت دونوں جہانوں میں ان کا مکمل نقصان اس وقت تک بڑھے گا جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

”اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔“

اس کے علاوہ یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے بلند مرتبہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

ان تمام لوگوں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقی محبت کی نشانی سے محبت کرنا جو اللہ عزوجل اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے لیے، خواہ یہ ان کے بارے میں کسی کی ذاتی رائے کے خلاف ہو۔ اس محبت میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے الفاظ کے ذریعے اور زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اپنے اعمال کے ذریعے محبت کا اعلان کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ بات سب پر ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہل بیت رضی اللہ عنہم، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور صالحین اس سچی محبت کے حامل تھے۔ پس ان میں سے ہر ایک سے محبت اس شخص پر فرض ہے جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرے۔ یہ بہت سی احادیث سے ثابت ہے جیسے کہ صحیح بخاری نمبر 17 میں موجود ہے۔ اس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مددگاروں سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ کے مقدس شہر کے رہنے والوں سے محبت ہے۔ ایمان کا حصہ اور ان سے نفرت منافقت کی نشانی ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3862 میں موجود ایک اور حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو واضح طور پر تنبیہ فرمائی ہے کہ وہ کسی بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید نہ کریں کیونکہ ان سے محبت کرنا اس کی علامت ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنا اور ان سے بغض رکھنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ تعالیٰ سے بغض رکھنے کی علامت ہے۔ یہ شخص اس وقت تک کامیاب نہیں ہو گا جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کرے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 143 میں موجود ایک حدیث میں اپنے مبارک گھر والوں کے بارے میں اسی طرح کا بیان فرمایا ہے۔

اگر کوئی مسلمان کسی ایسے مسلمان پر بلاجواز تنقید کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے تو اس سے ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی کمی ثابت ہوتی ہے۔ اگر کوئی مسلمان گناہ کرتا ہے تو دوسرے مسلمانوں کو اس گناہ سے نفرت کرنی چاہیے لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے پھر بھی گناہ گار مسلمان کے لیے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کی وجہ سے اس سے محبت رکھنا چاہیے۔ اس پر درود ہو۔ دوسروں سے محبت کرنے کی علامت ان کے ساتھ حسن سلوک اور احترام سے پیش آنا ہے۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جیسا وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو ان تمام لوگوں کو ناپسند کرنا چاہیے جو ان لوگوں کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، خواہ وہ شخص رشتہ دار ہو یا اجنبی۔ ایک مسلمان کے جذبات انہیں اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت کے اس نشان کو پورا کرنے سے کبھی نہیں روک سکتے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان کو نقصان پہنچائیں بلکہ ان پر واضح کر دیں کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں سے عداوت ناقابل قبول ہے۔ اگر وہ اس منحرف رویے پر قائم رہیں تو جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کر لیں ان سے الگ ہو جانا چاہیے۔

حفاظتی تقریر

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ مدینہ واپس آنے کے بعد آپ نے منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا۔ ان کی ایک بات یہ تھی کہ کسی کو اپنی تقریر سے مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچانا چاہئے اور اگر کوئی مسلمان مر جائے تو دوسرے ان کے بارے میں صرف اچھی بات کریں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 308-309 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اس سے مسلسل آگاہ رہیں کیونکہ قیامت کے دن انہیں جہنم میں گرانے کے لیے صرف ایک لفظ کی ضرورت ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 3970 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ ضروری ہے کہ آدمی بولنے سے پہلے سوچے اور صرف اس وقت آگے بڑھے جب الفاظ گناہ یا لغو نہ ہوں۔ یہ ایک ذہین انسان کی نشانی ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث نمبر 176 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مسلمان کے لیے زبان کے تمام خطرات سے بچنے کا طریقہ بتایا ہے، یعنی اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔ زبان کے خطرات پر علم حاصل کرنا اس تعلیم کو نافذ کرے گا۔ لیکن اگر کوئی مسلمان جاہل رہے گا تو وہ اپنی باتوں سے بہت سے گناہوں کا ارتکاب کرے گا اور اسے احساس بھی نہیں ہوگا۔ اسی لیے علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض قرار دیا گیا ہے جس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

ہجرت کے بعد گیارہواں سال

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیماری

دوسروں کو یاد کرنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ جب ایسا ہوا تو وہ آدھی رات کو ایک قبرستان بقیۃ الغرقد میں گئے اور وہاں دفن ہونے والوں کے لیے مغفرت کی دعا کی۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 4 صفحہ 321 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

دوسروں کو اس طرح یاد رکھنا ان کے لیے مخلص ہونے کا ایک پہلو ہے۔ صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ

فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے‘‘۔’’

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے‘‘۔’’

ایمان سے چمٹے رہو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ جب ایسا ہوا تو وہ آدھی رات کو ایک قبرستان بقیۃ الغرقد میں گئے اور وہاں دفن ہونے والوں کے لیے مغفرت کی دعا کی۔ اس کے بعد اس نے تبصرہ کیا کہ وہاں دفن ہونے والے لوگوں کو اس بات پر مطمئن ہونا چاہئے کہ وہ ان چیزوں کا تجربہ نہیں کریں گے جن کا زندہ لوگوں کو سامنا کرنا پڑے گا، یعنی مصیبتیں جو رات کے اندھیرے حصوں کی طرح ہیں جو یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کے پیچھے آئیں گی، ان میں سے آخری پہلے سے بدتر ہے۔ .امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 4 صفحہ 321 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 7400 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص بڑے فتنوں اور فتنوں کے دوران اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہے وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے ہجرت کی ہو۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہجرت کا ثواب بہت بڑا عمل تھا۔ درحقیقت، صحیح مسلم نمبر 321 میں موجود حدیث کے مطابق اس سے پچھلے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتے رہیں، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرتے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرتے رہیں۔

ظاہر ہے کہ اس حدیث میں جس وقت کا ذکر ہے وہ آچکا ہے۔ اسلام کی تعلیمات سے گمراہ ہونا بہت آسان ہو گیا ہے کیونکہ مسلمان قوم پر دنیاوی خواہشات کے دروازے کھل گئے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان سے غافل نہ ہوں اور متنازعہ مسائل اور لوگوں سے اجتناب کریں اور اپنی زندگی کے ہر پہلو میں اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہیں اگر وہ اس حدیث میں مذکور ثواب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

ابدی کو ترجیح دینا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ جب ایسا ہوا تو وہ آدھی رات کو ایک قبرستان بقیۃ الغرقد میں گئے اور وہاں دفن ہونے والوں کے لیے مغفرت کی دعا کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اپنے ساتھ موجود صحابی ابو معاذیبہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان کے پاس دنیا کے خزانوں کی کنجیاں رکھنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اس میں موت)قیامت تک (جس کے بعد وہ جنت میں داخل ہو گا یا اپنے رب سے ملاقات کرے گا اور پھر جنت میں جائے گا۔ ابو معوذیبہ رضی اللہ عنہ نے انہیں پہلے اختیار کرنے کا مشورہ دیا لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ میں نے آخری اختیار کو ترجیح دی۔ اس پر امام ابن کثیر کی کتاب حیاتِ نبوی، جلد 4، صفحہ 321 اور امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 1975-1976 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخرت کو ترجیح دی کیونکہ آپ دنیا اور آخرت کے فرق کو بخوبی سمجھتے تھے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4108 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں سمندر کے مقابلے میں پانی کے قطرے کی طرح ہے۔

درحقیقت یہ تمثیل اس لیے دی گئی تاکہ لوگ سمجھ سکیں کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں کتنی چھوٹی ہے۔ لیکن حقیقت میں ان کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مادی دنیا عارضی ہے جبکہ آخرت ابدی ہے۔ یعنی محدود کا لامحدود سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ مادی دنیا کو چار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :شہرت، قسمت، اختیار اور کسی کی سماجی زندگی، جیسے ان کا خاندان اور دوست۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کسی کو کوئی بھی دنیاوی نعمت حاصل ہو جو ان گروہوں میں آتی ہے وہ ہمیشہ نامکمل، عارضی ہوگی اور موت انسان کو نعمتوں سے کاٹ دے گی۔

دوسری طرف آخرت کی نعمتیں پائیدار اور کامل ہیں۔ تو اس لحاظ سے مادی دنیا ایک نہ ختم ہونے والے سمندر کے مقابلے میں ایک قطرے سے زیادہ نہیں ہے۔

اس کے علاوہ، ایک شخص کو اس دنیا میں طویل زندگی کا تجربہ کرنے کی ضمانت نہیں ہے کیونکہ موت کا وقت نامعلوم ہے .جبکہ ہر ایک کو موت کا تجربہ کرنے اور آخرت تک پہنچنے کی ضمانت ہے۔ لہٰذا کسی کی ریٹائرمنٹ جیسے دن کے لیے کوشش کرنا بے وقوفی ہے، جس تک وہ آخرت کے لیے کوشش کرتے ہوئے کبھی نہ پہنچ سکے جس تک پہنچنے کی ان کی ضمانت ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی دنیا کو چھوڑ دے کیونکہ یہ ایک پل ہے جسے آخرت تک پہنچنے کے لیے عبور کرنا ضروری ہے۔ اس کے بجائے، ایک مسلمان کو اس مادی دنیا سے اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق بغیر فضول خرچی اور اسراف کے پورا کرنا چاہیے۔ اور پھر اپنی بقیہ کوششیں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے ابدی آخرت کی تیاری میں وقف کریں۔

ایک ذہین انسان نہ ختم ہونے والے سمندر پر پانی کے قطرے کو ترجیح نہیں دے گا اور ایک ذہین مسلمان دنیاوی مادی دنیا کو ابدی آخرت پر ترجیح نہیں دے گا۔

احد کی زیارت کرنا اور خطبہ دینا

ایک پیغمبری گواہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ اس کے بعد وہ احد کے لیے نکلے اور وہاں مدفون شہداء کے لیے الوداعی دعا کی۔ حالانکہ وہ مردہ اور زندہ دونوں کو الوداع کہہ رہا تھا۔ پھر منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا۔ ان کی ایک بات یہ تھی کہ وہ ان سے پہلے ہوں گے اور وہ ان پر گواہ ہیں۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 471-472 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ گواہ کسی کے حق میں یا اس کے خلاف گواہی دے سکتا ہے۔ کسی کو اچھی گواہی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ خلوص نیت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع کرے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4308 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ وہ پہلا شخص ہے جس کی شفاعت ہوگی اور وہ پہلا شخص ہے جس کی شفاعت قیامت کے دن اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔ دن

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے لائق بنانے کی کوشش کرے، ان اعمال کو انجام دے جس کے نتیجے میں اذان کی آواز سن کر اس کے لیے دعا کرنا شامل ہے۔ سنن نسائی نمبر 679 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ گھر میں پڑھنے کے بجائے باقاعدگی سے مسجد میں پڑھے۔ سب سے بڑا عمل جو شفاعت کا باعث بنے گا وہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اس فرض سے

انکار کر کے غفلت میں نہ رہے اور پھر قیامت کے دن شفاعت کی امید رکھے کیونکہ یہ خواہش مندانہ سوچ کے زیادہ قریب ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے حقیقی امید کے مقابلے میں قابل ملامت ہے اور اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

بدقسمتی سے کچھ مسلمان جنہوں نے اس خواہش مندانہ سوچ کو اختیار کیا ہے وہ اس شفاعت کے ذریعے جنت حاصل کرنے کی امید رکھتے ہیں حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتے، اس کے احکام کی تعمیل کرتے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے اور مقدس روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان مسلمانوں کو یہ جان لینا چاہیے کہ اگرچہ شفاعت ایک حقیقت ہے کچھ مسلمان جن کی شفاعت سے ان کے عذاب میں تخفیف ہو جائے گی وہ پھر بھی جہنم میں داخل ہوں گے۔ جہنم میں ایک لمحہ بھی واقعی ناقابل برداشت ہے۔ لہٰذا خواہش مندانہ سوچ کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں عملی طور پر کوشش کرتے ہوئے سچی امید کو اپنانا چاہیے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ اس کے بعد وہ احد کے لیے نکلے اور وہاں مدفون شہداء کے لیے الوداعی دعا کی۔ حالانکہ وہ مردہ اور زندہ دونوں کو الوداع کہہ رہا تھا۔ پھر منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا۔ اس نے جو باتیں کہی تھیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ وہ ان سے پہلے ہوں گے اور وہ ان پر گواہ ہیں اور یہ کہ وہ بہت جلد اس کے آسمانی تالاب پر اس سے ملیں گے۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 471-472 میں بحث کی گئی ہے۔

آسمانی تالاب کے بارے میں بہت سی احادیث موجود ہیں جیسے کہ صحیح بخاری نمبر 6579 میں موجود ہے۔ اس میں مشورہ دیا گیا ہے کہ اس کی پوری لمبائی کو عبور کرنے میں ایک مہینہ لگتا ہے، اس کی بو خوشبو سے زیادہ اچھی ہے، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے جو ایک بار پی لے گا اسے پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ آخری نکتہ انتہائی اہم ہے کیونکہ قیامت کے دن لوگوں کو شدید اور ناقابل تصور پیاس لگے گی۔ مثال کے طور پر سورج کو تخلیق کے دو میل کے فاصلے پر لایا جائے گا جس کی وجہ سے لوگوں کو بہت زیادہ پسینہ آئے گا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2421 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلمان اس تالاب سے پینا چاہتا ہے خواہ اس کا ایمان کتنا ہی مضبوط ہو۔ لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو صرف اس کے حصول کی امید کرنے کے بجائے خود کو اس سے پینے کے لائق بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا چاہیے، خاص کر وہ چیزیں جو آسمانی تالاب تک پہنچنے سے روکتی ہیں۔ مثال کے طور پر صحیح مسلم نمبر 5996 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ بعض مسلمانوں کو جنہوں نے اسلام میں بدعتیں ایجاد کیں انہیں

حراست میں لے لیا جائے گا اور آسمانی تالاب تک پہنچنے سے روک دیا جائے گا۔ سنن نسائی نمبر 4212 میں موجود ایک اور حدیث متنبہ کرتی ہے کہ جو لوگ ظالم حکمرانوں کے جھوٹ اور غلط کاموں کی حمایت اور یقین کرتے ہیں وہ آسمانی تالاب تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ لہٰذا جو مسلمان آسمانی تالاب تک پہنچنے اور پینے کی خواہش رکھتے ہیں ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچیں اور اس کی مخلصانہ اطاعت میں کوشش کریں۔

عوام کے لیے خوف

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ اس کے بعد وہ احد کے لیے نکلے اور وہاں مدفون شہداء کے لیے الوداعی دعا کی۔ حالانکہ وہ مردہ اور زندہ دونوں کو الوداع کہہ رہا تھا۔ پھر منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا۔ ان کی ایک بات یہ تھی کہ وہ اپنے بعد لوگوں کے مشرک ہونے سے نہیں ڈرتے تھے بلکہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ دنیاوی دولت کا حصول انہیں آپس میں لڑنے پر آمادہ کردے گا۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 471-472 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 3997 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ وہ مسلمان قوم کی غربت سے نہیں ڈرتے۔ اس کے بجائے وہ ڈرتا تھا کہ دنیا ان کے لیے آسان اور بہت زیادہ ہو جائے گی۔ اس سے وہ اس کا مقابلہ کریں گے جو ان کی تباہی کا باعث بنے گا کیونکہ اسی مقابلے نے پچھلی قوموں کو تباہ کیا تھا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس کا اطلاق صرف دولت پر نہیں ہوتا۔ لیکن یہ تنبیہ لوگوں کی دنیاوی خواہشات کے ان تمام پہلوؤں پر لاگو ہوتی ہے جن میں شہرت، دولت، اختیار اور کسی کی زندگی کے سماجی پہلوؤں جیسے خاندان، دوست اور کیرئیر کی خواہش شامل ہو سکتی ہے۔ جب بھی کوئی ان چیزوں کے حصول سے اپنی خواہشات کو پورا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، چاہے وہ حلال ہی کیوں نہ ہوں، اس کی ضرورت سے بڑھ کر اسے آخرت کی تیاری سے غافل کر دے گا۔ یہ انہیں فضول خرچی اور اسراف جیسے برے کردار کی طرف لے جائے گا اور ان چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے انہیں گناہوں کی طرف بھی لے جا سکتا ہے۔ ان کو حاصل کرنے میں ناکامی بے صبری اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور نافرمانی کے دیگر اعمال کا باعث بن سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان خواہشات نے بہت سے مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے کیونکہ وہ مال حاصل کرنے یا چھٹیوں پر جانے کے لیے آدھی رات کو خوشی خوشی اٹھتے ہیں لیکن جب رضاکارانہ طور پر رات گزارنے کا مشورہ دیا جائے تو وہ ایسا کرنے میں ناکام رہیں گے۔ نماز پڑھنا یا صبح کی فرض نماز میں جماعت کے ساتھ شرکت کرنا۔

ان چیزوں کو حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ یہ حلال ہوں اور کسی شخص کی ضروریات اور اس کے محتاجوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ضروری ہوں۔ لیکن جب کوئی شخص اس سے آگے بڑھ جائے گا تو وہ اپنی آخرت کے نقصان میں مشغول ہو جائیں گے کیونکہ جتنا کوئی اپنی خواہشات کی پیروی کرے گا وہ آخرت کی تیاری میں اتنی ہی کم کوشش کرے گا۔ اس لیے اس حدیث میں جو تنبیہ دی گئی ہے وہ ان پر لاگو ہوگی۔

آسانی اور مشکل میں حقوق کو پورا کریں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ وہ ہمیشہ اپنی بیویوں میں سے ہر ایک کو یکساں وقت اور توجہ دیتے تھے لیکن جب وہ تکلیف میں مبتلا ہو گئے تو انہوں نے اپنی بیویوں کو بلایا اور ان سے اجازت طلب کی کہ وہ اپنی بیوی عائشہ بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا کے گھر ٹھہریں اور ان کی پرورش کریں۔ ان دونوں سے خوش اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 323 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2612 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ کامل ایمان والا وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ سب سے زیادہ مہربان ہو۔

بدقسمتی سے، بعض نے اپنے ہی خاندان کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہوئے غیر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی بری عادت اپنا لی ہے۔ وہ اس طرح برتاؤ کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے خاندان کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کو نہیں سمجھتے اور اپنے خاندان کی تعریف کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ ایک مسلمان اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ایمان کے دونوں پہلوؤں کو پورا نہ کرے۔ پہلا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی، اس کے احکام کی بجا آوری، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا ہے۔ دوسرا یہ کہ لوگوں کے حقوق ادا کیے جائیں جس میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ اس قسم کے سلوک کا اپنے خاندان سے زیادہ حق کسی کو نہیں ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام اچھے معاملات میں اپنے خاندان کی مدد کرے اور انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی کے ساتھ برے کاموں اور طریقوں سے تنبیہ کرے۔ برے کاموں میں ان کی آنکھیں بند کر کے صرف اس وجہ سے ساتھ نہ دیں کہ وہ ان کے رشتہ دار ہیں اور نہ ہی ان کے بارے میں بعض برے جذبات کی وجہ سے اچھے معاملات میں ان کی مدد کرنے سے گریز کریں کیونکہ یہ اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

دوسروں کی رہنمائی کا بہترین طریقہ عملی نمونہ کے ذریعے ہے کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور صرف زبانی ہدایت سے کہیں زیادہ موثر ہے۔

،آخر میں، کسی کو عام طور پر تمام معاملات میں نرمی کا انتخاب کرنا چاہئے، خاص طور پر اپنے خاندان کے ساتھ معاملہ کرتے وقت۔ اگر وہ گناہ بھی کریں تو انہیں نرمی کے ساتھ تنبیہ کی جائے اور پھر بھی اچھے کاموں میں ان کی مدد کی جائے کیونکہ یہ مہربانی انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف لوٹانے میں ان کے ساتھ سختی کرنے سے زیادہ کارگر ہے۔

شرافت اطاعت میں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ اس عرصے میں آپ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بتایا کہ اس کی موت قریب آ رہی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے، صبر کرے اور اس کی روایات پر عمل کرے کیونکہ وہ اس کے لیے ایک قابل پیشرو تھے۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 325 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ شریف خاندان سے ہیں پھر بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تاکید کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اس کی روایات پر ہر وقت عمل کریں۔

سنن ابوداؤد نمبر 5116 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ شرافت کسی کے نسب میں نہیں ہے کیونکہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اور وہ خاک سے بنا تھا۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور نسب پر فخر کرنا چھوڑ دیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگرچہ بعض جاہل مسلمانوں نے ذاتیں اور فرقے بنا کر دوسری قوموں کا رویہ اختیار کر لیا ہے اور ان گروہوں کی بنیاد پر اسلام نے برتری کا ایک سادہ معیار قرار دیا ہے، یعنی تقویٰ۔ یعنی مسلمان جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ اتنا ہی بلند درجہ کا ہوتا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔

یہ آیت دیگر تمام معیارات کو ختم کر دیتی ہے جو جاہل لوگوں نے بنائے ہیں جیسے کہ کسی کی نسل، نسل، دولت، صنف یا سماجی حیثیت۔

مزید برآں، اگر کسی مسلمان کو اپنے نسب میں کسی متقی شخص پر فخر ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور ان کے نقش قدم پر چل کر اس عقیدے کا صحیح مظاہرہ کرنا چاہیے۔ دوسروں کے نقش قدم پر چلے بغیر ان پر فخر کرنا اس دنیا یا آخرت میں کسی کے کام نہیں آئے گا۔ یہ بات جامع ترمذی نمبر 2945 میں موجود حدیث میں واضح ہو چکی ہے۔

آخر میں، جو دوسروں پر فخر کرتا ہے لیکن ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہتا ہے وہ بالواسطہ طور پر ان کی بے عزتی کر رہا ہے کیونکہ باہر کی دنیا ان کے برے کردار کو دیکھے گی اور یہ سمجھے گی کہ ان کے صالح آباؤ اجداد نے اسی طرح برتاؤ کیا تھا۔ ان لوگوں کو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری روایات اور نصیحتوں کو اپناتے ہیں، جیسے کہ داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا، ان کے باطن کو اپنانے میں ناکام رہتے ہیں۔ بیرونی دنیا صرف اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منفی سوچے گی جب وہ ان مسلمانوں کے برے کردار کو دیکھیں گے۔

قیادت کی خواہش سے بچیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ اس دور میں علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو بالواسطہ مشورہ دیا گیا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھیں کہ آپ کے بعد مسلمانوں کی قیادت کون کرے گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ اس بارے میں ان سے نہیں پوچھیں گے اور نہ ہی قائد کے طور پر تقرری کے لیے کہیں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 326 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مال و دولت اور سماجی رتبے کی خواہش ایمان کے لیے دو بھوکے بھیڑیوں کی ہلاکت سے زیادہ تباہ کن ہے۔ بھیڑوں کے ریوڑ پر.

ایک شخص کی شہرت اور رتبے کی خواہش اس کے ایمان کے لیے زیادہ دولت کی خواہش سے زیادہ تباہ کن ہے۔ ایک شخص اکثر اپنی محبوب دولت کو شہرت اور وقار کے حصول پر خرچ کرتا ہے۔

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص مقام و شہرت حاصل کر کے صحیح راستے پر قائم رہے جس کے تحت وہ مادی دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 6723 میں موجود ایک حدیث میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص معاشرے میں قیادت جیسے مقام کی تلاش میں ہے اسے خود اس سے نمٹنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا لیکن اگر کوئی اسے مانگے بغیر حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا۔ اعلیٰ، اس کے فرمانبردار رہنے میں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایسے شخص کا تقرر نہیں کرتے تھے جو کسی منصب پر فائز ہونے کی درخواست کرتا ہو یا اس کی خواہش بھی ظاہر کرتا ہو۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6923 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ صحیح بخاری نمبر 7148 میں موجود ایک اور حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ لوگ مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے خواہش مند

ہوں گے لیکن قیامت کے دن ان کے لیے یہ بڑی پشیمانی ہوگی۔ یہ ایک خطرناک خواہش ہے کیونکہ یہ انسان کو اس کو حاصل کرنے کے لیے شدید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے اور پھر اسے برقرار رکھنے کے لیے مزید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے خواہ یہ ظلم اور دیگر گناہوں کی ترغیب دے۔

رتبہ کی خواہش کی بدترین قسم وہ ہے جب کوئی اسے مذہب کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2654 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ شخص جہنم میں جائے گا۔

لہٰذا ایک مسلمان کے لیے زیادہ مال و دولت اور اعلیٰ سماجی رتبے کی خواہش سے بچنا زیادہ محفوظ ہے کیونکہ یہ دو چیزیں ہیں جو آخرت کی تیاری سے غافل ہو کر اس کے ایمان کی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔

آخری خطبہ

عیوب کو چھپانا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ اس دور میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عوامی خطبہ دیا جس میں آپ نے صحابہ کرام خصوصاً مدینہ کے مددگاروں کی تعریف کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام مکہ، مہاجرین رضی اللہ عنہ کو ترغیب دی کہ وہ ہمیشہ اصحاب مدینہ رضی اللہ عنہ کی تعظیم کریں اور ان کے عیبوں سے درگزر کریں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 328-329 میں بحث کی گئی ہے۔

شاید حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے مہاجرین کو مدینہ کے مددگاروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ترغیب دی ہو، اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو، اس طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قیادت کے طور پر۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مہاجرین کے پاس گئے، اللہ ان سے راضی ہے۔

اس کے علاوہ صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص کسی مسلمان کے عیب کو چھپائے گا اللہ تعالیٰ اس کے عیبوں کو دونوں جہانوں میں چھپائے گا۔ اور اگلا .اگر کوئی اس پر غور کرے تو یہ بات بالکل واضح ہے۔ جو لوگ دوسروں کے عیبوں کو ظاہر کرنے کے عادی ہیں وہی لوگ ہیں جن کے عیوب کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرتا ہے۔ لیکن دوسروں کے عیب چھپانے والے کو معاشرہ ایسا سمجھتا ہے جس کا کوئی عیب نہ ہو۔

اس نصیحت کے سلسلے میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ پہلے وہ ہیں جن کے غلط کام نجی معنیٰ میں ہوتے ہیں، یہ شخص کھلم کھلا گناہ نہیں کرتا اور نہ ہی اپنے گناہوں کو فخریہ انداز میں دوسروں پر ظاہر کرتا ہے۔ اگر یہ شخص پھسل جائے اور کوئی ایسا گناہ کرے جو دوسروں کو معلوم ہو جائے تو اس کی پردہ پوشی کی جائے جب تک کہ اس سے دوسروں کو نقصان نہ پہنچے۔ باب 24 النور، آیت 19:

”بے شک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیل جائے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔“

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4375 میں موجود ایک حدیث میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنے والوں کی غلطیوں کو نظر انداز کرنے کی نصیحت کی۔

دوسری قسم کا وہ فاسق ہے جو کھلم کھلا گناہ کرتا ہے اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ لوگ ان کے بارے میں معلوم کریں۔ درحقیقت، وہ اکثر ان گناہوں پر فخر کرتے ہیں جو انہوں نے دوسروں کے ساتھ کیے ہیں۔ جیسا کہ وہ دوسروں کو برے طریقے سے کام کرنے کی ترغیب دیتے ہیں تاکہ دوسروں کو تنبیہ کرنے کے لیے ان کے عیبوں کا پردہ فاش کرنا اس حدیث کے منافی نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس شخص کے عیوب کو ظاہر کرنے کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کے عیب ظاہر کرے گا، جس کا ذکر سنن ابن ماجہ نمبر 2546 کی حدیث میں ہے، جب تک کہ وہ کسی دوسرے کے عیب کو ظاہر کر رہا ہو۔ صحیح وجہ سے.

ایک عمدہ انتخاب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ اس دور میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عوامی خطبہ دیا جس میں آپ نے اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ کے بندے کو اختیار دیا گیا ہے کہ جو کچھ زمین پر ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اور بندے نے وہی چنا تھا جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پھر رو پڑے کیونکہ وہ اس بندے کو جانتے تھے جس کا تذکرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود کر رہے تھے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 328-329 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے اسلام کے ایک کلیدی تصور کو سمجھنا ضروری ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے حلال دنیاوی چیزوں کی خواہش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن ان کو حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت سے پرہیز کرنا ہی بہتر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کے مسلمان اکثر صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور جب وہ دنیاوی چیزوں کی خواہش رکھتے ہیں تو مساجد میں رہتے ہیں۔ لیکن اگر وہ انہیں قبول نہیں کرتے ہیں تو وہ بے صبرے اور تنگ آ جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت چھوڑ دیتے ہیں۔ یا اگر انہیں حاصل ہو جائے تو ان کی خوشی اکثر انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ موڑنے پر مجبور کر دیتی ہے، جیسا کہ ان کا عقیدہ ہے کہ انہوں نے وہ حاصل کر لیا جو انہوں نے چاہا، اس لیے اب اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، یعنی وہ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں، جب یہ ان کی خواہشات کے مطابق ہو۔ اور اس رویہ کی وجہ سے ان کے گمراہ ہونے کا خطرہ ہے۔ باب 22 الحج، آیت 11:

"اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو جاتی ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔''

یہ مسلمان دعویٰ تو کر سکتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ صرف اپنی خواہشات کی عبادت کر رہے ہیں اور انہیں ملنے والے تحفے اور نعمتیں ہیں۔

جنت جیسی مذہبی نعمتوں کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا قابل تعریف ہے جیسا کہ اسلامی تعلیمات نے اس کی سفارش کی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا بہت افضل ہے کیونکہ وہی اس کے لائق ہے اور اس لیے کہ مخلوق اس کے بندے ہیں۔

اگر ایک مسلمان کو تحفے اور نعمتوں کی خواہش کرنا ہی ہے تو بہتر ہے کہ دینی نعمتوں کی نیت کرے کیونکہ دنیاوی نعمتوں کا مقصد انسان کی نیت کو بدل سکتا ہے تاکہ وہ دینے والے کی بجائے تحفے کی عبادت کرنے لگے۔

صالحین میں شامل ہونا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ اس دور میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عوامی خطبہ دیا جس میں آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف کی۔ اس نے اعلان کیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی دوستی اور مال میں سب سے زیادہ وفادار تھے۔ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے بعد کسی گہرے دوست کو بنائے تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی ہوں گے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مسجد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دروازے کے علاوہ کوئی دروازہ نہیں کھلا رکھا جائے گا)وہ دروازہ جسے امام جماعت استعمال کرتے تھے(۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 329-330 اور صحیح بخاری، نمبر 3654 میں موجود ایک حدیث میں بحث ہوئی ہے۔

اس واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت اور خلوص کو عمل سے ثابت کیا۔

سنن ابوداؤد نمبر 4031 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں شمار ہوتا ہے۔

تمام مسلمان اپنے ایمان کی طاقت سے قطع نظر یہ خواہش رکھتے ہیں کہ ان کا شمار کیا جائے اور آخرت میں نیک لوگوں کے ساتھ ختم ہو۔ لیکن یہ حدیث واضح طور پر تنبیہ کرتی ہے کہ مسلمان صرف اسی صورت میں صالح سمجھا جائے گا جب وہ صالحین کی تقلید کرے گا۔ یہ تقلید ایک عملی چیز ہے نہ کہ صرف الفاظ کے ذریعے اعلان۔ یہ تقلید صحیح طور پر اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کی جاتی ہے۔

لیکن جو لوگ زبانی طور پر صالحین سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں اور ان کی نقل کرنے میں ناکام رہتے ہیں اور ان خصوصیات کی نقل کرتے ہیں جو منافقوں اور گنہگاروں میں پائی جاتی ہیں انہیں ان میں سے ایک سمجھا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اپنا ایمان کھو دیں گے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان پر نافرمان مسلمان قرار دیا جائے گا۔ ایک نافرمان مسلمان کو فرمانبردار مسلمان کیسے شمار کیا جا سکتا ہے اور نیک لوگوں پر کیسے ختم ہو سکتا ہے؟ یہ صرف خواہش مندانہ سوچ ہے جس کی اسلام میں کوئی قدر نہیں۔ باب 59 الحشر، آیت 20:

"دوزخ کے ساتھی اور اہل جنت برابر نہیں ہیں۔ جنت کے ساتھی - وہ]کامیابی [پانے والے ہیں۔"

ایک صاف دل

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ اس دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عوامی خطبہ دیا۔ ان کی ایک بات یہ تھی کہ ان کی غیر حاضری)موت (قریب تھی۔ اور اگر کسی کو اس نے ناحق جسمانی نقصان پہنچایا ہو تو وہ اس سے بدلہ لے سکتے ہیں۔ اور اگر کوئی ایسا ہو جس کا مال اس نے واپس نہ کیا ہو تو وہ معاوضہ کے لیے آگے بڑھیں۔ اور اگر کوئی ایسا ہو جس کی عزت اس نے پامال کی ہو تو اس کی عزت کا بدلہ لینا چاہیے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ان میں سے کسی کو یہ خوف نہیں ہونا چاہیے کہ جو بھی انتقامی کارروائی کے لیے آگے بڑھے گا اس کے خلاف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے دل میں بغض رکھیں گے کیونکہ یہ ان کی فطرت اور کردار میں نہیں ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 331-332 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابو داؤد نمبر 4860 میں موجود حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو دوسروں کے بارے میں منفی بات کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ اس سے لوگوں کے دلوں میں ان کے بارے میں برے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ خاندان خاص طور پر ایشیائی کمیونٹی سے، وقت کے ساتھ ٹوٹ جاتے ہیں۔ یہ ایک سب سے بڑی شکایات ہے جو خاندان کے ممبران، جیسے والدین کو اکثر ہوتی ہے۔ وہ حیران ہیں کہ ان کے بچے کیوں الگ ہو گئے ہیں حالانکہ وہ کبھی مضبوطی سے ایک ساتھ تھے۔

رشتہ داروں کے درمیان تعلقات کے ٹوٹنے کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ کسی نے ان کے رشتہ دار کے بارے میں منفی بات کی ہے۔ یہ اکثر خاندان کے کسی فرد کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک ماں اپنے دوسرے بچے سے اپنے بیٹے کے بارے میں منفی بات کرے گی۔ یہ دونوں رشتہ داروں کے درمیان دشمنی کا باعث بنتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ دونوں کے

درمیان دراڑ پیدا کر دیتا ہے۔ جو کبھی ایک شخص کی طرح تھے وہ ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن جاتے ہیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ بہت کم لوگوں کے علاوہ، جب کسی شخص سے کسی دوسرے کے بارے میں کوئی منفی بات کہی جائے تو وہ اس سے متاثر ہو جائیں گے، خواہ وہ یہ نہ چاہتے ہوں۔ یہ دشمنی تب بھی ہوتی ہے جب کہ ابتدائی شخص جس نے کسی کے رشتہ دار کے بارے میں منفی بات کی ہو وہ رشتہ داروں کے درمیان پچر پیدا کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ کچھ اکثر عادت سے ہٹ کر اس طرح کام کرتے ہیں اور تعلقات کو خراب کرنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، والدین اکثر یہ عادت اپناتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے بچوں کے رشتے ٹوٹنے یا ٹوٹنے کی خواہش نہیں رکھتے۔

یہ رویہ لوگوں کی ذہنیت پر اتنا گہرا اثر ڈالتا ہے کہ اس سے ان رشتہ داروں پر بھی اثر پڑتا ہے جو ایک دوسرے کو بہت کم دیکھتے یا بات کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک شخص کسی شخص کے رشتہ دار کے بارے میں منفی باتوں کا ذکر کرے گا حالانکہ اس کا رشتہ دار بھی ان جیسے ملک میں نہیں رہتا۔ یہ رویہ ان کے دل میں دشمنی کو پیوست کر دیتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ یہ محسوس کریں گے کہ وہ اپنے دور کے رشتہ دار کو ناپسند کرتے ہیں حالانکہ وہ انہیں بمشکل جانتے ہیں۔

یہ مسئلہ اکثر اس وقت ہوتا ہے جب دو افراد دوسرے لوگوں کے سامنے دوسروں کے بارے میں منفی باتوں پر بحث کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، والدین اپنے بچوں کے سامنے اپنے رشتہ داروں کے بارے میں منفی باتیں کر سکتے ہیں۔ اگرچہ، وہ اپنے بچوں کو براہ راست کچھ نہیں بتا رہے ہیں، یہ اب بھی ان کے دلوں پر اثر انداز ہوتا ہے .اگر کوئی ایک لمحے کے لیے واقعی غور کرے تو وہ سمجھ جائے گا کہ دوسروں کے تئیں ان کے بیمار جذبات کی اکثریت اس شخص کے کیے یا ان سے براہ راست کہنے کی وجہ سے نہیں تھی۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ کسی تیسرے فریق کی وجہ سے ہوا ہے جس نے ان سے اس شخص کے بارے میں کسی منفی بات کا ذکر کیا۔

ایسی صورتوں میں جہاں کوئی دوسرے کو کسی خطرے سے خبردار کرنے کی کوشش کر رہا ہو تو کسی دوسرے شخص کا منفی انداز میں ذکر کرنا بالکل قابل قبول ہے۔ اگر کوئی دوسرے کو سبق سکھانے کی کوشش کر رہا ہے مثلاً اگر کوئی ماں اپنے بچوں میں سے کسی کو یہ سکھانا چاہتی ہے کہ وہ اپنے بہن بھائیوں کی طرح برتاؤ نہ کرے تو اسے چاہیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں۔ شخص کا نام لیے بغیر منفی بات کا ذکر کریں۔ اس خوبصورت ذہنیت کی ایک مثال صحیح بخاری نمبر 6979 میں موجود حدیث میں موجود ہے۔ کسی شخص کا نام لیے بغیر کسی منفی بات کا ذکر کرنا کسی کو سبق سکھانے کے لیے کافی ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، مسلمانوں کو اپنے رشتہ داروں یا دوسروں کے بارے میں، نجی یا عوامی طور پر منفی بات کرنے سے پہلے گہرائی سے غور کرنا چاہیے۔ بصورت دیگر، وہ اچھی طرح محسوس کر سکتے ہیں جیسے جیسے وقت گزرتا ہے ان کا خاندان الگ ہو جاتا ہے اور جذباتی طور پر ایک دوسرے سے دور ہو جاتا ہے۔

دیوالیہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ اس دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عوامی خطبہ دیا۔ ان کی ایک بات یہ تھی کہ ان کی غیر حاضری)موت (قریب تھی۔ اور اگر کسی کو اس نے ناحق جسمانی نقصان پہنچایا ہو تو وہ اس سے بدلہ لے سکتے ہیں۔ اور اگر کوئی ایسا ہو جس کا مال اس نے واپس نہ کیا ہو تو وہ معاوضہ کے لیے آگے بڑھیں۔ اور اگر کوئی ایسا ہو جس کی عزت اس نے پامال کی ہو تو اس کی عزت کا بدلہ لینا چاہیے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ان میں سے کسی کو یہ خوف نہیں ہونا چاہیے کہ جو بھی انتقامی کارروائی کے لیے آگے بڑھے گا اس کے خلاف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے دل میں بغض رکھیں گے کیونکہ یہ ان کی فطرت اور کردار میں نہیں ہے۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ اس کی نظر میں بہترین لوگ وہ ہیں جنہوں نے یا تو اس سے انتقام لیا یا وہ اسے معاف کر دیں، جیسا کہ اس نے مخلوق کے خلاف کسی قسم کی ناانصافی سے پاک اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی خواہش کی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 331-332 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ یہ بات واضح طور پر ظاہر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی پر ظلم نہیں کیا لیکن آپ نے یہ خطبہ عاجزی کے ساتھ دیا اور مسلمانوں کو دوسروں کو نقصان پہنچانے سے بچنے کی تلقین کی۔

صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ دیوالیہ مسلمان وہ ہے جو بہت سے اعمال صالحہ جمع کرتا ہے جیسے کہ روزہ اور نماز، لیکن وہ لوگوں کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے۔ اعمال ان کے مظلوموں کو دیئے جائیں گے اور اگر ضروری ہوا تو ان کے شکار کے گناہ انہیں قیامت کے دن دیئے جائیں گے۔ یہ انہیں جہنم میں پھینکنے کا باعث بنے گا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے ایمان کے دو پہلوؤں کو پورا کرنا ضروری ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرائض ہیں جیسے فرض نماز۔ دوسرا پہلو لوگوں کے حوالے سے ہے جس میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ جسمانی اور زبانی نقصان کو زندگی سے دور نہ رکھے۔ دوسروں کے مال

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ لامحدود معاف کرنے والا ہے، وہ ان لوگوں کو معاف کر دے گا جو اس سے سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ لیکن وہ ان گناہوں کو معاف نہیں کرے گا جن میں دوسرے لوگ شامل ہوتے ہیں جب تک کہ شکار پہلے معاف نہ کر دے۔ چونکہ لوگ اتنے معاف کرنے والے نہیں ہیں ایک مسلمان کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ جن پر انہوں نے ظلم کیا ہے وہ قیامت کے دن ان کی قیمتی نیکیاں چھین کر ان سے بدلہ لیں گے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کے حقوق کو پورا کرتا ہے، تب بھی وہ جہنم میں صرف اس لیے جا سکتا ہے کہ اس نے دوسروں پر ظلم کیا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اپنے فرائض کے دونوں پہلوؤں کو ادا کرنے کی کوشش کریں۔

ندامت کی اقسام

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ اس دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عوامی خطبہ دیا۔ اس نے جو باتیں کہی ان میں سے ایک یہ تھی کہ زمین پر ایک سکینڈل کو برداشت کرنا آخرت کے سکینڈل سے زیادہ آسان ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 332 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک اسکینڈل کسی بھی قسم کے افسوس یا ناکامی کا حوالہ دے سکتا ہے۔ مسلمانوں کو سمجھنا چاہیے کہ پچھتاوے کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلی دنیوی چیزوں پر پشیمانی ہے جیسے شادی نہ کرنا یا اولاد نہ ہونا۔ دوسری قسم وہ پچھتاوے ہیں جو قبر میں اور قیامت کے دن ہوں گے، جیسے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اپنے وقت کا بہتر استعمال نہ کرنا۔ دنیاوی ندامتیں، خواہ وہ کچھ بھی ہوں، کبھی بھی مستقل نہیں ہوں گی کیونکہ وہ یا تو اس وقت ختم ہو جائیں گے جب کوئی اپنی خواہش پوری کر لیتا ہے، اپنا ارادہ بدل لیتا ہے یا مر جاتا ہے۔ وہ فطرت کے اعتبار سے عارضی ہوتے ہیں کیونکہ اس قسم کے افسوس کا زیادہ سے زیادہ وقت ان کی موت تک ہوتا ہے۔ اور وہ اتنے اہم نہیں ہیں کہ یہ پچھتاوے غم کا باعث تو بن سکتے ہیں لیکن سخت سزا یا عذاب نہیں۔ اس کے علاوہ یہ ندامتیں ختم ہو جائیں گی اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنت میں پہنچ جائے۔

دوسری طرف آخرت کی پشیمانیاں دیرپا ہیں کیونکہ قبر اور قیامت کا وقت اس زمین پر انسان کی زندگی سے کہیں زیادہ طویل ہوگا۔ یہ اس وقت تک ختم نہیں ہوں گے جب تک کہ کوئی جنت میں داخل نہ ہو جائے جو ہو سکتا ہے یا بہت طویل عرصے کے بعد ہو کیونکہ آخرت کا ایک دن زمین پر ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ باب 22 الحج، آیت 47:

‘‘اور یقیناً تمہارے رب کے نزدیک ایک دن ہزار سال کے برابر ہے جسے تم شمار کرتے ہو۔’’

آخر میں، یہ پچھتاوے بہت اہم ہیں کیونکہ یہ آخرت میں سخت عذاب اور عذاب کا باعث بن سکتے ہیں۔

لہٰذا، ایک مسلمان کو اس پر غور کرنا چاہیے اور اس سے پہلے کہ وہ دنیا کے ندامتوں کو دور کرنے کی کوشش کرے، قبر میں اور قیامت کے دن ممکنہ ندامتوں کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے آپ پر رحم کرے۔ باب 89 الفجر، آیت 24:

"وہ کہے گا، "کاش میں نے اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔"

مولڈنگ زندگی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ ایک خاص رات جب آپ کی بیماری شدت اختیار کر گئی تو آپ نے اپنے اردگرد کے لوگوں سے پوچھا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھی ہے لیکن انہوں نے جواب دیا کہ وہ جماعت کی امامت کے لیے آپ کے انتظار میں ہیں۔ اس نے ان سے کہا کہ ایک بیسن میں پانی ڈالیں۔ اس کے بعد اس نے غسل کیا اور نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے اٹھنے کی کوشش کی لیکن بیماری کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو گئے۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے پہلی بات یہ پوچھی کہ لوگوں نے نماز پڑھی ہے یا نہیں؟ لیکن اس کے گھر والوں نے، اللہ ان سے راضی، جواب دیا کہ لوگ ابھی تک اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ نماز باجماعت پڑھائیں۔ اس نے ایک بار پھر غسل کیا اور نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے اٹھنے کی کوشش کی لیکن بیماری کی وجہ سے وہ پھر بے ہوش ہو گئے۔ اس کے دوبارہ ہونے کے بعد آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز باجماعت پڑھانے کا حکم دیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 334-335 میں بحث کی گئی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اس سخت مشکل میں بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرض نماز کی ادائیگی سے پوری طرح متوجہ تھے۔

مسلمان اکثر یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی کو اپنی دنیاوی زندگی کے مطابق ڈھالنے کے بجائے اپنے عقیدے کے مطابق کیسے ڈھال سکتے ہیں۔ اس کو حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ عورتوں کے لیے فرض نمازیں ادا کرتے ہی اور مردوں کے لیے مساجد میں فرض نمازیں ادا کریں۔ جیسا کہ نماز قائم کرنا اسلام کا بنیادی رکن ہے جس کی نصیحت جامع ترمذی نمبر 2616 میں ایک حدیث میں آئی ہے کہ جب کوئی شخص اسے ادا کرتا ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے تو وہ اسے اپنے دنیوی کاموں کا اہتمام کرنے پر مجبور کرتا ہے تاکہ وہ اپنی فرض نمازوں کے ارد گرد فٹ ہو جائیں۔ جبکہ جب کوئی شخص اپنی فرض نمازیں دیر سے پڑھتا ہے یا مسجد کے بجائے گھر میں پڑھتا ہے تو فرض نمازوں کو اپنے دنیوی ٹائم ٹیبل کے گرد فٹ کرنا آسان ہوجاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ اپنے ایمان کو اپنی دنیاوی زندگی میں ڈھالنے کا سبب بنتا ہے۔ صحیح رویہ غیر ضروری اور فضول سرگرمیوں

میں ملوث ہونے سے بھی روکے گا، جیسے کہ شاپنگ سینٹرز کا غیر ضروری جانا، کیونکہ یہ اکثر مسلمان کو وقت پر یا مسجد میں اپنی فرض نماز ادا کرنے سے روکتے ہیں۔ ان غیر ضروری چیزوں اور سرگرمیوں سے پرہیز کرنے سے انسان اپنی زندگی کو اپنے مذہب کے گرد ڈھال سکتا ہے۔

اس کے علاوہ فرض نمازوں کو وقت پر ادا کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین اعمال میں سے ایک ہے، سنن نسائی نمبر 611 میں موجود حدیث کے مطابق مسلمان کو اس عادت کو اپنانا چاہیے اور اپنی فرض نمازوں میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ ایک انتہائی اچھی وجہ کے بغیر جو بہت کم ہی ہوتا ہے۔ اگر کوئی اپنی زندگی کو اپنے عقیدے کے مطابق ڈھالنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی فرض نمازیں وقت پر ادا کریں جیسے ہی وہ عورتوں کے لیے ہوں اور مرد انھیں مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کریں۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ اس مادی دنیا کی زیادتی سے پریشان ہوئے بغیر آخرت کی تیاری کو ترجیح دیں۔

ایک عملی رول ماڈل

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ جب آپ کی بیماری شدت اختیار کرگئی تو آپ نے ایک صحابی عبداللہ بن زمعہ کو حکم دیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہو کہ وہ نماز باجماعت پڑھائیں۔ جب عبداللہ رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نہیں پا رہے تھے اور چونکہ وہ نماز میں تاخیر کی خواہش نہیں رکھتے تھے تو انہوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا۔ اس کے بجائے، نماز کی امامت کرنا۔ جب عمر رضی اللہ عنہ نے نماز شروع کی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آواز سن کر اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور مسلمان ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی سے انکار نہیں کرتے۔ اس کے ساتھ .پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ بعد میں، عمر رضی اللہ عنہ عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کرتے، جیسا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے تھے، انہیں نماز کی امامت کا حکم دیا تھا، ورنہ وہ ایسا کبھی نہ کرتے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے معافی مانگی لیکن انہوں نے مزید کہا کہ چونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت مسجد سے غائب تھے، اس لیے وہ سمجھتے تھے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد نماز کی امامت کے لائق کوئی نہیں تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ ان سے راضی ہیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 332-333 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک اور موقع پر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جماعت میں تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز کی امامت سے پیچھے ہٹنے لگے لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کہا کہ آپ جہاں ہیں وہیں ٹھہریں اور آپ کے پاس بائیں جانب بیٹھ گئے۔ چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت فرمائی، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باقی لوگوں کی نماز پڑھائی۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 476-477 میں بحث کی گئی ہے۔

سب سے پہلے یہ واقعات، بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، واضح طور پر اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ، اسلام کے پہلے خلیفہ ہونے کے لیے مطلوبہ انتخاب تھے۔ اس کے علاوہ پہلا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ اس میں یہ اشارہ بھی دیا گیا کہ اسلام کا دوسرا خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہونا چاہیے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ ان پاکیزہ ارواح کو قیادت کے لیے چنا گیا کیونکہ ان میں ایک اچھے رہنما کی صفات موجود تھیں۔ جن میں سے سب سے بڑی مثال پیش کر رہی ہے۔ اس خوبی کو تمام مسلمانوں کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ ہر مسلمان دوسرے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لیے اسلام کا نمائندہ ہے۔

اسلام کے ابتدائی دور میں اسلامی علم کے اجتماع میں شرکت کے لیے کئی دن سفر کرنا پڑتا تھا لیکن اب لاتعداد لیکچر آن لائن مل سکتے ہیں۔ اس کے باوجود، صالح پیشواؤں کے گزرنے کے بعد سے صحیح راستے سے لاعلمی میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگوں نے قرآن مجید کی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث حفظ کر کے علم حاصل کیا ہے، لیکن ان کا استعمال اپنی سیرت کو سنوارنے کے لیے نہیں کیا۔ یعنی انہوں نے اپنے علم پر عمل نہیں کیا۔ جو لوگ اس طرح کام کرتے ہیں وہ اپنی نصیحت سے دوسروں کے دلوں پر اثر کرنے کی طاقت کھو دیتے ہیں۔ کچھ لیکچررز نیوز بلیٹن کی طرح ہوتے ہیں جو دوسروں کو کام کرنے کی ترغیب دیے بغیر صرف معلومات فراہم کرتے ہیں اس طرح وہ اپنے خدا کے دیے ہوئے علم کے ذریعے دوسروں کی رہنمائی کرنے کے اپنے فرض میں ناکام رہتے ہیں۔ غیر مسلم بنیادی طور پر ایک کامیاب مسلمان کی عملی مثال دیکھنے کے بجائے اسلام کی اپنی تحقیق کے ذریعے اسلام قبول کر رہے ہیں۔ جو شخص اسلام کو پھیلانا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ علم کے ذریعے اپنے کردار کی تطہیر کو اپنی اولین ترجیح بنائے۔ باب 61 الصف، آیت 3:

''اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔''

جب کوئی اس طرح سے کام کرتا ہے تو تھوڑا سا درست علم خود پر اور دوسروں پر بہت زیادہ اثر ڈالتا ہے۔ جبکہ اس صحیح رویہ کو رد کرنے والے زیادہ علم کے مالک ہو سکتے ہیں لیکن اس کا کسی پر کوئی مثبت اثر نہیں پڑے گا۔ قرآن پاک میں اس قسم کے شخص کی وضاحت کی گئی ہے۔ باب 62 الجمعہ، آیت 5:

اور پھر اس پر عمل نہیں کیا)اپنے علم پر عمل نہیں کیا(اس گدھے کی طرح ہے جو]کتابوں کی[جلدیں اٹھائے ہوئے ہے۔‘‘

تمام درد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ جب ان کی بیماری شدت اختیار کر گئی تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور تسلی دینے والے اشارے میں آپ کو چھوا۔ اس نے محسوس کیا اور تبصرہ کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت تیز بخار میں مبتلا ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ آپ کا بخار اس سے دوگنا ہے جتنا دوسرے لوگوں کو ہوتا ہے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے اس کا دوگنا ثواب ملنا چاہیے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاق کیا۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ ہر ایک مسلمان جو بیماری میں مبتلا ہو گا اس کے گناہ اس طرح دور ہو جائیں گے جیسے درخت اپنے پتے گراتا ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 340 میں بحث کی گئی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ادب المفرد نمبر 492 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مسلمان کو کسی بھی قسم کی جسمانی پریشانی کا ،سامنا نہیں کرنا پڑتا، خواہ اس کی جسامت کتنی ہی کیوں نہ ہو، جیسے کہ چوٹ لگنا۔ کوئی کانٹا یا کوئی جذباتی مشکل، جیسے تناؤ، سوائے اللہ تعالیٰ کے، اس کی وجہ سے ان کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

اس سے مراد چھوٹے گناہ ہیں کیونکہ بڑے گناہوں کے لیے سچی توبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ نتیجہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک مسلمان مشکل کے آغاز سے اپنی زندگی کے آخر تک صبر کرتا ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کیونکہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ابتدائی طور پر شکایت کر سکتے ہیں اور اس کے بعد صبر کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ یہ سچا صبر نہیں ہے بلکہ یہ صرف قبولیت ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ ہوتا ہے۔ سنن نسائی نمبر 1870 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ زندگی بھر صبر کا مظاہرہ کرنا ضروری ہے کیونکہ انسان بے صبری کا مظاہرہ کر کے اپنے اجر کو ختم کر سکتا ہے۔

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ اس کے چھوٹے گناہ ان مشکلات سے مٹ جائیں پھر ان کے پاس رہتے ہوئے قیامت تک پہنچ جائیں۔ ایک مسلمان کو اپنے چھوٹے گناہوں کو مٹانے کے لیے مسلسل توبہ اور عمل صالح کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور اگر ان کو کوئی جسمانی یا جذباتی دشواری پیش آئے تو ان کو صبر کرنا چاہیے کہ ان کے چھوٹے گناہوں کے مٹ جانے اور بے شمار ثواب حاصل کرنے کی امید رکھیں۔ باب 39 از زمر، آیت 10:

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا]یعنی حد[-..."

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں سوچنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ اس دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ موت کے وقت صرف اللہ تعالیٰ کے بارے میں مثبت سوچنا چاہیے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 341 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود ایک طویل الٰہی حدیث میں اللہ تعالیٰ نے نصیحت کی ہے کہ وہ اپنے بندوں کے بارے میں ان کے تصور کے مطابق عمل کرتا ہے اور اس کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر کوئی مسلمان اچھے خیالات رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بھلائی کی امید رکھتا ہے تو وہ اسے مایوس نہیں کرے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے بارے میں منفی خیالات رکھتا ہے، جیسا کہ یہ یقین رکھنا کہ اسے معاف نہیں کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عقیدہ کے مطابق عمل کر سکتا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ عزوجل میں سچی امید جس کا یہ حدیث اشارہ کرتی ہے اور خواہش مند سوچ میں بہت فرق ہے۔ خواہش مندانہ سوچ یہ ہے کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے باز رہنے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے میں ناکام ہو جائے اور پھر اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی کی امید رکھے۔ یہ سچی امید نہیں ہے یہ محض خواہش مندانہ سوچ ہے۔ یہ ایک کسان کی طرح ہے جو کوئی بیج نہیں لگاتا، اپنی فصل کو پانی نہیں دیتا اور پھر بھی بڑی فصل کاٹنے کی امید رکھتا ہے۔ حقیقی امید وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے کوشش کرے اور جب بھی وہ پھسل جائے تو سچے دل سے توبہ کرے اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کی امید رکھے۔ یہ ایک کسان کی طرح ہے جو بیج لگاتا ہے، اپنی فصل کو پانی دیتا ہے، فصل کو صحت مند رکھنے کے لیے کوشش کرتا ہے اور پھر بڑی فصل کی امید کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وضاحت کو جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود حدیث میں بیان فرمایا ہے۔

عام طور پر، ایک مسلمان کو اپنی زندگی کے دوران اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنا چاہیے کیونکہ یہ ایسے گناہوں سے روکتا ہے جو امید سے برتر ہیں جو کہ انسان کو نیک اعمال کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، خاص طور پر رضاکارانہ قسم۔ لیکن بیماری اور مشکل کے دور میں اور خاص طور پر موت کے وقت مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید کے سوا کچھ نہیں رکھنا چاہیے، خواہ اس نے اپنی زندگی اس کی نافرمانی میں گزار دی ہو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر حکم دیا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 2877 میں موجود حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے۔

سادگی سے رہنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ ان کی آخری رات میں ان کے گھر میں لالٹین جلانے کے لیے تیل نہیں تھا جس کے نتیجے میں ان کی اہلیہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پڑوسی سے کچھ تیل ادھار لینا پڑا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں تک کہ حفاظت کے طور پر ایک یہودی آدمی کے پاس اپنا زرہ کچھ بمشکل رہن رکھا، کیونکہ ان کے خاندان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ اس پر امام صفی الرحمٰن کی کتاب مہربند نیکٹر صفحہ 477 میں بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4118 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔

اسلام مسلمانوں کو اپنی تمام دولت اور جائز خواہشات کو ترک کرنے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ یہ ان کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں جیسے کہ ان کی خوراک، لباس، رہائش اور کاروبار میں سادہ طرز زندگی اپنانے کی تعلیم دیتا ہے تاکہ وہ انہیں فارغ وقت فراہم کریں۔ آخرت کے لیے مناسب طریقے سے تیاری کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ اس سادہ زندگی میں اس دنیا میں کوشش کرنا بھی شامل ہے تاکہ کسی کی ضرورتوں اور ان کے محتاجوں کی ضرورتوں کو بغیر زیادتی، فضول خرچی اور اسراف کے پورا کیا جا سکے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ جتنی سادہ زندگی گزاریں گے، وہ دنیاوی چیزوں پر اتنا ہی کم دباؤ ڈالیں گے اور اسی لیے وہ آخرت کے لیے اتنا ہی زیادہ کوشش کر سکیں گے، جس سے ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل ہو گا۔ لیکن ایک شخص کی زندگی جتنی زیادہ پیچیدہ ہوگی وہ اتنا ہی زیادہ دباؤ ڈالے گا، مشکلات کا سامنا کرے گا اور اپنی آخرت کے لیے کم کوشش کرے گا کیونکہ دنیاوی چیزوں سے ان کی مصروفیات کبھی ختم ہوتی نظر نہیں آئیں گی۔ یہ رویہ انہیں ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔

سادگی دنیا میں آسودگی کی زندگی اور قیامت کے دن سیدھا حساب کتاب کا باعث بنتی ہے۔ جب کہ ایک پیچیدہ اور عیش و عشرت کی زندگی صرف ایک دباؤ والی زندگی اور قیامت کے دن سخت اور مشکل حساب کتاب کا باعث بنے گی۔

خوبصورتی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ اپنے آخری لمحات میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سادہ اور موٹے یمنی چادر اور اوپری لباس پہنے ہوئے تھے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4 صفحہ 345 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1999 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ حسن کو پسند کرتا ہے۔

اسلام کسی مسلمان کو اپنے آپ کو سنوارنے میں توانائی، وقت اور پیسہ خرچ کرنے سے منع نہیں کرتا کیونکہ یہ اس کے جسم کے حقوق کو پورا کرنے والا سمجھا جا سکتا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 5199 میں موجود حدیث میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اہم چیز جو اس طرز عمل کو ناپسندیدہ یا حتیٰ کہ گناہ کے عمل سے الگ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی اپنے آپ کو سنوارتے وقت حد سے زیادہ، فضول خرچی یا اسراف کرے۔ اس کا تعین کرنے کا ایک اچھا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنوارنے سے اللہ تعالیٰ یا لوگوں کے لیے اپنے فرض کو پورا کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے جسے اسلامی علم حاصل کیے بغیر پورا کرنا ممکن نہیں۔ اور درحقیقت کسی کی جسمانی شکل کو درست کرنا تاکہ وہ صاف ستھرا اور ہوشیار نظر آئے، مہنگا نہیں ہے اور نہ ہی اس میں زیادہ وقت لگتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ سمجھنا زیادہ ضروری ہے کہ حقیقی خوبصورتی جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے، اس کا تعلق اندرونی حسن یعنی کردار سے ہے۔ یہ خوبصورتی دونوں جہانوں میں قائم رہے گی جبکہ ظاہری خوبصورتی وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو جائے گی۔ اس لیے اس حقیقی حسن کو ظاہری خوبصورتی پر حاصل کرنے کو اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے ترجیح دینی چاہیے تاکہ وہ اپنے کردار سے حسد جیسی بری خصلت کو ختم کر کے سخاوت جیسی اچھی خصوصیات کو اپنا لے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے میں مدد ملے گی، اس کے

احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ،روایات کے مطابق صبر کے ساتھ ہو گا اور ان کی مدد کرے گا۔ لوگوں کے حقوق کی تکمیل میں جیسے کہ ان کے زیر کفالت۔

الٰہی محبت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ آخری مراحل میں حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس فرشتہ موت کو اجازت دینے کی درخواست کی جو باہر انتظار کر رہا تھا۔ انہوں نے کہا کہ موت کے فرشتے نے اس سے پہلے کبھی کسی کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں مانگی اور نہ ہی اس کے بعد آئے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی۔ موت کے فرشتے نے تبصرہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کریں۔ پھر موت کے فرشتے نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک انتخاب پیش کیا کہ یا تو آپ کو اپنی روح قبض کرنے کی اجازت دیں یا اگر وہ حکم دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ دیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف دیکھا، جنہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے ملنے کا آرزو مند ہے۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موت کے فرشتے سے فرمایا کہ آگے بڑھو اور اس کی روح قبض کرو۔ اس پر ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 394-395 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مخلصانہ اطاعت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کی۔

صحیح مسلم نمبر 7432 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت کرتا ہے جس میں درج ذیل صفات ہوں۔ پہلی صفت تقویٰ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے، اور وہ اپنے فرائض کو پورا کرتے ہیں۔ لوگوں کے بارے میں فرائض، جیسے کہ اس دنیا میں ان کی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو فضول خرچی، اسراف یا اسراف کے بغیر حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔

مرکزی حدیث میں زیر بحث اگلی خصوصیت مخلوقات سے آزاد ہونا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کیے گئے اسباب مثلاً اپنی جسمانی طاقت کو پوری طرح استعمال کرے۔ انہیں سستی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے اور لوگوں سے چیزیں طلب کرنا چاہئے کیونکہ یہ عادت ان پر انحصار کا باعث بنتی ہے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کم کردیتی ہے۔ انسان کو اس بات پر پختہ یقین ہونا چاہیے کہ جو کچھ بھی ہو جائے ان کا رزق ان کے لیے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مختص کر دیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ ایک مسلمان کو اپنی کوششوں پر توجہ مرکوز رکھنی چاہیے اور اس بات پر بھروسہ رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں وہ عطا فرمائے گا جو ان کے لیے بہتر ہے۔

زیر بحث مرکزی حدیث میں آخری خصوصیت گمنام ہونا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ مسلمان کو شہرت حاصل کرنے کے لیے دنیاوی یا دینی معاملات میں کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ یہ بہت سے گناہوں کا باعث بن سکتا ہے، جیسے دکھاوا، اور یہ صرف ایک کے اجر کو ختم کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ شہرت حاصل کرنا دین کے لیے دو بھیڑیوں سے زیادہ تباہ کن ہے جنہیں بکریوں کے ریوڑ پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس کے بجائے، ایک مسلمان کو اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے کوشش کرنی چاہیے اور اگر وہ مشہور ہو جائیں تو انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کو برقرار رکھے، اس کی اطاعت میں کوئی تبدیلی کیے بغیر لوگوں کو خوش کرنے کے لیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں تباہی کا باعث ہے۔

آخری الفاظ - 1

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری الفاظ کہے ہیں ان میں سے کچھ اپنے اختیار میں رہنے والوں جیسے خادموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی اہمیت پر تھے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 2698 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے -

سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچے مسلمان اور سچے مومن کی نشانیاں بتائی ہیں۔ ایک سچا مسلمان وہ ہے جو دوسروں کی زبانی اور جسمانی اذیت کو دور رکھے۔ اس میں درحقیقت تمام لوگ شامل ہیں خواہ ان کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس میں ہر قسم کے زبانی اور جسمانی گناہ شامل ہیں جو کسی دوسرے کو نقصان یا تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔ اس میں دوسروں کو بہترین نصیحت نہ کرنا بھی شامل ہے کیونکہ یہ دوسروں کے ساتھ اخلاص کے خلاف ہے جس کا حکم سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اس میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تلقین کرنا اور گناہوں کی طرف دعوت دینا بھی شامل ہے۔ .ایک مسلمان کو اس رویے سے بچنا چاہیے کیونکہ ہر اس شخص سے حساب لیا جائے گا جو ان کی بری نصیحت پر عمل کرے گا۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

جسمانی نقصان میں دوسرے لوگوں کی روزی روٹی کے لیے مسائل پیدا کرنا، دھوکہ دہی کا ارتکاب کرنا، دوسروں کو دھوکہ دینا اور جسمانی زیادتی شامل ہے۔ یہ تمام خصوصیات اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں اور ان سے بچنا چاہیے۔

زیر بحث اصل حدیث کے مطابق سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کے نقصان کو دور رکھے۔ ایک بار پھر، یہ تمام لوگوں پر لاگو ہوتا ہے قطع نظر ان کے عقیدے کے۔ اس میں چوری کرنا، غلط استعمال کرنا یا دوسروں کی املاک اور سامان کو نقصان پہنچانا شامل ہے۔ جب بھی کسی کو کسی دوسرے کی جائیداد سونپ دی جائے تو اسے یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اسے

صرف مالک کی اجازت سے اور اس طریقے سے استعمال کریں جو مالک کو خوش اور راضی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 5421 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص جھوٹی قسم کے ذریعے کسی دوسرے کا مال ناجائز طور پر لے، چاہے وہ ایک ٹہنی کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ درخت جہنم میں جائے گا۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے زبانی اعلان کو عمل سے سپورٹ کرے کیونکہ یہ کسی کے عقیدے کا جسمانی ثبوت ہیں جو قیامت کے دن کامیابی حاصل کرنے کے لیے درکار ہوں گے۔ اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے بارے میں سچے عقیدے کی خصوصیات کو پورا کرنا چاہیے۔ لوگوں کے ساتھ اس کو حاصل کرنے کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں، جو کہ احترام اور امن کے ساتھ ہے۔

آخری الفاظ - 2

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری کلمات کہے ہیں ان میں سے کچھ میں سنن ابن ماجہ نمبر 2698 میں موجود ایک حدیث فرض نمازوں کے قیام کی اہمیت پر تھے۔ اس پر بحث ہوئی ہے ۔

ان تمام چیزوں میں سے جن کی وہ نصیحت کر سکتا تھا، اس نے فرض نمازوں کا ذکر کرنے کا انتخاب کیا۔ اس سے ہی فرض نمازوں کو قائم کرنے کی اہمیت کا اندازہ ہو جانا چاہیے۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 2618 میں موجود حدیث کے مطابق نماز وہ چیز ہے جو کفر کو ایمان سے جدا کرتی ہے۔ مسلمان اللہ سے منقطع محسوس کرتے ہیں، حالانکہ وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اسے پکارتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان میں سے اکثر اپنی فرض نمازیں ادا کرنے میں ناکام رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے منقطع ہو گئے ہیں۔ مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ فرض نمازوں کا قیام وہ پہلی رکاوٹ ہے جو انہیں گمراہی سے بچاتی ہے۔ صرف ان لوگوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے جن کو وہ جانتے ہیں کہ کون گمراہ ہوئے اور اکثر اوقات ان کی گمراہی کا پہلا مرحلہ فرض نمازوں کو ان کے آداب و شرائط کے مطابق پورا نہ کرنا تھا۔ جب یہ رکاوٹ ختم ہو گئی تو گمراہی اور کبیرہ گناہوں کا ارتکاب آسان ہو گیا۔ باب 29 العنکبوت، آیت 45:

’’...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے‘‘

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی فرض نمازوں کو صحیح طور پر قائم کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ارشادات پر عمل کریں اور اپنے کفیلوں مثلاً اپنے بچوں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دیں۔ بہتر ہے کہ ان پر واجب ہونے سے پہلے ان کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ وہ اس عمر کو پہنچنے تک اس کے عادی ہو جائیں۔ سنن ابوداؤد نمبر 495 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

مسلمانوں کو اس فرض میں ناکامی پر لنگڑے بہانے نہیں بنانے چاہئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی پر ایسا بوجھ نہیں ڈالتا جسے وہ پورا نہ کر سکے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

اللہ کی عبادت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ اپنی بیماری سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار یہ نصیحت فرمائی تھی کہ کسی بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت تک موت نہیں آئے گی جب تک کہ وہ جنت میں اپنا آرام گاہ نہ دیکھ لیں اور زندگی میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے کو کہا جائے۔ اور موت .صحیح بخاری نمبر 4428 میں موجود ایک حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ جو زہر انہیں خیبر میں برسوں پہلے دیا گیا تھا وہ انہیں تکلیف دے رہا تھا اور محسوس ہوا کہ وہ اس سے مر جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شہادت کا شرف بخشا۔ اپنے آخری لمحات میں، اس نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور سب سے اعلیٰ صحابی کے لیے اعلان کیا، یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے۔ انتقال کے وقت ان کی عمر 63 برس تھی۔ اسے جنت کے ایک بلند ترین مقام پر منتقل کیا گیا جو کہ جنت کی سب سے اعلیٰ اور شاندار سطح ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 343 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ان کی اللہ تعالیٰ کی عبادت کیوں کی جاتی ہے کیونکہ یہ وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافے کا سبب بن سکتی ہے یا بعض صورتوں میں نافرمانی کا باعث بن سکتی ہے۔ جب کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اس سے حلال دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کے لیے اس کی نافرمانی کا خطرہ مول لے لیتا ہے۔ اس قسم کے شخص کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ باب 22 الحج، آیت 11:

"اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو جاتی ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔''

جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں تو دنیاوی نعمتوں کو حاصل کرنے کے لیے جب وہ ان کو حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا کسی مشکل کا سامنا کرتے ہیں تو وہ اکثر ناراض ہو جاتے ہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے دور کر دیتا ہے۔ یہ لوگ اکثر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نافرمانی کرتے ہیں، اس صورت حال کے مطابق جس کا وہ سامنا کر رہے ہیں جو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی حقیقی بندگی کے خلاف ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ سے حلال دنیوی چیزوں کی خواہش کرنا اسلام میں قابل قبول ہے، لیکن اگر کوئی اس رویہ پر قائم رہے تو وہ اس آیت میں مذکور کی طرح ہو سکتے ہیں۔ آخرت میں نجات پانے اور جنت حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا افضل ہے۔ مشکلات کا سامنا کرتے وقت یہ شخص اپنے رویے کو تبدیل کرنے کا امکان نہیں رکھتا ہے۔ لیکن سب سے اعلیٰ اور بہترین وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے، صرف اس لیے کہ وہ ان کا رب اور کائنات کا رب ہے۔ یہ مسلمان اگر مخلص ہو گا تو ہر حال میں ثابت قدم رہے گا اور اس اطاعت کے ذریعے انہیں دنیاوی اور دینی دونوں نعمتیں حاصل ہوں گی جو دنیاوی نعمتوں سے بڑھ کر پہلی قسم کے انسان کو حاصل ہوں گی۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی نیت پر غور کریں اور اگر ضروری ہو تو اس کی اصلاح کریں تاکہ یہ انھیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی ترغیب دے۔ حالات

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس عارضی ٹھکانے سے ابدی آسودگی کی طرف ایک بلند ترین مقام پر پہنچا دیا، جو جنت کے سب سے اعلیٰ اور شاندار درجے پر ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 79:

''امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو ایک قابل تعریف مقام پر اٹھائے گا۔ ''

:اور باب 93 عاد الدوحہ، آیات 5-4

اور آخرت تمہارے لیے پہلی زندگی سے بہتر ہے۔ اور تمہارا رب تمہیں دینے والا ہے اور تم "راضی ہو جاؤ گے۔"

یہ اپنے مشن کی تکمیل کے بعد تھا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں سونپا۔ اس نے اپنی قوم کو نصیحت کی تھی اور دونوں جہانوں میں بہترین کی طرف ہدایت دی تھی۔ اس نے انہیں تنبیہ کی تھی اور ان کو اس چیز سے روکا تھا جو انہیں یہاں زمین اور آخرت میں نقصان پہنچانے والی تھی۔ درود و سلام ہو اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم، محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ایک مثبت رویہ

جس دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی ہر چیز تاریک ہوگئی۔ اس اہم نقصان کے باوجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ مصیبت زدہ مسلمانوں کو نصیحت کی کہ اپنے کھونے کی آفت کو یاد رکھیں کیونکہ یہ دنیا کی سب سے بڑی آفت تھی۔ اس پر امام محمد السلّابی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1985 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ مثبت سوچ اپنائیں کیونکہ یہ مشکلات سے نمٹنے کے لیے ان کی مدد کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہیں۔ جب بھی کسی شخص کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے ہمیشہ ایک سچائی کو سمجھنا چاہیے کہ مشکل اس سے کہیں زیادہ خراب ہو سکتی تھی۔ اگر یہ دنیاوی مسئلہ تھا تو انہیں شکر گزار ہونا چاہئے کہ یہ ان کے ایمان کو متاثر کرنے والی مصیبت نہیں تھی۔ مشکل کے ساتھ آنے والے فوری غم پر غور کرنے کے بجائے انہیں انجام اور اس انعام پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صبر کا مظاہرہ کرنے والوں کے لیے منتظر ہے۔ جب کوئی شخص چند نعمتوں سے محروم ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ ان گنت نعمتوں کا ذکر کرے جو اس کے پاس موجود ہیں۔ ہر مشکل میں ایک مسلمان کو قرآن کریم کی آیت یاد رکھنی چاہیے جو مسلمانوں کو یاد دلاتی ہے کہ مشکلات اور آزمائشوں میں بہت سی پوشیدہ حکمتیں ہیں جن کا اس نے مشاہدہ نہیں کیا۔ لہٰذا وہ جس صورتحال کا سامنا کر رہے ہیں وہ اس صورتحال سے بہتر ہے جس کی ان کی خواہش تھی۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

آخر میں، ایک مسلمان کو ان حقائق اور دیگر چیزوں پر غور کرنا چاہیے تاکہ وہ ایک مثبت سوچ اپنائے جو مشکلات سے اس طرح نمٹنے کے لیے کلیدی عنصر ہے جو دونوں جہانوں میں بے شمار نعمتوں کا باعث ہے۔ یاد رکھیں، کپ آدھا خالی نہیں ہے بلکہ آدھا بھرا ہوا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خطاب

فرمانبردار رہنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد اہل مدینہ شدید اضطراب اور تذبذب کا شکار ہو گئے۔ ان کے شدید غم کی وجہ سے ہر شخص نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر مختلف رد عمل ظاہر کیا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابتدا میں اس پر یقین کرنے سے انکار کیا اور دعویٰ کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی زیارت کے لیے گئے تھے اور حضرت موسیٰ کی طرح واپس آئیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی اور اس کے نتیجے میں چالیس دن کے لیے اپنی قوم کو چھوڑ دیا۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہنچے تو انہوں نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لوگوں سے خطاب کیا۔ اس نے باب 3 علی عمران آیت 144 کی تلاوت کی:

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول نہیں ہیں۔ اس سے پہلے [دوسرے [رسول گزر چکے ہیں۔ پس اگر وہ مر جائے یا مارا جائے تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھرے گا وہ اللہ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

اور پھر یہ فرمایا'' :اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زندگی بخشی، اور آپ کو زندہ رکھا یہاں تک کہ آپ نے اللہ کے دین کو قائم کیا، اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کیا۔ سربلند صاف، اس کا پیغام پہنچایا اور اس کی راہ میں لڑا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے پاس لے لیا اور آپ کو راستے پر چھوڑ دیا۔ اور کوئی ہلاک نہیں ہوگا سوائے واضح نشانیوں اور درد کے۔

جن کا رب اللہ تعالیٰ ہے وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا۔ اور جو لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کرتے تھے وہ جان لیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت ہو گئے ہیں۔ اللہ سے ڈرو اے لوگو !اپنے دین کو مضبوطی سے پکڑو اور اپنے رب پر بھروسہ رکھو۔ اللہ تعالیٰ کا دین قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام مکمل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی حمایت کرتے ہیں اور جو اس کے دین کا احترام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمارے درمیان موجود ہے۔ یہ روشنی اور علاج دونوں ہے۔ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت دی۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کس چیز کو حلال سمجھتا ہے اور کس چیز کو حرام۔ ہم پروا نہیں کریں گے کہ مخلوق میں سے کون ہم پر)ہم پر حملہ کرنے (اترتا ہے۔ ہم مخالفت کرنے والوں سے اسی طرح بھرپور طریقے سے لڑیں گے جس طرح اس پر امام ابن کثیر کی سیرت ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بشانہ جنگ لڑی تھی۔ نبوی، جلد 4، صفحہ 348-349 میں بحث کی گئی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خطاب کیا تو سب نے حق کو تسلیم کر لیا۔ عمر رضی اللہ عنہ کو چکر آیا اور وہ زمین پر گر پڑے اور آخرکار تسلیم کر لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر امام ابن کثیر کی سیرتِ نبوی، جلد 4، صفحہ 348-349، اور کی وفات واقع ہو چکی ہے۔ امام محمد السلّابی، عمر ابن الخطاب، ہز لائف اینڈ ٹائمز، جلد 1، صفحہ 139-141 میں بحث کی گئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ - پہلے خلیفہ

حق کا ساتھ دینا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد اہل مدینہ شدید اضطراب اور تذبذب کا شکار ہو گئے۔ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسلام کا پہلا خلیفہ منتخب کرنے پر اتفاق کیا۔ صحیح بخاری نمبر 3667 اور 3668 - میں موجود احادیث میں اس پر بحث ہوئی ہے

اس واقعہ سے سیکھنے کا ایک اہم سبق یہ ہے کہ بھلائی کے معاملات میں دوسروں کا ساتھ دینے کی اہمیت ہے۔ اس اور دیگر احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ وہ کسی اور کو اپنا خلیفہ منتخب کریں۔ درحقیقت اس نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا نام بھی رکھا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بہترین موقع تھا کہ وہ بغیر کسی دلیل اور پریشانی کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے نمائندے کے طور پر اہم کردار ادا کریں۔ لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کردار کے لیے بہترین شخص کو مقرر کر کے صحیح کام کرنے اور مسلم قوم کی مدد کرنے کا انتخاب کیا۔ اسے اس بات کی فکر نہیں تھی کہ اگر اس نے کسی اور کا ساتھ دیا تو اس کا درجہ اور سماجی حیثیت کم ہو جائے گی یا اسے بھلا دیا جائے گا۔ درحقیقت، اس کی عزت اور سماجی حیثیت اس صحیح انتخاب کے بعد ہی بڑھی۔

بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اور یہاں تک کہ اسلامی ادارے بھی اس طرح کا برتاؤ نہیں کرتے۔ وہ اکثر کسی کی مدد کرنے کے بجائے صرف ان لوگوں کی حمایت کرتے ہیں جن کے ساتھ ان کا رشتہ ہے۔ وہ ایسا برتاؤ کرتے ہیں کہ اگر وہ اچھی باتوں میں دوسروں کا ساتھ دیں گے تو ان کی سماجی حیثیت کم ہو جائے گی۔ کچھ اس سے بھی نیچے گر گئے ہیں اور برے کاموں میں اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کا ساتھ دیتے ہیں اور اچھے کام کرنے والے اجنبیوں کا ساتھ دینے میں ناکام رہتے ہیں۔ یہ ایک بڑی وجہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرہ کمزور ہوتا

چلا گیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تعداد میں تھوڑے تھے لیکن کسی اور چیز کی پرواہ کیے بغیر ہمیشہ بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کا ساتھ دے کر اپنا فرض ادا کیا۔ مسلمانوں کو اپنا رویہ بدلنا چاہیے اور ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے اگر وہ دونوں جہانوں میں طاقت اور عزت چاہتے ہیں۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

مزید برآں، اگرچہ یہ واضح تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ، حتیٰ کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بھی پسندیدہ انتخاب تھے، پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واضح طور پر نامزد نہیں کیا۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات اور نیا لیڈر نامزد کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امتحان تھا۔ ایک امتحان یہ دیکھنے کے لیے کہ آیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قیادت کے لیے بحث اور جدوجہد کریں گے یا خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور سر تسلیم خم کریں گے اور بہترین شخص کو اس کردار کے لیے نامزد کریں گے۔ جیسا کہ تاریخ واضح طور پر ظاہر کرتی ہے، انہوں نے یہ امتحان اڑتے رنگوں کے ساتھ پاس کیا۔ اس لیے یہ ان کے لیے ایک امتحان تھا، اور مستقبل کے مسلمانوں کے لیے ایک سبق تھا کہ وہ ہمیشہ دوسروں کی بھلائی میں مدد کرنے کی کوشش کریں۔

مزید برآں، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے واضح طور پر مقرر کیا گیا تھا، تو مستقبل میں کچھ لوگ یہ دعویٰ کریں گے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی تقرری سے کبھی متفق نہیں تھے اور وہ صرف اس لیے قبول کیا کہ انہیں ایسا کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس لیے صریح حکم سے گریز نے اس باطل عقیدہ کو روک دیا کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان واضح اشارے کے تحت اپنا لیڈر منتخب کرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اسلام کا پہلا خلیفہ ہونا چاہیے۔ اس سے خلیفہ کے طور پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں مزید اضافہ ہوا، جیسا کہ ان کی طرف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر اشارہ کیا تھا، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے آزادانہ طور پر مقرر کیا گیا تھا۔ .

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین

جنت کا عظیم ترین باغ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات سے بے خبر تھے کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے۔ بعض نے مدینہ میں ان کی مسجد کا مشورہ دیا اور بعض نے مدینہ میں مرکزی قبرستان کا مشورہ دیا۔ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی تھے جنہوں نے یہ اعلان کر کے ان کو متحد کیا کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ انبیاء علیہم السلام اسی جگہ مدفون ہیں۔ مر گیا .صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے قبول کر لیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی جگہ دفن کیا گیا جہاں آپ کی وفات ہوئی تھی :آپ کی زوجہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر۔ اس سے خوش .سنن ابن ماجہ نمبر 1628 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

بلاشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک جنت کے سب سے بڑے باغ میں ہے۔ اس لیے انسان کو غور کرنا چاہیے کہ جب وہ اپنی قبر میں اتریں گے تو انہیں جنت کے باغ میں رکھا جائے گا یا جہنم کے گڑھے میں، اور اس لیے اس کے مطابق کام کریں جو وہ چاہتے ہیں۔

جامع ترمذی نمبر 2460 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قبر یا تو جنت کا باغ ہے یا جہنم کا گڑھا ہے۔ یہ حدیث مزید بتاتی ہے کہ جب ایک کامیاب مومن کو ان کی قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ ان کے لیے کشادہ اور آرام دہ ہو جاتا ہے جب کہ گناہ گار کی قبر ان کے لیے انتہائی تنگ اور نقصان دہ ہو جاتی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ حقیقت میں ہر شخص اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنے ساتھ جنت کا ،باغ یا جہنم کا گڑھا لے جاتا ہے یعنی اپنے اعمال۔ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے

اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، تو یہ یقینی بنائے گا کہ وہ اس کے لیے مطلوبہ اعمال کی تیاری کرے۔ ان کی قبر کو جنت کا باغ بنا دے۔ لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں گے تو ان کے گناہ جہنم کا گڑھا بنائیں گے جس میں وہ قیامت تک آرام کریں گے۔

اس لیے مسلمانوں کو آج ہی عمل کرنا چاہیے اور اس تیاری میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ موت کا وقت معلوم نہیں اور اکثر اچانک آجاتا ہے۔ آنے والے کل تک تاخیر کرنا بے وقوفی ہے اور یہ صرف پچھتاوے کا باعث بنتا ہے۔ جس طرح انسان اس دنیا میں اپنے گھر کو سنوارنے میں بہت زیادہ توانائی اور وقت صرف کرتا ہے اسے اپنی قبر کو سنوارنے میں زیادہ محنت کرنی چاہیے کیونکہ وہاں کا سفر ناگزیر ہے اور وہاں طویل قیام ہے۔ اور اگر کسی کو ان کی قبر میں تکلیف پہنچتی ہے تو اس کے بعد جو کچھ ہوتا ہے وہ بدتر ہوگا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4267 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا پہلا خطبہ

اسلام کے سفیر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد اہل مدینہ شدید اضطراب اور تذبذب کا شکار ہو گئے۔ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسلام کا پہلا خلیفہ منتخب کرنے پر اتفاق کیا۔

جس دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھے جبکہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگو، کل میں نے تم سے وہ باتیں کہی تھیں جو مناسب نہیں تھیں۔ میں نے اسے اللہ کی کتاب میں نہیں پایا، اور یہ وہ چیز نہیں تھی جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی تھی۔ لیکن میں نے سوچا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری رہنمائی کرتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ ہم میں سے آخری مرنے والے ہوں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تم میں اپنی کتاب چھوڑی ہے جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے۔ اگر تم اس پر قائم رہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی رہنمائی کرے گا جس کی اس نے اسے ہدایت کی تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہیں تم میں سے بہترین صحابی رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں متحد کیا ہے، دونوں میں سے دوسرے جب وہ غار میں تھے، تو اٹھو اور اپنی قسم کھاؤ۔ اس کی بیعت۔"

عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو کسی قسم کی حسد کی علامت ظاہر کیے بغیر ان کی رہنمائی کرنے کے سب سے زیادہ لائق شخص کے ماتحت متحد ہونے کی ترغیب دی۔ اس کے عمل نے لوگوں کے لیے تقسیم اور فتنوں سے بچایا اور مسلمانوں کو ان آنے والی مشکلات کے لیے تقویت بخشی جن کا ان کا مقدر تھا۔ اس پر امام محمد السلّابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 143 میں بحث کی گئی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے خطبہ میں یہ فرمایا" :اے لوگو، میں نے اقتدار سنبھال لیا ہے حالانکہ میں تم میں سے سب سے بہتر نہیں ہوں)یہ ان کی حیا کا اظہار صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے طور پر ہے وہ ان میں سے بہترین ہونے کے یقین میں متحد تھے(۔ اگر میں اچھا کروں تو میری مدد کرو۔ اگر میں غلطی کروں تو مجھے سیدھا کر دو۔ ایمانداری وفاداری ہے؛ بے ایمانی دھوکہ ہے .تم میں سے کمزور لوگ میری نظر میں طاقتور ہیں جب تک کہ میں ان کی کمزوری کو دور نہ کر سکوں۔ تم میں سے طاقت ور کمزور ہے یہاں تک کہ میں ان سے وہ حق نکالوں جو ان کا لوگوں پر واجب ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہے۔ کوئی بھی قوم اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے کو اللہ تعالیٰ کے بغیر نہیں چھوڑتی اور ان کو ذلت میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی قوم پر بدحالی کبھی نہیں پھیلتی جس سے وہ مصیبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کروں۔ اگر میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کروں تو مجھے تم سے اطاعت کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 355-356 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ واقعہ مسلمانوں کو اس اہم عہدے کی یاد دلاتا ہے جس پر انہیں اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے، یعنی اسلام کے سفیر۔ مسلمانوں کے لیے اپنی صلاحیت کے مطابق اس فرض کو ادا کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس کو حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کیا جائے، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کیا جائے اور اس کے انتخاب پر صبر کیا جائے۔ اسلام پوری دنیا میں پھیل گیا کیونکہ صالح پیشرو اس فرض کو بہت سنجیدگی سے لیتے تھے۔ جب انہوں نے فائدہ مند علم حاصل کیا اور اس پر عمل کیا تو بیرونی دنیا نے ان کے طرز عمل سے اسلام کی حقانیت کو پہچان لیا۔ جس کی وجہ سے بے شمار لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ بدقسمتی سے، آج بہت سے مسلمان اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اسلام کے بارے میں دوسروں کو ظاہر کرنا محض کسی کی ظاہری شکل ہے، جیسے داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا۔ یہ اسلام کی نمائندگی کا صرف ایک پہلو ہے۔ سب سے بڑا حصہ قرآن کریم اور ان کی روایات میں مذکور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کو اپنانا ہے۔ صرف اس رویے سے بیرونی دنیا اسلام کی اصل فطرت کا مشاہدہ کرے گی۔ ایک مسلمان کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ اسلام کی تعلیمات کے مخالف خصوصیات کے حامل ہوتے ہوئے اسلامی شکل اختیار کرنا صرف بیرونی دنیا میں اسلام کی بے عزتی کا باعث بنتا ہے۔ وہ اس بے عزتی کے لیے جوابدہ ہوں گے کیونکہ وہ اس کی وجہ ہیں۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی باطنی تعلیمات کو اپناتے ہوئے اسلام کے حقیقی سفیر کے طور پر پیش آئے اور اسلام کی ظاہری شکل و صورت کو بھی اپنائے۔

اس کے علاوہ اس اہم عہدے کو مسلمانوں کو یاد دلانا چاہیے کہ ان کا احتساب کیا جائے گا اور سوال کیا جائے گا کہ آیا انہوں نے یہ کردار ادا کیا یا نہیں؟ جس طرح ایک بادشاہ اپنے سفارت کار اور نمائندے پر غضب ناک ہوتا ہے اگر وہ اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس مسلمان سے ناراض ہوگا جو اسلام کے سفیر کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کرنے میں ناکام رہے گا۔

اتحاد

متفقہ طور پر اسلام کے پہلے خلیفہ کے طور پر مقرر ہونے کے بعد، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے استعفی دینے کی کوشش کی کیونکہ وہ قیادت کی کوئی خواہش نہیں رکھتے تھے .انہوں نے کھلے عام یہ درخواست کی اور یہ علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے آگے بڑھ کر واضح کر دیا کہ کوئی بھی ان کا استعفیٰ نہیں چاہتا اور نہ ہی وہ ان کا استعفیٰ قبول کریں گے۔ انہوں نے اس بات کا اعادہ کیا کہ کس طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تمام حالات میں سب سے آگے رکھا، جیسے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری بیماری کے دوران نماز باجماعت پڑھانا۔ اس کی تصدیق بہت سی احادیث سے ہوئی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 682 میں موجود ہے۔ تمام صحابہ نے علی سے اتفاق کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اصرار کیا کہ وہ ان کی امامت کریں۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 212 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

برسوں بعد، اپنی خلافت کے دوران، علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امامت کے لیے منتخب کرنے پر راضی تھے۔ ہر ایک نے اپنے اپنے مذہب میں)نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیماری کے دوران نماز باجماعت پڑھائی (اور اسی طرح تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی امامت کرنے پر آپ سے راضی ہوئے۔ ان کے دنیاوی معاملات بھی۔ اس پر امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 5 میں بحث ہوئی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے اس طرح برتاؤ کیا جیسا کہ ان کی تربیت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیر کے معاملات میں متحد ہونے کے لیے کی تھی۔ مسلمانوں کو ان تعلیمات کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے والی چیزوں میں متحد ہو جائیں۔

صحیح مسلم نمبر 6541 میں موجود ایک حدیث میں معاشرے کے اندر اتحاد پیدا کرنے کے بعض پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے حسد نہ کرنے کی تلقین کی۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اس نعمت کو حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہے جس کا کوئی دوسرا معنی رکھتا ہے، وہ اس نعمت سے محروم ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ اور اس میں اس حقیقت کو ناپسند کرنا شامل ہے کہ مالک کو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے یہ نعمت دی تھی۔ کچھ صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے بغیر ان کے عمل یا تقریر کے ذریعہ۔ اگر وہ اپنی سوچ اور احساس کو ناپسند کرتے ہیں تو امید کی جاتی ہے کہ ان کی حسد کی وجہ سے ان کا احتساب نہیں کیا جائے گا۔ بعض اپنے قول و فعل سے کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے سے نعمت چھین لیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ بدترین قسم وہ ہے جب کوئی شخص نعمت کو مالک سے دور کرنے کی کوشش کرے خواہ حسد کرنے والے کو نعمت نہ ملے۔

حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہ کرے، ان کے احساس کو ناپسند کرے اور اگر وہ اس جیسی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کے پاس موجود نعمت کو کھوئے بغیر اس کے مالک کی طرف سے کوئی نعمت حاصل نہ ہو۔ اگر چہ یہ قسم گناہ گار نہیں ہے پھر بھی یہ ناپسندیدہ ہے اگر حسد کسی دنیوی نعمت پر ہو اور صرف اس صورت میں قابل تعریف ہے جب اس میں دینی نعمت شامل ہو۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 میں ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ جب کوئی شخص حلال مال حاصل کرنے اور خرچ کرنے والے سے حسد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی شخص اس شخص سے حسد کرتا ہے جو اپنی حکمت اور علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔

حسد کی بری قسم، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، براہ راست اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ حسد کرنے والا ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے کسی اور کو خاص نعمت دے کر غلطی کی ہو۔ اس لیے یہ کبیرہ گناہ ہے۔ درحقیقت جیسا کہ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ لہٰذا ایک غیرت مند مسلمان کو چاہیے کہ وہ جس شخص سے حسد کرتے ہیں اس کے ساتھ حسن سلوک اور مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کرے، جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہاں تک کہ ان کی حسد ان کے لیے محبت بن جائے۔

ایک اور چیز جو شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں نصیحت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے نفرت نہ کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو صرف اسی صورت میں ناپسند کرنا چاہئے جب اللہ تعالیٰ اسے ناپسند کرے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث میں اسے ایمان کی تکمیل کے پہلو کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو اپنی خواہشات کے مطابق چیزوں یا لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی اپنی خواہشات کے مطابق دوسرے کو ناپسند کرتا ہے تو اسے کبھی بھی اپنے قول و فعل پر اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہیے کیونکہ یہ گناہ ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسرے کے ساتھ اسلام کی تعلیمات کے مطابق احترام اور مہربانی کے ساتھ سلوک کرتے ہوئے احساس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ دوسرے لوگ بالکل اسی طرح کامل نہیں ہیں جس طرح وہ کامل نہیں ہیں۔ اور اگر دوسروں میں کوئی بری خصلت ہے تو وہ بھی بلاشبہ اچھی صفات کے مالک ہوں گے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرے کہ وہ اپنی برائیاں چھوڑ دیں لیکن ان میں جو اچھی صفات ہیں ان سے محبت کرتے رہیں۔

اس موضوع پر ایک اور نکتہ بیان کرنا ضروری ہے۔ ایک مسلمان جو کسی خاص عالم کی پیروی کرتا ہے جو کسی مخصوص عقیدے کی حمایت کرتا ہے اسے متعصب کی طرح کام نہیں کرنا چاہئے اور اپنے عالم کو ہمیشہ صحیح ماننا چاہئے اس لئے ان لوگوں سے نفرت کرنا چاہئے جو ان کے علماء کی رائے کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز/کسی کو ناپسند کرنے والا نہیں ہے۔ جب تک علماء کے درمیان جائز اختلاف موجود ہے ایک مسلمان کو کسی خاص عالم کی پیروی کرنا چاہئے اور اس کا احترام کرنا چاہئے اور دوسرے لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہئے جو اس کے ماننے والے عالم سے مختلف ہوں۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے منہ نہ پھیریں۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں دنیاوی مسائل پر دوسرے مسلمانوں سے تعلقات منقطع نہیں کرنے چاہئیں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کی حمایت سے انکار کر دینا چاہیے۔ صحیح بخاری نمبر 6077 میں موجود حدیث کے مطابق ایک مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ تعلق منقطع رکھنا ناجائز ہے۔ درحقیقت کسی دنیوی مسئلہ میں ایک سال سے زائد عرصہ تک تعلقات منقطع کرنے والا دوسرے مسلمان کو قتل کرنے والے کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4915 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ دوسروں کے ساتھ تعلقات منقطع کرنا صرف ایمان کے معاملات میں جائز ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کو خلوص دل سے توبہ کرنے کی تلقین کرتے رہنا چاہیے اور صرف اس صورت میں ان کی صحبت سے گریز کرنا چاہیے جب وہ بہتر کے لیے تبدیلی سے انکار کر دیں۔ جب بھی ان سے ایسا کرنے کی درخواست کی جائے تو انہیں حلال چیزوں میں ان کا ساتھ دینا چاہیے کیونکہ یہ احسان مندانہ عمل انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔

زیر بحث مرکزی حدیث میں ایک اور بات کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے جب وہ اس حدیث میں دی گئی سابقہ نصیحت پر عمل کریں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسرے مسلمانوں کے تئیں اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کریں، جیسے کہ بھلائی کے معاملات میں دوسروں کی مدد کرنا اور برائیوں سے خبردار کرنا۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو“۔”

صحیح بخاری نمبر 1240 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمانوں کے درج ذیل حقوق ادا کرنے چاہئیں :وہ سلام کا جواب دینا، بیماروں کی عیادت کرنا، ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا اور ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا۔ چھینکنے والا جو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو وہ تمام حقوق سیکھنے اور پورے کرنے چاہئیں جو دوسرے لوگوں خصوصاً دوسرے مسلمانوں کے ان پر ہیں۔

زیر بحث اہم حدیث میں ایک اور بات کا ذکر ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرنا چاہیے، اسے ترک نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی اس سے نفرت کرنی چاہیے۔ انسان کے گناہوں سے نفرت ہونی چاہیے لیکن گناہ گار ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کسی بھی وقت صدق دل سے توبہ کر لے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4884 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کو ذلیل کرے گا اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل کرے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کو ذلت سے بچاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے گا۔

شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں مذکور منفی خصوصیات اس وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب کوئی شخص غرور اختیار کر لے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث کے مطابق تکبر اس وقت ہوتا ہے جب انسان دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔ مغرور شخص خود کو کامل دیکھتا ہے جبکہ دوسروں کو نامکمل دیکھتا ہے۔ یہ انہیں دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے روکتا ہے اور دوسروں کو ناپسند کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

ایک اور بات جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ حقیقی تقویٰ انسان کی ظاہری شکل و صورت میں نہیں ہے جیسا کہ خوبصورت لباس پہننا، بلکہ یہ ایک باطنی صفت ہے۔ یہ باطنی خصلت ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اسی لیے صحیح مسلم کی حدیث نمبر 4094 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب روحانی قلب پاک ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے لیکن جب روحانی قلب فاسد ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے۔ کرپٹ ہو جاتا ہے .یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری صورتوں مثلاً مال و دولت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی نیتوں اور اعمال پر غور کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6542 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے باطنی تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرے .تاکہ یہ ظاہری طور پر اس طرح ظاہر ہو جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعامل کرتے ہیں۔ تخلیق

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے بغض رکھنا گناہ ہے۔ اس نفرت کا اطلاق دنیاوی چیزوں پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر دوسروں کو ناپسند نہیں کرنا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور بغض رکھنا ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو ہر حال میں دوسروں کا احترام کرنا چاہیے اور اس شخص سے نفرت کیے بغیر صرف ان کے گناہوں کو ناپسند کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ، ان کی ناپسندیدگی انہیں کبھی بھی اسلامی تعلیمات کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہیں کرے گی کیونکہ اس سے یہ ثابت ہو گا کہ ان کی نفرت ان کی اپنی خواہشات پر مبنی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ دنیاوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کو حقیر سمجھنے کی اصل وجہ تکبر ہے۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ایک ایٹم کا فخر کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس کے بعد جو بات اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کی جان، مال اور عزت سب مقدس ہیں۔ ایک مسلمان کو بغیر کسی جواز کے ان حقوق میں سے کسی کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ غیر مسلموں سمیت دیگر لوگوں کو ان کے شر سے محفوظ نہ رکھے۔ نقصان دہ تقریر اور اعمال .اور سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کی برائیوں کو دور رکھے۔ ان حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو قیامت کے دن انصاف قائم ہو گا جس کے تحت مظلوم کو ظالم کی نیکیاں ملیں گی اور ضرورت پڑنے پر مظلوم کے گناہ ظالم کو ملیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ یہ ایک فرد کے لیے بہت زیادہ برکتوں کا باعث بنے گا اور اس کے معاشرے میں اتحاد پیدا ہوگا۔

مزید متعلقہ مسائل پر توجہ مرکوز کرنا

اسلام کے پہلے خلیفہ کے طور پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نامزدگی ہمیشہ سے بحث کا موضوع رہی ہے۔ صحیح رہنمائی کرنے والے علماء نے اکثر دو گروہوں :سنی اور شیعہ کو حق پر متحد کرنے کے لیے اسلام کے پہلے خلیفہ ہونے کے ان کے حق کے زبردست شواہد پر کثرت سے بحث کی ہے۔ اگرچہ یہ ایک مناسب مقصد ہے، لیکن عام مسلمان کو ان بحثوں یا اس سے ملتی جلتی ،دیگر بحثوں میں نہیں پڑنا چاہیے، جیسے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف کیونکہ یہ مسائل اللہ عزوجل کے ہیں۔ قیامت کے دن ان کے بارے میں نہیں پوچھیں گے۔ یہ مسائل اللہ عزوجل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 141:

"یہ وہ قوم ہے جو گزر چکی ہے۔ اس کا نتیجہ ہوگا جو اس نے کمایا اور تمہیں وہی ملے گا جو تم نے کمایا۔ اور تم سے نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔

ایک مسلمان کو اس بات پر پختہ یقین ہونا چاہیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صحیح ہدایت پر تھے اور اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی تھا۔ یہ بات قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات سے ثابت ہے۔ مثال کے طور پر، باب 9 توبہ، آیت 100:

"اور مہاجرین)مکہ سے آنے والے (اور انصار)مدینہ کے رہنے والوں (میں سب سے پہلے]ایمان میں [اور وہ لوگ جنہوں نے حسن سلوک کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں، اور وہ اس سے راضی ہیں۔ ان کے لیے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔''

چونکہ قیامت کے دن ان مسائل کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا، اس لیے ایک مسلمان کو ان چیزوں پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جن کے بارے میں قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔ جب کوئی

مسلمان قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو پوری طرح سمجھ لے اور اس پر عمل کر لے تو کیا اسے دوسرے مسائل پر توجہ دینے کا حق ہے؟ جیسا کہ عملی طور پر کوئی بھی اس سطح تک نہیں پہنچا ہے، اس لیے اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ ان مسائل پر توجہ مرکوز کریں جو متعلقہ ہیں، یعنی وہ مسائل جو اس بات کا تعین کریں گے کہ وہ جنت میں جائیں گے یا جہنم میں۔

اس کے علاوہ جو شخص کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو ناپسند کرتا ہے اسے کافر ہونے سے ڈرنا چاہیے جیسا کہ کافر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ناپسند کرتے ہیں، قرآن کریم کے مطابق۔ باب 48 الفتح، آیت 29:

"محمد اللہ کے رسول ہیں؛ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر زبردست اور آپس میں رحم دل ہیں۔ تم انہیں رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے دیکھتے ہو، اللہ کے فضل اور]اس کی [خوشنودی کے طالب ہوتے ہیں۔ ان کی نشانی ان کے چہروں پر سجدہ کے اثر سے ہے]یعنی نماز[۔ تورات میں ان کی تفصیل یہی ہے۔ اور انجیل میں ان کا بیان ایک ایسے پودے کی طرح ہے جو اپنی شاخیں نکالتا ہے اور انہیں مضبوط کرتا ہے تو وہ مضبوط ہو کر اپنے ڈنڈوں پر کھڑے ہو کر بونے والوں کو خوش کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہو جائے۔ ان سے راضی [کافر..."

جو ان کو ناپسند کرتا ہے وہ قرآن پاک میں مذکور تین کامیاب گروہوں میں سے ہے اور اس لیے دونوں جہانوں میں برباد ہے۔ پہلا گروہ صحابہ کرام کا ہے جنہوں نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی، اللہ ان سے راضی ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 8:

’’وہ غریب مہاجر جو اللہ کے فضل اور]اس کی [رضامندی کے طلب گار اور اللہ اور اس کے رسول کی حمایت میں اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے تھے،]بھی حصہ ہے[۔ یہی لوگ سچے ہیں۔"

دوسرا گروہ مدینہ سے آنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ہیں۔ باب 59 الحشر، آیت 9:

وہ لوگ جو مدینہ منورہ میں آباد ہوئے اور ان سے پہلے ایمان کو اپنایا۔ وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جنہوں نے ان کی طرف ہجرت کی اور اپنے سینوں میں اس چیز کی کوئی کمی نہیں پاتے جو انہیں (یعنی ہجرت کرنے والوں کو) دی گئی ہے بلکہ وہ اپنے آپ کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ تنگدستی میں ہوں۔ اور جو شخص اپنے نفس کی بخل سے محفوظ رہا، وہی فلاح پانے والے ہیں۔"

آخری کامیاب گروہ وہ ہیں جو مکہ اور مدینہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کوئی منفی جذبات نہیں رکھتے بلکہ ان کے مرید ہیں۔ باب 59 الحشر، آیت 10:

جو لوگ ان کے بعد آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ایمان میں ہم سے پہلے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے کینہ نہ رکھ، اے ہمارے رب، بے شک تو مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ "

جو بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو ناپسند کرتا ہے اور ان پر تنقید کرتا ہے وہ ان تینوں کامیاب گروہوں سے باہر ہے اور اس لیے دونوں جہانوں میں برباد ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمدہ بیان

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چند اعلیٰ صفات درج ذیل ہیں جن کی تقلید کے لیے تمام مسلمانوں کو کوشش کرنی چاہیے۔ باب 33 الاحزاب، آیت 21:

’’یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔‘‘

اور باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

شمائل ترمذی کی ایک حدیث نمبر 215 میں درج ذیل خصوصیات کا ذکر ہے۔ حضور نبی اکرم وآلہ وسلم ہمیشہ فکر مند نظر آتے تھے کیونکہ آپ نے زیادہ وقت آخرت اور اپنے صلی اللہ علیہ پیروکاروں کی تقدیر پر غور کرنے میں صرف کیا تھا۔ وہ ہر وقت گہری سوچ میں ڈوبا رہتا تھا۔ اس کی وجہ سے وہ کبھی بھی مکمل طور پر پر سکون نظر نہیں آیا۔ جب وہ بولتا تھا تو صاف اور آہستہ بولتا تھا تاکہ اسے آسانی سے سمجھا جا سکے۔ اس نے اختصار کے ساتھ مطلب بولا، اس کے چند الفاظ میں علم کا ایک بحر ہے۔ درحقیقت یہ ان معجزات میں سے ایک تھا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 1167 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ تو خستہ مزاج تھے اور نہ ہی آپ نے دوسروں کی توہین اور تذلیل کی۔ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کا شکر ادا کرتے تھے، خواہ وہ چھوٹی ہی کیوں نہ ہوں۔ اس نے کبھی کھانے پر تنقید نہیں کی۔ دنیاوی چیزوں پر کبھی غصہ نہیں کیا۔ لیکن

جب اللہ تعالیٰ کی حدیں پار کی گئیں تو آپ کو سخت غصہ آیا لیکن اس کے باوجود آپ ہمیشہ عادل اور رحم دل رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی مسکراہٹ تھی۔

میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شمائل ترمذی نمبر 227 اس بات کی تصدیق کی ہے کہ آپ نے کبھی کبھی مذاق کیا لیکن ہمیشہ سچ کہا۔ بدقسمتی سے، کچھ مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ چھوٹے جھوٹ بولنا قابل قبول ہے جسے سفید جھوٹ کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ سچ نہیں ہے۔ ہر قسم کے جھوٹ سے بچنا چاہیے کیونکہ قرآن کریم نے جھوٹ بولنے والوں پر لعنت کی ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 61:

‘‘اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجو۔’’

وآلہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ نمبر 2315 میں موجود ایک حدیث میں درحقیقت جامع ترمذی وسلم نے مذاق میں جھوٹ بولنے والے پر تین لعنتیں فرمائی ہیں۔ اگر مذاق کرتے ہوئے جھوٹ بولنے کا یہ حال ہے تو کیا دوسروں کو دھوکہ دیتے ہوئے جھوٹ بولنے کے نتائج کا تصور کیا جا سکتا ہے؟ جو مذاق کرتے ہوئے بھی جھوٹ نہیں بولتا اسے جنت کے بیچوں بیچ قلعے کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4800 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلیٰ کردار کا ایک حصہ آپ کا اللہ تعالیٰ کی عبادت کا جذبہ تھا۔ مثال کے طور پر صحیح مسلم نمبر 7124 میں موجود ایک حدیث میں بتایا گیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو اس قدر نفلی نماز پڑھا کرتے تھے کہ آپ کے مبارک پاؤں سوج جاتے تھے۔ جب ان سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے سادگی سے جواب دیا کہ میں شکر گزار بندہ بننا چاہتا ہوں۔ حالانکہ مسلمانوں سے ایسی پرجوش عبادت کی توقع نہیں کی جاتی ہے، ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق کوشش کرنی چاہیے۔ یہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق جسمانی طاقت جیسی ہر نعمت کو استعمال کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عاجزی و انکساری بہت مشہور ہے۔ یہ سچی بندگی کی ایک کلیدی خصوصیت ہے اور اس کے برعکس، یعنی غرور، جہنم میں داخل ہونے کا سبب بنے گا، خواہ اس کے پاس ایک ذرہ برابر بھی ہو۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مبارک زندگی میں تواضع کا مظاہرہ کیا۔ مثال کے طور پر شمائل ترمذی کی ایک حدیث نمبر 315 میں یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ بیماروں کی عیادت کرتے تھے چاہے وہ غریب ہی کیوں نہ ہوں۔ اس نے جنازوں میں شرکت کی اور سب خاص کر غریبوں کی دعوت قبول کی۔ پوری تاریخ میں ان خصوصیات کو غرور رکھنے والوں نے ہمیشہ حقیر دیکھا ہے۔ لیکن اسلام مسلمانوں کو ان فرائض اور دوسروں کو پورا کرنے کا درس دیتا ہے کیونکہ یہ ان کے جنت میں داخل ہونے کا سبب بن سکتے ہیں۔ صحیح مسلم نمبر 2374 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

شمائل ترمذی کی ایک لمبی حدیث نمبر 319 میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عاجزی اور سادگی کو نمایاں کیا گیا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 4118 میں موجود ایک حدیث کے مطابق سادگی ایمان کا حصہ ہے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر پر تھے تو آپ نے اپنے وقت کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلا اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے وقف تھا۔ دوسرا اپنے گھر والوں کے حقوق ادا کرنے کے لیے وقف تھا۔ اور آخری حصہ اپنے لیے تھا مطلب آرام کے لیے۔ اس آخری حصے کو اس نے دو حصوں میں تقسیم کیا اور اس کا آدھا حصہ عام لوگوں اور ان کی ضروریات کے لیے وقف کر دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کیا خواہ وہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ وہ ہمیشہ لوگوں سے ان کے علم کی سطح کے مطابق بات کرتے اور صرف ان چیزوں پر گفتگو کرتے جس سے لوگوں کو فائدہ ہو۔ جب بھی لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جمع ہوتے تو صرف فائدہ مند باتیں ہی ہوتی تھیں اور سب فضول باتوں سے اجتناب کرتے تھے۔ لوگ ان کی محفلوں سے ہمیشہ کچھ نیا سیکھتے چلے جاتے تھے جس سے انہیں فائدہ ہوتا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف وہ الفاظ کہے جو مفید اور ضروری تھے اور لغو اور فضول باتوں کو ناپسند کرتے تھے۔ جو بھی اس کی عیادت کرتا تھا اس نے سکون محسوس کیا اور خوش آمدید کہا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ سب کا احترام کیا اور دوسروں کو نقصان پہنچانے سے ہمیشہ گریز کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ دوسروں کے معاملات کے بارے میں فکر مند رہتے اور ان کے مسائل کو دور کرنے کی کوشش کرتے۔ انہوں نے اچھے کاموں کی تعریف کی اور ان کی حوصلہ افزائی کی۔ انہوں نے برائیوں کے منفی اثرات کو بیان کیا اور انہیں دور کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے بنی نوع انسان کے لیے ایک بہترین مثال قائم کرنے کے لیے حد سے زیادہ رویے اور سستی سے بچتے ہوئے درمیانی راستہ اختیار کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک بہترین شخص وہ تھا جو دوسروں کی بھلائی کا خواہاں تھا اور ان کی مدد میں کوشش کرتا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو یاد کرکے

اپنی گفتگو اور مجلس کا آغاز اور اختتام کیا۔ جب وہ کسی محفل میں جاتے تو جہاں جگہ ہوتی وہیں بیٹھ جاتے اور دوسروں کو کبھی تکلیف نہیں دیتے۔ لیکن وہ جہاں بھی بیٹھا وہ محفل کا مرکز و محور بن گیا۔ اس نے ہمیشہ ان کے حقوق ادا کیے جن کے ساتھ وہ ملاقات اور بیٹھتے تھے۔ ہر شخص کا عقیدہ تھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی سب سے زیادہ عزت کرتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اس وقت گفتگو چھوڑتے تھے جب دوسرے شخص کی درخواست ان کے اطمینان کے مطابق پوری ہو جاتی تھی۔ وہ ہمیشہ دوسروں کی ضروریات پوری کرتا تھا۔ لوگوں سے ہمیشہ خوش اسلوبی سے پیش آتے۔ آپ کی نظر میں تمام لوگ برابر تھے جہاں تک ان کے حقوق کا تعلق تھا، آپ نے دنیاوی وجوہات کی بنا پر بعض کو دوسروں پر ترجیح نہیں دی۔ ان کی محفلیں فائدہ مند علم، حلم، صبر اور سچائی سے متعلق تھیں۔ سب عزت دار تھے اور ان محفلوں میں کسی کو شرمندگی نہیں ہوئی۔ اس نے دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا اور لوگوں کا نام لیے بغیر غلطیوں کی نشاندہی کی۔ کسی کو اپنی محفلوں میں زیادہ فضیلت صرف اس صورت میں نظر آتی تھی جب وہ اللہ تعالیٰ سے دوسروں سے زیادہ ڈرتے۔ نوجوانوں کو اس کی طرف سے شفقت اور محبت کا مظاہرہ کیا گیا۔ غریبوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جاتا تھا اور ان کی ضروریات پوری کی جاتی تھیں۔ اجنبیوں اور مسافروں کا ہمیشہ خیال رکھا جاتا تھا۔

جامع ترمذی نمبر 2015 میں ایک حدیث ملتی ہے کہ صحابی انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے دس سال تک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی اور اس عرصہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کبھی بھی ان سے ناراض نہیں ہوئے اگر وہ اپنے مقرر کردہ کام کو انجام دینے میں ناکام رہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ اور اہل ایمان کی والدہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نصیحت فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ کبھی بے حیائی کی اور نہ کوئی بات کی۔ وہ گندی زبان استعمال کرتا ہے اور نہ ہی اونچی آواز میں بولتا تھا۔ جب بھی وہ دوسروں سے ناراض ہوتا تو اس نے بدلہ نہیں لیا بلکہ معاف کر دیا اور نظر انداز کر دیا۔ اس کی تصدیق شمائل ترمذی نمبر 330 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی عورت، بچے یا کسی مرد شہری کو نہیں مارا۔ اس نے صرف ایک بار اللہ کی خاطر لڑا، مرد سپاہیوں کے خلاف اپنے دفاع میں۔ صحیح مسلم نمبر 6050 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

شمائل ترمذی میں موجود ایک طویل حدیث نمبر 334 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض مبارک خصوصیات پر بحث کی گئی ہے۔ وہ لوگوں کے ساتھ ہمیشہ خوش اخلاق اور نرم مزاج تھے۔ وہ اکثر مسکراتا رہتا تھا۔ وہ بہت نرم طبیعت کے تھے۔ اس نے کبھی دوسروں سے سخت بات نہیں کی اور نہ ہی وہ سخت دل کے مالک تھے۔ اس نے کبھی بھی نازیبا الفاظ یا توہین آمیز الفاظ نہیں کہے۔ اس نے کبھی دوسروں کے عیب نہیں ڈھونڈے۔ اس نے کبھی چیزوں پر تنقید نہیں کی اور نہ ہی چیزوں کی تعریف کی۔ وہ کم ہی مذاق کرتا تھا لیکن حد سے تجاوز نہیں کرتا تھا۔ وہ کنجوس نہیں تھا۔ اگر وہ کسی کی خواہش سے متفق نہیں تھا تو اس نے انہیں بہتر انتخاب کی وضاحت کرتے ہوئے کبھی مایوس نہیں کیا۔ وہ تین چیزوں سے بالکل دور رہا :دوسروں سے جھگڑنے سے، غرور اور فضول باتوں سے۔ اس نے دوسروں کی بے عزتی یا توہین نہیں کی اور نہ ہی دوسروں کے عیب تلاش کیے اور صرف فائدہ مند چیزوں کی بات کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسروں کی بدسلوکی اور سختی پر ہمیشہ صبر کرتے رہے۔ جب وہ بول رہے تھے تو وہ لوگوں کو نہیں روکتا تھا۔

شمائل ترمذی کی ایک حدیث نمبر 335 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انتہائی فیاضی کا ذکر ہے۔ جب بھی کسی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی مفید چیز مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی انکار نہیں کیا۔

وہ اس قدر سخی تھے کہ جیسا کہ شمائل ترمذی نمبر 337 میں ایک حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے کبھی بھی اگلے دن کے لیے اپنے لیے کوئی سامان ذخیرہ نہیں کیا جیسا کہ وہ ہمیشہ صدقہ کرتے تھے۔

اس کی سخاوت اس حد تک پہنچ گئی کہ جب اس کے پاس دوسروں کو دینے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو وہ مانگنے والے کو مشورہ دیتے کہ وہ مقامی بازار سے کچھ لے لے اور سوداگر کو بتاتا کہ اس چیز کی قیمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد ادا کریں گے۔ .اس کی تصدیق شمائل ترمذی نمبر 338 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ دوسروں کے احسانات اور تحائف کا بدلہ دیا۔ شمائل ترمذی کے نمبر 339 میں موجود ایک حدیث کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پھلوں کی ٹرے بطور تحفہ دی گئی۔ جواب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو مٹھی بھر زیورات عطا فرمائے۔

جامع ترمذی نمبر 2472 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کوئی دہشت زدہ نہیں ہوا۔ اسے ایسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کہ تیس دن تک صرف چند لقمے کھانے کو مل سکے۔ درحقیقت مہینے گزر جاتے ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں کچھ نہیں پکتا تھا۔ وہ اور اس کا خاندان پانی اور کھجور کے پھلوں پر اپنا گزارہ کرتے تھے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 2567 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ کھانا نہ کھایا جائے۔ لیکن مسلمانوں کو سب سے پہلے اس کی قدر کرنی چاہیے جو ان کے پاس ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ اسراف، فضول خرچی اور اسراف سے بچ کر اسلام کی حدود میں مادی دنیا سے لطف اندوز ہوں۔

نتیجہ

جب کوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کا مشاہدہ کرے گا تو وہ واضح طور پر دیکھے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے ہر قدم پر آزمائے گئے حالانکہ آپ اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین مخلوق تھے۔ لہٰذا، آزمائش اور مشکل ایک لعنت یا بدحال زندگی کی علامت نہیں ہے۔ یہ درحقیقت ایک شخص کے لیے چمکنے کا ایک موقع ہے اور بہت زیادہ انعام جمع کرتا ہے۔ باب 39 از زمر، آیت 10:

مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا]یعنی حد[۔

جب بھی انہیں آزمائشوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے ذہن میں رکھنا چاہیے تاکہ وہ صبر اور شکر گزار رہیں، جیسا کہ اس نے کیا تھا۔

مزید برآں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسلسل مشکلات اور آزمائشوں کا سامنا کرنے کے باوجود ہر مرحلے میں آپ کے دل کو سکون ملا۔ یہ سکون اس لیے حاصل ہوا کہ اس نے جو نعمتیں عطا کی تھیں ان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے استعمال کیا۔ باب 13 الرعد، آیت 28:

‘‘بلاشبہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔’’

باب 16 النحل آیت 97 اور:

جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، حالانکہ وہ مومن ہے، ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی" " "بسر کریں گے، اور ان کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر دیں گے۔

،لیکن جو اس کی تقلید میں ناکام رہتا ہے اسے تاریک اور گھٹن والی زندگی کے سوا کچھ نہیں ملے گا چاہے ان کے قدموں میں دنیا ہی کیوں نہ ہو۔ باب 20 طہٰ، آیت 124:

لیکن جو میری نصیحت سے روگردانی کرے گا یقیناً اس کی زندگی بدحالی ہوگی‘‘۔ ’’

اس لیے جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں ان کا صحیح استعمال کرنا ذہنی سکون حاصل کرنے اور دکھی زندگی کے درمیان فرق ہے، خواہ کسی کو مشکلات یا آسانی کے وقت کا سامنا ہو۔

اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لیے وقف کر دی۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلیں، جو آپ کے انتقال کے بعد آپ کی تعلیمات پر ثابت قدم رہے۔ تمام مسلمان آخرت میں اس کی صحبت کے خواہاں ہیں لیکن وہ اسے صرف اس صورت میں حاصل کریں گے جب وہ اس کے راستے پر چلیں گے۔ ایک شخص اپنے ساتھی کے ساتھ ختم نہیں ہوگا جس نے ایک مخصوص راستے پر سفر کیا تھا اگر وہ مختلف راستے پر چلتے ہیں۔ اسی طرح اگر مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور راستے پر چلیں گے تو آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل نہیں ہوں گے۔ یہ ان کی بابرکت زندگی اور تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں سے کسی نے بھی محض اپنے قول سے عقیدہ کا اعلان نہیں کیا اور عملی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے گریز کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ رویہ انہیں آخرت میں آپ کے ساتھ

شامل ہونے سے روک دے گا۔ درحقیقت یہ دوسری قوموں کا رویہ تھا جو اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ تو کرتی ہیں لیکن عملی طور پر ان کی پیروی میں ناکام رہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ آخرت میں اپنے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ شامل نہیں ہوں گے۔

نیز جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیات مبارکہ کا مشاہدہ کیا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایک ہی راستہ ہے جس سے کوئی شخص بامعنی اور قیمتی ہو سکتا ہے۔ اور بامقصد وجود ان کی تخلیق کے مقصد کو پورا کرنے سے ہے۔ باب 51 ذریات، آیت 56:

‘‘اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔’’

یہ صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص عملی طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے جو اس کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں، جن کی وضاحت قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات سے ہوتی ہے۔ محض جسمانی اعمال سے اس کی تائید کیے بغیر محض زبانی طور پر ایمان کا اعلان کرنا اس گلدان کی طرح ہے جو ظاہری طور پر خوبصورت نظر آتا ہے لیکن اندر سے کھوکھلا ہے۔ یہ اس زندگی میں بامعنی وجود کا باعث نہیں بنے گا، چاہے وہ آخرت میں جنت میں ہی کیوں نہ جائے۔ اس کا اشارہ التبرانی، المعجم الکبیر حدیث 182، جلد 20 میں موجود ایک حدیث سے ملتا ہے، جس میں متنبہ کیا گیا ہے کہ جنت میں انسان کو صرف وہی چیز پچھتائے گی جو زمین پر اپنی زندگی کے دوران وہ اوقات ہیں جب اس نے اللہ کو یاد نہیں کیا۔ ، عالی۔ یعنی اپنی زندگی کے اوقات میں انہوں نے جو نعمتیں عطا کی تھیں ان کو صحیح طریقے سے استعمال کرکے تخلیق کا مقصد پورا نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے مسلمان، جو صرف بنیادی فرائض کی ادائیگی کرتے ہیں، پھر بھی اپنی زندگی میں ایک خلاء محسوس کرتے ہیں ایک ایسا خلا جسے مکمل طور پر اور عملی طور پر اپنے مقصد کو قبول کرنے کے علاوہ کوئی چیز پوری نہیں کر سکتی۔

اس کے علاوہ، عام طور پر، لوگ خوش ہو جاتے ہیں جب وہ دنیاوی چیزیں، جیسے دوسروں سے مال و دولت کے وارث ہوتے ہیں۔ لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے لیے وراثت کے لیے مال نہیں چھوڑا۔ آپ نے بھی دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح علم کو پیچھے چھوڑ دیا۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 223 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر مسلمان اس کے حقیقی وارث بننا چاہتے ہیں تو انہیں اس وراثت میں سے حصہ لینا چاہیے۔

آخر میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اس بات کا بہترین نمونہ ہے کہ کس طرح ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے لیے اپنے فرائض کو پورا کرنا چاہیے۔ وہ قرآن کریم کی عملی نمائندگی ہے۔

لہٰذا مسلمانوں کو اپنے فرائض کی صحیح ادائیگی کے لیے ان کی بابرکت زندگی کا مطالعہ اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔ اس کے بغیر کامیابی ممکن نہیں۔ باب 33 الاحزاب، آیت 21:

”یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔“

اور باب 3 علی عمران، آیت 31:

”کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔“

اور باب 4 النساء آیت 80:

’’جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔‘‘

اور باب 59 الحشر، آیت 7:

’’اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔‘‘

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور اس کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ان کی آل اور صحابہ کرام پر درود و سلام ہو۔

اچھے کردار پر 400 سے زیادہ مفت ای بکس

400 سے زیادہ مفت ای بکس: https://shaykhpod.com/books/
eBooks/AudioBooks کے لیے بیک اپ سائٹ:
https://archive.org/details/@shaykhpod

شیخ پوڈ ای بکس کے براہ راست پی ڈی ایف لنکس:
https://spebooks1.files.wordpress.com/2024/05/shaykhpod-books-direct-pdf-links-v2.pdf

https://archive.org/download/shaykh-pod-books-direct-pdf-links/ShaykhPod%20Books%20Direct%20PDF%20Links%20V2.pdf

دیگر شیخ پوڈ میڈیا

آڈیو بکس: https://shaykhpod.com/books/#audio
روزانہ بلاگز: https://shaykhpod.com/blogs/
تصویریں: https://shaykhpod.com/pics/
جنرل پوڈکاسٹ: https://shaykhpod.com/general-podcasts/
PodWoman: https://shaykhpod.com/podwoman/
PodKid: https://shaykhpod.com/podkid /
اردو پوڈکاسٹ: https://shaykhpod.com/urdu-podcasts/
لائیو پوڈکاسٹ: https://shaykhpod.com/live/

ڈیلی بلاگز، ای بکس، تصویروں اور پوڈکاسٹوں کے لیے گمنام طور پر واٹس ایپ چینل کو فالو کریں:
https://whatsapp.com/channel/0029VaDDhdwJ93wYa8dgJY1t

ای میل کے ذریعے روزانہ بلاگز اور اپ ڈیٹس حاصل کرنے کے لیے سبسکرائب کریں:
http://shaykhpod.com/subscribe

Achieve Noble Character